توضیحات
شرح اردو
مشکوٰۃ شریف
حضرت مولانا فضل محمد صاحب دامت برکاتہم
جامع المعقول والمنقول واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
ناشر
المکتبۃ العربیۃ
0331-3788677, 0300-9268449
Email : mustaqimbilwani@yahoo.com

توضیحات

اردو شرح

مشکوٰۃ المصابیح

متن و ترجمہ، تشریح و توضیح کے ساتھ

تألیف

مولانا فضل محمد یوسف زئی

استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر: المکتبۃ العربیۃ

جمشید روڈ کراچی 6-0321-3788955

کتاب کا نام .... توضیحات اردو شرح مشکوۃ المصابیح (جلد چہارم)

مصنف .... استاذ الحدیث حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی دامت برکاتہم

سن اشاعت .... نومبر 2011

ناشر .... المکتبۃ العربیۃ 0321-3788955

ملنے کے پتے

دارالاشاعت، کراچی — قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی

بیت الاشاعت بہار کالونی کراچی — مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

وحیدی کتب خانہ پشاور، — البلال پبلشرز، 03003630753

اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور — مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

إدارۃ الرشید کراچی
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
Cell: 0321-2045610
0321-2940462, 0213-4928643

انتساب

میں اپنی اس محنتِ شاقّہ کو اپنی مادرِ علمی اور عالمی مرکزِ علمی
جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی طرف منسوب کرتا ہوں،

جس کے سایۂ عاطفت میں

بندہ نے مُحدّثُ العصر حضرتِ اقدس حضرت مولانا محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ
اور صدر مُدرّس حضرتِ اقدس حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ سے
احادیثِ مقدّسہ کی سند حاصل کی۔

فضل محمد یوسف زئی

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِی فَحَفِظَهَا
وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا (الحدیث طبرانی)

وَمِنْ مَّذْهَبِی حُبُّ النَّبِیِّ وَكَلَامِهٖ
وَلِلنَّاسِ فِیْمَا یَعْشَقُوْنَ مَذَاهِبُ

روزِ محشر ہر کسے با خویش دارد توشۂ
من نیز حاضر میشوم "توضیحِ مشکوٰۃ" در بغل

فہرست مضامین

توضیحات شرح مشکوٰۃ (جلد چہارم)

باب سعة رحمة الله

باب مایقال عند الصباح والمسآء والمنام

باب الاحرام والتلبیة

باب قصة حجة الوداع

باب دخول مكة والطواف

باب الوقوف بعرفة

باب الاحصار وفوت الحج

باب حرم مکة حرسها الله

باب حرم المدینة حرسها الله

کتاب البیوع

باب الکسب وطلب الحلال

بابٌ (فی البیع المشروط)

باب السلم والرھن

باب الاحتکار

باب الافلاس والانظار

باب الشركة والوكالة

باب الغصب والعارية

باب الشفعة

باب المساقاة والمزارعة

باب الاجارة

مضامین	صفحہ

باب اللقطة

باب الفرائض

عرض حال

الحمد للہ العلی والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ المصطفی

امابعد: اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھ ناچیز کو اپنے حبیب ﷺ کی احادیث کی توضیح وتشریح کی توفیق عطا فرمائی چنانچہ اس وقت قارئین کرام کے ہاتھوں میں توضیحات کی چوتھی جلد آ گئی ہے یہ جلد مشکوٰۃ شریف کے حصہ اول سے متعلق آخری جلد ہے چنانچہ مشکوۃ شریف کے حصہ اول پر توضیحات کی چار جلدیں چھپ کر آ گئیں جس سے مشکوٰۃ کا حصہ اول مکمل ہو گیا **والحمد للہ علی ذالك حمدا كثيرا**۔

اس کے بعد مشکوٰۃ کا حصہ دوم کتاب النکاح سے شروع ہو رہا ہے واضح رہے کہ ایک خاص مقصد کے تحت میں نے اس سے پہلے کتاب النکاح سے کتاب الجہاد تک توضیحات کی ایک جلد لکھی تھی جو جلد چہارم کے نام سے چھپ گئی تھی۔

میرا خیال تھا کہ مشکوٰۃ شریف کے دونوں حصے توضیحات کی چھ جلدوں میں مکمل ہو جائیں گے لیکن حصہ اول سے متعلق توضیحات لکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ مشکوٰۃ شریف کے دونوں حصے چھ جلدوں کے بجائے آٹھ جلدوں میں مکمل ہو سکتے ہیں اور ہر ہر حصہ پر چار چار جلدیں ہونگی اس نئی صورت حال کے پیش نظر مشکوٰۃ حصہ دوم کتاب النکاح سے متعلق پہلے سے لکھی گئی توضیحات جلد چہارم اب توضیحات جلد پنجم کے نام سے چھپ کر آئے گی ناظرین نوٹ فرمالیں۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کی بارگاہ صمدیت میں التجاء ہے کہ وہ میری اس محنت کو قبولیت عامہ وخاصہ سے پائیہ تکمیل تک پہنچادے آمین یارب العالمین۔

وصلی اللہ علی نبیہ الکریم۔

یکم ذوالحجہ ۱۴۲۷ھ

کتاب الدعوات

دعاؤں کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وقال ربکم ادعونی استجب لکم﴾[1]

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿اجیب دعوۃ الداع اذا دعان﴾[2]

الدعا ھو طلب الادنی من الاعلیٰ شیئاً علی وجہ الاستکانۃ۔[3]

اعلیٰ ذات سے بطریق عاجزی ادنیٰ چیزوں میں سے کچھ مانگنے کا نام دعا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ ہرزمانہ میں ہر جگہ کے علماء اس پر متفق رہے ہیں کہ دعا مانگنا نہ مانگنے کے مقابلہ میں مستحب اور افضل ہے دعا مانگنا نصوص ظاہرہ سے ثبوت کے ساتھ ساتھ انبیاء کرام کا مسنون فعل بھی ہے کیونکہ تمام انبیاء کرام بہت زیادہ دعا مانگا کرتے تھے۔[4]

بعض صوفیاء کے نزدیک دعا نہ مانگنا افضل ہے کیونکہ اس میں رضا بالقضاء کا بڑا جذبہ اور بڑا مظاہرہ ہوتا ہے کہ بندہ کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے اس پر صبر ہے دعا کی ضرورت نہیں ان دونوں اقوال میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ بعض اہل دل پر ایک خاص کیفیت طاری ہوجاتی ہے جو استغراقی کیفیت ہوتی ہے اس میں ان کے نزدیک دعا مانگنے سے نہ مانگنا افضل ہے مگر اس کیفیت کا اعتبار نہیں ہے نہ یہ سب لوگوں کو حاصل ہے لہٰذا دعا مانگ کر قرآن وحدیث کے سینکڑوں نصوص پر عمل کرنا ہی زیادہ بہتر ہے مسلمان کی دعا اگر شرائط وآداب کے لحاظ کے ساتھ ہوتو وہ ضرور قبول ہوتی ہے مگر قبولیت کی صورتیں بدل جاتی ہیں کبھی تو مطلوب چیز بعینہ مل جاتی ہے کبھی کوئی خفیہ آفت دعا کی وجہ سے ٹل جاتی ہے اور اگر کچھ نہ ہو تو بطور ثواب آخرت کے لئے یہ دعا ذخیرہ بن جاتی ہے مسلمان کی دعا ضائع نہیں جاتی۔[5]

آنحضرت ﷺ کی شانِ شفاعت

﴿۱﴾ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ

---

[1] سورت المومنون: الایہ نمبر ۶۰: پارہ ۲۴: وقال ربکم ادعونی [2] سورت البقرۃ الایہ: نمبر ۱۸۶ پارہ: ۲ اجیب دعوت الداع اذا
[3] المرقات: ۵/۵ [4] المرقات: ۵/۵ [5] المرقات: ۵/۱۰ احمد ۳/۱۸

كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلِلْبُخَارِيِّ أَقْصَرُ مِنْهُ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہر ایک نبی کے لئے ایک دعا ہے جو قبول کی جاتی ہے چنانچہ ہر نبی نے اپنی دعا کے بارے میں جلدی کی لیکن میں نے اپنی دعا اپنی امت کی شفاعت کی خاطر قیامت کے دن تک کے لئے محفوظ رکھی ہے پس میری یہ دعا اگر خدا نے چاہا تو میری امت کے ہر اس شخص کو فائدہ پہنچائیگی جو اس حال میں مرا ہو کہ اس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو"۔ (مسلم) اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اس سے کم نقل کیا ہے۔

توضیح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حکم دیا کہ تم دعا مانگو میں تمہاری ایک دعا قبول کروں گا ہر نبی نے دعا کے اس حق کو استعمال کیا اور اپنی قوم کے خلاف بددعا کی میں نے دعا کے اس حق کو دنیا میں استعمال نہیں کیا بلکہ آخرت کے لئے چھوڑ دیا قیامت کے دن میں بددعا کے بجائے اپنی امت کے لئے شفاعت کی دعا کروں گا ان شاء اللہ یہ شفاعت ہر اس امتی کو حاصل ہو جائے گی جو کفر وشرک پر نہیں مرا ہو خواہ گناہ گار کیوں نہ ہو قیامت میں حضور اکرم کی ایک بڑی شفاعت ہوگی جو شفاعت کبریٰ کہلائے گی وہ تمام انسانوں کے لئے ہوگی، شفاعت صغریٰ کی کئی صورتیں ہونگی بعض لوگ تو آپ کی شفاعت کی برکت سے دوزخ جانے سے بچ جائیں گے بعض دوزخ سے جلدی نکل آئیں گے بعض جنت میں جلدی داخل ہو جائیں گے اور شفاعت کی برکت سے بعض کے درجات بلند ہونگے۔[2]

سوال: یہاں یہ اشکال ذہن میں ابھرتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے امت کے بعض افراد کے خلاف بددعا مانگی تھی جیسے قبائل رعل وذکوان اور قبیلہ مضر وغیرہ کے بارے میں بددعا مانگی مستہزئین کے خلاف بددعا کی ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بعض قبائل اور بعض دیگر لوگوں کے بارے میں بے شک بددعا مانگی لیکن دیگر انبیاء کی بددعا انکی قوموں کے حق میں قبول ہوگئی اور قومیں ہلاک ہوگئیں لیکن حضور اکرم کی دعا کا یہ حق آخرت کے لئے محفوظ رکھا گیا اور دنیا میں بددعا بالکل قبول نہیں ہوئی۔ علامہ طیبی نے جو لکھا ہے اس کا بھی یہی خلاصہ ہے اس پر مزید اتنا کہا جا سکتا ہے کہ حضور اکرم کی بددعا اگرچہ جزوی طور پر دنیا میں اثر کر گئی جیسے مستہزئین کے بارے میں تھی لیکن قوموں کو جڑ سے اکھیڑنے والی ہمہ گیر بددعا نہ آپ نے مانگی ہے اور نہ قبول ہوئی بلکہ وہ بطور ذخیرہ آخرت کے لئے رکھی گئی ہے۔[3]

زحمت بھی رحمت بن گئی

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَللّٰهُمَّ إِنِّي اتَّخَذْتُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَنْ

[1] اخرجه البخاری: ۸/۸۲ ومسلم: ۱/۱۰۶ [2] المرقات: ۶،۵/۵ [3] الکاشف: ۴/۳۶۳

تُخْلِفَنِيْهِ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ فَأَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ آذَيْتُهُ شَتَمْتُهُ لَعَنْتُهُ جَلَدْتُهُ فَاجْعَلْهَا لَهُ صَلَاةً وَزَكَاةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بارگاہ حق میں یوں دعا کی کہ "اے میرے پروردگار: میں نے تیری خدمت میں ایک درخواست پیش کی ہے تو مجھے اس کی قبولیت سے نواز اور مجھے ناامید نہ کر۔ (یعنی میں امیدوار کرم ہوں کہ میری درخواست ضرور ہی منظور ہوگی اور وہ درخواست یہ ہے) کہ میں ایک انسان ہوں لہٰذا جس مؤمن کو میں نے کوئی ایذاء پہنچائی ہو بایں طور کہ میں نے اسے برا بھلا کہا ہو میں نے اس پر لعنت کی ہو میں نے اسے مارا ہو تو ان سب چیزوں کو تو اس مؤمن کے حق میں رحمت کا سبب اور گناہوں سے پاکی کا ذریعہ اور اپنے قرب کا باعث بنادے کہ تو ان چیزوں کے سبب اس کو قیامت کے دن اپنا قرب بخشے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "عهدًا" عہد یہاں امن کے معنی میں ہے مراد اس طرح درخواست ہے کہ اے مولا! میں نے آپ کے ہاں ایک درخواست دے رکھی ہے[2] "لن تخلفنيه" امید ہے آپ اسے رد نہیں فرمائیں گے بلکہ قبول فرمائیں گے۔[3]
"فانما انا بشر" آئندہ عذر کے لئے یہ جملہ بطور تمہید ہے کہ میں بھی ایک بشر ہوں کبھی بتقاضائے بشریت غصہ ہو جاتا ہوں کسی کو سخت سست کہہ دیتا ہوں یا مار دیتا ہوں یا بددعا کرتا ہوں یا کسی کو ایذا دی ہو اگر میں نے ایسا کیا ہے تو آپ اپنی رحمت سے یہ چیزیں زحمت کے بجائے رحمت میں تبدیل فرمادے اور قیامت میں بُعد کے بجائے قرب کا ذریعہ بنادے۔[4]

دعا عزم وجزم کے ساتھ مانگنی چاہئے

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ إِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِيْ إِنْ شِئْتَ ارْزُقْنِيْ إِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمْ مَسْأَلَتَهُ إِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَلَا مُكْرِهَ لَهُ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے کہ "اے اللہ مجھے بخش دے اگر تو چاہے، مجھ پر رحم کر اگر تو چاہے، مجھے رزق عطا فرما اگر تو چاہے"۔ بلکہ چاہئے کہ وہ عزم بالجزم اور یقین واعتماد کے ساتھ دعا مانگے (شک وشبہ کا کلمہ مثلاً اگر تو چاہے" وغیرہ استعمال نہ کرے) کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود ہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے اس پر کوئی زور زبردستی کرنے والا نہیں"۔ (بخاری)

توضیح: "ولیعزم" یعنی پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ دعا مانگنی چاہئے کسی شک کی اس میں گنجائش نہ ہو، لیکن جو آدمی خود اپنی مانگی ہوئی چیز پر مطمئن نہیں تو اس تذبذب میں وہ چیز ان کو کیسے مل سکتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں خود

[1] اخرجه البخاری ومسلم: ۲/۴۳۶ [2] المرقات: ۵/۶ [3] المرقات: ۵/۶ [4] المرقات: ۵/۶ [5] اخرجه البخاری: ۹/۱۷۱

مختار ہے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں نہ کوئی روکنے والا ہے لہذا براہ راست رب تعالیٰ سے پورے وثوق کے ساتھ سوال کرنا چاہیے اس طرح سوال نہ ہو کہ۔ اے اللہ! اگر تو مناسب سمجھتا ہے تو مجھے فلاں چیز عطا فرما دے۔ [۱]

﴿٤﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ إِنْ شِئْتَ وَلٰكِنْ لِيَعْزِمْ وَلْيُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَتَعَاظَمُهُ شَيْئٌ أَعْطَاهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو اس طرح نہ کہے کہ ''اے خدا مجھے بخش دے اگر تو چاہے بلکہ بلا کسی شک کے جزم و یقین کے ساتھ اور پوری رغبت کے ساتھ دعا مانگے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جو چیز عطا کرتا ہے وہ اس کے لئے مشکل نہیں ہوتی''۔ (مسلم)

''**لایتعاظمه**'' تعاظم بڑے ہونے اور قابو سے باہر نکلنے کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ جو چیز دینا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قبضے سے باہر نہیں نہ اتنی بڑی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے عاجز آجائے۔ [۳]

تھک کر دعا کو ترک نہیں کرنا چاہئے

﴿٥﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَالَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيْعَةِ رَحِمٍ مَالَمْ يَسْتَعْجِلْ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْإِسْتِعْجَالُ قَالَ يَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ أَرَ يُسْتَجَابُ لِيْ فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذٰلِكَ وَيَدَعُ الدُّعَاءَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بندے کی دعا شرائط قبولیت کے بعد قبول کی جاتی ہے جب تک وہ گناہ کی یا ناطہ توڑنے کی دعا نہیں مانگتا اور جب تک جلدی نہیں کرتا'' عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ جلدی کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا مانگنے والا بار بار کہنے لگے کہ میں نے دعا مانگی) لیکن میں نے اسے قبول ہوتے نہیں دیکھا'' اور پھر وہ تھک کر بیٹھ جائے اور دعا مانگنی ہی چھوڑ دے''۔ (مسلم)

توضیح: ''**باثم**'' دعا کی عدم قبولیت کی اس حدیث میں دو چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے پہلی چیز یہ کہ اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرماتا ہے بشرطیکہ دعا کسی ناجائز و نامناسب چیز سے متعلق نہ ہو مثلاً کوئی گستاخ و بے ادب یہ دعا مانگے کہ اے اللہ مجھے شراب پینے یا زنا کرنے کی توفیق عطا فرما یا کوئی نالائق یہ دعا مانگے کہ اے اللہ! فلاں شخص کو بخش دے حالانکہ وہ شخص کفر پر مرا ہے یا کوئی نالائق کسی محال چیز کی دعا مانگے کہ اے اللہ مجھے بیداری میں اپنا دیدار کرا دے یہ سب دعا کی ناجائز صورتیں ہیں۔ [۵]

---

[۱] المرقات: ۵/۸ [۲] اخرجه مسلم: ۲/۳۶۷ [۳] المرقات: ۵/۸ [۴] اخرجه مسلم: ۲/۳۸۶ [۵] المرقات: ۵/۹

"**اوقطیعة رحم**" ناتہ توڑنے کی دعا کوئی شخص اس طرح مانگتا ہے کہ اے اللہ! میرے باپ اور میرے درمیان جدائی پیدا فرما اس حدیث کا مفہوم یہی ہے کہ اس طرح دعا قبول نہیں ہوتی لہٰذا اس طرح دعا نہیں مانگنی چاہئے۔[1]

"**مالم یستعجل**" عدم قبولیت دعا کی یہ دوسری چیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرماتا ہے بشرطیکہ اس میں جلد بازی نہ ہو صحابہ نے پوچھا جلد بازی کیا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بندہ کہتا ہے کہ میں نے بار بار دعا مانگ لی قبول تو ہوتی نہیں لہٰذا دعا کی ضرورت ہی نہیں اس طرح جلد بازی میں وہ دعا مانگنا چھوڑ دیتا ہے فرمایا کہ اس طرح نہیں کرنا چاہیئے علماء لکھتے ہیں کہ کبھی جلدی اس لئے قبول نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ایک وقت مقرر ہے کبھی تقدیر کی مصلحت کی وجہ سے جلدی قبول نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک بندے کے اصرار و التجاء اور تضرع وزاری کو پسند کرتا ہے اسی وجہ سے بعض بے دین آدمی کی دعا جلدی قبول ہو جاتی ہے اس لئے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جبریل امین سے فرماتا ہے کہ اس کو جلدی کچھ دیدو تا کہ میرے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے کبھی دعا اس لئے قبول نہیں کی جاتی کہ اس کو آخرت کا ذخیرہ بنایا جاتا ہے کبھی دعا اس لئے قبول نہیں ہوتی کہ اس کے شرائط و آداب پورے نہیں ہوتے کبھی دعا اس لئے قبول نہیں ہوتی کہ دعا مانگنے والا مایوس ہو کر دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے۔[2]

اب دعا بھی مجھے ایک کھیل نظر آتی ہے   کسمپرسی میں خیالات بدل جاتے ہیں

غائبانہ دعا قبول ہوتی ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ عِنْدَ رَأْسِهِ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ كُلَّمَا دَعَا لِأَخِيهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهِ آمِيْنَ وَلَكَ بِمِثْلٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ دعا کرتا ہے تو وہ قبول کی جاتی ہے دعا کرنے والے کے سر کے قریب ایک فرشتہ متعین کر دیا جاتا ہے جب وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھلائی کی دعا کرتا ہے تو وہ متعین شدہ فرشتہ کہتا ہے کہ اے اللہ اس کی دعا قبول کر اور (یہ بھی کہتا ہے کہ) تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو"۔ (مسلم)

توضیح: "**بظهر الغيب**" یعنی پیٹھ پیچھے ایک مسلمان بھائی کی دوسرے کے لئے دعا قبول ہوتی ہے کیونکہ اس دعا میں ہمدردی بھی ہوتی ہے اور کوئی لالچ بھی نہیں ہوتی ہے جب یہ شخص دوسرے کی حاجت برآری کی کوشش کرتا ہے تو اللہ

[1] المرقات: ۱۰۵/۹ [2] المرقات: ۱۰/۵ والکاشف: ۴/۳۶۸ [3] اخرجہ مسلم: ۲/۳۸۵

تعالیٰ ان کی ضروریات کو بھی پورا فرمادیتا ہے یہی مطلب ہے حدیث کے اخری جملوں کا کہ فرشتے سر پر کھڑے ہوتے ہیں اوران کے لئے دعا کرتے ہیں اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ "اَللّٰهُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَادَامَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ اَخِيْهِ"۔[1]

بددعا نہ کرو کہیں قبول نہ ہوجائے

﴿۷﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰى أَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوْا عَلٰى أَمْوَالِكُمْ وَلَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً يُسْئَلُ فِيْهَا عَطَاءً فَيَسْتَجِيْبُ لَكُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ فِيْ كِتَابِ الزَّكَاةِ)[2]

ترجمہ: اور جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنے لئے بددعا نہ کرو اپنی اولاد کے لئے بددعا نہ کرو اور نہ اپنے مال، غلام، لونڈیوں، جانوروں اور دوسرے مال واسباب کے لئے بددعا کرو تاکہ کہیں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ساعت حاصل نہ ہوجائے جس میں خدا ہر سوال پورا کرتا ہے اور پھر تمہاری بددعا قبول ہوجائے گی۔ (مسلم)
اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ مظلوم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ کتاب الزکوۃ میں ذکر کی گئی ہے۔

توضیح: "ساعة" یعنی قبولیت دعا کے اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ اوقات ہوتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بددعا کرو اور ادھر قبولیت کی گھڑی موجود ہو پھر پچھتاؤ گے اور ہاتھ میں کچھ نہیں آئے گا۔ مشکوۃ شریف پڑھنے کے زمانہ میں مینگورہ سوات میں اسی طرح ایک واقعہ ہوا کہ ماں نے جوان بیٹے کے لئے اس طرح بددعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ تیرے جسم کے مختلف ٹکڑے بنا کر مجھے دکھائے چنانچہ بیٹا گھر سے جونہی نکلا دشمن نے پکڑلیا اور اس کے جسم کے ٹکڑے کردیئے جب یہ ٹکڑے ماں کے پاس پہنچ گئے تو ماں نے چھری لی اور اپنی زبان کاٹنے کی کوشش کرنے لگی زبان کھینچ رہی تھی لیکن فائدہ کیا؟[3]

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

الفصل الثانی

دعا عبادت ہے

﴿۸﴾ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ

[1] المرقات: ۱۱،۵/۱۰ [2] اخرجه مسلم: ۸/۲۲۶ [3] المرقات: ۵/۱۱

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْ أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[1]

ترجمہ: حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دعا ہی عبادت ہے'' اور پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور تمہارے پروردگار نے کہہ دیا ہے کہ مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔
(احمد، ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: دعا کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ دعا ہے جو کوئی انسان اپنے رب سے اپنے لئے مانگتا ہے یہ بھی عبادت ہے کیونکہ یہ شخص اپنے رب کو قادر سمجھتا ہے خالق و مالک سمجھتا ہے "**فعال لما یرید**" سمجھتا ہے اسی لئے ان سے دنیوی واخروی دونوں کامیابیاں مانگتا رہتا ہے ظاہر ہے **الدعاهو العبادة** اس پر صادق ہے۔
دعا کی دوسری قسم وہ ہے کہ ایک آدمی اپنی غائبانہ حاجات میں صرف ایک رب کو پکارتا ہے اس میں اس شخص کا عقیدہ ہے کہ میرا رب مشکل کشا بھی ہے غیب دان بھی ہے قادر مطلق بھی ہے میں اس کو پکارتا ہوں۔
قرآن عظیم میں اس دعا پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ پکار صرف اللہ کے لئے ہے مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے معبودوں کو غائبانہ حاجات میں پکارتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا تو یہاں صرف اللہ تعالیٰ کے پکارنے کو عین عبادت بلکہ عبادت کا خلاصہ اور مغز قرار دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آیت بطور استشہاد تلاوت فرمائی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دعا سے یہاں پکار مراد ہے۔[2]

دعا عبادت کا مغز وخلاصہ ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دعا عبادت کا مغز ہے''۔ (ترمذی)

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللهِ مِنَ الدُّعَاءِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ بلند مرتبہ کوئی چیز نہیں ہے''۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] اخرجه احمد: ۴/۲۶۷، ۲۷۱ ابوداؤد: ۲/۷۷ والترمذی ۵/۲۱۱ [2] المرقات: ۵/۱۲
[3] اخرجه الترمذی: ۵/۳۶۵ ح ۳۳۷۱ [4] اخرجه الترمذی: ۴/۴۴۸ ح ۲۱۳۹ وابن ماجه: ۲۲۳۲

دعا اور تقدیر

﴿۱۱﴾ وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر کو دعا کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بدلتی اور عمر کو نیکی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بڑھاتی''۔ (ترمذی)

توضیح: "القضاء" یعنی تقدیر الٰہی کو کوئی چیز بدل نہیں سکتی ہے ہاں اگر کوئی چیز تقدیر کو بدل دیتی ہے تو وہ دعاء ہے۔[۲]

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ قرآن وحدیث کے کئی نصوص سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقدیر کو کوئی چیز بدل نہیں سکتی ہے اور یہاں حدیث میں ہے کہ دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے۔

جواب: تقدیر دو قسم پر ہے ایک تقدیر مبرم ہے دوم تقدیر معلق ہے تقدیر مبرم تو اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہوتا ہے جو کسی صورت میں آگے پیچھے نہیں ہوسکتا ہے۔

دوم تقدیر معلق ہے جس کے ساتھ یہ لکھا ہوتا ہے کہ مثلاً فلاں آدمی فلاں جگہ گر کر زخمی ہوگا ہاں اگر وہ اپنی حفاظت کے لئے دعا مانگے تو پھر نہیں گریگا، تقدیر معلق میں تغیر وتبدل آسکتا ہے یہاں زیر بحث حدیث میں یہی تقدیر معلق مراد ہے تقدیر مبرم مراد نہیں ہے۔[۳]

دعا ہر حال میں فائدہ کرتی ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللهِ بِالدُّعَاءِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بلاشبہ دعا اس چیز کے لئے بھی نافع ہے جو پیش آچکی ہے اور اس چیز کے لئے بھی نافع ہے جو پیش نہیں آئی ہے لہٰذا اے اللہ کے بندو: دعا کو اپنے لئے ضروری سمجھو''۔ (ترمذی)

﴿۱۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْعُو بِدُعَاءٍ إِلَّا آتَاهُ اللهُ مَا سَأَلَ أَوْ كَفَّ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهُ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۵]

---

[۱] اخرجه الترمذی: ۴/۴۴۸ [۲] المرقات: ۵/۱۳ [۳] اخرجه الترمذی: ۵/۵۱۵ واحمد: ۵/۲۴۳

[۴] اخرجه الترمذی: ۵/۳۶۲ ح ۳۳۸۱ [۵] اخرجه الترمذی: ۵/۳۶۲

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو بھی شخص دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ یا تو اسے وہ چیز عطا فرما دیتا ہے جو وہ مانگتا ہے یا اس کے عوض میں اس سے برائی کو روک دیتا ہے جب تک وہ گناہ کی کوئی چیز یا ناطہ توڑنے کی دعا نہیں مانگتا"۔ (ترمذی)

دعا مانگو اور کشادگی کا انتظار کرو

﴿۱۴﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُّسْأَلَ وَأَفْضَلُ الْعِبَادَةِ إِنْتِظَارُ الْفَرَجِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کے ذریعہ مانگو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو بہت پسند کرتا ہے کہ اس سے اس کا فضل مانگا جائے اور عبادت (یعنی دعا) کی سب سے بہتر چیز کشادگی کا انتظار کرنا ہے"۔ (امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

توضیح: "انتظار الفرج" یعنی اگر کسی پر مصیبت نازل ہو جائے اور وہ صبر کرے کسی سے شکایت نہ کرے مایوسی کا اظہار نہ کرے دعا مانگتا رہے اور مصیبت ٹل جانے کا یقین رکھے یہی بہترین عبادت ہے صبر کرنا انسان کی قوت ارادی میں زبردست اسپرٹ بھرتا ہے اور انجام کار وہی صابر شاکر جو مصائب کے ٹل جانے کی امید میں بیٹھا ہوا ہے کامیاب ہو جاتا ہے کیونکہ "ان اللہ مع الصابرین" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ سے نہ مانگنا اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللّٰهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے (کیونکہ ترک دعا اللہ سے تکبر اور استغناء کی علامت ہے)۔ (ترمذی)

توضیح: اللہ تعالیٰ چونکہ صفت عطا سے متصف ہے تو وہ چاہتا ہے کہ کوئی مانگنے والا مانگے ویسے عرب شعراء کے کلام میں بڑے بڑے قصیدے بادشاہوں کی سخاوت سے متعلق پڑھے گئے ہیں اس میں بادشاہوں سے مانگنے کو بادشاہوں کی خوشی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے جیسے۔

كأن كل سوال فى مسامعه قميص يوسف فى اجفان يعقوب

اسی انداز سے یہ حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو مانگتا ہے وہ خوش ہوتا ہے اور جو نہیں مانگتا ہے وہ ناراض ہو جاتا ہے انسان

---

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۵۶۵ [2] المرقات: ۵/۱۷ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۴۵۶

کا معاملہ اس کے برعکس ہے کسی نے خوب کہا۔

الله يغضب ان تركت سوأله وبنو آدم حين يسأل يغضب

﴿۱۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللّٰهُ شَيْئًا يَعْنِيْ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يُسْأَلَ الْعَافِيَةَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے جس شخص کے لئے دعا کا دروازہ کھولا گیا (یعنی جس شخص کو پورے آداب وشرائط کے ساتھ بہت دعا مانگنے کی توفیق عطا کی گئی تو سمجھو کہ) اس کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے گئے (کیونکہ اس کی دعا کے نتیجہ میں کبھی تو اس کی مانگی ہوئی چیز ملتی ہے اور کبھی مانگی ہوئی چیز کے بدلہ میں اس سے شر و برائی کو دور کر دیا جاتا ہے) اور اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں مانگی جاتی یعنی اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب بات یہ ہے کہ اس سے عافیت مانگی جائے۔ (ترمذی)

فراخی میں دعا مانگو گے تو تنگی میں دعا قبول ہوگی

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يَسْتَجِيْبَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ الشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِ الدُّعَاءَ فِي الرَّخَاءِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے لئے یہ بات پسندیدگی اور خوشی کا باعث ہو کہ تنگی اور سختی کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے تو اسے چاہیئے کہ وہ وسعت و فراخی کے زمانہ میں بہت دعا کرتا رہے''۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

قلب غافل کی دعا قبول نہیں ہوتی

﴿۱۸﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُوا اللّٰهَ وَأَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْإِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''تم قبولیت دعا کا یقین رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو یاد رکھو: اللہ تعالیٰ غافل اور کھیلنے والے دل کی دعا قبول نہیں کرتا (یعنی اس شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی جس کا دل دعا مانگتے وقت اللہ سے غافل اور غیر اللہ میں مشغول ہو)۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

[۱] اخرجه الترمذي: ۵/۵۳۵ [۲] اخرجه الترمذي: ۵/۴۶۲ [۳] اخرجه الترمذي: ۵/۵۱۷

دعا کے وقت ہاتھوں کا رخ کیسے ہو؟

﴿۱۹﴾ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْأَلُوْهُ بِبُطُوْنِ أَكُفِّكُمْ وَلَاتَسْأَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا. وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلُوا اللهَ بِبُطُوْنِ أَكُفِّكُمْ وَلَاتَسْأَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَإِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَكُمْ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جس وقت تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو اس سے اپنے ہاتھوں کے اندرونی رخ کے ذریعے مانگو اس سے اپنے ہاتھوں کے اوپر رخ کے ذریعہ نہ مانگو''۔ ایک اور روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے ہاتھوں کے اندرونی رخ کے ذریعہ مانگو، اس سے اپنے ہاتھوں کے اوپر کے رخ کے ذریعہ نہ مانگو اور جب تم دعا سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے ہاتھوں کو اپنے منہ پر پھیرلو (تا کہ وہ برکت جو ہاتھوں پر اترتی ہے منہ کو بھی پہنچ جائے)۔ (ابوداود)

توضیح: "ببطون اکفکم" اکف جمع ہے اس کا مفرد کف ہے ہتھیلی کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ دعا کے وقت دعا کے آداب میں سے ہاتھوں کا اٹھانا ہے دوسرا ادب یہ کہ ہاتھوں کا رخ یعنی اندر کی ہتھیلیاں منہ کی طرف سامنے ہوں مقصود یہ کہ ہاتھوں کو الٹا کر کے دعا نہ مانگو، ہاں دعا استسقاء کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے اس میں ہاتھوں کو الٹا کر کے دعا مانگنا الگ مصلحت کی وجہ سے ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھوں کو محروم نہیں کرتا

﴿۲۰﴾ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''تمہارا پروردگار بہت حیا مند ہے وہ بغیر مانگے دینے والا ہے اور وہ اپنے بندہ سے حیا کرتا ہے کہ اسے خالی ہاتھ واپس کرے جبکہ اس کا بندہ اس کی طرف (دعا کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتا ہے''۔ (ترمذی، ابوداود، بیہقی)

دعا کے بعد ہاتھوں کو منہ پر پھیرنا سنت ہے

﴿۲۱﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ لَمْ يَحُطَّهُمَا

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۷۸،۲/۷۹ [2] المرقات: ۵/۲۰ والكاشف: ۴/۳۴۸ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۵۵۶ وابوداؤد: ۲/۷۹

حَتّٰى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تو انہیں اس وقت تک نہ رکھتے جب تک کہ اپنے منہ پر نہ پھیر لیتے۔ (ترمذی)

توضیح: "اذا رفع" اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون ہے دوسری بات یہ معلوم ہوگئی کہ دعا میں اللہ کے سامنے پھیلائے ہوئے ہاتھ برکتوں سے بھر جاتے ہیں لہٰذا دعا کے بعد اس کو اپنے چہروں پر ملنا چاہئے تا کہ برکت حاصل ہو جائے آج کل عرب لوگ دعا میں اس طرح اہتمام نہیں کرتے۔[۲]

آنحضرت ﷺ جامع دعا پسند فرماتے تھے

﴿۲۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الْجَوَامِعَ مِنَ الدُّعَاءِ وَيَدَعُ مَا سِوٰى ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ ان دعاؤں کو پسند فرماتے تھے جو جامع ہیں اور ان دعاؤں کو چھوڑ دیتے تھے جو جامع نہیں ہیں۔ (ابوداود)

توضیح: جامع دعا وہ ہوتی ہے جس میں الفاظ کم ہوں مگر دنیاوی اور اخروی فوائد زیادہ ہوں جیسے "اللهم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة الخ" یا "اللّٰهم انی اسئلك العفو والعافية فی الدنيا والاٰخرة"۔[۴]

﴿۲۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَسْرَعَ الدُّعَاءِ إِجَابَةً دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بہت جلد قبول ہونے والی وہ دعا ہے جو غائب، غائب کے لئے کرے۔ (ترمذی وابوداود)

بڑوں کا چھوٹوں سے دعا کی اپیل

﴿۲۴﴾ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعُمْرَةِ فَأَذِنَ لِيْ وَقَالَ أَشْرِكْنَا يَا أُخَيَّ فِيْ دُعَائِكَ وَلَا تَنْسَنَا فَقَالَ كَلِمَةً مَا يَسُرُّنِيْ أَنَّ لِيْ بِهَا الدُّنْيَا۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ عِنْدَ قَوْلِهٖ وَلَا تَنْسَنَا)[۶]

---

[۱] اخرجه الترمذی: ۵/۴۶۳ [۲] المرقات: ۵/۲۲ [۳] اخرجه ابوداؤد: ۲/۷۸ [۴] المرقات: ۵/۲۳

[۵] اخرجه الترمذی: ۴/۳۵۲ وابوداؤد: ۲/۹۰ [۶] اخرجه ابوداؤد: ۲/۸۱ والترمذی: ۵/۵۵۹

ترجمہ: اور حضرت عمر بن خطاب راوی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے نبی کریم ﷺ سے ادائیگی عمرہ کے لئے اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت عطا فرمائی اور فرمایا کہ "اے میرے چھوٹے بھائی اپنی دعا میں ہمیں بھی شریک کرلینا اور دعا کے وقت مجھے نہ بھولنا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایسا کلمہ ارشاد فرمایا کہ اگر اس کے بدلہ میں مجھے تمام دنیا بھی دے دی جائے تو مجھے خوشی نہ ہوگی"۔ (ابوداود) امام ترمذی نے اس روایت کو لفظ ولا تنسنا پر ختم کردیا ہے۔

توضیح: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عمرہ کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ جارہے تھے حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میرے چھوٹے بھائی اپنی نیک دعاؤں میں مجھے شریک رکھو اور مجھے دعا میں نہ بھولنا اس حدیث سے ایک بات یہ سمجھ میں آگئی کہ آنحضرت میں عبودیت اور عاجزی انتہا درجہ کی تھی کہ اپنے ایک خادم اور امتی سے دعا کی درخواست کررہے ہیں۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آگئی کہ جب کوئی مسلمان اسلام کے کسی بڑے شعار کے ساتھ جڑ جاتا ہے تو اس کا اپنا رتبہ بلند ہوجاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ رتبہ بیت اللہ کی زیارت اور اس کی برکت سے ملا۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بڑے مقام کا آدمی اپنے سے کمتر مقام والے سے دعا کی درخواست کرسکتا ہے۔ چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی نیک دعاؤں میں پوری امت کو شریک کرے۔ پانچویں بات یہ معلوم ہوئی کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کتنا بڑا مقام ہے۔[1]

"فقال کلمة" حضرت عمر فاروق حضور اکرم ﷺ کے اس کلمہ سے اتنے خوش ہوئے کہ فرمایا کہ اگر اس کے بدلے مجھے پوری دنیا مل جائے مجھے اس سے اتنی خوشی نہیں ہوگی اب سوال یہ ہے کہ وہ کونسا کلمہ ہے جس کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اشارہ فرمارہے ہیں؟[2]

اس کا جواب یہ ہے کہ بظاہر یہی لگتا ہے کہ دعا کی جو درخواست حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کی اور اس میں "اشرکنا" کا کلمہ ارشاد فرمایا اور ساتھ ساتھ شفقت کے لئے "اُخَیّ" اے میرے چھوٹے بھائی کا کلمہ ارشاد فرمایا حضرت عمر اسی کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کلمہ کوئی اور تھا جس کو یہاں نقل نہیں کیا گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف صرف اشارہ فرمادیا پہلی توجیہ واضح ہے۔[3]

اس حدیث سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت شان اور حضور اکرم ﷺ کے ہاں ان کے مقام کا خوب اندازہ ہوتا ہے۔

مظلوم کی دعا رد نہیں ہوتی

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمُ الصَّائِمُ

[1] المرقات: ۵/۲۳ [2] المرقات: ۵/۲۳، ۲۴ [3] المرقات: ۵/۲۳

حِيْنَ يُفْطِرُ وَالْإِمَامُ الْعَادِلُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَيَفْتَحُ لَهَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ وَيَقُوْلُ الرَّبُّ وَعِزَّتِيْ لَأَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تین شخص ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی۔ ① روزہ دار جب وہ افطار کرتا ہے (یعنی روزہ دار جب افطار کرتے وقت دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے کیونکہ وہ عبادت کی ادائیگی کے بعد ہوتی ہے اور یہ کہ اس وقت عاجزی اور مسکینی کا پیکر ہوتا ہے)۔ ② لوگوں کا سردار و حاکم جو عدل و انصاف کرے (کیونکہ حدیث میں منقول ہے ایک ساعت کا عدل ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے اس لئے اس فضیلت و شرف کی وجہ سے عادل و سردار و حاکم کی دعا قبول ہوتی ہے)۔ ③ مظلوم کی دعا جب مظلوم دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو بادلوں کے اوپر اٹھاتا ہے اور اس دعا کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور پروردگار فرماتا ہے کہ "قسم ہے، مجھے اپنی عزت کی میں تیری مدد ضرور کروں گا اگرچہ وہ کچھ مدت بعد ہی ہو (یعنی تیرا حق ضائع نہیں کروں گا اور تیری دعا کو رد نہیں کروں گا اگرچہ مدت دراز گزر جائے)۔ (ترمذی)

توضیح: "یرفعھا" یعنی قبولیت کے لئے اس کو آسمانوں پر اٹھایا جاتا ہے گویا اللہ تعالیٰ بہت جلدی اس کو قبول کرتا ہے اور رد نہیں فرماتا دوسرے لوگوں کی دعائیں ابھی زمین پر ہوتی ہیں مظلوم کی دعا بارگاہ الٰہی میں پہنچ چکی ہوتی ہے کسی نے خوب کہا ہے[2]

بہترس از آہِ مظلومان کہ ہنگامِ دعا کردن اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

"ولو بعد حین" یعنی اگرچہ دیر لگے مگر میں ضرور تیری مدد کروں گا میرے ہاں دیر تو ہے مگر اندھیر نہیں اس حدیث میں تین اشخاص کی دعا کا ذکر ہے اس کے ساتھ والی حدیث میں والد اور مسافر کی دعا کا بھی ذکر ہے اور حدیث ۳۵ میں پانچ اشخاص کی دعا کی قبولیت کا بیان ہے لہٰذا تین میں حصر نہیں ہے۔[3]

والد اور مسافر اور مظلوم کی دعا مقبول ہے

﴿۲۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٍ لَاشَكَّ فِيْهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین دعائیں قبول کی جاتی ہیں ان کی قبولیت میں کوئی شک نہیں ایک تو

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۶۷۲ [2] المرقات: ۵/۲۴

[3] المرقات: ۵/۲۵ [4] اخرجه الترمذی: ۴/۳۱۴ و ابوداؤد: ۲/۹۰ و ابن ماجه: ۲/۱۲۷۰

باپ کی دعا، دوسری مسافر کی دعا اور تیسری مظلوم کی دعا"۔ (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: والد کی دعا اپنی اولاد کے حق میں بہت جلدی قبول ہوتی ہے اسی طرح بددعا بھی قبول ہوتی ہے جب باپ کی قبول ہوتی ہے تو ماں کی دعا بطریق اولیٰ قبول ہوگی کیونکہ وہ شفقت میں باپ سے زیادہ ہے مسافر اگرچہ دعا اپنے لئے کرے یا دوسروں کے لئے کرے اس کی دعا بوجہ سفر قبول ہوتی ہے اور بددعا بھی قبول ہوتی ہے۔[1]

الفصل الثالث

جوتے کا تسمہ بھی رب سے مانگو

﴿۲۷﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْأَلَهُ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ زَادَ فِي رِوَايَةٍ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ مُرْسَلاً حَتّٰى يَسْأَلَهُ الْمِلْحَ وَحَتّٰى يَسْأَلَهُ شِسْعَهُ إِذَا انْقَطَعَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنی تمام حاجتیں اپنے پروردگار سے مانگے یہاں تک کہ اگر اس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اسے بھی خدا سے مانگے"۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت میں جو ثابت بنانی سے بطریق ارسال نقل کی ہے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ یہاں تک کہ نمک بھی اس سے مانگے اور اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اس سے مانگے"۔ (ترمذی)

دعا میں ہاتھ اٹھانے کی حد

﴿۲۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ إِبْطَيْهِ۔[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے تھے کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی

توضیح: دعا میں ہاتھ اٹھانے کا اوسط درجہ یہی ہے آج کل عرب حضرات گھٹنوں کے اوپر ہاتھ رکھ کر یا کچھ اوپر کر کے دعا مانگتے ہیں جس سے تکبر ٹپکتا نظر آتا ہے بعض عرب سر کے اوپر دونوں ہاتھ لیجا کر دعا کرتے ہیں یہ افراط وتفریط ہے ہاں ایک دعائے ابتہال ہے کہ آدمی اضطرار واضطراب میں ہوتا ہے اور گڑگڑا کر ہاتھ اوپر لیجاتا ہے یہ عام معمول نہیں ہے ہاں دعائے استسقاء اس سے مستثنیٰ ہے۔[4]

---

[1] المرقات: ۲۵، ۲۶ [2] اخرجه الترمذی: ۳۶۰۴ [3] اخرجه البیهقی: ۱۰/۲۶۲ [4] المرقات: ۵/۲۷

﴿۲۹﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ يَجْعَلُ إِصْبَعَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَيَدْعُو.[۱]

ترجمہ: اور حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنی دونوں انگلیوں یعنی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے اپنے مونڈھوں کے برابر لے جاتے اور پھر دعا مانگتے۔

﴿۳۰﴾ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهُ بِيَدَيْهِ. (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْأَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)[۲]

ترجمہ: اور سائب ابن یزید اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب دعا مانگتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تو اپنے منہ پر دونوں ہاتھوں کو پھیرتے" (مذکورہ بالا تینوں حدیثیں بیہقی نے دعوات الکبیر میں نقل کی ہیں۔

دعا میں زیادہ ہاتھ اٹھانا بدعت ہے

﴿۳۱﴾ وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ الْمَسْأَلَةُ أَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ حَذْوَمَنْكِبَيْكَ أَوْ نَحْوِهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ أَنْ تُشِيْرَ بِإِصْبَعٍ وَاحِدَةٍ وَالْاِبْتِهَالُ أَنْ تَمُدَّ يَدَيْكَ جَمِيْعًا. وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ وَالْاِبْتِهَالُ هٰكَذَا وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَجَعَلَ ظُهُوْرَهُمَا مِمَّا يَلِيْ وَجْهَهُ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "سوال (دعا) کرنے کا ادب وطریقہ یہ ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے مونڈھوں کے برابر یا ان کے قریب تک اٹھاؤ استغفار کا ادب یہ ہے کہ تم اپنی انگلی کے ذریعہ اشارہ کرو اور دعا میں انتہائی عجز ومبالغہ اختیار کرنا یہ ہے کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں کو اکٹھے دراز کرو۔ (یعنی اتنے اٹھاؤ کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگے)۔ (ابوداود)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کیفیت کو عام معمول بنانے پر نکیر فرمائی اور اس کو بدعت فرمایا ہے گاہ گاہ کا مسئلہ ایسا نہیں ہے۔

پہلے جان پھر جہاں

﴿۳۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ يَقُوْلُ إِنَّ رَفْعَكُمْ أَيْدِيَكُمْ بِدْعَةٌ مَا زَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى هٰذَا يَعْنِيْ إِلَى الصَّدْرِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[۴]

---

[۱] اخرجه البيهقي: ۱۰/۲۶۲ [۲] اخرجه البيهقي: ۱۰/۲۶۲ [۳] اخرجه ابوداؤد: ۲/۷۹ [۴] اخرجه احمد

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ "تمہارا اپنے ہاتھوں کو بہت زیادہ اٹھانا بدعت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس سے زیادہ یعنی سینہ سے زیادہ اوپر نہیں اٹھاتے تھے"۔ (احمد)

﴿۳۳﴾ وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَكَرَ أَحَدًا فَدَعَا لَهُ بَدَأَ بِنَفْسِهِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ صَحِيْحٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کا ذکر کرتے اور پھر اس کے لئے دعا کرتے (یعنی اس کے لئے دعا کرنے کا ارادہ کرتے) تو پہلے اپنے لئے دعا کرنا شروع کرتے اس کے بعد اس شخص کے لئے دعا کرتے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب صحیح ہے۔

توضیح: اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لئے دعا فرماتے تو پہلے اپنے لئے دعا مانگتے اس سے امت کو یہ تعلیم مل گئی کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کے لئے دعا کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ پہلے اپنی ذات کے لئے دعا کرے ایک تو اس وجہ سے کہ پہلے جان پھر جہان ایک طبعی نظام ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ جب آدمی خود پاک ہو جائے تو پھر دوسرے کے لئے دعا قبول بھی ہوگی مثلاً اس طرح دعا مانگے "اللهم اغفرلی ولفلان یااللهم اغفرلی ولفضل محمد ولوالديه ولجميع المسلمين"۔[2]

دعا ضائع نہیں جاتی

﴿۳۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُوْ بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيْهَا إِثْمٌ وَلَا قَطِيْعَةُ رَحِمٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا إِحْدٰى ثَلَاثٍ إِمَّا أَنْ يُعَجِّلَ لَهُ دَعْوَتَهُ وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا قَالُوْا إِذًا نُكْثِرُ قَالَ اَللّٰهُ أَكْثَرُ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو بھی مسلمان کوئی دعا مانگتا ہے ایسی دعا کہ اس میں نہ تو گناہ کی کسی چیز کی طلب ہو اور نہ ناطہ توڑنے کی تو اللہ تعالیٰ اسے اس دعا کے نتیجے میں تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور دیتا ہے یا تو یہ کہ جلد ہی اس کا مطلوب عطا فرمادے یا یہ کہ اس کے لئے اس دعا کو ذخیرۂ آخرت بنادے یا یہ کہ اسے اس کی دعا کے بقدر برائی سے بچائے" صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ: ہم تو اب بہت زیادہ دعائیں مانگیں گے کیونکہ ہمیں دعا کے بڑے فائدے معلوم ہوگئے آپ نے فرمایا "اللہ کا فضل بہت زیادہ ہے"۔ (احمد)

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۴۶۳ [2] المرقات: ۵/۲۹ [3] اخرجه احمد: ۳/۱۸

﴿۳۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسُ دَعَوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يَنْتَصِرَ وَدَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتّٰى يَصْدُرَ وَدَعْوَةُ الْمُجَاهِدِ حَتّٰى يَقْعُدَ وَدَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَأَ وَدَعْوَةُ الْأَخِ لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ وَأَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعَوَاتِ إِجَابَةً دَعْوَةُ الْأَخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ دعائیں ہیں جنہیں شرف قبولیت سے نوازا جاتا ہے ① مظلوم کی دعا یہاں تک کہ وہ ظالم سے اپنے ہاتھ سے یا اپنی زبان کے ذریعہ سے بدلہ لے لے ② حاجی کی دعا یہاں تک کہ اپنے شہر اور اپنے اہل وعیال کے پاس واپس آجائے یا حج سے فارغ ہوجائے ③ جہاد کرنے والے کی دعا یا طلب علم وعمل میں سعی وکوشش کرنے والے کی دعا) یہاں تک کہ وہ جہاد سے سعی وکوشش سے فارغ ہوکر بیٹھ جائے) ④ مریض کی دعا یہاں تک کہ وہ اچھا ہوجائے یا مرجائے ⑤ ایک بھائی کی اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دعا''۔ پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی ایک بھائی کی اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دعا ہے''۔

باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ

ذکر اللہ کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿فاذکرونی اذکرکم﴾[1]

وقال تعالیٰ ﴿الا بذکر اللہ تطمئن القلوب﴾[2]

وقال تعالیٰ ﴿ولذکر اللہ اکبر﴾[3]

مسلمان کے دل میں ایمان کی عظیم دولت موجود ہے اس پر ہر وقت شیطان کے ڈاکے کا خطرہ ہے اس لئے اس پر چوکیدار کھڑا کرنا اور پہرا لگانا ضروری ہے شیطان کے حملے سے بچاؤ کے لئے ذکر اللہ ایک مؤثر ہتھیار اور بہترین چوکیدار ہے اس لئے قرآن وحدیث میں ذکر اللہ پر بہت زور دیا گیا ہے۔

ذکر اللہ کی قسمیں:

ذکر اللہ کی دو قسمیں ہیں اول قسم ذکر لسانی ہے جو زبان سے ہوتا ہے دوسری قسم ذکر قلبی ہے جو قلب کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ ذکر قلبی کی پھر دو قسمیں ہیں ایک وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور اللہ تعالیٰ کے انعامات واکرامات اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانات کی فکر وسوچ ہر وقت دل ودماغ میں جاگزین اور پیوست ہو اس کو ذکر خفی بھی کہتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ وہ ذکر خفی جو فرشتے بھی نہیں لکھ سکتے یہ ستر درجہ ذکر قلبی کی دوسری قسم سے افضل ہے ذکر قلبی کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی پر عمل کرتے وقت دل ودماغ میں اللہ تعالیٰ کی یاد مستحضر رہے۔ اب ذکر اللہ میں سب سے اعلیٰ درجہ اس ذکر کا ہے جو زبان اور قلب دونوں سے ہو بلکہ ذکر اللہ کا پہلا مصداق بعض فقہاء کے نزدیک ذکر باللسان ہی ہے دوسرا درجہ ذکر بالقلب کا ہے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر صرف زبان سے ذکر ہو اور قلب میں دھیان نہ ہو تو ایسے ذکر سے قلبی ذکر افضل ہے۔[4]

پھر علماء کے درمیان یہ بحث چل پڑی ہے کہ آیا ذکر بالجہر افضل ہے یا ذکر بالسر افضل ہے۔ یعنی ذکر جلی بہتر ہے یا ذکر خفی بہتر ہے بعض علماء ذکر جلی کو ترجیح دیتے ہیں لیکن بعض ذکر خفی کو ترجیح دیتے ہیں، اس میں تطبیق ممکن ہے وہ اس طرح

---

[1] سورت بقرۃ الایہ: ۱۵۲: پارہ نمبر ۲ [2] سورت الرعد: الایہ ۲۸: پارہ نمبر ۱۳
[3] سورت العنکبوت: الایہ ۴۵: پارہ ۲۱ [4] المرقات: ۵/۳۲

کہ اگر ذکر بالجہر سے نمازیوں یا نائمین یا دیگر لوگوں کو ایذا پہنچتی ہو تو ذکر بالجہر نہ کیا جائے بلکہ ذکر بالسر افضل ہے۔ لیکن اگر کوئی عارضی رکاوٹ نہ ہو اور کسی شیخ نے بطور تدریب وتمرین ذکر بالجہر کا کہہ دیا ہو تو پھر ذکر بالجہر افضل ہے بہر حال ازمنہ وامکنہ کے احوال کے تحت ذکر اللہ کا حکم چلتا اور بدلتا رہیگا۔[1]

الفصل الاول

ذکر اللہ میں مشغولین کی فضیلت

﴿۱﴾ عن أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ قَالاَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللهَ إِلاَّ حَفَّتْهُمُ الْمَلاَئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب بھی کوئی جماعت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھتی ہے تو ان کو وہ فرشتے گھیر لیتے ہیں (جو راستوں پر اہل ذکر کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں) ان کو رحمت اپنی آغوش میں لے لیتی ہے (وہ خاص رحمت جو ذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات کے لئے مخصوص ہے) ان پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان ذکر کرنے والوں کا تذکرہ اپنے پاس والوں (یعنی ملائکہ مقربین اور ارواح انبیاء) میں کرتا ہے''۔ (مسلم)

توضیح: ''فیمن عندہ'' یہ جملہ ﴿فاذکرونی اذکرکم﴾ کی تفسیر ہے اللہ تعالیٰ کے پاس کے جو الفاظ ہیں اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مقرب بارگاہ الٰہی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ بطور فخر ومباہات ان فرشتوں کے سامنے ان ذاکرین کا تذکرہ اس لئے کرتے ہیں کہ انسان کی تخلیق کے وقت ان فرشتوں نے انسان کے پیدا کرنے کا مقصد پوچھا تھا اور اپنی تقدیس وتسبیح کا بیان کیا تھا۔ (اشعۃ اللمعات)[3]

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ فِي طَرِيْقِ مَكَّةَ فَمَرَّ عَلَى جَبَلٍ يُقَالُ لَهُ جُمْدَانُ فَقَالَ سِيْرُوْا هٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قَالُوْا وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ الذَّاكِرُوْنَ اللهَ كَثِيْراً وَالذَّاكِرَاتُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ مکہ کے راستہ پر چلے جا رہے تھے کہ ایک پہاڑ

[1] المرقات: ۵/۳۲ [2] اخرجہ مسلم: ۲/۳۴۷ [3] المرقات: ۵/۳۳ اشعۃ المعات: ۲/۱۹۰ [4] اخرجہ مسلم: ۲/۳۶۶

کے پاس سے گزرے جس کا نام جمدان تھا آپ ﷺ نے فرمایا ''چلے چلو یہ جمدان ہے، مفردون سبقت لے گئے صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: مفردون کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ مرد جو اللہ کو بہت یاد کریں اور وہ عورتیں جو اللہ کو بہت یاد کریں''۔ (مسلم)

توضیح: ''**ومالمفردون؟**'' آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے واپس مدینہ منورہ کی طرف تشریف لارہے تھے کہ آپ کا گذر ''**جمدان**'' پہاڑ پرہوا یہ مدینہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے بعض صحابہ کو گھر یاد آگئے تو جلدی جلدی آگے نکل گئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ گھر قریب آگئے یہ جمدان پہاڑ ہے جلد جلد چلو مفردون آگے نکل گئے۔ اب قافلہ سے جدا ہو کر آگے جانے والوں پر بھی مفردون کا اطلاق ہوسکتا تھا صحابہ کے ذہن میں بھی یہی تھا کہ حضور کے کلام کا مطلب یہی ہوگا پھر بھی مطلب متعین کرنے کے لئے صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ مفردون کون ہیں جو آگے نکل گئے ہیں حضور اکرم ﷺ نے اسلوب حکم کے طور پر جواب دیا کہ تم جن کے بارے میں پوچھتے ہو وہ تو ظاہر اور واضح ہے کہ مفردون وہ لوگ ہیں جو اپنے جسموں کے ذریعہ سے ہم سے آگے نکل گئے اس کو نہ پوچھو بلکہ پوچھنے کی بات یہ ہے کہ نیکیوں میں آگے نکلنے والے مفردون کون ہیں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ یاد کرنے والے مرد اور عورتیں یہ اصل میں مفردون ہیں جو ''اعمال'' صالحہ میں آگے نکل گئے ہیں کیونکہ یہ لوگ بھی عوامی مقامات سے علیحدہ ہو کر اپنے رب کو یاد کرتے ہیں۔[1]

ذکر اللہ میں مشغول زندہ ہے غیر مشغول مردہ ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَايَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور جو شخص اپنے پروردگار کو یاد نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ شخص اور مردہ شخص کی سی ہے''۔ (بخاری ومسلم)

اللہ تعالیٰ سے متعلق اچھا گمان رکھنا چاہئے

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ وَأَنَا مَعَهٗ إِذَا ذَكَرَنِيْ فَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَإِنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاءٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاءٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

[1] المرقات: ۳۳،۵/۳۲ [2] اخرجه البخاري: ۸/۱۰۷ ومسلم: ۱/۳۱۳ [3] اخرجه البخاري: ۹/۱۴۷ ومسلم: ۲/۳۶۶

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے قریب ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے جب وہ دل سے یا زبان سے مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس ہوتا ہوں پس اگر وہ اپنی ذات میں یعنی خفیہ طور پر اپنے دل میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنی ذات میں یاد کرتا ہوں یعنی نہ کہ اس کو صرف پوشیدہ طور پر ثواب دیتا ہوں بلکہ اس کو از خود ثواب دیتا ہوں ثواب دینے کا کام کسی اور کے سپرد نہیں کرتا اگر وہ مجھے جماعت میں (یعنی ظاہر طور پر) یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہے''۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: ''انا عند ظن عبدی بی'' یعنی میرا بندہ میرے متعلق جو نیت اور گمان رکھتا ہے میں اسی کے موافق فیصلہ کر دیتا ہوں، مثلاً اگر کوئی شخص میرے متعلق یہ گمان قائم کرے کہ میرا رب مجھے معاف کریگا تو میں اس کو معاف کر دیتا ہوں اور اگر میرے متعلق اس کی نیت یہ بنی ہو کہ وہ گمان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا رب مجھے معاف نہیں کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہیں کرتا یا کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھتا ہے کہ میرا رب مجھے اچھا کھلائے گا پلائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرح کھلاتا پلاتا ہے لیکن یہ شخص اگر خود خیال کرے کہ میرا رب مجھے اچھا نہیں کھلائے گا بھیک کے ذریعہ سے مجھے رزق دیگا تو پھر اللہ تعالیٰ اس شخص کو اسی طرح کھلائے گا۔[1]

اقبال مرحوم نے اسی حدیث کی تشریح و توضیح میں یہ شعر لکھا ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ تلاش کرتی ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَأَزِيْدُ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ مِثْلُهَا أَوْ أَغْفِرُ وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ شِبْراً تَقَرَّبْتُ مِنْهُ ذِرَاعاً وَمَنْ تَقَرَّبَ مِنِّيْ ذِرَاعاً تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعاً وَمَنْ أَتَانِيْ يَمْشِيْ أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً وَمَنْ لَقِيَنِيْ بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطِيْئَةً لَا يُشْرِكُ بِيْ شَيْئاً لَقِيْتُهُ بِمِثْلِهَا مَغْفِرَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کو اس جیسی دس نیکیوں کے برابر ثواب ملتا ہے اور اس سے زیادہ بھی دیتا ہوں (یعنی جس کو چاہتا ہوں اس کو اس سے صدق واخلاص کے مطابق سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب دیتا ہوں) جو شخص کوئی برائی کرتا ہے تو اس کو اسی برائی کے برابر سزا ملتی ہے یا میں اسے بھی معاف کر دیتا ہوں۔ جو شخص اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعے ایک بالشت میری طرف آتا ہے تو میں ایک گز اس کی طرف جاتا ہوں جو شخص میری طرف ایک گز آتا ہے میں اس کی جانب دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے برابر بڑھتا

[1] المرقات: ۳۶،۵/۳۵
[2] اخرجہ مسلم: ۲/۳۷۰

ہوں جو شخص میری طرف اپنی چال سے آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں اور جو شخص زمین کے برابر بھی گناہ لے کر مجھ سے ملے گا بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ شریک نہ کیا ہو یعنی شرک میں مبتلا نہ ہوا ہو تو اگر میں چاہوں گا تو اس کو زمین کے برابر ہی مغفرت عطا کروں گا۔ (مسلم)

توضیح: "یقول الله" یہ حدیث قدسی ہے "شبرا" بالشت کو کہتے ہیں "ذراعا" شرعی گز ایک ہاتھ کے فاصلہ کے برابر ہوتا ہے۔[۱]

"**باعا**" دو ہاتھ دائیں بائیں خوب کھولنے سے بیچ کا جو فاصلہ بنتا ہے اسی کو باع کہتے ہیں۔[۲]

"**هرولة**" دوڑنے کو کہتے ہیں یعنی جو شخص صرف چل کر عبادت کے ذریعہ سے میری طرف آتا ہے میں دوڑ کر انکی طرف جاتا ہوں اس حدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کرتی ہے اور دوڑ دوڑ کر بندہ کی مغفرت کے لئے آتی ہے۔[۳]

"**قراب الارض**" قراب ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے مراد مثل الارض ہے یعنی زمین کے برابر گناہ ہے۔[۴]

اولیاء اللہ سے ٹکر نہ لو ورنہ غضب الٰہی میں آجاؤ گے

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أَحْبَبْتُهٗ فَإِذَا أَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيْذَنَّهٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِيْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهٗ وَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ولی کو ایذا پہنچاتا ہے تو میں اس کے ساتھ اپنی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں اور میرا کوئی بندہ میرا تقرب (اعمال میں سے) ایسی کسی چیز کے ذریعہ حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ان چیزوں سے زیادہ محبوب ہو جو میں نے اس پر فرض کی ہیں اور میرا وہ بندہ جو ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا دوست بنالیتا ہوں۔ اور جب میں اسے اپنا دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ سنتا ہے میں اس کی بینائی بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ دیکھتا ہے میں اس کا

[۱] المرقات: ۵/۳۹　[۲] المرقات: ۵/۳۹　[۳] المرقات: ۵/۳۹　[۴] المرقات: ۵/۳۹　[۵] اخرجه البخاري: ۸/۱۳۱

ہاتھ بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ پکڑتا ہے میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور وہ برائیوں اور مکروہات سے میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور جس کام کو میں کرنے والا ہوں اس میں اس طرح تردد نہیں کرتا جس طرح کہ میں بندۂ مؤمن کی جان قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ وہ موت کو پسند نہیں کرتا حالانکہ اس کی ناپسندیدگی کو میں ناپسند کرتا ہوں اور موت سے کسی حال میں مفر نہیں ہے''۔ (بخاری)

توضیح: **"اذنته بالحرب"** یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور محبوبین اور علماء و مقبولین کے ساتھ دشمنی اور عداوت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے تباہی اور اعلان جنگ ہے ظاہر ہے جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ جنگ کا اعلان فرمادے وہ کس طرح بچ سکتا ہے دین اسلام میں دو چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اعلان جنگ کیا ہے ایک تو یہی چیز ہے کہ اولیاء سے جس نے بھی ٹکر لیا ہے اللہ کے حکم سے ٹکڑے ٹکڑے ہوا ہے۔ دوسری چیز سود ہے اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے اعلان جنگ کیا ہے اس لئے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ سودی کاروبار سے اجتناب کرے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔[1]

"مما افترضت علیه" یعنی فرائض اور واجبات کے ذریعہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب ہے۔[2]

"کنت سمعه الذی یسمع به" یعنی ایک مسلمان جب فرائض اور واجبات کو پورا کر دیتا ہے اور پھر نوافل کے ذریعہ سے مزید اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو محبوب رکھتا ہے۔ پھر اس شخص کے اعضا اور سارے وسائل و قویٰ اللہ تعالیٰ کی رحمت و رضا کے لئے مظاہر اور ذرائع بن جاتے ہیں۔ حدیث کا یہی مطلب ہے کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے الخ یعنی اب یہ اعضا اور اس شخص کے تمام قویٰ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو جاتے ہیں اس شخص کی حرکات و سکنات اس کا دیکھنا سننا چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا غرض ہر قول و فعل خالص اللہ تعالیٰ کے مرضی کے تابع ہو جاتے ہیں یہ ایک توجیہ ہے ویسے یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔[3]

"وما ترددت" یعنی جب بندہ اس قرب کے مقام کو حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اب میں اس بندہ پر اس کی ناپسندیدہ اشیاء نہیں لانا چاہتا لیکن کیا کروں بندے کے ناپسندیدہ اشیاء میں سے موت بھی ہے اب اس میں مجھے سخت تردد شروع ہو جاتا ہے کہ میں اس کو موت کیسے دوں جوان کو پسند نہیں ہے لیکن موت سے چونکہ چھٹکارہ نہیں ہے ادھر تمام نعمتوں تک پہنچنے کے لئے موت بمنزلہ پُل ہے لہٰذا اس تردد کے باوجود میں ان کو موت دیتا ہوں، یاد رہے تردد سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اچھی اور بری جانب کا علم نہیں بلکہ اس سے توقف اور تأمل و تأخر مراد ہے پھر بھی یہ حدیث متشابہات میں سے

[1] المرقات: ۵/۴۱ [2] المرقات: ۵/۴۱ [3] المرقات: ۵/۴۱

ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ بعض الفاظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ابتدا کے اعتبار سے نہیں ہوتا لیکن نہایۃ اور انتہاء کے اعتبار سے ہوجاتا ہے تردد بھی اسی طرح ہے جیسے لفظ حیاء اور رحمت وغیرہ ہے تردد تامل و تاخر اور توقف کے معنی میں ہے۔[1]

فرشتے ذکر کی مجالس کو تلاش کرتے ہیں

﴿۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً يَطُوْفُوْنَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُوْنَ أَهْلَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا قَوْمًا يَذْكُرُوْنَ اللهَ تَنَادَوْا هَلُمُّوْا اِلٰى حَاجَتِكُمْ قَالَ فَيَحُفُّوْنَهُمْ بِأَجْنِحَتِهِمْ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ مَا يَقُوْلُ عِبَادِيْ قَالَ يَقُوْلُوْنَ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيَحْمَدُوْنَكَ وَيُمَجِّدُوْنَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَأَوْنِيْ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللهِ مَا رَأَوْكَ قَالَ فَيَقُوْلُ كَيْفَ لَوْ رَأَوْنِيْ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَوْ رَأَوْكَ كَانُوْا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَأَشَدَّ لَكَ تَمْجِيْدًا وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيْحًا قَالَ فَيَقُوْلُ فَمَا يَسْأَلُوْنَ قَالُوْا يَسْأَلُوْنَكَ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُوْلُ وَهَلْ رَأَوْهَا قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ لَا وَاللهِ يَارَبِّ مَا رَأَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوْا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَأَعْظَمَ فِيْهَا رَغْبَةً قَالَ فَمِمَّ يَتَعَوَّذُوْنَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ مِنَ النَّارِ قَالَ يَقُوْلُ فَهَلْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَا وَاللهِ يَارَبِّ مَا رَأَوْهَا قَالَ يَقُوْلُ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ رَأَوْهَا كَانُوْا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَارًا وَأَشَدَّ لَهَا مَخَافَةً قَالَ فَيَقُوْلُ فَأُشْهِدُكُمْ اِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ يَقُوْلُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فِيْهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ اِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ قَالَ هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّارَةً فُضُلًا يَبْتَغُوْنَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا مَجْلِسًا فِيْهِ ذِكْرٌ قَعَدُوْا مَعَهُمْ وَحَفَّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِأَجْنِحَتِهِمْ حَتّٰى يَمْلَئُوْا مَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَاِذَا تَفَرَّقُوْا عَرَجُوْا وَصَعِدُوْا اِلَى السَّمَاءِ قَالَ فَيَسْأَلُهُمُ اللهُ وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْ أَيْنَ جِئْتُمْ فَيَقُوْلُوْنَ جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادِكَ فِي الْأَرْضِ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيُهَلِّلُوْنَكَ وَيَحْمَدُوْنَكَ وَيَسْأَلُوْنَكَ قَالَ وَمَاذَا يَسْأَلُوْنِيْ قَالُوْا يَسْأَلُوْنَكَ جَنَّتَكَ قَالَ وَهَلْ رَأَوْا جَنَّتِيْ قَالُوْا لَا أَيْ رَبِّ قَالَ وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْا جَنَّتِيْ قَالُوْا وَيَسْتَجِيْرُوْنَكَ قَالَ وَمِمَّا يَسْتَجِيْرُوْنِيْ قَالُوْا مِنْ نَارِكَ قَالَ وَهَلْ رَأَوْا نَارِيْ قَالُوْا لَا قَالَ فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْا نَارِيْ قَالُوْا

[1] المرقات: ۵/۴۱

وَيَسْتَغْفِرُوْنَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَأَعْطَيْتُهُمْ مَاسَأَلُوْا وَأَجَرْتُهُمْ مِمَّ اسْتَجَارُوْا قَالَ يَقُوْلُوْنَ رَبِّ فِيْهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ إِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ قَالَ فَيَقُوْلُ وَلَهُ غَفَرْتُ هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ ۔ (متفق علیه)[1]

ترجمہ: اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے کتنے ہی فرشتے (مسلمانوں کے راستوں پر پھرتے ہیں اور ذکر کرنے والوں کو ڈھونڈتے ہیں تا کہ ان سے ملیں اور ان کا ذکر سنیں) چنانچہ جب وہ ان لوگوں کو پالیتے ہیں جو ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ آپس میں ایک دوسرے کو پکار کر کہتے ہیں کہ اپنے مطلوب کی طرف (یعنی اہل ذکر سے ملاقات اور ان کا ذکر سننے کے لئے) جلدی آؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بعد وہ فرشتے ان لوگوں کو اپنے پروں سے آسمان دنیا تک گھیر لیتے ہیں''۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان فرشتوں سے ان کا پروردگار ان لوگوں کے بارے میں پوچھتا ہے کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں حالانکہ پروردگار ان فرشتوں سے کہیں زیادہ ان لوگوں کے بارے میں جانتا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فرشتے جواب دیتے ہیں کہ وہ تیری پاکی کی تسبیح کرتے ہیں تجھے یاد کرتے ہیں، تیری بڑائی بیان کرتے ہیں، تیری تعریف کرتے ہیں اور بزرگی وعظمت کے ساتھ تجھے یاد کرتے ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے جواب میں فرشتے کہتے ہیں کہ ''نہیں خدا کی قسم انہوں نے تجھے نہیں دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے کہتا ہے کہ ''اچھا اگر وہ مجھے دیکھتے تو پھر ان کی کیفیت کیا ہوتی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فرشتے کہتے ہیں کہ اگر وہ تجھے دیکھتے تو پھر وہ تیری عبادت بہت ہی کرتے۔ بزرگی وعظمت کے ساتھ تجھے بہت ہی یاد کرتے، اور تیری تسبیح بہت ہی کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ وہ بندے مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فرشتے کہتے ہیں کہ ''نہیں: اے پروردگار: خدا کی قسم انہوں نے جنت کو نہیں دیکھا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے'' کہ اچھا اگر انہوں نے جنت کو دیکھا ہوتا تو ان کا کیا حال ہوتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فرشتے جواب دیتے ہیں کہ اگر انہوں نے جنت کو دیکھا ہوتا تو جنت کے لئے ان کی حرص کہیں زیادہ ہوتی، اس کے لئے ان کی خواہش وطلب کہیں زیادہ ہوتی اور اس کی طرف ان کی رغبت کہیں زیادہ ہوتی۔ (کیونکہ کسی چیز کے بارے میں محض علم ہونا اس کے دیکھنے کے برابر نہیں) اس کے بعد اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ ''وہ پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فرشتے جواب دیتے ہیں کہ وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں ''ہمارے پروردگار: خدا کی قسم: انہوں نے دوزخ کو نہیں دیکھا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو پھر ان کی کیفیت کیا ہوتی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فرشتے جواب دیتے

[1] اخرجه البخاري: ۸/۱۰۷ ومسلم: ۲/۴۷۱

ہیں'' کہ اگر انہوں نے دوزخ کو دیکھ لیا ہوتا تو وہ اس سے بہت ہی بھاگتے (یعنی ان چیزوں سے بہت ہی دور رہتے جو دوزخ میں ڈالے جانے کا سبب بنتی ہیں اور ان کے دل کہیں زیادہ ڈرنے والے ہوتے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا'' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے'' کہ میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخشد یا'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ'' ذکر کرنے والوں میں سے وہ فلاں شخص ذکر کرنے والا نہیں تھا کیونکہ وہ اپنے کسی کام کے لئے آیا تھا پھر وہ وہیں ذکر کرنے والوں کے پاس بیٹھ گیا اس لئے تو وہ اس مغفرت کی بشارت کا مستحق نہیں اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے کہ اہل ذکر ایسے بیٹھنے والے ہیں کہ ان کا ہمنشین بے نصیب نہیں ہوتا''۔(بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ کے کتنے ہی فرشتے ایسے ہیں جو پھرنے والے اور اضافی ہیں (یعنی اعمال لکھنے والوں وغیرہ کے علاوہ ہیں کہ ان کا مقصد صرف ذکر کے حلقوں میں حاضری ہے) چنانچہ وہ فرشتے ذکر کی مجلسیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں جب وہ کسی ایسی مجلس کو پالیتے ہیں جس میں اکثر ذکر ہی ہوتا ہے تو وہ اس میں بیٹھ جاتے ہیں اس وقت وہ فرشتے آپس میں ایک دوسرے کو اپنے پروں میں گھیر لیتے ہیں یہاں تک کہ ذکر کرنے والوں اور آسمان کے درمیان فرشتے ہی فرشتے بھر جائیں۔ جب (ذکر سے فراغت کے بعد) مجلس برخاست ہوجاتی ہے تو وہ فرشتے بھی اوپر چڑھتے ہیں اور ساتویں آسمان پر پہنچ جاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ (حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں خوب جانتا ہے کہ وہ کہاں سے آئے ہیں) فرشتے کہتے ہیں کہ ہم تیرے ایسے بندوں کے پاس سے آئے ہیں جو زمین پر ہیں تیری تسبیح کرتے ہیں تیرا کلمہ پڑھتے ہیں تجھے بزرگی وعظمت کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور تجھ سے مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تجھ سے تیری جنت مانگتے ہیں'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے میری جنت دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں پروردگار: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر انہوں نے جنت کو دیکھا ہوتا تو ان کا کیا حال ہوتا؟ فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تیری پناہ بھی مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' وہ کس چیز سے میری پناہ مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں'' وہ تیری آگ سے پناہ مانگتے ہیں'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے میری آگ کو دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر وہ میری آگ کو دیکھ لیتے تو پھر ان کی کیا کیفیت ہوتی؟ فرشتے کہتے ہیں وہ تجھ سے بخشش بھی طلب کرتے ہیں''۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے ان کو بخش دیا میں نے ان کو وہ چیز عطا کی جو انہوں نے مانگی (یعنی جنت اور میں نے ان کو اس چیز سے پناہ دی جس سے انہوں نے پناہ مانگی (یعنی آگ سے) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے یہ سن کر عرض کرتے ہیں کہ پروردگار: اس میں فلاں بندہ تو بہت ہی گناہ گار ہے تو وہ وہاں سے صرف اپنے کام سے گزر رہا تھا کہ ان کے پاس بیٹھ گیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا'' ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اسے بخش دیا کیونکہ وہ ذکر کرنے والے ایسے لوگ ہیں کہ جن کے سبب سے اور جن کی برکت سے ان کا ہمنشین بے نصیب نہیں ہوتا ہے''۔

توضیح: "فیسألهم" یعنی اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے لیکن پھر بھی فرشتوں سے ایک ایک چیز کا پوچھتا ہے تا کہ فرشتوں کو یاد دلایا جائے کہ تخلیق آدم کے وقت تم نے کہا تھا کہ یہ انسان فساد کریگا عبادت نہیں کریگا اب دیکھو کس طرح

عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔ [۱]

"سیارۃ" یہ ملائکہ کے لئے صفت اول ہے تیز قافلہ کی شکل میں تیز چلنے کو کہتے ہیں۔ [۲]

"فضلاً" یہ لفظ ملائکہ کے لئے دوسری صفت ہے فا پر فتحہ ہے اور ضاد پر سکون ہے۔ دوسرا نسخہ فا پر فتحہ اور ضاد پر پیش ہے فَضُلا دونوں کا ترجمہ فاضل اور زائد ہے یعنی یہ فرشتے لوگوں کے اعمال لکھنے وغیرہ تمام ذمہ داریوں سے فارغ اور زائد فرشتے ہیں جو انہیں مجالس کے لئے مقرر ہیں ان کا اور کوئی کام نہیں ہے۔ [۳]

"وَيَسْتَجِيْرُوْنَكَ" یہ فرشتوں کا کلام ہے اس کا عطف اس سے پہلے "ويسئلونك" کے جملہ پر ہے اس کا مطلب اور معنی امن ہے یعنی وہ لوگ آپ سے امن اور دوزخ کی آگ سے پناہ چاہتے ہیں۔ [۴]

عبادت میں قبض وبسط کی کیفیت آتی ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْأُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِيْ أَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ أَنْتَ يَاحَنْظَلَةَ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ مَاتَقُوْلُ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْراً قَالَ أَبُوْبَكْرٍ فَوَاللهِ إِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَأَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَاذَاكَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَبِالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْراً فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَاتَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَاحَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۵]

ترجمہ: اور حضرت حنظلہ ابن ربیع اسیدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ کہو حنظلہ: تمہارا کیا حال ہے (یعنی آنحضرت ﷺ جو کچھ وعظ ونصیحت فرماتے ہیں اس پر تمہاری کیفیت کیسی ہے؟) میں نے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا (یعنی حال کے اعتبار سے ایمان کے اعتبار سے نہیں) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

[۱] المرقات: ۵/۴۸ [۲] المرقات: ۵/۴۷ [۳] المرقات: ۵/۴۷ [۴] المرقات: ۴۸/ [۵] اخرجه مسلم: ۲/۳۹۲

''سبحان اللہ حنظلہ: یہ تم کیا کہتے ہو: یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ کیا بات کہہ رہے ہو اس کا مطلب تو بیان کرو) میں نے کہا کہ (اس میں تعجب کی بات نہیں حقیقت یہ ہے کہ) جب ہم رسول کریم ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور جس وقت آپ ﷺ ہمیں دوزخ کے عذاب سے ڈراتے ہیں اور یا جس وقت آپ ہمیں جنت) کی نعمتوں کی بشارت سناتے ہیں۔ تو اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم جنت اور دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر جب ہم رسول کریم ﷺ کی صحبت سے جدا ہوتے ہیں اور اپنی بیویوں، اپنی اولاد، اپنی زمینوں اور اپنے باغات میں مشغول ہوتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب جبکہ تم نے اپنی یہ حالت بیان کی ہے تو سنو کہ خدا کی قسم: ہم بھی اسی حالت کو پہنچے ہوئے ہیں (یعنی ہمارا بھی یہی حال ہے کہ حاضر وغائب میں تفاوت ہے) اس کے بعد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں چلے یہاں تک ہم رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ: حنظلہ منافق ہوگیا آنحضرت ﷺ نے (بھی بڑے تعجب سے پوچھا) کہ اس بات کا کیا مطلب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت جب ہم آپ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں بطور تذکیر ونصیحت جنت ودوزخ کے بارے میں بتاتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ جاتے ہیں اور ہم اپنی بیویوں، اپنی اولاد، اپنی زمینوں اور باغات میں مشغول ہوجاتے ہیں تو ہم نصیحت کی بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں یہ سن کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم پر ہمیشہ وہی کیفیت طاری رہے جو میری صحبت اور حالت ذکر میں تم پر طاری ہوتی ہے تو یقیناً فرشتے تم سے تمہارے بچھونے پر اور تمہاری راہوں میں مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ: یہ ایک ساعت ہے اور وہ ایک ساعت ہے اور آپ ﷺ نے **یا حنظلة ساعة وساعة** تین مرتبہ فرمایا''۔ (مسلم)

توضیح: ''**حنظلة**'' اس سے مراد وہ حنظلہ نہیں جو غسیل الملائکہ تھے بلکہ یہ حنظلہ دوسرا ہے جو کاتب وحی تھے۔[1]

''**نافق حنظلة**'' اپنے آپ کو غائب سمجھ کر کلام کیا، یہاں نفاق سے نفاق حالی مراد ہے نفاق ایمانی مراد نہیں[2]

''**عَافَسْنَا**'' **اختلاط** کے معنی میں ہے[3] ''**الضیعات**'' زمین اور باغات وغیرہ مراد ہیں۔[4]

''**ساعة وساعة**'' یعنی ''**تارة منافسة وتارة معاسفة**'' مطلب یہ ہے کہ کبھی وہ اور کبھی یہ یعنی یہ کیفیت حضوری اگر دائمی رہ جائے تو فرشتے بیداری میں تم سے مصافحہ کرنے لگ جائیں اور وہ حکمت ومصلحت کے خلاف ہے لہٰذا کبھی کیفیت حضوری اور کبھی غیر حضوری کبھی کیفیت قبض اور کبھی کیفیت بسط زیادہ بہتر ہے۔[5]

''**ثلاث مرات**'' یعنی حضور اکرم ﷺ نے اس جملہ کو تین مرتبہ دہرایا۔[6]

---

[1] المرقات: ۵/۴۹ [2] المرقات: ۵/۴۹ [3] المرقات: ۵/۵۰

[4] المرقات: ۵/۵۰ [5] المرقات: ۵/۵۱ [6] المرقات: ۵/۵۱

الفصل الثانی

ذکر اللہ کی اہمیت

﴿۹﴾ عن أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ أَعْمَالِكُمْ وَأَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَأَرْفَعِهَا فِيْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ إِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَخَيْرٍ لَكُمْ مِنْ أَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا أَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْا أَعْنَاقَكُمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ ذِكْرُ اللهِ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه إِلَّا أَنَّ مَالِكًا وَقَفَهُ عَلٰى أَبِي الدَّرْدَاءِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "کیا میں تمہیں ایک ایسے عمل سے آگاہ نہ کروں جو تمہارے اعمال میں بہت بہتر، تمہارے بادشاہ کے نزدیک بہت پاکیزہ تمہارے درجات میں بہت بلند اور تمہارے روپیہ اور سونا خرچ کرنے سے بھی بہتر ہے اور اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے دشمنوں (یعنی کفار) سے ملو اور تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "ہاں اور ہمیں بتایئے کہ وہ کون سا عمل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کا ذکر" اس روایت کو مالک، احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے بطریق موقوف نقل کیا ہے۔ (ابودرداء)

توضیح: "ذکر اللہ" بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ذکر سے ذکر قلبی ولسانی مراد ہے جو زبان اور دل دونوں سے ہو، کیونکہ اذکار میں سے یہی ذکر سب سے افضل ہے اب سوال یہ ہے کہ ذکر اللہ مستحب ہے اور جہاد فرض ہے مستحب کا درجہ فرض سے کیسے بڑھ گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک درجہ اور مقام اور حیثیت کا معاملہ ہوتا ہے اور ایک ثواب کا معاملہ ہوتا ہے جہاد اپنی حیثیت کے اعتبار سے بڑا ہے اور فرض ہے لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کسی مستحب عمل پر وہ ثواب دیتا ہے جو فرض سے بڑھ کر ہوتا ہے یہ اضافی زائد ثواب ہے جس کے لئے کوئی قاعدہ نہیں ہے لہٰذا اس حدیث سے جہاد مقدس کا رتبہ نہیں گرانا چاہئے جس طرح بعض لوگ گراتے ہیں۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔[2]

"ھذا الحدیث یدل علی ان الثواب لایترتب علی قدالنصب فی جمیع العبادات بل قدیأجر اللہ تعالیٰ علی قلیل الاعمال اکثر مما یأجرہ علی کثیرھا۔[3]

ترجمہ: اس طرح ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ عبادات میں ثواب کا ترتب ہر جگہ عبادت کی مقدار پر نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ تھوڑے اعمال پر وہ ثواب عطاء کرتا ہے جو کثیر اعمال پر نہیں دیتا ہے جس طرح جہاد کے مقابلہ میں یہاں ذکر اللہ کا اضافی ثواب ہے۔

[1] أخرجه مالك: ۱/۲۱۱ واحمد: ۵/۱۹۵ وابن ماجه: ۲/۱۲۴۵ والترمذي: ۵/۴۵۹ [2] المرقات: ۵/۵۳ [3] المرقات: ۵/۴۰۵

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ فَقَالَ طُوْبٰى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ أَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن بسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا کہ ”یارسول اللہ:“ کون شخص بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خوش بختی ہے اس شخص کے لئے (یعنی بہتر وہ شخص ہے) جس کی عمر دراز ہوئی اور اس کے اعمال نیک ہوئے“ اس نے عرض کیا کہ ”یارسول اللہ: کون سا عمل بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”یہ کہ جب تم دنیا سے جدا ہو تو تمہاری زبان خدا کے ذکر سے تر ہو“۔ (ترمذی، احمد)

ذکر اللہ کے حلقے جنت کے باغات ہیں

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قَالُوْا وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ حِلَقُ الذِّكْرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب تم جنت کے باغات میں سے گزرو تو میوہ خوری کرو“۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جنت کے باغات سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ذکر کے حلقے“۔ (ترمذی)

توضیح: ”حلق“ حلقۃ کی جمع ہے حلقہ ایک ساتھ بیٹھنے کو کہتے ہیں۔[۳]

اس حدیث کا پہلا مصداق ذکر کے وہ حلقے ہیں جو خاص کر اسی مقصد کے لئے بٹھائے جاتے ہیں جیسے اہل حق کی خانقاہوں میں ہوتا ہے اس کا دوسرا مصداق دینی مدارس کے وہ طلبہ واساتذہ ہیں جو دین پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہیں حفظ وناظرہ اور درجات کتب کے حلقے لگتے ہیں بعض لوگ اپنے وعظ کے حلقوں پر یہ حدیث چسپاں کرتے ہیں اگر ان کے حلقوں میں ذکر ہوتا ہو یا تعلیم تعلم کا سلسلہ جاری ہو تو بیشک وہ اس حدیث کی فضیلت میں آجائیں گے لیکن اگر ایک جاہل آدمی کسی مجلس میں وعظ کہہ رہا ہو اس میں الٹی سیدھی باتیں اڑا رہا ہو تو اس کی فضیلت تو درکنار وہ الٹا باعث گناہ ہے جس سے فرشتے بھاگتے ہیں۔

ذکر اللہ سے خالی نشست باعث خسارہ ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ

[۱] اخرجہ الترمذی: ۵/۵۶۵ واحمد: ۴/۱۸۸، ۱۹۰ [۲] اخرجہ الترمذی: ۵/۵۳۲ [۳] المرقات: ۵/۵۶

فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةً وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةً.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''جو شخص'' کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اللہ کو یاد نہ کرے تو اس کا بیٹھنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قضاء وقدر کے سبب سے اس کے لئے حسرت اور ٹوٹے کی بات ہوگی اور جو شخص اپنی خوابگاہ میں لیٹے اور اس میں اللہ کو یاد نہ کرے تو یہ اللہ کی طرف سے اس کے لئے حسرت اور ٹوٹے کی بات ہوگی''۔ (ابوداود)

توضیح: ''تِرَة'' نقصان اور خسارہ کو کہتے ہیں ''کانت'' میں ضمیر مؤنث مقدر ماننا ہوگا جو قعدۃً یا اضطجاعۃً کی طرف راجع ہوگی اور ترۃً منصوب ہو کر اس کی خبر ہوگی یہ توجیہ آسان ہے دیگر توجیہات بھی ہیں غرضیکہ کوئی انسان جس مجلس میں بیٹھتا ہے اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ کچھ ذکر کرے ورنہ یہی نشست وبال جان بنے گی۔[2]

﴿۱۳﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ إِلَّا قَامُوْا عَنْ مِثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَكَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو لوگ کسی نشست کے بعد اٹھیں اور اس نشست میں خدا کا ذکر نہ ہو تو وہاں سے ان کا اٹھنا مردار گدھے کی مانند ہے اور ان پر حسرت وافسوس ہے''۔ (ابوداود)

ہر بے فائدہ کلام باعث وبال ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلَى نَبِيِّهِمْ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہاں نہ تو اللہ کا ذکر کریں اور نہ اپنے نبی پر درود بھیجیں تو وہ مجلس ان کے لئے باعث افسوس ہی ہوگی اب چاہے تو اللہ تعالیٰ عذاب میں انہیں مبتلا کرے اور چاہے انہیں بخش دے''۔ (ترمذی)

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ كَلَامِ ابْنِ آدَمَ عَلَيْهِ

[1] اخرجه ابوداؤد ۴/۲۶۶ [2] المرقات: ۵/۵۸ [3] اخرجه احمد: ۲/۳۸۹ ابوداؤد: ۴/۲۶۵ [4] اخرجه الترمذی: ۴/۳۶۱

لَا لَهُ إِلَّا أَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ أَوْ ذِكْرُ اللهِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ابن آدم کا ہر کلام اس کے لئے وبال ہے علاوہ اس کلام کے جو امر بالمعروف (نیکی کی تاکید و تعلیم کرنے) اور نہی عن المنکر (برائی سے بچنے کی تلقین) یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے ہو"۔ اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا نیز ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ہر مباح کلام بھی وبال جان ہے اس طرح معاملہ بڑا پیچیدہ ہو جائے گا لہٰذا علماء لکھتے ہیں کہ یہ حدیث غیر شرعی اور ناپسندیدہ گفتگو کو روکنے کے لئے بطور مبالغہ ارشاد فرمائی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابن آدم کی ہر گفتگو اس کے لئے عقبیٰ میں باعث حسرت و ندامت ہوگی کیونکہ اس سے اس شخص کو کوئی شرعی فائدہ حاصل نہ ہو سکا اگرچہ فی نفسہ جائز تھی ہاں اگر امر بالمعروف ہو نہی عن المنکر ہو یا ذکر اللہ ہو تو یہ چیزیں باعث نفع اور باعث فائدہ ہونگی لہٰذا اپنا وقت اسی میں صرف کرنا چاہئے۔[2]

زیادہ گفتگو دل کو سخت بناتی ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُكْثِرِ الْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ فَإِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَإِنَّ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللهِ الْقَلْبُ الْقَاسِيْ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ذکر اللہ کے بغیر زیادہ کلام نہ کرو کیونکہ ذکر اللہ کے بغیر کلام کی کثرت دل کی سختی کا باعث ہے اور یاد رکھو کہ آدمیوں میں اللہ سے دور سب سے وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو"۔ (ترمذی)

لسان ذاکر قلب شاکر بہترین سرمایہ ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ نَزَلَتْ فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لَوْ عَلِمْنَا أَيُّ الْمَالِ خَيْرٌ فَنَتَّخِذَهُ فَقَالَ أَفْضَلُهُ لِسَانٌ ذَاكِرٌ وَقَلْبٌ شَاكِرٌ وَزَوْجَةٌ مُؤْمِنَةٌ تُعِيْنُهُ عَلَى إِيْمَانِهِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَة)[4]

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۶۰۸ ابن ماجه: ۲/۱۳۱۵ [2] المرقات: ۵/۱۰۰
[3] اخرجه الترمذی: ۴/۶۰۷ [4] اخرجه احمد: ۵/۲۷۸ والترمذی: ۵/۲۷۷ وابن ماجه: ۱/۵۹۶

ترجمہ: اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت **والذین یکنزون الذھب والفضۃ** الآیۃ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں الخ نازل ہوئی تو اس وقت ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ کسی سفر میں تھے (یہ آیت سن کر) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ سونے اور چاندی کے بارے میں تو یہ آیت نازل ہوگئی اور ہمیں ان چیزوں کا حکم اور ان کی مذمت معلوم ہوئی۔ کاش ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ کون سامال بہتر ہے تاکہ ہم اسے جمع کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''خدا کا ذکر کرنے والی زبان، شکر ادا کرنے والا دل، اور مسلمان بیوی جو اپنے شوہر کے ایمان کی مددگار رہو۔ بہترین مال ہے''۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: اس حدیث میں تین چیزوں کو مسلمان کی زندگی کا بہترین سرمایہ قرار دیا گیا ہے لسان ذاکر قلب شاکر اور مؤمن بیوی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے حضور اکرم ﷺ سے یہ سوال کیا کہ سونے اور چاندی کے جمع کرنے اور سرمایہ بنانے کا حکم تو ہمیں معلوم ہوگیا کہ اس میں خطرہ ہے کاش ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ اس ظاہری مال کے علاوہ کونسی چیز ہے جس کو ذخیرہ کر کے اپنے مستقبل کو بنایا جائے اور وہ ذخیرہ مستقبل میں کام آجائے اس پر حضور اکرم ﷺ نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا ایک تو لسان ذاکر ہے دوسری چیز قلب شاکر ہے اور تیسری چیز بیوی ہے **"تعینہ علی ایمانہ"** یعنی شوہر کو ایمان کے اعمال پر لگاتی ہے ان کے ایسے امور میں رکاوٹ نہیں ڈالتی ہے جو ایمان سے متعلق ہوں خود بھی مؤمنہ ہے اور شوہر کے لئے بھی معاون ہے، یہ تین وہ سرمائے ہیں جو ظاہری مال نہیں لیکن مستقبل میں بڑے فائدہ مند ہیں۔[1]

الفصل الثالث

اللہ تعالیٰ ذاکرین پر فخر کرتا ہے

﴿۱۸﴾ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ خَرَجَ مُعَاوِيَةُ عَلَى حَلْقَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا أَجْلَسَكُمْ قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ قَالَ آللهِ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ قَالُوْا آللهِ مَا أَجْلَسَنَا غَيْرُهُ قَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ وَمَا كَانَ أَحَدٌ بِمَنْزِلَتِي مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقَلَّ عَنْهُ حَدِيْثًا مِنِّي وَإِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَى حَلْقَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ مَا أَجْلَسَكُمْ هٰهُنَا قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللهَ وَنَحْمَدُهُ عَلَى مَا هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ وَمَنَّ بِهِ عَلَيْنَا قَالَ آللهِ مَا أَجْلَسَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ قَالُوْا آللهِ مَا أَجْلَسَنَا إِلَّا ذٰلِكَ قَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ وَلٰكِنَّهُ أَتَانِي جِبْرِيْلُ فَأَخْبَرَنِي إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُبَاهِي بِكُمُ الْمَلَائِكَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک حلقہ کے پاس پہنچے جو ایک مسجد میں جما

[1] المرقات: ۵/۶۱ [2] اخرجہ مسلم: ۲/۳۴۳

ہوا تھا انہوں نے حلقہ والوں سے پوچھا کہ تمہیں یہاں کس چیز نے بٹھایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ "ہم یہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں" حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "بخدا (کیا) تمہیں خدا کے ذکر ہی نے یہاں بٹھایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم: اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں صرف خدا کے ذکر ہی نے یہاں بٹھایا ہے" حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا "دیکھو: میں نے تم پر تہمت رکھنے کے لئے تمہیں قسم نہیں دی (یعنی تمہیں جھوٹا سمجھ کر تم سے قسم نہیں کھلوائی بلکہ میں نے آنحضرت ﷺ کی اتباع کے پیش نظر قسم کھلوائی ہے کہ آپ ﷺ نے بھی اسی طرح کہا تھا جیسا کہ آگے حدیث میں آتا ہے اور پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا) کہ آنحضرت ﷺ سے قرب منزلت کے باوجود ان سے کم حدیثیں نقل کرنے میرے جیسے صحابہ میں کوئی نہیں ہوگا (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں اس اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گھر کے قریبی افراد میں سے ہوئے۔ بہرکیف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسی طرح ایک دن نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک حلقہ کے پاس پہنچے آپ نے ان سے فرمایا کہ "یہاں تمہیں کس چیز نے بٹھایا ہے؟ (یعنی یہاں کس مقصد کے لئے جمع ہو کر بیٹھے ہو) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم یہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور ہم اس کی اس بات کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں اسلام کی ہدایت بخشی اور اس کے ذریعہ ہم پر احسان کیا" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بخدا (کیا) تمہیں صرف اسی چیز نے یہاں بٹھایا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ خدا کی قسم اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں اسی چیز نے یہاں بٹھایا ہے" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو میں نے تم پر جھوٹ کی تہمت رکھنے کے لئے تم سے قسم نہیں کھلوائی بلکہ میرے پاس جبرئیل آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ اللہ عزوجل اپنے فرشتوں کے سامنے تم پر فخر کرتا ہے۔ (مسلم)

﴿۱۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ بُسْرٍ اِنَّ رَجُلاً قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّ شَرَائِعَ الْاِسْلَامِ قَدْ كَثُرَتْ عَلَيَّ فَأَخْبِرْنِيْ بِشَيْءٍ أَتَشَبَّثُ بِهٖ قَالَ لَايَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِاللهِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: اسلام کے احکام (یعنی نوافل) مجھ پر بہت بھاری ہیں اس لئے آپ مجھے بھی ایسی چیز بتا دیجئے کہ جن پر میں بھروسہ کرلوں اور اس کے ساتھ چپک جاؤں اور اس کو اپنا معمول بنالوں آپ ﷺ نے فرمایا "تمہاری زبان (یعنی یا تو یہی ظاہری زبان یا دل کی زبان) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہمیشہ تر) یعنی جاری رہنی چاہیئے"۔ (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: "اتشبث به" یعنی ایسا عمل بتا دیجئے جو کم خرچ بالانشین کے درجہ میں ہو اس میں محنت کم ہو ہر جگہ ہو سکتی ہو ہر حالت میں اپنائی جا سکتی ہو، تا کہ میں اس کے ساتھ چپک جاؤں اور اس کو اپنے لئے حرز جان بناؤں آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ہر وقت تیری زبان ذکر اللہ سے تر رہنی چاہئے کسی وقت خشک نہ ہو اس

[1] اخرجه الترمذی: ۵۶۵/۴ وابن ماجه

کا بڑا اجر ہے اور یہ کم خرچ بالا نشین عمل ہے۔[1]

﴿۲۰﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْعِبَادِ أَفْضَلُ وَأَرْفَعُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ الذَّاكِرُونَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتُ قِيلَ يَارَسُولَ اللّٰهِ وَمِنَ الْغَازِي فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ لَوْضَرَبَ بِسَيْفِهِ فِي الْكُفَّارِ وَالْمُشْرِكِينَ حَتّٰى يَنْكَسِرَ وَيَخْتَضِبَ دَمًا فَإِنَّ الذَّاكِرَ لِلّٰهِ أَفْضَلُ مِنْهُ دَرَجَةً۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا بندہ بہتر ہے (یعنی بہت زیادہ ثواب پاتا ہے) اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بلند تر درجہ کا مالک ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے مرد اور عورتیں'' عرض کیا گیا کہ ''یارسول اللہ: کیا یہ جہاد کرنے والوں سے بھی زیادہ افضل ہے اور بلند مرتبہ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص کفار اور مشرکین پر اپنی تلوار مارے یہاں تک کہ وہ تلوار ٹوٹ جائے اور (وہ تلوار یا خود مجاہد) خون سے رنگین ہوجائے (یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ وہ شہید ہوجائے) تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا شخص باعتبار درجہ کے اس شخص سے بہتر ہے''۔ (احمد، ترمذی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

اس حدیث کی تشریح وتوضیح اس سے پہلے حدیث ۹ میں ہوچکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے جہاد فرض ہے اس کا مقام پہچان لو۔

ذکر اللہ دل کا محافظ ہے

﴿۲۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلشَّيْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَإِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ وَإِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيقًا)

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''شیطان انسان کے دل سے چپکا رہتا ہے۔ جب وہ دل سے اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے'' اس روایت کو بخاری رحمہ اللہ نے بطریق تعلیق (یعنی بغیر سند کے) نقل کیا ہے۔

توضیح: ''جاثم'' ای لازم الجلوس ودائم اللصوق، یعنی چپک کر ہمیشہ بیٹھا رہتا ہے بائیں کندھے کے نیچے شیطان اپنا سونڈ گاڑ دیتا ہے اور بیٹھا رہتا ہے اس کندھے کے نیچے انسان کا دل ہے یہ خبیث اس دل کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔[3]

''الخناس'' کا مطلب یہ ہے کہ یعنی ذکر اللہ کے وقت شیطان چھپ جاتا ہے مگر جب ذکر بند ہوجاتا ہے تو شیطان پھر آکر

[1] المرقات: ۵/۶۴ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۴۵۸ وابن احمد: ۳/۷۵ [3] المرقات: ۵/۶۶

اپنا کام شروع کر دیتا ہے الذی یوسوس کا یہی مطلب ہے۔[۱]

ذکر اللہ کی مثال اور عظیم فضیلت

﴿۲۲﴾ وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَالْمُقَاتِلِ خَلْفَ الْفَارِّيْنَ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَغُصْنٍ أَخْضَرَ فِيْ شَجَرٍ يَابِسٍ، وَفِيْ رِوَايَةٍ مَثَلُ الشَّجَرَةِ الْخَضْرَاءِ فِيْ وَسَطِ الشَّجَرِ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ مِثْلُ مِصْبَاحٍ فِيْ بَيْتٍ مُظْلِمٍ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ يُرِيْهِ اللّٰهُ مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ حَيٌّ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِيْنَ يُغْفَرُ لَهٗ بِعَدَدِ كُلِّ فَصِيْحٍ وَأَعْجَمَ وَالْفَصِيْحُ بَنُوْ آدَمَ وَالْأَعْجَمُ الْبَهَائِمُ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

ترجمہ: اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''غافلوں کے درمیان خدا کا ذکر کرنے والا بھاگنے والوں کے پیچھے لڑنے والے کی مانند ہے (یعنی اس شخص کی مانند ہے جو میدان کارزار میں اپنے لشکر کے بھاگ کھڑے ہونے کے بعد تنہا ہی کافروں کے مقابلہ میں ڈٹا رہے ایسے شخص کی بہت ہی زیادہ فضیلت منقول ہے) اور غافلوں کے درمیان خدا کا ذکر کرنے والا خشک درخت میں سرسبز شاخ کی مانند ہے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ ''درختوں کے درمیان سرسبز و شاداب درخت کی مانند ہے اور خدا کا ذکر کرنے والا اندھیرے گھر میں چراغ کی مانند ہے اور غافلوں میں خدا کا ذکر کرنے والا ایسا شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کی زندگی ہی میں جنت میں اس کی جگہ دکھلاتا ہے (یعنی یا تو بذریعہ مکاشفہ دکھاتا ہے یا خواب میں اور یا اس کو ایسا یقین بخشتا ہے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے) اور غافلوں میں خدا کو یاد کرنے والا ایسا شخص ہے جس کے گناہ ہر فصیح اور اعجم کے عدد کے بقدر بخشے جاتے ہیں فصیح سے مراد انسان اور اعجم سے مراد جانور ہیں''۔ (رزین)

﴿۲۳﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ مَا عَمِلَ الْعَبْدُ عَمَلًا أَنْجٰى لَهٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[۲]

ترجمہ: اور حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''ایسا کوئی عمل نہیں ہے جسے بندہ کرے اور وہ ذکر اللہ سے زیادہ اللہ کے عذاب سے نجات دلائے۔ (مالک، ترمذی، ابن ماجہ)

﴿۲۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ أَنَا مَعَ عَبْدِيْ إِذَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۳]

[۱] المرقات: ۵/۶۶ [۲] اخرجہ مالک: ۱/۲۱۱ والترمذی: ۵/۴۵۹ ابن ماجہ ۲/۱۲۴ [۳] اخرجہ البخاری: ۵۷

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر کے لئے اپنے دونوں ہونٹ ہلاتا ہے (یعنی دل اور زبان دونوں سے ذکر کرتا ہے) تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں (یعنی میں اس کا مددگار رہتا ہوں اس کو توفیق دیتا ہوں اور اس پر اپنی رحمت و رعایت کرتا ہوں)۔ (بخاری)

﴿۲۵﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ صَقَالَةٌ وَصَقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا أَنْ يَضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہر چیز کے لئے صفائی ہے اور قلوب کی صفائی خدا کا ذکر ہے اور ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو ذکر الٰہی کے برابر خدا کے عذاب سے بہت نجات دلائے''۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ''کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی ایسی چیز نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں: اگر چہ وہ (مجاہد) اپنی تلوار اتنی مارے (یعنی اتنی شدت کے ساتھ مارے) کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے''۔ (بیہقی)

اس حدیث کی توضیح اور تشریح پہلے حدیث ۹ کے تحت ہو چکی ہے وہاں دیکھ لو تا کہ حدیث سمجھ میں آجائے جہاد فرض ہے اس کا بڑا مقام ہے۔

کتاب اسماء اللہ تعالیٰ

قال اللہ تعالیٰ ﴿وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بہا﴾[1]

قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایاما تدعوا فلہ الاسمآء الحسنیٰ[2]

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں کہ یہ بات جان لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں توقیفی کا مطلب یہ ہے کہ شارع کی اجازت اور سماع پر موقوف ہیں شریعت میں جو نام منقول ہیں اسی پر اطلاق کرنا چاہیئے اپنی عقل سے کوئی نام نہیں بڑھانا چاہئے اگرچہ وہ اسم منقول کے ہم معنی ہو مثلاً عالم کا اطلاق شریعت میں ہے تو یہی اطلاق کرنا چاہئے عاقل کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے اگرچہ دونوں ہم معنی ہیں اسی طرح جواد کا اطلاق ہے سخی کا نہیں کرنا چاہئے اسی طرح شافی کا اطلاق ہے طبیب کا نہیں کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ کے نام دو قسم پر ہیں ایک اسم ذاتی ہے جیسے لفظ اللہ ہے جس کا تعلق ذات سے ہے دوسری قسم اسم صفتی ہے جس کا تعلق اس ذات کی صفت کے ساتھ ہوتا ہے اسمائے صفات پھر دو قسم پر ہیں ایک قسم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے صفات سلبیہ کے سلب اور نفی کے لئے آئی ہے جس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہوتا ہے دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ کے اثبات سے ہے۔

الفصل الاول

اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام یاد کرنے کی فضیلت

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (وَفِيْ رِوَايَةٍ وَهُوَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو، جس شخص نے ان ناموں کو یاد کیا وہ ابتداء ہی میں بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوگا'' ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: اس حدیث میں ۹۹ ناموں میں حصر کا ذکر ہے مگر آئندہ حدیثوں میں کچھ اور ناموں کا ذکر بھی ملتا ہے تو علماء نے اس تعارض کو دور کرنے کے لئے کہا ہے کہ ۹۹ کی تعداد جو اس حدیث میں مذکور ہے یہ وہ تعداد ہے جس کے لئے یہ

[1] سورت الاعراف الایہ: ۱۸۰ [2] سورت بنی اسرائیل: الایہ: ۱۱۰ [3] اخرجہ البخاری: ۳/۲۵۹ ومسلم: ۲/۴۶۷

خاص بشارت ہے کہ جو شخص اس کو یاد کریگا وہ جنت میں جائے گا اس خصوصیت کے جو نام ہیں وہ ۹۹ ہیں اس کے علاوہ نام بھی ہیں لہٰذا ۹۹ میں حصر نہیں ہے۔

"احصاھا" اس سے زبانی یاد کرنا مراد ہے امام بخاری نے بھی احصاھا کا ترجمہ حفظھا سے کیا ہے بعض علماء کا خیال ہے کہ احصاھا سے مراد اس کا عقیدہ رکھنا اور اس پر ایمان لانا ہے یہ قول مرجوح ہے۔

الفصل الثانی

اللہ تعالیٰ کے مبارک نام

﴿۲﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ اِسْمًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، الرَّحْمٰنُ، الرَّحِيْمُ، الْمَلِكُ، الْقُدُّوْسُ، السَّلَامُ، الْمُؤْمِنُ، الْمُهَيْمِنُ، الْعَزِيْزُ، الْجَبَّارُ، الْمُتَكَبِّرُ، الْخَالِقُ، الْبَارِئُ، الْمُصَوِّرُ، الْغَفَّارُ، الْقَهَّارُ، الْوَهَّابُ، الرَّزَّاقُ، الْفَتَّاحُ، الْعَلِيْمُ، الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ، الْخَافِضُ، الرَّافِعُ، الْمُعِزُّ، الْمُذِلُّ، السَّمِيْعُ، الْبَصِيْرُ، الْحَكَمُ، الْعَدْلُ، اللَّطِيْفُ، الْخَبِيْرُ، الْحَلِيْمُ، الْعَظِيْمُ، الْغَفُوْرُ، الشَّكُوْرُ، الْعَلِيُّ، الْكَبِيْرُ، الْحَفِيْظُ، الْمُقِيْتُ، الْحَسِيْبُ، الْجَلِيْلُ، الْكَرِيْمُ، الرَّقِيْبُ، الْمُجِيْبُ، الْوَاسِعُ، الْحَكِيْمُ، الْوَدُوْدُ، الْمَجِيْدُ، الْبَاعِثُ، الشَّهِيْدُ، الْحَقُّ، الْوَكِيْلُ، الْقَوِيُّ، الْمَتِيْنُ، الْوَلِيُّ، الْحَمِيْدُ، الْمُحْصِيْ، الْمُبْدِئُ، الْمُعِيْدُ، الْمُحْيِيْ، الْمُمِيْتُ، الْحَيُّ، الْقَيُّوْمُ، الْوَاجِدُ، الْمَاجِدُ، الْوَاحِدُ، الْأَحَدُ، الصَّمَدُ، الْقَادِرُ، الْمُقْتَدِرُ، الْمُقَدِّمُ، الْمُؤَخِّرُ، الْأَوَّلُ، الْآخِرُ، الظَّاهِرُ، الْبَاطِنُ، الْوَالِيْ، الْمُتَعَالِيْ، الْبَرُّ، التَّوَّابُ، الْمُنْتَقِمُ، الْعَفُوُّ، الرَّءُوْفُ، مَالِكُ الْمُلْكِ، ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، الْمُقْسِطُ، الْجَامِعُ، الْغَنِيُّ، الْمُغْنِيْ، الْمَانِعُ، الضَّارُّ، النَّافِعُ، النُّوْرُ، الْهَادِيْ، الْبَدِيْعُ، الْبَاقِيْ، الْوَارِثُ، الرَّشِيْدُ، الصَّبُوْرُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) [1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو شخص ان ناموں کو یاد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ وہ اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اسم ذات اللہ کے علاوہ ننانوے نام یہ ہیں)

① الرحمٰن ② الرحیم ③ الملک ④ القدوس ⑤ السلام ⑥ المؤمن ⑦ المہیمن ⑧ العزیز ⑨ الجبار ⑩ المتکبر ⑪ الخالق ⑫ الباری ⑬ المصور ⑭ الغفار ⑮ القہار ⑯ الوہاب

[1] المرقات: ۵/۷۱ المرقات: ۵/۷۱ اخرجہ الترمذی: ۵/۵۳۰

⑰ الرزاق ⑱ الفتاح ⑲ العليم ⑳ القابض ㉑ الباسط ㉒ الخافض ㉓ الرافع ㉔ المعز ㉕ المذل ㉖ السميع ㉗ البصير ㉘ الحكم ㉙ العدل ㉚ اللطيف ㉛ الخبير ㉜ الحليم ㉝ العظيم ㉞ الغفور ㉟ الشكور ㊱ العلى ㊲ الكبير ㊳ الحفيظ ㊴ المقيت ㊵ الحسيب ㊶ الجليل ㊷ الكريم ㊸ الرقيب ㊹ المجيب ㊺ الواسع ㊻ الحكيم ㊼ الودود ㊽ المجيد ㊾ الباعث ㊿ الشهيد ۵۱ الحق ۵۲ الوكيل ۵۳ القوى ۵۴ المتين ۵۵ الولى ۵۶ الحميد ۵۷ المحصى ۵۸ المبدى ۵۹ المعيد ۶۰ المحى ۶۱ المميت ۶۲ الحى ۶۳ القيوم ۶۴ الواجد ۶۵ الماجد ۶۶ الواحد ۶۷ الاحد ۶۸ الصمد ۶۹ القادر ۷۰ المقتدر ۷۱ المقدم ۷۲ المؤخر ۷۳ الاول ۷۴ الأخر ۷۵ الظاهر ۷۶ الباطن ۷۷ الوالى ۷۸ المتعالى ۷۹ البر ۸۰ التواب ۸۱ المنتقم ۸۲ العفو ۸۳ الرؤف ۸۴ ملك الملك ۸۵ ذوالجلال والاكرام ۸۶ المقسط ۸۷ الجامع ۸۸ الغنى ۸۹ المغنى ۹۰ المانع ۹۱ الضار ۹۲ النافع ۹۳ النور ۹۴ الهادى ۹۵ البديع ۹۶ الباقى ۹۷ الوارث ۹۸ الرشيد ۹۹ الصبور ۔ اس روایت کو ترمذی نے اور بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیا نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: ان ناموں کے الگ الگ خاصیات ہیں تمام شارحین نے لکھے ہیں علماء نے اس پر الگ الگ کتابیں تصنیف کی ہیں جو اسماء حسنٰی کے نام سے چھپی ہیں تفصیلات وہاں پر دیکھ لیں میری تنگی دامان کی وجہ سے میں تفصیل نہیں کر سکتا بس ہر پڑھنے والے پر لازم ہے کہ اس کو یاد کرے برکات اور فوائد خود بخود پڑھنے سے حاصل ہونگے۔

اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم

﴿۳﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ فَقَالَ دَعَا اللّٰهَ بِإِسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِيْ إِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطٰى وَإِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ: "اے الہی: میں تجھ سے اپنا مقصد و مطلوب اس وسیلہ کے ساتھ مانگتا ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ایسا یکتا اور بے نیاز ہے کہ نہ تو اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں (یہ سن کر) آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی، ایسا اسم اعظم کہ جب اللہ تعالیٰ سے اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو وہ سوال پورا کرتا ہے اور جب اس کے ذریعہ دعا مانگی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے یعنی وہ دعا اکثر قبول ہوتی ہے۔ (ترمذی، ابوداود)

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۵۱۵ وابوداؤد

توضیح: زیادہ راجح یہی ہے کہ اسم اعظم اللہ تعالیٰ کے ناموں میں پوشیدہ ہے جس طرح جمعہ کی مقبول گھڑی اور لیلۃ القدر پوشیدہ ہے اگرچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ اسم اعظم لفظ "اللہ" ہے۔ [۱]

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب دل و زبان کا تناؤ اور ربط ایک ہو کر لفظ اللہ پڑھا جائے تو یہی اسم اعظم ہے۔

﴿۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّيْ فَقَالَ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِأَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ أَسْئَلُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا اللهَ بِإِسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِيْ إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطٰى۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے (نماز کے بعد) یہ دعا مانگی "یا الٰہی": میں تجھ سے اپنا مطلب اس وسیلہ کے ساتھ مانگتا ہوں کہ تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو بہت مہربان بہت دینے والا اور آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے اے بزرگی و بخشش کے مالک: اے زندہ: اے خبر گیری کرنے والے: میں تجھ سے ہی سوال کرتا ہوں": (یہ سن کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس کے بڑے نام کے ساتھ دعا مانگی۔ ایسا بڑا نام کہ جب اللہ تعالیٰ سے اس کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے اور جب اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو وہ سوال پورا کرتا ہے"۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

﴿۵﴾ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِسْمُ اللهِ الْأَعْظَمُ فِيْ هَاتَيْنِ الْآيَتَيْنِ وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ وَفَاتِحَةُ آلِ عِمْرَانَ الٓمّٓ اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ) [۳]

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا سب سے بڑا نام (اسم اعظم) ان دو آیتوں میں ہے **والھکم الہ واحد لاالہ الا ھو الرحمٰن الرحیم** (اور تمہارا معبود وہ ایک ہے اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اور وہ بخشنے والا اور مہربان ہے) اور سورۂ آل عمران کی یہ ابتدائی آیت **الٓمّٓ اللہ لاالہ الا ھو الحی القیوم** ۔ وہ اللہ کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے اور خبر گیری کرنے والا ہے۔ (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ، دارمی)

---

[۱] المرقات: ۵/۱۱۶ [۲] اخرجه النسائی: ۳/۵۲ وابوداؤد: ۲/۸۰

[۳] اخرجه الترمذی: ۵/۵۱۷ وابوداؤد: ۲/۸۱ وابن ماجه: ۲/۱۲۶۷ والدارمی: ۳۳۹۲

دعاء یونس علیہ السلام کی برکت

﴿۶﴾ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْوَۃُ ذِی النُّوْنِ اِذَا دَعَا رَبَّہٗ وَھُوَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ لَااِلٰہَ اِلاَّ أَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ لَمْ یَدْعُ بِھَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ فِیْ شَیْئٍ اِلاَّ اسْتَجَابَ لَہٗ۔ (رَوَاہُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مچھلی والے یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی وہ دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے پروردگار سے مانگی تھی یہ ہے لاالہ الاانت سبحانك انی کنت من الظالمین (تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بلاشک میں ظالموں میں سے تھا) جو مسلمان شخص اس دعا کے ذریعہ خدا سے کوئی چیز مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا سوال پورا کرتا ہے''۔ (احمد، ترمذی)

توضیح: ذی النون یعنی مچھلی والے کی دعا اس سے مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں جس نے نینوی اور موصل کے علاقہ میں قوم کو دعوت دی قوم نے انکار کیا انہوں نے بددعا دی اس میں تاخیر ہو رہی تھی یہ شہر سے نکل گئے اللہ تعالیٰ کو یہ نکلنا پسند نہ آیا آزمائش میں لاکر سمندر میں ڈالا مچھلی نے نگل لیا آپ نے دعا پڑھی اللہ نے مہربانی فرمائی پھر واپس آئے قوم نے استقبال کیا اور مسلمان ہوئی پھر اسی قوم میں حضرت یونس علیہ السلام کا انتقال ہوا۔[2]

الفصل الثالث

اسم اعظم کی تحقیق

﴿۷﴾ عَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَسْجِدَ عِشَاءً فَاِذَا رَجُلٌ یَقْرَأُ وَیَرْفَعُ صَوْتَہٗ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ أَتَقُوْلُ ھٰذَا مُرَاءٍ قَالَ بَلْ مُؤْمِنٌ مُنِیْبٌ قَالَ وَأَبُوْمُوْسٰی الْأَشْعَرِیُّ یَقْرَأُ وَیَرْفَعُ صَوْتَہٗ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَسَمَّعُ لِقِرَاءَتِہٖ ثُمَّ جَلَسَ أَبُوْمُوْسٰی یَدْعُوْ فَقَالَ أَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أُشْھِدُکَ أَنَّکَ أَنْتَ اللّٰہُ لَااِلٰہَ اِلاَّ أَنْتَ أَحَدًا صَمَدًا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا أَحَدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ سَأَلَ اللّٰہَ بِاِسْمِہِ الَّذِیْ اِذَا سُئِلَ بِہٖ أَعْطٰی وَاِذَا دُعِیَ بِہٖ أَجَابَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ أُخْبِرُہٗ بِمَا سَمِعْتُ مِنْکَ قَالَ نَعَمْ فَأَخْبَرْتُہٗ

[1] اخرجه احمد: ۱/۱۷۰ والترمذی: ۵/۵۲۹ [2] المرقات: ۵/۱۱۹

بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيْ أَنْتَ الْيَوْمَ لِيْ أَخٌ صِدِّيْقٌ حَدَّثْتَنِيْ بِحَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ عشاء کی نماز کے لئے مسجد میں داخل ہوا تو وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص (نماز میں) قرآن کریم پڑھ رہا ہے اور اپنی آواز کو بلند کر رہا ہے میں نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ﷺ اس شخص کو ریا کار نہیں کہیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں'': بلکہ مؤمن جو (غفلت سے ذکر کی طرف) رجوع کر رہا ہے''۔ بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''ابوموسیٰ بآواز بلند قرآن کریم پڑھتے رہے اور نبی کریم ﷺ ان کی قرأت سنتے رہے، پھر ابوموسیٰ (یا تو تشہد میں یا نماز کے بعد دعا کے لئے) بیٹھے اور بارگاہ الٰہی میں یوں عرض رساں ہوئے: اے الٰہی: میں تجھ کو گواہ فرمایا ''اس نے خدا سے اس کے نام کے ساتھ سوال کیا ایسا نام کہ جب اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو اللہ وہ سوال پورا کرتا ہے۔ اور جب اس کے ذریعہ دعا مانگی جاتی ہے تو دعا قبول کرتا ہے'' حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ: میں نے آپ ﷺ سے جو یہ بات سنی ہے اسے ابوموسیٰ تک پہنچا دوں۔ آپ نے فرمایا کہ ''ہاں'' چنانچہ میں نے ابوموسیٰ تک آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی پہنچایا تو انہوں نے کہا کہ ''آج کے دن سے تم میرے سچے بھائی ہو کہ تم نے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد مجھ تک پہنچایا ہے''۔ (رزین)

توضیح: اس سے پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ اسم اعظم اللہ تعالیٰ کے ناموں میں پوشیدہ ہے کوئی ایک چیز اس کا مصداق نہیں ہے۔ لیکن کچھ علماء نے اس کے تعین کے بارے میں کچھ لکھا ہے چنانچہ بعض علما کے نزدیک لفظ اللہ اسم اعظم ہے بعض حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ **بسم اللہ الرحمن الرحیم** اسم اعظم ہے کچھ علماء نے لفظ ''**ھو**'' کو اسم اعظم کہا ہے جس کو سلطان باھو نے سب سے زیادہ استعمال کیا ہے بعض نے **الحی القیوم** کو اور بعض نے **مالک الملک** کو اور بعض نے **اللہ الذی لا الہ الا ھو رب العرش العظیم** کو اسم اعظم قرار دیا ہے۔

امام زین العابدین نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم مانگا تو خواب میں بتا دیا گیا کہ **لا الہ الا اللہ**، اسم اعظم ہے۔

بعض سلف فرماتے ہیں کہ لفظ **اللھم** اسم اعظم ہے بعض حضرات نے **الم** کو اسم اعظم کہا ہے۔ اس باب کی چند احادیث میں حضور اکرم ﷺ نے بعض دعاؤں کو اسم اعظم قرار دیا ہے یہ زیادہ مستند ہے لیکن یہاں اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ شاید اسم اعظم خاص الفاظ کی خاص ترکیب کا نام نہیں ہوگا بلکہ ہر وہ کلمہ یا جملہ جو اللہ تعالیٰ کی انتہائی تعریف پر مشتمل ہو وہی اسم اعظم ہے۔

باب ثواب التسبیح والتحمید والتهلیل والتکبیر

تسبیحات کا ثواب

قال الله تعالیٰ ﴿وسبحوه بکرة واصیلا﴾[1] وقال تعالیٰ ﴿فسبح بحمد ربك واستغفره﴾[2] وقال تعالیٰ ﴿وکبره تکبیرا﴾[3]

تسبیح سے سبحان اللہ اور تسبیح کے مادہ سے متعلق تمام کلمات مراد ہیں تحمید سے مراد الحمد للہ ہے تہلیل سے مراد لا الہ الا اللہ کہنا اور تکبیر سے مراد اللہ اکبر کہنا ہے۔

الفصل الاول

سب سے افضل اور محبوب کلمات

﴿۱﴾ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْكَلَامِ أَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللّٰهِ أَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ لَا يَضُرُّكَ بِأَيِّهِنَّ بَدَأْتَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انسان کے کلام میں سب سے بہتر کلام چار ہیں (اور وہ یہ ہیں) (سبحان اللہ) اللہ بہت پاک ہے (الحمد للہ) تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں (لا الہ الا اللہ) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (اللہ اکبر) اللہ بہت بڑا ہے۔ ایک روایت میں ہے (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام چار ہیں ① سبحان اللہ ② الحمد للہ ③ لا الہ الا اللہ ④ اللہ اکبر۔ ان میں سے کسی بھی کلمہ سے شروع کرنا تمہارے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ (مسلم)

توضیح: "افضل الکلام" اس حدیث کے دو مفہوم ہیں پہلا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے بعد انسان کے کلام میں یہ چار کلمے سب سے افضل ہیں یہ قید اس لئے لگائی گئی کہ جو کلمات قرآن میں ہوں اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہو وہ سب سے افضل ہے قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں مندرجہ بالا کلمات افضل ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے انسان کے کلام میں یہ چار کلمات سب سے افضل ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہیں جس طرح اسی حدیث میں دوسری روایت میں مذکور ہیں

[1] سورت الاحزاب الایہ ۴۲ [2] سورت نصر الایہ ۳ [3] سورت بنی اسرائیل الایہ ۱۱۱ [4] اخرجه مسلم: ۲/۲۵۷:

۔ بہر حال ان چار کلمات میں اللہ تعالیٰ سے صفات سلبیہ کی نفی کے کلمات بھی موجود ہیں جو سبحان اللہ کا لفظ ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ کے اثبات کے لئے بھی کلمات موجود ہیں اسی جامعیت کی وجہ سے یہ افضل ہیں [۱] "بایتھن بدأت" یعنی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم نے ابتدا کس کلمہ سے کیا ہے مذکورہ ترتیب بھی جائز ہے اور ترتیب کے بغیر بھی پڑھنا فائدہ مند ہے۔ [۲]

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ أَقُوْلَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہنا بلاشبہ میرے نزدیک سب چیز سے جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے (یعنی دنیا اور دنیا کی چیزوں سے) زیادہ پسندیدہ ہے"۔ (مسلم)

سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے کسی دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھا تو اس کے گناہ ختم کردیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ دریا کے جھاگ کی مانند یعنی کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: افضل واولیٰ یہی ہے کہ یہ وظیفہ سو مرتبہ ایک ساتھ پڑھ لیا جائے بیچ میں فرق نہ ہو لیکن علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ کلمات صبح سے شام تک متفرق طور پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ سارے گناہ جو معاف ہوجاتے ہیں تو اس سے صغائر گناہ مراد ہیں کیونکہ کبائر کے لئے توبہ کی ضرورت ہے ہاں کبائر ضعیف ہوجاتے ہیں لیکن اگر ساتھ ساتھ توبہ بھی کرلی پھر تو کبائر بھی معاف ہوجاتے ہیں بشرطیکہ حقوق العباد میں سے نہ ہوں۔ [۵]

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ وَحِيْنَ يُمْسِيْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ لَمْ يَأْتِ أَحَدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ إِلَّا أَحَدٌ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ أَوْ زَادَ عَلَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۶]

---

[۱] المرقات: ۵/۱۲۲ [۲] المرقات: ۵/۱۲۳ [۳] اخرجه مسلم: ۲/۳۷۲ [۴] اخرجه البخاری: ۸/۱۰۶ ومسلم: ۲/۳۷۲
[۵] الکاشف: ۵/۷۷ المرقات: ۵/۱۲۴، ۱۲۵ [۶] اخرجه البخاری: ومسلم: ۲/۳۷۲

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جس نے صبح کے وقت اور شام کے وقت سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہا تو قیامت کے دن کوئی شخص اس عمل سے بہتر کوئی عمل نہیں لائے گا علاوہ اس شخص کے جس نے اس کی مانند یا اس سے زیادہ کہا''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**اوزادعلیه**" سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں پہلے شخص کی افضلیت کو ختم کرنے کے لئے فرمایا کہ آنے والے کسی شخص نے اگر اسی کی طرح سو مرتبہ یہ تسبیح پڑھ لئے تو وہ افضل ہوگا حالانکہ اس میں کوئی افضلیت نہیں ہے پہلے شخص نے بھی سو مرتبہ پڑھا اس نے بھی اسی کے مانند سو مرتبہ پڑھا تو افضلیت کیسے حاصل ہوگئی؟۔

اس کا آسان جواب یہ ہے کہ حدیث کے آخر میں "**او**" کا جو لفظ ہے یہ واؤ کے معنی میں ہے مطلب یہ ہوا کہ یہ فضیلت اس شخص کو حاصل ہو جاتی ہے جو سو مرتبہ پڑھے اور کچھ زیادہ پڑھے۔[1]

دو کلمے اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں

﴿۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''دو کلمے ہیں جو زبان میں کہنے سے تو ہلکے ہیں لیکن ترازو میں بھاری ہیں (یعنی ان کا ثواب میزان عمل میں بھاری ہوگا) اور رحمن کے نزدیک بہت پیارے ہیں اور وہ دو کلمے یہ ہیں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم یعنی اللہ پاک ہے اور اپنی حمد کے ساتھ موصوف ہے پاک ہے جو اللہ بڑا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**کلمتان**" سے مراد دو کلام ہے کہ دو کلمے[3] "**حبیبتان**" یہ محبوبتان کے معنی میں ہے مراد یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو جاتا ہے۔[4]

"**خفیفتان**" ہلکے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی مشقت کم ہے ثواب زیادہ ہے اس لئے کم خرچ بالانشین کی طرح ہے یا یوں کہیں کہ اس میں کوئی مشہور شدید حرف نہیں ہے اس لئے ہلکے ہیں یا یوں کہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے بیان میں جو سجع ہے اس سجع نے اس کو خفیف بنایا ہے یا یہ کہ اس کو تشویق نے ہلکا بنا دیا ہے یعنی ہر کلمہ اگلے کلمہ کا شوق دلاتا ہے۔ جب کہا گیا کہ "**کلمتان**" تو سننے والے متوجہ ہو گئے جب "**حبیبتان**" کا لفظ آ گیا تو سامعین جھانکنے لگے جب **ثقیلتان** کہا گیا تو سامعین نے فرط مسرت اور شدت محبت میں خود کہہ دیا کہ سبحان اللہ! یہ کیا دولت ہے ذرا جلدی بتائیں تو اس کے جواب میں یہ کلمے آگئے **سبحان اللہ وبحمدہ** اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ کی نفی کے لئے ایک جملہ ہے اور صفات ثبوتیہ کے اثبات لئے دوسرا جملہ ہے تو اللہ تعالیٰ کی کامل و مکمل تعریف اس میں آ گئی۔[5]

---

[1] المرقات: ۵/۱۲۵ الکاشف: ۵/۷۷ [2] اخرجه البخاری: ۸/۱۰۷ ومسلم: ۴/۲۷۲

[3] المرقات: ۵/۱۲۶ [4] المرقات: ۵/۱۲۶ [5] المرقات: ۵/۱۲۶ الکاشف: ۵/۷۸

ایک ہزار نیکیوں والی دعا

﴿۶﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَكْسِبَ كُلَّ يَوْمٍ أَلْفَ حَسَنَةٍ فَسَأَلَهُ سَائِلٌ مِنْ جُلَسَائِهِ كَيْفَ يَكْسِبُ أَحَدُنَا أَلْفَ حَسَنَةٍ قَالَ يُسَبِّحُ مِائَةَ تَسْبِيحَةٍ فَيُكْتَبُ لَهُ أَلْفُ حَسَنَةٍ أَوْ يُحَطُّ عَنْهُ أَلْفُ خَطِيئَةٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ

وَفِي كِتَابِهِ فِي جَمِيعِ الرِّوَايَاتِ عَنْ مُوسَى الْجُهَنِيِّ أَوْ يُحَطُّ قَالَ أَبُو بَكْرٍ الْبَرْقَانِيُّ وَرَوَاهُ شُعْبَةُ وَأَبُو عَوَانَةَ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ عَنْ مُوسَى فَقَالُوا وَيُحَطُّ بِغَيْرِ أَلِفٍ هٰكَذَا فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن جب کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا "کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ہر روز ایک ہزار نیکیاں حاصل کرے؟ مجلس میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ "ہم میں سے کوئی شخص (روزانہ بسہولت) ایک ہزار نیکیاں کس طرح حاصل کرسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھ لے اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی (بایں حساب کہ ہر نیکی پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں) یا اس کے ایک ہزار (صغیرہ یا اگر اللہ چاہے گا تو کبیرہ) گناہ دور کئے جائیں گے"۔ (مسلم)

ابوبکر برقانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں موسیٰ جہنی سے جو روایتیں منقول ہیں ان سب میں لفظ الف مکتوب نہیں ہے او یحط ہی نقل کیا گیا ہے لیکن شعبہ، ابوعوانہ اور یحییٰ ابن سعید قطان نے موسیٰ جہنی سے ہی یہ روایت نقل کی ہے اس میں لفظ ویحط بغیر الف کے ذکر کیا ہے اور کتاب حمیدی یعنی جمع بین الصحیحین میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

توضیح: "او یحط" حط یحط گرانے کے معنی میں آتا ہے یہاں گناہوں کا معاف ہونا مراد ہے یہاں یہ بات یاد رکھو کہ **او یحط** میں او کا کلمہ واو کے معنی میں ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں آئے گا مطلب یہ کہ ایک ہزار نیکیاں ملیں گی اور ایک ہزار گناہ معاف کئے جائیں گے یہ بھی کم خرچ بالانشین کے قبیل سے ہے۔[2]

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْكَلَامِ أَفْضَلُ قَالَ مَا اصْطَفَى اللهُ لِمَلَائِكَتِهِ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ. (رَوَاهُ مُسْلِم)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا کلام بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ کلام جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے چن لیا ہے (اور وہ یہ ہے) **سبحان اللہ وبحمدہ**۔ (مسلم)

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۴۷۳ [2] المرقات: ۵/۱۲۷ [3] اخرجہ مسلم: ۲/۴۸۵

دعا میں کیفیت کا اعتبار ہے کمیت کا نہیں

﴿۸﴾ وَعَنْ جُوَيْرِيَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِيْنَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِيَ فِيْ مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ أَنْ أَضْحٰى وَهِيَ جَالِسَةٌ قَالَ مَازِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّتِيْ فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمَ لَوَزَنَتْهُنَّ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (جو آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں) منقول ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ صبح کے وقت نماز فجر کے لئے ان کے پاس سے نکلے اور وہ اپنے مصلی پر بیٹھی ہوئی تھیں جب رسول کریم ﷺ چاشت کے وقت واپس تشریف لائے وہ اپنی جگہ یعنی مصلی پر بدستور بیٹھی ہوئی تھیں آپ ﷺ نے یہ دیکھ کران سے فرمایا کہ "جس حالت میں میں تمہیں چھوڑ کر گیا تھا کیا اسی طرح مسلسل بیٹھی ہوئی ہو؟ انہوں نے کہا "جی ہاں"؛ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میں نے تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمے تین مرتبہ کہے ہیں وہ چار کلمے ایسے ہیں کہ اگر ان کو اس چیز سے تولا جائے جس کے کہنے میں تم ابتداء دن سے اب تک مشغول رہی ہو (یعنی ذکر میں) تو یقینا چار کلمے اس چیز پر بھاری رہیں گے (یعنی ان چار کلموں کا ثواب اس پورے وقت ذکر الٰہی میں تمہاری مشغولیت کے ثواب سے زیادہ ہوگا اور وہ چار کلمے یہ ہیں) **سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقه ورضی نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته** "میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اور اس کی تعریف کرتا ہوں اس کی مخلوقات کی تعداد کے بقدر اور اس کی ذات کی مرضی کے موافق اور اس کے عرش کے وزن کے مطابق اور اس کے کلموں کی مقدار کے مانند"۔ (مسلم)

توضیح: یہاں حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت دیر تک فجر کی نماز کے بعد بیٹھ گئیں اور بہت دعائیں پڑھیں لیکن حضرت پاک ﷺ نے صرف چار کلمے پڑھے جو کیفیت اور شان والے تھے اس لئے اس کا وزن زیادہ ہوا معلوم ہوا، ذکر اللہ میں اور اسی طرح ہر دعا میں کیفیت کا اعتبار ہے کمیت اور کثرت کا اعتبار نہیں ہے اسی طرح مثلاً ایک شخص لفظ اللہ کو یا لفظ الحمد للہ کو اس طرح ٹھر کر پڑھتا ہے کہ اس میں دس سیکنڈ صرف ہو گئے اور ایک شخص دس سیکنڈ میں جلدی جلدی پانچ بار تک پڑھ لیتا ہے اس سے اس ایک بار کا ثواب زیادہ ہے وقت اور دھیان پر ثواب ملتا ہے۔[۲]

شیطان سے بچاؤ کا آسان طریقہ

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ

[۱] اخرجه مسلم: ۲/۳۸۲ [۲] المرقات: ۵/۱۲۸

لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهٗ عِدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَكُتِبَتْ لَهٗ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهٗ ذٰلِكَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ إِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْهُ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اورحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ کلمات **لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریك له** ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں'' **له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير** ''اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ دن میں سو مرتبہ کہے اس کو سو غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اس کے سو گناہ دور کئے جاتے ہیں اور اس کو اس دن شام تک شیطان سے پناہ حاصل رہتی ہے اور (قیامت کے دن) کوئی اس کے لائے ہوئے اس عمل سے بہتر کوئی عمل لے کر نہیں آئے گا علاوہ اس شخص کے جس نے ان کلمات کو اس سے زیادہ پڑھا''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: شارع علیہ السلام نے تسبیحات اور دعاؤں میں جو تعداد بتائی ہے یہ مقدار تاثیر کے لئے شرط کا درجہ رکھتی ہے اس سے کم میں مطلوب حاصل نہیں ہوگا اب اگر کوئی شخص اس سے زیادہ پڑھے تو مطلوب حاصل ہوگا یا نہیں تو علامہ نووی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس میں بھی وہی تاثیر ہوگی باقی ایک خاص عدد کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے تو یہ مفوض الی اللہ والی رسولہ ہے ہمیں اس کی حکمت تلاش نہیں کرنی چاہئے سب سے بڑی حکمت تو یہی ہے کہ شارع نے فرمایا ہے۔[۲]

جنت کا خزانہ حاصل کرلو

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا النَّاسُ إِرْبَعُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا إِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِيْ تَدْعُوْنَهٗ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهٖ قَالَ أَبُوْ مُوْسٰى وَأَنَا خَلْفَهٗ أَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فِيْ نَفْسِيْ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى كَنْزٍ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اورحضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں تھے کہ

[۱] اخرجه البخاری: ۴/۵۳ ومسلم: ۲/۴۷۱ [۲] المرقات: ۵/۱۳۰ [۳] اخرجه البخاری: ۴/۵۶۹، ۱۶۹ ومسلم: ۲/۴۷۵

لوگوں نے (ایک موقع پر) پکار پکار کر تکبیر کہنی شروع کی آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا "لوگو!: اپنی جانوں کے ساتھ نرمی اختیار کرو (یعنی اتنی بلند آواز سے تکبیر نہ کہو) کیونکہ تم (تکبیر کے ذریعہ) کسی بہرے یا غیر موجود کو نہیں پکارتے ہو بلکہ اس کو پکارتے ہو جو سننے والا اور دیکھنے والا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جس کو کہ تم پکارتے ہو وہ تم میں سے ہر شخص کے، اس کی سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے" حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں (اس وقت) آپ ﷺ کے پیچھے (اونٹ پر یا پیادہ تھا اور اپنے دل میں یہ پڑھ رہا تھا (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) کہ آپ ﷺ نے فرمایا "عبداللہ ابن قیس: "کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتلادوں؟ میں نے عرض کیا "ہاں یارسول اللہ: ضرور بتایئے آپ ﷺ نے فرمایا "وہ خزانہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے"۔ (بخاری ومسلم)

الفصل الثانی

جنت میں پودے لگاؤ

﴿۱۱﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ غُرِسَتْ لَهٗ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے "(سبحان اللہ العظیم وبحمدہ) کہا اس کے لئے جنت میں کھجور کا درخت لگا دیا جاتا ہے"۔ (ترمذی)

﴿۱۲﴾ وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَبَاحٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ إِلَّا مُنَادٍ يُنَادِيْ سَبِّحُوا الْمَلِكَ الْقُدُّوْسَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایسی کوئی صبح نہیں ہوتی کہ جس میں ایک فرشتہ پکارنے والا پکار کر یہ نہ کہتا ہو "کہ پاک بادشاہ کو اس کی پاکی کے ساتھ یاد کرو"۔ (ترمذی)

بہترین ذکر اور بہترین دعا

﴿۱۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَهْ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر ذکر لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے بہتر دعا الحمد للہ ہے"۔ (ترمذی وابن ماجہ)

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۵۱۱ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۵۶۳ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۴۶۲ وابن ماجه ۲/۱۲۴۹

توضیح: "لا الٰہ الا اللّٰہ" کو بہترین دعا اس لئے کہا گیا کہ یہ اسلام اور ایمان کا بنیادی کلمہ ہے اس کے بغیر نہ عقائد صحیح ہو سکتے ہیں اور نہ احکام و اعمال کا کوئی اعتبار ہے اس کلمہ سے انسان کے باطن کے تمام باطل معبود جس طرح گر جاتے ہیں اسی طرح یہ کلمہ دل میں بیٹھ جانے کے بعد جب زبان پر آتا ہے تو انسان کے ظاہری معبودانِ باطلہ کو گرا کر رکھدیتا ہے۔[1]

سوال: الحمد للہ کو بہترین دعا قرار دیا گیا ہے حالانکہ اس میں بظاہر کوئی دعا نہیں ہے؟

جواب: شارحین لکھتے ہیں کہ حمد میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اور کسی بھی سخی کی جب تعریف ہوتی ہے تو وہ صرف تعریف پر مانگے بغیر فیاضی کرتا ہے اور مال دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بہت بڑے ہیں اور عظمت کے تمام کمالات سے متصف ہیں جب اس کی تعریف ہوتی ہے تو وہ تعریف کرنے والے کو اتنا دیتا ہے کہ اتنا مانگنے پر بھی نہیں دیتا اس لئے فرمایا الحمد للہ بہترین سوال ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو منعم حقیقی ہے اس کی تعریف درحقیقت اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے اور شکر درحقیقت کسی نعمت کے بدلے میں آتا ہے اور نعمت پر شکر ادا کرنا باعث برکت بن کر نعمت میں اضافہ کر دیتا ہے جیسے ﴿لئن شکرتم لازیدنکم﴾[2] میں زیادت کا وعدہ ہے اسی وجہ سے الحمد للہ کو بہترین سوال قرار دیا گیا، اس حدیث کے بعد ساتھ والی حدیث میں اس حقیقت کا بیان موجود ہے جس میں شکر کو حمد کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ کی حمد اس کا شکر ادا کرنا ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَأْسُ الشُّكْرِ مَا شَكَرَ اللّٰهَ عَبْدٌ لَا يَحْمَدُهٗ۔[4]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حمد (خدا کی تعریف) شکر کا سر ہے جس بندہ نے خدا کی حمد نہیں کی اس نے خدا کا (کامل) شکر ادا نہیں کیا"۔

﴿۱۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلُ مَنْ يُدْعٰى إِلَى الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن جنت کی طرف جن لوگوں کو پہلے بلایا جائے گا۔ ان میں وہ ہوں گے جو خوشی کے وقت بھی اور سختی کے وقت بھی اللہ کی تعریف کرتے ہیں (یعنی دونوں صورتوں

[1] المرقات: ۵/۱۳۲ [2] سورت ابرھیم الایہ، [3] المرقات: ۵/۱۳۳ والکاشف: ۵/۸۶

[4] اخرجہ البیھقی: ۴/۹۶ [5] اخرجہ البیھقی: ۴/۹۶

میں راضی برضا مولیٰ رہتے ہیں) ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

لا الہ الا اللہ کی عظمت شان

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَارَبِّ عَلِّمْنِيْ شَيْئًا أَذْكُرُكَ بِهٖ وَأَدْعُوْكَ بِهٖ فَقَالَ يَامُوْسٰى قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ يَارَبِّ كُلُّ عِبَادِكَ يَقُوْلُ هٰذَا إِنَّمَا أُرِيْدُ شَيْئًا تَخُصُّنِيْ بِهٖ قَالَ يَامُوْسٰى لَوْ أَنَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعَ وَعَامِرَهُنَّ غَيْرِيْ وَالْأَرَضِيْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِيْ كِفَّةٍ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِيْ كِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگار: مجھے کوئی ایسی چیز سکھلا دے جس کے ذریعہ میں تجھے یاد کروں اور تجھ سے دعا مانگوں'': پروردگار نے فرمایا: موسیٰ لا الہ الا اللہ کہو: موسیٰ نے عرض کیا ''میرے پروردگار: تیرے تمام بندے (یعنی موحدین) یہ کلمہ کہتے ہیں میں تو کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جسے تو میرے لئے ہی مخصوص کردے۔ جس میں میرا اور کوئی شریک نہ ہو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''موسیٰ: اگر ساتوں آسمان اور میرے علاوہ ان کے سارے مکین (یعنی تمام فرشتے) اور ساتوں زمین ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور لا الہ الا اللہ یعنی اس کا ثواب دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یقیناً ان چیزوں کے پلڑے سے لا الہ الا اللہ کا پلڑا جھک جائے گا''۔ (شرح السنۃ)

توضیح: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب میں بطور الہام یہ ڈالدیا کہ وہ ایسا سوال کرے تاکہ جواب سے سب لوگ مستفید ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جواب میں لا الہ الا اللہ کی عظمت وحقیقت کو واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام اشیاء اور کائنات کا مکمل ڈھانچہ اگر ترازو کے ایک پلڑے میں رکھدیا جائے اور لا الہ الا اللہ کو دوسرے پلڑے میں رکھدیا جائے تو اس کا پلڑا ابھاری رہیگا۔[2]

سوال: یہاں یہ اشکال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ایک خاص دعا کا سوال کیا تھا جس میں آپ کا اختصاص ہو اور وہ سب سے افضل ہو اللہ تعالیٰ نے جواب میں لا الہ الا اللہ کی نشاندہی فرمائی جو درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال کے جواب کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ اس میں کوئی تخصیص واختصاص نہیں ہے بلکہ دنیا کے سارے لوگ اس کو پڑھتے ہیں بڑا تو بیشک ہے لیکن تخصیص بموسیٰ کہاں ہے؟ جب سوال تخصیص کا تھا۔

جواب: اگر گہری نگاہ سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بتانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال ایک محال چیز کا سوال تھا کیونکہ لا الہ الا اللہ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں تھی اور اتفاق سے یہ کلمہ کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سب کے

[1] اخرجہ شرح السنہ ۵۴/۵ [2] المرقات: ۵/۱۳۵

لئے عام ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے عمدہ چیز کی تخصیص مانگ رہے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہی کلمہ پڑھو اس سے افضل کوئی چیز نہیں ہے باقی میں نے اپنی رحمت سے اس کو عام کردیا ہے جیسے ہوا عام ہے پانی عام ہے سورج چاند عام ہے جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اسی طرح عام ہوتی ہے۔ [1]

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ صَدَّقَهُ رَبُّهُ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا وَأَنَا أَكْبَرُ وَإِذَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ يَقُولُ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا وَحْدِي لَا شَرِيكَ لِي وَإِذَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا لِيَ الْمُلْكُ وَلِيَ الْحَمْدُ وَإِذَا قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِي وَكَانَ يَقُولُ مَنْ قَالَهَا فِي مَرَضِهِ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ کہتا ہے **(لا الہ الا اللہ واللہ اکبر)** اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے) تو اس کا رب اس کو سچا کرتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اسے اس اقرار واعتقاد پر قائم رکھتا ہے اور ان اقوال کو قبول فرماتا ہے) اور (اس کے کہنے کے موافق) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لا الہ الا انا وانا اکبر** بیشک میرے سوا کوئی معبود نہیں اور میں بہت بڑا ہوں) جب وہ شخص یہ کہتا ہے **(لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ)** اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں) تو اللہ فرماتا ہے **(لا الہ الا انا لی الملک ولی الحمد)** بیشک میرے سوا کوئی معبود نہیں میرے ہی لئے بادشاہت ہے اور میرے ہی لئے تعریف) اور جب وہ شخص کہتا ہے **(لا الہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ)** اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گناہوں سے بچنا اور طاعت کی قوت پانا اللہ ہی کی مدد سے ہے) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **(لا الہ الا انا ولا حول ولا قوۃ الا بی)** بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں، گناہوں سے بچنا اور اطاعت کی قوت پانا میری ہی مدد سے ہے) نیز نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ جو شخص ان (مذکورہ بالا) کلمات کو اللہ تعالیٰ کے جوابوں کے علاوہ اپنی بیماری میں کہتا رہے اور پھر مر جائے تو اسے (دوزخ کی) آگ نہیں جلائے گی یعنی وہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہے گا''۔

(ترمذی وابن ماجہ)

تسبیح پھیرنے کا ثواب

﴿۱۸﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّهُ دَخَلَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى امْرَأَةٍ وَبَيْنَ يَدَيْهَا نَوًى أَوْ حَصًى تُسَبِّحُ بِهِ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ أَيْسَرُ عَلَيْكِ مِنْ هٰذَا أَوْ أَفْضَلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ

[1] المرقات: ۵/۱۳۵، ۱۳۶، الکاشف: ۵/۸۷ [2] اخرجہ الترمذی: ۵/۴۹۲ وابن ماجہ: ۲/۱۲۴۶

عَدَدَمَا خَلَقَ فِي السَّمَاءِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَمَا خَلَقَ فِي الْأَرْضِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَمَا هُوَ خَالِقٌ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ایک خاتون کے ہاں گئے اس وقت اس خاتون کے سامنے کھجور کی گٹھلیاں یا کنکریاں پڑی ہوئی تھیں اور وہ ان پر تسبیح پڑھ رہی تھیں (یعنی ان کے ذریعہ تسبیح کو شمار کرتی تھیں) آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ "کیا میں تمہیں ایک ایسی تسبیح نہ بتادوں جو (نہ صرف کہ) اس تسبیح (یعنی ان بہت ساری گٹھلیوں یا کنکریوں پر تسبیح پڑھنے کے مقابلہ میں تمہارے لئے) بہت آسان بھی ہے بلکہ وہ تسبیح بہت بہتر ہے اس کا ترجمہ یہ ہے اللہ کے لئے پاکی ہے اس مخلوق کی تعداد کے بقدر جو آسمان میں ہے اور اللہ کے لئے پاکی ہے اس مخلوق کی تعداد کے بقدر جو زمین میں ہے اور اللہ کے لئے پاکی ہے اس مخلوق کی تعداد کے بقدر جو زمین و آسمان کے درمیان ہے اور اللہ کے لئے پاکی ہے اس مخلوق کی تعداد کے بقدر جو اس کے بعد یا ازل سے ابد تک پیدا کی جانے والی ہے۔ اور اللہ اکبر بھی اسی طرح پڑھے اور الحمد للہ بھی اسی طرح پڑھے اور لا الہ الا اللہ بھی اسی طرح پڑھے اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ بھی پڑھے"۔ (ترمذی، ابوداود) ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: **"نوی او حصی"** نواۃ اور حصاۃ گٹھلی اور کنکری کو کہتے ہیں راوی کو اس میں شک ہوا ہے کہ کونسا لفظ تھا، یہ حدیث آج کل مروج تسبیح کے جواز کے لئے دلیل ہے۔ اگرچہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں اس طرح دھاگوں میں تسبیح کے دانے نہیں پروئے گئے لیکن صرف دانوں کو استعمال میں لایا گیا ہے اور مطلوبہ تعداد حاصل کرنے کے لئے ایک ذریعہ اختیار کیا گیا ہے جو گٹھلیوں یا کنکریوں کی صورت میں تھا حضور اکرم ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس سے آسان طریقہ کی نشاندہی فرمائی ہے لہٰذا آج کل اگر زمانہ کی جدت کی وجہ سے زمین پر پھیلی ہوئی گٹھلیوں کے بجائے ایک دھاگہ میں پرو دیا گیا اور مطلوبہ تعداد کے حصول کے لئے اس کو استعمال کیا گیا تو اس میں بدعت ہونے یا ناجائز ہونے کی کونسی بات ہے بلکہ یہ حدیث تسبیح کے ثبوت کے لئے بطور اصل موجود ہے تسبیحات ذکر اللہ کے لئے مذکرات ہیں اور یہ شیطان کے لئے کوڑا ہے۔ احادیث میں بعض وظائف کے لئے خاص عدد مذکور ہے مثلاً سو بار استغفار ہے ۳۳ بار الحمد للہ اور سبحان اللہ ہے ۳۴ بار اللہ اکبر کا حکم ہے اس عدد کو آخر کسی چیز کے ساتھ گن کر پورا کرنا ہی تو ہوگا وہ چیز اگر تسبیح کے دانے ہو تو درحقیقت یہ خود مامور بہ کے حکم میں داخل ہیں انگلیوں پر گنتی بھی جائز ہے مگر اس کا حساب کرنا مشکل ہے۔[2]

"واللہ اکبر مثل ذلک" یا تو یہ کلام خود حضور اکرم ﷺ کا ہے اور ظاہر یہی ہے اس میں آنحضرت نے سابقہ جملوں کی

[1] اخرجہ الترمذی: ۵/۵۶۲ و ابوداؤد: ۲/۸۱ [2] المرقات: ۵/۱۳۸، ۱۳۹

تفصیل کی طرف اختصار کر کے اشارہ فرمادیا پوری عبارت اس طرح ہے یعنی "واللہ اکبر عدد ما خلق الخ" یا یہ کلام راوی کا ہے جنہوں نے حدیث میں اختصار کیا اور فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے سابقہ جملوں میں جس طرح فرمایا تھا اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ "واللہ اکبر عدد ما خلق الخ"۔[1]

تسبیح وتہلیل اور تحمید وتکبیر کا عظیم ثواب

﴿۱۹﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَمِائَةً بِالْعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ حَجَّ مِائَةَ حَجَّةٍ وَمَنْ حَمِدَ اللهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَمِائَةً بِالْعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ حَمَلَ عَلَى مِائَةِ فَرَسٍ فِي سَبِيْلِ اللهِ وَمَنْ هَلَّلَ اللهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَمِائَةً بِالْعَشِيِّ كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ مِائَةَ رَقَبَةٍ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيْلَ وَمَنْ كَبَّرَ اللهَ مِائَةً بِالْغَدَاةِ وَمِائَةً بِالْعَشِيِّ لَمْ يَأْتِ فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ أَحَدٌ بِأَكْثَرَ مِمَّا أَتَى بِهِ إِلَّا مَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ أَوْ زَادَ عَلَى مَا قَالَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)۔[2]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد مکرم سے اور وہ اپنے جد محترم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص سو مرتبہ دن کے ابتدائی حصہ میں اور سو مرتبہ دن کے آخری حصہ میں سبحان اللہ کہے تو وہ (از روئے ثواب) اس شخص کی مانند ہے جس نے سو نفل حج کئے ہوں اور جو شخص سو مرتبہ دن کے ابتدائی حصہ میں اور سو مرتبہ دن کے آخری حصہ میں الحمد للہ کہے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے سو آدمیوں کو خدا کی راہ میں سو گھوڑوں پر سوار کرایا ہو اور جو شخص سو مرتبہ دن کے ابتدائی حصہ میں اور سو مرتبہ دن کے آخری حصہ میں **لا الہ الا اللہ** کہے وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سو غلام آزاد کئے ہوں، اور جو شخص سو مرتبہ دن کے ابتدائی حصہ میں اور سو مرتبہ دن کے آخری حصہ میں (اللہ اکبر) کہے تو اس دن یعنی قیامت کے دن کوئی شخص اس ثواب سے زائد ثواب لے کر نہیں آئے گا جو وہ لائے گا۔ علاوہ اس شخص کے جس نے اس کی مانند (یعنی اللہ اکبر مذکورہ تعداد میں کہا ہوگا تو یہ شخص درجہ ثواب کے اعتبار سے اس کے برابر ہوگا) یا وہ شخص جس نے اس سے زائد کہا ہوگا (تو یہ اس سے بھی افضل ہوگا) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: "مائۃ حجۃ" مطلب یہ ہے کہ حج کا ایک اصلی ثواب ہے وہ تو اسی شخص کو ملے گا جس نے پیسہ خرچ کیا، وقت دیا اور محنت اٹھا کر خود گیا، ایک حج کا اضافی ثواب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ان اذکار سے عطا فرماتا ہے فلا اشکال۔[3]

"**ولد اسمٰعیل**" اس تصریح کی ضرورت اس لئے پڑی کہ انسانوں میں عرب کے لوگ عجم کے مقابلہ میں افضل ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ ایسے غلاموں کا ثواب ملے گا جو اولاد اسماعیل میں سے اعلیٰ اور عمدہ غلام ہوں "**او زاد**" او بمعنی واو ہے۔

[1] المرقات: ۵/۱۴۰ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۵۱۳ [3] المرقات: ۵/۱۴۰

فصل اول کی حدیث نمبر ۴ کے تحت تفصیل گذر چکی ہے ضرور دیکھو۔[1]

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّسْبِيْحُ نِصْفُ الْمِيْزَانِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ يَمْلَؤُهٗ وَلَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَيْسَ لَهَا حِجَابٌ دُوْنَ اللّٰهِ حَتّٰى تَخْلُصَ اِلَيْهِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''سبحان اللہ کہنا آدھی میزان اعمال کو بھر دیتا ہے الحمدللہ کہنا پوری میزان عمل کو بھر دیتا ہے اور لاالہ الااللہ کے لئے خدا تک (پہنچنے میں) کوئی پردہ حائل نہیں، یہ (سیدھا) خدا تک پہنچا تا ہے'' امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد قوی نہیں ہے۔

توضیح: یعنی سبحان اللہ سے آدھی میزان بھر جاتی ہے اور باقی نصف الحمدللہ سے بھر جاتی ہے تو دونوں کو ملا کر ایک ترازو مکمل ہوجاتی ہے رہ گیا لاالہ الااللہ تو اس کا تو کوئی حساب ہی نہیں، معلوم ہوا لاالہ الااللہ افضل ہے۔[3]

﴿۲۱﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاقَالَ عَبْدٌ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا قَطُّ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتّٰى يُفْضِيَ اِلَى الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب کوئی بندہ خلوص قلب کے ساتھ (یعنی بغیر ریا کے) لاالہ الااللہ کہتا ہے تو اس کلمہ کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ عرش تک پہنچتا ہے یعنی جلدی قبول ہوتا ہے بشرطیکہ وہ کلمہ کہنے والا کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو''۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: ''ما اجتنب الکبائر'' یہ جملہ اصل ثواب کے صحیح ہونے نہ ہونے کے لئے شرط نہیں بلکہ جلد قبول ہونے کے لئے شرط ہے اگر گناہ نہیں ہیں تو یہ کلمہ بہت جلدی عرش تک جا پہنچتا ہے اور اگر گناہ موجود ہیں تو جلدی نہیں جاتا۔[5]

جنت کی خالی زمین میں تسبیحات پودے ہیں

﴿۲۲﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيْتُ اِبْرَاهِيْمَ لَيْلَةَ اُسْرِيَ

[1] المرقات: ۵/۱۴۱ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۵۳۶ [3] المرقات: ۵/۱۴۱

[4] اخرجه الترمذی: ۵/۵۷۵ [5] المرقات: ۵/۱۴۲ والکاشف: ۵/۹۱

بِيْ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَقْرِئْ أُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ وَإِنَّهَا قِيْعَانٌ وَإِنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ إِسْنَادًا)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس رات مجھے معراج کی سعادت نصیب ہوئی ہے اس رات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "محمد ﷺ: اپنی امت کو میرا سلام کہئے گا اور انہیں بتا دیجئے گا کہ جنت کی مٹی پاکیزہ ہے اس کا پانی شیریں ہے، اس کا میدان چٹ پڑ (یعنی ہموار اور درختوں سے خالی ہے) اور اس کے درخت ہیں سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر امام ترمذی علیہ الرحمہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت باعتبار اسناد کے غریب ہے۔

توضیح: "وانها قیعان" یہ قاع کی جمع ہے صحراء کے خالی میدان کو کہتے ہیں سوال یہ ہے کہ جنت میں باغات تو ہیں لیکن اس کی ساری زمین نہ تو خالی ہے اور نہ سب میں باغات ہیں بلکہ عمارتیں وغیرہ چیزیں بھی ہیں حالانکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب چٹیل میدان ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو زمین باغات کے لئے مختص ہے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ خالی ہے اس میں پودے لگاؤ ساری جنت کے بارے میں نہیں فرمایا۔[2]

انگلیوں پر تسبیحات پڑھنا افضل ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ يُسَيْرَةَ وَكَانَتْ مِنَ الْمُهَاجِرَاتِ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُنَّ بِالتَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالتَّقْدِيْسِ وَاعْقِدْنَ بِالْأَنَامِلِ فَإِنَّهُنَّ مَسْئُوْلَاتٌ مُسْتَنْطَقَاتٌ وَلَا تَغْفُلْنَ فَتُنْسَيْنَ الرَّحْمَةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت یسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو مہاجرات میں سے ہیں وہ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہم عورتوں سے فرمایا کہ "سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ، سبحان الملک القدوس) یا سبوح القدوس رب الملائکۃ کو پڑھنا اپنے لئے ضروری قرار دو، اور ان (مذکورہ تسبیحات کو، اپنی انگلیوں پر شمار کرو کیونکہ ان انگلیوں سے پوچھا جائے گا اور ان کو گویائی دی جائے گی اور یاد رکھو، ذکر سے غافل مت ہونا یعنی ذکر ترک نہ کرنا، ورنہ رحمت سے تمہیں بھلا یا جائے گا یعنی اگر ذکر کو چھوڑ کر بیٹھ جاؤ گی تو اس کے بے شمار ثواب سے محروم ہو جاؤ گی۔ (ترمذی، ابوداود)

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۵۱ [2] المرقات: ۵/۱۳۳۰ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۵۲۱ وابوداؤد: ۲/۸۲

الفصل الثالث

بہترین وظیفہ

﴿۲۴﴾ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِّمْنِي كَلَامًا أَقُوْلُهُ قَالَ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ اَللهُ أَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ فَقَالَ فَهٰؤُلَاءِ لِرَبِّي فَمَا لِي فَقَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي وَعَافِنِي شَكَّ الرَّاوِيُّ فِي عَافِنِي۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (ایک دن) ایک دیہاتی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم: مجھے کوئی ایسا ذکر بتا دیجئے جسے میں کہتا رہوں (یعنی اس کو اپنا ورد بنالوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پڑھ لیا کرو ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اللہ بہت بڑا ہے بڑائی کے ساتھ، اور اللہ ہی کے لئے بہت تعریف ہے اور پاکی ہے اللہ کے لئے جو پالنہار ہے تمام عالم کا، گناہ سے بچنے کی طاقت اور عبادت کرنے کی قوت اللہ ہی کی مدد سے ہے جو غالب حکمت والا ہے۔ اس دیہاتی نے عرض کیا یہ کلمات تو میرے پروردگار کے ذکر کے لئے ہیں میرے لئے وہ کون سے کلمات ہیں جن کے ذریعہ میں اپنے لئے دعا مانگوں آپ نے فرمایا اس طرح مانگو ''اے میرے پروردگار: مجھے بخش دے (تمام حرکات وسکنات میں طاعت ہی کی توفیق کے ذریعہ) مجھ پر رحم فرما (بہتر اعمال واحوال کی طرف) میری ہدایت کر مال حلال سے مجھے روزی دے اور مجھے عافیت بخش۔ راوی کو لفظ عافنی کے بارے میں شک ہے (کہ آیا روایت میں یہ لفظ بھی ہے یا نہیں)۔ (مسلم)

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى شَجَرَةٍ يَابِسَةِ الْوَرَقِ فَضَرَبَهَا بِعَصَاهُ فَتَنَاثَرَ الْوَرَقُ فَقَالَ إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ تُسَاقِطُ ذُنُوْبَ الْعَبْدِ كَمَا يَتَسَاقَطُ وَرَقُ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خشک پتوں والے ایک درخت کے پاس سے گزرے تو آپ نے اپنا عصاء مبارک اس کی ٹہنیوں پر مارا جس کی وجہ سے پتے جھڑنے لگے پھر آپ نے فرمایا کہ **الحمدللہ، سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر** پڑھنا بندوں کے گناہوں کو اسی طرح جھاڑتا ہے۔ جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۴۷۲ [2] اخرجہ الترمذی: ۵/۵۴۴

آفات سے بچنے کے لئے وظیفہ

﴿۲۶﴾ وَعَنْ مَكْحُولٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثِرْ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ فَإِنَّهَا مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ قَالَ مَكْحُولٌ فَمَنْ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ وَلَا مَنْجَا مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَيْهِ كَشَفَ اللهُ عَنْهُ سَبْعِينَ بَابًا مِنَ الضُّرِّ أَدْنَاهَا الْفَقْرُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ وَمَكْحُولٌ لَمْ يَسْمَعْ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ) [1]

ترجمہ: اور حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا لاحول ولاقوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھا کرو کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "جو شخص یہ کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ ولا منجا من اللہ الا الیہ قوت اور نفع حاصل کرنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی قدرت کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات اسی (کی رضا و رحمت کی توجہ) پر منحصر ہے" تو اللہ تعالیٰ اس شخص سے ضرر و نقصان کی ستر قسمیں دور کر دیتا ہے جس میں ادنیٰ قسم فقر محتاجگی ہے"۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت مکحول کی سماعت ثابت نہیں ہے۔

لاحول ولاقوۃ ۹۹ بیماریوں کی شفاء

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ دَوَاءٌ مِنْ تِسْعَةٍ وَتِسْعِينَ دَاءً أَيْسَرُهَا الْهَمُّ. [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" ننانوے (دنیاوی اور اخروی) بیماریوں کی دوا ہے جس میں سے ادنیٰ بیماری (دنیاوی و اخروی) غم ہے۔

﴿۲۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ يَقُولُ اللهُ تَعَالَى أَسْلَمَ عَبْدِي وَاسْتَسْلَمَ.

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں ایک ایسا کلمہ نہ بتادوں جو عرش کے نیچے سے بہشت کے خزانے سے اترا ہے اور وہ یہ ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ جب کوئی بندہ یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میرا بندہ تابعدار اور بہت فرمانبردار ہوا" یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کی ہیں۔

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۵۸ [2] اخرجه البیهقی: [3] اخرجه البیهقی:

سبحان اللہ کی عجیب فضیلت

﴿۲۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ هِيَ صَلَاةُ الْخَلَائِقِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ كَلِمَةُ الشُّكْرِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةُ الْاِخْلَاصِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ تَمْلَأُ مَابَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَسْلَمَ وَاسْتَسْلَمَ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "سبحان الله مخلوقات کی عبادت ہے الحمدلله شکر کا کلمہ ہے۔ لا اله الا الله اخلاص کا کلمہ ہے (یعنی کلمہ توحید ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والے کے لئے آگ سے نجات کا سبب ہے) اور الله اکبر کا ثواب زمین وآسمان کے درمیان کو بھر دیتا ہے۔ اور جب کوئی بندہ حضور قلب کے ساتھ **لاحول ولاقوۃ الا بالله** کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے" یہ بندہ فرمانبردار ہوا۔ (رزین)

توضیح: "صلوۃ الخلائق" یعنی سبحان اللہ کا جو کلمہ ہے یہ تمام مخلوقات کی عبادت ہے الخلائق خلیقۃ کی جمع ہے مخلوقات کے معنی میں ہے اور مخلوقات میں ساری کائنات داخل ہے خواہ انسان ہو یا حیوان ہو یا جنات وفرشتے ہوں یا جمادات ونباتات ہوں مطلب یہ ہوا کہ یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول ہیں تو تسبیح مخلوقات کی عبادت ہے قرآن میں ہے [1] ﴿وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم﴾ [2].

اللهم لك الحمد كماينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطانك

الله أكبر كبير أو الحمدلله كثير أوسبحان الله بكرة وأصيلا

[1] المرقات: ۵/۱۵۰ [2] سورۃ البنی اسرائیل الایہ: ۴۴

باب الاستغفار والتوبة

استغفار اور توبہ کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿واستغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم﴾[1]

وقال اللہ: ﴿وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون﴾[2]

استغفار باب استفعال کا مصدر ہے اس کا معنی **طلب المغفرة** ہے مغفرت مصدر میمی ہے اس کا لغوی معنی ڈھانپنا اور چھپانا ہے لیکن مغفرت کی اصطلاحی تعریف "**محو الذنب وازالة اثرہ**" یعنی گناہ معاف اور محو کرنا اور اس کے اثر کو زائل کرنا ہے۔[3]

"**التوبة**" توبہ تاب یتوب کا مصدر ہے اس کا لغوی معنی رجوع کرنا اور لوٹنا ہے توبہ کی اصطلاحی تعریف علامہ میر سید شریف الجرجانی نے التعریفات میں اس طرح کی ہے "**التوبة فی الشرع الرجوع عن الافعال المذمومة الی الممدوحة**" توبہ کے مقبول ہونے کے لئے تین شرائط ہیں۔

1. پہلی شرط یہ کہ زبان سے توبہ کرے اور گناہ سے پیچھے ہٹ جائے۔
2. دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے کئے پر دل میں شرمندگی اور خوب ندامت ہو۔
3. تیسری شرط یہ کہ آیندہ کے لئے اس معصیت کے قریب نہ جانے کا پکا عزم ہو۔ یہ تو حقوق اللہ سے توبہ کی بات تھی اگر حقوق العباد میں کوتاہی سے توبہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ جس کا حق دبایا ہے اس کو ادا کرے تب توبہ قبول ہوگی اگر غصب کردہ مال واپس نہیں کرتا ہے تو اس صورت میں توبہ مقبول نہیں ہے۔[4]

یہاں ترجمۃ الباب اور عنوان میں استغفار کے بعد توبہ کا لفظ بڑھا دیا گیا ہے اس کے متعلق اتنا عرض ہے کہ توبہ اور استغفار فقیر اور مسکین کی طرح ہے اگر الگ الگ مذکور ہوں تو اس میں ترادف اور اجتماع ہے دونوں کا معنی ایک ہے اور اگر ساتھ ساتھ ذکر ہو جائے تو اس میں افتراق ہے جیسا کہا گیا ہے "**الفقیر والمسکین اذا اجتمعا افترقا واذا افترقا اجتمعا**" اب یہاں یہ دونوں لفظ ساتھ ساتھ مذکور ہیں تو اصولی طور پر ان میں فرق وتفریق ضروری ہے ایک فرق تو یہ ہے کہ استغفار کا تعلق اس گناہ سے ہے جو زمانہ ماضی میں ہو چکا ہو یعنی استغفار زمانہ ماضی کے ساتھ خاص ہے یعنی **وقایة**

---

[1] سورت مزمل ۲۰ [2] سورت النور الایہ ۳۱ [3] الکاشف: ۵/۹۷ [4] المرقات: ۵/۱۵۱ والکاشف ۵/۹۷

شر ماضی اور توبہ مستقبل کے معاصی سے باز رہنے کا نام ہے گویا استغفار تو معصیت چھوڑنا ہوا اور توبہ اطاعت اختیار کرنا ہوا یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں استغفار کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور پھر توبہ مذکور ہے جیسے "**استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ**"

کفر وشرک کے ارتکاب کے بعد توبہ واستغفار دخول جنت کے لئے شرط ہے اور جب کسی انسان سے معصیت اور گناہ سرزد ہوجائے تو ان پر استغفار وتوبہ واجب ہوجاتا ہے۔ ورنہ دخول فی النار کا خطرہ ہے اس کے علاوہ ایک استغفار ایسا بھی ہے جو کسی نیک کام کے بعد آدمی کرتا ہے تاکہ اگر کوئی قصور رہ گیا ہو وہ دور ہوجائے ایسے موقع پر استغفار کرنا مستحب ہے۔

انبیاء کرام کا استغفار ایسے ہی مواقع میں ہوتا ہے ضروری نہیں کہ استغفار کسی معصیت پر متفرع ہو ممکن ہے کہ گناہ بالکل نہ ہو اور استغفار کا حکم دیا گیا ہو استغفار کو گناہ پر متفرع ماننا اور پھر اس کے لئے گناہ تلاش کرنا بے عقلی بھی ہے اور بدفہمی بھی ہے مودودی صاحب کو یہی غلطی لگی ہے اس لئے وہ ہر استغفار سے پہلے نبی اور غیر نبی سب کے لئے کوتاہی تلاش کرتا رہتا ہے۔

استغفار کبھی توبہ کو متضمن ہوتا ہے تو استغفار کا ذکر توبہ کے لئے کافی ہوجاتا ہے لیکن کبھی استغفار کے ضمن میں توبہ نہیں آتی ہے یہاں ایسا ہی ہوا ہے اس لئے استغفار کے بعد توبہ کا ذکر مستقل طور پر کردیا گیا۔

الفصل الاول

آنحضرت ﷺ کی توبہ واستغفار

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اللہ کی میں دن میں ستر بار سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں"۔ (بخاری)

توضیح: حضور اکرم ﷺ کی توبہ واستغفار کسی معصیت کی وجہ سے نہیں تھا انبیاء کرام تو کبائر سے قبل النبوۃ اور بعد النبوۃ معصوم ہوتے ہیں یہاں **استغفار من الطاعۃ** کے قبیل سے ہے کہ عبادت میں شاید اعلیٰ کے بجائے غیر اعلیٰ صورت پیدا ہوگئی ہو اس لئے **حسنات الابرار سیئات المقربین** کے قاعدہ کے تحت استغفار کیا کرتے تھے یا تعلیم امت کے لئے تھا کہ جو ہستی معصوم ومغفور ہے وہ اتنی محنت کرتی ہے تو جو گناہوں میں آلودہ لوگ ہیں ان کو اس سے زیادہ محنت کی ضرورت ہے ستر بار کا ذکر شاید کثرت سے کنایہ ہو صرف ستر کی تحدید مقصود نہ ہو۔[2]

[1] اخرجہ البخاری: ۸/۸۳ [2] المرقات: ۵/۲۵۲

دل کے میل دور کرنے کے لئے استغفار چاہیے

﴿۲﴾ وَعَنِ الْأَغَرِّ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''یہ بات ہے کہ میرے دل پر پردہ ڈالا جاتا ہے اور میں دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں''۔ (مسلم)

توضیح: "**انه لیغان علی قلبی**" غان یغین سے یغان مجہول کا صیغہ ہے غین اور غیم باریک بادل کو بھی کہتے ہیں اور معمولی تاریکی کو بھی کہتے ہیں پردہ کو بھی کہتے ہیں۔[2]

اس کی شرح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں "**ای یطبق ویُغَشّٰی اویستر ویُغَطّٰی**" اردو میں اگر اس کا ترجمہ دھند سے کیا جائے تو بہت مناسب رہیگا۔[3]

اس جملہ میں آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر کی بات آئی ہے اس لئے ادب کے حوالہ سے یہ حدیث سمجھنے کے اعتبار سے بہت مشکل بن گئی ہے اور اس جملہ میں شارحین کے بہت اقوال بن گئے ہیں۔

❶ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ حدیث متشابہات کی قسم میں سے ہے لہٰذا مایلیق بشان الرسول کہہ کر خاموش رہنا زیادہ بہتر ہے۔

❷ امام الصوفیاء امام ابوالحسن شاذی رحمۃ اللہ علیہ اسی متشابہ کے متعلق فرماتے ہیں **ھو غین الانوار لا غین الاغیار**۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں **ھو غین الانوار لا غین الاغیر**۔ یہ صوفیاء کے ایسے اطلاقات ہیں جس کے سمجھنے کے لئے بڑے صوفی کی ضرورت ہے دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنوں کا پرتو اور سایہ ہے غیر کا نہیں ہے۔

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ جب امام لغت شیخ اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس غین کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کس کے دل کی بات پوچھ رہے ہو؟ سائل نے کہا قلب نبی سے متعلق پوچھتے ہیں آپ نے جواب دیا "**لو کان عن قلب غیرہ لافسرہ**" یہ بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں "**لا یقاس الملوک بالحدادین**" قاضی عیاض اور ابن ملک نے بھی توجیہات کی ہیں جو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے لیکن عوام وخواص کے سمجھنے کے اعتبار سے جو بات لکھی گئی ہے وہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے فرماتے ہیں کہ آنحضرت کا قلبی تعلق ہمہ وقت اپنے رب کے ساتھ رہتا تھا لیکن کبھی کبھی مباح چیزوں مثلاً کھانے پینے اور نفس کی چاہت نکاح، ماکولات ومشروبات ومنکوحات ومرغوبات کی طرف توجہ ارادیً یا غیر ارادی طور پر ہوجاتی تھی یہی چیزیں آپ کے قلب منور کے لئے حجاب بن

[1] اخرجه مسلم: ۲/۳۴۷ [2] المرقات: ۵/۱۵۲ [3] المرقات: ۵/۱۵۲

جاتی تھیں اور یہی چیزیں آپ کے اور رب تعالیٰ کے درمیان ایک طرح حائل بن جاتی تھیں جس پر آنحضرت استغفار فرماتے تھے تا کہ دل سے یہ دھند چھٹ جائے اور دل صاف ہو جائے یہ چیز اگرچہ گناہ نہیں ہے لیکن آنحضرت کی شان عالی کی نسبت سے یہ تنزل کا درجہ تھا جس کو گناہ کا مشابہ سمجھ لیا گیا اور اس کے لئے استغفار کیا گیا۔[1]

علامہ طیبی کی اس تحقیق سے حدیث اپنے ظاہری مفہوم پر باقی رہ گئی اور سمجھ میں بھی آ گئی یہ وہی قسم ہے جس کے بارے میں صوفیاء قبض اور بسط کی کیفیت کے نام سے یاد کرتے ہیں تو اس قبض کو بسط میں بدلنے کے لئے استغفار ہوتا تھا۔

ملا علی قاری کا جملہ مجھے بہت پسند آتا ہے فرمایا "لا یقاس الملوك بالحدادین" یعنی چہ نسبت خاک را با عالم پاک بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ غین خلاف اولیٰ امور کے ارتکاب سے ہوتا تھا اعلیٰ وادنیٰ کا فرق تھا افضل غیر افضل کی بات تھی جو **حسنات الابرار سیئات المقربین** کے اصول کے تحت بڑا سمجھا گیا اور استغفار کا اہتمام کیا گیا، طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ بھی یہی ہے۔[2]

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاأَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ فَاِنِّيْ أَتُوْبُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگو: اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو میں دن میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتا ہوں (لہٰذا تمہیں تو بطریق اولیٰ چاہئے کہ ہر ساعت میں ہزار بار توبہ کرو)۔ (مسلم)

ایک جامع حدیث

﴿٤﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرْوِيْ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَنَّهُ قَالَ يَاعِبَادِيْ اِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا يَاعِبَادِيْ كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ فَاسْتَهْدُوْنِيْ أَهْدِكُمْ يَاعِبَادِيْ كُلُّكُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ فَاسْتَطْعِمُوْنِيْ أُطْعِمْكُمْ يَاعِبَادِيْ كُلُّكُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ فَاسْتَكْسُوْنِيْ أَكْسُكُمْ يَاعِبَادِيْ اِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِيْ أَغْفِرْ لَكُمْ يَاعِبَادِيْ اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضُرِّيْ فَتَضُرُّوْنِيْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ يَاعِبَادِيْ لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَازَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا يَاعِبَادِيْ لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ

[1] المرقات: ۵/۱۵۲ تا ۱۵۴ والکاشف: ۹۸، ۵/۹۹ [2] المرقات: ۵/۱۵۳ [3] اخرجه مسلم: ۲/۳۴۳

وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ شَيْئًا يَا عِبَادِيْ لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُوْنِيْ فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْأَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِيْ إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ يَا عِبَادِيْ إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيْهَا عَلَيْكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيْكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدیثوں کے سلسلہ میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے تھے فرمایا کہ (ایک حدیث قدسی میں ہے کہ) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو: میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے (یعنی میں ظلم سے پاک ہوں) اور چونکہ ظلم میرے حق میں بھی ایسا ہے جیسے کہ تمہارے حق میں اس لئے میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے پس تم آپس میں (ایک دوسرے پر) ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو: تم سب گمراہ ہو علاوہ اس شخص کے جس کو میں ہدایت بخشوں پس تم سب مجھ سے ہدایت چاہو، میں تمہیں ہدایت دوں گا، اے میرے بندو: تم سب بھوکے ہو (یعنی کھانے کے محتاج) ہو علاوہ اس شخص کے جس کو میں کھلاؤں پس تم سب مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھلاؤں گا اے میرے بندو: تم سب ننگے (یعنی ستر پوشی کے لئے کپڑے کے محتاج) ہو علاوہ اس شخص کے جس کو میں نے پہننے کے لئے دیا پس تم سب مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔ اے میرے بندو: تم اکثر دن رات خطائیں کرتے ہو اور میں تمہاری خطائیں بخشتا ہوں پس تم سب مجھ سے بخشش مانگو میں تمہیں بخشوں گا۔ اے میرے بندو: تم ہرگز میرے ضرر کو نہیں پہنچ سکو گے تا کہ مجھے نقصان پہنچا سکو اور ہرگز میرے نفع کو نہیں پہنچ سکو گے تا کہ مجھے فائدہ پہنچا سکو (یعنی گناہ کرنے سے بارگاہ صمدیت میں کوئی نقصان نہیں اور طاعت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ اے میرے بندو: اگر تمہارے اگلے اور تمہارے پچھلے انسان اور جنات تم میں سے کسی ایک نہایت پرہیزگار و نیک آدمی کے دل پر ہو جاؤ (مثلاً تم سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح پرہیزگار بن جاؤ کہ روئے زمین پر کوئی بھی ایسا شخص باقی نہ رہے جس کی زندگی پر فسق وفجور اور گناہ ومعصیت کا ہلکا سا اثر بھی ہو) تو اس سے میری سلطنت و میری مملکت میں ادنیٰ سی بھی زیادتی نہیں ہوگی اے میرے بندو: اگر تمہارے اگلے، تمہارے پچھلے انسان اور جنات (غرض کہ سب کے سب) مل کر تم میں سے کسی ایک نہایت بدکار دل کی مانند ہو جائیں (یعنی تم سب مل کر شیطان کی مانند ہو جاؤ) تو اس سے میری مملکت کی کسی ادنیٰ سی چیز کو بھی نقصان نہیں پہنچے گا، اے میرے بندو: اگر تمہارے اگلے تمہارے پچھلے انسان اور جنات سب کے سب مل کر کسی جگہ کھڑے ہوں اور مجھ سے پھر مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کے مانگنے کے مطابق (ایک ہی وقت میں اور ایک ہی جگہ) دوں تو میرا یہ دینا اس چیز سے جو میرے پاس ہے اتنا ہی کم کرتا ہے جتنا کہ ایک سوئی سمندر میں ڈبو کر (اس کے پانی کو کم کرتی ہے) اے میرے بندو: جان لو میں تمہارے اعمال یاد رکھتا ہوں اور انہیں تمہارے لئے لکھتا ہوں، میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۴۲۹

دوں گا، پس جو شخص بھلائی پائے (یعنی اسے اللہ تعالیٰ کی نیک توفیق حاصل ہو اور عمل خیر کرے) تو اسے چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور جو شخص بھلائی کے علاوہ پائے (یعنی اس سے کوئی گناہ سرزد ہو) تو وہ اپنے نفس کو ملامت کرے (کیونکہ اس سے گناہ کا سرزد ہونا نفس ہی کے تقاضہ سے ہوا)۔ (مسلم)

اخلاص کی توبہ رحمت کو کھینچ کر لاتی ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ إِنْسَانًا ثُمَّ خَرَجَ يَسْأَلُ فَأَتٰى رَاهِبًا فَسَأَلَهٗ فَقَالَ أَلَهٗ تَوْبَةٌ قَالَ لَا فَقَتَلَهٗ وَجَعَلَ يَسْأَلُ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِئْتِ قَرْيَةَ كَذَا وَكَذَا فَأَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَاءَ بِصَدْرِهٖ نَحْوَهَا فَاخْتَصَمَتْ فِيْهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَأَوْحَى اللهُ إِلٰى هٰذِهٖ أَنْ تَقَرَّبِيْ وَإِلٰى هٰذِهٖ أَنْ تَبَاعَدِيْ فَقَالَ قِيْسُوْا مَا بَيْنَهُمَا فَوُجِدَ إِلٰى هٰذِهٖ أَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَهٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بنی اسرائیل (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں) ایک شخص تھا جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا اور پھر (لوگوں سے یہ) پوچھنے نکلا (کہ اگر میں توبہ کرلوں تو وہ قبول ہوگی یا نہیں؟) چنانچہ اسی سلسلہ میں وہ ایک عابد وزاہد کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ کیا اسکے لئے توبہ ہے؟ (یعنی کیا اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟) اس عابد وزاہد نے کہا کہ "نہیں: اس شخص نے (یہ سنتے ہی) اس عابد وزاہد کو بھی قتل کر دیا اور پھر (دوسرے لوگوں سے) پوچھتا پھرنے لگا، ایک شخص نے اس سے کہا کہ تم فلاں بستی میں جاؤ۔ وہ ایسی اور ایسی ہے (یعنی اس نے بستی کا نام لیا اور اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ وہ بہت اچھی بستی ہے وہاں ایک عالم رہتا ہے جو تمہیں تمہاری توبہ کے قبول ہونے کا فتویٰ دے گا چنانچہ وہ شخص اس بستی کی طرف چل کھڑا ہوا ابھی آدھے راستے میں پہنچ پایا تھا کہ اچانک اسے موت نے آدبوچا) چنانچہ اسے موت کی علامت محسوس ہوئی تو اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف جھکا دیا اور پھر اس کی روح قبض کرنے کے وقت رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے (ملک الموت سے جھگڑنے لگے) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو (جس کی طرف وہ توبہ کرنے جارہا تھا) حکم دیا کہ وہ میت کے قریب آجائے اور اس بستی کو جہاں سے وہ قتل کر کے آرہا تھا حکم دیا کہ وہ میت سے دور ہوجائے پھر اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں سے فرمایا تم دونوں بستیوں کے درمیان پیمائش کرو (اگر میت اس بستی کے قریب ہوگی جہاں وہ توبہ کے لئے جارہا تھا تو اسے رحمت کے فرشتوں کے حوالہ کیا جائے گا اور اگر اس بستی کے قریب ہو جہاں سے وہ قتل کر کے آرہا تھا تو عذاب کے فرشتوں کے حوالہ کیا جائے گا) چنانچہ جب فرشتوں نے پیمائش کی تو وہ توبہ کے لئے جس بستی کی طرف جارہا تھا اس سے ایک بالشت قریب پایا گیا پس حق تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔ (بخاری ومسلم)

---

[1] اخرجه البخاری: ۴/۲۱۱ ومسلم: ۲/۴۹۹

توضیح: "الہ توبہ" یہ لمبی حدیث توبہ کی ترغیب دے رہی ہے ناحق قتل کی تعلیم نہیں دے رہی ہے راہب کو اس شخص نے قتل کردیا کیونکہ راہب نے ان کو بالکل مایوس کردیا تھا۔ راہب پر چونکہ خوف غالب رہا اور دہشت میں پڑ گیا کہ ۹۹ آدمیوں کا قاتل کیسے معاف ہوسکتا ہے حالانکہ اگر ان مقتولین کے ورثاء اس کو معاف کردیتے تو وہ شخص معاف ہوجاتا۔ بہرحال سو کا عدد پورا ہوگیا اور یہ شخص پھر بھی سرگرداں و پریشان توبہ کی غرض سے دوڑ رہا تھا کہ اچانک موت آگئی اور یہ مرگئے رحمت وعذاب کے فرشتوں میں تنازع اٹھ کھڑا ہوا کہ کون اس کی روح کو قبضہ میں لے گا "**ناء بصدرہ**" یعنی یہ شخص جب مرنے کے لئے زمین پر گرا تو سینہ کے بل پر کچھ آگے کی طرف گھسٹنے لگا یہ اس شخص کے اخلاص کی دلیل ہے فرشتوں کے تنازع کو اللہ تعالیٰ نے ختم کردیا اور اس شخص کو بخش دیا۔[1]

سوال یہاں ایک مشہور سوال ہے وہ یہ کہ اس شخص کے ذمہ جو گناہ تھے اس کا تعلق حقوق اللہ سے نہیں تھا بلکہ حقوق العباد سے اس کا تعلق تھا تو یہ شخص کیسے معاف ہوگیا ورثاء نے تو معاف نہیں کیا تھا؟

جواب علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سوال اٹھایا ہے اور اسی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اس بندے سے راضی ہوا اور اس کی توبہ کو قبول فرمایا تو اب اس مقتول اور اس کے ورثہ کو بھی اللہ تعالیٰ ہی راضی کرادیگا۔ بہرحال یہ حدیث توبہ کی ترغیب دے رہی ہے قتل کی نہیں سابقہ امتوں میں سے کسی کا جزئی واقعہ ہے ہمارے لئے ضابطہ نہیں۔[2]

گناہ گاروں کا وجود ضروری ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَوْلَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ اللهُ بِكُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُونَ فَيَسْتَغْفِرُونَ اللهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اٹھالے اور (تمہاری جگہ) ایسے لوگ پیدا کردے جو گناہ کریں اور خدا سے بخشش ومغفرت چاہیں اور پھر اللہ تعالیٰ انہیں بخشے"۔ (مسلم)

توضیح: اللہ تعالیٰ چونکہ حقیقی بادشاہ ہے اور بادشاہ میں کمال کی تمام صفات موجود ہونا ضروری ہے اب صفتِ غفران وغفّاریت کے لئے ضروری ہے کہ گناہ گار موجود ہوں جو بے ساختہ ہاتھ اٹھا کر سچے دل سے مغفرت کی دعا مانگے۔

عارفین کہتے ہیں ؎

درکار خانۂ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد

یہ حدیث بھی توبہ کی ترغیب کے لئے ہے گناہ کی تشویق کے لئے نہیں ہے۔

[1] المرقات: ۵/۱۵۹، ۱۶۰ [2] الکاشف: ۵/۱۰۴ [3] اخرجہ مسلم: ۲/۳۹۱

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيءُ النَّهَارِ وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ رات میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے۔ تاکہ دن میں گناہ کرنے والا توبہ کرے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا توبہ کرے یہاں تک کہ سورج مغرب کی سمت سے نکلے"۔ (مسلم)

﴿۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ ثُمَّ تَابَ تَابَ اللهُ عَلَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ (اپنے گناہ کا ندامت وشرمندگی کے ساتھ) اعتراف کرتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توبہ کی حد

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللهُ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص مغرب کی سمت سے آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پہلے توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا"۔ (مسلم)

توضیح: آدمی جب تک عالم آخرت کا مشاہدہ نہیں کرلیتا اس سے قبل ہر وقت توبہ کرنے کی گنجائش ہے ہاں اگر حالت نزع میں آخرت کی کچھ جھلکی دیکھ لی یا فرشتہ دیکھ لیا تو اب ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوگی اسی حالت کو آئندہ حدیث میں "مالم یغرغر" کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے یعنی جس وقت پردۂ غیب اٹھ جاتا ہے اور سب کچھ کھل جاتا ہے پھر توبہ مقبول نہیں مغرب سے طلوع آفتاب ہونے پر بھی قبولیت توبہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۳۹۶ [2] اخرجہ البخاری: ۲/۱۲۳ ومسلم: ۲/۵۰۵ [3] اخرجہ مسلم: ۲/۳۵۷

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے سے بہت خوش ہوتا ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَتْ رَاحِلَتُهٗ بِأَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَأَيِسَ مِنْهَا فَأَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةٌ عِنْدَهٗ فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِيْ وَأَنَا رَبُّكَ أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس شخص سے جو اس کے سامنے توبہ کرتا ہے اتنا زیادہ خوش ہوتا ہے کہ جتنا تم میں سے وہ شخص بھی خوش نہیں ہوتا جس کی سواری بیچ جنگل بیابان میں ہو اور پھر وہ جاتی رہی ہو (یعنی گم ہوگئی ہو) اور اس سواری پر اس کا کھانا بھی ہو اور پانی بھی ہو اور وہ (اس کو تلاش کرنے کے بعد) ناامید ہو جائے اور ایک درخت کے پاس آ کر اپنی سواری سے ناامیدی کی حالت میں (انتہائی مغموم و پریشان) لیٹ جائے اور پھر اسی حالت میں اچانک وہ اپنی سواری کو اپنے پاس کھڑے ہوئے دیکھ لے۔ چنانچہ وہ اس سواری کی مہار پکڑ کر انتہائی خوشی میں (جذبات سے مغلوب ہو کر) یہ کہہ بیٹھے "اے اللہ: تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں" مارے خوشی کے زیادتی کے اس کی زبان سے یہ غلط الفاظ نکل جائیں"۔ (مسلم)

اللہ تعالیٰ بار بار توبہ قبول کرتا ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عَبْدًا أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهٗ أَعَلِمَ عَبْدِيْ أَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ أَعَلِمَ عَبْدِيْ أَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا آخَرَ فَاغْفِرْهُ لِيْ فَقَالَ أَعَلِمَ عَبْدِيْ أَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(اس امت میں سے یا گزشتہ امتوں میں سے) ایک بندے نے گناہ کیا اور پھر کہنے لگا "اے میرے پروردگار: میں نے گناہ کیا ہے تو میرے اس گناہ کو بخش دے" اللہ تعالیٰ

[1] اخرجه مسلم: ۲/۹۵۱ [2] اخرجه البخاري: ۲/۴۵۷

نے (فرشتوں سے) فرمایا" کیا میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو (جس کو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے) اس کے گناہ بخشتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے) اس کے گناہ پر مواخذہ کرتا ہے (تو جان لو) میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا"۔ وہ بندہ اس مدت تک کہ اللہ نے چاہا (گناہ کرنے سے) باز رہا، اس کے بعد اس نے پھر گناہ کیا اور عرض کیا کہ "اے میرے پروردگار: میں نے گناہ کیا ہے تو میرے اس گناہ کو بخش دے" اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا" کیا یہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ کو بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے؟ میں نے اس بندہ کو بخش دیا"۔ وہ بندہ اس مدت تک کہ اللہ نے چاہا گناہ سے باز رہا۔ اور اس کے بعد پھر اس نے گناہ کیا اور عرض کیا کہ "اے میرے پروردگار: میں نے گناہ کیا ہے تو میرے اس گناہ کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے؟ میں نے اس بندہ کو بخش دیا۔ پس جب (تک وہ استغفار کرتا رہے) جو چاہے کرے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اعلم عبدی" یعنی کیا میرے بندے نے یہ جان لیا کہ اس کا ایک رب ہے جو قادر مطلق ہے گناہوں کی وجہ سے انسان کو پکڑتا بھی ہے اور معاف بھی کرتا ہے۔ جب ان کا اس طرح عالیشان عقیدہ ہے تو میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا اب جو چاہے کرے اس قسم کی احادیث سے مسلمانوں کو توبہ کی ترغیب وتشویق دلانا ہے گناہ کی ترغیب نہیں ہے۔[1]

کسی مسلمان پر دوزخ کا حکم نہ لگاؤ

﴿۱۲﴾ وَعَنْ جُنْدُبٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَ أَنَّ رَجُلاً قَالَ وَاللهِ لَايَغْفِرُ اللهُ لِفُلَانٍ وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَتَأَلَّى عَلَيَّ أَنِّيْ لَاأَغْفِرُ لِفُلَانٍ فَإِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلَانٍ وَأَحْبَطْتُ عَمَلَكَ أَوْ كَمَا قَالَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جندب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا" کہ (اس امت میں سے یا گزشتہ امتوں میں سے) ایک شخص نے کہا کہ خدا کی قسم: اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا": پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کون شخص ہے جو میری قسم کھا کر یہ کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کو نہیں بخشوں گا پس میں نے اس شخص کو بخش دیا اور تیرے عمل کو ضائع کیا (یعنی تیری قسم کو جھوٹا کیا)۔ (مسلم)

توضیح: کسی کے بارے میں قطعی طور پر جنتی یا دوزخی کا حکم نہیں لگانا چاہئے کیونکہ یہ غیب کا معاملہ ہے مذکورہ حدیث میں قسم کھانے والے نے اتنی جرأت کی کہ قسم کھا کر کہا کہ واللہ فلاں آدمی کی کبھی بھی اللہ تعالیٰ بخشش نہیں کریگا اس طرح یقین سے قسم کھا کر کہنا درحقیقت اللہ تعالیٰ پر ایک فیصلہ مسلط کرنا ہوا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ[3] "من یتألی" کون ہے جو اس طرح قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ فلاں شخص کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا۔[4]

[1] المرقات: ۵/۱۶۴ [2] اخرجه مسلم: ۲/۳۴۴ [3] المرقات: ۵/۱۶۶ [4] المرقات: ۵/۱۶۶

سید الاستغفار

﴿۱۳﴾ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ أَنْ تَقُوْلَ أَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَإِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ قَالَ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوْقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهٖ قَبْلَ أَنْ يُمْسِيَ فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوْقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت شداد ابن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”افضل استغفار یہ ہے کہ تم یوں دعاء مانگو: اے اللہ: تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں، میں تیرے عہد پر ہوں (یعنی عہد میثاق پر قائم ہوں) اور تیرے وعدے پر ہوں (یعنی تو نے حشر وغیرہ کے بارے میں جو وعدہ کیا ہے اس پر یقین کامل رکھتا ہوں) میں اپنی طاقت کے بقدر اس برائی (یعنی گناہ سے) تیری پناہ چاہتا ہوں جس میں مبتلا ہوں۔ میں تیری نعمتوں کا جو تو نے مجھے عنایت فرمائیں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں پس تو مجھے بخش دے۔ کیونکہ گناہوں کو تیرے علاوہ کوئی نہیں بخشتا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص ان کلمات کو دن میں ان کے معنی پر یقین رکھ کر پڑھے اور پھر اسی دن شام سے پہلے مرجائے تو وہ جنتیوں میں سے ہے اور جو شخص ان کلمات کو رات میں ان کے معنی پر یقین رکھ کر پڑھے اور پھر اسی رات صبح ہونے سے پہلے مرجائے تو وہ جنتیوں میں سے ہے“۔ (بخاری)

الفصل الثانی

﴿۱۴﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِيْ وَرَجَوْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ عَلٰى مَا كَانَ فِيْكَ وَلَا أُبَالِيْ يَا ابْنَ آدَمَ لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَا أُبَالِيْ يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَوْ لَقِيْتَنِيْ بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيْتَنِيْ لَا تُشْرِكُ بِيْ شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[۲]

---

[۱] اخرجه البخاري: ۸/۸۳، ۸۸ [۲] اخرجه الترمذي: ۵/۵۴۸ و احمد: ۵/۱۶۷

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم: جب تک تو مجھ سے گناہوں کی معافی مانگتا رہے گا اور مجھ سے امید رکھے گا میں تجھے بخشوں گا تو نے جو بھی برا کام کیا ہو گا مجھ کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی (یعنی تو چاہے کتنا ہی بڑا گنہگار ہو تجھے بخشنا میرے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ہے) اے ابن آدم: اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں اور تو مجھ سے بخشش چاہے تو میں تجھ کو بخش دوں گا۔ اور مجھ کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی، اے ابن آدم: اگر تو مجھ سے اس حال میں ملے کہ تیرے ساتھ گناہوں سے بھری ہوئی زمین ہو تو میں تیرے پاس بخشش و مغفرت سے بھری ہوئی زمین لے کر آؤں گا۔ بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔ (یعنی شرک میں مبتلا نہ ہوا ہو) ترمذی اور احمد و دارمی نے اس روایت کو ابوذر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے نیز امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے"۔

"عنان السماء" بادل پر اس کا اطلاق ہوتا ہے مراد آسمان کی بلندی ہے [1]

﴿۱۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ عَلِمَ أَنِّيْ ذُوْ قُدْرَةٍ عَلٰى مَغْفِرَةِ الذُّنُوْبِ غَفَرْتُ لَهٗ وَلَا أُبَالِيْ مَا لَمْ يُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص نے یہ جانا کہ میں گناہوں کو بخشنے پر قادر ہوں تو میں اسے بخش دوں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو"۔ (شرح السنۃ)

توضیح: یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک شخص صرف اتنا جانتا ہے اور اس کا پکا عقیدہ رکھتا ہے کہ میں قدرت کا مالک ہوں اور بخشنے کا اختیار و قدرت میرے پاس ہے اور میں شرک کے علاوہ ہر گناہ معاف کرتا ہوں، میرے متعلق اس طرح عقیدہ رکھنے والے کے سارے گناہ میں معاف کر دیتا ہوں گویا اس شخص نے میرے صفات جلالیہ اور جمالیہ کو تسلیم کیا اور مجھ پر اچھا گمان کیا تو "انا عند ظن عبدی بی" کے اصول کے مطابق میں نے اس کو معاف کیا یہ حدیث قدسی ہے۔[3]

اللہ تعالیٰ استغفار کی وجہ سے بہت کچھ دیتا ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو استغفار کو اپنے اوپر لازم قرار دے لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کی راہ نکال دیتا ہے۔ اور اسے ہر رنج و غم سے نجات دیتا ہے نیز اس کو ایسی جگہ سے

[1] المرقات: ۵/۱۶۹ [2] اخرجه شرح السنة: ۱۴/۳۸۸ [3] المرقات: ۵/۱۷۰ والکاشف: ۵/۱۱۲ [4] اخرجه احمد: ۱/۲۴۸ وابوداؤد: ۸۶/۲

(پاک وحلال) روزی بہم پہنچاتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا"۔ (احمد، ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: اس حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ ﴿فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السمآء علیکم مدرارا﴾ [1] الخ اور یہ حدیث اس آیت سے ماخوذ اور اس کا اقتباس ہے ﴿ومن یتق اللہ یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب﴾ [2]

گناہ پر اصرار نہیں کرنا چاہئے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاأَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے (اپنے گناہ) پر استغفار کیا اس نے اپنے گناہ پر اصرار نہیں کیا اگرچہ وہ دن میں ستر بار گناہ کرے۔ (ترمذی وابوداود)

توضیح: جو شخص کسی گناہ پر دوام اختیار کرتا ہے یہی گناہ پر اصرار ہے گناہ پر اصرار ایک قبیح امر ہے کیونکہ اس سے صغیرہ گناہ کبیرہ بن جاتا ہے اور کبیرہ گناہ پر اصرار سے حد کفر تک پہنچنے کا خطرہ ہے۔

اس حدیث میں توبہ واستغفار کی ترغیب ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی گناہ پر شرمندہ ہوتا ہے اور اس سے استغفار کرتا ہے تو وہ شخص گناہ پر اصرار کرنے کی حد سے نکل جاتا ہے خواہ وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو اور خواہ دن میں اس نے ستر بار اس گناہ کا ارتکاب کیا یا اس سے بھی زیادہ بار ارتکاب کیا۔ [4]

بہرحال توبہ واستغفار اور اصرار دونوں اکھٹے نہیں ہو سکتے ہیں اس حدیث میں توبہ کی بڑی ترغیب ہے اخلاص شرط ہے ورنہ ؎

سبحہ بر کف توبہ برلب دل پُراز ذوقِ گناہ معصیت راخندہ می آید بر استغفارِ ما

توبہ کرنے والوں کی فضیلت

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ) [5]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہر انسان خطا کار ہے (یعنی ہر انسان گناہ کرتا ہے

[1] نوح الایہ ۱۰،۱۱ [2] طلاق: ۲ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۵۵۸ وابوداؤد: ۲/۸۵
[4] المرقات: ۵/۱۷۱، ۱۷۲ [5] اخرجه الترمذی: ۴/۶۵۹ وابن ماجه: ۲/۱۴۲۰

علاوہ انبیاء کرام کے کیونکہ وہ معصوم عن الخطا ہیں) اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

گناہ کرنے سے دل پر سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے

﴿۱۹﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةً سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ فَإِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ فَذٰلِكُمُ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَ اللهُ تَعَالَى كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی مؤمن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے پھر اگر وہ اس گناہ سے توبہ کر لیتا ہے اور استغفار کرتا ہے تو اس کا دل (اس نقطۂ سیاہ سے) صاف کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر زیادہ گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ پس یہی ران یعنی زنگ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ (**کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون**) یوں ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر یہ اس چیز (یعنی گناہ) کا زنگ ہے جو وہ کرتے تھے (یہاں تک کہ ان کے دلوں پر خیر و بھلائی بالکل باقی نہیں رہی) اس روایت کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے نقل کیا ہے نیز امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح: انسانی دل خیر اور شر دونوں کے لئے مرکز ہے فرشتے اس میں نیک الہامات سے نیکی کاشت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور شیطان اس میں برے وسوسوں سے برائی کاشت کرنے کی کوشش کرتا ہے اب شیطان نے جب انسان کو برائی پر برانگیختہ کیا اور گناہ کا سیاہ دھبہ دل پر پڑ گیا تو نیکی سے اور توبہ و استغفار سے یہ دھبہ دھل جاتا ہے اور دل پھر صاف ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی انسان گناہ کے بعد استغفار نہیں کرتا ہے نہ توبہ کرتا ہے اور نہ نیک عمل کرتا ہے تو یہ دھبہ بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے پورے دل کو گھیرے میں لے لیتا ہے اسی کا نام "ران" ہے اور یہی مہر جباریت ہے[2] ﴿**کلا بل ران علی قلوبهم**﴾[3] میں اسی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں توبہ و استغفار کی ترغیب دی گئی ہے۔

قبولیت توبہ کا آخری وقت غرغرہ سے پہلے ہے

﴿۲۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[4]

[1] اخرجه احمد: ۲/۲۹۷ ابن ماجه: ۲/۱۴۱۸ [2] المرقات: ۲/۱۷۲، ۱۷۳

[3] سورة مطففین: ۱۴ [4] اخرجه الترمذی: ۵/۵۴۷ وابن ماجه: ۲/۱۴۲۰

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ غرغرہ کی کیفیت شروع نہ ہو جائے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: حالت نزع میں جب پورے جسم سے روح نکل کر حلق میں آ کر رک جاتی ہے اور ابھی کچھ لمحہ بعد نکلا چاہتی ہے اسی حالت کو غرغرہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ جب انسان پر عالم غیب کا پردہ کھل جاتا ہے اور وہ عالم آخرت کی کسی بھی چیز کا مشاہدہ کر لیتا ہے اس وقت توبہ کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اسی طرح مغرب سے طلوع آفتاب کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔[۱]

مغفرت خداوندی کی وسعت

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَالَ وَعِزَّتِكَ يَارَبِّ لَاأَبْرَحُ أُغْوِيْ عِبَادَكَ مَادَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِيْ أَجْسَادِهِمْ فَقَالَ الرَّبُّ عَزَّوَجَلَّ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَاأَزَالُ أَغْفِرُلَهُمْ مَااسْتَغْفَرُوْنِيْ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ قسم ہے تیری عزت کی اے میرے پروردگار: میں تیرے بندوں کو ہمیشہ گمراہ کرتا رہوں گا جب تک کہ ان کی روحیں ان کے جسم میں ہیں۔ پروردگار عزوجل نے فرمایا "قسم ہے اپنی عزت کی اور بزرگی کی اور اپنے مرتبے کی بلندی کی میرے بندے جب تک مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں بھی ہمیشہ ان کو بخشتا رہوں گا"۔ (احمد)

﴿۲۲﴾ وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى جَعَلَ بِالْمَغْرِبِ بَابًا عَرْضُهُ مَسِيْرَةُ سَبْعِيْنَ عَامًا لِلتَّوْبَةِ لَايُغْلَقُ مَالَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ مِنْ قِبَلِهِ وَذٰلِكَ قَوْلُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَايَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[۳]

ترجمہ: اور حضرت صفوان ابن عسال رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مغرب کی جانب ایک دروازہ بنایا ہے جو توبہ کے لئے ہے اور جس کا عرض ستر سال کی مسافت (کے بقدر) ہے اور یہ دروازہ اس وقت تک بند نہیں کیا جائیگا۔ جب تک آفتاب مغرب کی سمت سے نہ نکلے (یعنی مغرب کی سمت سے آفتاب کا نکلنا قبولیت توبہ کا مانع ہے) اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "کہ اس دن آویں گی بعض نشانیاں تیرے پروردگار کی نہیں نفع دے گا کسی ایسی جان کو ایمان لانا جو پہلے سے ایمان نہیں لائی تھی" کا یہی مطلب ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

[۱] المرقات: ۵/۱۶۴ والکاشف: ۵/۱۱۶ [۲] اخرجه احمد: ۳/۲۹، ۷۶ [۳] اخرجه الترمذی: ۵/۵۴۵ وابن ماجه: ۱/۸۲

قبولیت توبہ کا انقطاع

﴿۲۳﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ حَتّٰى تَنْقَطِعَ التَّوْبَةُ وَلَا تَنْقَطِعُ التَّوْبَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہجرت (یعنی گناہوں سے توبہ کی طرف رجوع) موقوف نہیں ہوگی تاوقتیکہ توبہ موقوف نہ ہو اور توبہ اس وقت تک موقوف نہیں ہوگی جب تک کہ آفتاب مغرب کی طرف سے نہ نکلے۔ (ابوداود، احمد، دارمی)

توضیح: "لا تنقطع الهجرة" اس جملہ کے سمجھنے کے دو طریقے ہیں پہلا طریق یہ ہے کہ **الهجرة** کو گناہوں سے پیچھے ہٹنے اور ترک ذنوب کے معنی میں لیا جائے عام شارحین اور ملا علی قاری نے اسی کو ترجیح دی ہے اس کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ گناہوں سے الگ ہونے اور اسے ترک کرنے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی گنجائش اس وقت تک ہے جب تک توبہ کی قبولیت کا زمانہ موجود ہو جب توبہ کا سلسلہ بند ہو گیا تو گناہوں سے ھجران اور اس کا ترک کرنا بھی بے فائدہ ہو جائے گا اور اس کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور توبہ کا دروازہ اس وقت تک بند نہیں ہوگا جب تک مغرب سے آفتاب کا طلوع نہ ہوا ہو جب آفتاب مغرب سے طلوع ہو جائے گا تو توبہ کا سلسلہ بھی منقطع ہو جائے گا اس جملہ کا دوسرا مطلب علامہ طیبی نے اس طرح بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس جگہ **الهجرة** سے مراد گناہوں سے اجتناب نہیں ہے ورنہ اس کے بعد خود توبہ کا ذکر ہے یہ تکرار ہو جائے گا یعنی توبہ منقطع نہیں جب تک توبہ منقطع نہیں وہ فرماتے ہیں کہ **الهجرة** سے مراد وہی متعارف عام ہجرت ہے۔ یعنی ہجرت بھی اسی وقت تک جاری رہیگی جب تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ اور توبہ کا دروازہ اس وقت تک کھلا رہیگا جب تک مغرب سے طلوع آفتاب نہ ہو۔[2]

اب یہ بحث ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے جو لوگ نابالغ ہوں اور بعد میں توبہ کرنا چاہیں یا طلوع آفتاب کے بعد بچے پیدا ہو گئے تو اس کی توبہ کا کیا بنے گا؟

علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ بس جو حکم حدیث کا ہے ایسا ہی ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے حکم میں وہی لوگ آئیں گے جو اس وقت مکلف ہوں اور جو لوگ اس وقت مکلف نہ ہوں ان کی توبہ بعد میں قبول ہوگی یہ بھی ممکن ہے کہ بچوں کی پیدائش کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔

کسی پر دوزخی ہونے کا حکم نہ کرو

﴿۲۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَجُلَيْنِ كَانَا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ

[1] اخرجه احمد: ۹۹/۴ والدارمی: ۲۵۱۶ وابوداؤد: ۳/۳ [2] المرقات: ۵/۱۷۷

مُتَحَابَّیْنِ أَحَدُهُمَا مُجْتَهِدٌ فِی الْعِبَادَةِ وَالْآخَرُ یَقُوْلُ مُذْنِبٌ فَجَعَلَ یَقُوْلُ أَقْصِرْ عَمَّا أَنْتَ فِیْهِ فَیَقُوْلُ خَلِّنِیْ وَرَبِّیْ حَتّٰی وَجَدَهُ یَوْمًا عَلٰی ذَنْبٍ اِسْتَعْظَمَهُ فَقَالَ أَقْصِرْ فَقَالَ خَلِّنِیْ وَرَبِّیْ أَبُعِثْتَ عَلَیَّ رَقِیْبًا فَقَالَ وَاللّٰهِ لَایَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ أَبَدًا وَلَایُدْخِلُكَ الْجَنَّةَ فَبَعَثَ اللّٰهُ اِلَیْهِمَا مَلَكًا فَقَبَضَ أَرْوَاحَهُمَا فَاجْتَمَعَا عِنْدَهُ فَقَالَ لِلْمُذْنِبِ ادْخُلِ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِیْ وَقَالَ لِلْآخَرِ أَتَسْتَطِیْعُ أَنْ تَحْظُرَ عَلٰی عَبْدِیْ رَحْمَتِیْ فَقَالَ لَا یَارَبِّ قَالَ اذْهَبُوْا بِهٖ إِلَی النَّارِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''بنی اسرائیل میں دو شخص تھے جو آپس میں دوست تھے ان میں سے ایک تو عبادت میں بہت ریاضت کرتا تھا اور دوسرا گناہ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میں گناہ گار ہوں (یعنی وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتا تھا) چنانچہ عبادت کرنے والے نے اس سے کہنا شروع کیا جس چیز میں تم مبتلا ہو (یعنی گناہ میں) اس سے باز آجاؤ گناہ گار اس کے جواب میں کہتا کہ ''تم مجھے میرے پروردگار پر چھوڑ دو (کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے وہ مجھے معاف کرے گا) یہاں تک کہ ایک دن اس عابد نے اس شخص کو ایک ایسے گناہ میں مبتلا دیکھا جسے وہ بہت بڑا گناہ سمجھتا تھا اس نے اس سے کہا کہ تم اس گناہ سے باز آجاؤ گناہ گار نے جواب دیا کہ تم مجھے میرے پروردگار پر چھوڑ دو، اور کیا تم میرے داروغہ بنا کر بھیجے گئے ہو؟ (عابد نے یہ سن کر) کہا کہ ''خدا کی قسم: اللہ تعالیٰ تمہیں کبھی نہیں بخشے گا اور نہ تمہیں جنت میں داخل کرے گا اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان دونوں کے پاس فرشتہ بھیج کر ان کی روحیں قبض کرائیں اور پھر جب وہ دونوں (یعنی ان کی روحیں) حق تعالیٰ کے حضور (برزخ میں یا عرش کے نیچے) حاضر ہوئیں تو حق تعالیٰ نے گناہ گار سے تو فرمایا کہ تو میری رحمت کے سبب جنت میں داخل ہو جا اور دوسرے سے فرمایا کہ ''کیا تو اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ میرے بندے کو میری رحمت سے محروم کر دے؟ اس نے کہا کہ نہیں اے پروردگار۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو (جو دوزخ پر مامور ہیں) فرمایا کہ اس کو دوزخ کی طرف لے جاؤ''۔ (احمد)

توضیح: شاید اس عبادت کیش صوفی نے اپنی عبادت پر غرور و تکبر کیا اور دھوکہ کھایا اور ایک مسکین گناہ گار کو حقیر سمجھ کر اس پر قطعی طور سے دوزخی ہونے کا حکم لگایا۔ گویا وہ جنت و دوزخ کا فیصلہ خود کرنے لگا جس سے رب تعالیٰ ناراض ہوئے اور اس کو دوزخ میں ڈال دیا یہ صورت الگ ہے اور کسی گناہ کی بنیاد پر کسی کو دوزخی بتانے کی صورت الگ ہے وہ جائز ہے کیونکہ وہ ایک ضابطہ ہے جو پہلے سے طے ہے کہ جو ایسا کریگا ویسا بھریگا۔[2]

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ یَاعِبَادِیَ الَّذِیْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰی أَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا وَلَایُبَالِیْ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ یَقُوْلُ بَدَلَ یَقْرَأُ)[3]

[1] اخرجه احمد: ۲/۳۲۳، ۳۶۳ [2] المرقات: ۵/۱۸۰ [3] اخرجه احمد: ۶/۴۵۴ والترمذی: ۵/۳۴۰

ترجمہ: اور حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ یہ آیت پڑھا کرتے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے (گناہ کرنے کے سبب) اپنے نفس پر زیادتی کی ہے، رحمت خداوندی سے مایوس مت ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب گناہ بخشتا ہے۔ (نیز آپ ﷺ فرماتے کہ) اللہ تعالیٰ کو اس کی پرواہ نہیں کہ بندے کتنے ہی گناہ کرتے ہیں وہ سب کو بخش دیتا ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور شرح السنۃ میں لفظ یقرأ کی بجائے لفظ یقول ہے۔

﴿۲۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰی اِلاَّ اللَّمَمَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَأَیُّ عَبْدٍ لَكَ لَا أَلَمَّا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول الا اللمم کی تفسیر کے ضمن میں روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے یہ شعر پڑھا: ان تغفر اللهم تغفر جما : وای عبدلك لا الما۔ اے الٰہی اگر بخشتا ہے تو سارے گناہ بخش دے۔ اور تیرا کون سا بندہ ہے جس نے چھوٹے بڑے گناہ نہ کئے ہوں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

توضیح: یہ ایک جامع شعر ہے اور شب بیداری کے وقت راز و نیاز کے لئے بہت مفید ہے اسی طرح یہ شعر بھی ہے ؎

الٰهی عبدك العاصی اتاك — مقرا بالذنوب وقدعاك

فان تغفرفانت لذاك اهل — وان تطردفمن یرحم سواك؟

اسی طرح یہ اشعار بھی ہیں ؎

یامن یری مدّ البعوض جناحهٗ — فی ظلمة اللیل البهیم الألیل

فاغفر لعبد تاب من فرطاته — قدكان منه فی الزمن الاول

اسی طرح فارسی کا شعر بھی ہے ؎

بادشاه جرمِ ما را در گذار — ما گناه گار یم و تُو آمرزگار

جرم بے انداز و بے حد کر ده یم — روئے سیاه پیشِ تُو آورده یم

اسی طرح کسی نے کہا ؎

زما رحمان غفور رحیم دے — زه له هغه ده مغفرت امید كومه

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۳۹۶

بندہ کے چون وچگون سے خدا کی خدائی میں فرق نہیں آتا

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُ فَاسْأَلُوْنِي الْهُدٰى أَهْدِكُمْ وَكُلُّكُمْ فُقَرَاءُ إِلَّا مَنْ أَغْنَيْتُ فَاسْأَلُوْنِيْ أَرْزُقْكُمْ وَكُلُّكُمْ مُذْنِبٌ إِلَّا مَنْ عَافَيْتُ فَمَنْ عَلِمَ مِنْكُمْ أَنِّيْ ذُوْقُدْرَةٍ عَلَى الْمَغْفِرَةِ فَاسْتَغْفَرَنِيْ غَفَرْتُ لَهٗ وَلَا أُبَالِيْ وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اِجْتَمَعُوْا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِيْ مَازَادَ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اِجْتَمَعُوْا عَلٰى أَشْقٰى قَلْبِ عَبْدٍ مِنْ عِبَادِيْ مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَلَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَحَيَّكُمْ وَمَيِّتَكُمْ وَرَطْبَكُمْ وَيَابِسَكُمْ اِجْتَمَعُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْكُمْ مَابَلَغَتْ أُمْنِيَّتُهٗ فَأَعْطَيْتُ كُلَّ سَائِلٍ مِنْكُمْ مَانَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ إِلَّا كَمَا لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ مَرَّ بِالْبَحْرِ فَغَمَسَ فِيْهِ إِبْرَةً ثُمَّ رَفَعَهَا ذٰلِكَ بِأَنِّيْ جَوَادٌ مَاجِدٌ أَفْعَلُ مَا أُرِيْدُ عَطَائِيْ كَلَامٌ وَعَذَابِيْ كَلَامٌ إِنَّمَا أَمْرِيْ لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْتُ أَنْ أَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو: تم سب گم کردہ راہ ہو علاوہ اس شخص کے جس کو میں نے ہدایت بخشی پس تم سب مجھ سے ہدایت چاہو میں تمہیں ہدایت بخشوں گا (تم سب ظاہر وباطن میں) محتاج ہو علاوہ اس شخص کے جس کو میں نے غنی بنادیا پس تم سب مجھ سے روزی مانگو میں تمہیں (پاک وحلال) روزی دوں گا تم سب گناہگار ہو (یعنی سب ہی سے گناہ متصور ہے) علاوہ اس شخص کے جس کو میں نے بچالیا ہو (یعنی انبیاء کرام) پس تم میں سے جس شخص نے جانا کہ میں بخشنے پر قادر ہوں اور پھر اس نے مجھ سے بخشش مانگی تو میں اس کو (یعنی اس کے سب گناہ) بخش دوں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی اور اگر تمہارے پچھلے اگلے، تمہارے زندے، تمہارے مردے تمہارے تر اور خشک (یعنی تمہارے جوان وبوڑھے یا تمہارے عالم وجاہل اور یا تمہارے فرمانبردار وگنہ گار غرضیکہ ساری مخلوقات) میرے بندوں میں سب سے زیادہ متقی دل بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح ہوجائیں تو اس سے (یعنی تمام مخلوقات کے عابد ومتقی ہوجانے سے) میری خدائی میں ایک مچھر کے پر برابر بھی زیادتی نہیں ہوگی اور اگر تمہارے اگلے، تمہارے پچھلے، تمہارے زندے، تمہارے مردے، تمہارے تر اور تمہارے خشک (غرضیکہ ساری مخلوقات) میرے بندوں میں سے سب سے زیادہ (بدبخت بندہ شیطان لعین) کی طرح ہوجائیں تو اس سے میری خدائی میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہ ہوگی اور اگر تمہارے اگلے،

[1] اخرجه احمد: ۵/۱۵۴ والترمذی: ۴/۶۵۶ وابن ماجه: ۲/۱۴۲۲

تمہارے پچھلے، تمہارے زندے، تمہارے مردے، تمہارے تر اور تمہارے خشک ایک جگہ جمع ہوں اور تم میں سے ہر شخص اپنی انتہائی آرزو و خواہش کے مطابق مانگے (یعنی اس کے دل میں جو بھی آرزو و خواہش ہو مجھ سے مانگے) اور پھر تم میں سے ہر شخص کو (اس کی خواہش کے مطابق دوں) تو اس سے میری خدائی میں کچھ بھی کمی نہیں ہوگی (ہاں اگر بفرض محال کمی ہو بھی تو) اسی قدر مثلاً تم میں سے کسی شخص کا دریا پر گزر ہو اور وہ اس میں سوئی ڈال کر پھر اسے نکالے (یعنی اگر بفرض محال کسی کمی کا تصور بھی کیا جائے تو وہ اسی قدر ہوگا جتنا کہ ایک سوئی پر پانی لگ جاتا ہے، ورنہ حقیقت میں خدا کی خدائی میں کمی کے کسی بھی درجہ کا کیا سوال۔ "وہ کتنا ہی دے اس کے ہاں ہرگز کمی نہیں ہوتی) اور اس کا سبب یہ ہے کہ میں بہت سخی ہوں۔ بہت دینے والا ہوں اور جو چاہتا ہوں کرتا ہوں (یعنی یہ تمام سخاوت اور کرم میرے ارادہ و اختیار کے ہی تحت ہے اس میں کسی بندے کے ارادے کو دخل نہیں ہے) میرا دینا صرف حکم کرنا ہے اور میرا عذاب صرف حکم دینا ہے (یعنی یہ سب چیزیں صرف ایک حکم سے ہو جاتی ہیں میں ذرائع اور اسباب کا محتاج نہیں ہوں) اور میں کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہوں تو اس کیلئے میرا صرف اتنا ہی حکم ہے کہ میں کہہ دیتا ہوں "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے"۔

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "**اتقی قلب عبد**" سے مراد حضور اکرم ﷺ کا قلب اطہر ہے۔[1]

"**اشقی قلب**" اس سے مراد ابلیس ہے۔[2]

"**عطائی کلام**" یعنی خداوندی خزانے کسی گودام میں نہیں کہ خرچ کرنے سے گودام خالی ہو جائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات خود خزانہ ہے اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے کلمۂ کن سے ہے اسی کلام سے عطاء ہے اور اسی کلام سے سزا ہے لہٰذا کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ان خزائن میں کمی آجائے گی۔[3]

﴿۲۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَرَأَ هُوَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ قَالَ قَالَ رَبُّكُمْ أَنَا أَهْلُ أَنْ أُتَّقٰى فَمَنِ اتَّقَانِيْ فَأَنَا أَهْلُ أَنْ أَغْفِرَ لَهُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی **هو اهل التقوى واهل المغفرة** (وہی صاحب تقویٰ ہے اور صاحب بخشش ہے) پھر آپ ﷺ نے اس کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا کہ تمہارا پروردگار فرماتا ہے کہ میری شان کا تقاضہ یہ ہے کہ لوگ میرے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے پرہیز کریں لہٰذا جو شخص شرک سے بچتا ہے تو پھر میرے لائق یہی ہوتا ہے کہ میں اسے بخش دوں"۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

﴿۲۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ يَقُوْلُ رَبِّ

[1] المرقات: ۵/۱۸۴ [2] المرقات: ۵/۱۸۴ [3] المرقات: ۵/۱۸۵ [4] اخرجه الترمذی: ۵/۴۳۰ وابن ماجه: ۲/۱۴۳۷

اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ مِائَةَ مَرَّةٍ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم یہ شمار کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں سو مرتبہ یہ کہا کرتے تھے۔ ترجمہ: میرے پروردگار: مجھے بخش دے اور میری توبہ قبول فرما بلاشبہ تو ہی بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

(احمد، ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

﴿۳۰﴾ وَعَنْ بِلَالِ بْنِ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ جَدِّيْ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَالَ أَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ اِلَيْهِ غُفِرَلَهُ وَاِنْ كَانَ قَدْ فَرَّ مِنَ الزَّحْفِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ لٰكِنَّهُ عِنْدَ أَبِيْ دَاوُدَ هِلَالُ بْنُ يَسَارٍ۔ (وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت بلال بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے والد (حضرت یسار رحمۃ اللہ علیہ) نے مجھ سے حدیث بیان کی جسے انہوں نے میرے دادا (حضرت زید رضی اللہ عنہ) سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے (یعنی حضرت زید رضی اللہ عنہ) نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''جو شخص یہ کہے میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں وہ اللہ کہ نہیں معبود علاوہ اس کے جو زندہ ہے اور خبر گیری کرنے والا ہے۔ تو اس کی بخشش کی جاتی ہے اگر چہ وہ جہاد سے بھاگا ہوا ہو (جو ایک بہت بڑا گناہ ہے) اس روایت کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے لیکن ابوداود رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک (بلال ابن یسار کی بجائے) ہلال بن یسار ہے نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: ''من الزحف'' یعنی اس دعا کی برکت سے اس شخص کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اگر چہ وہ گناہ بڑے سے بڑے کیوں نہ ہوں حتی کہ اگر میدان جہاد میں عین لڑائی کے دوران میدان چھوڑ کر بھاگا بھی ہو تو اس بڑے گناہ کو بھی اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔[3]

الفصل الثالث

اپنے مرحومین کے لئے استغفار کرنا چاہئے

﴿۳۱﴾ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ أَنّٰى لِيْ هٰذِهٖ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[4]

---

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۴۹۴ واحمد: ۲/۲۱ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۵۶۸ وابوداؤد: ۲/۸۶

[3] المرقات: ۵/۱۹۰ [4] اخرجه احمد: ۲/۵۰۹

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ عزوجل جنت میں اپنے بندہ نیک بخت وصالح کا درجہ بلند کرتا ہے تو وہ پوچھتا ہے "میرے پروردگار: مجھے یہ درجہ کیسے حاصل ہوا؟" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تیرے لئے تیرے بیٹے کے استغفار کی وجہ سے"۔ (احمد)

﴿۳۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ عَلٰى أَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ اِلَى الْأَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قبر میں مردہ کی حالت ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص ڈوب رہا ہو اور کسی کو پکار رہا ہو (کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر پانی سے باہر نکالے) چنانچہ وہ مردہ ہر وقت اس بات کا منتظر رہتا ہے کہ اس کے باپ کی طرف سے یا اس کی ماں کی طرف سے یا اس کے بھائی کی طرف سے یا اس کے دوست کی طرف سے اس کو دعا پہنچے پس جب اسے (کسی کی طرف سے دعا پہنچتی ہے تو یہ دعا کا پہنچنا اس کے لئے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے محبوب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ قبر والوں کو دنیا والوں کی طرف سے دعا کا ثواب پہاڑ کی مانند (یعنی بہت زیادہ ثواب بنا کر) پہنچاتا ہے اور زندوں کی طرف سے مردوں کے لئے بہترین ہدیہ استغفار ہے"۔ (بیہقی)

مبارک ہو وہ شخص جس کا استغفار زیادہ ہو

﴿۳۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ اسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ فِيْ عَمَلِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن بسر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خوش بختی ہے اس شخص کے لئے جس نے اپنے نامۂ اعمال میں بہت استغفار کی (یعنی مقبول استغفار پایا) ابن ماجہ اور نسائی نے اس روایت کو اپنی کتاب عمل یوم ولیلۃ میں نقل فرمایا ہے۔

﴿۳۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ الَّذِيْنَ اِذَا أَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا أَسَاؤُا اسْتَغْفَرُوْا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ "اے اللہ مجھے ان لوگوں

[1] اخرجه البيهقي: [2] اخرجه ابن ماجه: ۲/۱۲۵۴ والنسائي: ۴۵۵ [3] اخرجه ابن ماجه: ۲/۱۲۵۵

میں سے بنا جو نیکی کریں تو خوش ہوں اور برائی کریں تو استغفار کریں"۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

فاسق آدمی گناہ کو مکھی کے برابر بھی نہیں سمجھتا

﴿۳۵﴾ وَعَنِ الْحَارِثِ بْنِ سُوَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ حَدِيْثَيْنِ أَحَدُهُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ عَنْ نَفْسِهٖ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَأَنَّهٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ يَخَافُ أَنْ يَقَعَ عَلَيْهِ وَإِنَّ الْفَاجِرَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰى أَنْفِهٖ فَقَالَ بِهٖ هٰكَذَا أَيْ بِيَدِهٖ فَذَبَّهٗ عَنْهُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللهُ أَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِيْ أَرْضٍ دَوِيَّةٍ مُهْلِكَةٍ مَعَهٗ رَاحِلَتُهٗ عَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَوَضَعَ رَأْسَهٗ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهٗ فَطَلَبَهَا حَتّٰى إِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ أَوْ مَا شَاءَ اللهُ قَالَ أَرْجِعُ إِلٰى مَكَانِيَ الَّذِيْ كُنْتُ فِيْهِ فَأَنَامُ حَتّٰى أَمُوْتَ فَوَضَعَ رَأْسَهٗ عَلٰى سَاعِدِهٖ لِيَمُوْتَ فَاسْتَيْقَظَ فَإِذَا رَاحِلَتُهٗ عِنْدَهٗ عَلَيْهَا زَادُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاللهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هٰذَا بِرَاحِلَتِهٖ وَزَادِهٖ. رَوٰى مُسْلِمٌ الْمَرْفُوْعَ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَحَسْبُ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ الْمَوْقُوْفَ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَيْضًا۔ [1]

ترجمہ: اور حضرت حارث ابن سوید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھ سے دو حدیثیں بیان کیں ایک تو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی اور دوسری اپنی طرف سے بیان کی چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ "مؤمن اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا اور خوفزدہ ہو کہ پہاڑ اس کے اوپر نہ گر پڑے اور فاجر اپنے گناہوں کو اس طرح دیکھتا ہے جیسے اس مکھی کو دیکھتا ہے جو اس کی ناک پر اڑے اور وہ اس کی طرف اس طرح یعنی اپنے ہاتھ سے اشارہ کرے اور اسے اڑا دے (حاصل یہ کہ مؤمن گناہ سے بہت ڈرتا ہے اور اسے اس بات کا خوف رہتا ہے کہ کہیں میں اس گناہ کی پاداش میں پکڑا نہ جاؤں اس لئے اس کی نظر میں چھوٹے سے چھوٹے گناہ بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں لیکن فاجر اپنے گناہوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اس کی نظر میں بڑے سے بڑے گناہ کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہوتی) پھر حضرت عبداللہ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے (جو اپنے سفر کے دوران) کسی ایسے ہولناک میدان میں اترے جہاں سبزہ و درخت کا نام و نشان تک نہ ہو اور اس کے ساتھ جو سواری ہو اس پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو پھر (وہ استراحت کے لئے) وہیں زمین پر سر رکھ کر ایک نیند سو گیا ہو اور جب جاگنے کے بعد اسے معلوم ہو کہ سامان سے لدی ہوئی اس کی سواری گم ہو گئی ہے تو وہ اس کی تلاش میں مصروف ہو گیا ہو یہاں

[1] المرقات: ۵/۱۹۰

تک کہ گرمی کی تپش اور پیاس کی شدت اور گرمی اور پیاس کے علاوہ دوسری تکلیف اور پریشانی نے جو اللہ کو منظور تھیں اس پر غلبہ پالیا ہو تو اس نے یہ کہا ہو کہ میں اپنی جگہ لوٹ چلوں جہاں میں (سر رکھ کر سویا تھا) وہیں سو جاؤں تا کہ نیند کی حالت میں میرا خاتمہ ہو جائے چنانچہ وہ اپنے بازو پر سر رکھ کر موت کے انتظار میں سو رہا ہو کہ اس کی آنکھ کھل جائے اور اچانک وہ دیکھے کہ اس کی سواری اس کے سامنے موجود ہے جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان موجود تھا پس اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کی توبہ کی وجہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جو اپنی سواری اور اپنے کھانے پینے کا سامان پا کر خوش ہوتا ہے'' مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں روایتوں میں سے صرف اس روایت کو نقل کیا ہے جسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے (یعنی جس میں مؤمن بندہ کی توبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بہت خوش ہونے کا بیان ہے) اور اس روایت کو نقل نہیں کیا ہے جسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے بیان کیا ہے اور جس میں گناہ کے بارے میں مؤمن اور فاجر کے فرق کو بیان کیا گیا ہے) اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو بھی نقل کیا ہے جسے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے بیان کیا ہے۔

توضیح: "**تحت الجبل**" یعنی نیک آدمی معمولی گناہ کو بھی اتنا بھاری سمجھتا ہے گویا اس پر پہاڑ ٹوٹ کر گر رہا ہے لیکن فاسق وفاجر آدمی گناہ کو اتنا بے وزن سمجھتا ہے جیسا کہ کسی کی ناک پر کوئی مکھی بیٹھ گئی اور اس نے ہاتھ کے اشارہ سے اسے اڑا دیا اسی قسم کے لوگ گناہ پر مصر ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ کفر کی حدود کو چھونے لگ جاتے ہیں بہترین گناہ گار وہ ہے جس کو گناہ کا احساس ہو۔[1]

تائب گناہ گار محبوب بن جاتا ہے

﴿۳۶﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ.[2]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس بندہ مؤمن کو بہت دوست رکھتا ہے جو گناہ میں مبتلا ہوتا ہے اور بہت زیادہ توبہ کرتا ہے۔

توضیح: "**المفتن**" یعنی آزمائشوں اور فتنوں اور گناہوں میں آلودہ شخص جب خوب گڑگڑا کر توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو محبوب رکھتا ہے۔[3]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے **المفتن** کے تین درجات لکھے ہیں۔

پہلا درجہ یہ کہ گناہوں میں گھرا ہوا ہو دوسرا درجہ یہ کہ غفلتوں میں پڑا ہوا ہو تیسرا درجہ یہ کہ مشاہدہ کے مقابلہ میں حجابات میں پڑا ہوا ہو تو یا سیئات کا شکار ہے یا غفلات کا شکار ہے یا حجابات کا شکار ہے اس درجہ میں جب مؤمن ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو قصوروار ٹھہراتا ہے تو تکبر اور غرور سے محفوظ رہتا ہے اور ناز کے بجائے نیاز میں رہتا ہے۔[4]

---

[1] المرقات: ۵/۱۹۰ [2] اخرجه احمد: ۱/۸۰ [3] المرقات: ۵/۱۹۳ [4] المرقات: ۵/۱۹۳

"التواب" بہت توبہ کرنے والا کبھی یہ توبہ اور رجوع سیئات سے طاعات کی طرف ہوتا ہے کبھی یہ رجوع غفلات سے ذکریات کی طرف ہوتا ہے اور کبھی رجوع حجابات سے مشاہدات کی طرف ہوتا ہے تینوں صورتوں میں یہ شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے یہاں گناہوں کی تلقین نہیں بلکہ توبہ واستغفار کی ترغیب ہے جوانی میں توبہ کی بڑی شان ہے [1]

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبراں وقت پیری گرگ ظالم ہم شود پرہیزگار

توبہ کرنے سے ہر گناہ دھل جاتا ہے

﴿۳۷﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا أُحِبُّ أَنَّ لِيَ الدُّنْيَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ يَاعِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا الْاٰيَةَ فَقَالَ رَجُلٌ فَمَنْ أَشْرَكَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ أَلَا وَمَنْ أَشْرَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ [2]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے "میں اس آیت یعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم ولاتقنطوا۔ الاٰیة کے مقابلہ میں اپنے لئے تمام دنیا کا حصول بھی پسند نہیں کرتا" ایک شخص نے پوچھا کہ جس شخص نے شرک کیا (کیا وہ بھی اس آیت کی بشارت کا مستحق ہے؟) نبی کریم ﷺ نے (کچھ دیر) خاموشی اختیار فرمائی (تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آنے کے بعد یا پھر غور وفکر کر کے جواب دیں پھر وحی آنے کے بعد یا خود اپنے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے) آپ ﷺ نے فرمایا "جان لو: جس شخص نے شرک کیا (اور اپنی زندگی ہی میں اس سے توبہ کرلی اور پھر اس کی توبہ قبول بھی ہوئی تو وہ بھی اس آیت کی بشارت کا مستحق ہے) یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمائی"۔

توضیح: "الاومن اشرك" حرف تنبیہ کے ساتھ حضور اکرم ﷺ نے کچھ سکوت کے بعد جواب میں فرمایا کہ شرک جیسے بڑے گناہ سے اگر کوئی توبہ کرے تو شرک بھی معاف ہوجائے گا۔ گویا اس آیت نے کسی انسان کو ناامید نہیں چھوڑا یہی وجہ ہے کہ اس آیت کو ارجی الآیات فی القرآن کہا گیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا [3]۔

ایا صاحب الذنب لاتقنطن فان الاله رئوف رئوف

ولا ترحلن بلاعدة فان الطریق مخوف مخوف

نومید ہم مباش کہ رندان بادہ نوش ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اشکال کیا ہے کہ مشرک کی مغفرت کیسے ہوسکتی ہے جبکہ قرآن کی ایت ﴿ان الله لایغفر ان یشرك به الخ﴾ اعلان کرتی ہے کہ مشرک کی مغفرت نہیں ہے۔

[1] المرقات: ۵/۱۹۳ [2] اخرجه احمد: ۵/۲۷۵ [3] المرقات: ۵/۱۹۴

پھر آپ نے جواب دینے کی کوشش کی ہے ایک جواب یہ دیا ہے کہ مشرک بھی اگر توبہ کرے تو اس کو بھی رحمت خداوندی سے مایوس نہیں ہونا چاہئے پھر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو رد کر دیا کہ یہ تو ایک بدیہی سوال و جواب ہے اس کی ضرورت صحابہ کو پیش نہیں آسکتی تھی معاملہ کچھ اور ہے۔

پھر علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دینے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ مایوسی منع ہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو بھی رد کیا ہے اور پھر فرمایا کہ جواب میں یہ کہنا ممکن ہے کہ سائل کے سوال میں ''فمن اشرک؟'' سے مراد وہ لوگ ہوں جو اس وقت شرک پر موجود تھے ان کے بارے میں صحابی نے پوچھا کہ وہ بھی مایوس نہ ہوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ابہام سے کام لیا اور فرمایا کہ یاد رکھو جو لوگ اس وقت شرک پر موجود ہیں ان کا معاملہ اب تک مبہم ہے یا تو وہ لوگ توبہ کے ذریعہ سے معاف ہو جائیں گے اور اگر توبہ نہیں کیا تو عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے الغرض توبہ ان مشرکوں کے لئے بھی مفید ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ لوگ توبہ کریں گے یا نہیں لہذا ان کا معاملہ مبہم ہے۔[1]

﴿۳۸﴾ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَيَغْفِرُ لِعَبْدِهِ مَا لَمْ يَقَعِ الْحِجَابُ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا الْحِجَابُ قَالَ أَنْ تَمُوتَ النَّفْسُ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ رَوَى الْأَحَادِيثَ الثَّلَاثَةَ أَحْمَدُ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْأَخِيرَ فِي كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُورِ[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے (کے گناہوں میں سے جنہیں چاہتا ہے ان) کو بخشتا ہے جب تک بندے اور رحمت حق کے (درمیان پردہ حائل نہ ہو، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ: پردہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' یہ کہ آدمی شرک کرتا ہوا مر جائے مذکورہ بالا تینوں روایتیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہیں نیز یہ آخری روایت امام بیہقی نے ''کتاب البعث والنشور'' میں نقل کی ہے۔

﴿۳۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يَعْدِلُ بِهِ شَيْئًا فِي الدُّنْيَا ثُمَّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلَ جِبَالٍ ذُنُوبٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُورِ)

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص خدا سے اس حال میں ملاقات کرے (یعنی اس حال میں مرے) کہ وہ دنیا میں خدا کی مانند کسی کو نہ مانتا ہو (یعنی شرک میں مبتلا نہ ہو) تو اگر مرنے کے بعد اس کے اوپر پہاڑ کی مانند بھی گناہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ (اگر چاہے گا تو) اس (کے ان سب گناہوں کو بخش دے گا''۔ (بیہقی)

توضیح: ''لا یعدل'' عدل سے ہے جو برابری کے معنی میں ہے یہاں شرک مراد ہے جیسے قرآن میں ایت ہے

[1] المرقات: ۵/۱۹۴۔ ۱۹۵ الکاشف [2] اخرجه احمد: ۵/۱۷۴

﴿بل الذین کفروا بربھم یعدلون﴾ ای یشرکون" مشرک بھی اپنے معبود کو اللہ تعالیٰ کے برابر لا کھڑا کرتا ہے۔[1]

جس نے توبہ کی گویا اس نے گناہ نہیں کیا

﴿۴۰﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَ تَفَرَّدَ بِهِ النَّهْرَانِيُّ وَهُوَ مَجْهُوْلٌ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ رَوٰى عَنْهُ مَوْقُوْفًا قَالَ النَّدَمُ تَوْبَةٌ وَالتَّائِبُ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گناہوں سے (صحیح اور پختہ) توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو"۔ (بیہقی)

بیہقی نے کہا ہے کہ اس روایت کو صرف نہردانی نے نقل کیا ہے سو وہ مجہول ہیں، نیز بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنۃ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت موقوف نقل کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا (گناہوں پر شرمندگی اور) پشیمانی کا مطلب توبہ ہے اور توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو"۔

توضیح: یہ اس امت کی بڑی فضیلت ہے کہ زبان سے توبہ کرنے اور دل سے گناہ کا شوق نکالنے سے آدمی ایسا پاک ہوجاتا ہے گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں جبکہ یہود و نصاریٰ کی توبہ کے لئے بڑی سخت شرطیں ہوتی تھیں اس امت کی توبہ کے لئے صرف عزم مصمم اور اخلاص نیت کی ضرورت ہے اس کے بغیر توبہ اس طرح ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

سبحہ برکف توبہ برلب دل پُر از ذوق گناہ معصیب را خندہ می آید بر استغفار ما

[1] المرقات: ۵/۱۹۵ [2] اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۱۴۱۹

باب سعة رحمة الله

اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کا بیان

قال الله تعالیٰ: ﴿كتب ربكم على نفسه الرحمة﴾ [1]

وقال الله تعالیٰ: ﴿ان ربك واسع المغفرة﴾ (نجم ۳۲) [2]

مشکوۃ شریف کے اکثر نسخوں میں یہاں صرف ''باب'' ہے کوئی عنوان نہیں ہے بعض شارحین نے مندرجہ بالا عنوان لگایا ہے جو ابواب الاستغفار کے ساتھ نہایت مناسب ہے۔

اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَضَى اللهُ الْخَلْقَ كَتَبَ كِتَابًا فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي. وَفِي رِوَايَةٍ غَلَبَتْ غَضَبِي. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [3]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے (جب میثاق) کے دن مخلوقات کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا (یا یہ کہ جب مخلوقات کو پیدا کرنا شروع کیا) تو ایک کتاب لکھی (یعنی فرشتوں کو وہ کتاب لکھنے کا حکم دیا یا قلم کو لکھنے کا حکم فرمایا) وہ کتاب حق تعالیٰ کے پاس عرش کے اوپر ہے اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ''بلاشبہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے'' ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: اللہ تعالیٰ کی رحمت ساری کائنات کو شامل ہے اگر رحمت خداوندی کائنات کی روح میں داخل نہ ہوتی تو آج جو چیزیں نافع اور مفید نظر آرہی ہیں یہ سب انسان کے لئے زہر قاتل بن جائیں گی چنانچہ جب تک اللہ کی رحمت کا نام باقی رہیگا قیامت نہیں آئے گی لیکن جب اللہ کی رحمت دنیا سے اٹھ جائے اور نہ کعبہ باقی رہا اور نہ قرآن کے حروف باقی رہیں اور نہ دنیا میں اللہ اللہ کرنے والا کوئی ایک انسان باقی رہا تو اس وقت بلا تاخیر کائنات کا وجود ختم ہوجائے گا۔

رحمان کی رحمت عامہ رحیم کی رحمت خاصہ پر غالب ہے اور رب العالمین کی ربوبیت عامہ اس کی ربوبیت خاصہ سے زیادہ عام ہے کائنات میں سخت سے سخت درندہ شیر ہے لیکن شیرنی کے قلب میں جو رحمت اپنے بچوں کے ساتھ ہے وہ قابل دید وقابل تعجب ہے سانپ جیسے زہریلے جانور کو دیکھو اور کتے جیسے خسیس حیوان کو دیکھو وہ اپنے بچوں پر کتنے شفیق ومہربان

[1] سورۃ الانعام: ۵۴ [2] سورۃ النجم: ۳۲ [3] اخرجه البخاري: ۴/۱۲۹ ومسلم: ۲/۳۹۲

ہیں بلی کو ذرا دیکھو وہ اپنے چھوٹے بچوں کو دشمنوں سے بچانے کے لئے حفاظت کی غرض سے کس طرح منہ میں اٹھا کر لیے پھرتی ہے اور اسی غلبۂ رحمت کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو میٹھا ٹھنڈا بنایا پھلوں کو لذیذ و حسین بنایا پھولوں میں خوشبو رکھی اور دنیا کی تمام نعمتوں کو انسان و حیوان اور کافر اور مسلم سب کے لئے عام کیا اسی رحمت کا اثر ہے کہ جنت کے دروازے اور طبقات دوزخ کے طبقات سے زیادہ ہیں۔

ذرا دیکھو کہ انسان کی خطاؤں کو دیکھتے ہوئے قدرت کے باوجود اللہ تعالیٰ فوراً مواخذہ نہیں کرتا یہ اسی رحمت کا اثر ہے پھر رحمت کے اس عظیم ورقہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس عرش کے اوپر رکھا تا کہ رحمت کا یہ سمندر ہر وقت سامنے ہو اور اس عظیم رحمت و دولت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوب اکرام و اعظام ہو پھر لطف یہ کہ رحمت کے یہ سارے مظاہر صرف ایک رحمت کا پرتو ہے ۹۹ رحمتوں کا ظہور قیامت میں ہوگا۔[۱]

رحمت خداوندی کی وسعت

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ فَبِهَا يَتَعَاطَفُوْنَ وَبِهَا يَتَرَاحَمُوْنَ وَبِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰى وَلَدِهَا وَأَخَّرَ اللّٰهُ تِسْعًا وَتِسْعِيْنَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ سَلْمَانَ نَحْوَهُ وَفِيْ آخِرِهِ قَالَ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ أَكْمَلَهَا بِهٰذِهِ الرَّحْمَةِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے پاس سو رحمتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک رحمت تو جنات، انسان، چوپایوں اور زہریلے جانوروں میں اتاری ہے چنانچہ اسی ایک رحمت کے سبب وہ آپس میں میل ملاپ رکھتے ہیں اور اسی کے سبب وہ آپس میں رحم کرتے ہیں اور اسی کے سبب وحشی جانور اپنے بچوں سے الفت رکھتا ہے اور ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ نے رکھ چھوڑی ہیں جن کے ذریعہ وہ قیامت کے دن اپنے (مؤمن) بندوں پر رحم کرے گا"۔

(بخاری و مسلم)

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعُقُوْبَةِ مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهِ أَحَدٌ وَلَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنَطَ مِنْ جَنَّتِهِ أَحَدٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کہ اگر مؤمن یہ جان لے کہ خدا کے ہاں کس قدر عذاب ہے تو پھر کوئی شخص اس کی جنت کی امید بھی نہ رکھے (یعنی عذاب کی فراوانی اسے جنت سے مایوس کردے) اور اگر کافر یہ

[۱] المرقات: ۵/۱۹۷ [۲] اخرجه البخاري: ومسلم: ۲/۳۹۳ [۳] اخرجه البخاري: ومسلم: ۲/۳۹۴

جان لے کہ اللہ کی رحمت کس قدر ہے تو پھر کوئی اس کی جنت سے ناامید نہ ہو"۔ (بخاری ومسلم)

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَنَّةُ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت تم میں سے ہر شخص کے جوتے کے تسمے کے برابر اس کے قریب ہے اور دوزخ بھی اسی طرح ہے"۔ (بخاری ومسلم)

اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَجُلٌ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ لِأَهْلِهِ، وَفِي رِوَايَةٍ أَسْرَفَ رَجُلٌ عَلٰى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ أَوْصٰى بَنِيْهِ إِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهُ فِي الْبَرِّ وَنِصْفَهُ فِي الْبَحْرِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا أَمَرَهُمْ فَأَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ وَأَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ ثُمَّ قَالَ لَهُ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَا رَبِّ وَأَنْتَ أَعْلَمُ فَغَفَرَ لَهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک شخص تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اس نے اپنے نفس پر زیادتی کی تھی یعنی بہت ہی زیادہ گناہ کئے تھے جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب وہ مرجائے تو اس کو جلا کر آدھی راکھ تو جنگل میں اڑا دینا اور آدھی راکھ دریا میں بہا دینا کیونکہ قسم ہے خدا کی: اگر اللہ تعالیٰ نے اس سے مواخذہ کرلیا اور حساب میں سختی کی تو وہ اس کو ایسا عذاب دے گا کہ آج تک عالم کے لوگوں میں سے کسی کو نہ دیا ہوگا، چنانچہ جب وہ شخص مرگیا تو اس کے بیٹوں نے اس کی وصیت کے مطابق عمل کیا (کہ اس کو جلا کر آدھی راکھ تو جنگل میں اڑادی اور آدھی کو دریا میں بہادیا) اللہ تعالیٰ نے دریا کو (اس کی راکھ کو جمع کرنے کا حکم دیا) اور اس نے وہ راکھ جو اس کے اندر تھی جمع کی اور جنگل کو حکم دیا اور اس نے بھی جو راکھ اس کے اندر تھی جمع کی جب دریا اور جنگل نے اس کے اجزاء جمع کر لئے تو اس شخص کو ان اجزاء سے استوار کر کے حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا گیا حق تعالیٰ نے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ "پروردگار: تیرے خوف سے تو حقیقت وحال کو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ سن کر اسے بخش دیا"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: اس شخص کا خیال تھا کہ عذاب صرف اسی کو ہوتا ہے جو دفن کیا جاتا ہے چنانچہ اپنی بدعملی سے دہشت زدہ ہوکر خوف کے مارے اس نے چاہا کہ اس کے وجود کا ریکارڈ ختم ہوجائے یہ کافر نہیں تھا صرف بے حد گناہ گار تھا اس لئے اس

[1] اخرجه البخاري: ۸/۱۲۷ [2] اخرجه البخاري: ۴/۲۱۴ ومسلم: ۲/۴۹۴

نے وصیت کی کہ مجھے جلا دیا جائے اور پھر راکھ کو سمندروں میں اڑایا جائے اور صحراؤں میں پھیلا یا جائے آج کل ہندو لوگ اس پر عمل کرتے ہیں لیکن ہندوؤں کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ شخص ہندو کافر نہیں تھا بلکہ ایک گناہ گار سیاہ کار مسلمان تھا پھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کا دل لبریز تھا اس پر اپنے آپ کو قیاس کرنا حماقت ہے۔[1]

سوال: "لئن قدر الله" سوال یہ ہے کہ اس شخص نے یہ حرکت کر کے اس طرح جملہ بھی کہد یا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کر رہا تھا یہ تو کفر ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ لئن قدر الله کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کا مواخذہ کر لیا اور اللہ کی گرفت میں وہ آ گیا تو اسکی خیر نہیں ہوگی اس پر تو کوئی اشکال نہیں لیکن اگر اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک کیا ہو تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ شخص صرف خوف خدا کی وجہ سے مغلوب الحال اور مغلوب العقل بن گیا تھا ایسی صورت میں اس طرح جملے قابل مواخذہ نہیں ایک دیوانہ کی ایک دیوانگی تھی جس کا قاعدہ اور ضابطہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔[2]

خدا کی رحمت ماں کی شفقت سے زیادہ ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْيٌ فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ قَدْ تَحَلَّبَ ثَدْيُهَا تَسْعٰى إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ أَخَذَتْهُ فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَأَرْضَعَتْهُ فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُرَوْنَ هٰذِهٖ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ فَقُلْنَا لَا وَهِيَ تَقْدِرُ عَلٰى أَنْ لَا تَطْرَحَهُ فَقَالَ اللّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے جن میں ایک عورت بھی تھی (اور دودھ کی کثرت کی وجہ سے) اس کی چھاتیاں بہہ رہی تھیں (کیونکہ اس کا بچہ اس کے پاس نہیں تھا جو اس کا دودھ پیتا) وہ اپنا دودھ پلانے کی خاطر کسی بچہ کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑتی تھی چنانچہ جب وہ قیدیوں میں سے کسی بچہ کو پالیتی تو (اپنے بچہ کی محبت میں) اسے لے کر اپنے پیٹ سے لگاتی اسے دودھ پلانے لگتی یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ "کیا تمہارے خیال میں یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈالے گی؟ (یعنی جب یہ غیر کے بچے کے ساتھ اتنی محبت کرتی ہے تو کیا اس بات کا خیال کیا جا سکتا ہے کہ یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے کہا کہ ہرگز نہیں ڈالے گی بشرطیکہ وہ نہ ڈالنے پر قدرت رکھتی ہو"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ عورت اپنے بچے پر جتنا رحم و پیار کرتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے (مؤمن) بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم و پیار کرتا ہے"۔ (بخاری ومسلم)

[1] المرقات: ۲۰۲، ۵/۲۰۳ [2] المرقات: ۵/۲۰۳ [3] اخرجه البخاری: ۸/۹ ومسلم: ۲/۴۹۴

توضیح: "السبی" میدان جہاد میں جنگ کے دوران جو مرد یا عورت قید میں آجائے اس کو "سبی" کہتے ہیں۔[1]

"تحلب" باب تفعل سے ہے حلب دودھ کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ دودھ کی کثرت کی وجہ سے اور اپنا بچہ بچھڑنے کی وجہ سے دودھ چھاتی میں چھلک کر بہہ رہا تھا اس لئے وہ کسی بھی بچے کو چھاتی سے لگا لیتی تھی اس عظیم شفقت و محبت اور رحم و ترحم کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے۔[2]

"طارحة" پھینکنے کے معنی میں ہے۔[3]

میانہ روی اختیار کرنے کا حکم

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يُنْجِيَ أَحَداً مِنْكُمْ عَمَلُهُ قَالُوْا وَلَا أَنْتَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهِ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَشَيْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کسی کا عمل اسے (آگ سے) نجات نہیں دے گا (یعنی صرف عمل ہی نافع نہیں ہوگا بلکہ جب حق تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت بھی شامل حال ہوگی تب ہی عمل بھی فائدہ دے گا) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا" کہ کیا آپ کو بھی (آپ کا عمل باجود کامل ہونے کے نجات نہیں دلائے گا) آپ ﷺ نے فرمایا نہیں" مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے، لہٰذا تم لوگ اپنے اعمال کو تیر کی طرح راست و درست کرو، عمل میں میانہ روی اختیار کرو (یعنی کسی عمل کو کمی وزیادتی کے ساتھ نہ کرو) دن کے ابتدائی حصہ میں بھی عبادت کرو دن کے آخری حصہ میں بھی عبادت کرو اور رات میں بھی کچھ عبادت کرو (یعنی نماز تہجد پڑھو) اور عبادت میں میانہ روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو اپنی منزل کو پالو گے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ولا انا" صحابہ کرام نے جب سنا کہ حضور اکرم نے نہایت عموم کے الفاظ سے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جا سکتا ہے اس پر انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے بارے میں خود آپ ہی سے پوچھا آپ نے فرمایا کہ معاملہ اور ضابطہ میرا بھی یہی ہے لیکن میرا رب مجھے اپنی رحمت وحفاظت کی چادر میں لپیٹ لیگا اس لئے میرے معاملہ میں تو یقین ہے کہ رحمت حاصل ہو چکی ہے۔ اسی مفہوم کے پیش نظر ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہاں استثناء منقطع ہے۔[5]

"فسددوا" یعنی قول وفعل اور علم وعمل کو ٹھیک ٹھیک رکھو عقیدہ درست رکھو راستہ سیدھا اختیار کرو۔[6]

"وقاربوا" یعنی قرب خداوندی حاصل کرو اور کثرت عبادت میں تقصیر نہ کرو۔[7]

---

[1] المرقات: ۵/۲۰۶ [2] المرقات: ۵/۲۰۶ [3] المرقات: ۵/۲۰۷ [4] اخرجه البخاري: ۸/۱۲۲ ومسلم
[5] المرقات: ۵/۲۰۸ [6] المرقات: ۵/۲۰۸ [7] المرقات: ۵/۲۰۸

"واغدوا وروحوا" یعنی صبح وشام اور رات کے کچھ حصہ میں عبادت کرو۔[1]

"الدلجة" دال پر ضمہ ہے لام ساکن ہے رات کے کچھ حصہ کو کہتے ہیں۔[2]

یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے ﴿اقم الصلوة طرفی النهار وزلفا من الليل﴾[3]

القصد القصد۔ ای الزموا التوسط فی العبادة۔[4]

یعنی عبادت میں میانہ روی اختیار کرو غلو اور افراط وتفریط سے بچو منزل تک پہنچ جاؤ گے۔

﴿۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُدْخِلُ أَحَداً مِنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيْرُهُ مِنَ النَّارِ وَلَا أَنَا إِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کا عمل نہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور نہ اسے دوزخ سے بچائے گا اور نہ مجھے میرا عمل جنت میں داخل کرے گا ہاں وہ جو اللہ کے رحمت کے ساتھ ہو"۔ (مسلم)

ایک نیکی کا ثواب کئی گنا زیادہ

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ إِسْلَامُهُ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا وَكَانَ بَعْدُ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[6]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کوئی بندہ اسلام قبول کرتا ہے اور اس کا اسلام اچھا ہوتا ہے (یعنی نفاق سے پاک صاف ہوتا ہے) کہ اس کا ظاہر وباطن یکساں ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے وہ تمام گناہ دور کردیتا ہے جو اس نے قبول اسلام سے پہلے کئے تھے اور اس کے بعد اسے بدلہ ملتا ہے (جس کا حساب یہ ہے کہ) ایک نیکی کے بدلہ میں دس سے لیکر سات سو تک نیکیاں لکھی جاتی ہیں بلکہ سات سو سے بھی زیادہ اور برائی کا بدلہ اسی کے مانند ملتا ہے (یعنی جتنی برائی کرتا ہے وہ اتنی ہی لکھی جاتی ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر کرتا ہے"۔ (بخاری)

توضیح: یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد سابقہ گناہ دھل جاتے ہیں۔

"وکان بعد" ای بعد الاسلام اور بعد محو الذنوب۔[7]

---

[1] المرقات: ۵/۲۰۸ [2] المرقات: ۵/۲۰۸ [3] سورت هود الایه ۱۱۴ [4] المرقات: ۵/۲۰۹

[5] اخرجه مسلم: ۲/۵۲۸ [6] اخرجه البخاری: ۱/۱۰ [7] المرقات: ۵/۲۰۹

"القصاص" مساوات اور برابری کے معنی میں ہے یہاں مراد بدلہ اور اجر ملنا ہے اس اجر و بدلہ کی تفصیل اگلے جملہ میں ہے۔

یہ رحمت خداوندی کی وسعت ہی کا کرشمہ ہے کہ برائی جب تک کی نہیں صرف ارادہ کرنے سے نہیں لکھی جاتی ہے اور کرنے کے بعد جو لکھی جاتی ہے تو ایک عمل کی ایک برائی ہے اور ایک برائی پر ایک سزا ہے نیکیوں میں دس تک بڑھانا ضابطہ ہے سات سو تک اضافہ ہے ایک لاکھ تک بھی جاتا ہے اور سات لاکھ تک جانے کا ذکر بھی ایک ضعیف حدیث میں ملتا ہے جو مجاہدین کے بارے میں ہے۔ باقی او نچاس کروڑ تک لیجانا تبلیغی جماعت کے ہاں ہے جو مستند نہیں ہے۔[1]

باقی ﴿واللہ یضاعف لمن یشآء﴾[2] میں اجمالی تضعیف کا ذکر ہے اس کا تعین کوئی نہیں کرسکتا اور نہ تعین کرنا چاہئے شریعت نے مجمل رکھا ہے تو مجمل استعمال کرنا ہوگا تعین کے لئے شارع کی نص ضروری ہے۔

نیک ارادہ کرنے سے ثواب ملتا ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً فَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھیں (یعنی فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ لوح محفوظ میں نیکیوں اور برائیوں کے بارے میں یہ تفصیل لکھ دیں کہ) جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور وہ اس پر عمل نہ کرسکے (یعنی ارادہ کے باوجود وہ کسی عذر کی بناء پر اس نیکی کو کرنے پر قادر نہ ہوسکے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں اس ارادہ ہی کو ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے اور جو شخص نیکی کا ارادہ کرے اور پھر اس نیکی کو کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں دس گنا سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں لکھ لیتا ہے (یعنی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے بحسب اخلاص اور ادائیگی شرائط و آداب اس سے بھی زیادہ ثواب لکھتا ہے) اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرے اور پھر (خدا کے خوف کی وجہ سے) اس برائی میں بھی مبتلا نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے ہاں ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے اور جس شخص نے کسی برائی کا ارادہ کیا تو پھر اس برائی میں مبتلا بھی ہوگیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک ہی برائی لکھتا ہے"۔ (بخاری و مسلم)

[1] المرقات: ۵/۵۰۹ [2] سورت بقرۃ: ۲۶۱ [3] اخرجہ البخاری: ۸/۱۲۸ و مسلم: ۱/۶۶

الفصل الثانی

برائی کے بعد نیکی کرنے والے کی عجیب مثال

﴿۱۱﴾ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مَثَلَ الَّذِيْ يَعْمَلُ السَّيِّئَاتِ ثُمَّ يَعْمَلُ الْحَسَنَاتِ كَمَثَلِ رَجُلٍ كَانَتْ عَلَيْهِ دِرْعٌ ضَيِّقَةٌ قَدْ خَنَقَتْهُ ثُمَّ عَمِلَ حَسَنَةً فَانْفَكَّتْ حَلْقَةٌ ثُمَّ عَمِلَ أُخْرٰى فَانْفَكَّتْ أُخْرٰى حَتّٰى تَخْرُجَ إِلَى الْأَرْضِ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص برائیاں کرتا ہو اور پھر نیکیاں کرنے لگے اس کی حالت اس شخص کی سی ہے جس کے جسم پر تنگ زرہ ہو اور اس زرہ کے حلقوں نے اس (کے جسم) کو بھینچ رکھا ہو۔ پھر وہ نیکی کرے اور اس کی زرہ کا ایک حلقہ کھل جائے یہاں تک کہ (اسی طرح) اس کے حلقے کھلتے رہیں اور وہ ڈھیلی ہو کر زمین پر گر پڑے''۔ (شرح السنۃ)

''درع'' زرہ کو کہتے ہیں[1] ''ضیقة'' تنگ کے معنی میں ہے[2] ''خنقته'' زرہ نے اس کا گلا گھونٹا ہو یعنی پورے جسم کو بھینچ کر رکھا ہو[3]۔ ''انفك'' کھلنے اور الگ ہونے کے معنی میں ہے۔[4]

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُصُّ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ قُلْتُ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ الثَّانِيَةَ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ فَقُلْتُ الثَّانِيَةَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ الثَّالِثَةَ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ فَقُلْتُ الثَّالِثَةَ وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَإِنْ رَغِمَ أَنْفُ أَبِي الدَّرْدَاءِ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر وعظ و نصیحت فرماتے ہوئے سنا چنانچہ (ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے یہ فرمایا **ولمن خاف مقام ربه جنتان** یعنی اور جو شخص (قیامت کے دن حساب کے لئے) اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو جنتیں ہیں''۔ میں نے (یہ سن کر از راہ تعجب) پوچھا کہ ''یارسول اللہ چاہے اس (ڈرنے والے) نے زنا ہی کیا ہو اور چاہے اس نے چوری ہی کی ہو''۔ (تب بھی اسے دو جنتیں ملیں گی؟) آنحضرت ﷺ نے پھر دوسری مرتبہ یہی فرمایا **ولمن خاف مقام ربه جنتان** میں نے پھر دوسری مرتبہ پوچھا: یارسول اللہ: چاہے اس نے زنا ہی کیا ہو اور چاہے اس نے چوری ہی کی ہو؟ آپ ﷺ نے پھر تیسری مرتبہ فرمایا **ولمن**

[1] المرقات: ۵/۲۱۲ [2] المرقات: ۵/۲۱۲ [3] المرقات: ۵/۲۱۳ [4] المرقات: ۵/۲۱۳ [5] اخرجه احمد: ۲/۳۵۷

خلاف مقام ربہ جنتان میں نے پھر تیسری مرتبہ پوچھا کہ ''یا رسول اللہ: چاہے اس نے زنا ہی کیا ہو اور چاہے اس نے چوری کی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگرچہ ابو درداء کی ناک خاک آلودہ ہی کیوں نہ ہو''۔ (احمد)

اس حدیث سے متعلق بحث جلد اول ص ۲۰۲ میں گذر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے وہاں یہ روایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے یہاں حضرت ابو دردا سے منقول ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ایک مثال

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهُ يَعْنِي عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَقْبَلَ رَجُلٌ عَلَيْهِ كِسَاءٌ وَفِي يَدِهِ شَيْءٌ قَدِ الْتَفَّ عَلَيْهِ فَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ مَرَرْتُ بِغَيْضَةِ شَجَرٍ فَسَمِعْتُ فِيهَا أَصْوَاتَ فِرَاخِ طَائِرٍ فَأَخَذْتُهُنَّ فَوَضَعْتُهُنَّ فِي كِسَائِي فَجَاءَتْ أُمُّهُنَّ فَاسْتَدَارَتْ عَلَى رَأْسِي فَكَشَفْتُ لَهَا عَنْهُنَّ فَوَقَعَتْ عَلَيْهِنَّ فَلَفَفْتُهُنَّ كِسَائِي فَهُنَّ أُولَاءِ مَعِي قَالَ ضَعْهُنَّ فَوَضَعْتُهُنَّ وَأَبَتْ أُمُّهُنَّ إِلَّا لُزُومَهُنَّ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَعْجَبُونَ لِرُحْمِ أُمِّ الْأَفْرَاخِ فِرَاخَهَا فَوَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ أَللّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ أُمِّ الْأَفْرَاخِ بِفِرَاخِهَا إِرْجِعْ بِهِنَّ حَتّٰى تَضَعَهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَخَذْتَهُنَّ وَأُمُّهُنَّ مَعَهُنَّ فَرَجَعَ بِهِنَّ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عامر رام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) جبکہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک شخص آیا جس کے جسم پر ایک کملی تھی اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر اس نے اپنی کملی لپیٹ رکھی تھی اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: میں درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس سے گزر رہا تھا کہ میں نے اس جھنڈ میں سے پرندوں کے بچوں کی آوازیں سنیں، چنانچہ میں نے انہیں پکڑ لیا اور اپنی کملی میں رکھ لیا اتنے میں بچوں کی ماں آ گئی اور میرے سر پر پھرنے لگی میں نے اس کے سامنے بچوں کے اوپر سے کملی کھول دی (تا کہ وہ انہیں دیکھ لے) وہ اپنے بچوں کو دیکھتے ہی ان پر آ گری اور میں نے ماں اور بچوں کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا اور اب وہ سب میرے پاس ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ان کو یہاں رکھو میں نے ان کو وہاں رکھ دیا اور ان پر سے اپنی کملی ہٹا دی ماں سب چیزوں کو چھوڑ کر بچوں سے چمٹ گئی (ہم سب اپنے بچوں کے ساتھ اس ماں کی اس محبت کو بنظر تعجب دیکھ ہی رہے تھے) کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا تم لوگ اس پر تعجب کر رہے ہو کہ ان بچوں کی ماں اپنے بچوں پر کس قدر رحم دل واقع ہوئی ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' جتنا کہ ایک ماں اپنے بچوں پر رحم کرتی ہے اب جاؤ ان بچوں کو وہیں لے جا کر رکھ دو جہاں سے تم نے ان کو پکڑا تھا اور ان کی ماں کو ان کے ساتھ ہی چھوڑ دو، چنانچہ وہ ان سب کو لے گیا (اور جہاں سے پکڑا تھا وہیں چھوڑ آیا۔ (ابوداود)

[1] اخرجه ابوداؤد: ۳/۱۷۹

توضیح: "**غیضة شجر**" غیضہ جھاڑی کو کہتے ہیں درختوں کا گنجان جنگل مراد ہے اضافت بیانیہ ہے۔[1]
"**فراخ**" جمع تکثیر ہے اور افراخ جمع قلت ہے فرخ چوزے کو کہتے ہیں[2] "**فلففتهن**" تلفیف لپٹنے کے معنی میں ہے۔[3]

ایک ماں کا حضور سے عجیب سوال

﴿۱۴﴾ عن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ غَزَوَاتِهِ فَمَرَّ بِقَوْمٍ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا نَحْنُ الْمُسْلِمُوْنَ وَاِمْرَأَةٌ تَحْضِبُ بِقِدْرِهَا وَمَعَهَا ابْنٌ لَهَا فَاِذَا ارْتَفَعَ وَهَجٌ تَنَحَّتْ بِهِ فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ أَلَيْسَ اللّٰهُ أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ قَالَ بَلٰى قَالَتْ أَلَيْسَ اللّٰهُ أَرْحَمَ بِعِبَادِهِ مِنَ الْأُمِّ بِوَلَدِهَا قَالَ بَلٰى قَالَتْ اِنَّ الْأُمَّ لَاتُلْقِيْ وَلَدَهَا فِي النَّارِ فَأَكَبَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ اِلَيْهَا فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَايُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِهِ اِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِيْ يَتَمَرَّدُ عَلَى اللّٰهِ وَأَبٰى أَنْ يَقُوْلَ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[4]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کسی غزوہ میں (چلے جارہے) تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے اور ان سے پوچھا "کہ تم لوگ کون ہو؟" انہوں نے عرض کیا ہم مسلمان ہیں۔ ان میں ایک ایسی عورت بھی تھی جو اپنی ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہی تھی (یعنی کچھ پکا رہی تھی) اس کے پاس اس کا بچہ بھی تھا چنانچہ جب آگ کی لپٹ اٹھتی تو وہ بچے کو ایک طرف ہٹا دیتی (تاکہ آگ کی تپش سے اسے تکلیف نہ پہنچے) پھر وہ عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنے لگی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اس عورت نے کہا "کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ رحم کرنے والا نہیں ہے جتنا کہ ایک ماں اپنے بچے پر رحم کرتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں: اس عورت نے کہا "ماں تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالتی (تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دوزخ کی آگ میں کیوں ڈالتا ہے؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روتے ہوئے اپنا سر نیچے کر لیا پھر (تھوڑی دیر کے بعد) اپنا سر مبارک اس عورت کی طرف اٹھایا فرمایا "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر عذاب نہیں کرتا ہاں صرف ان لوگوں کو عذاب دیتا ہے جو سرکش ہیں اور ایسے سرکش جو اللہ تعالیٰ سے سرکشی کرتے ہیں (یعنی اس کے احکام نہیں مانتے) اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کرتے ہیں۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "**وهج**" ھا پر فتحہ ہے آگ کے شعلے اور تپش کو کہتے ہیں[5] "**تنحت**" پیچھے ہٹنے کے معنی میں ہے[6] "**انت رسول الله؟**" یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے یہ عورت تفصیل سے حضور کو نہیں جانتی تھی اگرچہ اجمالی طور پر مسلمان تھی

[1] المرقات: ۵/۱۱۴،۵/۱۱۵ [2] المرقات: ۵/۱۱۵ [3] المرقات: ۵/۱۱۵
[4] اخرجه ابن ماجه: ۲/۱۴۳۶ [5] المرقات: ۵/۲۱۶ [6] المرقات: ۵/۱۱۵

،اکب اکباب سے سر جھکانے کے معنی میں آتا ہے یعنی آنحضرت نے سر جھکا کر رونا شروع کر دیا کیونکہ عورت کا سوال بھی عجیب تھا اور اس وقت کا ماحول اور منظر بھی عجیب تھا۔ [1]

"لایعذب" یعنی مسلمان کو دائمی طور پر عذاب میں نہیں رکھتا ہے بلکہ سزا بھگتنے کے بعد آگ سے نکال دیتا ہے۔ [2]

"الاالمارد" مارد سرکش کو کہتے ہیں [3] "المتمرد" مارد میں مبالغہ ہے یعنی خیر سے بالکل خالی ہو، شر سے بھرپور ہو حضور اکرم نے اس عورت کو اس انداز سے جواب دیا کہ والدین کو بچہ کتنا پیارا ہوتا ہے لیکن یہی بچہ بڑا ہو کر اگر ماں سے کہے تم میری ماں نہیں ہو اور باپ سے کہے تم میرا باپ نہیں ہو تو پھر ماں اس بچے کو کس طرح تھپڑ رسید کرتی ہے جب کوئی بچہ ماں باپ کے لئے بمنزلہ کتا یا خنزیر بن جائے تو ماں اس سے کتنی بیزار ہو جاتی ہے اسی طرح معاملہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ [4]

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہنے والے کا مقام

﴿۱۵﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَلْتَمِسُ مَرْضَاةَ اللهِ فَلَا يَزَالُ بِذٰلِكَ فَيَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِجِبْرِيْلَ إِنَّ فُلَانًا عَبْدِيْ يَلْتَمِسُ أَنْ يُرْضِيَنِيْ أَلَا وَإِنَّ رَحْمَتِيْ عَلَيْهِ فَيَقُولُ جِبْرِيْلُ رَحْمَةُ اللهِ عَلٰى فُلَانٍ وَيَقُوْلُهَا حَمَلَةُ الْعَرْشِ وَيَقُوْلُهَا مَنْ حَوْلَهُمْ حَتّٰى يَقُوْلَهَا أَهْلُ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ ثُمَّ تَهْبِطُ لَهُ إِلَى الْأَرْضِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ) [5]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو (نیک) بندہ (طاعات کی ادائیگی کے ذریعہ) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو تلاش کرتا ہے اور پھر ہمیشہ اس کی تلاش میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ میرا فلاں بندہ میری رضا و خوشنودی کی تلاش میں ہے لہٰذا آگاہ رہو اس پر میری رحمت (کاملہ) ہے" چنانچہ حضرت جبرئیل کہتے ہیں کہ فلاں شخص پر اللہ کی رحمت ہو، یہی بات عرش کے اٹھانے والے فرشتے بھی کہتے ہیں پھر یہی بات وہ فرشتے کہتے ہیں جو ان سب کے گرد ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس بات کو ساتوں آسمان کے فرشتے کہتے ہیں، چنانچہ پھر اس شخص کے لئے زمین پر رحمت نازل فرمائی جاتی ہے۔ (احمد)

توضیح: "تهبط" یہ هبوط سے ہے اترنے کے معنی میں ہے یعنی ایک شخص رحمت خداوندی کی تلاش میں رہتا ہے آخرکار اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا اعلان کرتا ہے پھر اس اعلان کو جبریل امین علیہ السلام آسمانوں میں تمام فرشتوں تک عام کرتا ہے پھر رحمت کی یہ لہر زمین کی طرف اترتی آتی ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ زمین والے سارے کے سارے اس شخص سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں اور یہ شخص مقبول خاص و عام ہو کر منظور الکل اور محبوب الکل بن جاتا ہے یہ حدیث درحقیقت مضمون ومفہوم کے اعتبار سے اس حدیث کی طرح ہے جس میں محبت کے حوالہ بات کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو محبوب

[1] المرقات: ۵/۱۱۷ [2] المرقات: ۵/۱۱۷ [3] المرقات: ۵/۱۱۷ [4] المرقات: ۵/۱۱۷ [5] اخرجه احمد: ۵/۲۷۹

رکھتا ہے تو فرشتوں میں اس کا اعلان ہوتا ہے جس کی وجہ سے تمام آسمانوں والے اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر یہ محبت اور قبولیت زمین کی طرف اترتی ہے تو لوگ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں اور اگر کسی شخص سے اللہ تعالیٰ دشمنی رکھتا ہے تو وہ جذبہ بھی اسی طرح پھیلتا ہے یہاں یہ بات ذہن میں رکھنا چاہئے کہ قبولیت اور عدم قبولیت کا معیار فساق وفجار عوام نہیں ہیں بلکہ اس معیار کی ترازو اولیاء اللہ اور علماء واتقیاء کے پاس ہے کہ ان کی اکثریت کا فیصلہ کسی شخص کے بارے میں جو ہوتا ہے وہی آسمان کا فیصلہ ہوتا ہے۔[1]

مسلمان گناہ گار و نیکوکار اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ قَالَ كُلُّهُمْ فِي الْجَنَّةِ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُورِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے اس ارشاد ”پس ان میں سے بعض اپنے نفس کے حق میں ظالم ہیں، ان میں سے بعض میانہ رو ہیں اور ان میں سے بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں“۔ کی تفسیر کے ضمن میں فرمایا کہ یہ سب جنتی ہیں“۔ (بیہقی)

توضیح: ”فمنهم ظالم“ اس حدیث میں سورت فاطر کی آیت ۳۲ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس آیت میں مسلمانوں کے تین اقسام کا ذکر کیا گیا اور تینوں کے بارہ میں یہ حکم لگایا ہے[3] ”ثم اصطفینا من عبادنا“ یعنی ہم نے اپنے بندوں میں تین قسم کے لوگوں کو چن لیا ایک اپنے آپ پر گناہوں کی وجہ سے ظلم کرنے والا ہے دوسرا درمیانہ چال چلتا ہے اور تیسرا اول پوزیشن میں سفر کر رہا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سبقت کرنے والے سے وہ شخص مراد ہے جس کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں میانہ رو وہ شخص ہے جس کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں اور ظالم سے وہ شخص مراد ہے جس کی برائیاں اس کی نیکیوں پر غالب ہوں، زیر بحث حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں قسم کے لوگ برگزیدہ بندوں میں سے ہیں لہٰذا یہ جنتی ہونگے خواہ دخول اوّلی ہو یا دخول ثانوی ہو، نیز جنت میں بھی درجات کا تفاوت ہوگا لیکن اس بشارت سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کلمہ گو بھی خیر سے خالی نہیں ہے۔[4]

[1] المرقات: ۵/۲۱۸ [2] اخرجه البیهقی: [3] المرقات: ۵/۲۱۹ [4] المرقات: ۵/۲۱۹

باب مایقال عند الصباح والمساء والمنام

صبح وشام پڑھی جانے والی دعائیں

قال الله تعالیٰ ﴿یا ایها الذین اٰمنوا اذکر الله ذکرا کثیرًا وسبحوه بکرة واصیلا﴾[1]

صبح اورشام سے صبح اورشام کے اوقات بھی مراد لئے جاسکتے ہیں اوردن اوررات بھی مراد ہوسکتے ہیں۔
"المنام" سے مراد نیند کی جگہ بھی ہوسکتی ہے یا منام مصدر میمی ہے جو نیند کے معنی میں ہے جس سے سونے کے وقت کی دعائیں مراد ہیں۔[2]
مسلمان کے دو دشمن ہیں ایک وہ دشمن جو نظر آتا ہے جیسے کفار وغیرہ ہیں اس کے مقابلہ میں حفاظت کے لئے اسلام نے اسلحہ اٹھانے کا نظام قائم کیا ہے دوسرا دشمن وہ ہے جو نظر نہیں آتا وہ شیطان کا لشکر ہے چونکہ یہ دشمن نظروں سے غائب رہتا ہے اس لئے اسلام نے اس سے حفاظت کے لئے روحانی پہرہ کا انتظام کیا ہے وہ روحانی پہرے یہی دعائیں ہیں جو مختلف اوقات کے حملوں سے بچاؤ کے لئے مختلف اوقات میں پڑھی جاتی ہیں۔

الفصل الاول

صبح وشام حضور اکرم ﷺ کی دعائیں

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمْسٰى قَالَ أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَافِيْهَا وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَافِيْهَا أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَإِذَا أَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ أَيْضاً أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ رَبِّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اورحضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب شام ہوتی تو رسول کریم ﷺ کی یہ دعا مانگتے ہم نے شام کی اور شام کے وقت بادشاہت بھی الحمدللہ اللہ تعالیٰ کی ہے وہ واحد لاشریک ہے بادشاہ ہے حمد وثنا اسی کے لئے ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے الخ۔ (مسلم)

[1] سورت الاحزاب الایہ: ۴۲،۴۱ [2] المرقات: ۵/۲۲۰ [3] اخرجه مسلم: ۲/۳۸۱

سوتے وقت کی دعا

﴿۲﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْيٰى وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ عَنِ الْبَرَاءِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رات میں اپنے بستر پر تشریف لاتے اور سونے کے لئے لیٹتے تو اپنا ہاتھ (یعنی اپنے دائیں ہتھیلی) اپنے (دائیں) گال کے نیچے رکھتے اور یہ فرماتے **اللھم باسمك اموت واحیی** اے اللہ: تیرے ہی نام پر مرتا (یعنی سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام پر زندہ ہوتا (یعنی جاگتا ہوں)'' اور جب آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوتے تو یہ فرماتے **الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور** اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے لیکن مسلم نے (حضرت حذیفہ) کے بجائے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

سوتے وقت بستر کو جھاڑ لینا چاہئے

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوٰى أَحَدُكُمْ إِلٰى فِرَاشِهٖ فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهٗ بِدَاخِلَةِ إِزَارِهٖ فَإِنَّهٗ لَا يَدْرِيْ مَا خَلَفَهٗ عَلَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ أَرْفَعُهٗ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ لْيَضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ لْيَقُلْ بِاسْمِكَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلْيَنْفُضْهُ بِصَنِفَةِ ثَوْبِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَإِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لَهَا)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا'' جب تم میں سے کوئی (سونے کے لئے) اپنے بستر پر آئے تو اسے چاہیئے کہ اپنے بستر کو اپنی لنگی کے اندر کے کونے سے جھاڑ لے، کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے بستر پر کیا چیز (مثلا کیڑا مکوڑا یا گرد وغبار) گری پڑی ہو اس کے بعد وہ بستر پر لیٹے اور پھر اوپر حدیث میں مذکور دعا پڑھے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا'' جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر آئے تو اسے چاہیے کہ وہ (پہلے) اپنا بستر جھاڑے پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے اور پھر باسمک (یعنی مذکورہ بالا دعا) آخر تک پڑھے۔ (مسلم وبخاری) ایک روایت میں یہ ہے کہ'' اسے چاہیئے کہ وہ اپنے بستر کو اپنے کپڑے کے کونے سے تین مرتبہ جھاڑے۔ نیز اس روایت میں **وان امسکت نفسی فاغفر لھا** (یعنی مذکورہ بالا دعا میں **فارحمھا** کے بجائے **فاغفر لھا** ہے۔

---

[1] اخرجه البخاری: ۸/۸۵، ۸۸ ومسلم: ۲/۴۷۸ [2] اخرجه البخاری: ۸/۸۷ ومسلم: ۲/۴۷۹

توضیح: "اوی" قصر اور مد دونوں طرح پڑھا گیا ہے جگہ اور ٹھکانہ پکڑنے کے معنی میں ہے۔[1]

"**فلینفض**" جھاڑنے کے معنی میں ہے[2] "**بداخلة ازاره**" یعنی جو لنگی اور دھوتی اس نے پہن رکھی ہے اس کے اندر کے حصہ سے بستر کو جھاڑلے تاکہ کیڑا مکوڑا باقی نہ رہے اور بستر صاف ہوجائے اندر کے حصہ سے جھاڑنے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ طریقہ آسان ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ صفائی حاصل ہوجائے گی اور لنگی کا ظاہری حصہ پاک وصاف رہیگا اس پر کوئی میل نہیں لگے گا اگر کوئی دھبہ لگ بھی جائے تو وہ لنگی کے اندروالے حصہ پر لگے گا، یا مطلق دامن مراد ہے۔[3]

"**ما خلفه**" یعنی بستر پر اپنے بعد کسی موذی حشرات کو چھوڑ رکھا ہے یا کسی میل کچیل کو اپنے بعد بستر پر چھوڑ گیا ہے۔[4]

"**شقه الایمن**" یعنی دائیں کروٹ پر سوجائے تاکہ بائیں کروٹ میں دل پر بوجھ نہ آئے دل دب نہ جائے اور صبح کی نماز کے لئے جھاگنے میں آسانی ہو اور سنت پر عمل ہوجائے ابتدا میں دائیں کروٹ لے پھر بائیں پر لوٹ جائے ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں کہ بائیں کروٹ پر سوجانا چاہیئے تاکہ دل پر بوجھ آکر گہری نیند سوجائے اور صبح نماز کے لئے اٹھ نہ سکے اور سنت کی خلاف ورزی بھی ہوجائے یہ دو متضاد نظاموں کے دو متضاد فیصلے ہیں مسلمانوں کو اپنے نظام پر عمل کرنا چاہیئے۔

پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر کے سوجائے

﴿۴﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ نَامَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قَالَ أَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَامَلْجَأَ وَلَامَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ أَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَهُنَّ ثُمَّ مَاتَ تَحْتَ لَيْلَتِهِ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ يَا فُلَانُ إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلَاةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ ثُمَّ قُلِ اللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ إِلَى قَوْلِهِ أَرْسَلْتَ وَقَالَ فَإِنْ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ وَإِنْ أَصْبَحْتَ أَصَبْتَ خَيْراً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

ترجمہ: اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے بستر پر سوتے تو دائیں کروٹ پر سوتے اور سونے سے پہلے مذکورہ دعا پڑھتے، نیز آپ ﷺ فرماتے "جس شخص نے ان کلمات کو (سونے سے پہلے کہا اور پھر اسی رات میں

[1] المرقات: ۵/۲۲۴ [2] المرقات: ۵/۲۲۴ [3] المرقات: ۵/۲۲۴
[4] المرقات: ۵/۲۲۴ [5] اخرجه البخاری: ۸/۸۵ ومسلم: ۲/۲۶۸

مرگیا تو وہ دین اسلام پر مرا۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ حضرت براء کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا اے فلاں شخص: جب تم اپنے بستر پر آؤ تو پہلے تم نماز کے وضو جیسا وضو) پورا کرو اور پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ کر **اللھم اسلمت نفسی** سے **ارسلت** تک (یعنی مذکورہ بالا) دعا پڑھو پھر آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس رات میں تمہاری موت واقع ہوگئی تو تم دین اسلام پر مروگے اور اگر تم نے صبح کر لی تو بھلائیوں کو (یعنی زیادہ بھلائیوں کو یا یہ کہ دارین کی بھلائیوں کو پاؤ گے"۔ (بخاری ومسلم)

﴿۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَوٰى إِلَى فِرَاشِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِيَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ کہتے ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہمارے لئے کافی ہوا اور ہمیں ٹھکانہ دیا پس کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے لئے نہ کوئی کافی ہوا اور نہ ٹھکانہ دینے والا ہوا۔ (مسلم)

توضیح: "**لا کافی له**" یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہوا اور دشمنوں کے شر سے ہمیں محفوظ رکھا کتنے لوگ ہیں جو دشمنوں کے شر کے نرغے میں ہیں اللہ نے انہیں چھوڑ رکھا ہے اور اللہ ہمارے لئے کافی ہوا ہے کتنے لوگ ہیں جو قضا وقدر کے تحت اللہ تعالیٰ کے انعامات سے محروم ہیں ان کو سر چھپانے کے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں وہ بازاروں گلیوں کوچوں اور فٹ پاتھوں پر گذر اوقات کرتے ہیں نہ انہیں گرمی سے بچنے کی راحت نصیب ہوتی ہے اور نہ سردی کی ایذا سے کوئی پناہ گاہ ملتی ہے۔[2]

"**مووی**" اسم فاعل کا صیغہ ہے باب افعال سے ایوا ٹھکانہ دینے کے معنی میں ہے۔[3]

تھکاوٹ دور کرنے کے لئے تسبیحات فاطمہ پڑھنا چاہئے

﴿۶﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ فَاطِمَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْكُوْ إِلَيْهِ مَا تَلْقٰى فِيْ يَدِهَا مِنَ الرَّحٰى وَبَلَغَهَا أَنَّهٗ جَاءَهٗ رَقِيْقٌ فَلَمْ تُصَادِفْهُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِعَائِشَةَ فَلَمَّا جَاءَ أَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُ قَالَ فَجَاءَنَا وَقَدْ أَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْنَا نَقُوْمُ فَقَالَ عَلٰى مَكَانِكُمَا فَجَاءَ فَقَعَدَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهَا حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمِهٖ عَلٰى بَطْنِيْ فَقَالَ أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلٰى خَيْرٍ مِمَّا سَأَلْتُمَا إِذَا أَخَذْتُمَا مَضْجَعَكُمَا فَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ وَكَبِّرَا أَرْبَعًا وَثَلَاثِيْنَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ (میری زوجہ محترمہ اور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی) حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ کے ہاں اس غرض سے حاضر ہوئیں کہ چکی پیسنے کی وجہ سے ان کے ہاتھ جس زحمت ومشقت میں

[1] اخرجه مسلم: ۲/۴۸۰ [2] المرقات: ۵/۲۳۱ [3] المرقات: ۵/۲۳۱ [4] اخرجه البخاری: ۷/۸۴ ومسلم: ۲/۴۸۳

مبتلا تھے اس کی شکایت آنحضرت ﷺ سے کریں (اور کوئی خدمتگار مانگیں) کیونکہ حضرت فاطمہ کو معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ غلام آئے ہیں مگر (اس وقت) آپ ﷺ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی، چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے اس کا تذکرہ کیا (یعنی ان سے کہا کہ جب آنحضرت تشریف لائیں تو کہہ دیجئے گا کہ فاطمہ اپنی مشقت وتکلیف کے پیش نظر ایک غلام مانگنے حاضر ہوئی تھیں) پھر جب آنحضرت تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت فاطمہ کا پیغام آپ ﷺ تک پہنچا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ ہمارے ہاں اس وقت تشریف لائے جب کہ ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے (آپ کو دیکھ کر ہم نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اپنی جگہ پر لیٹے رہو" پھر آپ ﷺ ہمارے نزدیک تشریف لائے اور میرے اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے اپنے پیٹ پر آپ ﷺ کے مبارک قدموں کی ٹھنڈک محسوس کی پھر آپ ﷺ نے فرمایا (مجھے فاطمہ کا پیغام مل گیا ہے) کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتلادوں جو اس چیز (یعنی غلام) سے بہتر ہے جو تم نے مانگی تھی اور وہ یہ ہے کہ جب تم اپنے بستر پر آؤ تو تینتیس بار سبحان اللہ تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر کہو تمہارے لئے خادم سے یہ چیز بہتر ہے"۔ (بخاری ومسلم)

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ خَادِماً فَقَالَ أَلَا أَدُلُّكِ عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْ خَادِمٍ تُسَبِّحِيْنَ اللهَ ثَلَاثاً وَثَلَاثِيْنَ وَتَحْمَدِيْنَ اللهَ ثَلَاثاً وَثَلَاثِيْنَ وَتُكَبِّرِيْنَ اللهَ أَرْبَعاً وَثَلَاثِيْنَ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَعِنْدَ مَنَامِكِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس مقصد سے حاضر ہوئیں کہ آپ ﷺ سے کوئی خادم مانگیں لیکن آپ ﷺ سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔ جب آنحضرت کو یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور) فرمایا کہ "کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتادوں جو خادم سے بہتر ہے۔ (اور وہ یہ ہے) ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار پڑھ لیا کرو"۔ (مسلم)

الفصل الثانی

صبح وشام کی دعائیں

﴿۸﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصْبَحَ قَالَ اللّٰهُمَّ بِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ نَحْيٰى وَبِكَ نَمُوْتُ وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ وَإِذَا أَمْسٰى قَالَ اللّٰهُمَّ بِكَ أَمْسَيْنَا وَبِكَ أَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْيٰى وَبِكَ نَمُوْتُ وَإِلَيْكَ النُّشُوْرُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ)[۲]

---

۱ اخرجه مسلم: ۲/۳۸۳ ۲ اخرجه الترمذی: ۵/۳۶۶ وابو داؤد: ۴/۳۱۹

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب صبح ہوتی تو رسول کریم ﷺ کی زبان اقدس پر یہ دعائیہ کلمات جاری ہوتے جو اوپر حدیث میں مذکور ہیں اور جب شام ہوتی تو آپ ﷺ یہ دوسری دعاء فرماتے۔ (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

﴿۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ أَبُوبَكْرٍ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مُرْنِيْ بِشَيْءٍ أَقُوْلُهُ إِذَا أَصْبَحْتُ وَإِذَا أَمْسَيْتُ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهُ أَشْهَدُ أَنْ لَاإِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ قُلْهُ إِذَا أَصْبَحْتَ وَإِذَا أَمْسَيْتَ وَإِذَا أَخَذْتَ مَضْجَعَكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ: مجھے کوئی ایسی دعا پڑھنے کا حکم دیجیے جسے میں صبح کے وقت اور شام کے وقت (بطریق ورد) پڑھ لیا کروں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مذکورہ دعا پڑھ لیا کرو (نیز آپ ﷺ نے فرمایا) تم اس دعا کو صبح کے وقت پڑھ لیا کرو، شام کے وقت پڑھ لیا کرو اور سونے کے وقت بھی۔ (ترمذی، ابوداود، دارمی)

جسمانی صحت کے لئے عجیب دعا

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبَانِ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِيْ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ عَبْدٍيَقُوْلُ فِيْ صَبَاحِ كُلِّ يَوْمٍ وَمَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَايَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَافِي السَّمَاءِ وَهُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَيَضُرُّهُ شَيْءٌ فَكَانَ أَبَانٌ قَدْ أَصَابَهُ طَرَفُ فَالِجٍ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُإِلَيْهِ فَقَالَ لَهُ أَبَانٌ مَاتَنْظُرُ إِلَيَّ أَمَا إِنَّ الْحَدِيْثَ كَمَا حَدَّثْتُكَ وَلٰكِنِّيْ لَمْ أَقُلْهُ يَوْمَئِذٍ لِيُمْضِيَ اللّٰهُ عَلَيَّ قَدَرَهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَأَبُوْدَاوُدَ. وَفِيْ رِوَايَتِهِ لَمْ تُصِبْهُ فُجَاءَةُ بَلَاءٍ حَتّٰى يُصْبِحَ وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُصْبِحُ لَمْ تُصِبْهُ فُجَاءَةُ بَلَاءٍ حَتّٰى يُمْسِيَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابان ابن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو بندہ روزانہ صبح وشام کے وقت یہ کہے **بسم اللہ الذی لایضر مع اسمه شیء فی الارض ولافی السماء وھو السمیع العلیم** اور یہ تین مرتبہ کہے نہ تو اسے کوئی چیز ضرر ونقصان پہنچائے گی (یعنی اگر کوئی شخص اس دعا کو صبح وشام تین تین بار پڑھ لے تو اسے کوئی چیز ضرر ونقصان نہیں پہنچائے گی اور نہ وہ کسی آفت ومصیبت میں مبتلا ہوگا (اور اتفاق کی بات کہ اس وقت) حضرت ابان فالج کی ایک قسم میں مبتلا تھے چنانچہ اس شخص نے جو اس روایت کو سن رہا تھا حضرت ابان کی طرف (بڑے تعجب کی

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۴۶۷ وابوداؤد: ۴/۳۱۸ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۴۶۵ وابوداؤد: ۴/۳۲۵

نظروں سے) دیکھنا شروع کیا (کہ یہ کہہ تو یہ رہے ہیں کہ جو شخص اس دعا کو پڑھے اسے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا حالانکہ یہ خود فالج میں گرفتار ہیں) حضرت ابان نے اس سے کہا "تم میری طرف بنظر تعجب کیا دیکھ رہے ہو؟ اچھی طرح جان لو، یہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح میں نے بیان کی ہے (یعنی بالکل صحیح ہے) البتہ جس دن میں اس مرض میں مبتلا ہوا اس دن میں نے یہ دعا نہیں پڑھی تھی تا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مقدر میں جو کچھ لکھ لیا تھا وہ پورا ہو"۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداود)

توضیح: "طرف فالج" یعنی فالج کی ایک قسم انکولگی تھی "ینظر" یعنی اس شخص کو شک ہوا کہ جب اس دعا کی اتنی یقینی تاثیر تھی تو پھر حضرت ابان کو فالج کیوں ہوا؟ حضرت ابان اس ماجرا کو سمجھ گئے تو اس نے جواب میں پہل کی اور فرمایا کہ حدیث میں شک نہ کرو حدیث اپنی جگہ سچی ہے لیکن میں اس وقت یہ وظیفہ پڑھنا بھول گیا تھا "فجاءۃ فلاء" اچانک مصیبت کو کہتے ہیں۔[1]

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ إِذَا أَمْسٰى أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ رَبِّ أَسْأَلُكَ خَيْرَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهَا وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَشَرِّ مَا بَعْدَهَا رَبِّ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَمِنْ سُوْءِ الْكِبَرِ أَوِ الْكُفْرِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ مِنْ سُوْءِ الْكِبَرِ رَبِّ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابٍ فِي النَّارِ وَعَذَابٍ فِي الْقَبْرِ وَإِذَا أَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ أَيْضًا أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَفِيْ رِوَايَتِهِ لَمْ يَذْكُرْ مِنْ سُوْءِ الْكُفْرِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب شام ہوتی تو نبی کریم ﷺ یہ دعائیہ کلمات فرماتے جو اس حدیث میں مذکور ہیں اور جب صبح ہوتی تو آپ ﷺ یہی (مذکورہ بالا دعا) پڑھتے البتہ صبح کے وقت امسینا وامسی الملك لله کی بجائے اصبحنا واصبح لملك لله پڑھتے اس روایت کو ابوداود اور ترمذی نے نقل کیا ہے لیکن ترمذی کی روایت میں من سوء الکفر کے الفاظ نہیں ہیں۔

﴿۱۲﴾ وَعَنْ بَعْضِ بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهَا فَيَقُوْلُ قُوْلِيْ حِيْنَ تُصْبِحِيْنَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا فَإِنَّهُ مَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ حَتّٰى يُصْبِحَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)[3]

---

[1] المرقات: ۵/۲۳۵، ۲۳۶ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۱۹ والترمذی: ۵/۴۶۵ [3] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۲۱

ترجمہ: اور نبی کریم ﷺ کی کسی صاحبزادی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں تعلیم دی کہ جب صبح ہو تو مذکورہ دعا پڑھو لہٰذا جس شخص نے صبح کے وقت یہ کلمات کہے (یعنی صبح کے وقت یہ دعا پڑھی) تو شام تک (بلاؤں اور خطاؤں سے) محفوظ رہتا ہے اور جس شخص نے شام کے وقت یہ کلمات کہے وہ صبح تک محفوظ رہتا ہے''۔ (ابوداود)

﴿۱۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ إِلٰى قَوْلِهٖ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ أَدْرَكَ مَافَاتَهُ فِيْ يَوْمِهٖ ذٰلِكَ وَمَنْ قَالَهُنَّ حِيْنَ يُمْسِيْ أَدْرَكَ مَافَاتَهُ فِيْ لَيْلَتِهٖ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص صبح کے وقت مذکورہ آیت وكذلك تخرجون تک پڑھے تو اسے وہ چیز حاصل ہو جائے گی جس سے وہ اس دن محروم رہ گیا تھا۔ اور جس نے یہ آیت شام کے وقت پڑھی تو اسے وہ چیز حاصل ہو جائے گی جس سے وہ اس رات میں محروم رہ گیا تھا''۔ (ابوداود)

توضیح: ''تمسون'' میں مغرب وعشاء کا وقت بیان کیا گیا ہے اور حین تصبحون سے فجر کی نماز کا وقت مراد ہے۔[2] ''عشیًا'' سے مراد عصر کی نماز ہے اور تظہرون سے ظہر کی نماز مراد ہے پانچ نمازوں کے اوقات کی تعیین کے لئے یہ آیت سب سے زیادہ جامع اور واضح ہے۔[3]

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ عَيَّاشٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ إِذَا أَصْبَحَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ كَانَ لَهُ عِدْلُ رَقَبَةٍ مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيْلَ وَكُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَحُطَّ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَرُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَكَانَ فِيْ حِرْزٍ مِنَ الشَّيْطَانِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَإِنْ قَالَهَا إِذَا أَمْسٰى كَانَ لَهُ مِثْلُ ذٰلِكَ حَتّٰى يُصْبِحَ قَالَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ فَرَأٰى رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أَبَا عَيَّاشٍ يُحَدِّثُ عَنْكَ بِكَذَا وَكَذَا قَالَ صَدَقَ أَبُوْ عَيَّاشٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوعیاش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات کہے لا اله الا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير تو اسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک غلام آزاد کرنے کے ثواب کے بقدر ثواب ملتا ہے اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی دس برائیاں دور کی جاتی

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۲۱ [2] المرقات: ۵/۲۳۹ [3] المرقات: ۵/۲۳۹ [4] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۲۲ وابن ماجه: ۲/۱۲۷۲

ہیں اس کے دس درجے بلند کئے جاتے ہیں اور وہ شام کے وقت تک شیطان (کے بہکانے کے شر) سے پناہ میں رہتا ہے اور جس شخص نے ان کلمات کو شام کے وقت پڑھا تو اس کو صبح تک یہی سعادت حاصل رہتی ہے''۔ اس حدیث کے ایک راوی حماد ابن سلمہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ: ابوعیاش رضی اللہ عنہ آپ کی اس طرح کی حدیث (یعنی مذکورہ بالا حدیث) بیان کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ابوعیاش رضی اللہ عنہ نے سچ کہا''۔ (ابوداود وابن ماجہ)

ایک عجیب دعا

﴿۱۵﴾ وَعَنِ الْحَارِثِ بْنِ مُسْلِمِ التَّمِيمِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَسَرَّ إِلَيْهِ فَقَالَ إِذَا انْصَرَفْتَ مِنْ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْ قَبْلَ أَنْ تُكَلِّمَ أَحَداً أَللّٰهُمَّ أَجِرْنِي مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ ذٰلِكَ ثُمَّ مُتَّ فِي لَيْلَتِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَازٌ مِنْهَا وَإِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ كَذٰلِكَ فَإِنَّكَ إِذَا مُتَّ فِي يَوْمِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَازٌ مِنْهَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حارث ابن مسلم تمیمی اپنے والد مکرم سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان (مسلم تمیمی رضی اللہ عنہ) سے چپکے سے فرمایا کہ ''جب تم مغرب کی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو تم کسی سے کوئی کلام وگفتگو کرنے سے پہلے سات مرتبہ یہ کہو **اللهم اجرني من النار** (اے اللہ مجھے آگ سے پناہ میں رکھ) اور اگر تم اس کلمہ کو کہو اور پھر اس رات میں تمہارا انتقال ہو جائے تو تمہارے لئے آگ سے نجات لکھی جائے گی اور جب تم فجر کی نماز سے فارغ ہو جاؤ اور اسی طرح کہو (یعنی کسی سے کلام کرنے سے پہلے سات مرتبہ اس دعا کو پڑھو) اور پھر اس دن تمہارا انتقال ہو جائے تو تمہارے لئے آگ سے نجات لکھی جائے گی۔ (ابوداود)

توضیح: ''**جوار من النار**'' چونکہ اس دعا میں اجرنی کے لفظ سے دعا مانگی گئی ہے جس کا ترجمہ پناہ اور نجات ہے۔ اس لئے سوال کے جواب میں ''**کتب له جوار**'' بطور ثواب بتایا گیا ہے کہ اس شخص کے لئے دوزخ سے چھٹکارے اور پناہ کا پروانہ لکھا جائے گا یہ ایک عجیب دعا ہے بالکل مختصر ہے اور تعداد میں بھی مختصر ''**اللهم اجرني من النار**'' ملا علی قاری نے مرقات میں لکھا ہے کہ یہ لفظ ''**جوار**'' بھی منقول ہے یہاں میں نے جوار ہی کی بنیاد پر توضیح لکھی ہے۔[2]

صبح وشام کی ایک جامع دعا

﴿۱۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ حِيْنَ يُمْسِيْ وَحِيْنَ يُصْبِحُ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَأَهْلِيْ وَمَالِيْ أَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَآمِنْ رَوْعَاتِيْ أَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۲۲ [2] المرقات: ۵/۲۲۲، ۲۲۳

بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِي وَعَنْ يَمِيْنِي وَعَنْ شِمَالِي وَمِنْ فَوْقِي وَأَعُوْذُ بِعَظْمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي قَالَ وَكِيْعٌ يَعْنِي الْخَسْفَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح اور شام کے وقت یہ دعا پڑھنا نہ چھوڑتے (ترجمہ) اے اللہ میں تجھ سے دنیا وآخرت کی عافیت مانگتا ہوں یا الہٰی میں تجھ سے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور اپنے دین واپنی دنیا کے امور میں (عیوب اور برائیوں سے) اور اپنے اہل وعیال اور اپنے مال میں سلامتی مانگتا ہوں اے پروردگار میرے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور مجھے خوف کی چیزوں سے امن میں رکھ (یعنی میری مصیبت اور بلائیں دور فرما) اور اے اللہ: تو مجھے آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اوپر سے محفوظ رکھ اور اے اللہ تیری عظمت وکبریائی کے ذریعہ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ ہلاک کیا جاؤں اچانک نیچے کی جانب سے یعنی زمین میں دھنس جانے سے۔ (ابوداود)

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ أَللّٰهُمَّ أَصْبَحْنَا نُشْهِدُكَ وَنُشْهِدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَلَائِكَتَكَ وَجَمِيْعَ خَلْقِكَ إِنَّكَ أَنْتَ اللهُ لَاإِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ وَحْدَكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ إِلاَّ غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا أَصَابَهُ فِي يَوْمِهِ ذٰلِكَ مِنْ ذَنْبٍ وَإِنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِي غَفَرَ اللهُ لَهُ مَا أَصَابَهُ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ مِنْ ذَنْبٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص صبح کے وقت یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے وہ تمام گناہ (علاوہ گناہ کبیرہ اور حقوق العباد کے) بخش دیتا ہے جو اس سے اس دن صادر ہوتے ہیں (ترجمہ) اے اللہ ہم نے صبح کی اس حال میں کہ ہم تجھے تیرے عرش کو اٹھانے والوں کو تیرے فرشتوں کو، اور تیری مخلوقات کو گواہ بناتے ہیں اس بات پر کہ تو اللہ ہے تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو یکتا ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اور جو شخص ان کلمات کو شام کے وقت کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام وہ گناہ بخش دیتا ہے جو اس سے اس رات میں صادر ہوتے ہیں''۔ (ترمذی، وابوداود) ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

﴿۱۸﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَقُوْلُ إِذَا أَمْسٰى وَإِذَا أَصْبَحَ ثَلَاثاً رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْناً وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا إِلاَّ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يُرْضِيَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)[3]

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۲۱ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۵۲۶ وابوداؤد: ۴/۳۲۲ [3] اخرجه احمد: والترمذی: ۵/۴۶۵

ترجمہ: اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو مسلمان بندہ شام اور صبح کے وقت تین بار یہ کہے کہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا (ترجمہ) میں اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد کے نبی ہونے پر راضی ہوا (تو اللہ تعالیٰ پر از راہ کرم وفضل) یہ لازم ہوگا کہ وہ قیامت کے دن اس بندہ کو راضی کرے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اتنا ثواب دے گا کہ وہ راضی اور خوش ہو جائے گا)۔ (احمد، ترمذی)

﴿۱۹﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنَامَ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ رَأْسِهِ ثُمَّ قَالَ أَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ أَوْ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَحْمَدُ عَنِ الْبَرَاءِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے (یعنی سونے کے لئے لیٹتے) تو اپنا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے (ترجمہ) اے اللہ مجھے اس دن کے عذاب سے بچایئے جب تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا۔ یا جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا (یعنی قیامت کے دن) یعنی راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے تجمع عبادك کہا یا اس کے بجائے تبعث عبادک کہا۔ (ترمذی) امام احمد نے اس روایت کو براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔

﴿۲۰﴾ وَعَنْ حَفْصَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْقُدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت حفصہ کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے اور تین مرتبہ یہ کہتے اے اللہ: مجھے اس دن کے عذاب سے بچایئے جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا"۔ (ابوداود)

﴿۲۱﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ مَضْجَعِهِ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهِ أَللّٰهُمَّ أَنْتَ تَكْشِفُ الْمَغْرَمَ وَالْمَأْثَمَ أَللّٰهُمَّ لَا يُهْزَمُ جُنْدُكَ وَلَا يُخْلَفُ وَعْدُكَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اپنے سونے کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے ترجمہ: الٰہی میں تیری کریم ذات اور تیرے کامل کلمات کی پناہ لیتا ہوں تیری اس مخلوق کی شر سے جو تیرے قبضہ میں، مولائے کریم! تو ہی قرض کو اتارتا ہے اور گناہ کو معاف کرتا ہے، میرے مولا! تیری فوج کو شکست نہیں دی جا سکتی او تیرے وعدہ میں خلاف نہیں ہو سکتا اور تیرے مقابلہ میں کسی مالدار کو اس کا مال فائدہ نہیں دے سکتا تو پاک ہے مولا تعریف بھی تیرے لئے ہے۔ (ابوداود)

توضیح: "الجد" مال کو کہتے ہیں تو ذالجد سے مراد مالدار آدمی ہے ذالجد اس حدیث میں مفعول بہ واقع ہے

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۴۷۱ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۴۱ [3] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۱۴

"منك" ای بمقابلتك "الجد" یہ لاینفع کا فاعل ہے۔ [1]

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَأْوِيْ إِلٰى فِرَاشِهٖ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ذُنُوْبَهٗ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ أَوْ عَدَدَ رَمْلِ عَالِجٍ أَوْ عَدَدَ وَرَقِ الشَّجَرِ أَوْ عَدَدَ أَيَّامِ الدُّنْيَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جوشخص اپنے بستر پر آکر (یعنی سونے کے وقت) تین مرتبہ یہ کلمات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے چاہے وہ دریا کے جھاگ کے برابر یا عالج کے ریت (کے ذروں) کی تعداد کے برابر یا درخت کے پتوں کے برابر اور یا دنیا کے دنوں کی تعداد کے برابر ہی کیوں نہ ہوں اور وہ کلمات یہ ہیں استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ (یعنی میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں ایسا اللہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور جو زندہ مخلوق کی خبر گیری کرنے والا ہے اور میں اس کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: رمل عالج" یہ ایک جگہ کا نام ہے جہاں ریت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ریت کے ڈھیر لگے ہوئے ہوتے ہیں عالج جب جگہ کا نام مانا جائے تو پھر "رمل" کی اس کی طرف اضافت ہوگی اس حدیث میں لفظ "او" تنویع کے لئے ہے۔ [3]

سوتے وقت قرآن کی کوئی بھی سورت پڑھنے کا ثواب

﴿۲۳﴾ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَأْخُذُ مَضْجَعَهٗ يَقْرَأُ سُوْرَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ إِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا فَلَا يَقْرَبُهٗ شَيْءٌ يُؤْذِيْهِ حَتّٰى يَهُبَّ مَتٰى هَبَّ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [4]

ترجمہ: اور حضرت شداد ابن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو بھی مسلمان اپنی خوابگاہ میں آکر (یعنی سوتے وقت) قرآن کریم کی کوئی سورت پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ متعین کر دیتا ہے (اور اس فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ ضرر پہنچانے والی چیزوں سے اس بندہ کی حفاظت کی جائے) چنانچہ جب تک کہ وہ جاگ نہیں جاتا ضرر ونقصان پہنچانے والی کوئی بھی چیز اس کے پاس پھٹکتی بھی نہیں چاہے وہ جب بھی جاگے۔ (ترمذی)

توضیح: "سورة" یعنی کوئی بھی سورت ہو تعین نہیں لہذا قرآن کی چھوٹی سورت مثلاً سورت کوثر یا سورت اخلاص

[1] المرقات: ۵/۲۲۸ [2] اخرج الترمذی: ۵/۴۷۰ [3] المرقات: ۵/۲۲۹ [4] اخرجه الترمذی: ۵/۴۷۶

وغیرہ پر بھی یہ عظیم فائدہ حاصل ہوسکتا ہے یہ عجیب برکت اور بڑی نعمت ہے جو کم خرچ بالانشین کی قسم سے ہے کہ ہر قسم پہرے دار کا انتظام ہو گیا۔[1]

کم خرچ بالانشین

﴿۲۴﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَّتَانِ لَا يُحْصِيْهِمَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ اَلَا وَهُمَا يَسِيْرٌ وَمَنْ يَعْمَلُ بِهِمَا قَلِيْلٌ يُسَبِّحُ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَيَحْمَدُهٗ عَشْرًا وَيُكَبِّرُهٗ عَشْرًا قَالَ فَأَنَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُهَا بِيَدِهٖ قَالَ فَتِلْكَ خَمْسُوْنَ وَمِائَةٌ بِاللِّسَانِ وَأَلْفٌ وَخَمْسُ مِائَةٍ فِي الْمِيْزَانِ وَإِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهٗ يُسَبِّحُهٗ وَيُكَبِّرُهٗ وَيَحْمَدُهٗ مِائَةً فَتِلْكَ مِائَةٌ بِاللِّسَانِ وَأَلْفٌ فِي الْمِيْزَانِ فَأَيُّكُمْ يَعْمَلُ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ أَلْفَيْنِ وَخَمْسَ مِائَةِ سَيِّئَةٍ قَالُوْا وَكَيْفَ لَا نُحْصِيْهَا قَالَ يَأْتِيْ أَحَدَكُمُ الشَّيْطَانُ وَهُوَ فِيْ صَلَاتِهٖ فَيَقُوْلُ اُذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا حَتّٰى يَنْفَتِلَ فَلَعَلَّهٗ أَنْ لَا يَفْعَلَ وَيَأْتِيْهِ فِيْ مَضْجَعِهٖ فَلَا يَزَالُ يُنَوِّمُهٗ حَتّٰى يَنَامَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ قَالَ خَصْلَتَانِ أَوْ خَلَّتَانِ لَا يُحَافِظُ عَلَيْهِمَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَكَذَا فِيْ رِوَايَتِهٖ بَعْدَ قَوْلِهٖ وَأَلْفٌ وَخَمْسُ مِائَةٍ فِي الْمِيْزَانِ قَالَ وَيُكَبِّرُ أَرْبَعًا وَثَلَاثِيْنَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهٗ وَيَحْمَدُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ وَيُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ وَفِيْ أَكْثَرِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ۔[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں جو بھی مرد مسلمان مداومت کے ساتھ اختیار کرتا ہے وہ جنت میں داخل ہوتا ہے اور جان لو وہ دونوں چیزیں آسان تو بہت ہیں مگر ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق نہ ہونے کے سبب ان پر مداومت کے ساتھ عمل کرنے میں شاذ و نادر ہی ہیں) ان میں سے ایک چیز تو یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ اللہ کو پاکی کے ساتھ یاد کیا جائے یعنی **سبحان اللہ** پڑھا جائے دس مرتبہ خدا کی حمد کی جائے یعنی الحمد للہ کہا جائے اور دس مرتبہ اللہ اکبر کہا جائے''۔ عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیا اور فرمایا پس (پانچوں نمازوں کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے) یہ زبان سے کہنے میں تو ڈیڑھ سو ہیں لیکن (اعمال) کے ترازو میں ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار ہوگی (بایں طور کہ ہر نیکی پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں)

[1] المرقات: ۵/۲۵۰ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۴۷۸ وابوداؤد: ۴/۳۱۸

اور دوسری چیز یہ ہے کہ اپنے بستر پر آکر (یعنی سونے کے وقت) **سبحان اللہ ،اللہ اکبر اور الحمدللہ** سومرتبہ کہے (یعنی **سبحان اللہ** تینتیس بار اور **الحمدللہ** تینتیس بار اور **اللہ اکبر** چونتیس بار کہا جائے ان کی مجموعی تعداد سو ہوتی ہے) اور یہ زبان میں کہنے سے تو سو بار ہیں لیکن میزان اعمال میں ایک ہزار ہوں گی۔ پس تم میں سے وہ کون ہے جو دن رات میں ڈھائی ہزار برائیاں کرتا ہوگا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا (جب یہ بات ہے تو پھر) ہم ان چیزوں کی بھلا کیونکر حفاظت نہ کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز یاد کرو فلاں بات یاد کرو یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہے پس ہوسکتا ہے کہ وہ (ان کلمات پر محافظت نہ کرے) اور اسی طرح شیطان اس کی خوابگاہ میں آتا ہے اس کو سلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ سوجاتا ہے (ترمذی، ابوداود، نسائی) اور ابوداود کی روایت میں بعض الفاظ میں اختلاف ہے چنانچہ ان کی روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "دو خصلتیں ایسی ہیں۔ یا دو (چیزیں) ایسی ہیں (راوی کو شک ہوا کہ آپ ﷺ نے لفظ خصلتین فرمایا تھا یا خلتین ویسے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں) جنہیں جو بھی بندہ مسلمان اختیار کرتا ہے (یعنی اس روایت میں لا تحصیھما رجل مسلم کے بجائے لا یحافظ علیھما عبد مسلم ہے) اسی طرح ابوداود کی روایت میں والف وخمس مائۃ فی المیز ان کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ تکبیر کہے چونتیس بار جب کہ اپنے بستر پر آئے اور حمد کرے تینتیس بار اور تسبیح کرے تینتیس بار نیز مصابیح کے اکثر نسخوں میں یہ روایت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے (یعنی مؤلف مشکوٰۃ نے تو اس روایت کو عبداللہ ابن عمرو بن العاص سے نقل کیا ہے جبکہ مصابیح کے اکثر نسخوں میں اس حدیث کے راوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں)۔

توضیح: **"خصلتان"** یعنی دو خصلت اور دو چیزیں ایسی ہیں کہ جس نے ان کی پابندی اور حفاظت کی تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔ "الا" یہ کلمہ حرف تنبیہ ہے۔[1]

"فی دبر کل صلوۃ" پانچ نمازوں کے بعد ان کلمات کی تعداد ڈیڑھ سو بنتی ہے اس حدیث میں ہے کہ یہ ڈیڑھ سو کلمات وزن اور ثواب میں پندرہ سو کے برابر ہیں اور اگر کسی نے یہی کلمات سوتے وقت ایک سو مرتبہ پڑھ لئے تو وزن اور ثواب میں اس کی تعداد ایک ہزار کے برابر ہوگی اب مجموعی اعتبار سے پڑھے ہوئے کلمات کی تعداد ڈھائی ہزار بن گئی اب حضور اکرم ﷺ نے صحابہ سے بطور استفہام پوچھا کہ تم میں سے کون ہے جو چوبیس گھنٹوں میں ڈھائی ہزار گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس جملہ سے آنحضرت ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ قرآن کے ضابطے کے مطابق ایک نیکی کے ذریعے سے گناہ دھل جاتے ہیں تو ڈھائی ہزار نیکیوں سے ڈھائی ہزار گناہ معاف ہونگے تم میں سے کون شخص ہے جو دن اور رات میں ڈھائی ہزار گناہ کا ارتکاب کرتا ہے؟۔[2]

اس کے جواب میں صحابہ کرام نے **"وکیف لانحصیھا"** کہہ دیا ہے اب سوال یہ ہے کہ یہ جواب کس بات کا ہے اس سے پہلے کلام کے لئے تو یہ جواب نہیں بن سکتا؟۔[3]

[1] المرقات: ۵/۲۵۱، ۲۵۳ [2] المرقات: ۵/۲۵۱ [3] المرقات: ۵/۲۵۱

اس کا جواب ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس طرح دیا ہے کہ درحقیقت یہ جملہ محذوف عبارت کے جواب میں آیا ہے جس میں استفہام انکاری ہے وہ محذوف عبارت اس طرح ہے "فما لکم لا تأتون بھما ولا تحصونھما؟" یعنی تم کو کیا ہو گیا کہ اس کم خرچ بالانشین پر عمل نہیں کرتے ہو اور یہ دو خصلتیں پوری نہیں کرتے ہو؟ صحابہ نے جواب میں فرمایا یہ تو آسان ہے اس کا کرنا کیا مشکل ہے، ہم اس کی حفاظت کیوں نہیں کریں گے اس کے لئے آخر مانع کیا ہے؟

اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ شیطان نماز میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے نمازی جب نماز سے فارغ ہو جاتا ہے تو وہ غفلت کا شکار ہو چکا ہوتا ہے اس طرح وہ یہ کلمات نہیں پڑھ سکتا ہے اسی طرح شیطان آدمی کے پاس سونے کے وقت آجاتا ہے اور اس کو سست بنا کر سلا دیتا ہے تو یہ کلمات رہ جاتے ہیں۔[1]

﴿۲۵﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ غَنَّامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ أَللّٰهُمَّ مَا أَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ فَقَدْ أَدّٰى شُكْرَ يَوْمِهٖ وَمَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ حِيْنَ يُمْسِيْ فَقَدْ أَدّٰى شُكْرَ لَيْلَتِهٖ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن غنام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص صبح کے وقت مذکورہ دعا پڑھے تو اس نے اس دن کا شکر ادا کیا اور جس نے ایسے کلمات شام کے وقت کہے اس نے اس رات کا شکر ادا کیا (شام کے وقت جب یہ دعا پڑھی جائے تو اصبح کی بجائے امسیٰ کہا جائے)۔ (ابوداود)

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ إِذَا أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ أَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْآنِ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ إِقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَأَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ مَعَ اخْتِلَافٍ يَسِيْرٍ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے (حصن حصین میں ہے کہ یہ دعا سوتے وقت لیٹ کر پڑھی جائے)۔ (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ) امام مسلم نے اس روایت کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔

---

[1] المرقات: ۵/۲۵۱ [2] اخرجہ ابوداود: ۴/۳۲۰ [3] اخرجہ ابوداود: ۴/۳۱۴ والترمذی: ۵/۵۱۸

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أَبِي الْأَزْهَرِ الْأَنْمَارِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَضَعْتُ جَنْبِيْ لِلّٰهِ أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَاخْسَأْ شَيْطَانِيْ وَفُكَّ رِهَانِيْ وَاجْعَلْنِيْ فِي النَّدِيِّ الْأَعْلٰى۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابی ازہر انماری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں اپنے بستر پر آتے تو مذکورہ دعا فرماتے۔ (ابوداود)

﴿۲۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَفَانِيْ وَآوَانِيْ وَأَطْعَمَنِيْ وَسَقَانِيْ وَالَّذِيْ مَنَّ عَلَيَّ فَأَفْضَلَ وَالَّذِيْ أَعْطَانِيْ فَأَجْزَلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ أَللّٰهُمَّ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهٗ وَإِلٰهَ كُلِّ شَيْءٍ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں اپنے بستر پر آتے تو مذکورہ دعا پڑھتے۔ (ابوداود)

﴿۲۹﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ شَكَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا أَنَامُ اللَّيْلَ مِنَ الْأَرَقِ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوَيْتَ إِلٰى فِرَاشِكَ فَقُلِ اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظَلَّتْ وَرَبَّ الْأَرَضِيْنَ وَمَا أَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا أَضَلَّتْ كُنْ لِيْ جَاراً مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيْعًا أَنْ يَفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَوْ أَنْ يَبْغِيَ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَالْحَكَمُ بْنُ ظُهَيْرٍ الرَّاوِيْ قَدْ تَرَكَ حَدِيْثَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيْثِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی کہ یارسول اللہ: میں بے خوابی کے سبب رات میں سو نہیں پاتا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم اپنے بستر پر آؤ تو مذکورہ دعا پڑھو"۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد قوی نہیں ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی حکیم ابن ظہیر کی روایت کو بعض محدثین نے ترک کر دیا ہے۔

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۱۴ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۱۵ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۵۸۳

﴿۳۰﴾ عَنْ أَبِي مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَصْبَحَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ فَتْحَهُ وَنَصْرَهُ وَنُوْرَهُ وَبَرَكَتَهُ وَهُدَاهُ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَافِيْهِ وَمِنْ شَرِّ مَابَعْدَهُ ثُمَّ إِذَا أَمْسٰى فَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب صبح ہو تو تم میں سے ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ مذکورہ دعا پڑھے اور پھر جب شام ہو تو اسی طرح یہ دعا پڑھے''۔ (ابوداود)

﴿۳۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَبِيْ يَاأَبَتِ أَسْمَعُكَ تَقُوْلُ كُلَّ غَدَاةٍ أَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَدَنِيْ أَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ سَمْعِيْ أَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَصَرِيْ لَاإِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ تُكَرِّرُهَا ثَلَاثاً حِيْنَ تُصْبِحُ وَثَلَاثاً حِيْنَ تُمْسِيْ, فَقَالَ يَابُنَيَّ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْبِهِنَّ فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَسْتَنَّ بِسُنَّتِهِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ابوبکرہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب سے کہا کہ ابا جان میں سنتا ہوں آپ روزانہ مذکورہ دعا پڑھتے ہیں اور آپ ﷺ یہ دعا تین مرتبہ صبح کے وقت اور تین مرتبہ شام کے وقت پڑھتے ہیں انہوں نے کہا میرے بیٹے: میں نے رسول کریم ﷺ کو انہی کلمات کے ذریعے دعا مانگتے سنا ہے لہٰذا میں اسے پسند کرتا ہوں کہ آنحضرت کی سنت کی پیروی کروں۔ (ابوداود)

﴿۳۲﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصْبَحَ قَالَ أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْكِبْرِيَاءُ وَالْعَظْمَةُ لِلّٰهِ وَالْخَلْقُ وَالْأَمْرُ وَاللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَمَاسَكَنَ فِيْهِمَا لِلّٰهِ أَللّٰهُمَّ اجْعَلْ أَوَّلَ هٰذَا النَّهَارِ صَلَاحاً وَأَوْسَطَهُ نَجَاحاً وَآخِرَهُ فَلَاحاً يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ذَكَرَهُ النَّوَوِيُّ فِيْ كِتَابِ الْأَذْكَارِ بِرِوَايَةِ ابْنِ السُّنِّيِّ.

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب صبح ہوتی تو رسول کریم ﷺ مذکورہ دعا پڑھتے صبح کی میں نے اور صبح کی ملک نے جو خدا کے لئے ہے تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں اور بزرگی ذات وصفات کی خدا ہی کے لئے ہے اور حکم

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۲۲ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۲۶

دن اور رات اور چیزیں دن، رات میں آرام پاتی ہیں سب خدا ہی کے لئے ہیں اے اللہ اس دن کے ابتدائی حصہ کو نیکی کا بنا یعنی یہ کہ ہم اسے طاعات میں صرف کریں اور اس کا درمیانی حصہ حاجات کے پورا ہونے کا اور اس کے آخری حصہ کو نجات کا سبب بنا اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔ اس حدیث کو نووی نے ابن سنی کی روایت کے ساتھ کتاب الاذکار میں نقل کیا ہے۔

﴿۳۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبْزٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا أَصْبَحَ أَصْبَحْنَا عَلٰى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ وَعَلٰى دِيْنِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى مِلَّةِ أَبِيْنَا إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ابزی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت یہ فرماتے:

أصبحنا على فطرة الإسلام وكلمة الإخلاص وعلى دين نبينا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلى ملة أبينا إبراهيم حنيفا وما كان من المشركين۔

صبح کی ہم نے دین اسلام پر اور کلمۂ توحید پر کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر اور اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر جو باطل سے بیزار ہو کر دین حق کی طرف متوجہ تھے اور ابراہیم علیہ السلام شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔ (احمد، دارمی)

[1] اخرجه احمد: ۳/۴۰۶، ۴۰۷ والدارمی: ۲۶۹۱

باب الدعوات فی الاوقات

مختلف اوقات کی دعائیں

جب دعائیں شارع کی جانب سے کسی وقت کے ساتھ مقید ہیں تو اس کو اسی وقت میں بجالانا ضروری ہے تاکہ اس کی خاص تاثیر ہو مناجات مقبول جو حضرت تھانوی نے اکٹھا کیا ہے ایک بہترین کتابچہ ہے جس میں ہفتہ وار دعاؤں کے لئے الگ الگ منازل رکھے گئے ہیں عمدہ ترچیز ہے نہایت جامع ہے ہر عالم اور ہر طالب علم کے پاس رہنا چاہئے۔

جماع کے وقت کی دعا

﴿۱﴾ عن ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْأَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ أَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا فَإِنَّهٗ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِيْ ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَيْطَانٌ أَبَداً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا ”جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے پاس صحبت کے لئے آئے تو دعا پڑھے اگر اس وقت (ان دونوں) مرد عورت کے جماع کے نتیجہ میں فرزند دیا جانا مقدر ہوا (یعنی بچہ پیدا ہوا) تو اس (بچہ) کو شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچائے گا اور وہ دعا یہ ہے **بسم الله اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان مارزقتنا** ہم مدد چاہتے ہیں اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ تو ہمیں جو اولا د نصیب کرے اسے شیطان سے اور شیطان کو اس سے دور رکھ۔

شدت غم کے وقت کی دعا

﴿۲﴾ وعنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ الْكَرْبِ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَاإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ شدت فکر وغم کے وقت یہ دعا پڑھتے **لااله الاالله العظيم الحليم لااله الاالله رب العرش العظيم لااله الاالله رب السموات ورب الارض ورب العرش الكريم** نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جو بزرگ اور بردبار ہے نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جو پروردگار ہے عرش

[1] اخرجه البخاري: ۱/۳۸ ومسلم: ۱/۶۰۶ [2] اخرجه البخاري: ۷۰۰، ۷۰۲ ومسلم: ۲/۳۸۴

عظیم کا نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جو پروردگار ہے آسمانوں کا پروردگار ہے زمین کا اور پروردگار ہے عرش کریم کا۔

غصہ کم کرنے کی ترکیب

﴿۳﴾ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوْسٌ وَأَحَدُهُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغْضَباً قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَقَالُوْا لِلرَّجُلِ لَا تَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي لَسْتُ بِمَجْنُوْنٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سلیمان بن صرف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک (دن) ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں دو آدمی آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے ان میں سے ایک آدمی تو دوسرے کو بہت ہی برا بھلا کہہ رہا تھا وہ غصہ میں بھرا ہوا تھا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا نبی کریم ﷺ نے (اس کی یہ کیفیت دیکھ کر) فرمایا کہ ''میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص اس کلمہ کو پڑھے تو اس کا غصہ جاتا رہے جو اس پر سوار ہے اور وہ کلمہ یہ ہے **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** (میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب یہ دیکھا کہ اس شخص نے یہ کلمہ نہیں پڑھا) تو اس سے کہا کہ کیا تم سن نہیں رہے ہو، آنحضرت ﷺ کیا فرما رہے ہیں؟ اس شخص نے کہا کہ ''میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں'۔ (بخاری ومسلم)

''انی لست بمجنون'' یعنی تعوذ من الشیطان مجانین کا کام ہے میں مجنون نہیں ہوں، یہ شخص کوئی منافق تھا یا کوئی اجڈ جٹ آدمی تھا جو معاشرہ کے آداب سے واقف نہیں تھا حالانکہ جو رویہ اس نے اختیار کیا وہ خود بتا رہا ہے کہ مجنون تو تھا غصہ میں آپے سے باہر ہو جانا یہ بھی تو جنون کا ایک شعبہ ہے۔[2]

مرغ کی آذان کیوں اور گدھے کا ڈینچوں ڈینچوں کیوں؟

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ فَاسْأَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنَّهَا رَأَتْ مَلَكاً وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيْقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ رَأَى شَيْطَاناً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب تم مرغ کو بانگ دیتے سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ وہ فرشتے کو دیکھتا ہے۔ اور جب گدھے کا رینکنا (چلّانا) سنو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے''۔ (بخاری ومسلم)

[1] اخرجه البخاری: ۸/۱۹ ومسلم: ۲/۴۴۰ [2] المرقات: ۵/۲۶۷ [3] اخرجه البخاری: ۴/۱۵۵ ومسلم: ۲/۴۸۴

دعائے سفر

﴿۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجاً إِلَى السَّفَرِ كَبَّرَ ثَلَاثاً ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ أَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ فِيْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى أَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَأَطْوِلَنَا بُعْدَهٗ أَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْمَالِ وَالْأَهْلِ وَإِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيْهِنَّ آيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب سفر کے لئے نکلتے اور اونٹ پر سوار ہو جاتے تو پہلے تین بار اللہ اکبر پڑھتے اور پھر مذکورہ دعا پڑھتے جس کا ترجمہ یہ ہے پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارا تابعدار بنایا جبکہ ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور بلاشبہ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اے اللہ: ہم مانگتے ہیں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقوی اور ایسا عمل جس سے تو راضی ہوتا ہے (یعنی اسے قبول کرتا ہے) اے پروردگار: آسان کر دے ہمارے لئے ہمارے اس سفر کو اور لپیٹ دے ہمارے لئے اس کی درازی کو (یعنی سفر کی طوالت کو جلد ختم کر دے) اے اللہ: سفر میں تو ہی ہمارا نگہبان ہے اور ہمارے گھر والوں کو تو ہی خبر گیراں ہے اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت سے اور بری حالت دیکھنے سے (یعنی اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے اہل وعیال اور اپنے اسباب و مال میں نقصان دیکھ کر غمگین ہوں اور اس سے بری حالت ہو) اور واپسی کی برائی سے اپنے گھر والوں اور اپنے مال میں (یعنی اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ سفر سے واپس آنے کے بعد اپنے گھر والوں اور اپنے مال میں کوئی نقصان دیکھوں اور اس کی وجہ سے رنج اٹھاؤں)۔ جب آپ ﷺ سفر سے واپس ہوتے تو یہی دعا پڑھتے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ کرتے ہم سفر سے پھرنے والے ہیں سلامتی کے ساتھ اپنے وطن کو، توبہ کرنے والے ہیں اپنے رب کی عبادت کرنے والے ہیں اور تعریفیں کرنے والے ہیں۔ (مسلم)

توضیح: "**وعثا**" شدت و مشقت کو وعثا کہتے ہیں خاص کر جب کیچڑ میں چلنا دشوار ہو[2] "**کآبة المنظر**" کبب باب سمع سے ایسے ناقابل برداشت غم کو کہتے ہیں جو کمر کو توڑ کر رکھدے[3] "**المنظر**" مصدر میمی ہے نظر کے معنی میں ہے یعنی ایسی حالت سے بچا جسے دیکھ کر ناقابل برداشت غم پہنچ جائے[4] "**سوء المنقلب**" منقلب بھی مصدر میمی ہے انقلاب اور لوٹنے کے معنی میں ہے **ای من سوء الرجوع بان یصیبنا حزن او مرض**، یعنی گھر لوٹنے کے بعد کوئی ایسی صورت پیش نہ آئی ہو جسے دیکھ کر پریشانی لاحق ہو یا گھر لوٹنے کی صورت ایسی ہو کہ سفر میں نقصان ہوا ہو سامان گم

[1] اخرجه مسلم: ۴۳۳/۱ [2] المرقات: ۵/۲۷۲ [3] المرقات: ۵/۲۷۲ [4] المرقات: ۵/۲۷۲

ہوا یا تجارت میں نقصان ہوا۔[۱]

"آئبون" ای راجعون من السفر الی اوطاننا۔ "تائبون" من المعصیة الی الطاعة۔[۲]

﴿۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ يَتَعَوَّذُ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَدَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن سرجس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب سفر کرتے تو پناہ مانگتے، سفر کی مشقت اور محنت سے واپسی سے بری حالت سے (اعمال صالح اور اہل و مال میں) زیادتی کے بعد نقصان سے، مظلوم کی بددعا سے اور واپس آکر اہل و مال کو بری حالت میں دیکھنے سے"۔ (مسلم)

توضیح: "کآبة المنقلب" اس حدیث میں یہ کلمہ اس طرح ہے مگر اس سے پہلے حدیث ۶ میں یہ کلمہ کآبة المنظر کے الفاظ میں مذکور ہے اور سؤ المنقلب کے الفاظ بھی ہیں لیکن یہ سارے الفاظ معنی کے اعتبار سے قریب قریب ہیں کوئی فرق نہیں ہے وہاں اور یہاں کی وضاحت ایک جیسی ہے۔[۴]

"والحور بعد الکور" دونوں لفظوں میں حا اور کاف پر فتحہ ہے اور واؤ ساکن ہے اصل میں کور پگڑی باندھنے اور پیچ کو کہتے ہیں اور حور اس کے کھولنے کے معنی میں ہے یہاں مراد ترقی سے تنزل کی طرف جانے سے پناہ مانگی گئی ہے۔ تو کور زیادت اور اصلاح کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور حور فساد اور نقصان کے لئے استعمال کیا گیا ہے یہ کہ زیادت کے بعد نقصان کی طرف اور اصلاح کے بعد فساد کی طرف آنے سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔[۵]

﴿۷﴾ وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلًا فَقَالَ أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْءٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهِ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۶]

ترجمہ: اور حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول کریم ﷺ فرماتے تھے "جو شخص کسی نئی جگہ (خواہ سفر کی حالت میں یا حضر میں) آئے اور پھر یہ کلمات کہے تو اس کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی یہاں تک کہ وہ اس جگہ سے کوچ کرے۔ (اور وہ کلمات یہ ہیں) **اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق** پناہ مانگتا ہوں میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات (یعنی اس کے اسماء و صفات یا اس کی کتابوں) کے ذریعہ اس چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی ہے۔

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

[۱] المرقات: ۵/۲۷۲ [۲] المرقات: ۵/۲۷۲ [۳] اخرجه مسلم: ۱/۵۶۳
[۴] المرقات: ۵/۲۷۲ [۵] المرقات: ۵/۲۷۲ [۶] اخرجه البخاری: ۵۸،۵۷

مَالَقِيتُ مِنْ عَقْرَبٍ لَدَغَتْنِي الْبَارِحَةَ قَالَ أَمَا لَوْ قُلْتَ حِينَ أَمْسَيْتَ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ تَضُرَّكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا "یارسول اللہ: میں ایک بچھو کی وجہ سے کس قدر اذیت میں مبتلا ہوگیا ہوں؟۔ جس نے گزشتہ رات میں مجھے ڈس لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جان لو: اگر تم شام کے وقت یہ کلمات کہہ لیتے تو (بچھو) تمہیں ضرر نہ پہنچا تا اور وہ کلمات یہ ہیں) اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق۔ (مسلم)

﴿۹﴾ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا كَانَ فِي سَفَرٍ وَأَسْحَرَ يَقُولُ سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللهِ وَحُسْنِ بَلَائِهِ عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَأَفْضِلْ عَلَيْنَا عَائِذاً بِاللهِ مِنَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو بوقت سحر یہ کہتے۔ سنی سننے والے نے خدا کی تعریف کو جو میں نے کی اور اس کی نعمتوں کی خوبی کے اقرار کو جو میں نے کیا، اے ہمارے پروردگار ہماری نگہبانی اور فضل فرما (ہم) دوزخ کی آگ سے خدا کی پناہ مانگتے ہوئے۔ (مسلم)

توضیح: "واسحر" یعنی سحر کے وقت میں داخل ہوجاتے[3] "سمع سامع" یہ صیغہ ماضی کا ہے لیکن امر کے معنی میں ہے "ای لِيَسْمَعْ سامع" یعنی چاہیئے کہ سننے والا سنے اور جس نے سن لیا وہ گواہ بن جائے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔[4]

"بحمد اللہ" ای بحمد اللہ یعنی ہم نے جو تعریف اللہ تعالیٰ کی ادا کی[5] "وحسن بلائہ" ای باعترافنا بحسن انعامہ۔ یعنی ہم اس کے بہترین احسان کا اعتراف کرتے ہیں۔[6]

"ربنا" یہ منادی واقع ہے حرف ندا محذوف ہے ای یاربنا "صاحبنا" امر کا صیغہ ہے یعنی ہماری حفاظت فرما اور ہماری مدد فرما[7] "وافضل" ای تفضل علینا بادامۃ النعمۃ۔ نعمت کو دائم رکھنے میں ہم پر احسان فرما۔[8]

"عائذا باللہ" یہ حال واقع ہے اور کلام رسول میں سے ہے ای اقول عائذاً باللہ من النار۔ یعنی ہم دوزخ کی آگ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔[9]

حج عمرہ یا جہاد سے واپسی کی دعا

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ

[1] اخرجه مسلم: ۲/۳۴۷ [2] اخرجه مسلم: ۲/۳۸۰ [3] المرقات: ۵/۲۷۶ [4] المرقات: ۵/۲۷۷
[5] المرقات: ۵/۲۷۷ [6] المرقات: ۵/۲۷۷ [7] المرقات: ۵/۲۷۸ [8] المرقات: ۵/۲۷۸ [9] المرقات: ۵/۲۷۸

يُكَبِّرُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ مِنَ الْأَرْضِ ثَلَاثَ تَكْبِيْرَاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ آيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب جہاد یا حج یا عمرہ سے واپسی کے سفر میں ہوتے تو ہر بلند جگہ پر چڑھتے ہوئے پہلے تین مرتبہ تکبیر (اللہ اکبر) کہتے اور پھر مذکورہ کلمات کہتے جس کا ترجمہ یہ ہے اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ان کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ہم (اپنے وطن کی طرف) واپس ہونے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں (اللہ کی) عبادت کرنے والے ہیں (اللہ ہی کے آگے) سر جھکانے والے ہیں، اور اپنے پروردگار کی تعریف کرنے والے ہیں اللہ نے (دین کو پھیلانے کا) وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ (محمد ﷺ) کی مدد کی اور کفار کے گروہوں کو تنہا شکست دی۔ (بخاری ومسلم)

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفٰى قَالَ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ أَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ أَللّٰهُمَّ اهْزِمِ الْأَحْزَابَ أَللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جنگ احزاب کے دن مشرکین کے لئے بددعا فرمائی چنانچہ آپ ﷺ بارگاہ حق میں یوں عرض رساں ہوئے "اے اللہ نازل کرنے والے کتاب کے اور جلد لینے والے حساب کے، اے اللہ کفار کے گروہ کو شکست دے اے اللہ ان کو شکست دے اور ان کو ہلا کے رکھ دے (یعنی ان کو مقابلہ میں جمنے نہ دے)۔ (بخاری ومسلم)

مہمان سے دعا کا مطالبہ کرنا

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَبِيْ فَقَرَّبْنَا إِلَيْهِ طَعَاماً وَوَطْبَةً فَأَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ أُتِيَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَأْكُلُهُ وَيُلْقِي النَّوٰى بَيْنَ أُصْبَعَيْهِ وَيَجْمَعُ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى، وَفِيْ رِوَايَةٍ فَجَعَلَ يُلْقِي النَّوٰى عَلٰى ظَهْرِ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى ثُمَّ أُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهُ فَقَالَ أَبِيْ وَأَخَذَ بِلِجَامِ دَابَّتِهِ أُدْعُ اللّٰهَ لَنَا فَقَالَ أَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

---

[1] اخرجه البخاري: ۳/۸ ومسلم: ۱/۵۶۴ [2] اخرجه البخاري: ۴/۵۳ ومسلم: ۲/۷۲ [3] اخرجه مسلم: ۲/۲۱۴

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن بسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد کے پاس بطور مہمان تشریف لائے چنانچہ ہم نے کھانا اور (مالیدہ کی مانند ایک چیز) آپ کی خدمت میں پیش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرمایا پھر خشک کھجور پیش کی گئی آپ کھجور کھاتے اور اس کی گٹھلی (بائیں ہاتھ کی) انگلیوں کے درمیان ڈالتے جاتے اور اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شہادت کی اور بیچ کی انگلی یک جا کئے ہوئے تھے۔ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (بائیں ہاتھ کی) اپنی دونوں انگلیوں یعنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی پشت پر گٹھلیاں ڈالتے جاتے تھے بہرکیف اس کے بعد پانی پیش کیا گیا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا پھر میرے والد نے جو آپ کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے تھے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا فرمایئے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی **اللهم بارك لهم فيما رزقتهم واغفر لهم وارحمهم** اے اللہ تعالیٰ: انہیں جو کچھ روزی رزق دیا ہے اس میں برکت فرما ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما۔ (مسلم)

توضیح: "النوی" نواۃ کی جمع ہے گٹھلی کو کہتے ہیں [۱] "**بين اصبعيه**" دو روایتوں میں الگ الگ انداز بیان کیا گیا ہے کہ کبھی آنحضرت کھجور کی گٹھلیاں اور دو انگلیوں کے درمیان ڈال کر دبائے رکھتے تھے اور کبھی دو انگلیوں کی پشت پر گٹھلیاں رکھتے تھے تو الگ اوقات میں الگ الگ کام کیا ہے تعارض نہیں باقی یہ طرز آپ نے اس لئے اختیار کیا کہ شاید گٹھلی پھینکنے کی جگہ نہ تھی اور اگر آپ ہتھیلی میں رکھتے تو پورا ہاتھ لعاب آلود ہو جاتا۔ [۲]

"**بلجام**" یعنی از راہ بے تکلفی صحابی نے لگام پکڑ کر دعا کی درخواست کی آپ نے دعا فرمائی یہ سب امور مسنون ہیں۔ [۳]

الفصل الثانی

چاند دیکھنے کے وقت کی دعا

﴿۱۳﴾ عن طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَأَى الْهِلَالَ قَالَ أَللّٰهُمَّ أَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْأَمْنِ وَالْإِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْإِسْلَامِ رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللهُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ) [۴]

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہلال (چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے اے اللہ طلوع فرما اور دکھا ہم کو یہ چاند امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ (اے چاند) میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔ (امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: اسلامی مہینہ کی پہلی دوسری اور تیسری تاریخ کے چاند کو ہلال کہتے ہیں اس کے بعد قمر کا اطلاق ہوتا ہے تیرہ چودہ پندرہ کے ایام کے چاند کو بدر کہتے ہیں اس کے بعد پھر قمر کہلاتا ہے۔ اسلام چونکہ توحید کا علمبردار مذہب ہے اس لئے

---

[۱] المرقات: ۵/۲۸۱ [۲] المرقات: ۵/۲۸۱ [۳] المرقات: ۵/۲۸۲ [۴] اخرجه الترمذی: ۵/۵۰۴

اس نے ہر موقع پر توحید کا درس دیا ہے چاند ایک آب و تاب والا کرہ ہے بہت سارے لوگ اس کی پوجا کرتے ہیں اسلام نے پہلی کے چاند کے موقع پر توحید کا اقرار کروایا ہے۔[1]

مبتلائے مصیبت کو دیکھ کر پڑھی جانے والی دعا

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَجُلٍ رَأَى مُبْتَلًى فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ عَافَانِيْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِيْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا إِلَّا لَمْ يُصِبْهُ ذٰلِكَ الْبَلَاءُ كَائِنًا مَا كَانَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَه عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَمْرُو ابْنُ دِيْنَارٍ الرَّاوِيْ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمر ابن خطاب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص کسی مبتلاء مصیبت کو دیکھے اور دیکھ کر یہ دعا پڑھے (یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو اس چیز سے بچایا جس میں تجھے مبتلا کیا اور فضیلت بخشی اپنی بہت سی مخلوقات پر) تو وہ اس مصیبت میں مبتلا نہیں ہوگا وہ جو بھی مصیبت ہو''۔ (ترمذی) اس روایت کو ابن ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے یہ حدیث غریب ہے اور (اس کے ایک راوی عمرو بن دینار قوی نہیں ہیں۔

توضیح: بیمار مبتلائے مصیبت کے پاس یہ دعا پڑھی جاتی ہے تا کہ انسان اپنی صحت و عافیت کا شکر ادا کر سکے لیکن علماء نے لکھا ہے کہ بیمار وغیرہ کے پاس یہ دعا آہستہ پڑھی جائے بیمار کو نہ سنائے کہ ایذاء نہ ہو۔

بازار میں پڑھنے کی دعا

﴿۱۵﴾ وَعَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ أَلْفَ أَلْفِ حَسَنَةٍ وَمَحٰى عَنْهُ أَلْفَ أَلْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهٗ أَلْفَ أَلْفِ دَرَجَةٍ وَبَنٰى لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ مَنْ قَالَ فِيْ سُوْقٍ جَامِعٍ يُبَاعُ فِيْهِ بَدَلَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص بازار میں پہنچ کر یہ کلمات پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اس سے دس لاکھ برائیاں دور کرتا ہے، اس کے لئے دس لاکھ درجے بلند کرتا ہے اور اس

[1] المرقات: ۵/۲۸۳ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۴۹۳ وابن ماجه: ۲/۱۲۸۱ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۴۹۱ وابن ماجه: ۲/۷۵۲

کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے ان کلمات کا ترجمہ یہ ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے بادشاہت ہے اور اس کے لئے تعریف ہے وہ زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے وہ (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے) زندہ ہے اس کے لئے موت نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی عنہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے نیز شرح السنۃ میں من دخل السوق (جو شخص بازار میں پہنچ کر) کی بجائے یہ ہے **من قال فی سوق جامع یباع فیه** (جو شخص بازار میں جہاں خرید وفروخت ہوتی ہو یعنی جہاں اکثر چیزیں بکتی ہوں یہ کلمات کہے)۔

مصیبت آنے سے پہلے صبر نہ مانگو

﴿۱۶﴾ وَعَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً يَدْعُوْ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْأَلُكَ تَمَامَ النِّعْمَةِ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ تَمَامُ النِّعْمَةِ قَالَ دَعْوَةٌ أَرْجُوْ بِهَا خَيْراً فَقَالَ اِنَّ مِنْ تَمَامِ النِّعْمَةِ دُخُوْلَ الْجَنَّةِ وَالْفَوْزَ مِنَ النَّارِ وَسَمِعَ رَجُلاً يَقُوْلُ يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ فَقَالَ قَدِاسْتُجِيْبَ لَكَ فَسَلْ وَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْأَلُكَ الصَّبْرَ فَقَالَ سَأَلْتَ اللّٰهَ الْبَلَاءَ فَاسْأَلْهُ الْعَافِيَةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دعا مانگتے سنا جو اس طرح کہہ رہا تھا، اے اللہ: میں تجھ سے پوری نعمت مانگتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''پوری نعمت کیا چیز ہے؟ اس شخص نے کہا ''یہ دعا ہے جس کے ذریعہ میں زیادہ بھلائی کے حصول کی امید رکھتا ہوں''۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے نجات پانا پوری نعمت ہے''۔ نیز آپ ﷺ نے ایک شخص کو دعا مانگتے سنا جو بارگاہ حق میں (ان الفاظ کے ذریعہ) عرض رساں تھا **یاذا الجلال والاکرام** (یعنی اے بزرگی اور بخشش کے مالک) آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہاری دعا قبول کی گئی لہٰذا جو مانگنا ہو' مانگ لو'۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے سنا ایک شخص یہ دعا مانگ رہا تھا ''اے اللہ: میں تجھ سے صبر مانگتا ہوں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم تو اللہ تعالیٰ سے بلاء مانگ رہے ہو۔ حالانکہ چاہیے کہ تم اس سے عافیت مانگو''۔ (ترمذی)

توضیح: مصیبت کے آنے سے پہلے جو آدمی یہ دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ مجھے صبر عطا فرما تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مصیبت مانگ رہا ہے کیونکہ مصیبت کے بعد صبر کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس سے روکا گیا اکثر لوگ اپنے ناموں کے ساتھ آخر میں صابر لگاتے ہیں اس میں بھی نقصان ہے۔

مجلس کا کفارہ

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا فَكَثُرَ فِيْهِ

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۵۴۱

لَغَطُهُ فَقَالَ قَبْلَ أَنْ يَقُوْمَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا كَانَ فِيْ مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص کسی ایسی مجلس میں شریک ہو جہاں بے فائدہ باتیں ہو رہی ہوں اور وہ وہاں سے اٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھے تو اس مجلس میں جو کچھ ہوا وہ اس کے لئے بخشد یا جاتا ہے (دعا کا ترجمہ یہ ہے) یعنی تو پاک ہے اے الٰہی اور تیری تعریف کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور میں تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں''۔ (ترمذی بیہقی)

سوار ہونے کی دعا

﴿۱۸﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ أُتِيَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الرِّكَابِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَلَمَّا اسْتَوٰى عَلٰى ظَهْرِهَا فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِيْنَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلَاثاً وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ثَلَاثاً سُبْحَانَكَ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ ثُمَّ ضَحِكَ فَقِيْلَ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ إِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهِ إِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ يَقُوْلُ اللّٰهُ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ غَيْرِيْ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) ان کی خدمت میں (سواری کا) جانور لایا گیا تا کہ وہ اس پر سوار ہوں چنانچہ انہوں نے اپنا پاؤں رکاب میں ڈالا (یعنی سوار ہونے کے لئے رکاب میں پاؤں ڈالنے کا ارادہ کیا) تو کہا ''بسم اللہ'' پھر جب اس کی پیٹھ پر چڑھے تو کہا ''الحمد للہ'' یعنی سواری کی نعمتوں اور اس کے علاوہ دوسری نعمتوں پر اللہ کا شکر ہے''۔ اور پھر یہ کلمات پڑھے **سبحان الذی سخرلنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون** (یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اس جانور کو ہمارا تابعدار کیا جبکہ ہمیں اس کی طاقت حاصل نہیں تھی اور بلاشبہ ہم اپنے پروردگار کی طرف ضرور لوٹ کر جانے والے ہیں) اس کے بعد انہوں نے تین مرتبہ الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہہ کر یہ پڑھا **سبحانک انی ظلمت نفسی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت** (یعنی اے پروردگار تو پاک ہے، بیشک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے پس تو مجھے بخش دے بلاشک گناہوں کو تیرے علاوہ کوئی بخشنے والا نہیں ہے) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنسے ان سے پوچھا گیا کہ ''امیر المومنین: آپ کیوں ہنسے ہیں'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا

---

[1] اخرجہ الترمذی: ۵/۴۹۴ [2] اخرجہ احمد: ۱/۹۷ والترمذی: ۵/۵۰۱ وابوداؤد: ۳/۳۵

جس طرح میں نے کیا اور پھر آپ ﷺ ہنسے میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ: آپ کس چیز کی وجہ سے ہنسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا پروردگار: اپنے بندہ سے راضی ہوتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار میرے لئے میرے گناہوں کو بخش دے۔ چنانچہ جب بندہ پروردگار سے بخشش چاہتا ہے تو پروردگار فرماتا ہے کہ یہ بندہ جانتا ہے کہ گناہوں کو میرے سوا کوئی نہیں بخشتا۔
(احمد، ترمذی، ابوداود)

الوداع کرتے وقت کی دعا

﴿۱۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَدَّعَ رَجُلاً أَخَذَ بِيَدِهٖ فَلَا يَدَعُهَا حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ هُوَ يَدَعُ يَدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقُوْلُ أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَآخِرَ عَمَلِكَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه، وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا لَمْ يُذْكَرْ وَآخِرَ عَمَلِكَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی شخص (مسافر) کو رخصت کرتے تو آپ ﷺ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لیتے اور اس کے ہاتھ کو اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک کہ وہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک کو نہ چھوڑ دیتا (یعنی آپ ﷺ بسبب حسن اخلاق وتواضع ایسا کرتے) اور پھر فرماتے **استودع الله دينك وامانتك واخر عملك** (ترجمہ) میں نے تیرا دین، تیری امانت اور تیرا آخری عمل اللہ کے سپرد کیا (یعنی میں تیرے دین اور تیری امانت کی حفاظت کا طلبگار رہوں اور خدا کرے تیرا خاتمہ بخیر ہو) اور ایک روایت میں **واخر عملك** کی بجائے **وخواتيم عملك**) ہے یعنی تیرے آخری اعمال بھی اللہ کے سپرد کرتا ہوں (دونوں کا مطلب ایک ہی ہے) اس روایت کو ترمذی، ابوداود اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے لیکن ابوداود اور ابن ماجہ کی روایتوں میں **واخر عملك** کے الفاظ نہیں ہیں)۔

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ الْخَطْمِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ قَالَ أَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكُمْ وَأَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ أَعْمَالِكُمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ خطمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب لشکر کو رخصت کرنے کا ارادہ فرماتے تو دعا فرماتے کہ میں نے تمہارا دین تمہاری امانت اور تمہارا آخری عمل اللہ کو سونپا"۔ (ابوداود)

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنِّيْ أُرِيْدُ سَفَراً فَزَوِّدْنِيْ فَقَالَ زَوَّدَكَ اللهُ التَّقْوٰى قَالَ زِدْنِيْ قَالَ وَغَفَرَ ذَنْبَكَ قَالَ زِدْنِيْ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ قَالَ يَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[3]

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۴۹۹ وابوداؤد: ۳/۳۴ [2] اخرجه ابوداؤد: ۳/۳۴ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۵۰۰

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سفر میں روانہ ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے توشہ عنایت فرمائیے (یعنی میرے لئے دعا فرمائیے) تا کہ اس کی برکت سفر میں توشہ کی مانند میرے ساتھ ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تقویٰ کو تمہارا توشہ بنائے (یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں پرہیزگاری نصیب کرے کہ یہ راہ آخرت کا توشہ ہے) اس نے عرض کیا میرے لئے مزید کوئی دعا کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخشے" اس نے عرض کیا کہ "آپ پر میرے ماں باپ قربان میرے لئے مزید کوئی دعا کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم جہاں کہیں بھی رہو اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی بھلائی کو تمہارے لئے آسان کرے اور اس کی توفیق بخشے"۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَجُلاً قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنِّي أُرِيْدُ أَنْ أُسَافِرَ فَأَوْصِنِي قَالَ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ وَالتَّكْبِيْرِ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ فَلَمَّا وَلَّى الرَّجُلُ قَالَ أَللّٰهُمَّ اطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں سفر میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا سے ڈرنے کو اور (راہ سفر میں) ہر بلند جگہ اللہ اکبر کہنے کو اپنے اوپر لازم کرو"۔ پھر جب وہ شخص (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اللہ اس کے لئے سفر کی درازی کو لپیٹ دے (یعنی اس کی دراز مسافت کو مختصر فرما کر سفر کی مشقتوں کو دور کر دے) اور اس کے سفر کے تمام امور کو اس پر آسان کر دے۔ (ترمذی)

سفر میں رات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

﴿۲۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ فَأَقْبَلَ اللَّيْلُ قَالَ يَاأَرْضُ رَبِّي وَرَبُّكِ اللهُ أَعُوْذُبِاللهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَافِيْكِ وَشَرِّ مَاخُلِقَ فِيْكِ وَشَرِّ مَايَدِبُّ عَلَيْكِ وَأَعُوْذُبِاللهِ مِنْ أَسَدٍ وَأَسْوَدَ وَمِنَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِ الْبَلَدِ وَمِنْ وَالِدٍ وَمَا وَلَدَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور رات آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ اے زمین میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں تیری برائی سے (مثلاً خسف وغیرہ سے) اور اس چیز کی برائی سے جو تیرے اندر ہے (جیسے پانی یا تجھ سے پیدا ہونے والی ایسی بوٹی وغیرہ جو کسی کو ہلاک کر دے) اور اس چیز کی برائی سے جو تجھ میں

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۵۰۰ [2] اخرجه ابوداود: ۳/۳۵

پیدا کی گئی ہے (جیسے زہریلے جانور اور ہلاک کردینے والی چیزیں) اور ان چیزوں کی برائی سے جو تجھ پر چلتی پھرتی ہیں (جیسے حشرات الارض اور حیوانات جو ضرر پہنچاتے ہیں) اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیر سے، کالے سانپ سے دوسرے قسم کے سانپوں سے اور بچھو سے اور آبادی میں رہنے والوں کی برائی سے (بعض حضرات کہتے ہیں کہ ان سے مراد جنات ہیں جو ہر آبادی اور ہر زمین میں رہتے ہیں) اور جننے والے کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے کہ جنا گیا (یعنی ابلیس لعین اور اس کی اولاد کی شر سے یا ہر جننے والے اور اس کی اولاد کی شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ (ابوداود)

توضیح: "یدب علیك" یعنی جو چیزیں تجھ پر چلنے والی ہیں۔[1]

"**من اسد واسود**" اسد شیر کو کہتے ہیں اور اسود کالے بڑے سانپ کو کہتے ہیں جو خبیث تر ہوتا ہے اس کے بعد دیگر سانپوں کو والحیۃ کے ساتھ ذکر کیا گیا اسود کالے چور کو بھی کہتے ہیں جو افریقی سوڈانی ہوتے ہیں یا چور کا لباس کالا ہوتا ہے اس لئے اسود کہا۔[2]

"**عقرب**" بچھو کو کہتے ہیں[3] "**ساکن البلد**" شہر میں بسنے والوں کو ساکن البلد کہتے ہیں اور شہر میں بسنے والوں سے انسان یا جنات مراد ہیں کیونکہ یہ شہروں میں رہنے والے لوگ ہیں جنات مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔[4]

"**ومن والد**" کہتے ہیں کہ اس سے یا آدم علیہ السلام مراد ہیں اور یا ابلیس مراد ہے ابلیس مراد لینا زیادہ بہتر ہے تاکہ ساکن البلد سے جنات مراد لینے کے موافق ہوجائے "**وماولد**" اس سے مراد اولاد ہے خواہ حضرت آدم کے ہوں یا ابلیس کے ہوں ذریت ابلیس مراد لینا زیادہ بہتر ہے تاکہ تمام جملوں میں توافق برقرار رہے یعنی علاقے میں بسنے والے جنات سے خاص کر ابلیس اور اس کی ذریت کی شرارت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔[5]

﴿۲۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا غَزَا قَالَ أَللّٰهُمَّ أَنْتَ عَضُدِيْ وَنَصِيْرِيْ بِكَ أَحُوْلُ وَبِكَ أَصُوْلُ وَبِكَ أُقَاتِلُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)[6]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد کرتے تو یہ فرماتے (اے اللہ تو ہی میرا معتمد علیہ ہے (یعنی مجھے ہر معاملہ میں تجھی پر بھروسہ ہے) اور تو ہی میرا پروردگار ہے کفار کے مکروفریب کو دور کرنے کے لئے میں تیری قوت کے ساتھ حیلہ کرتا ہوں (یعنی ان کی طرف جنگ کے لئے متوجہ ہوں) اور تیری ہی قوت کے ساتھ دشمنان دین پر حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد کے ساتھ دین کے ان دشمنوں سے لڑتا ہوں۔ (ترمذی، ابوداود)

دشمن کے خوف کے وقت دعا

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَبِيْ مُوْسٰى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَافَ قَوْمًا قَالَ اللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُكَ

[1] المرقات: ۵/۲۹۲ [2] المرقات: ۵/۲۹۳ [3] المرقات: ۵/۱۹۳

[4] المرقات: ۵/۲۹۳ [5] المرقات: ۵/۲۹۳ [6] اخرجه الترمذی: ۵/۵۷۲ و ابوداؤد: ۳/۴۳

فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو جب کسی قوم (دشمن) سے اندیشہ ہوتا تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے اے اللہ ہم تجھ کو دشمن کے مقابل کرتے ہیں یعنی تجھ سے اس بات کی درخواست کرتے ہیں کہ تو ان کی شر سے ہمیں محفوظ رکھ اور ان کو اور ہمارے درمیان حائل ہو اور ہم ان کے شر سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔ (احمد، ابوداود)

گھر سے نکلنے کے وقت کی دعا

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ قَالَ بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ أَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ نَزِلَّ أَوْ نَضِلَّ أَوْ نَظْلِمَ أَوْ نُظْلَمَ أَوْ نَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ. وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ وَابْنِ مَاجَه قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مَاخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْتِيْ قَطُّ إِلَّا رَفَعَ طَرْفَهٗ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ)[2]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے گھر سے نکلتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے (گھر سے نکلتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ، بھروسہ کیا میں نے اللہ پر اے اللہ: ہم تیری پناہ چاہتے ہیں اس سے کہ پھسلیں (یعنی بلاقصد گناہ میں مبتلا ہو جائیں) یا ہم گمراہ ہوں (یعنی قصداً گناہ کریں) یا ہم ظلم کریں یا ہم پر ظلم کیا جائے یا ہم پھر جہالت میں مبتلا ہوں یا ہمیں جہالت میں مبتلا کیا جائے۔ (احمد، ترمذی، نسائی) نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوداود اور ابن ماجہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا "رسول کریم ﷺ جب بھی میرے گھر سے نکلتے آسمان کی طرف اپنی نگاہ اٹھا کر یوں فرماتے (ترجمہ) اے اللہ: میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں (یعنی مجھے کوئی گمراہ کر دے) یا میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے یا میں جہالت میں مبتلا ہوں یا مجھے جہالت میں مبتلا کیا جائے۔

شیطان کو عاجز کرنے والی دعا

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ مِنْ بَيْتِهٖ فَقَالَ بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ يُقَالُ لَهٗ حِيْنَئِذٍ هُدِيْتَ وَكُفِيْتَ وَوُقِيْتَ

[1] اخرجه احمد: ۴/۴۱۴
[2] اخرجه احمد: ۶/۳۰۶، ۳۱۸ والترمذی: ۵/۴۹۰ وابن ماجه: ۲/۱۲۷۸

فَيَتَنَحّٰى لَهُ الشَّيْطَانُ وَيَقُوْلُ شَيْطَانٌ آخَرُ كَيْفَ لَكَ بِرَجُلٍ قَدْ هُدِيَ وَكُفِيَ وَوُقِيَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ إِلٰى قَوْلِهٖ لَهُ الشَّيْطَانُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب کوئی شخص اپنے گھر سے نکلتا ہے اور پھر یہ پڑھتا ہے **بسم الله توكلت على الله لاحول ولاقوة الا بالله** (یعنی نکلتا ہوں میں اللہ کے نام کے ساتھ بھروسہ کیا میں نے اللہ پر، گناہوں سے بچنے کی طاقت اور عبادت کرنے کی قوت اللہ ہی کی طرف سے ہے) تو اس وقت اس سے کہا جاتا ہے (یعنی فرشتہ اسے کہتا ہے) کہ اے اللہ کے بندے: تجھے راہ راست دکھائی گئی تجھے (جمیع مہمات اور تمام امور میں) غیر سے مستغنی کر دیا گیا، اور تو (تمام برائیوں سے محفوظ رہا۔ (چنانچہ یہ سن کر) شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے اور دوسرا شیطان (اس شیطان کی تسلی کے لئے) اس سے کہتا ہے کہ تو اس شخص پر کیونکر قابو پا سکتا ہے جسے راہ راست دکھائی گئی جسے غیر سے مستغنی کر دیا گیا جو تمام برائیوں سے محفوظ رہا۔ (ابوداود) امام ترمذی عشطیلیہ نے اس روایت کو لفظ **له الشیطان** تک نقل کیا ہے۔

توضیح: ''**هديت**'' مجہول کا صیغہ ہے یعنی تجھے راہ راست دکھائی گئی اس لئے کہ تم نے اتنی اچھی دعائیں مانگی یا اتنی اچھی دعائیں مانگ کر تجھے راہ راست دکھا دی گئی۔ اب شیطان یا اس کی ذریت تجھے گمراہ نہیں کر سکتی ہے۔[2]

''**فیتنحی له الشیطان**'' یعنی خود ابلیس یا ابلیس کا مقرر کردہ کارندہ اس دعا کی وجہ سے دور بھاگتا ہے اور ذلیل ہو جاتا ہے۔[3]

''**ویقول شیطان آخر**'' یعنی اس بھاگنے والے شیطان کے حوصلہ بڑھانے اور ڈھارس بندھوانے کے لئے دوسرا شیطان کہتا ہے کہ بھائی گھبرانا نہیں نہ حوصلہ ہارو اگر تم عاجز آ گئے اور تم نے مکمل طور پر شکست کھا لی ہے تو اس میں شرم کی کوئی بات نہیں کیونکہ تیرا مقابلہ ایک ایسے آدمی سے تھا جو دعاؤں کے روحانی اسلحہ سے مسلح تھا ایسے آدمی کا مقابلہ تم کب کر سکتے تھے اور اس کو تم گمراہ کب کر سکتے تھے جس کو ان دعاؤں کے ذریعہ سے راہ راست دکھائی گئی اور اللہ تعالیٰ کا پورا حفاظتی نظام اس کی حفاظت میں لگا رہا۔[4]

گھر میں داخل ہونے کے وقت کی دعا

﴿۲۸﴾ وَعَنْ أَبِيْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا ثُمَّ لِيُسَلِّمْ عَلٰى أَهْلِهٖ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ)[5]

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۲۷ والترمذی: ۵/۴۹۰ [2] المرقات: ۵/۱۹۷ [3] المرقات: ۵/۱۹۷

[4] المرقات: ۵/۱۹۷ [5] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۲۸

ترجمہ: اور حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتو اسے چاہیئے کہ وہ یہ دعا پڑھے (یعنی اے اللہ: میں تجھ سے گھر میں داخل ہونے اور گھر سے باہر نکلنے کی بھلائی مانگتا ہوں (یعنی گھر میں آنا اور گھر سے نکلنا خیر و برکت کے ساتھ ہو) اللہ کے نام سے ہم گھر میں داخل ہوئے اور ہم نے اللہ پر کہ وہ ہمارا رب ہے بھروسہ کیا) اس کے بعد اسے چاہیئے کہ وہ اپنے گھر والوں کو سلام کرے"۔ (ابوداود)

توضیح: "ثم یسلم" یعنی گھر والوں کو سلام کرے لیکن مناسب یہ ہے کہ پہلے آدمی گھر میں سلام کا ماحول بنائے بچوں کو سمجھائے اور بیوی کو بتائے کہ یہ مسنون طریقہ ہے اس سے گھر میں برکت آتی ہے تا کہ بیوی کے دل و دماغ میں شوہر کی قدر برقرار رہے اور وہ اس کو شوہر کی کمزوری پر محمول نہ کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ آج تو میاں نے سلام کیا کل میرے سامنے سجدہ لگائے گا صوبہ سرحد میں گھروں میں سلام کا رواج نہیں ہے یہ سنت زندہ کرنا چاہیئے۔[1]

دولھا اور دلہن کے لئے دعا

﴿۲۹﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَفَّأَ الْإِنْسَانَ إِذَا تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص نکاح کرتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے دعا دیتے تو یہ فرماتے بَارَكَ اللهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک فرمائے اور تم دونوں (یعنی میاں بیوی) کو برکت دے یعنی تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اور اولاد رزق کی وسعت اور فروانی سے نوازے) اور تم دونوں میں بھلائی جمع کرے (یعنی تمہیں طاعت و عبادت کی توفیق بخشے صحت و عافیت کے ساتھ تمہاری زندگی گزارے تم دونوں میں پیار و محبت اور حسن سلوک ہمیشہ قائم رکھے تمہاری اولاد کو نیک و صالح بنائے۔

توضیح: "اذا رفأ" ترفئۃ باب تفعیل سے دعاء کے معنی میں ہے اسلام سے پہلے شادی بیاہ کے موقع پر مبارک کباد کے لئے ترفئۃ کا جملہ اس طرح کہا جاتا تھا **بالرفاء والبنین** رفو ملانے اور جوڑنے کے معنی میں ہے اہل جاہلیت جوڑ کے لئے دعا کرتے تھے لیکن لڑکیوں سے بغض کی وجہ سے بنین کا لفظ استعمال کرتے تھے اسلام نے اس طرح مبارکباد کے الفاظ کو منع کر دیا اور اس کا نعم البدل عطا کیا جو اس حدیث میں ہے **بارك الله وبارك عليكما وجمع بينكما بخير**۔[3]

شب زفاف کی خصوصی دعا

﴿۳۰﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَزَوَّجَ

[1] المرقات: ۵/۲۹۹ [2] اخرجہ احمد: ۲/۳۸۱ والترمذی: ۳/۴۰۰ [3] المرقات: ۵/۲۹۹

أَحَدُكُمُ امْرَأَةً أَوِ اشْتَرَى خَادِماً فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَاجَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَإِذَا اشْتَرَى بَعِيراً فَلْيَأْخُذْبِذِرْوَةِ سَنَامِهِ وَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَفِي رِوَايَةٍ فِي الْمَرْأَةِ وَالْخَادِمِ ثُمَّ لِيَأْخُذْبِنَاصِيَتِهَا وَلْيَدْعُ بِالْبَرَكَةِ۔ (رَوَاهُ أَبُودَاوُدَوَابْنُ مَاجَةَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) سے اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا کوئی غلام خریدے تو وہ یہ دعا پڑھے اے اللہ: میں تجھ سے اس (کی ذات) کی بھلائی مانگتا ہوں اور بھلائی اس چیز کی جس پر تو نے اس کو پیدا کیا (یعنی اچھے اخلاق) اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا (یعنی برے اخلاق وافعال) اور جب اونٹ خریدے تو اس کے کوہان کی بلندی کو پکڑ کر اسی طرح کہے یعنی مذکورہ بالا دعا پڑھے"۔ (ایک اور روایت میں عورت اور غلام کے بارے میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "پھر عورت یا غلام کی پیشانی کے بال پکڑ کر خیر و برکت کی دعا کرے"۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

غم دور کرنے کی دعا

﴿۳۱﴾ وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَوَاتُ الْمَكْرُوبِ أَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ لَاإِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ۔ (رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "غمزدہ کی دعا جس کو پڑھنے سے غم جاتا رہتا ہے یہ ہے ترجمہ اے اللہ: میں تیری رحمت کا طلبگار ہوں پس مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے سپرد نہ کر (کیونکہ وہ میرا بڑا دشمن ہے اور عاجز ہے وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ حاجت روائی کرسکے) اور میرے سارے کاموں کو درست کردے تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ (ابوداود)

ادائیگی قرض کی دعا

﴿۳۲﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدِالْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ هُمُومٌ لَزِمَتْنِي وَدُيُونٌ يَارَسُولَ اللّٰهِ قَالَ أَفَلَا أُعَلِّمُكَ كَلَاماً إِذَا قُلْتَهُ أَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّكَ وَقَضَى عَنْكَ دَيْنَكَ قَالَ قُلْتُ بَلَى قَالَ قُلْ إِذَا أَصْبَحْتَ وَإِذَا أَمْسَيْتَ أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَأَعُوذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَأَعُوذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِالرِّجَالِ قَالَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَأَذْهَبَ اللّٰهُ هَمِّي

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۵۵ وابن ماجه: ۱/۶۱۶ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۲۶

وَقَضٰی عَنِّیْ دَیْنِیْ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے فکر و غم نے گھیر رکھا ہے اور قرض نے جکڑ رکھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی دعا نہ بتا دوں جسے اگر تم پڑھ لیا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری فکر دور کردے اور قرض کے بار سے تمہیں نجات دے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (مجھ سے) کہا کہ میں نے عرض کیا کہ ہاں: ضرور بتائیے: آپ ﷺ نے فرمایا صبح و شام دونوں وقت مذکورہ دعا پڑھا کرو اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے ایسا ہی کیا (یعنی یہ دعا پڑھنے لگا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری فکر دور فرما دی اور میرے اوپر سے قرض کا بوجھ اتار دیا"۔ (ابوداود)

ایسی دعا کہ پہاڑ برابر قرض بھی اتر جائے

﴿۳۳﴾ وَعَنْ عَلِیٍّ اَنَّهٗ جَاءَهٗ مُكَاتَبٌ فَقَالَ اِنِّیْ عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِیْ فَأَعِنِّیْ قَالَ أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيْهِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلٍ كَبِيْرٍ دَيْنًا أَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْكَ قُلِ اللّٰهُمَّ اكْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالْبَيْهَقِیُّ فِی الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرٍ اِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلَابِ فِیْ بَابِ تَغْطِيَةِ الْأَوَانِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی)[2]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے پاس ایک مکاتب آیا اور کہنے لگا کہ میں اپنا بدل کتابت ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں (یعنی مال کتابت ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے مگر میرے پاس مال نہیں ہے) اس لئے آپ (مال ودعا سے) میری مدد کیجئے"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "کہ کیا تمہیں وہ دعا نہ بتا دوں جو نبی کریم ﷺ نے مجھے سکھائی تھی اگر تمہارے اوپر پہاڑ کی مانند بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ذمہ سے ادا کرادے گا تم اس مذکورہ دعا کو پڑھ لیا کرو ترجمہ: اے اللہ مجھے اپنے حلال مال کے ذریعہ حرام سے بے نیاز کردے (یعنی مجھے حلال رزق عطا فرما تا کہ اس کی وجہ سے حرام مال سے بے نیاز ہو جاؤں اور اپنے فضل و کرم کے ذریعہ اپنے ماسوا سے مجھے مستغنی کردے"۔ (ترمذی، بیہقی)

الفصل الثالث

کفارۂ مجلس کی دعا

﴿۳۴﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا جَلَسَ مَجْلِسًا أَوْ صَلّٰى تَكَلَّمَ بِكَلِمَاتٍ فَسَأَلْتُهٗ عَنِ الْكَلِمَاتِ فَقَالَ اِنْ تَكَلَّمَ بِخَيْرٍ كَانَ طَابِعًا عَلَيْهِنَّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۹۳ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۵۶۰

وَاِنْ تَكَلَّمَ بِشَرٍّ كَانَ كَفَّارَةً لَهُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔
(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب کسی مجلس میں بیٹھتے یا نماز پڑھتے (تو اس مجلس سے اٹھتے ہوئے نماز سے فراغت کے بعد) چند کلمات پڑھا کرتے تھے (ایک مرتبہ) میں نے آپ ﷺ سے پوچھا (کہ ان کلمات کو پڑھنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اگر ان کلمات سے پہلے مجلس میں نیک باتیں ہوئی ہوں گی تو یہ کلمات (ان نیک باتوں) پر قیامت تک کے لئے مہر ہو جائیں گی (یعنی ان کلمات کو پڑھنے سے وہ نیک باتیں قیامت تک محفوظ رہیں گی کہ ان کا ثواب ضائع نہیں ہوگا) اگر ان کلمات سے پہلے مجلس میں بری باتیں ہونگی تو یہ کلمات ان بری باتوں کی معافی اور بخشش کا ذریعہ بن جائیں گی ان کلمات کا ترجمہ یہ ہے پاک ہے تو اے اللہ: اور تیری تعریف کے ساتھ تیری پاکی بیان کی جاتی ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ (نسائی)

﴿۳۵﴾ وَعَنْ قَتَادَةَ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاَى الْهِلَالَ قَالَ هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَرُشْدٍ آمَنْتُ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم ﷺ جب ماہ نو دیکھتے تو یہ کہتے یعنی چاند ہے بھلائی اور ہدایت کا، چاند ہے بھلائی اور ہدایت کا، چاند ہے بھلائی اور ہدایت کا (اسی کے ساتھ یہ کہتے) یعنی (اے چاند) میں اس ذات پاک پر ایمان رکھتا ہوں جس نے تجھے پیدا کیا یہ بھی تین بار فرماتے اور پھر اس کے بعد کہتے (تمام تعریفیں اس خدا کے لئے جس نے اس مہینہ کو ختم کیا اور اس مہینہ کی ابتدا کی۔ کذا (کی جگہ گزشتہ اور آئندہ مہینہ کا نام لیتے)۔ (ابوداود)

سوچ وفکر دور کرنے کی دعا

﴿۳۶﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَثُرَ هَمُّهُ فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ وَفِيْ قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِيَّ قَضَائُكَ اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهُ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهُ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهِ فِيْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَجِلَاءَ هَمِّيْ وَغَمِّيْ مَاقَالَهَا عَبْدٌ قَطُّ اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ غَمَّهُ وَاَبْدَلَهُ بِهِ فَرَحًا۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

[1] اخرجه النسائي: ۳۰۸، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰ [2] اخرجه ابوداود: ۴/۳۲۷

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کو بہت زیادہ فکروں نے گھیر رکھا ہو اسے چاہیئے کہ وہ یہ دعا پڑھے اے اللہ: میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری لونڈی کا بیٹا ہوں تیرے قبضہ میں ہوں (یعنی تیری ملک میں اور تیرے تصرف میں ہوں) میری پیشانی کے بال تیرے ہاتھ میں ہیں (تیری مدد کے بغیر مجھے حرکت وسکون کی قوت بھی حاصل نہیں) میرے حق میں تیرا حکم جاری ہے (یعنی تیرے حکم کو توقف اور کوئی روکنے والا نہیں جو تو کہتا ہے اور چاہتا ہے وہی ہوتا ہے) میرے بارے میں تیرا فیصلہ عدل وانصاف ہے میں تجھ سے تیرے ہر نام کے وسیلہ سے مانگتا ہوں جسے تو نے اپنی ذات کے لئے اختیار کیا ہے یا اس کو اپنی کتاب میں نازل کیا ہے یا اس کو اپنی مخلوقات میں سے کسی کو سکھایا ہے (یعنی کتاب میں ذکر کئے بغیر انبیاء کو الہام کیا ہے) یا تو نے اسے اپنے ہاں پردہ غیب میں اختیار کیا ہے (یعنی وہ تیرے علاوہ کسی کو معلوم نہیں) یہ کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار، میری آنکھوں کا نور اور میرے فکر وغم کو دور کرنے والا بنادے' اس دعا کو جو بھی بندہ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر غم دور کر دیتا ہے اور اس کے بدلہ خوشی عطا فرماتا ہے"۔ (زرین)

﴿۳۷﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَعِدْنَا كَبَّرْنَا وَإِذَا نَزَلْنَا سَبَّحْنَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب اترتے تو سبحان اللہ کہتے"۔ (بخاری)

میدان جنگ کی دعا

﴿۳۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا كَرَبَهُ أَمْرٌ يَقُوْلُ يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيْثُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ بِمَحْفُوْظٍ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی معاملہ غمگین کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے یاحیی یاقیوم برحمتک استغیث یعنی اے زندہ: اے قائم رکھنے والے میں تیری رحمت کے ذریعہ فریاد رسی چاہتا ہوں' اس روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث غریب ہے محفوظ نہیں ہے۔

﴿۳۹﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ مِنْ شَيْءٍ نَقُوْلُهُ فَقَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ قَالَ نَعَمْ أَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا قَالَ فَضَرَبَ اللّٰهُ وُجُوْهَ أَعْدَائِهِ بِالرِّيْحِ وَهَزَمَ اللّٰهُ بِالرِّيْحِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خندق کے دن ہم نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: کیا کوئی ذکر و دعا ہے

[1] اخرجه البخاري: ۴/۶۹ [2] اخرجه الترمذي: ۵/۵۳۹ [3] اخرجه احمد: ۳/۳

جسے ہم پڑھیں اور کامیاب ہوں کیونکہ ہمارے دل گلے کو پہنچ گئے ہیں (یعنی انتہائی دشواریوں اور مشقتوں نے ہمیں گھیر لیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ہاں: اور وہ یہ ہے **اللهم استر عوراتنا وامن روعاتنا** یعنی اے اللہ: ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور ہمیں خوف سے امن میں رکھ۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے منہ پر ہوا کے تھپیڑے مارے اور ہوا ہی کے ذریعہ انہیں شکست دی۔ (احمد)

بازار میں آنحضرت ﷺ کی دعا

﴿۴۰﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ السُّوْقَ قَالَ بِسْمِ اللهِ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ أَنْ أُصِيْبَ فِيْهَا صَفْقَةً خَاسِرَةً۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب بازار میں جاتے تو مذکورہ دعا پڑھتے آیا میں اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں بھلائی اس بازار کی (یعنی حلال رزق میسر ہو اور اس میں نفع و برکت ہو) اور اس چیز کی بھلائی جو اس میں ہے (یعنی لوگ) اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو اس میں ہے (یعنی فاسد خرید و فروخت اور نقصان اور فاسد لوگ) اے اللہ: میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ اس بازار میں کسی نقصان دہ معاملہ سے دوچار ہوں۔ (بیہقی)

باب الاستعاذة
پناہ مانگنے کا بیان

قال الله تعالیٰ: ﴿رب اعوذبك من همزات الشياطين واعوذبك رب ان يحضرون﴾ [1]

اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا عام مفہوم یہی ہے کہ آدمی اپنے مطلوب و مقصود اور اپنی پسند کی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے انسان کے ساتھ ایک طبعی معاملہ ایسا بھی رہتا ہے کہ یہ اپنے ناپسند چیزوں سے دور بھاگتا ہے اور کسی پناہ گاہ میں جا کر چھپتا ہے استعاذہ اور تعوذ اسی پناہ گاہ کی تلاش کا نام ہے پھر اس انسان کا ایک ظاہری مادی دشمن ہے جو آنکھوں سے نظر آتا ہے اس کے لئے الگ پناہ گاہیں ہوتی ہیں جس کے تحفظ کا الگ انتظام اور انداز ہوتا ہے جو تعوذ کے علاوہ ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ انسان کا ایک ایسا دشمن بھی ہے جو مخفی غیر مرئی اور پوشیدہ دشمن ہے جو ابلیس اور اس کی ذریت ہے اس سے بچاؤ کے لئے الگ انتظام ہوتا ہے جو یہی تعوذ و استعاذہ ہے اس باب میں اکثر احادیث کا تعلق اسی استعاذہ سے ہے اور چونکہ اس دشمن کا وجود نظروں سے پوشیدہ ہے اس لئے اس سے بچاؤ کی پناہ گاہ اللہ تعالیٰ کی ذات قرار دی گئی ہے اور کہا گیا "اعوذبالله من الشيطان الرجيم" یعنی میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔

الفصل الاول
ناموافق اشیاء سے خدا کی پناہ

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بلاء کی مشقت سے بدبختی کے پہونچنے سے، بری تقدیر سے اور دشمنوں کے خوش ہونے سے اللہ کی پناہ مانگو"۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "جهد البلاء" جیم پر فتحہ اور ضمہ دونوں ہے انتہائی مشقت کو کہتے ہیں۔

"بلا" آزمائش کے معنی میں ہے ملا علی قاری اس جملہ کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ ان مصائب کا نام ہے جو دینی یا دنیوی اعتبار سے انسان کو لاحق ہوتے ہیں اور انسان نہ ان کو دفع کرسکتا ہے اور نہ ان پر صبر کرسکتا ہے علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایسی حالت کا پیش آنا ہے جس کے بعد انسان موت کو پسند کرتا ہے بلکہ اس کی تمنا کرنے لگتا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر یوں بیان فرمائی کہ یہ وہ حالت ہے کہ انسان کا مال کم ہوجائے اور عیال زیادہ ہوجائے۔ [3]

[1] سورت مومنون الایہ ۹۷ [2] اخرجه البخاری: ۸/۱۹۳ و مسلم: ۲/۴۷۷ [3] المرقات: ۵/۳۱۱ والکاشف: ۵/۲۰۴

"درك الشقاء" درک مصدر ہے را پر فتحہ بھی ہے اور سکون بھی ہے ادراک پالینے کے معنی میں ہے الشقاء بدبختی برے انجام اور ہلاکت کے معنی میں ہے یعنی بدبختی شقاوت اور ہلاکت کے پالینے سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔[1]

"القضاء" تقدیر کے معنی میں ہے مراد یہ کہ ایسے فیصلے سے تیری پناہ جو میرے حق میں اچھا نہ ہو۔[2]

"شماتة الاعداء" کسی شخص پر جب دینی یا دنیوی مصیبت آجائے اور اس کا دشمن بدخواہ اس پر خوش ہو کر بغلیں بجائے اسی کو شماتۃ الاعداء کہتے ہیں۔ اس حدیث میں یہ چار کلمات اس طرح عام ہیں کہ انسان کی زندگی کے تمام شعبوں کو شامل ہیں لہٰذا یہ دعا کامل ہے۔[3]

جامع استعاذہ

﴿۲﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ دعا مانگا کرتے تھے ترجمہ اے اللہ: میں تیری پناہ مانگتا ہوں فکر سے، غم سے، عاجز ہونے سے سستی سے، نامردی سے، بخل سے، قرض کے بوجھ سے اور لوگوں (یعنی ظالموں) کے غلبہ سے۔ (بخاری، ومسلم)

توضیح: "الھم" یہ اس غم کو کہتے ہیں جو کسی آنے والی مصیبت کے خوف سے ہو۔

"الحزن" یہ اس غم کو کہتے ہیں جو مصیبت کے آنے کے بعد لاحق ہوتا ہو یعنی "ھم" متوقع غم پر ہوتا ہے اور حزن مافات پر ہوتا ہے جیسے ایک مریض کی موت کا جو خوف ہوتا ہے یہ ھم اور خوف ہے لیکن جب مر جائے اور اس کے بعد غم آتا ہے اس کو حزن کہتے ہیں "العجز" عاجزی کمزوری اور تاخر کو کہتے ہیں عبادت میں کمزوری مراد ہے۔

"الکسل" طاقت کے باوجود کسی اچھے کام کے چھوڑنے کو کسل کہتے ہیں۔

"البخل" کسی واجبی حق کی دائیگی کے ترک کرنے کو بخل کہتے ہیں نیز ترک ضیافت کو بھی بخل کہتے ہیں "الجبن" بزدلی اس حد تک ہو جانا کہ جہاد کو چھوڑ دے۔ "ضلع الدین" بھرپور قرض جو پسلیاں توڑ دے۔

﴿۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَأْثَمِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ اَللّٰهُمَّ

[1] المرقات: ۵/۳۱۲ [2] المرقات: ۵/۳۱۲ [3] المرقات: ۵/۳۱۲ [4] اخرجه البخاری: ۸/۹۸ ومسلم

اغْسِلْ خَطَايَايَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّ قَلْبِي كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا کرتے تھے ترجمہ ملاحظہ ہو۔ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی سے، بڑھاپے سے تاوان یا قرض سے اور گناہ سے، اے اللہ: میں تیری پناہ مانگتا ہوں آگ کے عذاب سے اور عذاب کے فتنہ سے، قبر کے فتنہ اور قبر کے عذاب سے، دولت کے فتنہ سے اور برائی سے، فقر کے فتنہ کی برائی سے اور کانے دجال کے فتنہ سے اے اللہ: برف اور اولے کے پانی سے میرے گناہ دھودے (یعنی طرح طرح مغفرتوں کے ذریعہ مجھے گناہوں سے پاک کردے جس طرح برف اور اولے کا پانی میل کچیل کو صاف کرتا ہے اور میرے دل کو (برے اخلاق اور برے خیالات سے) پاک کردے جس طرح سفید کپڑا پانی سے صاف کیا جاتا ہے اور میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اسی طرح بعد پیدا کردے جس طرح تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان بعد پیدا کیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**الھرم**" یہ اس بڑھاپے کو کہتے ہیں جس میں آدمی کا دماغ کام چھوڑ دے۔[2]

"**المغرم**" اس تاوان اور چھٹی کو کہتے ہیں جو کسی انسان پر مفت میں آجائے یا اس قرض کو کہتے ہیں جو انسان اپنے ذمہ پر لے لے۔[3] "**فتنة النار**" یعنی ایسا فتنہ آجائے جو آدمی کو واجب النار بنادے۔[4] "**ومن فتنة القبر**" یعنی منکر نکیر کے جواب میں لاجواب ہونے سے تیری پناہ۔[5]

"**وعذاب القبر**" یعنی قبر کی عذاب سے تیری پناہ مانگتے ہیں جو گرز اور ہتھوڑے ہیں، بچھو اور سانپ ہیں، قبر سے مراد عالم برزخ کا ابتدائی اہم حصہ ہے جو اس قبر کو شامل ہے۔ ملاعلی قاری قبر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں "**او کل ما استقر اجزائه فیه فهو قبر**" (مرقات)[6]

"**ومن فتنة الغنى**" وہ مالداری مراد ہے جو موجب تکبر وتفاخر وبغاوت ہو، نیز حرام طریقہ سے مال حاصل کیا ہو اور معاصی میں خرچ کررہا ہو۔[7] "**فتنة الفقر**" فقر وفاقہ کا فتنہ اس طرح کہ اغنیاء کے ساتھ حسد کرتا ہے بغض وعناد رکھتا ہے اور بعض مالداروں کے سامنے ذلیل وخوار ہو کر مانگتا ہے اس کے عمل سے دین پر بٹہ لگ جاتا ہے اور یہ تقدیر کی نوشت پر صبر نہیں کرتا جیسے حدیث میں ہے۔ "**کاد الفقر ان یکون کفرا**" حضور اکرم ﷺ نے یہ تعوذ تعلیم امت کے لئے کیا ہے ورنہ آپ کو کوئی خطرہ نہیں تھا[8] "**الدجال**" دجل میں مبالغہ ہے، دھوکہ اور فریب کو کہتے ہیں[9] "**المسیح**" دجال کو مسیح اس لئے کہتے ہیں کہ یہ پوری زمین کو مسح کریگا اور گھوم پھر کر مریگا "**او ممسوح العین**" یا اس

[1] اخرجه البخاری: ۸/۱۰۰ ومسلم: ۲/۴۷۶ [2] المرقات: ۵/۳۱۳ [3] المرقات: ۵/۳۱۳ [4] المرقات: ۵/۳۱۴

[5] المرقات: ۵/۳۱۴ [6] المرقات: ۵/۳۱۴ [7] المرقات: ۵/۳۱۴ [8] المرقات: ۵/۳۱۴ [9] المرقات: ۵/۳۱۵

لئے دجال کو مسیح کہتے ہیں کہ اس کی آنکھ مٹائی گئی ہے۔[۱]

"الثلج" برف کو کہتے ہیں "البرد" اولے کو کہتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مغفرت کے تمام اقسام سے اس شخص کی مغفرت ہوجائے تو پانی کی انواع سے مغفرت کے اقسام مراد لئے گئے ہیں۔[۲]

چند تعوذات

﴿۴﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ أَللّٰهُمَّ آتِ نَفْسِيْ تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے ترجمہ یہ ہے۔اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں عاجزی (یعنی طاعت پر قادر نہ ہوکر) اچھے کاموں میں سستی سے، نامردی سے، بخل سے، بڑھاپے (کے سبب اعضاء کے ناکارہ اور حواس باختہ ہونے) سے اور قبر کے عذاب سے اے اللہ: میرے نفس کو اس کی پرہیز گاری عطا کر اور اس کو پاک کر، کیونکہ اس کو پاک کرنے والوں میں تیری ہی ذات بہترین ہے تو ہی اس کا کارساز اور مالک ہے۔اے اللہ: میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع بخش نہ ہو اس دل سے جو نہ ڈرے اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو مرتبہ قبولیت کو نہ پہنچے۔ (مسلم)

﴿۵﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں ایک دعا مذکورہ بھی ہوتی تھی ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں تیری نعمت کے جاتے رہنے سے (اور نعمت سے مراد ایمان واسلام ونیکیاں اور عرفان ہے) تیری عافیت کی تبدیلی سے (مثلا صحت کے بدلے بیماری اور غنا کے بدلے محتاجگی ہوجانے سے) تیرے ناگہانی عذاب سے اور تمام غصوں سے۔ (مسلم)

﴿۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّ مَا لَمْ أَعْمَلْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ

[۱] المرقات: ۵/۳۱۵ [۲] المرقات: ۵/۳۱۵ [۳] اخرجه مسلم: ۲/۳۸۱ [۴] اخرجه مسلم: ۲/۳۸۷ [۵] اخرجه مسلم: ۲/۳۸۰

مانگتا ہوں اس کام کی برائی سے جو میں نے کیا اور اس کام کی برائی سے جو میں نے نہیں کیا۔ (مسلم)

﴿۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ لَكَ أَسْلَمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْكَ أَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَنْ تُضِلَّنِيْ أَنْتَ الْحَيُّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ يَمُوْتُوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ دعا کرتے تھے۔ ترجمہ: اے اللہ میں نے تیری اطاعت کی، میں تجھ ہی پر ایمان لایا، میں نے تجھ ہی پر توکل کیا، میں نے تیری ہی طرف رجوع کیا (یعنی گناہوں کو چھوڑ کر تیری ہی طاعت کی طرف متوجہ ہوا اور میں تیری مدد سے (کافروں سے) لڑتا ہوں۔ اے اللہ میں تیری عزت کے واسطے سے تیری پناہ مانگتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں اس سے کہ گمراہ کرے تو مجھ کو تو زندہ ہے ایسا کہ تو نہیں مرے گا اور تمام جن وانسان مریں گے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: جنات اور انسان چونکہ مکلف ہیں اس لئے بطور خاص ان کی موت کا تذکرہ کیا گیا ورنہ موت ہر زندہ حیوان کے ساتھ لگی ہوئی ہے

الموت قدح کل نفس شاربها   والقبر باب کل نفس داخلها

الفصل الثانی

چار چیزوں سے پناہ

﴿۸﴾ عن أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْأَرْبَعِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَالنَّسَائِيُّ عَنْهُمَا)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا مانگتے تھے۔ ترجمہ: اے اللہ میں چار چیزوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے اس دل سے جو عاجزی نہ کرے اس نفس سے جو سیر نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔ (احمد، ابوداود، وابن ماجہ)

توضیح: چار چیزوں کا ذکر اس حدیث میں ہے مگر یہ کوئی تحدید وحصر نہیں ہے ساتھ والی روایت میں پانچ کا ذکر ہے اس سے زیادہ کا ذکر بھی ہے تو اہمیت کے اعتبار سے کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کم کا ذکر کیا کبھی زیادہ کا ذکر کیا اسی طرح

[1] اخرجہ البخاری: ۹/۱۴۳ ومسلم: ۲/۴۸۰ [2] اخرجہ الترمذی: ۵/۵۱۹ واحمد: ۲/۳۴۰ وابن ماجہ ۲/۱۲۶۱ وابو داؤد: ۲/۹۳

راویوں نے مختلف احوال کے پیش نظر کبھی زیادہ کبھی کم ذکر کیا ہے۔[۱]

﴿۹﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ مِنْ خَمْسٍ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَسُوْءِ الْعُمُرِ وَفِتْنَةِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے ① بزدلی سے ② بخل سے ③ عمر کی برائی سے (یعنی عمر کی اتنی زیادتی سے کہ آخر میں قویٰ اور حواس میں فرق آجائے اور عبادت وطاعت کی قوت نہ رہے) ④ سینہ کے فتنہ سے (یعنی اس چیز سے کہ سینہ کے اندر برے اخلاق اور برے عقائد جاگزین ہوں یا حق بات قبول نہ ہو اور بلاؤں کا محمل نہ ہو) اور ⑤ قبر کے عذاب سے۔ (ابوداود و نسائی)

فتنۃ الصدر سے دل کا بغض وحسد، برے عقائد، برے اخلاق، قساوت قلب اور دین کے لئے تنگ ہونا مراد ہے۔

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَالْقِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَأَعُوْذُبِكَ أَنْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ دعا کرتے تھے۔ ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں، محتاجی سے، قلت سے، ذلت سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے۔ (ابوداود، نسائی)

قلت سے نیکیوں کی قلت مراد ہے "الذلة" گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے لوگوں کی آنکھوں میں ذلیل ہونا مراد ہے۔

﴿۱۱﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْأَخْلَاقِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ دعا کرتے تھے۔ ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں، اختلاف سے، نفاق سے، اور برے اخلاق سے۔ (ابوداود، نسائی)

بھوک اور خیانت سے پناہ

﴿۱۲﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَإِنَّهُ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[۵]

[۱] المرقات: ۵/۳۲۰، ۳۲۱ [۲] اخرجه ابوداؤد: ۲۱۹۱ والنسائی: ۸/۲۵۵ [۳] اخرجه ابوداؤد: ۲/۹۱ والنسائی: ۸/۲۶۱

[۴] اخرجه ابوداؤد: ۲/۹۳ والنسائی: ۸/۲۶۴ [۵] اخرجه ابوداؤد: ۲/۹۳ وانسائی: ۸/۲۶۳

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مذکورہ دعا فرماتے تھے۔ ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بھوک سے کہ وہ بدترین ہم خواب ہے اور تیری پناہ مانگتا ہوں خیانت سے کہ وہ باطن کی بدترین خصلت ہے"۔
(ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: بھوک سے اس لئے پناہ مانگی گئی ہے کہ انسان کے ظاہری اعضا اگر کمزور ہو گئے تو انسان کسی عبادت کا اہل نہیں رہتا حالانکہ انسان کا مقصد تخلیق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے "**بئس الضجیع**" یعنی بعض دفعہ کوئی چیز انسان کے ساتھ لگ جاتی ہے اور اس طرح چپک جاتی ہے کہ انسان خود حیران ہو جاتا ہے بھوک بھی اسی طرح نو وارد مہمان ہے جب تک ساتھ ہے تو ستاتی رہتی ہے ہٹتی نہیں تو بدترین ساتھی اور برا ہمخواب ہے۔
"**البطانة**" چونکہ خیانت کا تعلق بدن کے اندر کے حصہ سے ہے یعنی دل سے ہے اس لئے خیانت کو انسان کی باطنی بدترین خصلت قرار دیا گیا۔[1]

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَيِّءِ الْأَسْقَامِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مذکورہ دعا مانگتے تھے۔ ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں کوڑھ سے، جذام سے، دیوانگی، اور بری بیماریوں سے۔ (ابوداود، نسائی)

توضیح: "**سیء الاسقام**" یعنی بدترین بیماریاں، یہ جملہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو مرض ایسا ہو کہ لوگ مریض سے اجتناب کرتے ہوں خود مریض کسی نیک کام پر قادر نہ ہو مریض حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس طرح کے تباہ کن مرض سے پناہ مانگنا جائز ہے بلکہ ضروری ہے۔[3]

برے اخلاق سے پناہ

﴿۱۴﴾ وَعَنْ قُطْبَةَ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ وَالْأَعْمَالِ وَالْأَهْوَاءِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرماتے تھے ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں برے اخلاق سے برے اعمال سے اور بری خواہشات سے"۔ (ترمذی)

توضیح: "**منکرات الاخلاق**" منکر اس کو کہتے ہیں جس کو شریعت نے منکر قرار دیا ہو اور اس کو بھلائی میں نہیں بلکہ برائی میں شمار کیا ہو۔ اخلاق سے مراد باطنی اعمال ہیں مقصود دل کے برے احساسات ہیں جیسے کینہ بغض حسد اور کھیل کھود میں دلچسپی رکھنا یہ چیزیں دل کے باطنی امراض ہیں۔ "**والاعمال**" برے اعمال بھی وہی ہیں جو اوپر بیان کیے

[1] المرقات: ۵/۳۲۵ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۹۳ والنسائی: ۸/۲۷۰ [3] المرقات: ۵/۳۲۶ [4] اخرجہ الترمذی: ۵/۵۷۵

گئے۔ "الاھو" بری خواہشات سے اہل باطل کے نظریات اور اہل بدعت کی بدعات مراد ہیں۔[۱]

ایک جامع دعا

﴿۱۵﴾ وَعَنْ شُتَيْرِبْنِ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ تَعْوِيْذاً أَتَعَوَّذُبِهٖ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِيْ وَشَرِّ بَصَرِيْ وَشَرِّ لِسَانِيْ وَشَرِّ قَلْبِيْ وَشَرِّ مَنِيِّيْ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت شتیر بن شکل بن حمید اپنے والد (حضرت شکل رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: مجھے کوئی ایسی تعویذ (یعنی ایسی دعا) بتادیجئے جس کے ذریعے سے میں پناہ مانگوں" آپ نے فرمایا" مذکورہ دعا پڑھو۔ ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اپنی سماعت کی برائی سے (کہ اپنے کان سے بری باتیں نہ سنوں) اپنی بینائی کی برائی سے (کہ اپنی آنکھوں سے بری چیزیں نہ دیکھوں) اپنی زبان کی برائی سے (کہ اپنی زبان سے برے برے اور بے فائدہ کلمات نہ نکالوں) اپنے دل کی برائی سے (کہ میرے دل میں برے عقیدے اور حسد اور کینہ وغیرہ کا گزر نہ ہو اور برے کام میں عزم مصمم نہ کروں) اور اپنی منی کی برائی سے (کہ وہ حرام کاری میں صرف نہ ہو اور میں بنظر شہوت کسی کو نہ دیکھوں)۔

(ابوداود، ترمذی، نسائی)

توضیح: "شر سمعی" سمع کان کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ میں ان باتوں کو نہ سنوں جس سے اللہ تعالیٰ تو ناراض ہو جائے۔[۳]

"شر بصری" کہ میں ایسی چیزیں نہ دیکھوں جن کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہو۔[۴]

"شر لسانی" کہ زبان پر ایسی باتیں نہ آجائیں جو فضول ہوں "شر قلبی" کہ ایسے عقائد نہ اپناؤں جن سے تو ناراض ہوتا ہے۔[۵]

"شر منی" کہ منی غالب آکر زنا میں واقع کردے۔[۶]

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَبِي الْيَسَرِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدْعُوْ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَدْمِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ التَّرَدِّيْ وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ يَتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطَانُ عِنْدَالْمَوْتِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ أَمُوْتَ فِيْ سَبِيْلِكَ مُدْبِراً وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ أَمُوْتَ لَدِيْغًا۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَفِيْ رِوَايَةٍ أُخْرٰى وَالْغَمِّ)[۷]

ترجمہ: اور حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مذکورہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ

---

۱ المرقات: ۵/۳۲۷ ۲ اخرجہ الترمذی: ۵/۵۲۳ وابوداؤد: ۲/۹۲ ۳ المرقات: ۵/۳۲۸

۴ المرقات: ۵/۳۲۸ ۵ المرقات: ۵/۳۲۸ ۶ المرقات: ۵/۳۲۸ ۷ اخرجہ ابوداؤد: ۲/۹۲ والنسائی: ۸/۲۸۲

مانگتا ہوں مکان گرنے سے (یعنی کوئی مکان یا دیوار مجھ پر نہ گر پڑے کہ جس کی وجہ سے میں ہلاک ہوجاؤں) اور تیری پناہ مانگتا ہوں کسی بلند جگہ سے گر پڑنے سے، ڈوبنے سے، جلنے سے، زیادہ بڑھاپے سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ موت کے وقت شیطان مجھے حواس باختہ کرے (یعنی وسوسے پیدا کرکے میرے دین کو تباہ کردے) تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تیری راہ میں پشت پھیر کر (یعنی جہاد میں کفار کے مقابلہ سے بھاگ کر) مروں اور تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ لدیغ (یعنی سانپ بچھو اور دوسرے زہریلے جانوروں کے کاٹنے سے مروں)۔ (ابوداود، نسائی) نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں **والغم** بھی نقل کیا ہے (یعنی تیری پناہ مانگتا ہوں غم سے)

توضیح: "**الھدم**" مکان گرنے کو کہتے ہیں [1] "**التردی**" پہاڑ سے گرنے کے معنی میں ہے [2] "**الغرق**" پانی میں غرق ہوجانے کو کہتے ہیں۔ [3] "**الحرق**" آگ میں جل جانے کو حرق کہتے ہیں۔ [4] "**یتخبطنی**" یعنی شیطان اپنے اغواسے مجھے خبطی اور مجنون نہ بنادے۔ [5]

"**فی سبیلك**" اس سے جہاد کا راستہ مراد ہے۔ [6] "**مدبرا**" شرعی عذر کے بغیر دشمن کے مقابلہ میں پیٹھ دکھا کر بھاگنا منع ہے۔ [7]

طمع سے پناہ مانگنے کا حکم

﴿۱۷﴾ وَعَنْ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ طَمَعٍ يَهْدِيْ إِلٰى طَبَعٍ.
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ) [8]

ترجمہ: اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو طمع سے جو طبع تک پہنچادے"۔ (احمد، بیہقی)

توضیح: "**طمع**" مخلوق خدا سے مال وزر کی امید رکھنا طمع ہے۔ [9] "**یھدی**" جو پہنچادے اور راستہ ہموار کردے۔ [10] "**الی طبع**" طبع مہر کو کہتے ہیں لوہے کے زنگ کو بھی کہتے ہیں میل کچیل کو بھی کہتے ہیں اور عیب کو بھی کہتے ہیں ابن ملک اس عبارت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں۔ **یعنی من الحرص الذی یجر صاحبه الی الذل والعیب** [11]

انسانی روح اور بالیدگی کے لئے طمع ولالچ ایسا ناسور ہے جو آہستہ آہستہ انسان کے دین کے تمام شعبوں میں مختلف طریقوں سے زہر کی آمیزش کی طرح سرایت کرتا ہے اسی وجہ سے کہا گیا کہ طمع دین کے فساد کی جڑ ہے جیسے تقویٰ دین کی اصلاح کی جڑ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ "**فما اخرج العلم من قلوب العلمآء؟ قال الطمع**"

[1] المرقات: ۵/۳۲۸ [2] المرقات: ۵/۳۲۸ [3] المرقات: ۵/۳۲۸ [4] المرقات: ۵/۳۲۸
[5] المرقات: ۵/۳۲۹ [6] المرقات: ۵/۳۲۹ [7] المرقات: ۵/۳۲۹ [8] اخرجه احمد: ۵/۲۳۲
[9] المرقات: ۵/۳۳۰ [10] المرقات: ۵/۳۳۰ [11] المرقات: ۵/۳۳۰

﴿۱۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ فَقَالَ يَاعَائِشَةُ اسْتَعِيذِي بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا فَإِنَّ هٰذَا هُوَ الْغَاسِقُ إِذَا وَقَبَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ "عائشہ! اللہ کی پناہ مانگو: اس (چاند) کی برائی سے کیونکہ یہ غاسق (اندھیرا پھیلانے والا) ہے جب بے نور ہو جائے"۔ (ترمذی)

توضیح: اس حدیث میں قرآن عظیم کی ایک ایت کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ فلق میں اس طرح ہے "**ومن شر غاسق اذا وقب**" مطلب یہ کہ جب چاند بے نور ہو کر گرہن میں آجائے تو گرہن لگنا آفات و مصائب کے نزول کی طرف اشارہ ہوتا ہے لہٰذا چاند گرہن سے بھی پناہ مانگنا چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ اتنا بڑا کرہ جب مصیبت کی زد میں آکر بے نور ہو گیا ہے تو کہیں میرا دل بھی ایمان کے نور سے بے نور نہ ہو جائے اس سے پناہ مانگنا چاہئے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غاسق اذا وقب سے مراد گرہن میں آیا ہوا چاند ہے اگرچہ اکثر مفسرین اس جملہ کو رات کے پھیلنے اور تاریک ہونے پر حمل کرتے ہیں۔[2]

سات معبودوں کے پوجنے والے کا قصہ

﴿۱۹﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي يَاحُصَيْنُ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ إِلٰهاً قَالَ أَبِي سَبْعَةً سِتًّا فِي الْأَرْضِ وَوَاحِداً فِي السَّمَاءِ قَالَ فَأَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ قَالَ يَاحُصَيْنُ أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا أَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَعَدْتَنِي فَقَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِي رُشْدِي وَأَعِذْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے باپ (حضرت حصین رضی اللہ عنہ) سے (جو اس وقت تک ایمان و اسلام کی دولت سے بہرہ مند نہیں تھے) فرمایا حصین: آج کل تم کتنے معبودوں کی بندگی کرتے ہو" میرے باپ نے عرض کیا کہ سات معبودوں کی جن میں سے چھ تو زمین پر ہیں (اور ان کے نام یہ ہیں یغوث، یعوق، نسر، لات، منات اور عزیٰ) اور ایک آسمان میں ہے (جو سب کا خالق ہے) آپ نے فرمایا "پھر ان میں سے کون سا معبود تمہاری امید اور تمہارے خوف کا مرجع ہے؟ (یعنی ان میں سے کس معبود سے تم ڈرتے ہو اور اس سے بھلائی کی امید رکھتے ہو؟) انہوں نے عرض کیا کہ "جو آسمان میں ہے" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "حصین: جان لو اگر تم مسلمان ہو جاتے تو میں تمہیں دو کلمے سکھاتا جو تمہیں (دنیا و آخرت) میں فائدہ

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۴۵۲ [2] المرقات: ۵/۳۳۰ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۵۱۹

پہنچاتے حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "چنانچہ جب (میرے باپ) حضرت حصین رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: مجھے اب وہ دو کلمے بتائیے جن کا آپ ﷺ نے وعدہ کیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ پڑھو **اللھم الھمنی رشدی واعذنی من شر نفسی** اے اللہ میرے دل میں ہدایت ڈال اور میرے نفس کی برائی سے مجھے پناہ دے۔ (ترمذی)

بچوں کے گلے میں تعویذ ڈالنے کا ثبوت

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا فَزِعَ أَحَدُكُمْ فِي النَّوْمِ فَلْيَقُلْ أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهِ وَعِقَابِهِ وَشَرِّ عِبَادِهِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَأَنْ يَحْضُرُوْنِ فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ وَكَانَ عَبْدُاللهِ بْنِ عَمْرٍو يُعَلِّمُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ وَلَدِهِ وَمَنْ لَمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَهَا فِي صَكٍّ ثُمَّ عَلَّقَهَا فِي عُنُقِهِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَهٰذَا لَفْظُهُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ (شعیب رحمۃ اللہ علیہ) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈرے تو اسے چاہئے کہ مذکورہ کلمات پڑھے جس کا ترجمہ یہ ہے: میں اللہ کے پورے کلمات کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں اسکے غضب سے اس کے عذاب سے اس کے بندوں کی برائی سے شیطان کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ شیطان میرے پاس آئیں۔ لہٰذا ان کلمات کو کہنے والے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا"۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان کلمات کو اپنی اولاد میں سے ہر اس شخص کو سکھاتے جو بالغ ہوتا اور ان کی اولاد میں جو نابالغ ہوتے ان کلمات کو کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر ان کے گلے میں ڈال دیتے"۔ (اس روایت کو ابوداود و ترمذی نے روایت کیا ہے لیکن الفاظ ترمذی کے ہیں)۔

توضیح: "فی صك" ای کتاب یعنی کاغذ کے ٹکڑے پر لکھتے تھے صک اصل میں چک تھا کاغذ کے ٹکڑے کو کہتے ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ان کلمات کو اپنے ان بچوں کو لکھ کر یاد کراتے تھے جو بچے بڑے ہوتے تھے اور یاد کرنے کے قابل ہوتے لیکن جو بچے چھوٹے ہوتے تھے اور یاد نہیں کر سکتے تھے تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان کلمات کو کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں ڈالتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ گلے میں تعویذ لٹکانا ممنوع نہیں ہے۔ اور یہ حدیث جواز پر واضح دلیل ہے ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **"فی عنقه" ای فی رقبة ولده وهذا اصل فی تعلیق التعویذات التی فیها اسمآء الله تعالیٰ".**[2]

تعویذات میں اگرچہ علماء کے اختلافی اقوال ہیں لیکن راجح قول یہ ہے کہ جو تعویذات جادو ٹوٹکوں اور غیر اللہ سے استمداد اور شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں یا مبہم کلمات پر مشتمل ہوں یا ہڈیوں کے ہار بنا کر پہننے اور منتر جنتر کے اقسام سے ہوں تو ان کا استعمال کرنا حرام ہے اور جو تعویذات قرآن و حدیث کی دعاؤں پر مشتمل ہوں تو وہ جائز ہیں۔

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۵۴۱ وابوداؤد: ۴/۱۱ [2] المرقات: ۵/۳۴۴

باقی آج کل لوگوں نے جائز تعویذات کا جو کاروبار شروع کر رکھا ہے تو اگر چہ جائز تعویذ کا عمل طبیب اور ڈاکٹر کے علاج کی طرح ایک محنت ہے اس پر پیسہ لینا بھی ڈاکٹر کے علاج کی طرح ہے کوئی اس کو حرام نہیں کہہ سکتا لیکن اس کو کاروبار بنانا اور پیشہ کے طور پر استعمال کرنا مناسب نہیں ہے تجربہ شاہد ہے کہ اس کا انجام اچھا نہیں نکلا ہے ویسے بھی عام لوگ ایسے عالم یا پیر کو حقیر سمجھتے ہیں خواہ وہ تعویذات کی وجہ سے کتنا بڑا مالدار کیوں نہ بنا ہو، بعض حضرات کے پاس فن بھی کامل نہیں ہوتا صرف پیسہ بٹورنے کے لئے مخلوقِ خدا کو طرح طرح حیلوں کے ذریعہ سے پانس رکھا ہے "اناللہ وانا الیہ راجعون"۔

ایسی دعا کہ جنت خود سفارش کرے

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ اللهَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ اَللّٰهُمَّ أَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ اَللّٰهُمَّ أَجِرْهُ مِنَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین مرتبہ جنت مانگتا ہے (یعنی تین مرتبہ یہ دعا کرتا ہے **اللھم انی اسئالك الجنة** اے اللہ: میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں یا یوں کہے: **اللھم ادخلنی الجنة** اے اللہ مجھے جنت میں داخل کرا اور یا کسی بھی زبان میں اس مفہوم و مضمون کو تین مرتبہ کہتا ہے) تو جنت کہتی ہے کہ اے اللہ: تو اس کو جنت میں داخل کر۔ اور جو شخص تین بار آگ سے پناہ مانگتا ہے (یعنی تین مرتبہ یوں کہتا ہے **اللھم اجرنی من النار** اے اللہ: مجھے آگ سے محفوظ رکھ یا اسی مفہوم و مضمون کو کسی بھی زبان میں تین مرتبہ ادا کرتا ہے) تو آگ کہتی ہے کہ اے اللہ: تو اس شخص کو آگ سے محفوظ رکھ"۔ (ترمذی، نسائی)

الفصل الثالث

سحر سے بچنے کی دعا

﴿۲۲﴾ عَنِ الْقَعْقَاعِ أَنَّ كَعْبَ الْأَحْبَارِ قَالَ لَوْلَا كَلِمَاتٌ أَقُوْلُهُنَّ لَجَعَلَتْنِيْ يَهُوْدُ حِمَارًا فَقِيْلَ لَهُ مَاهُنَّ قَالَ أَعُوْذُ بِوَجْهِ اللهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ لَيْسَ شَيْءٌ أَعْظَمُ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَايُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ وَبِأَسْمَاءِ اللهِ الْحُسْنٰى مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ أَعْلَمْ وَمِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[2]

ترجمہ: حضرت قعقاع کہتے ہیں کہ حضرت کعب احبار فرماتے تھے کہ اگر میں وہ کلمات نہ کہتا تو یہود مجھے گدھا بنا ڈالتے ان سے پوچھا گیا وہ کلمات کیا ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مذکورہ کلمات ہیں۔ ترجمہ یہ ہے: میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی ذات کے

[1] اخرجه الترمذی ۴/۶۹۹ والنسائی: ۱۱۰ [2] اخرجه مالك: ۹۵۱

ذریعہ جو بہت بڑا ہے وہ اللہ کہ کوئی چیز اس سے بڑی نہیں اور اس کے کامل کلمات کے ذریعہ سے کہ ان سے نہ کوئی نیک تجاوز کرتا ہے اور نہ کوئی بد اور اللہ کے ناموں کے ذریعہ جو پاک و نیک ہیں اور ان میں سے جو کچھ میں جانتا ہوں اور جو کچھ میں نہیں جانتا اور اس چیز کی برائی سے جو اس نے پیدا کی اور پراگندہ و برابر کی (یعنی متناسب الاعضاء بنائیں)۔ (مالک)

توضیح: حضرت کعب احبار یہود کے بڑے علماء میں سے تھے حضور اکرم ﷺ کا زمانہ پایا لیکن نہ مسلمان ہوا اور نہ حضور اکرم ﷺ کو دیکھا بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمان ہوئے ان کا بیان ہے کہ جب میں مسلمان ہوا تو یہود میرے مخالف ہو گئے مجھ پر طرح طرح کے جادو کرنے لگے اگر میں مذکورہ کلمات نہ پڑھتا تو قریب تھا کہ یہود مجھے اپنے جادو کے ذریعے سے گدھا بنا دیتے یعنی سچ مچ گدھا بن جاتا یا گدھے کی طرح مسلوب العقل بیوقوف بن جاتا لیکن ان کلمات کی برکت سے میں محفوظ رہ گیا، پوچھنے والے نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں تو آپ نے بتا دیا۔ (جو اوپر حدیث میں ہیں)[1]

"**لا یجاوزھن**" کلمات تامہ سے قرآن عظیم وہ کلام عظیم ہے کہ اس کے احکام سے نہ نیک آدمی باہر جا سکتا ہے جو مسلمان ہے اور نہ بڑا آدمی باہر جا سکتا ہے جو کافر ہے اور قرآن میں دو قسم کے احکام ہیں ایک قسم وعد ہے دوسری قسم وعید ہے لہٰذا "بر" اور "فاجر" سے مؤمن اور کافر مراد لیا جائے گا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن عظیم مسلمان و کافر دونوں پر محیط ہے ایک کے لئے بشارت ہے دوسرے کے لئے ڈراوا ہے۔[2]

"**ما خلق**" یعنی اللہ کی ہر مخلوق کے شر سے جو مخلوق اللہ نے پیدا کی "**وذرأ**" اور پیدا کرنے کے بعد پھیلا دیا "**وبرء**" اور بغیر کسی تفاوت کے درست کیا۔ ایک اللہ والے نے افریقہ میں ایک مجلس میں علماء کو پڑھنے کے لئے اس طرح دعا سکھائی اے اللہ اپنی ہر مخلوق کی ہر شر سے میری حفاظت فرما۔[3]

﴿۲۳﴾ وَعَنْ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ كَانَ أَبِي يَقُولُ فِي دُبُرِ الصَّلَاةِ أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ فَكُنْتُ أَقُولُهُنَّ فَقَالَ أَيْ بُنَيَّ عَمَّنْ أَخَذْتَ هٰذَا قُلْتُ عَنْكَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُهُنَّ فِي دُبُرِ الصَّلَاةِ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ فِي دُبُرِ الصَّلَاةِ وَرَوَى أَحْمَدُ لَفْظَ الْحَدِيثِ وَعِنْدَهُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ)[4]

ترجمہ: اور حضرت مسلم بن ابی بکرہ کہتے ہیں کہ میرے والد (ہر نماز یا فرض) نماز کے بعد مذکورہ دعا مانگا کرتے تھے ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں کفر سے فقر سے (یعنی قلبی فقر کے فتنہ سے کہ جو بے صبری اور کفران نعمت وغیرہ ہے) اور عذاب قبر سے "چنانچہ میں بھی ان کلمات کو پڑھا کرتا تھا (ایک دن) میرے والد نے مجھ سے پوچھا کہ میرے بیٹے: تم نے یہ کلمات کس سے سیکھے؟ میں نے کہا آپ سے: انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نماز کے بعد یہ کلمات کہا کرتے تھے" اس روایت کو

[1] المرقات: ۵/۳۳۶ [2] المرقات: ۵/۳۳۸ [3] الکاشف: ۵/۲۲۰ [4] اخرجه الترمذی: والنسائی: ۳/۷۳

نسائی اور ترمذی نے نقل کیا ہے لیکن ترمذی نے فی دبر الصلوٰۃ (نماز کے بعد) کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صرف حدیث کے الفاظ نقل کئے ہیں (یعنی ان کی روایت میں مسلم بن ابی بکرہ اور ان کے باپ کا ذکر نہیں ہے) نیز ان کی روایت میں فی دبر کل الصلوٰۃ (ہر نماز کے بعد) کے الفاظ ہیں یعنی ان کی روایت میں لفظ کل بھی ذکر ہے۔

قرض اور کفر دونوں سے پناہ مانگو

﴿۲۴﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالدَّيْنِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَتَعْدِلُ الْكُفْرَ بِالدَّيْنِ قَالَ نَعَمْ. وَفِيْ رِوَايَةٍ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ قَالَ رَجُلٌ وَيَعْدِلَانِ قَالَ نَعَمْ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کلمات فرماتے سنا ہے **اعوذ باللہ من الکفر والدین** (یعنی میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کفر اور قرض سے) ایک شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ: کیا آپ ﷺ نے کفر کو قرض کے برابر کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں" اور ایک روایت میں یہ دعا منقول ہے **اللھم انی اعوذبك من الكفر والفقر** یعنی اے اللہ: میں تیری پناہ مانگتا ہوں کفر سے اور فقر سے (یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا کفر اور فقر دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں"۔ (نسائی)

توضیح: کفر اور قرض کو اس حدیث میں برابر اس لئے قرار دیا گیا کہ قرض کی وجہ سے انسان جھوٹ بولتا ہے مکاری عیاری شطاری دعاری کرتا ہے وعدہ خلافی کرتا ہے بار بار وعدہ ہوتا ہے اور بار بار اس کو توڑتا ہے یہ تمام چیزیں یا منافقین کی خصلتیں ہیں یا کفار اشرار کی خصلتیں ہیں اس لئے جس مسلمان میں یہ چیزیں آگئیں تو وہ کفار اور منافقین کی صف میں جا کھڑا ہو گیا۔ کفر اور فقر کو بھی برابر قرار دیا گیا کیونکہ **کاد الفقر ان یکون کفرا**۔ حدیث ہے۔[2]

[1] اخرجه النسائي: ۸/۲۶۴ [2] المرقات: ۵/۳۳۰

باب جامع الدعآء

جامع دعائیں

جامع دعاوہ ہے جس کے الفاظ مختصر ہوں اور معنی ہمہ گیر اور محیط ہو "ای معان کثیرۃ فی الفاظ یسیرۃ" یہ اضافت موصوف کا اپنی صفت کی طرف ہے۔ اصل عبارت اُس طرح ہے "الدعآء الجامع"۔[1]

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَدْعُوا بِهٰذَا الدُّعَاءِ أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي جِدِّي وَهَزْلِي وَخَطَئِي وَعَمْدِي وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِي أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (متفق علیہ)[2]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ دعا مانگا کرتے تھے ترجمہ یہ ہے: اے اللہ معاف فرما میری خطا کو میری نادانی کو کاموں میں میری زیادتی کو اور اس گناہ سے جس کا علم مجھ سے زیادہ تجھ کو ہے اے اللہ: معاف فرما میرے اس برے کام کو جسے میں نے قصداً کیا ہے، اس کام کو جسے میں نے ہنسی دل لگی میں کیا ہو اور اس کام کو جسے میں نے دانستہ یا نادانستہ کیا ہو اور یہ سب باتیں مجھ میں ہیں۔ اے اللہ: بخشش فرما میرے ان گناہوں کی جو میں نے پہلے کئے ہیں ان گناہوں کی جو (بالفرض والتقدیر) بعد میں ہوں گے، ان گناہوں کی جو پوشیدہ سرزد ہوئے ہوں ان گناہوں کی جو کھلم کھلا کئے ہوں اور ان گناہوں کی جن کا علم مجھ سے زیادہ تجھ کو ہے، تو ہی جس کو چاہے اپنی توفیق کے ساتھ اپنی رحمت کی طرف آگے کرنے والا ہے اور تو ہی جس کو چاہے اپنی رحمت سے پیچھے ڈالنے والا ہے اور تو ہی ہر چیز پر قادر ہے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "وکل ذالک عندی" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تواضع اور بطور عجز وانکساری فرمایا کہ یہ ساری چیزیں مجھ میں ہیں یا آپ نے امت کی تعلیم کے لئے ایسا فرمایا کیونکہ ہر امتی میں ان گناہوں میں سے کچھ نہ کچھ ہوتا ہے۔[3]

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ أَصْلِحْ لِي دِيْنِي الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِي وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِي الَّتِي فِيهَا مَعَادِي وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ۔ (رواہ مسلم)[4]

---

[1] المرقات: ۵/۳۴۰ والکاشف: ۵/۲۲۲ [2] اخرجہ البخاری: ۸/۱۰۵ ومسلم: ۲/۳۸۰ [3] المرقات: ۵/۳۴۱ [4] اخرجہ مسلم: ۲/۳۸۱

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مذکورہ دعا کرتے تھے۔ ترجمہ یہ ہے: اے اللہ درست کر میرے دین کو جو میرے امور کا محافظ ہے (یعنی دین کی وجہ سے جان و مال اور آبرو کی حفاظت ہوتی ہے اور آخرت کے عذاب سے نجات ملتی ہے) درست کر میری دنیا کو جس میں میری زندگانی ہے درست کر میری آخرت کو جہاں مجھے لوٹ کر جانا ہے میری زندگی کو سبب بنا ہر نیکی میں زیادتی کا (یعنی طویل عمر عطا فرما تا کہ بہت سی نیکیاں کروں) اور میرے لئے موت کو ہر برائی سے راحت اور آرام کا سبب بنا"۔ (مسلم)

دعائے ہدایت

﴿۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ مذکورہ دعا مانگتے تھے۔ ترجمہ یہ ہے: اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں ہدایت، تقویٰ اور حرام و مکروہ سے نفس کی حفاظت نیز (قلبی اور ظاہری) استغناء۔ (مسلم)

﴿۴﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلِ اللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ وَسَدِّدْنِيْ وَاذْكُرْ بِالْهُدٰى هِدَايَتَكَ الطَّرِيْقَ وَبِالسَّدَادِ سَدَادَ السَّهْمِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ دعا مانگو اللھم اھدنی وسددنی اے اللہ: مجھے (سیدھی راہ دکھا کر) ہدایت یافتہ بنا اور میرے اعمال اور افعال کو راست و درست فرما کر، مجھے سیدھا کر "۔ (نیز آپ ﷺ نے فرمایا) جب تم ہدایت طلب کرو تو راستہ کے سیدھا چلنے کا تصور کرو اور جب راستی کی طلب کرو تو تیر کی سی راستی کا تصور کرو"۔ (مسلم)

توضیح: "واذکر" یعنی جب ہدایت کے الفاظ تمہاری زبان پر ہوں تو دماغ میں یہ تصور ہونا چاہئے کہ ہدایت والے راستہ کی رہنمائی فرما وہ راستہ جس پر تیرے نیک بندے گزرے ہیں۔ اور جب زبان پر[3] "سداد" یعنی راستی کے الفاظ ہوں تو دل و دماغ میں یہ تصور ہو کہ اس طرح سیدھا ہو جاؤں جس طرح تیر سیدھا ہوتا ہے کیونکہ تیر میں اگر معمولی کجی ہو تو وہ نشانہ پر صحیح نہیں بیٹھتا۔ یعنی مکمل ہدایت مانگا کرو۔[4]

نو مسلم کی دعا

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِيْ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ إِذَا أَسْلَمَ عَلَّمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۳۸۱ [2] اخرجہ مسلم: ۲/۳۸۲ [3] المرقات: ۵/۳۴۴ [4] المرقات: ۵/۳۴۴

وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ ثُمَّ أَمَرَهُ أَنْ يَدْعُوَ بِهٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو مالک اشجعی اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جب کوئی شخص مسلمان ہوتا تو نبی کریم ﷺ اسے نماز کی تعلیم دیتے پھر اس کو حکم دیتے کہ وہ ان کلمات کے ذریعہ دعا مانگے اللھم اغفرلی وارحمنی واھدنی وعافنی وارزقنی یعنی اے اللہ: میری مغفرت فرما میرے عیوب کو ڈھانک کر، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت یافتہ بنا اور مجھے (حلال) روزی عطا فرما"۔ (مسلم)

آسان جامع دعا

﴿۶﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ دعا کثرت سے پڑھا کرتے تھے اللھم اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الأخرة حسنة وقنا عذاب النار اے اللہ ہمیں دنیا میں نیکی و بھلائی (یعنی نعمتیں اور اچھی حالت) عطا کر اور آخرت میں (یعنی موت کے بعد) بھی نیکی و بھلائی (یعنی اچھے مراتب) عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا"۔ (بخاری و مسلم)

الفصل الثانی

﴿۷﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْ يَقُوْلُ رَبِّ أَعِنِّيْ وَلَاتُعِنْ عَلَيَّ وَانْصُرْنِيْ وَلَاتَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْلِيْ وَلَاتَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِيْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِيْ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ رَبِّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَاكِراً لَكَ ذَاكِراً لَكَ رَاهِباً لَكَ مِطْوَاعاً لَكَ مُخْبِتاً إِلَيْكَ أَوَّاهاً مُنِيْباً رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِيْ وَأَجِبْ دَعْوَتِيْ وَثَبِّتْ حُجَّتِيْ وَسَدِّدْ لِسَانِيْ وَاهْدِ قَلْبِيْ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مذکورہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ترجمہ: اے پروردگار میری مدد فرما (یعنی اپنے ذکر، شکر اور اپنی عبادت کے حسن کی مجھے توفیق دے) میرے خلاف کسی کی مدد نہ کر (یعنی جو طاقتیں مجھے تیری طاعت و عبادت سے باز رکھیں خواہ شیطان ہو، خواہ نفس اور خواہ کفار ان کو مجھ پر غالب نہ کر) مجھے فتح دے مجھ پر کسی کو فتحیاب نہ

[1] اخرجه مسلم: ۲/۳۴۳ [2] اخرجه البخاری: ۶۷۷ ومسلم: ۲/۳۸۱ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۵۵۴ وابوداؤد: ۲/۸۴

کر (یعنی مجھے کفار پر غالب کر کفار کو مجھ پر غلبہ نہ دے) اور میری مدد کرنے کے لئے دشمنوں کے حق میں میرے لئے مکر کر، میرے ضرر کیلئے مکر نہ کر مجھے سیدھی راہ دکھا سیدھی راہ پر چلنا میرے لئے آسان کر اور اس کے خلاف میری مدد کر جو مجھ پر زیادتی کرے اے میرے رب: مجھے ہر وقت تیرا شکر گزار تیرا ذکر کرنے والا، تجھ سے ڈرنے والا، تیری بہت فرمانبرداری کرنے والا، تیرے سامنے عاجزی کرنے والا، تیری بارگاہ میں زاری کرنے والا اور رجوع کرنے والا بنا، اے اللہ: میری توبہ قبول کر، میرے گناہ دھو دے، میری دعا قبول کر (دنیا و آخرت میں اپنے دشمنوں کے سامنے) میری دلیل وحجت کو ثابت کر، میری زبان کو سچی اور درست رکھ (یعنی اس سے سچ وحق بات کے علاوہ کچھ نہ نکلے) میرے دل کو ہدایت بخش اور میرے سینہ کی سیاہی دور کر دے''۔

(ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "وامکرلی" مکر کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد دشمنان اسلام پر ایسی جگہ سے مصیبت کا آنا ہوتا ہے جس کا ان کو گمان نہ ہو، اگر اس کی نسبت انسان کی طرف ہو تو مکر و فریب اور دھوکہ مراد ہوتا ہے۔[۱]

"راھبالك" خوشی اور غمی کی حالت میں ایک اللہ سے ڈرنے کے معنی میں ہے "مطواعا" کثیر الاطاعة۔[۲]

"مخبتًا" اخبات سے ہے عاجزی کرنے والا جھکنے والا اور تواضع کرنے والا مراد ہے۔[۳]

"اواھا" کثیر الحزن بہت غمگین مراد ہے یا بہت رونے والا مراد ہے یا گناہ سے بہت توبہ کرنے والا مراد ہے "ای رجاع من الکل الی من له الکل"۔[۴]

"حوبتی" حا پر فتحہ اور ضمہ دونوں صحیح ہے بڑے گناہ کو کہتے ہیں "انه کان حوبا کبیرا"۔[۵]

"واسلل" نکالنے کے معنی میں ہے[۶] "سخیمة" دل کی کدورت وخباثت کینہ وبغض ودیگر امراض قلبیہ،[۷] "صدری" دل مراد ہے۔[۸]

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ قَالَ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَكَى فَقَالَ سَلُوا اللهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فَإِنَّ أَحَداً لَمْ يُعْطَ بَعْدَ الْيَقِيْنِ خَيْراً مِنَ الْعَافِيَةِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ إِسْنَاداً)[۹]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے رونے لگے اور پھر فرمایا ''اللہ تعالیٰ سے بخشش و عافیت مانگو کیونکہ کسی کو ایقان (ایمان) کے بعد عافیت سے بہتر کوئی نعمت نہیں دی گئی ہے (یعنی ایمان کی دولت کے بعد عافیت سے بہتر کوئی عمل نہیں) اس روایت کو ترمذی رحمہ اللہ اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے نیز امام ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث باعتبار سند کے حسن غریب ہے۔

---

[۱] المرقات: ۵/۳۴۶ [۲] المرقات: ۵/۳۴۷ [۳] المرقات: ۵/۳۴۷ [۴] المرقات: ۵/۳۴۷ [۵] المرقات: ۵/۳۴۹
[۶] المرقات: ۵/۳۴۹ [۷] المرقات: ۵/۳۴۹ [۸] المرقات: ۵/۳۴۹ [۹] اخرجه الترمذی: وابن ماجه: ۲/۱۲۶۵

﴿۹﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَفْضَلُ قَالَ سَلْ رَبَّكَ الْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ثُمَّ أَتَاهُ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي فَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَفْضَلُ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ أَتَاهُ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ فَإِذَا أُعْطِيتَ الْعَافِيَةَ وَالْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَقَدْ أَفْلَحْتَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ إِسْنَادًا)[۱]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''یارسول اللہ: کون سی دعا سب سے بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا ''اپنے رب سے عافیت (یعنی دین وبدن کی سلامتی) اور دنیا و آخرت میں معافات مانگو (معافات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں تمہیں لوگوں سے اور لوگوں کو تم سے عافیت وحفاظت میں رکھے)۔ وہ شخص پھر دوسرے دن آیا اور کہا کہ یارسول اللہ: کون سی دعا سب سے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر وہی فرمایا (جو پہلے دن کہا تھا) پھر وہ شخص تیسرے دن آیا (اور اس نے وہی پوچھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وہی جواب دیا اور فرمایا کہ اگر تمہیں عافیت اور دنیا و آخرت میں معافات عطا کر دی جائے تو تم نجات پا گئے اور تم نے اپنے مقصد کو حاصل کر لیا'' اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث باعتبار سند کے غریب ہے۔

حب الٰہی کی دعا

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ يَزِيْدِ الْخَطْمِيِّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ أَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبُّهُ عِنْدَكَ أَللّٰهُمَّ مَارَزَقْتَنِي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِي فِيمَا تُحِبُّ أَللّٰهُمَّ مَازَوَيْتَ عَنِّي مِمَّا أُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِي فِيمَا تُحِبُّ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن یزید خطمی رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں مذکورہ الفاظ فرمایا کرتے تھے ترجمہ یہ ہے: اے اللہ مجھے نصیب کر اپنی محبت اور اس شخص کی محبت جس کی محبت تیرے نزدیک مجھے نفع دے اے اللہ تو نے مجھے اس چیز میں سے جسے میں پسند کرتا ہوں جو کچھ بھی عطا کیا ہے اس کو میرے لئے اس چیز میں قوت کا سبب بنا جسے تو پسند کرتا ہے (یعنی تو نے مال وزر، عافیت واطمینان اور دوسری دنیاوی نعمتوں میں سے جو کچھ بھی عطا فرمایا ہے اور ان کو شکر گزاری اور اپنی طاعت کا سبب بنا تا کہ میں اسے تیری راہ میں اور تیری خوشنودی کے لئے خرچ کروں، اے اللہ: تو نے مجھے اس چیز میں سے جسے میں پسند کرتا ہوں جو کچھ نہیں دیا ہے اس کو میرے لئے اس میں فراغت کا سبب بنا جسے تو پسند کرتا ہے۔ (ترمذی)

توضیح: "مازویت" ای ماقبضته ونحیته وبعدته "یعنی تو نے مجھ سے جو مال وزر دور کیا عطا نہیں کیا"[۳]

[۱] اخرجه الترمذی: ۵/۵۳۳ وابن ماجه: ۲/۱۲۶۵ [۲] اخرجه الترمذی: ۵/۵۲۳ [۳] المرقات: ۵/۳۵۱

"مما احب" یعنی جسکو میں چاہتا تھا مال وجاہ میں سے [۱] "فراغا" یعنی اپنی محبت کے لئے فارغ البالی کا ذریعہ بنادے اگر دنیا کا مال حاصل نہ ہوا تو تیری محبت کا کمال حاصل ہو جائے گا۔ [۲]

اتنا ملے جس سے کام نکلے

﴿۱۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتّٰى يَدْعُوَ بِهٰؤُلَاءِ الدَّعَوَاتِ لِأَصْحَابِهِ أَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کسی مجلس سے اٹھتے ہوں اور ان کلمات کے ذریعے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے دعا نہ مانگتے ہوں آپ ﷺ مذکورہ دعا مانگتے تھے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: اے اللہ تو ہم میں اپنا اتنا خوف پیدا کردے کہ تو اس کی وجہ سے ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے (یعنی اس خوف کی وجہ سے ہم گناہوں سے بچیں) اور ہمیں اپنی اتنی طاعت نصیب کر کہ اس کی وجہ سے ہمیں بہشت کے (عالی درجات) میں پہنچا دے ہمیں اتنا یقین عطا فرما کہ اس کی وجہ سے تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان کردے ہمیں ہماری ساعتوں، ہماری بینائیوں اور ہماری قوتوں سے اس وقت تک بہرہ مند رکھ جب تک کہ تو ہمیں زندہ رکھے اور بہرہ مندی کو ہمارا وارث قرار دے (یعنی ہمارے تمام اعضاء وحواس کو آخر تک برقرار وسلامت رکھ) ہمارے کینہ وانتقام میں اس شخص کو مبتلا کر جس نے ہم پر ظلم کیا (یعنی ہمیں اتنی طاقت وقوت دے کہ ہم اپنے ظالموں سے بدلہ لے سکیں، یا ہماری طرف سے تو ان سے بدلہ لے) ہمیں فتح عطا فرما اس شخص پر جو ہم سے دشمنی رکھے (خواہ وہ ہمارا دینی دشمن ہو یا دنیاوی دشمن) ہماری مصیبتوں کو ہمارے دین میں مؤثر نہ کر (یعنی ہمیں ایسی مصیبتوں میں مبتلا نہ کر جو دین کے نقصان کا باعث ہوں) دنیا کو ہمارے لئے فکروں کا مرکز اور ہمارے علم کا مطمع نظر نہ بنا اور ہم پر ان لوگوں کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کریں"۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

علم نافع کی دعا

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا

---

[۱] المرقات: ۵/۳۵۱ [۲] المرقات: ۵/۳۵۱ [۳] اخرجه الترمذی: ۵/۵۲۸

عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَایَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْماً اَلْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَأَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنْ حَالِ أَھْلِ النَّارِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَہ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ اِسْنَاداً)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ دعا مانگا کرتے تھے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: اے اللہ تو نے مجھے جو کچھ سکھلایا ہے اسے میرے لئے نفع بخش کر (یعنی علم پر عمل کرنے کی توفیق دے) اور مجھے وہ چیز سکھلا جو مجھے نفع دے (یعنی مجھے ایسا علم دے جس کو حاصل کرنا اور جس چیز پر عمل کرنا دنیا وآخرت میں میرے لئے نفع کا باعث ہو۔ اور میرے علم (یعنی دینی علم) میں زیادتی کر۔ ہر حالت میں اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں دوزخیوں کی سی حالت سے (کہ دنیا میں فسق وفجور سے اور عقبی میں عذاب سے بچوں۔ (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث باعتبار سند کے غریب ہے۔

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا أُنْزِلَ عَلَیْہِ الْوَحْیُ سَمِعَ عِنْدَوَجْھِہٖ دَوِیٌّ کَدَوِیِّ النَّحْلِ فَأُنْزِلَ عَلَیْہِ یَوْماً فَمَکَثْنَا سَاعَةً فَسُرِّیَ عَنْہُ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَقَالَ أَللّٰھُمَّ زِدْنَا وَلَاتَنْقُصْنَا وَأَکْرِمْنَا وَلَاتُھِنَّا وَأَعْطِنَا وَلَاتَحْرِمْنَا وَآثِرْنَا وَلَاتُؤْثِرْعَلَیْنَا وَأَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا ثُمَّ قَالَ أُنْزِلَ عَلَیَّ عَشْرُ آیَاتٍ مَنْ أَقَامَھُنَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ ثُمَّ قَرَأَ قَدْأَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی خَتَمَ عَشْرَ آیَاتٍ۔ (رَوَاہُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)[2]

ترجمہ: اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک منہ کے قریب شہد کی مکھی کی آواز کی مانند آواز سنی جاتی تھی چنانچہ ایک دن (ہمارے سامنے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی ہم تھوڑی دیر ٹھہرے رہے (یعنی ہم اس انتظار میں رہے کہ نزول وحی کی جو سختی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہے وہ ختم ہوجائے) جب سختی کی وہ کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ قبلہ کی طرف کیا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں یوں عرض رساں ہوئے۔ ترجمہ: اے اللہ ہماری دنیاوی اور اخروی نعمتوں یا مسلمانوں کی تعداد میں زیادتی کر اور ان نعمتوں یا مسلمانوں میں کمی نہ کر ہمیں (دنیا میں حاجت روائی کے ساتھ اور عقبی میں بلندی درجات کے ذریعہ) معزز بنا (اور ہمیں ان چیزوں سے محروم رکھ کر) ذلیل نہ کر، ہمیں دنیا وآخرت کی بھلائیاں عطا فرما اور ہمیں محروم نہ کر ہمیں اپنی رحمت وعنایت کے ذریعہ برگزیدہ بنا اور ہم پر غیروں کو اپنے لطف وکرم کے ذریعہ) برگزیدہ نہ بنا (یا کہ ہمارے دشمنوں کو ہم پر غالب نہ کر) ہمیں اپنی قضاء وقدر پر صبر وشکر کی توفیق عطا فرما کر راضی رکھ اور (تو ہی ہماری تھوڑی سی بھی عبادت وطاعت پر) ہم سے راضی ہو" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابھی مجھ پر دس آیتیں نازل ہوئی ہیں جو شخص ان پر عمل کرتا رہے وہ جنت میں (نیکوں کے ساتھ) داخل ہوگا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے **قدافلح المؤمنون** دس آیتوں تک پڑھی"۔ (احمد، ترمذی)

[1] اخرجہ الترمذی: ۵/۵۷۸ وابن ماجہ: ۲/۱۲۵۰ [2] اخرجہ احمد: ۳۴۱ والترمذی: ۵/۳۲۶

توضیح: "دوی" شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کو دوی کہتے ہیں [1] "ورفع یدیه" دعا میں ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں سے ہے۔ [2] "عشر آیات" سورت مومنون کی ابتدائی دس آیات مراد ہیں۔ [3]

الفصل الثالث

بینائی کے لئے دعا

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ إِنَّ رَجُلاً ضَرِيْرُ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ادْعُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَنِيْ فَقَالَ إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ اللهَ وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قَالَ فَادْعُهُ قَالَ فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ الْوُضُوْءَ وَيَدْعُوْ بِهٰذَا الدُّعَاءِ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ إِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلٰى رَبِّيْ لِيَقْضِيَ لِيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ أَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ) [4]

ترجمہ: حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص جسے کم نظر آتا تھا یا یہ کہ وہ بینائی سے محروم تھا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ بینائی کے نقصان سے عافیت بخشے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر تم چاہو تو تمہارے لئے دعا کروں اور اگر تم (صبر و رضا) چاہتے ہو تو صبر کرو صبر کرنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے"۔ اس شخص نے کہا کہ آپ ﷺ میرے لئے دعا ہی کر دیجئے" حضرت عثمان کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ (سن کر) اسے حکم دیا کہ وضو کرے اور اچھا وضو کرے اور ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے اسے دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم بھی دیا اور یہ کہ پھر مذکورہ کلمات کے ذریعہ دعا مانگے جس کا ترجمہ یہ ہے: اے اللہ میں تجھ سے (اپنا مقصود) مانگتا ہوں اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف تیرے نبی کے وسیلہ سے جن کا نام محمد (ﷺ) ہے جو نبی رحمت ہیں اور میں متوجہ ہوتا ہوں اپنے پروردگار کی طرف اے نبی (ﷺ) آپ کے وسیلہ سے تاکہ وہ میری حاجت کے بارے میں حکم کرے اور یہ کہ اے اللہ: میرے بارے میں اپنے نبی کی شفاعت قبول فرما"۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوٗدَ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِيْ يُبَلِّغُنِيْ حُبَّكَ أَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَمَالِيْ وَأَهْلِيْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَكَرَ

[1] المرقات: ۵/۳۵۷ [2] المرقات: ۵/۳۵۷ [3] المرقات: ۵/۳۵۷ [4] اخرجه الترمذی: ۵/۵۶۹

دَاوُدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ يَقُولُ كَانَ أَعْبَدَ الْبَشَرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا حضرت داود علیہ السلام کی دعاؤں میں سے مذکورہ دعا بھی تھی اے اللہ: میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری محبت اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھے اور وہ عمل جو مجھے تیری محبت تک پہنچادے اے اللہ: تو اپنی محبت کو میرے لئے میری جان سے، میرے مال سے، میرے اہل وعیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ عزیز بنادے"۔ راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ جب حضرت داود علیہ السلام کی باتیں بیان فرماتے تو فرماتے تھے کہ حضرت داود علیہ السلام (اپنے زمانہ کے) آدمیوں میں بڑے عابد تھے"۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ سَائِبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّى بِنَا عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ صَلَاةً فَأَوْجَزَ فِيهَا فَقَالَ لَهُ بَعْضُ الْقَوْمِ لَقَدْ خَفَّفْتَ وَأَوْجَزْتَ الصَّلَاةَ فَقَالَ أَمَا عَلَيَّ ذٰلِكَ لَقَدْ دَعَوْتُ فِيهَا بِدَعَوَاتٍ سَمِعْتُهُنَّ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ تَبِعَهُ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ هُوَ أُبَيٌّ غَيْرَ أَنَّهُ كَنَّى عَنْ نَفْسِهِ فَسَأَلَهُ عَنِ الدُّعَاءِ ثُمَّ جَاءَ فَأَخْبَرَ بِهِ الْقَوْمَ أَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْراً لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْراً لِي أَللّٰهُمَّ وَأَسْئَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَأَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَأَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَأَسْأَلُكَ نَعِيماً لَا يَنْفَدُ وَأَسْأَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ وَأَسْأَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَأَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَأَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ إِلٰى لِقَائِكَ فِي غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ أَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِينَةِ الْإِيمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مَهْدِيِّينَ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عطا ابن سائب اپنے والد (حضرت سائب) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایک نماز پڑھائی نماز میں انہوں نے اختصار کیا (یعنی نہ تو انہوں نے طویل قرأت کی اور نہ تسبیحات وغیرہ بہت زیادہ پڑھیں، چنانچہ ان سے بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے ہلکی نماز پڑھی اور نماز کو مختصر کردیا) حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے لئے یہ تخفیف کوئی مضر نہیں کیونکہ میں نے اس نماز کے قعدہ میں یا سجدہ میں وہ کئی دعائیں پڑھی ہیں جن کو میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے" پھر جب حضرت عمار رضی اللہ عنہ اٹھ کر چلے جانے لگے تو جماعت میں سے ایک شخص ان کے ساتھ ہولیا، اور (حدیث کے راوی حضرت عطاء کہتے ہیں کہ) وہ میرے باپ (حضرت سائب ہی تھے) سوائے اس کے کہ انہوں نے اپنے آپ کو چھپایا (یعنی انہوں نے اس طرح بیان نہیں کیا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ میں گیا بلکہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنے کے لئے یوں

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۵۲۲ [2] اخرجه النسائی: ۳/۵۴

کہا کہ ایک شخص ان کے ساتھ ہولیا۔ بہر کیف) انہوں نے (حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے اس دعا کے بارے میں دریافت کیا حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے انہیں وہ دعا بتادی جو انہوں نے نماز کے دوران پڑھی تھی) پھر وہ آئے اور جماعت کو دعا بتادی جو اوپر مذکور ہے (ترجمہ) اے اللہ: تو بحق اپنے علم غیب کے اور بحق اپنی قدرت کے اپنی مخلوق پر مجھ کو زندہ رکھ جب تک کہ تو زندگی کو میرے لئے بہتر جانے اور مجھے موت دے جب تو موت کو میرے لئے بہتر جانے (یعنی جب تک نیکیاں برائیوں پر غالب ہیں اس وقت تک زندگی بہتر ہے اور جب برائیاں نیکیوں پر غلبہ پالیں اور ظاہری و باطنی فتنے گھیر لیں تو اس وقت موت بہتر ہے) اے اللہ: اور مانگتا ہوں میں تجھ سے تیرا خوف باطن وظاہر میں اور مانگتا ہوں کلمۂ حق (کہنے کی توفیق) خوشی میں بھی اور خفگی میں بھی اور مانگتا ہوں میں تجھ سے میانہ روی فقر وافلاس کی حالت میں بھی اور خوش حالی کے وقت بھی (یعنی نہ تو زیادہ فقر وافلاس اور رنج و تکلیف ہی میں مبتلا ہوں۔ اور نہ اتنا تونگر وخوش حال ہو جاؤں کہ اسراف کرنے لگوں) اور مانگتا ہوں میں تجھ سے ایسی نعمت جو کبھی ختم نہ ہو۔ (یعنی غیب کی نعمتیں) اور مانگتا ہوں تجھ سے آنکھ کی ٹھنڈک جو کبھی ختم نہ ہو۔ اور مانگتا ہوں رضامندی (تیری) قضا (فیصلے) کے بعد اور مانگتا ہوں تجھ سے زندگی کی ٹھنڈک مرنے کے بعد (یعنی ہمیشہ کی راحت برزخ اور قیامت میں) اور مانگتا ہوں لذت دیکھنے کی تیرے چہرہ کی طرف (آخرت میں) اور مانگتا ہوں تیری ملاقات کا شوق ایسی حالت میں جو ضرر نہ پہنچائے اور نہ گمراہی کے فتنہ میں مبتلا کرے اے اللہ: ہمیں ایمان کی زینت کے ساتھ مزین فرما (یعنی ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھ اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی توفیق عطا فرما) اور ہمیں راہ راست دکھانے والے اور راہ راست پر چلنے والا بنا''۔ (نسائی)

توضیح: "اماعلی" ہمزہ استفہام انکار کے لئے ہے "ما" پر شد نہیں ہے "علی" میں یا پر شد ہے اصل عبارت اس طرح ہے "**اتقول هذا اسکت، ماعلی من ضرر**" یعنی اگر میں نے لمبی نماز نہیں پڑھائی تو کوئی حرج نہیں کیونکہ میں نے قعدۂ اخیرہ میں ایسی ایسی دعائیں مانگی ہیں جو میں نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمار گھر کی طرف چلے گئے۔[1]

"**هو ابی**" حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میرے باپ سائب نے کہا کہ اس کے پیچھے ایک آدمی چلا گیا عطا فرماتے ہیں کہ یہ میرا باپ ہی تھا لیکن اس نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ بہر حال حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ عطاء نے کہا کہ حضرت عمار نے ایک دفعہ نماز پڑھائی کچھ لوگوں نے اعتراض کیا کہ نماز مختصر پڑھائی آپ نے فرمایا کہ اگر مختصر بھی ہو تو کوئی پرواہ نہیں کیونکہ میں نے اس میں زبردست دعائیں پڑھی ہیں یہ کہہ کر وہ گھر کی طرف چلے گئے تو میرے باپ نے جا کر ان سے دعاء معلوم کی اور پھر واپس آکر لوگوں کو اسی طرح بتا دیا۔[2]

"**فی غیر ضراء مضرة**" یہ جار مجرور الشوق کے ساتھ متعلق ہے اور ضراء سخت حالت کو کہتے ہیں اور مضرۃ ضرر رساں اور نقصان دہ کے معنی میں ہے یعنی میں اللہ تعالیٰ کے دیدار اور زیارت کا شوق مانگتا ہوں یہ شوق دیدار ایسی سخت حالت میں نہ ہو جو باعث نقصان بن جائے یہ سوال اس لئے کیا کہ کبھی کبھی شوق آدمی کو افراط و تفریط کی طرف لیجاتا ہے شوق لقاء سے

[1] المرقات: ۵/۳۶۶ [2] المرقات: ۵/۳۶۶

موت مراد ہے کہ موت ایسی حالت میں آجائے جونقصان دہ نہ ہو۔ (اشعۃ اللمعات)[1]

یہ جار مجرور احیینی کے ساتھ بھی متعلق ہوسکتا ہے دونوں جائز ہے اور معنی ظاہر ہے۔

"ولا فتنة" "فتنة" سے حسی اور معنوی آزمائش وامتحان مراد ہے۔[2] "مضلة" جو راہ مستقیم سے ہٹا کر بھٹکا دے۔[3]

ملاحظہ:۔ ان تمام دعاؤں کا بہترین مجموعہ مناجات مقبول ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا ہے۔

عمل اور علم نافع کی دعا

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ الْفَجْرِ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ عِلْماً نَافِعاً وَعَمَلاً مُتَقَبَّلاً وَرِزْقاً طَيِّباً۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ فجر کی نماز کے بعد مذکورہ دعا مانگتے تھے۔ یعنی اے اللہ: میں تجھ سے مانگتا ہوں نفع دینے والا علم قبول کیا جانے والا عمل اور حلال روزی"۔ (احمد، ابن ماجہ، بیہقی)

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ دُعَاءٌ حَفِظْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَدَعُهُ أَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ أُعَظِّمُ شُكْرَكَ وَأُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَأَتَّبِعُ نُصْحَكَ وَأَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے مذکورہ دعا یاد کی ہے جسے میں ترک نہیں کرتا یعنی اے اللہ: مجھے توفیق دے کہ میں تیرا بڑا شکر ادا کروں تیرا بہت ذکر کروں تیری نصیحت کو پورا کروں اور تیری وصیت یاد رکھوں"۔ (ترمذی)

﴿۱۹﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْأَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضٰى بِالْقَدَرِ۔

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مذکورہ دعا کرتے تھے۔ ترجمہ: اے اللہ! تجھ سے تندرستی چاہتا ہوں یعنی بری بیماریوں سے بدن کی سلامتی وتندرستی یا افعال واحوال واعمال کی درستی واصلاح اور حرام سے اجتناب اور امانت (یعنی لوگوں کے اموال میں یا شریعت کے تمام حقوق میں خیانت نہ کروں) اور بہترین اخلاق اور تقدیر پر رضا چاہتا ہوں"۔

خصائل بد سے بچنے کی دعا

﴿۲۰﴾ وَعَنْ أُمِّ مَعْبَدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ

---

[1] المرقات: ۵/۳۶۶ اشعۃ اللمعات: ۲/۳۱۷ [2] المرقات: ۵/۳۶۹ [3] المرقات: ۵/۳۶۹

[4] اخرجہ احمد: ۶/۲۹۴ [5] اخرجہ الترمذی: ۳۰/۷

النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكِذْبِ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

ترجمہ: اور حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مذکورہ دعا مانگتے سنا ہے ترجمہ: اے اللہ! پاک کردے میرے دل کو نفاق سے اور میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت (یعنی نظر حرام) سے بے شک تو جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو اور اس چیز کو کہ دل میں پوشیدہ ہے یعنی خواہشات اور گناہ"۔ یہ دونوں روایتیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگنی چاہئے

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلاً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَدْ خَفَتَ فَصَارَ مِثْلَ الْفَرْخِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كُنْتَ تَدْعُوا اللّٰهَ بِشَيْءٍ أَوْ تَسْأَلُهُ إِيَّاهُ قَالَ نَعَمْ كُنْتُ أَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ مَا كُنْتَ مُعَاقِبِيْ بِهِ فِي الْآخِرَةِ فَعَجِّلْهُ لِيْ فِي الدُّنْيَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ لَا تُطِيْقُهُ وَلَا تَسْتَطِيْعُهُ أَفَلَا قُلْتَ أَللّٰهُمَّ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالَ فَدَعَا اللّٰهَ بِهِ فَشَفَاهُ اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کی عیادت کی جو پرندہ کے چوزہ کی مانند ضعیف ہو گیا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ "کیا تم اللہ سے کسی چیز کی دعا مانگا کرتے تھے؟ یا فرمایا کہ "تم اللہ تعالیٰ سے کس چیز کا سوال کرتے تھے؟ اس نے کہا کہ "ہاں: میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرتا تھا کہ خدایا اگر تو آخرت میں مجھے عذاب میں مبتلا کرنے والے ہو تو (اس کے بدلے) دنیا ہی میں وہ عذاب دینے میں جلدی کر"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا سبحان اللہ" تم نے بڑی عجیب دعا مانگی نہ تم (دنیا ہی میں) اللہ تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہو اور نہ آخرت ہی میں تم اللہ تعالیٰ کے عذاب کے متحمل ہو سکتے ہو تم نے اس طرح کیوں نہ دعا مانگی۔ ترجمہ: اے اللہ! ہمیں عطا فرما دنیا میں بھلائی (یعنی عافیت) اور آخرت میں بھلائی (یعنی عفو تقصیرات) اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا"۔ راوی کا بیان ہے کہ اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگنی شروع کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرمائی"۔ (مسلم)

توضیح: "خفت" یہ صیغہ نصر ینصر سے ہے جو ضعف کے معنی میں ہے بیماری کی وجہ سے آدمی کی آواز جب پست ہو جاتی ہے اس کو خفت کہتے ہیں بیماری اور ضعف کی وجہ سے یہ صحابی کمزور ہو گیا[2] "مثل الفرخ" یعنی کمزوری اور لاغری میں وہ چوزہ کی طرح بن چکا تھا۔[3] "سبحان الله" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب کی بنیاد پر فرمایا کہ سبحان اللہ اس طرح نہ

[1] اخرجه مسلم: ۲/۴۷۰ [2] المرقات: ۵/۳۴۳ [3] المرقات: ۵/۳۴۳

کرو اس کی طاقت تم نہیں رکھ سکتے کہ اپنے جسم وقوت کو اللہ تعالیٰ کی سزا کے سامنے پیش کرو بلکہ عافیت کی دعا مانگو۔[1]

استطاعت سے بڑھ کر ذمہ داری قبول نہ کرو

﴿۲۲﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يُذِلَّ نَفْسَهٗ قَالُوْا وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهٗ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَالَا يُطِيْقُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مؤمن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "اپنے آپ کو ذلیل وخوار کس طرح کرنا ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایسی بلائیں اپنے سر لے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا"۔ (ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: "البلا" اس سے آزمائش مصیبت اور ذمہ داری مراد ہے۔ مؤمن کی فراست ایمانی کا تقاضا ہے کہ وہ ایسی ذمہ داری قبول نہ کرے جو اس کی استطاعت اور طاقت سے باہر ہو یہ اپنے آپ کو خود خوار اور رسوا کرنے کے مترادف ہے یا اپنی اور دوسروں کی جانوں کے لئے خطرناک صورت ہے مثلاً ایک شخص علمی میدان میں ایک فن نہیں جانتا اور اس کے بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھاتا ہے یا مشورہ اور رائے وتدبیر کے میدان میں کچھ نہیں جانتا اور رائے ومشورہ دینے کی کوشش کرتا ہے یا گاڑی چلانا نہیں جانتا اور آکر اسٹیرنگ پر بیٹھتا ہے جس سے خود بھی تباہ ہو جائے گا اور دوسروں کو بھی تباہ کر دیگا یا طاقت سے زیادہ طاقتور کے ساتھ پنجہ آزمائی کرتا ہے اور خود طاقت نہیں رکھتا اس طرح کرنے سے اپنی سبکی ہوگی خواری ہوگی اور کام بھی خراب ہو جائے گا۔ اس حدیث کے عموم میں یہ بات بھی آتی ہے کہ ایک شخص کو مثلاً کچھ لوگ نہیں چاہتے ہیں لوگ ان سے ناراض ہیں اور یہ شخص خود اپنی عزت نفس کا خیال کیے بغیر ان کے پاس جاتا ہے وہ آگے سے ان کو ذلیل کرتے ہیں ایسے مقامات میں ان کو جانا نہیں چاہئے۔

یہ حدیث اگرچہ اس باب کے عنوان کے مطابق نہیں ہے لیکن اگر اس سے اوپر والی حدیث کو دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ آدمی اس چیز کی دعا نہ مانگے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔

ظاہر اور باطن کی شائستگی کی دعا

﴿۲۳﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِيْ خَيْراً مِنْ عَلَانِيَتِيْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِيْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْأَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَاتُؤْتِي النَّاسَ مِنَ

[1] المرقات: ۵/۳۷۳ [2] اخرجہ الترمذی: ۵/۵۷۳

الْأَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ الضَّالِّ وَلَا الْمُضِلِّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ مذکورہ دعا مانگو۔ ترجمہ: یعنی اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا اور میرے ظاہر کو شائستگی عطا فرما اے اللہ: میں تجھ سے بھلائی مانگتا ہوں اس چیز کی جو تو لوگوں کو دیتا ہے یعنی اہل، مال، اولاد کہ نہ گمراہ ہوں اور نہ گمراہ کریں"۔ (ترمذی)

توضیح: یہ حدیث کتاب الدعوات کی آخری حدیث ہے یہ بڑی جامع دعا پر مشتمل ہے کہ تمام دعاؤں کا مقصود و مطلوب یہی دو چیزیں ہیں کہ انسان کا ظاہر اچھا رہے اور باطن اچھا رہے۔ پھر چونکہ انسان ضرور کسی معاشرہ میں رہتا ہے اور تو ارد گرد کے احوال سے اس کا واسطہ پڑتا رہتا ہے لہٰذا ان احوال کی درستگی کے لئے ایک اضافی دعا بھی آگئی کہ اہل و عیال اور مال اچھا ملے پھر ماحول بھی اچھا ملے تا کہ اس کا ظاہر و باطن متاثر ہو کر خراب نہ ہو۔

"غیر الضال" یعنی یہ اہل و عیال نہ بذات خود گمراہ ہوں اور نہ دوسروں کو گمراہ کرنے والے ہوں بس یہی بادشاہت ہے اور یہی دنیا کی جنت ہے اور یہی مسلمان کی زندگی کی حقیقت ہے۔[2]

[1] اخرجه الترمذی ۵/۵۷۳ [2] المرقات: ۵/۳۷۵

مورخہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

کتاب المناسک

افعال حج کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین﴾[1]

مناسک جمع ہے اس کا مفرد منسک ہے سین پر فتحہ بھی ہے اور کسرہ بھی ہے یہ مصدر میمی ہے جو عبادت اور قربانی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ لفظ منسک ظرف زمان اور ظرف مکان بھی ہوسکتا ہے یعنی عبادت کرنے کا وقت یا عبادت کی جگہ اسی طرح قربانی کرنے کا وقت یا جگہ، یہاں مناسک سے مراد افعال حج ہیں۔

حج کے لغوی اور اصطلاحی تعریف

لفظ حج میں 'ح' پر فتحہ بھی ہے اور کسرہ بھی ہے فتحہ کی صورت میں یہ مصدر ہے جو قصد کے معنی میں ہے اور کسرہ کی صورت میں یہ اسم ہے جو حج کا نام ہے۔

قصد کے معنی میں شاعر نے اس طرح استعمال کیا ہے:[2]

واشهد من عوف حلولا کثیرة   یحجون سب الزبرقان المزعفرا

یعنی سالہا سال قبیلہ عوف کے لوگ حاضر ہوتے رہے اور زعفران کی خوشبو میں لت پت زبرقان بادشاہ کے عطیہ کا قصد کرتے رہے۔

لفظ حج کو نام کے طور پر شاعر نے اس طرح استعمال کیا ہے:

وقفت بها بعد عشرین حجة   فلا یاًعرفت الدار بعد التوهم

میں محبوبہ کے مکان پر بیس سال کے بعد حاضر ہوا بڑی سوچ و بچار کے بعد اس مکان کو پہچان لیا۔

یہاں سال کو حجۃ کہا گیا ہے حج کو بھی اسی مناسبت سے حج کہتے ہیں کہ یہ سال کے بعد آتا ہے قرآن کی ایت میں ''حج البیت'' نام کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

حج کی اصطلاحی تعریف اس طرح ہے:۔

"الحج هو القصد الی زیارة الامکنة المخصوصة فی زمان مخصوص بافعال مخصوصة"۔[3]

یعنی مخصوص زمانہ میں مخصوص افعال کے ساتھ مخصوص مقامات کی زیارت کا نام حج ہے۔

[1] سورۃ عمران الایہ ۹۷ [2] المرقات: ۵/۳۷۷ [3] المرقات: ۵/۱۷۷

حج کب فرض ہوا:

اس میں کئی اقوال ہیں کہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد حج کب فرض ہوا اگرچہ یہ بات یقینی ہے کہ حج ہجرت کے بعد فرض ہوا ہے تو پانچ ہجری سے لیکر دس ہجری تک ہر سال کے لئے مختلف اقوال ملتے ہیں لیکن قابل اعتماد اور واضح قول یہ ہے کہ حج ۹ھ میں فرض ہوا تھا آنحضرت نے اسی سال حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا اور خود آپ ﷺ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے۔

پھر اس میں بحث ہو چلی ہے کہ آیا حج صرف اس امت پر فرض ہے یا سابقہ امتوں پر بھی فرض تھا تو زیادہ راجح اور واضح بات یہ ہے کہ سابقہ امتوں پر حج فرض نہیں تھا البتہ سابقہ امتوں کے انبیاء کرام پر فرض تھا۔[1]

ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے پیدل چالیس حج ادا کئے جبریل علیہ السلام نے ان سے ایک بار فرمایا کہ فرشتے سات ہزار سال پہلے سے بیت اللہ کا طواف کرتے چلے آئے ہیں احادیث صحیحہ میں مختلف انبیاء کرام کے حج کے افعال کا نقشہ حضور اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

بہرحال حج انبیا کرام اور اس امت کے عوام کے ساتھ خاص ہے اور حج کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اس لئے اس کا منکر کافر ہے اور کوتاہی کرنے والا فاسق و فاجر ہے۔[2]

ربط ترتیب ابواب:

اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جو عبادات فرض کئے اس کی تین قسمیں ہیں۔

1. خالص بدنی عبادت جیسے نماز اور روزہ کی عبادت ہے۔
2. خالص مالی عبادت جیسے زکوٰۃ کی عبادت ہے۔
3. وہ عبادت جو بدنی اور مالی کا مجموعہ ہے جیسے حج کی عبادت ہے۔

سنن وفقہ کی کتابوں میں سب سے پہلے نماز اور اس کے متعلقات سے بحث ہوتی ہے اگرچہ مندرجہ بالا ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ نماز کے بعد روزہ کا بیان ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ بیان فرمایا ہے اس لئے نماز کے بعد زکوٰۃ کا بیان ہوتا ہے۔ اور پھر روزہ کا بیان ہوتا ہے آخر میں حج کو رکھا جاتا ہے۔

بعض علماء نے عبادات کی ترتیب کو اس طرح لکھا ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم پر ہیں ایک جمالی صفات ہیں دوسری جلالی صفات ہیں صفات جمالیہ کا مظہر نماز اور زکوٰۃ ہے اس لئے اس کو ساتھ ساتھ ترتیب کے ساتھ رکھا اور صفات جلالیہ کا مظہر روزہ اور حج ہے اس لئے صفات جمالیہ کے بعد ترتیب کے ساتھ اس کو رکھا۔

ملاحظہ:

ارکان خمسہ کی ترتیب عجیب سے متعلق میں نے توضیحات جلد دوم کی کتاب الصلوۃ کی بالکل ابتدا میں صفحہ نمبر ۲۱ پر ایک

---

[1] المرقات: ۵/۳۲۸ [2] المرقات: ۵/۳۲۸

حدتک لکھا ہے جو مقصود کے لئے کافی ہے پھر میں نے اپنی کتاب علمی خطبات میں فلسفۂ حج کے موضوع کے تحت خوب تفصیل سے ارکان خمسہ کا فلسفہ اور پس منظر بیان کیا ہے اس میں سے صرف فلسفۂ حج کا حصہ یہاں رکھنا چاہتا ہوں تا کہ کتاب الحج کا کچھ حق ادا ہو جائے اور ہر پڑھنے والا حج کے مقاصد کو سمجھ سکے۔

فلسفۂ حج

محبوب کے حصول کے لئے دنیا کے مجازی عشاق کا یہ دستور ہے کہ جب ایک عاشق محبوب کی تعریف بھی کرتا ہے اس کے بعد تعظیم بھی کرتا ہے اور مال بھی لٹا دیتا ہے کھانا پینا بھی چھوڑ دیتا ہے پھر بھی محبوب ہاتھ میں نہیں آتا تو آخر کار وہ گھر بار چھوڑنے کا سوچتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے تعریفوں میں محبوب کے قصیدے بھی پڑھے، تعظیمیں بھی کیں، مال بھی خوب خرچ کیا اور کھانے پینے سے بھی رہ گیا اب اس زندگی کی کوئی ضرورت نہیں لہٰذا اب وہ کپڑے پھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور اتنا جذباتی ہو جاتا ہے کہ سر کی ٹوپی اور پیروں کے جوتے اتار پھینکتا ہے اور جذب کی اس طرح کیفیت میں آجاتا ہے کہ جنونی کیفیت میں وہ صحراؤں کا رخ کرتا ہے اس کو آبادیوں سے نفرت اور وحشت ہو جاتی ہے اور اس امید پر گھر کو خیر باد کہہ کر صحرا کا رخ کرتا ہے کہ وہ ان مقامات کو دیکھ سکے جہاں کسی زمانے میں محبوب رہا کرتا تھا اور جہاں یہ عاشق اپنے محبوب کے آثار و کھنڈرات اور رہنے سہنے کے پر تو اور جھلکیاں پا سکے وہ ماضی کے تمام حالات کا جائزہ لیتا ہے اور دیار حبیب میں ہر اس مقام پر روتا ہے جہاں زمانہ ماضی میں محبوب نے نقل و حرکت کی تھی عربی شعراء اور عجمی غزل خواں اپنے قصائد اور غزلوں میں یہی نقشہ پیش کرتے ہیں وہ پھر خود بھی روتے ہیں اور دوسروں کو بھی رلاتے ہیں وہ ہر مقام پر کھڑے ہو کر ماضی کا صرف نقشہ پیش نہیں کرتے بلکہ وہاں وہ غم واندوہ کا ایک ماتم برپا کر دیتے ہیں، اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

ایک دل جلا شاعر اپنے جذبات کا اس طرح اظہار کرتا ہے ؎

أَيَا مَنْزِلَى سَلْمٰى سَلَامٌ عَلَيْكُمَا هَلِ الْأَزْمَنُ الَّتِى مَضَيْنَ رَوَاجِعٌ

اے سلمٰی محبوبہ کے دو مکان! تم دونوں پر سلام ہو، کیا گذرا ہوا زمانہ واپس آجائے گا؟

وَهَلْ يَرْجِعُ التَّسْلِيْمَ اَوْيَكْشِفُ الْعَمٰى ثَلَاثُ الْاَثَافِيْ وَالدِّيَارُ الْبَلَاقِعُ

اور کیا محبوب کا ویران گھر اور چولھے کے تین پتھر میری کچھ رہنمائی یا میرے سلام کا جواب دیں گے؟

شاعر ساحر ابو الطیب متنبی کہتا ہے ؎

فَدَيْنَاكَ مِنْ رَبْعٍ وَاِنْ زِدْتَنَا كَرْبًا فَاِنَّكَ كُنْتَ الشَّرْقَ لِلشَّمْسِ وَالْغَرْبَا

اے خانہ حبیب ہم تجھ پر قربان! اگر چہ بوجۂ یاد ماضی تو نے ہماری بے چینی زیادہ کر دی کیونکہ تو محبوب کے لئے بمنزلہ مشرق اور مغرب تھا۔

وَكَيْفَ عَرَفْنَا رَسْمَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ لَنَا فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا

اور ہم نے اس محبوب کے گھر کے نشانات کیسے پہچان لئے جبکہ اس نے پہچاننے کے لئے نہ ہمارا دل چھوڑا اور نہ عقل۔

سَقَيْتُهٗ عَبَرَاتٍ ظَنَّهَا مَطَرًا سَوَائِلًا مِنْ جُفُوْنٍ ظَنَّهَا سُحُبًا

میں نے اس گھر کو ایسے جاری آنسو پلائے جن کو اس نے باران سمجھ لیا ایسی پلکوں سے جن کو اس نے بادل سمجھا۔

مجنونِ لیلیٰ تو اس میدان میں اوروں سے دس قدم آگے نکلے، وہ تو محبوبہ کے درودیوار کی چوما چاٹ اور طواف تک کے قائل ہیں، کہتے ہیں ؎

اَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى اُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَذَا الْجِدَارَا

میں محبوبہ لیلیٰ کے درودیوار پر جب گذرتا ہوں تو آس پاس کی دیواروں کو چومتا ہوں۔

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِىْ وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

گھروں کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا بلکہ ان گھروں کے مکینوں کی محبت نے ایسا کیا۔

ایک اور شاعر کہتا ہے ؎

عَلَيَّ لِرَبْعِ الْعَامِرِيَّةِ وَقْفَةٌ لِيُمْلِيْ عَلَيَّ الشَّوْقَ وَالدَّمْعُ كَاتِبُ

عامر محبوبہ کے گھر کے پاس ٹھہرنا مجھ پر لازم ہے تاکہ وہ میرے شوق کو بھڑکا دے اور آنسو کاتب بن کر لکھے۔

وَمِنْ عَادَتِيْ حُبُّ الدِّيَارِ لِاَهْلِهَا وَلِلنَّاسِ فِيْمَا يَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ

میری عادت ہے کہ میں مکانوں سے بوجہ اس کے مکینوں کے محبت رکھتا ہوں اور عشق میں لوگوں کے اپنے اپنے طریقے ہیں۔

حصول محبوب کے لئے پانچویں مرحلہ میں شریعت مطہرہ نے رکن حج مقرر کیا ہے کہ ایک عاشق حقیقی جب سوچتا ہے کہ میں نے محبوب حقیقی کے حصول ورضا کے لئے حمد وثناء بھی کیا، پھر عظیم تعظیم کی، پھر مال بھی لٹا دیا، پھر کھانا پینا بھی چھوڑ دیا اور پھر بھی محبوب حقیقی بظاہر ہاتھ میں نہیں آیا تو اب یہ عاشق حقیقی اپنے بدن کے کپڑے اتار کر کفن نما دو چادر پہن لیتا ہے سر سے ننگا تڑنگا ہوتا ہے اور پیروں میں ایسے جوتے استعمال کرتا ہے جس سے پیر ڈھک نہ جائیں اور اس کے باوجود وہ گھر میں بیوی بچوں کو چھوڑ کر دیوانہ وار اور والہانہ ومجنونانہ انداز سے ان دیار کا رخ کرتا ہے جہاں محبوب کا گھر ہے اور وہاں اس کا پرتو ہے چنانچہ یہ شخص عاشق دیوانہ ہوکر ''بلد اللہ الحرام'' میں جا پہنچتا ہے۔ محبوب کے گھر کو دیکھتے ہی یہ عاشق صادق جا کر اس کا طواف شروع کرتا ہے تاکہ محبوب مل جائے، وہ طواف کی ابتداء میں حجر اسود کا بوسہ لیتا ہے گویا کہ پہنچتے ہی اس نے محبوب

حقیقی کے ہاتھ کا بوسہ لے لیا یہاں نفل پڑھنا مؤخر ہے یہاں تہجد پڑھنا بعد میں ہے سب سے پہلا کام محبوب کے گھر کا طواف ہے تاکہ کسی طرح محبوب راضی ہو کر حاصل ہو جائے، عشق مجازی میں بھی طواف کے واقعات ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں جس کو رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

گورنر عاقل کا قصہ

چنانچہ گورنر عاقل جو متحدہ ہندوستان میں لاہور کا گورنر تھا حکومت شاہ جہاں بادشاہ کی تھی ہمارے استاد نے دورانِ درس یہ قصہ سنایا کہ اس گورنر کو شاہ جہاں کی بیٹی زیب النساء سے محبت تھی یہ شخص پیدل لاہور سے لال قلعہ دہلی چلا گیا اور لال قلعہ پہنچتے ہی اس نے قلعہ کا طواف شروع کر دیا، دوران چکر اس نے اوپر دیکھا تو بہت بلندی پر سرخ لباس میں ملبوس انسان نظر آیا یہ خود ہی زیب النساء تھی، عاقل نے نیچے سے کہا ؎

"سرخ پوشے بلبِ بام نظر می آید"

یعنی ایک سرخ پوش عورت اس محل کی بلندی پر نظر آ رہی ہے۔

زیب النساء نے فوراً جواب میں کہا ؎

"نہ بزورے نہ بزاری نہ بزرمی آید"

یعنی یہ سرخ پوش نہ بزور طاقت ہاتھ آسکتی ہے، نہ فریاد سے اور نہ زر و پیسہ سے ہاتھ آسکتی ہے۔

طواف میں ایک اللہ والے کا قصہ

اسی طرح ایک اللہ والے کا قصہ لکھا گیا ہے کہ اس نے سترہ حج کئے تھے اور جب بھی بیت اللہ پہنچ کر "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ" کا نعرہ لگاتے تھے تو جواب ملتا تھا کہ "لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ اُخْرُجْ مِنْ بَيْتِي" یعنی یہاں سے نکل جاؤ نہ تیرا لبیک قبول ہے اور نہ سعدیک قبول ہے۔

ایک دفعہ کسی اور اللہ والے نے یہ جواب سنا تو اس نے آکر اس شخص سے فرمایا کہ تجھے جو جواب ملتا ہے کیا آپ اسے سن پاتے ہو، اس نے کہا ہاں میں خوب سن لیتا ہوں، انہوں نے پوچھا کہ کتنے عرصے سے یہ معاملہ جاری ہے اس نے جواب دیا کہ سترہ سال سے، انہوں نے فرمایا کہ پھر یہاں کیوں آتے ہو؟ اس اللہ والے نے کہا کہ اس دربار الٰہی کو چھوڑ کر کہاں چلا جاؤں؟ بس وہ ہمارا خالق و مالک ہے وہ بھگائیں گے لیکن ہم پھر بھی آئیں گے کہتے ہیں کہ اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور اس شخص کے تمام حج قبول کر لئے۔ بہر حال عشق و دیوانگی سے سرشار یہ حاجی محبوب کے حصول میں محبوب کے گھر کا دیوانہ وار چکر کاٹتا ہے کبھی دوڑتا ہے، کندھے ہلاتا ہے تو کبھی سکون کے ساتھ نظریں جھکا کر چلتا ہے کبھی حجر اسود کا بوسہ لیتا ہے تو کبھی رکن یمانی پر جھکتا ہے کبھی ملتزم سے چپک چپک کر چیختا چلا جاتا ہے تو کبھی میزاب رحمت کے نیچے جا کر چمٹتا ہے ایک شوق ہے

ولولہ ہے جوش ہے، شور ہے اور زور ہے۔

طواف کعبہ ہے وقتِ سحر ہے نسیم دل کشا زورِ حجر ہے

محبوب کے گھر کا طواف کیا، سات چکر کاٹ کر تھک گیا جا کر دوگانہ پڑھی، کچھ آرام کیا، پھر زمزم نوش فرمایا پھر جوش آیا اور محبوب کی تلاش میں اب محبوب کے گھر سے کچھ ہٹ کر کھلے میدان میں ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی تک خوب دوڑنا شروع کیا پہاڑی پر کھڑے ہوئے محبوب کے گھر پر نظر ڈالی دعائیں مانگیں پھر وادی میں اترا دہاں خوب تیز دوڑا زبان پر ذکر یار ہے بدن پر غبار ہے، ادھر اُدھر سعی بسیار ہے ادھر محبوب کا انتظار ہے پورا عمل دیوانہ وار ہے گویا ؎

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلَىٰ أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارَ وَذَا الْجِدَارَا

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِي وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَا

یہ عاشق حقیقی جب ان تمام مراحل کو طے کرتا ہے اور بظاہر محبوب حاصل نہیں ہوتا تو یہ شخص مدینہ منورہ کا رخ کرتا ہے کہ جس ہستی نے مجھے عشق ومحبت کے اس میدان میں ڈالا ہے ان سے جا کر معلوم کرلوں کہ محبوب کے حصول کے کیا طریقے ہیں مدینہ منورہ میں حاضری دیتا ہے روضہ رسول ﷺ کے سامنے دورد وسلام پڑھتا ہے، ریاض الجنۃ میں نمازیں پڑھتا ہے اپنے سچے پیغمبر ﷺ کی مسجد میں جاتا آتا ہے، پیارے پیغمبر کے آنے جانے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کی جگہوں کو دیکھتا ہے، پیارے نبی کی منبر ومحراب کی زیارت کرتا ہے پھر راہ وفا میں گردنیں کٹوانے والے پروانوں کی قبور ومشاہد دیکھنے کے لئے احد جاتا ہے دیگر مقامات کی زیارت کرتا ہے اور کچھ نئی تعلیمات لے کر پھر محبوب کے گھر کی طرف مکہ مکرمہ لوٹ آتا ہے، محبوب کے گھر کے آس پاس پہاڑوں کا رخ کرتا ہے، عرفات جاتا ہے جبل رحمت پر تیز دھوپ میں کھڑا ہے اور محبوب حقیقی کے سامنے دست نیاز دراز کئے ہوئے ہیں، گڑگڑا کر، چیخ وچلا کر، رورو کر محبوب کو مناتا ہے شام تک راز ونیاز میں وقت گزارتا ہے پھر ایک اور وادی مزدلفہ کا رخ کرتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ محبوب وہاں راضی ہو کر حاصل ہوجائے، اترتے ہوئے زور زور سے کہتا ہے:

لبيك اللّٰهم لبيك لبيك لاشريك لك لبيك ان الحمد والنّعمة لك والملك لاشريك لك

پھر کہتا ہے ؎

اَللّٰهُ اَكْبَرُ مَا اَفَاضَ الْمَشْعَرُ وَبِهِ الْوُفُوْدُ تَزَاحَمَتْ تَسْتَغْفِرُ

اَللّٰهُ اَكْبَرُ مَا السَّمَاءُ تَزَيَّنَتْ بِنُجُوْمِهَا وَبِهَا الْكَوَاكِبُ تَزْهَرُ

مزدلفہ میں مٹی پر سوتا ہے پراگندہ بال غبار آلود اور میلا کچیلا ہے مگر سر میں ایک شورش برپا ہے آنکھوں کے سامنے ہر جگہ

محبوب کا جلوہ ہے صبح صبح مزدلفہ سے دیوانگی کو زیادہ کرنے کے لئے کچھ کنکریاں اٹھاتا ہے اور پھر ایک اور وادی منیٰ کی طرف چل پڑتا ہے جوش میں ہے وصل محبوب میں اب جو رکاوٹیں آرہی ہیں ان پر عملی وار کرنا چاہتا ہے سیدھا جاتا ہے اور بالکل سامنے ہی راستے میں ایک بڑی رکاوٹ سے آمنا سامنا کرتا ہے کنکریاں تو تیار تھیں اس رکاوٹ کے سر پر کنکریوں کی بارش کردی، جسم کے بال بڑھ چکے ہیں ناخن لمبے ہو گئے ہیں، مونچھوں کا برا حال ہے سر پر پراگندہ بال ہے ،جسم ہے کہ اس پر کفن ہے ،ایک چادر اوپر ہے ایک نیچے ہے رکاوٹوں کو دور کر رہا ہے سب کچھ کیا جو کچھ کرنا تھا اور جتنا کرنا تھا کرلیا جتنا ہوسکتا تھا کیا ،اب پھر پلٹ کر اول سے آخر تک اس نقشے کو دیکھتا ہے کہ میں کس کے لئے کہاں سے چلا تھا اور کیوں چلا تھا اور کیا حاصل ہوا؟ اس پس منظر میں جب وہ دیکھتا ہے کہ اب تک محبوب بظاہر حاصل نہیں ہوا تو اب یہ عاشق حقیقی کچھ اور سوچنے لگتا ہے کیونکہ دنیا کے مجازی عشاق جب عشق میں ناکام ہوجاتے ہیں تو پھر وہ خود اپنے گلے پر چھری پھیرتے ہیں اور خودکشی کرتے ہیں۔اب اپنی جان کی قربانی کا ارادہ عاشق حقیقی کرتا ہے اور وہ رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے جب کنکریوں سے فارغ ہوجاتا ہے تو قربان گاہ کا رخ کرتا ہے تاکہ وہ اپنی جان کی قربانی دے دے وہ جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ اب تک محبوب کے حصول میں جو کچھ ہوسکتا تھا میں نے کیا بس اب اس زندگی کی ضرورت نہیں اب اس کو ہی ختم کردوں گا قربان گاہ جب پہنچ جاتا ہے تو محبوب حقیقی کی طرف سے رحمت کی ایک جھلک ان پر پڑتی ہے وہ اشارہ کرتی ہے کہ جان کی جگہ جانور ذبح کرلو وہی قبول کیا جائے گا ، یہ جا کر جانور کو اس نیت سے ذبح کرتا ہے کہ اصل میں اپنے آپ کو ذبح کر رہا ہوں۔ جب خوب جوش سے تکبیر پڑھ کر جانور کی قربانی کرتا ہے اور جان کی بازی لگاتا ہے تو اب محبوب حقیقی راضی ہو کر مل جاتا ہے محبوب کے راضی ہونے اور وصل محبوب کے پرتَو پڑنے سے عاشق حقیقی کو وصال حبیب کا مقام حاصل ہوجاتا ہے جب ہوش میں آجاتا ہے تو اپنے آپ پر نظر ڈالتا ہے بڑے بڑے ناخن نظر آتے ہیں تو کہتا ہے ارے یہ کیا ہوا یہ ناخن اتنے بڑے کیوں ہیں؟ ارے یہ بال اس طرح پراگندہ کیوں ہے او ہو! یہ کپڑے اتنے میلے کچیلے کیوں ہیں یہ دیکھ کر غسل خانہ کی طرف جاتا ہے اور غسل کرتا ہے صابن استعمال کر کے صفائی حاصل کرتا ہے نئے کپڑے پہنتا ہے ناخن تراش لیتا ہے اور عطر استعمال کر کے ظاہراً اور باطناً پاک ہوجاتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ حج کرنے سے حاجی اس طرح پاک ہوجاتا ہے جس طرح کہ جس دن وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہو کر آیا تھا اس طرح یہ عاشقانہ دیوانہ وار عبادت مکمل ہوجاتی ہے اور یہ حدیث سمجھ میں آجاتی ہے!

بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة وصوم رمضان وحج البیت من استطاع الیه سبیلا۔

صدق الله جل جلاله وصدق رسوله النبی الکریم

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صحیح حج کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

الفصل الاول

حج عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ أَكُلَّ عَامٍ يَارَسُوْلَ اللهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِيْ مَاتَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُوَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَاءِهِمْ فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "لوگو: تم پر حج فرض کیا گیا ہے لہٰذا تم حج کرو"۔ (یہ سن کر) ایک شخص نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: کیا ہم ہر سال حج کریں؟ آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی بات کہی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو یقینا حج (ہر سال کے لئے) فرض ہوجاتا اور تم (ہر سال حج) کرنے پر قادر نہیں ہوسکتے تھے پھر آپ ﷺ نے فرمایا جب تک میں تمہیں چھوڑوں تم مجھے چھوڑ دو (یعنی جب تک میں کچھ نہ کہا کروں مجھ سے مت پوچھا کرو) کیونکہ جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں (یعنی یہود ونصاری) وہ اسی سبب سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے انبیاء سے پوچھتے اور ان سے اختلاف کرتے تھے لہٰذا جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اس میں سے جو کچھ تم کرنے کی طاقت رکھتے ہو کرو اور جب میں تمہیں کسی بات سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو"۔ (مسلم)

توضیح: "فقال رجل" اس آدمی سے اقرع بن حابس مراد ہے انہوں نے یہ سوال کیا تھا کیونکہ اس نے خیال کیا کہ چونکہ اسلام کے دیگر اعمال مکرر ہیں تو حج بھی شاید دیگر احکام کی طرح مکرر ہو کر ہر سال ادا کرنا ہوگا[2] **"فسکت"** حضور اکرم ﷺ کا سکوت اس لئے تھا کہ آپ کو یہ سوال اچھا نہیں لگا گویا سائل کو ایک قسم ڈانٹ پلانا مقصود تھا لیکن جب اس شخص نے بار بار سوال کیا تو آنحضرت نے حقیقت واضح فرمادی کہ اگر میں ہاں کر دیتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا حکم بن جاتا اور پھر ہر سال حج فرض ہوجاتا جس پر عمل کرنا مشکل ہوتا اس لئے جب تک میں خود نہ بتاؤں تم کھود کرید کر سوالات نہ کیا کرو اگر کسی حکم کی ضرورت ہوتی ہے تو میں حکم دیتا ہوں یا منع کرتا ہوں مجھے اسی حالت میں رہنے دو کیونکہ انبیاء سے سوالات کرتے کرتے سابقہ امتیں تباہ ہوگئیں ہیں تم ایسا نہ کرو۔[3]

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے حج کرنے کا حکم دیا پھر آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے بعد حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی

---

[1] اخرجه مسلم: ۱/۵۶۲ [2] المرقات: ۵/۳۷۹ [3] المرقات: ۵/۳۷۹، ۳۸۰

قیادت میں مسلمانوں نے پہلا حج ادا کردیا پھر ۹ ھ میں حضرت ابوبکر صدیق کی قیادت وامارت میں مسلمانوں نے دوسرا حج ادا کردیا پھر دس ۱۰ ھ میں حضور اکرم ﷺ کی معیت میں تمام مسلمانوں نے حجۃ الوداع ادا کردیا۔[1]

علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے کئی حج ادا کئے تھے لیکن فتح مکہ کے بعد آپ کا یہ پہلا حج تھا اس سے معلوم ہوا کہ حج کا فریضہ موسّع ہے یعنی اس میں تاخیر کی گنجائش ہے۔[2]

اسلام میں جہاد سب سے افضل عمل ہے

﴿۲﴾ وعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ قَالَ إِيْمَانٌ بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا''۔ پوچھا گیا کہ ''پھر کون سا عمل؟ فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا'' پوچھا گیا کہ پھر کون سا ''فرمایا حج مقبول''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ای عمل" اسلام میں کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ اس کے بارے میں مختلف چیزوں کا ذکر احادیث میں آیا ہے جس کی تشریح وتوضیح توضیحات جلد اول میں ہوچکی ہے خلاصہ یہ کہ سائلین کے احوال کی وجہ سے ان کی حیثیات اور رجانات کی وجہ سے، مقامات کی وجہ سے، یا زمانہ کی وجہ سے جواب میں تفاوت آیا ہے لیکن علماء کا آخر میں اس میں اختلاف ہوگیا ہے کہ آیا فرض نماز افضل ہے یا جہاد افضل ہے ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ مطلق نماز افضل ہے۔ دوسرے طبقہ کا خیال ہے کہ جہاد افضل ہے اور زیر بحث حدیث اس پر واضح دلیل ہے[4] اسی طرح بخاری شریف میں ایک حدیث ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں "جآء رجل الی النبی ﷺ فقال دُلّنی علی عمل یعدل الجهاد قال لا اجد" یہ واضح حدیث ہے کہ جہاد کے ہم پلہ کوئی عمل نہیں ہے۔

پھر علماء نے تطبیق پیدا کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ جب جہاد فرض کفایہ ہوتو نماز مطلقاً افضل ہے لیکن اگر جہاد فرض عین ہوتو پھر جہاد مطلقاً افضل ہے۔ بہرحال کتاب الحج کی یہ حدیث بڑی واضح حدیث ہے تبلیغی حضرات پر فرض ہے کہ وہ جہاد کی شان پہچان کر مان لیں ورنہ ایمان بنانا بنانا محال ہوجائے گا۔

مقبول حج عام گناہوں کا کفارہ ہے

﴿۳﴾ وعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

---

[1] المرقات: ۵/۳۶۹ [2] المرقات: ۵/۳۶۹ [3] اخرجه البخاري: ۱/۱۳ ومسلم: ۱/۶۹

[4] المرقات: ۵/۳۸۱ [5] اخرجه البخاري: ۲/۱۶۴ ومسلم: ۱/۵۶۶

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اللہ کے لئے حج کرے اور (حج کے دوران) نہ ہم بستری اپنی عورت سے کرے اور نہ فسق میں مبتلا ہو تو وہ اس طرح (بے گناہ ہو کر) واپس آتا ہے جیسے (اس دن بے گناہ تھا) کہ جس دن اس کو اس کی ماں نے جنا تھا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "ولدته امه" یعنی جس دن یہ آدمی ماں کے پیٹ سے تمام گناہوں سے پاک پیدا ہو کر آیا تھا مقبول حج کرنے کے بعد اسی طرح پاک ہو جائے گا یہ بہت بڑی فضیلت ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ آتے ہیں "الحج يهدم ما كان قبله" لیکن اس فضیلت کے حصول کے لئے زیر بحث حدیث میں تین شرائط کا ذکر بھی ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ حج خالص اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہو نام نمود اور ریا کاری و نمائش کے لئے نہ ہو۔[1]

دوسری شرط یہ ہے کہ حج کے دوران ''رفث'' کا ارتکاب نہ کرے، رفث اس فحش گفتگو کو کہتے ہیں جو عورتوں کے سامنے عورتوں کے محاسن بیان کرنے سے متعلق ہو جماع پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔[2]

تیسری شرط یہ ہے کہ حج کے دوران آدمی فسق و فجور کا ارتکاب نہ کرے۔ یعنی حج کے دوران ایسے گناہ کا ارتکاب نہ کرے جو کبیرہ ہو جس سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے اور نہ صغیرہ گناہ پر اصرار کرے جو اصرار کی وجہ سے گناہ کبیرہ بن جاتا ہو۔ حج مقبول کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ حج کرنے کے بعد انسان کے اخلاقی، عملی اور دینی حالات بدل کر بہتر ہو جائیں بعض نے کہا ہے کہ حج مبرور وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ اختلاط گناہ نہ ہو اگر دوران حج گناہ کا ارتکاب کیا وہ حج مبرور نہیں رہتا۔[3]

مقبول حج کا بدلہ جنت ہی ہے

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کفارہ ہے ان (صغیرہ) گناہوں کے لئے جو ان دونوں کے درمیان ہوں اور حج مقبول کا بدلہ جنت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے

﴿۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُمْرَةً فِيْ رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

---

[1] المرقات: ۵/۳۸۲ [2] المرقات: ۵/۳۸۲ [3] المرقات: ۵/۳۸۲

[4] اخرجه البخاري: ۳/۲ ومسلم: ۱/۵۶۶ [5] اخرجه البخاري: ۳/۴ ومسلم: ۱/۵۲۸

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب حج کے ثواب کے برابر ہے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: یعنی مقبول حج کا جو ثواب ہے اتنا ہی ثواب اس شخص کو حاصل ہوجاتا ہے جو رمضان کے مہینہ میں عمرہ کرتا ہے ایک دوسری حدیث میں **"حجة معی"** کے الفاظ آئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہونے کا ثواب ملتا ہے **"سبحان الله والحمد لله"**۔[1]

نابالغ بچہ کو بھی حج کا ثواب ملتا ہے

﴿٦﴾ وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ رَكْباً بِالرَّوْحَاءِ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ قَالُوْا الْمُسْلِمُوْنَ فَقَالُوْا مَنْ أَنْتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَرَفَعَتْ إِلَيْهِ امْرَأَةٌ صَبِيًّا فَقَالَتْ أَلِهٰذَا حَجٌّ قَالَ نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (سفر حج کے دوران) روحاء میں (جو مدینہ سے ۳۶ کوس کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام تھا) ایک قافلہ سے ملے آپ ﷺ نے پوچھا کہ "کون قوم ہو؟ قافلہ والوں نے کہا کہ ہم مسلمان ہیں" پھر قافلہ والوں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں رسول اللہ ہوں" (یہ سن کر) ایک عورت نے ایک لڑکے کو (ہاتھ میں لے کر کجاوے سے) آنحضرت ﷺ کی طرف پکڑ کر بلند کیا (یعنی آپ کو دکھلایا) پھر آپ ﷺ سے پوچھا کہ "کیا اس کے لئے حج کا ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں: اور تمہارے لئے بھی ثواب ہے۔ (مسلم)

توضیح: ولك اجر" تمام فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر چھوٹا بچہ اپنے والدین کے ساتھ حج کے لئے جائے اور حج کرے تو اس کا حج صحیح ہے ثواب ملیگا لیکن بچپن کا یہ حج بالغ ہونے کے بعد کے حج کے لئے کافی نہیں ہوگا بلوغ کے بعد اگر یہ بچہ صاحب مال ہوگیا تو اس پر اسلام کا حج کرنا لازم ہوگا بچے کی طرح غلام کا بھی یہی مسئلہ ہے ہاں فقراء اور مسکین شخص اگر حج کرے اور بعد میں مالدار ہوجائے تو اس پر دوبارہ حج نہیں یہاں تک تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

صحیح قول کے مطابق امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے ہاں اتنی سی بات ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بچہ کے حج کا ثواب اس کے والدین کو ملیگا اور بچہ اگر ممیز نہیں تو والدین کو چاہئے کہ احرام کا احترام بچے سے کرائے اور محظورات احرام سے اس کو بچائے، فقہاء امت نے یہ جو فیصلہ فرمایا ہے کہ بچہ کا حج فرض حج کے لئے کافی نہیں ہے تو اس کی پہلی دلیل حضرت ابن عباس کی حدیث ہے جو امام طحاوی نے نقل کی ہے الفاظ یہ ہیں۔[3]

ایما غلام حج به اهله ثم بلغ فعلیه حجة اخری۔ (طحاوی)

[1] المرقات: ۵/۲۸۳ [2] اخرجه مسلم: ۱/۵۶ [3] المرقات: ۵/۳۸۴

دوسری دلیل مستدرک حاکم کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایما صبی حج عشر حجج ثم بلغ فعلیہ حجۃ الاسلام۔ (مستدرک)

بہرحال زیر بحث حدیث میں "ولك اجر" کے الفاظ سے ائمہ احناف کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ نابالغ بچہ کے حج کا ثواب اس کے والدین کو ملے گا۔

دوسرے کی طرف سے حج کرنے کا مسئلہ

﴿۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمٍ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِيْ شَيْخاً كَبِيْراً لَايَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ أَفَأَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ وَذٰلِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا کہ یارسول: اللہ کے ایک فریضہ نے جو اس کے بندوں پر ہے میرے باپ کو بڑا بوڑھا پایا ہے جو سواری پر جم کر بیٹھ بھی نہیں سکتا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں (اس کی طرف سے) حج کرو"۔ راوی کہتے ہیں کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اس عورت کے درمیان) یہ سوال و جواب حجۃ الوداع میں ہوا تھا"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "افاحج عنه" بڑھاپے میں حج یا تو اس طرح فرض ہوگیا تھا کہ یہ شخص بڑھاپے کی حالت میں مسلمان ہو گیا تھا یا اس وجہ سے فرض ہوگیا تھا کہ یہ شخص بڑھاپے کی حالت میں مالدار ہوگیا تھا بہرحال یہ شخص شیخ الفانی تھا اس کی صحت کی کوئی امید نہ تھی اس لئے اس کی بیٹی نے ان کی طرف سے حج کرنے کا مسئلہ پوچھا اب تمام احادیث کو دیکھ کر اور فقہاء کی آراء کو پیش نظر رکھ کر دو مسئلے سامنے آتے ہیں۔[۲]

پہلا مسئلہ:

یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر حج فرض ہوا اور وہ بذات خود حج کرنے سے معذور ہو مثلاً شیخ الفانی ہو یا ہاتھ پاؤں کٹا ہوا ہو یا نابینا ہو تو اس کی طرف سے اگر دوسرا آدمی حج کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے لیکن اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ معذور آدمی دوسرے شخص کو اپنی طرف سے حج کرنے کا حکم دیدے یا موت کی صورت میں حج کرنے کی وصیت کردے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ معذور آدمی حج کے تمام اخراجات برداشت کر کے اس شخص کو حج پر روانہ کردے۔ یہ دونوں شرطیں فرض حج کرانے کے لئے ہیں لیکن اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے نفلی حج کرنا چاہتا ہے تو اس میں نہ کسی وصیت کی

[۱] اخرجہ البخاری: ۲/۱۶۳ ومسلم: ۱/۵۶۱ [۲] المرقات: ۵/۳۸۵

ضرورت ہے اور نہ اخراجات دینے کی کوئی پابندی ہے۔
اب یہ مسئلہ رہ گیا کہ اگر اولاد اپنے والدین کی طرف سے فرض حج کرنا چاہے تو اس کی صورت کیا ہوگی بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس صورت میں نہ والدین کی طرف سے اخراجات دینا ضروری ہے اور نہ وصیت ضروری ہے اولاد اپنے والدین کی طرف سے اپنے خرچ پر فرض حج کر سکتی ہے۔ زیر بحث حدیث اسی پر واضح دلیل ہے اور فصل ثانی میں حدیث ۲۳ بھی اس پر واضح دلیل ہے یہ مسئلہ تو مکمل ہو گیا اور اس حدیث کا تعلق والدین اور اولاد کے ساتھ ہے لہٰذا اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ:

[1] یہ ہے کہ آیا شیخ الفانی اور دائمی معذور پر حج فرض ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی اور اکثر مشائخ کے نزدیک شیخ الفانی اور دائمی معذور پر حج فرض ہو جاتا ہے اگر وہ خود نہیں جا سکتا ہے تو پیسہ دیکر دوسرے سے حج کرائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرجوح قول بھی اسی طرح ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا راجح قول یہ ہے کہ ایسے معذور پر حج فرض ہی نہیں ہوتا لہٰذا دوسرے سے حج کرانے کی ضرورت ہی نہیں یہ آدمی ادائے حج کی ذمہ داری سے آزاد ہے۔[2]

دلائل:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مدعا پر بظاہر واضح دلیل ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے ﴿وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا﴾[3]
اس آیت میں فرضیت حج کے لئے استطاعت کو شرط قرار دیا گیا ہے اور شیخ الفانی میں چلنے پھرنے اور جانے کی استطاعت نہیں ہے۔[4]
بزیر بحث حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس شیخ پر حج پہلے فرض ہو چکا تھا بعد میں معذور ہو گیا تھا حدیث میں ماضی کا صیغہ اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے لہٰذا ایسی صورت میں احناف بھی فریضہ واجبہ کے ادا کرنے کے قائل ہیں۔ دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس عورت نے بطور نفل حج ادا کرنے کی اجازت مانگی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی یہ فرض حج کا معاملہ نہیں تھا۔[5]

﴿۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أُخْتِي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ وَإِنَّهَا مَاتَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عَلَيْهَا دَيْنٌ أَكُنْتَ قَاضِيَهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاقْضِ دَيْنَ

[1] المرقات: ۵/۳۸۶ [2] المرقات: ۵/۳۸۵ [3] ال عمران: ۹۷ [4] المرقات: ۵/۳۸۵ [5] المرقات: ۵/۳۸۵

اللّٰهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ ''میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی مگر وہ مرگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اس کے ذمہ اگر کوئی مطالبہ (مثلاً قرض وغیرہ) ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتے؟ اس نے کہا ہاں: آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر اللہ کا مطالبہ (یعنی حج نذر) ادا کرو کیونکہ اس کا ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''فاقض دین الله'' جیسا کہ اس سے پہلے حدیث ۷ کے ضمن میں لکھا جاچکا ہے کہ اولاد اور وارث اگر اپنے مورث کی طرف سے حج کرنا چاہے تو وصیت کرنے اور مال دینے کے بغیر بھی وارث کی طرف سے حج صحیح ہوجاتا ہے جس کی بنیاد پر اس نے حج کرنے کا مسئلہ پوچھ لیا ہو۔[2]

عورت خاوند یا محرم کے بغیر حج نہیں کرسکتی

﴿۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ إِلَّا وَمَعَهَا مُحْرِمٌ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَكَذَا وَخَرَجَتْ امْرَأَتِيْ حَاجَّةً قَالَ اِذْهَبْ فَاحْجُجْ مَعَ امْرَأَتِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''کوئی شخص عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے (یعنی اجنبی مرد وعورت کسی جگہ تنہا جمع نہ ہوں) اور کوئی عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے'' یہ سن کر'' ایک شخص نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ: فلاں فلاں غزوہ میں میرا نام لکھا جاچکا ہے (یعنی فلاں جہاد جو درپیش ہے اور وہاں جو لشکر جانے والا ہے اس میں میرا نام بھی لکھا جاچکا ہے کہ میں بھی لشکر کے ہمراہ جاؤں) درانحالیکہ میری بیوی نے سفر حج کا ارادہ کرلیا ہے؟ تو کیا کروں؟ آیا جہاد کو جاؤں اور بیوی کو اکیلا حج کے لئے جانے دوں یا بیوی کے ساتھ جاؤں اور جہاد میں نہ جاؤں آپ ﷺ نے فرمایا'' جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو (کیونکہ جہاد میں جانے والے تو بہت ہیں لیکن تمہاری بیوی کے ساتھ جانے والا تمہارے علاوہ اور کوئی محرم نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''رجل بامرأة'' یعنی کوئی آدمی اجنبیہ عورت کے ساتھ تنہائی میں ہرگز نہ بیٹھے۔[4]

''ولا تسافرن'' یعنی تین دن تین رات کی مسافت تک کوئی بھی عورت خواہ جوان ہو خواہ بوڑھی ہو اپنے محرم یا خاوند کے بغیر ہرگز سفر نہ کرے ۴۸ میل یا قریباً ۷۵ کلومیٹر مسافت سفر ہے۔[5]

''ذو محرم'' اصطلاح شریعت میں محرم اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو خواہ یہ حرمت قرابت کی

---

[1] اخرجه البخاري: ۳/۲۲ ومسلم [2] المرقات: ۵/۳۸۶ [3] اخرجه البخاري: ۳/۲۲ ومسلم: ۱/۵۶۳
[4] المرقات: ۵/۳۸۶ [5] المرقات: ۵/۳۸۶

وجہ سے ہو یا رضاعت کی وجہ سے ہو یا مصاہرت کی وجہ سے ہو محرم کے لئے شرط ہے کہ عاقل بالغ ہو اور مجوسی نہ ہو کیونکہ مجوسیوں کے ہاں محرم کا کوئی احترام نہیں۔[۱]

حدیث کا مطلب یہ نکلا کہ اجنبی مرد اور عورت کا الگ تنہائی میں بیٹھنا حرام ہے اسی طرح خاوند اور محرم کے بغیر عورت کا ۴۸ میل تک سفر پر جانا حرام ہے اب رہ گیا حج کے سفر پر عورت کے جانے کا مسئلہ تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر حجن عورت کے ساتھ سفر میں دیگر عورتوں کی اچھی خاصی جماعت ہو تو اس عورت پر حج کرنا لازم ہو جاتا ہے۔[۲]

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ سفر میں قابل اعتماد ایک عورت بھی ہو تب بھی اس پر حج کرنا فرض ہو جاتا ہے۔[۳]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت کے ساتھ محرم موجود نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہیں محرم کا ہونا فرضیت حج کے لئے ضروری ہے ظاہر حدیث احناف وحنابلہ کی دلیل ہے۔[۴]

"**اکتتبت فی غزوۃ**" یعنی میرا نام فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے میں نے مجاہدین کے ساتھ جہاد میں جانے کے لئے نام لکھوایا ادھر بیوی نے حج کا ارادہ کیا ہے اب میں کیا کروں حضور اکرم ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ جہاد میں جانے کے لئے تیرا قائم مقام دوسرا آدمی بن سکتا ہے اور بیوی کے ساتھ تیرا جانا متعین اور لازم ہے لہٰذا بیوی کے ساتھ چلے جاؤ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں جہاد میں نام لکھوائے جاتے تھے۔ آج کل تبلیغی حضرات نے جہاد کو چھوڑ رکھا ہے اور جہاد کے اس نقشے کو اپنے چلّوں، گشتوں، سہ روزوں اور دیگر غیر معروف اعمال کے لئے استعمال کرتے ہیں۔[۵]

عورتوں کو حج میں جہاد کا ثواب ملتا ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ جِهَادُ كُنَّ الْحَجُّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۶]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے جہاد (میں جانے) کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا جہاد حج ہے (یعنی تم عورتوں پر جہاد واجب نہیں ہے اس کی بجائے حج پر جاؤ بشرطیکہ نفل حج کرنے کی استطاعت ہو۔ (بخاری ومسلم)

[۱] المرقات: ۵/۳۸۶، ۳۸۷ [۲] المرقات: ۵/۳۸۶ [۳] المرقات: ۵/۳۸۶
[۴] المرقات: ۵/۳۸۶ [۵] المرقات: ۵/۳۸۷ [۶] اخرجه البخاری: ۲/۱۶۳ ومسلم

توضیح: "**استأذنت**" چونکہ جہاد کا ثواب بہت زیادہ ہے قرآن وحدیث میں ایمان کے بعد سب سے زیادہ فضائل جہاد کے ہیں اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس عظیم ثواب کے حصول کے لئے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا عورتوں کا جہاد حج ہے اللہ تعالیٰ عورتوں کو حج میں جہاد کا ثواب دیتا ہے۔[1]
کیونکہ حج میں مشقت بھی ہے اور دور دراز کا سفر بھی ہے اپنے اقارب اور اپنے گھر اور وطن سے دوری بھی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس صنف نازک کو معرکہ شمشیر وسنان اور معرکہ جنگ وجدال کا ثواب حج کے سفر میں عطا کیا ہے۔

محرم کے بغیر عورت کے سفر کی حد کیا ہے؟

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُسَافِرِ امْرَأَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کوئی عورت ایک دن وایک رات کی مسافت کے بقدر بھی سفر نہ کرے الا یہ کہ اس کے ساتھ محرم ہو"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**مسیرۃ یوم ولیلۃ**" عورت کتنی مسافت کا سفر شوہر یا محرم کے بغیر کر سکتی ہے اور کتنی مسافت کا سفر اکیلی نہیں کر سکتی ہے؟ اس میں احادیث اور روایات مختلف ہیں زیر بحث حدیث میں یہ ہے کہ عورت ایک دن ایک رات کی مسافت کے مقدار سفر محرم کے بغیر نہیں کر سکتی ہے اس سے پہلے جو روایت گذر چکی ہے اس میں کوئی حد مقرر نہیں بلکہ کہا گیا ہے کہ عورت محرم کے بغیر مطلقاً سفر نہیں کر سکتی ہے مرقات شرح مشکوۃ میں ملا علی قاری صاحب نے فتح القدیر ابن ہمام کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بخاری ومسلم میں اس طرح حدیث ہے "**لاتسافرن امرأۃ ثلاثاً الا ومعھا ذو محرم**" اس میں وفوق ثلاث کے الفاظ بھی آتے ہیں بخاری شریف میں ثلاثۃ ایام کے الفاظ بھی آتے ہیں۔[3]
اب ان تمام روایات کے پیش نظر خلاصہ یہ نکلا کہ ایک قسم روایات بتاتی ہیں کہ تین دن کی مسافت اور اس سے زیادہ سفر محرم کے بغیر منع ہے اس سے کم جائز ہے دوسری قسم روایات بتاتی ہیں کہ دو دن کی مسافت کا سفر محرم کے بغیر منع ہے اس سے کم جائز ہے بعض روایات بتاتی ہیں کہ بغیر محرم ایک دن کی مسافت کے مقدار سفر منع ہے اس سے کم جائز ہے۔ ایک قسم کی روایات بالکل منع کرتی ہیں اس میں کسی مسافت کی قید اور حد نہیں ہے ان تمام روایات میں بظاہر تعارض اور تضاد ہے۔
اس تعارض کا حل یہ ہے کہ اصل مدار انہیں روایات پر ہے جن میں تین دن کی مسافت کا ذکر ہے وہ مسافت قصر ہے جو ۴۸ میل ہے جو قریبا ستر کلومیٹر ہے اس سے زیادہ سفر کوئی عورت محرم کے بغیر نہیں کر سکتی ہے حکم یہی ہے لیکن اگر فتنہ کا خطرہ ہو تو دو دن کی مسافت کے سفر سے بھی روکا جا سکتا ہے اور اگر فتنہ کا خطرہ اور خدشہ اس سے بھی بڑھ کر ہو تو ایک دن کی مسافت کے برابر بھی عورت کو اکیلے سفر کرنے سے روکا جا سکتا ہے، اعلاء السنن میں مزید تفصیل مذکور ہے۔[4]

[1] المرقات: ۵/۲۱۲ [2] اخرجہ البخاری: ۲/۵۴ ومسلم: ۱/۵۶۳ [3] المرقات: ۵/۳۸۷، ۳۸۸ [4] اعلاء السنن ۷، ۸، ۹، ۱۰/

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے کلام سے بالکل واضح ہے کہ ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت تنہا سفر بالکل نہ کرے چاہے مسافت کم ہو یا زیادہ ہو مسافت پر مدار نہیں بلکہ فساد احوال پر مدار ہے۔ [۱]

مواقیت حج کا حکم

﴿۱۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلِأَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمُهَلُّهُ مِنْ أَهْلِهِ وَكَذَاكَ وَكَذَاكَ حَتّٰى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (آفاقی یعنی غیر مکی کے لئے) احرام باندھنے کی جگہ (میقات) اس طرح متعین فرمائیں اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، شام والوں کے لئے جحفہ، نجد والوں کے لئے قرن منازل، اور یمن والوں کے لئے یلملم۔ یہ سب مذکورہ علاقوں کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ہیں اور ان مقامات سے گزرنے والے ان لوگوں کے لئے (بھی یہی میقات ہیں) جو ان علاقوں کے علاوہ ہوں (مثلاً ہندوستانی کہ جب یمن کے راستہ پر پہنچیں تو یلملم سے احرام باندھیں۔ اسی طرح دوسرے ملکوں کے لئے بھی یہی ہے کہ ان کے راستہ میں جو میقات آئے وہیں سے احرام باندھیں) اور یہ (احرام اور احرام باندھنے کی جگہیں) ان لوگوں کے لئے ہیں جو حج اور عمرہ کا ارادہ کریں۔ اور جو شخص ان مقامات کے اندر رہتا ہے اس کے احرام باندھنے کی جگہ اس کے گھر سے ہے اسی طرح اور اسی طرح یہاں تک کہ مکہ والے مکہ ہی سے احرام باندھیں"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "وقت" توقیت سے ہے میقات مقرر کرنے کو کہتے ہیں اس حدیث میں مواقیت کا بیان ہے مواقیت میقات کی جمع ہے یہ مناسک حج کا ایک اصطلاحی لفظ ہے میقات اس جگہ اور اس مقام کو کہتے ہیں جہاں سے حاجی اور معتمر کے لئے احرام باندھنا ضروری ہوتا ہے اگر کوئی حاجی یا معتمر میقات سے بغیر احرام آگے بڑھ گیا تو اس کا مواخذہ ہوگا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ [۳]

میقات کے اقسام:

ایک میقات زمانی ہے اور ایک میقات مکانی ہے حج کے لئے میقات زمانی شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے جب تک شوال کا مہینہ شروع نہیں ہوتا حج کا احرام نہیں باندھا جاسکتا مثلاً رمضان میں عمرہ کا احرام باندھا جاسکتا ہے لیکن کوئی حاجی حج کا احرام نہیں باندھ سکتا۔

[۱] اشعۃ اللمعات: ۲/۳۲۲، ۲/۳۲۳ [۲] اخرجہ البخاری: ۲/۱۶۵ ومسلم: ۱/۳۸۳ [۳] المرقات: ۵/۳۸۹

حج کے لئے دودسرا میقات مکانی ہے یعنی وہ مقام جہاں سے بغیر احرام گذرنا درست نہیں میقات مکانی پانچ ہیں۔لیکن زیر بحث حدیث میں چار کا ذکر ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے۔[1]

❶ ذوالحليفة:

یہ ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ منورہ سے جنوب کی جانب تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اس مقام کو بیر علی اور ابیار علی بھی کہتے ہیں یہ مقام مدینہ اور مدینہ کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔[2]

❷ الجحفة:

یہ بھی ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے ۱۸۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔قریش کے دور میں یہ مقام ان کی تجارتی شاہراہ کا مرکزی پڑاؤ تھا اب یہ جگہ غیر آباد ہے اس کے قریب رابغ ہے جو آج کل مشہور ہے مدینہ سے جب آدمی بدر کے قدیمی راستہ سے مکہ آتا ہے یہ مقام راستہ میں پڑتا ہے شام اور مصر کی طرف سے آنے والے لوگوں کے لئے یہ مقام میقات ہے۔

❸ قرن المنازل:

[3] یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے جانب جنوب میں ۴۸ کلومیٹر کے فاصلہ پر طائف کے پاس واقع ہے نجد اور ریاض کے لوگوں کے لئے یہ میقات ہے۔[4]

❹ يلملم:

یلملم ایک جگہ کا نام ہے یمن کے لوگ جب مکہ جاتے ہیں تو ان کا گذر اس مقام پر ہوتا ہے۔ہندوستان پاکستان اور افغانستان کے لوگوں کے لئے بھی یلملم میقات ہے۔[5]

❺ ذات عرق:

اوپر مذکورہ مواقیت میں کے علاوہ ایک اور میقات بھی ہے جس کا نام ذات عرق ہے جس کا ذکر ساتھ والی حدیث ۱۳ میں آیا ہے یہ مقام مکہ مکرمہ سے عراق جانے والے راستہ میں قریبا ۹۷ کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے عراق کی طرف سے آنے والے لوگوں کے لئے یہ میقات ہے۔[6]

"فهن لهن" اس جملہ کا سمجھنا ذرا دشوار ہے کیونکہ لھن کی ضمیر کا مرجع متعین کرنا مشکل ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس طرح توجیہ کی ہے **فهذه المواضع مواقيت لهذه البلدان اى لاهلهن الموجودين** ۔یعنی یہ مواقیت انہیں علاقوں کے لوگوں کے لئے ہیں جو یہاں رہتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے بھی یہی مواقیت ہیں جو ان علاقوں پر آکر گذرنے لگ جائیں اگر چہ وہ ان علاقوں کے رہنے والے نہ ہوں۔[7]

---

[1] المرقات/۵ ۳۸۹۱۔ [2] المرقات: ۵/۳۸۹ [3] المرقات: ۵/۳۸۹ [4] المرقات: ۵/۳۸۹
[5] المرقات: ۵/۳۸۹ [6] المرقات: ۵/۳۹۱ [7] المرقات: ۵/۳۹۰

"فمن کان دونھن" یہاں چند الفاظ کا سمجھنا ضروری ہے تا کہ حج کے اصطلاحی الفاظ ذہن نشین ہو جائیں۔
آفاقی: یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو مذکورہ مواقیت سے باہر رہتا ہو مثلاً پاکستانی ہو یا ہندوستانی ہو یا مدینہ منورہ کا رہنے والا ہو۔
میقاتی: یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو مذکورہ پانچ مواقیت کے اندر رہتا ہو مگر زمین حرم سے باہر ہو۔
ارض الحرم: یہ اس مقدس زمین کو کہتے ہیں جس میں کسی گھاس کو نہیں کاٹا جاسکتا نہ کوئی شکار کھیلا جاسکتا ہے نہ کوئی کافر وہاں جاسکتا ہے۔ اس میں رہنے والے شخص کو حرمی اور عام رہنے والوں کو اہل الحرم کہتے ہیں۔ جدہ سے جاتے ہوئے شمیسی مقام میں مرکز تفتیش آتا ہے یہیں سے ارض حرم شروع ہوتی ہے اور مدینہ منورہ سے آتے ہوئے مقام تنعیم سے ارض حرم شروع ہوتی ہے دونوں جگہوں پر لکھا ہوا ہے "ممنوع دخول غیر المسلمین"۔ مسجد حرام کو یا احترام کی وجہ سے حرام کہتے ہیں اور یا اس میں شکار حرام ہے گھاس کاٹنا حرام ہے کافر کا داخلہ حرام ہے جھگڑا فساد حرام ہے۔
ارض الحل: اس کو زمین حل بھی کہتے ہیں زمین حرم کے علاوہ پوری دنیا زمین حل ہے۔ حل کا مطلب یہ ہے کہ وہاں شکار کرنا گھاس کاٹنا کافروں کا گھومنا پھرنا سب جائز ہے۔
بہر حال یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ میقات زمانی سے پہلے کسی حاجی کو احرام باندھنا جائز نہیں ہے۔ اور میقات مکانی سے پہلے احرام باندھنا جائز ہے میقات زمانی کا تعلق آفاقی اور میقاتی دونوں قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے اور میقات مکانی کے احرام کا تعلق صرف آفاقی کے ساتھ ہے داخل میقات آدمی اپنے گھر سے احرام باندھ سکتا ہے۔

میقات سے احرام کے بغیر گذرنے کا مسئلہ

"لمن کان یرید الحج والعمرۃ"

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے ارادہ سے مکہ جارہا ہو وہ ان مواقیت سے بغیر احرام نہیں گذر سکتا ہے۔ لیکن آیا کوئی شخص اپنے ذاتی کام کی غرض سے ان مواقیت سے احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

شوافع کے نزدیک اگر کسی شخص کا ارادہ حج یا عمرہ کا نہ ہو تو وہ بغیر احرام ان مواقیت سے گذر کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوسکتا ہے۔
ائمہ احناف کے نزدیک آفاقی کے لئے احرام کے بغیر ان مواقیت سے گذرنا مطلقاً ناجائز ہے بشرطیکہ دخول مکہ کا ارادہ ہو خواہ تجارت کا ارادہ کیوں نہ ہو۔[1]

دلائل:

شوافع حضرات زیر بحث حدیث کے مذکورہ "لمن یرید الحج" کے الفاظ سے بطور مفہوم مخالف استدلال کرتے ہیں یعنی

[1] المرقات: ۵/۳۹۰

جن کا ارادہ حج وعمرہ کا ہو ان کے لئے احرام ضروری ہے اس سے معلوم ہوا کہ جن کا یہ ارادہ نہ ہو وہ بغیر احرام مکہ میں داخل ہوسکتا ہے شوافع نے فتح مکہ کے دن حضور اکرم ﷺ کے بغیر احرام مکہ میں داخل ہونے سے بھی استدلال کیا ہے ائمہ احناف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ اور طبرانی میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ [1]

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاتجاوز المواقیت الاباحرام۔ (اعلاء السنن ج۱۰ ص۱۷)

بعض روایات میں لایجاوز والوقت الا باحرام کے الفاظ ہیں اور بعض میں لایجاوز احد المیقات الا محرما کے الفاظ بھی ہیں۔ احناف عقلی استدلال اس طرح پیش کرتے ہیں کہ احرام باندھنے کا اصل مقصد ارض حرم اور اس بقعۂ مبارکہ اور رحاب طاہرہ کی تعظیم وتکریم ہے اور یہ سب کے لئے عام ہے خواہ حج وعمرہ والا ہو یا تجارت والا ہو یا کسی اور غرض والا ہو کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ [2]

جواب شوافع کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مفہوم مخالف ہمارے ہاں دلیل نہیں ہے اور جب منطوق کے خلاف بھی ہو تو قابل التفات بھی نہیں ان کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا فتح مکہ کے دن بغیر احرام مکہ میں داخل ہونا آپ کی خصوصیت تھی چنانچہ ایک دن تک وہاں قتال کرنا بھی آپ کی خصوصیت تھی، بہر حال دلائل جیسے بھی ہوں احناف کے مسلک پر آج کل عمل کرنا ممکن نہیں اس میں حرج عظیم ہے روزانہ لاکھوں انسان مکہ آتے جاتے ہیں، لاکھوں گاڑیاں اور ڈرائیور اور مزدور کیا کریں گے؟ احناف کو اس میں نرمی کرنی چاہئے۔ [3]

"دونھن" اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ میقات کے اندر مگر حدود حرم سے باہر رہتے ہوں ان کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ان کے گھر سے لیکر تا حدود حرم ہے ان کو باہر میقات پر جانے اور وہاں سے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ [4]

"و کذاك و کذاك" اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حدود حرم سے باہر جو لوگ ارض حل میں رہتے ہیں ان کو میقات پر جانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ حدود حرم جانے کی ضرورت ہے "حتی اھل مکۃ" یعنی جو لوگ حدود حرم کے اندر رہتے ہیں یعنی مکی ہیں ان کو چاہئے کہ وہیں سے احرام باندھیں جہاں رہتے ہیں خواہ حرم کے پاس سے ہو یا اپنے گھر کے پاس سے ہو ان کو باہر میقات یا ارض حل تک جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ [5]

یہ حج کا حکم ہے لیکن عمرہ کے لئے ضروری ہے کہ ارض حرم والے ارض حل سے احرام باندھیں یعنی زمین حرم سے باہر جا کر مثلاً تنعیم یا جعرانہ سے احرام باندھیں کیونکہ عمرہ حرم کے اندر طواف اور سعی کا نام ہے اور وہیں پر ادا ہوتا ہے لہٰذا ایک قسم سفر کرنا ضروری ہے اور حج چونکہ حرم سے باہر عرفات پر ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے سفر حرم سے شروع ہوتا ہے تو وہیں سے احرام باندھنا چاہئے۔ [6]

---

[1] المرقات: ۵/۳۹۰ [2] فتح القدیر ۲/۴۳۳ [3] فتح القدیر ۲/۴۳۳ [4] المرقات: ۵/۳۹۰ [5] المرقات: ۵/۳۹۰ [6] المرقات: ۵/۳۹۱

اگر دو میقات پر گذرنے کا امکان ہو تو کیا کرے؟

﴿۱۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُهَلُّ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَالطَّرِيْقُ الْآخَرُ الْجُحْفَةُ وَمُهَلُّ أَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتُ عِرْقٍ وَمُهَلُّ أَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَمُهَلُّ أَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مدینہ والوں کے لئے احرام کی جگہ ذوالحلیفہ ہے اور دوسرا راستہ جحفہ ہے" عراق والوں کے لئے احرام کی جگہ ذات عرق ہے، نجد والوں کے کے لئے احرام کی جگہ قرن ہے، اور یمن والوں کے لئے احرام کی جگہ یلملم ہے۔ (مسلم)

توضیح: "مھل" میم پر ضمہ ہے اور ھا پر فتحہ ہے اور لام پر شد ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اسم مکان ہے یعنی احرام کی جگہ، اہلال احرام باندھنے، تلبیہ پڑھنے اور نیت کرنے کو کہتے ہیں احرام باندھنے سے آدمی اس وقت محرم بنتا ہے جب احرام کے بعد وہ نیت کر کے تلبیہ پڑھ لے اصل نیت تلبیہ پڑھنا ہے۔[2]

"**والطریق الاخر**" اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اہل مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ ہے لیکن اگر مدینہ والے ذوالحلیفہ کے بجائے بدر کے راستے سے **جحفہ** ہوتے ہوئے مکہ جانا چاہیں تو وہ ذوالحلیفہ کے بجائے جحفہ اور رابغ سے احرام باندھ سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ذوالحلیفہ ہی سے احرام باندھ لیا جائے مدینہ سے مکہ جانے کے دو راستے ہیں ایک مشہور و معروف طریق الھجرہ ہے جس کی ابتدا میں ذوالحلیفہ ہے دوسرا راستہ وہ پرانا راستہ ہے جو ہجرت سے پہلے قریش استعمال کرتے تھے اس راستے میں مدینہ سے بہت دور مکہ کے قریب **جحفہ** مقام آتا ہے اگر کوئی شخص اس راستہ پر جائے تو **جحفہ** سے احرام باندھ سکتا ہے۔[3]

"**ذات عرق**" یہ مقام مکہ مکرمہ سے دو مرحلہ دو منزل اور دو دن کے فاصلہ پر واقع ہے مکہ سے ۹۷ کلومیٹر دور ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرق چھوٹے پہاڑ کو کہتے ہیں اس مقام میں چھوٹا پہاڑ واقع ہے اس کو ذات عرق کہتے ہیں۔ بہرحال یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جو لوگ ان پانچ مواقیت کے محاذات میں واقع نہیں ہیں اور ان کا گذر کسی میقات پر نہیں ہوتا تو ان کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ کسی بھی میقات کے محاذات اور اس کی برابری میں جو جگہ پڑے گی وہی جگہ ان لوگوں کے لئے میقات ہوگی۔[4]

آنحضرت ﷺ کے حج اور عمرہ کی تعداد

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ عُمَرٍ كُلُّهُنَّ فِي ذِي الْقَعْدَةِ

[1] اخرجہ مسلم: ۱/۳۷۴ [2] المرقات: ۵/۳۹۱ [3] المرقات: ۵/۳۹۱ [4] المرقات: ۵/۱۹۱

اِلَّا الَّتِیْ کَانَتْ مَعَ حَجَّتِہٖ عُمْرَۃً مِنَ الْحُدَیْبِیَۃِ فِیْ ذِی الْقَعْدَۃِ وَعُمْرَۃً فِی الْعَامِ الْمُقْبِلِ فِیْ ذِی الْقَعْدَۃِ وَعُمْرَۃً مِنَ الْجِعِرَّانَۃِ حَیْثُ قَسَمَ غَنَائِمَ حُنَیْنٍ فِیْ ذِی الْقَعْدَۃِ وَعُمْرَۃً مَعَ حَجَّتِہٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے چار عمرے کئے ہیں اور وہ سب ذی قعدہ کے مہینہ میں کئے گئے تھے علاوہ اس ایک عمرہ کے جو حج کے ساتھ کیا گیا تھا اور ذی الحجہ کے مہینہ میں ہوا تھا (اور ان چار عمروں کی تفصیل یہ ہے کہ) ایک عمرہ حدیبیہ سے ذی قعدہ کے مہینہ میں دوسرا عمرہ اس کے اگلے سال وہ بھی ذی قعدہ میں ہوا تھا۔ تیسرا عمرہ جعرانہ سے جہاں غزوہ حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا گیا یہ عمرہ بھی ذی قعدہ میں ہوا اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ جو ذی الحجہ میں ہوا تھا''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''اربع عمر'' آنحضرت ﷺ نے حج فرض ہوجانے کے بعد ایک ہی حج کیا ہے اور ہجرت سے پہلے بعض علماء کے قول کے مطابق آپ ہر سال حج کرتے تھے اب رہ گئی یہ بات کہ ہجرت کے بعد آپ کے عمروں کی تعداد کتنی ہے؟ اس میں روایات میں معمولی سا اختلاف نظر آتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ کے کل عمرے چار تھے۔ تین عمرے ذیقعدہ کے مہینے میں تھے اور ایک عمرہ ذوالحجہ میں تھا چنانچہ آپ کا پہلا عمرہ ۶ھ میں حدیبیہ کا عمرہ تھا اس میں اگرچہ آنحضرت ﷺ عمرہ کے افعال مکمل نہ کرسکے کیونکہ کفار نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک لیا لیکن ثواب کے اعتبار سے یہ مکمل عمرہ تھا اور ذیقعدہ کے مہینے میں تھا آنحضرت ﷺ کا دوسرا عمرہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کا عمرہ تھا جو حدیبیہ والے عمرہ کی قضا کو آپ نے ادا کیا یہ عمرہ بھی ذیقعدہ میں تھا آنحضرت کا تیسرا عمرہ ۸ھ میں مقام جعرانہ سے آپ نے کیا تھا شوال میں حنین کی جنگ لڑی گئی اور غنائم حنین کو جعرانہ میں اکٹھا کرا کر پھر تقسیم کیا گیا اسی دوران رات کے وقت خفیہ طور پر آپ نے چند ساتھیوں کے ساتھ ذیقعدہ کے مہینے میں عمرہ ادا کیا۔[2]

اور آپ کا چوتھا عمرہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ہوا تھا یہ عمرہ ذوالحجہ کے مہینہ میں تھا یہ تو زیر بحث حدیث کی تفصیل تھی لیکن اس کے بعد حضرت براء بن عازب کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کل عمرے تین تھے اس روایت کا اس روایت سے تعارض ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت براء بن عازب نے درحقیقت صلح حدیبیہ والا عمرہ شمار نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں عمرہ افعال کے اعتبار سے مکمل نہیں ہوا تھا لہٰذا آپ نے اس کو ذکر نہیں کیا لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کو مکمل عمرہ شمار کیا اس لئے کہ ثواب کے اعتبار سے یہ مکمل تھا۔[3]

بہرحال حج اور عمرہ میں یہ فرق ہے کہ حج عرفات کے وقوف، طواف زیارت، سعی صفا مروہ اور رمی جمرات کا نام ہے اور عمرہ صرف طواف بیت اللہ اور صفا مروہ کے درمیان سعی کا نام ہے ہاں احرام باندھنے میں کوئی فرق نہیں اور محظورات احرام میں بھی کوئی فرق نہیں، البتہ حج فرض بھی ہوتا ہے اور سنت ونفل بھی ہوتا ہے عمرہ فرض نہیں ہوتا صرف سنت ونفل ہوتا ہے ہاں اگر کوئی نذر مانے تو عمرہ واجب ہوجائے گا۔ یہ احناف اور مالکیہ کا مسلک ہے لیکن شوافع اور حنابلہ کے نزدیک عمرہ واجب ہے۔

[1] اخرجه البخاری: ۳۱۳ ومسلم: ۱/۵۲۷ [2] المرقات: ۵/۳۹۲، ۳۹۳ [3] المرقات: ۵/۳۹۳

﴿۱۵﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ قَبْلَ أَنْ يَحُجَّ مَرَّتَيْنِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ کے مہینے میں حج سے پہلے دو مرتبہ عمرہ کیا ہے''۔ (بخاری)

الفصل الثانی

حج صرف ایک مرتبہ فرض ہے

﴿۱۶﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَقَامَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ أَفِيْ كُلِّ عَامٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَوْ قُلْتُهَا نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوْا بِهَا وَلَمْ تَسْتَطِيْعُوْا وَالْحَجُّ مَرَّةً فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب) فرمایا'' کہ لوگو: اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ'' یارسول اللہ: کیا ہر سال حج کرنا فرض ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر میں اس حج (کے ہر سال فرض ہونے کے سوال) کے بارے میں ہاں کہہ دیتا تو یقینا (ہر سال حج کرنا) واجب (یعنی فرض) ہوجاتا اور اگر ہر سال حج کرنا فرض ہوجاتا تو نہ تم (اس حکم پر) عمل کر پاتے اور نہ تم اس کی استطاعت ہی رکھتے حج (پوری زندگی میں بشرط قدرت) ایک ہی مرتبہ فرض ہے ہاں جو شخص ایک بار سے زیادہ کرے وہ نفل ہوگا (جس پر اسے بہت زیادہ ثواب ملے گا)۔ (احمد ونسائی، ودارمی)

وسعت کے باوجود حج نہ کرنے میں ایمان کا خطرہ ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ إِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَهِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مَجْهُوْلٌ وَالْحَارِثُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جو شخص زاد راہ اور سواری کا مالک ہو جو اسے

[1] اخرجه البخاري: ۳/۳ [2] اخرجه احمد: ۱/۲۵۵ والنسائي: ۵/۱۱۱ والدارمي: ۱۷۹۵ [3] اخرجه الترمذي: ۳/۱۷۶

بیت اللہ تک پہونچاوے (یعنی جو شخص حج کرنے کی استطاعت وقدرت رکھتا ہو) اور (پھر بھی) وہ حج نہ کرے تو اس کے یہودی یا نصرانی ہوکر مرجانے (اور بے حج مرجانے) میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ (یعنی حج کے لئے زادراہ وسواری کا شرط ہونا اور اس عظیم عبادت کو ترک کردینے پر مذکورہ بالا وعید) اس لئے ہے کہ اللہ بزرگ وبرتر فرماتا ہے **وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا** اور اللہ تعالیٰ (کی خوشنودی) کے لئے لوگوں پر کعبہ کا حج کرنا ضروری ہے۔ جو وہاں تک جاسکتا ہو۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند محل کلام ہے کیونکہ ہلال ابن عبداللہ مجہول ہیں اور حارث روایت حدیث میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

توضیح: استطاعت یعنی آنے جانے کا اپنا خرچہ اور واپسی تک گھر والوں کا خرچہ اگر کسی کے پاس ہے تو یہی وسعت اور یہی استطاعت ہے یہ استطاعت اگر کسی کے پاس ہے اور وہ حج اس لئے نہیں کرتا کہ حج کا انکار کرتا ہے اور حج کو نہیں مانتا تو یہ شخص یقیناً کافر ہے اور یہود ونصاریٰ کی طرح کفر پر مریگا لیکن اگر استطاعت کے بعد یہ شخص انکار نہیں کرتا ہے سستی اور لاپرواہی کرتا ہے تو یہ گناہ کبیرہ ہے پھر اس کو یہودی یا نصرانی کی موت مرنے کی وعید سنانا تغلیظا تشدیدا ہے لیکن اس پہلو سے ہٹ کر اگر قرآن کریم کے اشاروں کو دیکھا جائے تو پھر یہ کہنا مشکل نہیں ہوگا کہ استطاعت کے بعد اگر کوئی شخص حج نہیں کرتا تو اس میں خطرہ ہے کہ موت کے وقت اس شخص کا ایمان سلب ہوجائے کیونکہ مذکورہ آیت کا آخری حصہ اس طرح ہے[1] ﴿**ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین**﴾[2] اس میں ایسے شخص کی طرف کفر کی نسبت کی گئی ہے گو اس میں بھی تاویل ہوسکتی ہے لیکن ظاہری الفاظ میں تو 'کفر' کا لفظ موجود ہے اور پھر اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم سے بے نیاز ہے لہٰذا حدیث میں اس کی تفسیر ہے کہ ایسا شخص اگر کافر ہوکر مریگا تو اللہ تعالیٰ عالم سے بے نیاز ہے سزا کے لئے موجود ہے حضور اکرم ﷺ نے ایت مکمل پڑھی ہوگی کیونکہ مکمل ایت ہی سے استشہاد کیا جاسکتا ہے شاید کسی راوی نے اختصار کیا ہے۔

اسلام میں ترک حج جائز نہیں ہے

﴿۱۸﴾ **وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاصَرُوْرَةَ فِي الْاِسْلَامِ۔**
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اسلام میں ترک حج نہیں''۔ (ابوداود)

توضیح: "**لاصرورۃ**" اس لفظ میں تا مبالغہ کے لئے ہے صرورت ترک نکاح اور درویشی ورہبانیت اختیار کرنے کے معنی میں ہے ترک نکاح سے متعلق مکمل بحث توضیحات جلد چہارم میں ہوچکی ہے۔ مگر یہاں صرورت کا اطلاق ترک حج پر ہوا ہے یعنی استطاعت کے باوجود جو آدمی حج نہیں کرتا تو یہ آدمی مسلمان نہیں ہے اگر انکار کرتا ہے تو کافر ہے اور اگر سستی کرتا ہے تو یہ کلام تغلیظ وتشدید پر محمول ہے۔[4]

---

[1] المرقات: ۵/۳۹۵ [2] سورۃ عمران: ۹۷ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۳۵ [4] المرقات: ۵/۳۹۷

حج علی الفور واجب ہے یا علی التراخی؟

﴿۱۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيُعَجِّلْ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے چاہیئے کہ وہ جلدی کرے''۔ (ابوداود، دارمی)

توضیح: "فلیعجل" یعنی جس شخص کے پاس استطاعت ہو اور اس کا حج کا ارادہ بھی ہو تو وہ جلدی کرے اور حج ادا کرے ورنہ بہت ممکن ہے کہ آیندہ نہ مال باقی رہے نہ صحت باقی رہے نہ حالات اجازت دے اس لئے جلدی کرنا چاہیئے اب اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ حج علی الفور واجب ہے یا علی التراخی۔[2]

فقہاء کا اختلاف:

ائمہ احناف کے نزدیک اگر اسباب مہیا ہیں قافلہ تیار ہے حالات سازگار ہیں تو اسی سال حج کرنا چاہیئے بلا عذر تاخیر کرنے سے آدمی فاسق ہوجائے گا اور مردود الشہادۃ ہوجائے گا اور اگر اس دوران اس مالدار شخص کا مال جاتا رہا تو فرض حج اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا اور حج نہ کرسکنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی اسی طرح ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حج واجب علی التراخی ہے یعنی عمر بھر میں کسی بھی وقت ادا کیا جاسکتا ہے لیکن اگر آخر وقت تک ادا نہ کیا اور حج فوت ہونے کا خطرہ پیدا ہوگیا تو اس طرح تاخیر شوافع کے ہاں بھی جائز نہیں ہے ایسی صورت میں اگر وہ آدمی مرگیا تو گناہ گار ہو کر مریگا۔[3]

حج وعمرہ ساتھ کرنے سے فقر وفاقہ اور گناہ ختم ہوتا ہے

﴿۲۰﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه عَنْ عُمَرَ إِلٰى قَوْلِهِ خَبَثَ الْحَدِيْدِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''حج اور عمرہ ایک ساتھ کرو اس لئے کہ یہ دونوں (یعنی ان میں سے ہر ایک) فقر اور گناہوں کو ایسا دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے سونے اور چاندی کے میل کو دور کرتی ہے اور

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۴۵ والدارمی: ۱۷۹۱ [2] المرقات: ۵/۳۹۶

[3] المرقات: ۵/۳۹۶ [4] اخرجہ الترمذی: ۳/۱۷۵ واحمد: ۱/۳۸۷ وابن ماجہ: ۲/۹۶۴

حج مقبول کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں''۔ (ترمذی، نسائی، احمد، اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لفظ خبث الحدید تک نقل کیا ہے۔

فرضیت حج کے شرائط

﴿۲۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَايُوْجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ: کون سی چیز حج کو واجب کرتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زادراہ اور سواری''۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "الزادوالراحلة" قرآن وحدیث میں حج کے ساتھ ایک لفظ بطور قید لگا ہوا ہے اور وہ لفظ "من استطاع اليه سبيلًا" ہے یعنی حج اس شخص پر فرض ہے جو حج کی استطاعت رکھتا ہو اب فقہائے کرام نے استطاعت کی اس طرح الگ الگ تشریح وتوضیح کی ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہاں کسی شخص کے پاس مال کا ہونا استطاعت ہے اگر چہ وہ شخص لنگڑا لولا اور صاحب فراش ہے لیکن اس کے پاس مال ودولت ہے تو حج اس پر فرض ہو جاتا ہے اور چونکہ وہ خود جانے کی طاقت نہیں رکھتا ہے لہٰذا وہ اپنی طرف سے کسی اور کو نائب بنا کر ان کے خرچے کا مکمل انتظام کرے وہ شخص جا کر ان کے لئے حج کر کے آجائے اس کو حج بدل کہتے ہیں۔[2]

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استطاعت سے مراد صحت بدن ہے جب ایک شخص تندرست ہے تو اس پر ہر حال میں حج فرض ہے وہ حج پر جائے گا راستہ میں کمائے گا کھائے گا اور پھر آگے جائے گا پھر کمائے گا اور پھر آگے جائے گا کیونکہ خوب صحت مند ہے تو وہ کس چیز کا آرزومند ہے؟

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استطاعت سے مراد ''زاد وراحلہ'' ہے یعنی آنے جانے کا خرچہ ہو راستہ کا کرایہ ہو یا اپنی سواری ہو اور ظاہر ہے کہ اس ضمن میں صحت بدن ضروری ہے اور اسی طرح راستہ کا امن بھی ضروری ہے البتہ اہل مکہ اور گرد ونواح کے لوگوں کے لئے سواری کا میسر آنا شرط نہیں ہے کیونکہ وہ بغیر سواری کے بھی حج کو جاسکتے ہیں۔[3]

حج کے فرض ہونے کی شرطیں

مندرجہ ذیل شرائط پائے جانے کے بعد حج فرض ہو جاتا ہے۔

① مسلمان ہونا کافر پر حج نہیں ہے ② آزاد ہونا غلام لونڈی پر حج فرض نہیں ③ بالغ ہونا بچوں پر حج فرض نہیں ④ عاقل ہونا مجنون پاگل اور مدہوش وبے ہوش پر حج فرض نہیں ⑤ استطاعت یعنی اس قدر مال کا مالک ہونا جو ضرورت اصلیہ اور قرض سے محفوظ ہو اور اس کے زادِراہ اور سواری کے لئے کافی ہو جائے اور جن لوگوں کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے ان

[1] اخرجه الترمذی: ۳/۱۷۷ وابن ماجه: ۲/۹۶۷ [2] المرقات: ۵/۳۹۹ [3] المرقات: ۵/۳۹۹

کے لئے بھی اس میں سے اس قدر چھوڑ جائے جو اس کے لوٹنے تک ان لوگوں کو کفایت کر سکے جن لوگوں کے پاس زمین موجود ہے اگر وہ اس زمین کو فروخت کرے تو بہت پیسہ ہاتھ آسکتا ہے جس سے وہ حج کر سکتے ہیں تو اس صورت میں بھی یہ لوگ صاحب استطاعت ہیں یہ بعض فقہاء کی رائے ہے کہ زمین بھی استطاعت میں داخل ہے۔

موانع حج:

یہاں تک جو شرائط بیان ہوئیں یہ وہ تھیں کہ اگر یہ نہ پائیں جائیں تو حج فرض ہی نہیں ہوتا یعنی حج کی فرضیت متحقق ہی نہیں ہوگی اور آگے جو شرائط بیان کی جائیں گی وہ ایسی ہیں کہ ان کے نہ پائے جانے سے حج تو فرض رہے گا البتہ جب تک یہ موانع موجود ہوں گے حج پر جانا ضروری نہ ہوگا اور جس وقت یہ موانع دور ہو جائیں گے پھر حج پر جانا فرض ہو جائے گا۔

① بدن کا ایسے عوارض سے محفوظ ہونا جن کی وجہ سے سفر نہ کر سکے جیسے اندھا، لنگڑا، لولا، اپاہج، یا ایسا بوڑھا جو سواری پر بیٹھ نہ سکے ② کسی کی قید میں گرفتار ہونا یا ظالم بادشاہ کے ظلم کے خوف میں ہونا جب تک یہ مانع ہے حج پر جانا فرض نہیں ③ راستے کا پرامن نہ ہونا یعنی ڈاکوؤں کے ڈاکہ پڑنے کا اگر خطرہ ہو یا کوئی دریا سامنے حائل ہو تو عذر ہے ④ عورت کے لئے ہمراہی میں شوہر یا محرم کا موجود نہ ہونا ⑤ عورت کے لئے عدت میں ہونا خلاصہ یہ کہ مندرجہ بالا شرائط کچھ دائمی ہیں اور کچھ عارضی ہیں، عوارض جب دور ہوں تو حج فرض ہو جائے گا۔[1]

حج کے فرائض

حج میں پانچ چیزیں فرض ہیں:

① احرام لگانا یہ فرض بھی ہے اور حج کے لئے شرط بھی ہے۔ ② وقوف عرفات یعنی عرفات میں ٹھہرنا خواہ ایک ہی منٹ کے بقدر ہو خواہ رات میں ہو۔ ③ طواف زیارت کا اکثر حصہ فرض ہے یعنی چار شوط (چار چکر)۔ ④ مندرجہ بالا فرائض کی ترتیب کا لحاظ یعنی احرام کو وقوف اور وقوف کو طواف زیارت پر مقدم کرنا۔ ⑤ ہر فرض کو اسی مکان و مقام پر بجالانا جہاں پر وہ فرض ہے، مثلاً وقوف کا عمل عرفات میں ہے طواف بیت اللہ میں ہے، احرام میقات کے پاس ہے۔[2]

حج کے واجبات:

حج میں کل چھ واجبات ہیں ① وقوف مزدلفہ ② سعی ③ رمی ④ آفاقی کے لئے طواف قدوم ⑤ حلق یا قصر کرنا ⑥ ہر وہ عمل جس کے ترک کرنے پر دم آتا ہو۔ بالفاظ دیگر مندرجہ بالا افعال کو ترتیب کے ساتھ ادا کرنا۔[3]

افضل حج اور اچھے حاجی کی صفت

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَبِي رَزِيْنِ الْعُقَيْلِيِّ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أَبِي شَيْخٌ

---

[1] البنایة: ۱۹۔ ۱۷/۴ [2] قدوری: ۹۰/۱ [3] قدوری: ۸۹/۱

كَبِيْرٌ لَا يَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ حُجَّ عَنْ أَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ ''حاجی کی صفت وکیفیت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا غبار آلود سر، پراگندہ بال اور پسینہ ومیل کی وجہ سے بو آتی ہو (یعنی زیب وزینت سے مکمل اجتناب جیسا کہ کسی عاشق صادق اور محب مخلص کی علامت ہوتی ہے) پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ: حج میں (ارکان کے بعد) کونسی چیزیں بہت زیادہ ثواب کی حامل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''لبیک کے ساتھ آواز کو بلند کرنا اور قربانی یا ہدی کا خون بہانا''۔ اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ: سبیل'' کیا ہے؟ (یعنی قرآن کریم میں حج کے سلسلہ میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ **من استطاع الیہ سبیلا** تو اس آیت میں سبیل سے کیا مراد ہے ؟ آپ نے فرمایا ''زاد راہ اور سواری''۔ (شرح السنہ) نیز اس روایت کو ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے لیکن انہوں نے حدیث کا آخری حصہ یعنی **فقام الاٰخر** (اس کے بعد ایک اور شخص کھڑا ہوا) سے آخر تک ذکر نہیں کیا ہے۔

توضیح: ''**ما الحاج**'' یعنی کامل حاجی کون ہوتا ہے۔ اس کی صفت کیا ہے؟ [2]

''**الشعث**'' یعنی حاجی کی اچھی صفت اور اچھا حاجی وہ ہوتا ہے جس کے بال غسل نہ کرنے کی وجہ سے غبار آلود ہوں اور کنگھی نہ کرنے کی وجہ سے منتشر اور پراگندہ ہوں [3] ''**التفل**'' فا پر کسرہ ہے میل کچیل کو کہتے ہیں یعنی اچھا حاجی وہ ہوتا ہے جو عطر کو ترک کر کے میلا کچیلا رہتا ہو۔ [4] ''**العج**'' زور زور سے تلبیہ پڑھنے کو عج کہتے ہیں [5] ''**الثج**'' کثرت سے قربانی اور ھدایا کے جانوروں کے خون بہانے کو ثج کہتے ہیں۔ [6]

''**ما السبی**'' یعنی قرآن کی ایت میں جو **من استطاع الیہ سبیلا** میں سبیل کا لفظ آیا ہے اس سے کیا مراد ہے۔ [7]

''**الزاد والراحلة**'' یعنی آنے جانے کا متوسط کھانا پینا ہو اور کھانے پینے کے سامان کے ساتھ سواری کا کرایہ ہو پہلے زمانہ میں اونٹ ہوتا تھا آج کل ہوائی جہاز کے آنے جانے کا کرایہ مراد ہے اگرچہ سمندری جہاز کا کرایہ کم ہے مگر ظالموں نے اس کو ختم کر دیا ہے۔ [8]

باپ کی طرف سے حج کرنا

﴿۲۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِيِّ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أَبِيْ شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَا يَسْتَطِيْعُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ حُجَّ عَنْ أَبِيْكَ وَاعْتَمِرْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)

---

[1] اخرجه الترمذی: ۳/۲۶۹ وابوداؤد: ۲/۱۶۷ [2] المرقات: ۵/۳۹۹ [3] المرقات: ۵/۴۰۰ [4] المرقات: ۵/۴۰۰

[5] المرقات: ۵/۴۰۰ [6] المرقات: ۵/۴۰۰ [7] المرقات: ۵/۴۰۰ [8] المرقات: ۵/۴۰۰

ترجمہ: اور حضرت ابورزین عقیلی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ: میرا باپ بہت زیادہ بوڑھا ہوگیا ہے وہ نہ تو حج کی طاقت رکھتا ہے اور نہ عمرے کی اور نہ ہی سوار ہونے کی آپ نے فرمایا اس کی طرف سے تم حج و عمرہ کرو"۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی) نیز امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

دوسرے کی طرف سے حج کرنے سے پہلے اپنا حج کرنا چاہئے

﴿۲۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلاً يَقُوْلُ لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ مَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ أَخٌ لِيْ أَوْ قَرِيْبٌ لِيْ قَالَ أَحَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ قَالَ لَا قَالَ حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (حج کے دوران) ایک شخص کو سنا کہ وہ شبرمہ کی طرف سے لبیک کہہ رہا ہے، آپ نے پوچھا کہ شبرمہ کون ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میرا بھائی ہے یا کہا کہ میرا اقرابتی ہے"۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ "کیا تم اپنی طرف سے حج کر چکے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا تو پہلے تم اپنی طرف سے حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا"۔ (شافعی، ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "**اوقریب**" او شک کے لئے ہے راوی کو شک ہوگیا۔[2] "**ثم حج عن شبرمة**" شبرمہ میں شین پر ضمہ ہے با پر سکون ہے اور را پر بھی ضمہ ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے اور دیگر روایات کے اختلاف سے فقہاء کے درمیان اس بار میں اختلاف ہوگیا ہے کہ جس شخص نے خود حج نہ کیا ہو وہ دوسرے کی طرف سے حج کرسکتا ہے یا نہیں؟[3]

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے خود حج نہیں کیا ہو وہ دوسرے کی طرف سے حج نہیں کرسکتا ہے اس لئے کہ جب ایسا شخص حج کی نیت دوسرے کے لئے کریگا تو وہ نیت اس کے اپنے حج کی بن جائے گی دوسرے کی طرف سے نہیں ہوگی امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جس نے اپنا حج نہیں کیا ہو وہ دوسرے کی طرف سے حج کرسکتا ہے البتہ اس طرح کرنا مکروہ اور خلاف اولیٰ ہے اگر اس شخص پر حج فرض ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر خود اس پر حج فرض نہ ہو تو پھر مکروہ تنزیہی ہے۔[4]

دلائل شوافع اور حنابلہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مدعا پر واضح دلیل ہے۔

احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے حدیث ۷ میں جب خشعمیہ عورت نے اپنے والد کی طرف سے حج کرنے کی اجازت مانگی تو حضور اکرم ﷺ نے حج کی اجازت دیدی اور یہ نہیں پوچھا کہ تم نے اپنا حج کیا ہے یا نہیں۔

جواب زیر بحث حدیث کے جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ احناف و مالکیہ اس حدیث کو استحباب پر حمل کرتے ہیں

---

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۶۷ و ابن ماجہ: ۲/۹۶۹ [2] المرقات: ۵/۴۰۱ [3] المرقات: ۵/۴۰۲ [4] المرقات: ۵/۴۰۸ و بذل المجہود

اوراس طرح کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔[1]

مشرق والوں کی میقات

﴿۲۵﴾ وعنه قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيْقَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مشرق والوں کے لئے احرام (باندھنے) کی جگہ (یعنی میقات) عقیق کو متعین فرمایا ہے''۔ (ترمذی وابوداود)

توضیح: ''العقیق'' عقیق ایک جگہ کا نام ہے جوذات عرق کے محاذات میں واقع ہے۔اس حدیث میں اس ضابطہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر کچھ لوگوں کے سامنے کوئی میقات نہیں پڑتی ہوتوان کے احرام باندھنے کے لئے اس میقات کے محاذات میں جوجگہ آتی ہووہی کافی ہے چنانچہ زیر بحث حدیث میں اہل مشرق سے مرادعراق کے لوگ ہیں ان میں سے اکثر کے راستے میں ذات عرق کی میقات پڑتی ہے لیکن بعض عراقیوں کے راستے میں عقیق کا مقام واقع ہوتا ہے جوذات عرق کے محاذات میں ہے اس حدیث میں ان تمام لوگوں کے لئے ذات عرق کی طرح عقیق کو بھی میقات قرار دیا گیا ہے بعض شارحین کی شرح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس میقات کا تعین کیا ہے مگرزیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ محاذات کا ضابطہ حضورا کرم ﷺ نے رکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل عراق کے اصرار پر شاید اس کا تعین کیا ہے اور کچھ نہیں کیا ویسے حدیث میں عقیق کا ذکر موجود ہے کہ حضور ﷺ نے اسکو مقرر کیا ہے تومسئلہ بے غبار ہے بہرحال جوطرز میں نے اختیار کیا ہے وہ آسان بھی ہے اور عام فہم بھی ہے ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے اور انداز سے بیان کیا ہے جوزیادہ پیچیدہ ہے۔

﴿۲۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[3]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عراق والوں کے لئے احرام باندھنے کی جگہ ذات عرق متعین فرمائی''۔ (ابوداود، نسائی)

میقات سے پہلے احرام باندھنا افضل ہے

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ أَهَلَّ بِحَجَّةٍ أَوْ عُمْرَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَاتَأَخَّرَ أَوْ وَجَبَتْ لَهُ

[1] المرقات: ۵/۴۰۶ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۱۹۳ وابوداوٗد: ۲/۱۴۷ [3] اخرجه ابوداوٗد: ۲/۱۴۷ والنسائی: ۵/۱۲۳

الْجَنَّةُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لئے مسجد اقصی (بیت المقدس) سے مسجد حرام (یعنی مکہ) تک احرام باندھے (یعنی بیت المقدس سے حج یا عمرہ کے لئے روانہ ہونے والا بیت المقدس ہی سے احرام باندھ کر چلے) تو اس کے وہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے ہونگے اور جو بعد میں کرے گا یا فرمایا کہ اس شخص کے لئے (ابتداء ہی) جنت واجب ہو جائے گی (یعنی وہ شروع ہی میں جنت میں داخل ہوگا)۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "**او عمرة**" یہاں لفظ 'او' تنویع کے لئے ہے اور "**او وجبت له الجنة**" میں لفظ 'او' راوی کے شک کو ظاہر کرتا ہے۔[2]

"**من المسجد الاقصى**" مسجد اقصی کا ذکر اس حدیث میں کیوں کیا گیا ہے اس میں دو احتمال ہیں پہلا احتمال تو افضلیت کی وجہ سے ہے کہ بیت المقدس جیسے مبارک مقام سے احرام باندھا جائے پھر یہ حاجی یا عمرہ کرنے والا مدینہ منورہ پر گذر جائے اور مکہ مکرمہ جیسے مقدس مقام پر آجائے اس طرح حاجی کے سفر کی ابتدا ایک مقدس مقام سے شروع ہوتی ہے اور مدینہ جیسے مبارک مقام پر گذر کر سفر کی انتہاء مکہ مکرمہ جیسے عظیم مقام پر ہوتی ہے اندازہ لگایئے یہ کتنا مبارک سفر ہے اس لئے اس احرام کی عظمت وفضیلت ہے۔

مسجد اقصیٰ کے ذکر کرنے میں دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ مقام مکہ سے بہت زیادہ دور ہے اور احرام کی حالت میں جتنا دور سفر ہوگا اتنا ہی افضل ہوگا تو افضلیت کی علت بعد مسافت ہوگی اب اس میں فقہی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ممنوعات ومحظورات احرام سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے تو احرام جتنا دور سے باندھا جائے اتنا ہی افضل ہے ورنہ میقات سے باندھنا افضل ہے امام اشافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول بھی اسی طرح ہے اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ اگر کوئی شخص اشہر الحج سے پہلے احرام باندھے یعنی رمضان میں حج کا احرام باندھے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ احرام حج کے لئے بالکل صحیح نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس طرح کرنا مکروہ ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ کا لفظ مطلق ذکر کیا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں جب مکروہ مطلق ذکر کیا جائے تو اس سے مکروہ تحریمی مراد لیا جاتا ہے زیر بحث مسئلہ میں بھی مکروہ تحریمی ہونا چاہئے کیونکہ یہ میقات زمانی سے احرام کی تقدیم ہے جو ضابطہ کے خلاف ہے اور شوافع اس کو جائز ہی نہیں کہتے۔[3]

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۴۸ وابن ماجہ: ۲/۱۹۹ [2] المرقات: ۵/۴۰۳ [3] المرقات: ۵/۴۰۴

الفصل الثالث

اسباب اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں

﴿۲۸﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْيَمَنِ يَحُجُّوْنَ فَلَا يَتَزَوَّدُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ نَحْنُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ فَإِذَا قَدِمُوْا مَكَّةَ سَأَلُوا النَّاسَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یمن والے جب حج کرنے آتے تو زادراہ ساتھ نہیں لاتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ ہم تو توکل کرنے والے ہیں اور پھر جب وہ مکہ میں آتے تو لوگوں سے مانگتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اس سے منع کرنے کے لئے) یہ آیت نازل فرمائی **وتزودوا فان خير الزاد التقوى** (اور جب حج کو جانے لگو) تو زادراہ ضرور (ساتھ) لے لیا کرو کیونکہ سب سے بڑی بات (اور خوبی) زادراہ میں (گداگری) سے بچنا ہے۔ (بخاری)

توضیح: "**نحن المتوكلون**" یمن کے ان لوگوں کا خیال تھا کہ ہم اتنی بڑی عبادت کے لئے جارہے ہیں سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑ رہے ہیں پھر جھولیوں میں معمولی سا غلہ باندھ کر پھرنا توکل کے خلاف ہے یہ جذبہ تو اچھا تھا لیکن اس پر آگے چل کر صبر نہ کر سکے اور تنگ آکر لوگوں کے آگے مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلانا شروع کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے فرمایا کہ اپنے ساتھ زادراہ لیا کرو یہ نہ توکل کے خلاف ہے اور نہ تقویٰ کے خلاف ہے توکل کے خلاف اس لئے نہیں ہے کہ اسباب پر اتکال منع ہے اسباب کا استعمال منع نہیں ہے "قید وتوکل" ارشاد نبوی ہے یعنی[2] ع

بر توکل زانوئے اشتر بیند

اور زادراہ لینا تقویٰ کے بھی خلاف نہیں اس لئے کہ سوال سے بچنا بہترین تقویٰ ہے۔

حج وعمرہ میں عورتوں کو جہاد کا ثواب ملتا ہے

﴿۲۹﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ قَالَ نَعَمْ عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيْهِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: کیا عورتوں پر جہاد ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں عورتوں پر ایسا جہاد ہے جس میں لڑائی نہیں ہے اور وہ حج، عمرہ ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "**جهاد لا قتال فيه**" چونکہ جہاد کی بڑی فضیلت ہے اس لئے حضرت عائشہ نے اس کا بار بار پوچھا ہے تاکہ عورتوں کے لئے کوئی راہ نکلے مگر حضور اکرم ﷺ نے ان کو میدان جہاد میں لڑنے اور جہاد کرنے کا ثواب حج اور عمرہ

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۶۴ [2] المرقات: ۵/۴۰۴، ۴۰۵ [3] اخرجه ابن ماجه: ۲/۹۶۸

میں بتایا ہے اس سے پہلے حدیث ۱۰ میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے زیر بحث حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بیشک عورتوں کے لئے بھی جہاد کا ایک موقع ہے اور وہ ایسا موقع ہے کہ لڑنے اور تلوار چلانے کے بغیر جہاد کا ثواب مل جاتا ہے وہ ان کا حج وعمرہ کرنا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کے جہاد میں لڑنا اور تلوار چلانا ہے تبلیغی حضرات کی یہی کوشش ہے کہ ان کا جہاد مردوں والا جہاد نہ ہو بلکہ عورتوں والا جہاد ہو جس میں لڑنے بھڑنے کا نام ونشان نہ ہو۔ [1]

شرعی عذر کے بغیر فرض حج نہ کرنے والے کے لئے شدید وعید

﴿۳۰﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ أَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُوْدِيًّا وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو ظاہری حاجت نے (کہ وہ زادراہ اور سواری کا نہ ہونا ہے) یا ظالم بادشاہ نے یا خطرناک مرض نے حج سے نہ روک رکھا ہو اور وہ حج کئے بغیر مر جائے تو اسے اختیار ہے کہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر"۔ (دارمی)

توضیح: "سلطان جائر" اس سے پہلے حدیث ۲۱ میں حج کے فرض ہونے کی شرائط کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس حدیث کے تحت شرائط وجوب حج کی تفصیل لکھی گئی ہے وجوب حج کے بعد وجوب ادائے حج دوسرا مرحلہ ہے جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے مطلب یہ کہ وجوب حج کے لئے کچھ ایسی شرطیں ہیں کہ اگر وہ نہ پائی جائیں تو حج فرض ہی نہیں ہوتا اور کچھ ایسی شرطیں ہیں کہ اگر وہ نہ پائی جائیں تو حج تو فرض رہیگا لیکن اس کی ادائیگی ضروری نہیں رہتی ان شرائط کو موانع حج کہتے ہیں زیر بحث حدیث میں اسی موانع کا بیان ہے جس کی تفصیل فقہاء کے ہاں اس طرح ہے۔

❶ بدن کا ایسے عوارض سے محفوظ ہونا جن کی وجہ سے حاجی سفر حج نہ کر سکے جیسے لنگڑا لولا، اپاہج اور اس طرح بوڑھا ہونا جو سواری پر بیٹھ نہ سکتا ہو یہ موانع حج میں سے پہلا مانع ہے۔

❷ کسی ظالم کی قید میں گرفتار ہونا یا ظالم بادشاہ کے ظلم کا خوف لاحق ہونا یہ موانع حج میں سے دوسرا مانع ہے۔

❸ بیت اللہ اور حاجی کے درمیان ایسا سمندر یا دریا کا حائل ہونا جس کو عبور نہیں کیا جا سکتا ہو یا ڈاکوؤں کی وجہ سے راستہ کا غیر محفوظ اور خطرناک ہونا موانع حج میں سے یہ تیسرا مانع ہے۔

❹ عورت کے ساتھ سفر حج میں شوہر یا محرم کا نہ ہونا یہ چوتھا مانع ہے۔

❺ عورت کا عدت میں ہونا یہ موانع حج میں سے پانچواں مانع ہے۔

ان تمام موانع اور اعذار کی موجودگی میں حج کی ادائیگی متاثر ہو جائے گی اگرچہ مالدار ہونے کی وجہ سے حج جو فرض ہو گیا ہے وہ فرض ہی رہیگا لہٰذا جب یہ موانع ختم ہو جائیں گے تو حج ادا کرنا پڑیگا اس سے پہلے حدیث ۲۱ کی توضیح میں

[1] المرقات: ۵/۴۰۵ [2] اخرجہ الدارمی: ۱۷۹۲

پوری تفصیل لکھی گئی ہے۔
زیر بحث حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ کہ اگر حج کی ادائیگی کے موانع اور اعذار نہ ہوں اور پھر بھی کوئی آدمی حج نہ کرے اور مرجائے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ آدمی یہودی مرتا ہے یا نصرانی ہو کر مرتا ہے (اس حدیث میں قرآن کی ایت ﴿فان الله غني عن العالمين﴾ کی طرف اشارہ ہے۔[1]

حج وعمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں

﴿۳۱﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللهِ إِنْ دَعَوْهُ أَجَابَهُمْ وَإِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَلَهُمْ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتا ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح: چونکہ بیت اللہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اب جو شخص اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کے لئے جاتا ہے وہ اللہ کا مہمان ہوتا ہے اور جس طرح میزبان مہمان کی ہر جائز خواہش کو پورا کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنے مہمانوں کی لاج رکھتا ہے اور وہ جو دعا مانگتے ہے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔

حاجی وغازی اور معتمر اللہ کے مہمان ہیں

﴿۳۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَفْدُ اللهِ ثَلاَثَةٌ اَلْغَازِيْ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تین قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں ① جہاد کرنے والے ② حج کرنے والے ③ عمرہ کرنے والے۔ (نسائی، بیہقی)

گھر میں داخل ہونے سے پہلے حاجی سے دعا کراؤ

﴿۳۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بَيْتَهُ فَإِنَّهُ مَغْفُوْرٌ لَهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[4]

[1] المرقات: ۵/۴۰۶ [2] اخرجه ابن ماجه: ۲/۹۶۶ [3] اخرجه النسائی: ۵/۱۱۳ والبیهقی: ۳/۴۷۵ [4] اخرجه احمد: ۲/۶۹

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم حاجی سے ملاقات کرو تو اس کو سلام کرو اس سے مصافحہ کرو اور اس سے اپنے لئے بخشش (کی دعا کرنے) کو کہو اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اور یہ اس لئے ہے کہ اس کی بخشش کی جا چکی ہے"۔ (احمد)

توضیح: ایک روایت میں ہے کہ حاجی مستجاب الدعوات ہو جاتے ہے اور حج کرنے کے بعد چالیس روز تک وہ اسی طرح مستجاب الدعوات رہتے ہیں۔ لہٰذا گھر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے لوگوں کو چاہئے کہ حاجی سے دعا کرائے پہلے زمانے میں لوگ ایسا ہی کرتے تھے اور حاجیوں کا استقبال ہوتا تھا آج کل استقبال کے بجائے استدبار ہوتا ہے۔ گھر میں داخل ہونے کی شرط حدیث میں اس لئے لگائی گئی کہ آدمی جب بیوی بچوں کے ساتھ مل جاتا ہے اس کے دل و دماغ میں بچوں کی محبت پیوست ہو جاتی ہے اب اس کی دعا کی پہلے والی شان نہیں رہتی ہے۔ [1]

حج و عمرہ اور سفر جہاد میں مرنے والوں کو پورا ثواب ملتا ہے

﴿۳۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِراً أَوْ غَازِياً ثُمَّ مَاتَ فِيْ طَرِيْقِهِ كَتَبَ اللهُ لَهُ أَجْرَ الْغَازِيْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص حج یا عمرہ اور یا جہاد کے ارادہ سے (گھر سے) نکلا اور پھر اس کے راستہ میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جہاد کرنے والے حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے ہی کا ثواب لکھتا ہے۔ (بیہقی)

توضیح: مطلب یہ ہے کہ سفر حج یا سفر عمرہ و جہاد پر ایک شخص روانہ ہو گیا مگر راستے میں وہ مر گیا تو اس شخص کو جہاد حج اور عمرہ کا پورا ثواب ملے گا ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اگر چہ اس عمل کو اس نے نامکمل چھوڑا دینی علوم کے طالب علم کا بھی یہی حکم ہے۔

[1] المرقات: ۵/۴۰۷ [2] اخرجه البيهقي: ۴/۴۷۴

مورخہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب الاحرام والتلبیة

احرام باندھنے اور لبیک کہنے کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿واذن فی الناس بالحج یأتوک رجالا وعلی کل ضامر یأتین من کل فج عمیق﴾[1]

دل میں حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت کر کے تلبیہ پڑھنے کا نام احرام ہے اس کے بعد احرام کی تمام پابندیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ حج اور عمرہ کے لئے احرام ایسا ہی ہے جیسا نماز کے لئے تکبیر تحریمہ ہے اور افعال حج و عمرہ کے بعد حلق یا تقصیر کرنا ایسا ہے جیسا نماز کے لئے سلام ہے۔[2]

احناف کے ہاں احرام کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ احرام سے پہلے آدمی اپنی حجامت وغیرہ کرائے بال اور ناخن وغیرہ ٹھیک کر کے غسل کرلے اور پھر خوشبو استعمال کرے، سلے ہوئے کپڑے اتار کر احرام کی چادریں پہن لے اور اگر مکروہ وقت نہ ہو تو دو رکعت نفل پڑھ لے، یہ نفل چادریں ڈھانپ کر پڑھے۔

اس کے بعد سر سے چادر ہٹا کر دل سے نیت کرے اگر حج کی نیت ہو تو زبان سے یوں کہہ دے۔

"اللھم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی" اور اگر عمرہ کی نیت قران ہو تو زبان سے یوں کہہ دے۔

"اللھم انی ارید العمرۃ فیسرھا لی وتقبلھا منی" اور اگر دونوں کی نیت قرآن کے لئے ایک ساتھ ہو تو یوں کہہ دے۔

"اللھم انی ارید الحج والعمرۃ فیسرھما لی وتقبلھما منی" اس کے بعد وہیں پر بیٹھا بیٹھا تلبیہ پڑھ لے اب یہ آدمی محرم بن گیا۔[3]

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محرم بننے کے لئے صرف نیت کافی ہے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نیت کے ساتھ ساتھ تلبیہ پڑھنا بھی ضروری ہے اگر صرف نیت کی اور تلبیہ نہ پڑھا تو احرام شروع نہیں ہوگا۔[4]

الفصل الاول

احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگانے کا مسئلہ

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ

[1] سورۃ حج ۲۷ [2] المرقات: ۵/۴۰۸ [3] المرقات: ۴۰/۵ [4] المرقات: ۵/۴۰۸

وَلِحِلِّهٖ قَبْلَ أَنْ يَّطُوْفَ بِالْبَيْتِ بِطِيْبٍ فِيْهِ مِسْكٌ كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى وَبِيْصِ الطِّيْبِ فِيْ مَفَارِقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کو آپ کے احرام کے لئے احرام باندھنے سے پہلے اور آپ ﷺ کے احرام سے نکلنے کے لئے طواف کعبہ سے پہلے خوشبو لگاتی اور ایسی خوشبو لگاتی تھی جس میں مشک ہوتا تھا گویا میں اب بھی آپ ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں اس حال میں کہ آپ ﷺ احرام باندھے ہوئے ہیں (یعنی وہ چمک گویا میری آنکھوں تلے پھرتی ہے)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "قبل ان یحرم" یعنی عائشہ فرماتی ہیں کہ احرام باندھنے سے پہلے میں حضور اکرم کے خوشبو لگاتی تھی جس کا اثر احرام کے بعد باقی رہتا تھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غسل کرنے کے بعد احرام لگانے سے پہلے والی خوشبو کا استعمال کرنا جائز ہے اگر چہ اس کا اثر احرام کے بعد تک باقی رہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے کہ یہ جائز ہے اور احرام باندھنے کے بعد سابقہ خوشبو استعمال کرنا جائز ہے لیکن امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احرام سے پہلے بھی ایسی خوشبو لگانا مکروہ ہے جس کا اثر احرام کے بعد تک باقی رہے۔[2]

"ولحلہ قبل ان یطوف" اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ حاجی جب عرفات سے اتر کر مزدلفہ آجائے اور پھر منیٰ میں آکر جمرات مارلے اور حلق وقربانی کرے تو اس کے بعد اس کے لئے طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگانا جائز ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہی بات فرما رہی ہیں کہ اس موقع پر بھی میں حضور اکرم کو خوشبو لگاتی تھی، اس کو 'تحلیل اول' کہتے اس کے بعد عورتوں سے جماع کے علاوہ سب کچھ حلال ہوجاتا ہے طواف زیارت سے پہلے جماع کرنا منع ہے۔[3]

"وبیص" تیل یا عطر لگانے کے بعد اس کی چمک کو وبیص کہتے ہیں مفارق مفرق کی جمع ہے سر کی مانگ کو مفرق کہتے ہیں حدیث میں جمع کا صیغہ لایا گیا ہے یہ سر کے مختلف اطراف کی وجہ سے لایا ہے ورنہ ایک سر میں ایک مفرق ہوتی ہے۔[4]

تلبیہ کے کلمات

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ مُلَبِّدًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ لَا يَزِيْدُ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو (تلبیہ) اس طرح بآواز بلند کہتے سنا اس وقت

[1] اخرجه البخاری: ۲/۱۶۸ ومسلم: ۷/۲۱۰ [2] المرقات: ۵/۴۰۹ [3] المرقات: ۵/۴۰۹

[4] المرقات: ۵/۴۰۹ [5] اخرجه البخاری: ۲/۱۶۸ ومسلم: ۱/۳۸۵

آپ تلبید کئے ہوئے تھے لبیك اللهم لبیك لبیك لاشریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لاشریك لك یعنی حاضر ہوں میں تیری خدمت میں اے اللہ: حاضر ہوں میں تیری خدمت میں، میں تیری خدمت میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، حاضر ہوں تیری خدمت میں بے شک تمام تعریف اور ساری نعمت تیرے ہی لئے ہے اور بادشاہت بھی تیری ہی ہے تیرا کوئی شریک نہیں"۔ آپ ﷺ ان کلمات سے زیادہ نہیں کہتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "یهل" اہلال بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے کو کہتے ہیں۔ [1]

"ملبدا" یہ تلبید سے ہے سر کے بال جوڑنے چپکانے اور لپیٹنے کے معنی میں ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ بالوں کو منتشر ہونے سے بچانے کے لئے اس کو گرد وغبار پڑنے سے محفوظ کرنے کے لئے گوند یا خطمی یا کسی اور ذریعہ سے جوڑنے اور مجتمع رکھنے کو "تلبید" کہتے ہیں شوافع کے نزدیک محرم کے لئے ایسا کرنا جائز ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے دم لازم آتا ہے کیونکہ یہ سر ڈھانپنے کے حکم میں ہے اگر خوشبودار چیز سے سر ڈھانپ لیا تو دودم آئیں گے۔ زیر بحث حدیث میں آنحضرت ﷺ نے شاید کسی عذر کی بنیاد پر ایسا کیا تھا یا تلبید اپنے لغوی معنی میں ہے جو صرف جوڑنے اور مجتمع رکھنے کے معنی میں ہے ڈھانپنے کے معنی میں نہیں ہے۔ [2]

"لبیك" یہ لفظ کسی کے بلانے کے جواب میں آتا ہے اب یہاں بلانے والا کون ہے جس کے جواب میں حاجی صاحب کہتا ہے کہ میں حاضر ہوں بار بار حاضر ہوں، تو واضح یہی ہے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی پکار کے جواب میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کی تعمیر مکمل فرمائی تو جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر لوگوں کو یوں پکارا "یاایها الناس ان ربکم اتخذ بیتا فَحُجُّوْهُ" اس آواز پر جس نے بھی لبیک کہہ دیا تو ضرور وہ حج کو جائیگا، بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ آواز جبرئیل نے دی بعض نے کہا کہ خود اللہ نے بلایا پہلا قول واضح ہے۔ [3]

"لایزید" تلبیہ کے کلمات میں کمی کرنا مکروہ ہے اس میں اضافہ کرنا کیسا ہے تو امام طحاوی وغیرہ بعض علماء نے اضافہ کو بھی مکروہ کہا ہے لیکن ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اضافہ کرنا مکروہ نہیں ہے کیونکہ بعض صحابہ سے اضافہ منقول ہے جیسا کہ حدیث ۱۲ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کنز الدقائق کے بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اضافہ بالکل آخر میں تو کیا جاسکتا ہے لیکن درمیان میں اضافہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کے کلام سے التباس کا خطرہ ہے اور یہ حکم ہر مسنون اور منقول دعا کے لئے ہے۔ [4]

حضور اکرم نے تلبیہ کہاں سے کیا تھا؟

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَهُ فِي الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ قَائِمَةً أَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [5]

[1] المرقات: ۵/۴۱۱ [2] المرقات: ۵/۴۱۱ [3] المرقات: ۵/۴۱۱ [4] المرقات: ۵/۴۱۱ [5] اخرجه البخاري: ومسلم: ۱/۳۸۴

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب اپنے پاؤں رکاب میں ڈالے اور اونٹنی آپ ﷺ کو لے کر کھڑی ہوئی تو آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب تلبیہ کیا (یعنی بآواز بلند لبیک کہی)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "استوت به ناقته" آنحضرت ﷺ نے تلبیہ کہاں سے شروع کیا؟ اس سلسلہ میں تین قسم کی روایات منقول ہیں

❶ ایک قسم وہ روایات ہیں جن میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے جب دو نفل پڑھ لئے اس کے بعد مصلیٰ پر تلبیہ پڑھنا شروع کیا۔

❷ بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرم نے اس وقت تلبیہ پڑھا جب آپ نے اونٹنی کے رکاب پر قدم مبارک رکھا اور اونٹنی کھڑی ہوگئی۔

❸ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مقام بیدا سے تلبیہ پڑھنا شروع کیا تھا۔

دراصل یہاں روایات میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں بلکہ ہوا یوں کہ آنحضرت نے ذوالحلیفہ میں جب دو رکعت نماز پڑھی تو مصلیٰ ہی پر آپ نے تلبیہ پڑھا پھر اس کے بعد جب آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اس وقت بھی پڑھا اور مقام بیدا، پہنچ کر پھر پڑھا تو تلبیہ کا بار بار پڑھنا مستحب ہے اس میں کوئی ممانعت نہیں اب جس صحابی نے جہاں آنحضرت سے پہلی بار زور سے تلبیہ سنا اس نے اسی مقام کا ذکر کیا اس لئے کسی نے ذوالحلیفہ کا ذکر کیا کسی نے فوق الناقہ کا یا عند الناقہ کا ذکر کیا اور کسی نے مقام بیدا کا ذکر کیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی قسم کی روایات کو اختیار کیا ہے کہ دوگانہ نفل کے بعد تلبیہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سواری پر سوار ہونے کے وقت تلبیہ پڑھنے کو بہتر قرار دیا ہے پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا ؎ [1]

عبارا تناشتى وحسنك واحد وكل الى ذاك الجمال يشير

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصْرُخُ بِالْحَجِّ صُرَاخاً. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (سفر حج میں) اس طرح روانہ ہوئے کہ ہم حج کے لئے چلاتے تھے (یعنی حج کے لئے بآواز بلند لبیک کہتے تھے۔ (مسلم)

توضیح: "صراخا" چیخنے چلانے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم واضح الفاظ میں بانگ دھل حج کا اعلان کرتے تھے کہ ہم حج کے لئے جا رہے ہیں ظاہر ہے کہ صحابہ حج ہی کے لئے جا رہے تھے حضور اکرم بھی حجۃ الوداع میں حج ہی کے

[1] المرقات: ۵/۴۱۳، ۴۲۵ [2] اخرجه مسلم: ۱/۵۲۶

ارادہ سے جارہے تھے اس سے یہ مطلب اخذ کرنا بعید ہے کہ یہ حج افراد تھا یا حج قران تھا یا حج تمتع تھا یہاں صرف حج کا تذکرہ ہے تفصیل دیگر روایات میں ہے۔[1]

حج قِران کا ثبوت

﴿۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنْتُ رَدِيفَ أَبِي طَلْحَةَ وَإِنَّهُمْ لَيَصْرُخُونَ بِهِمَا جَمِيعاً الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ.
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سواری پر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا اور (اکثر) صحابہ دونوں چیزوں یعنی حج وعمرہ کے لئے چلاتے تھے (یعنی باآواز بلند کہتے)۔ (بخاری)

توضیح: "بالحج والعمرة" حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حج قِران ادا کیا تھا اب یہ معلوم کرنا کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی قارن تھے یا نہیں تو وہ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام وہی عمل اختیار کرتے تھے جو حضوراکرم کا ہوتا تھا یہ ممکن نہ تھا کہ صحابہ کرام کو معلوم ہو کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم مفرد یا متمتع ہیں اور صحابہ کرام اس کے علاوہ کوئی صورت اختیار کرتے جب صحابہ نے حج قِران کو اختیار کیا جس طرح زیر بحث حدیث میں ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حج قران ادا کیا تھا اسی کو احناف نے افضل حج قرار دیا ہے آیندہ تفصیل آرہی ہے۔[3]

حجۃ الوداع میں حضور نے کس قسم کا حج کیا تھا؟

﴿۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ وَعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ وَأَهَلَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ فَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ فَحَلَّ وَأَمَّا مَنْ أَهَلَّ بِالْحَجِّ أَوْ جَمَعَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَلَمْ يَحِلُّوا حَتَّى كَانَ يَوْمُ النَّحْرِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہم حجۃ الوداع کے سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (حج کے لئے) روانہ ہوئے چنانچہ ہم میں سے بعض تو وہ تھے جنہوں نے صرف عمرہ کے لئے احرام باندھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے حج وعمرہ دونوں کے لئے احرام باندھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے صرف حج کیلئے احرام باندھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف حج کا احرام باندھا تھا لہٰذا جس نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا وہ تو حلال ہوگیا (یعنی احرام سے باہر ہوگیا) اور جنہوں نے صرف حج کا یا حج وعمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا وہ حلال نہیں ہوئے یہاں تک کہ قربانی کا دن آیا"۔ (بخاری ومسلم)

[1] المرقات: ۵/۴۱۳ [2] اخرجه البخاری: ۲/۶۷ [3] المرقات: ۵/۴۱۴ [4] اخرجه البخاری: ۲/۱۶۴ ومسلم: ۱/۵۰۱

توضیح: "عام حجة الوداع" وداع مصدر ہے اس میں واؤ پر فتحہ بھی ہے پھر یہ باب تفعیل کا مصدر تو دیعاً وودا عاً ہے رخصت کرنے کے معنی میں ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ واؤ پر کسرہ بھی ہے اس وقت یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہوگا موادعۃ ووِداعاً جوایک دوسرے کو رخصت کرنے کے معنی میں ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس موقع پر اپنی امت کو رخصت کیا یا حرم شریف کو رخصت کیا۔

اگر باب مفاعلہ سے لیا جائے تو سب نے ایک دوسرے کو رخصت کیا۔ بہر حال حضور اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد یہ پہلا اور آخری حج ادا کیا اور قریباً ۹۰ دن بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ [۱]

اقسام حج، اور افضلیت کی ترتیب:

حج کی تین قسمیں ہیں ① افراد ② تمتع ③ قران۔ حج افراد کرنے والے کو مفرد کہتے ہیں اور تمتع کرنے والے کو متمتع کہتے ہیں اور قران کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔

❶ حج افراد یہ ہے کہ حاجی اشہر الحج میں صرف حج کرے عمرہ نہ کرے اشہر حج شوال ذیقعدہ مکمل اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ ہے۔

❷ حج تمتع یہ ہے کہ حاجی اشہر حج میں پہلے صرف عمرہ کرے اس سے حلال ہو کر احرام کھولے اور پھر وہیں سے حج کا احرام باندھ کر حج کرلے ہاں اگر اس عمرہ میں اپنے ساتھ جانور لا یا ہو تو پھر عمرہ کرلے اور احرام نہ کھولے گویا تمتع کا عمرہ دو قسم پر ہے ایک میں معتمر سائق الھدی نہیں ہوتا ہے اور دوسرے میں سائق الھدی ہوتا ہے۔

❸ حج قران یہ ہے کہ حاجی میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا اکٹھا احرام باندھے اور جا کر عمرہ کرے پھر احرام نہ کھولے بلکہ اسی احرام کے ساتھ حج کرے۔ [۲]

اب اس بات پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ حج کے یہ تینوں اقسام جائز ہیں جو مسلمان جس قسم کو اختیار کرنا چاہتا ہے اختیار کرسکتا ہے اختلاف اس میں ہے کہ ان اقسام میں کونسی قسم کا حج افضل ہے افضلیت کا یہ اختلاف روایات پر مبنی ہے کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت کے حج کی نوعیت کیا تھی آپ نے جس نوع حج کو اختیار کا تھا وہی سب سے افضل ہوگا۔

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب سے افضل حج افراد ہے پھر تمتع ہے پھر قران ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب سے افضل حج تمتع ہے پھر افراد ہے پھر قران ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب سے افضل حج قران ہے پھر تمتع ہے اور پھر افراد ہے۔

ائمہ اربعہ کے اقوال میں کچھ تفاوت بھی ہے لیکن میں نے جو بیان کیا ہے یہ راجح اقوال ہیں۔ [۳]

---

[۱] المرقات: ۵/۴۲۲ [۲] البناية: ۴/۱۸۸ [۳] البناية: ۴/۱۸۴

دلائل :

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک کو راجح ثابت کرنے کے لئے زیر بحث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں "**واهل رسول الله ﷺ بالحج**" کے الفاظ آئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ حج سے افراد امراد ہے کیونکہ مطلق حج کا ذکر ہے قران تمتع کا کوئی اشارہ نہیں ہے اس قسم کی کئی احادیث وارد ہیں۔ مالکیہ اور شوافع نے ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں افراد کا ذکر ہے مثلاً مسلم ج ا ص ۳۸۹ پر ایک حدیث ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ "**ان رسول الله ﷺ افرد بالحج**" اسی طرح مسلم شریف ج اول ص ۳۹۱ پر حضرت جابر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔[1]

"**عن جابر انه قال اقبلنا مهلين مع رسول الله صلى الله عليه سلم بحج مفرداً الخ**"[2]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۷ سے استدلال کیا ہے اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی کچھ روایات منقول ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت حجۃ الوداع میں متمتع تھے لہٰذا تمتع افضل ہے جس طرح شوافع نے کہا ہے کہ حضور اکرم مفرد تھے۔ لہٰذا افراد افضل ہے۔

ائمہ احناف کے لئے قران پر بہت زیادہ روایات ہیں پہلی روایت حضرت انس سے ہے۔

❶ **عن انس رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله ﷺ اهل بهما لبيك حجة وعمرة**" (رواه مسلم)[3]

❷ **عن عمران بن حصين قال ان رسول الله ﷺ جمع بين حج وعمرة**" (رواه مسلم)[4]

❸ حضرت علی کے قصہ میں ہے کہ جب آپ حجۃ الوداع کے موقع پر یمن سے تشریف لائے تو حضور نے پوچھا کہ تم نے کس طرح احرام باندھا ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے یہ نیت کی کہ جو نیت رسول اللہ کی ہو وہی میری ہے حضور اکرم نے جواب میں فرمایا۔

قال فانى سقت الهدى وقرنت ۔ (رواہ ابوداؤد) یعنی میں اپنے ساتھ ھدی کا جانور لایا ہوں اور میں نے قران کیا ہے

❹ بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ حجۃ الوداع میں جب حضور اکرم ﷺ وادی عقیق میں پہنچے تو جبریل امین نے فرمایا صل فی ھذا الوادی المبارک وقل عمرۃ فی حجۃ" یہ الفاظ واضح طور پر قران پر دلالت کرتے ہیں۔

جواب اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرت نے حجۃ الوداع میں مختلف تلبیے پڑھے ہیں اس میں افراد کے لئے بھی ہیں تمتع کے لئے بھی ہیں اور قران کے لئے بھی ہیں جس سے افراد، قران اور تمتع تینوں کا ثبوت ملتا ہے ادھر یہ بات بھی یقینی ہے کہ آنحضرت

[1] مسلم: ۳۸۹/۱ [2] المرقات: ۴۰۴/۱ [3] المرقات: ۴۰۴/۱ [4] مسلم: ۴۰۲/۱

نے مدنی زندگی میں صرف ایک حج کیا ہے لہٰذا اب ان مختلف روایات میں تطبیق دینا ضروری ہوگیا ہے اس تطبیق کے لئے کئی توجیہات سامنے آئی ہیں اور ہر مسلک والوں نے اس طرح توجیہہ کی ہے جس سے ان کا مسلک ثابت ہوگیا ہے۔ اور دوسری مسلک کی روایات میں تاویل کی گئی ہے چنانچہ احناف کے ہاں چند توجیہات اس طرح ہیں۔[۱]

❶ آنحضرت حقیقت میں قارن تھے لیکن آپ نے صحابہ کرام کو حج افراد اور حج تمتع کرنے کی اجازت دیدی تھی تاکہ امت کے لئے تینوں طریقوں پر حج کرنے کا جواز مل جائے حضرت عائشہ کی زیر بحث حدیث اس پر واضح دلیل ہے۔ اب آپ نے جس کو افراد کی یا تمتع کی اجازت دیدی تو اس نے اسی قسم حج کی نسبت حضور اکرم کی طرف بھی کردی کہ حضور یا مفرد تھے یا متمتع تھے تو یہ نسبت مجازی ہے اور حقیقی نسبت وہی ہے کہ آپ قارن تھے اس طرح جواب دوسرے مسلک والے بھی اختیار کرتے ہیں۔[۲]

❷ آنحضرت نے ابتدا میں اپنے احرام کو مبہم رکھا تھا اس لئے کبھی افراد کا تلبیہ پڑھا کبھی تمتع کا پڑھا لیکن جب آپ وادی عقیق میں پہنچے تو جبریل امین نے آپ کو قران کا حکم دیا اس لئے اگر ابتدا میں آپ نے افراد یا تمتع کا تلبیہ پڑھا بھی ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہے۔ دیگر ائمہ اور اس کے پیروکار بھی اس کا اقرار کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ابتدا میں افراد کا احرام باندھا لیکن بعد میں آپ قارن ہو گئے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہی کہہ رہے ہیں۔ امام احمد نے تو اس طرح تصریح فرمائی ہے "لاشك انه ﷺ كان قارنا والمتعة احب الی"۔

❸ علامہ ابن ہمام اور ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں کہ قارن کے لئے جائز ہے کہ وہ تینوں طریقہ پر تلبیہ پڑھے تو اختلاف روایات بوجہ سماع آیا کہ جس نے صرف حجۃ کا لفظ سنا تو اس کو افراد قرار دیا جس نے تمتع کے الفاظ سنے اس نے تمتع قرار دیا اور جس نے قران کے الفاظ سنے اس نے قران کو نقل کردیا۔

❹ یہ اولیٰ غیر اولیٰ کا اختلاف ہے جس نے جس پر عمل کیا وہ جائز ہے لہٰذا کسی حدیث میں تکلفانہ تاویل کی ضرورت نہیں نہ جواب دینے کی ضرورت ہے شریعت میں وسعت ہے ہر آدمی کی الگ حالت ہوتی ہے تو ہر شخص اپنی حالت کے مطابق افراد یا تمتع یا قران اختیار کرسکتا ہے حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارک مجمع الکمالات تھی بہت ممکن ہے کہ آپ نے ہر قسم حج کو ایک حج کے ضمن میں ادا کیا اور مکمل فضیلت حاصل کی اور امت کے لئے بھی گنجائش ہوگئی میں اسی کو راجح سمجھتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ کا حج

﴿۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ بَدَأَ فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ أَهَلَّ بِالْحَجِّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

---

[۱] المرقات: ۵/۳۰۶ [۲] المرقات: ۵/۳۰۷ [۳] اخرجه البخاری: ۲/۲۰۵ ومسلم: ۱/۵۱۸

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج سے ملا کر تمتع کیا (یعنی فائدہ اٹھایا) بایں طور کہ آپ ﷺ نے عمرہ کے لئے احرام سے ابتداء کی اور پھر حج کا احرام باندھا (اس طرح آپ ﷺ نے حج وعمرہ کو ملا دیا اور قارن ہو گئے۔ (بخاری ومسلم)

الفصل الثانی

احرام سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے

﴿۸﴾ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِإِهْلَالِهِ وَاغْتَسَلَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے احرام کے لئے کپڑے اتارے اور غسل کیا۔ (ترمذی، دارمی)

توضیح: "تجرد" اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت سلے ہوئے کپڑوں سے اور اپنے ازار بند سے الگ ہو گئے اور غسل کر کے پھر احرام باندھا[2] "اھلال" سے احرام مراد ہے۔ احرام سے پہلے غسل کرنا مسنون ہے اگر اس کا موقع نہیں ملتا ہے تو پھر وضو کرنا کافی ہے حیض اور نفاس والی عورت کو بھی چاہئے کہ وہ غسل کر کے نیت کے ساتھ احرام باندھے لیکن دو رکعت نفل نہ پڑھے اور عمرہ نہ کرے جب ایام گذر جائیں تب غسل کر کے پاک ہو جائے اور عمرہ کرے اگر عرفہ کے وقت ماہواری شروع ہوگئی تو یہ عورت وقوف عرفہ کرے مزدلفہ کا قیام بھی کرے اور جمرات میں کنکریاں بھی مارے مگر طواف زیارت حیض میں نہ کرے کیونکہ اب تک یہ ناپاک ہے مسجد میں نہیں جاسکتی ہے اور حیض کی حالت میں ان کا غسل کرنا غسل طہارت نہیں بلکہ غسل نظافت ہے۔

تلبید کا ذکر

﴿۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّدَ رَأْسَهُ بِالْغِسْلِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے سر کے بالوں کو ان چیزوں کے ذریعہ جمایا جن سے سر دھویا جاتا ہے"۔ (ابوداود)

بالوں کو گوند یا خطمی وغیرہ سے جما لینے کو تلبید کہتے ہیں اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

"**بالغسل**" غین پر کسرہ ہے ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے سر کو دھویا جاتا ہے جیسے **خطمی وغیرہ ما یغسل به من الخطمی وغیرہ**۔[4]

[1] اخرجه الترمذی: ۳/۱۹۲ والدارمی: ۱۸۰۱ [2] المرقات: ۵/۴۱۶ [3] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۳۹ [4] المرقات: ۵/۴۱۷

تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا چاہئے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ خَلاَّدِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِيْ جِبْرِيْلُ فَأَمَرَنِيْ أَنْ آمُرَ أَصْحَابِيْ أَنْ يَرْفَعُوْا أَصْوَاتَهُمْ بِالْإِهْلَالِ أَوِ التَّلْبِيَةِ.

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اورحضرت خلاد بن سائب اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے یہ امر کیا کہ میں اپنے صحابہ کو اس بات کا حکم دوں کہ وہ اہلال یا تلبیہ میں اپنی آوازیں بلند کریں"۔ (مالک، ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

لبیك اللهم لبیك کی عظمت وفضیلت

﴿۱۱﴾ وعن سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُلَبِّيْ إِلَّا لَبّٰى مَنْ عَنْ يَمِيْنِهِ وَشِمَالِهِ مِنْ حَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ مَدَرٍ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا.[2]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)

ترجمہ: اورحضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی بھی مسلمان لبیک کہتا ہے تو اس کے دائیں اور بائیں کی ہر چیز خواہ وہ پتھر ہو یا درخت اور یا ڈھیلے سب لبیک کہتے ہیں یہاں تک کہ اس طرف سے (یعنی اس کی دائیں طرف کی ساری زمین) اور اس طرف سے (یعنی اس کی بائیں طرف کی ساری زمین اس میں شامل ہوتی ہے"۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

لبّی تلبیہ پڑھنے کو کہتے ہیں اس حدیث میں تلبیہ پڑھنے کی عظیم فضیلت کا بیان ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس شخص کے ساتھ تلبیہ پڑھنے میں شریک ہوجاتا ہے ظاہر ہے کہ کائنات کے تلبیہ کا ثواب اس شخص کو ملیگا۔

﴿۱۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكَعُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ النَّاقَةُ قَائِمَةً عِنْدَ مَسْجِدِ ذِي الْحُلَيْفَةِ أَهَلَّ بِهٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِيْ يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِمُسْلِمٍ)[3]

ترجمہ: اورحضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (احرام باندھتے وقت) ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر جب ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب اونٹنی آپ ﷺ کو لے کر کھڑی ہوتی تو آپ ﷺ ان کلمات کو (یعنی لبیک کے مشہور کلمات کو جو پہلے گذر چکے ہیں) بآواز بلند کہتے اور (پھر یہ کلمات مزید) کہتے لبیک اللھم لبیک لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک لبیک والرغباء

[1] اخرجه مالك: ۲۲۱ والترمذي: ۳/۱۹۱ [2] اخرجه الترمذي: ۳/۱۸۹ وابن ماجه: ۲/۹۷۴ [3] اخرجه البخاري: ۲/۱۶۳ ومسلم: ۱/۳۸۵

الیک والعمل۔ حاضر ہوں تیری خدمت میں اے اللہ: تیری خدمت میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیری خدمت میں اور نیک بختی حاصل کرتا ہوں تیری خدمت میں اور بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے حاضر ہوں تیری خدمت میں اور رغبت وتوجہ تیری طرف ہے اور عمل تیرے ہی لئے ہے۔ اس روایت کو بخاری ومسلم نے نقل کیا ہے لیکن الفاظ مسلم کے ہیں۔

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهِ سَأَلَ اللهَ رِضْوَانَهُ وَالْجَنَّةَ وَاسْتَعْفَاهُ بِرَحْمَتِهِ مِنَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمارہ ابن خزیمہ ابن ثابت اپنے والد مکرم (حضرت خزیمہ) سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ جب تلبیہ (یعنی لبیک کہنے) سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سے اس کی خوشنودی اور جنت مانگتے اور اس کی رحمت کے ذریعہ دوزخ کی آگ سے معافی کے خواستگار ہوتے''۔ (شافعی)

الفصل الثالث

﴿۱۴﴾ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَرَادَ الْحَجَّ أَذَّنَ فِي النَّاسِ فَاجْتَمَعُوا فَلَمَّا أَتَى الْبَيْدَاءَ أَحْرَمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب حج کا ارادہ کیا تو لوگوں کو خبردار کردیا (یعنی اعلان کرایا) چنانچہ لوگ جمع ہوگئے اور پھر جب بیداء کے میدان میں پہنچے تو احرام باندھا''۔ (بخاری)

﴿۱۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَقُولُونَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ فَيَقُولُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلَكُمْ قَدْ قَدْ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ يَقُولُونَ هٰذَا وَهُمْ يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مشرک لوگ جب تلبیہ کہتے اور یہ کلمات ادا کرتے **لبیك لا شریك لك** (حاضر ہیں تیری خدمت میں تیرا کوئی شریک نہیں) تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ''افسوس ہے تم پر: بس بس (یعنی بس اتنا ہی کہو اس سے زیادہ مت کہو مگر مشرک کب ماننے والے تھے وہ پھر اس کے بعد یہ کہتے) **الا شریکا ھو لك تملکه وماملك** یعنی (تیرا کوئی شریک نہیں) ہاں وہ (بت) تیرا شریک ہے جو تیری ملک میں ہے تو اس کا مالک ہے وہ شریک تیرا مالک نہیں ہے مشرک لوگ (تلبیہ کے) یہ کلمات خانۂ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے''۔ (مسلم)

[1] اخرجه الشافعی فی کتاب الحج: ۲/۱۷۱ [2] اخرجه البخاری [3] اخرجه مسلم: ۱/۳۸۵

توضیح: ‏"قدٍقدٍ" قاف پر فتحہ ہے اور دال پر تنوین کی صورت میں کسرہ ہے کافٍ کافٍ کے معنی میں ہے یعنی اتنا کافی ہے آگے شرک کے کلمات استعمال نہ کرو پھر پچھتاؤ گے تم پر افسوس ہے اسی پر انحصار کرو آگے نہ بڑھو۔[1]

"**تملکه وماملك**" اس جملہ میں یہ "ما" نافیہ بھی ہو سکتا ہے اور موصولہ بھی ہو سکتا ہے یعنی وہ بت مالک نہیں تو اس کا مالک ہے اور اگر ما موصولہ ہو تو ترجمہ اس طرح ہوگا۔ یعنی تو اس بت کا بھی مالک ہے اور اس بت کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کا بھی مالک ہے آج کل قبر پرست مشرکوں کے لئے یہ حدیث تازیانۂ عبرت ہے دیکھ تو لو کہ مشرکین مکہ کتنی معمولی سی بات پر بد عقیدہ ہو کر کافر ومشرک قرار دیئے گئے اور آج کل پوری قبر کو کھود کر مٹی کو بطور خوردہ اٹھا لیتے ہیں اور قبروں کے سامنے سجدے لگاتے ہیں اور طواف کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ اپنے عقیدہ کا اظہار کیا اپنے بزرگوں کو غائبانہ حاجات میں دور دراز علاقوں سے مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد اس طرح آزادانہ طور پر پکارتے ہیں کہ خود مشرک کافر بھی دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں یہ سب کچھ کرتے ہیں اور پھر بھی عاشق رسول ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔[2]

ع

رند کے رند رہے پر ہاتھ سے جنت نہ چھوٹی

زندگی اس کی ہے ملت کے لئے پیغام موت　　　کر رہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

[1] المرقات: ۵/۴۲۲　[2] المرقات: ۵/۴۲۲

باب قصة حجة الوداع

حجۃ الوداع کے واقعہ کا بیان

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَثَ بِالْمَدِيْنَةِ تِسْعَ سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ أَذَّنَ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ فِي الْعَاشِرَةِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتّٰى إِذَا أَتَيْنَا ذَا الْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبِيْ بَكْرٍ فَأَرْسَلَتْ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَصْنَعُ قَالَ اِغْتَسِلِيْ وَاسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ وَأَحْرِمِيْ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى إِذَا اسْتَوَتْ بِهِ نَاقَتُهُ عَلَى الْبَيْدَاءِ اَهَلَّ بِالتَّوْحِيْدِ لَبَّيْكَ أَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ قَالَ جَابِرٌ لَسْنَا نَنْوِيْ إِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ حَتّٰى إِذَا أَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهُ إِسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَطَافَ سَبْعاً فَرَمَلَ ثَلاَ ثاً وَمَشٰى أَرْبَعاً ثُمَّ تَقَدَّمَ إِلٰى مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ فَقَرَأَ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَجَعَلَ الْمَقَامَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَرَأَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ وَقُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ إِلَى الصَّفَا فَلَمَّا دَنَا مِنَ الصَّفَا قَرَأَ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَاللّٰهُ بِهِ فَبَدَأَ بِالصَّفَا فَرَقِيَ عَلَيْهِ حَتّٰى رَأَى الْبَيْتَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَوَحَّدَاللّٰهَ وَ كَبَّرَهُ وَقَالَ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذٰلِكَ قَالَ مِثْلَ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ نَزَلَ وَمَشٰى إِلَى الْمَرْوَةِ حَتّٰى انْصَبَّتْ قَدَمَاهُ فِيْ بَطْنِ الْوَادِيْ ثُمَّ سَعٰى حَتّٰى إِذَا صَعِدَتَا مَشٰى حَتّٰى أَتَى الْمَرْوَةَ فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا حَتّٰى إِذَا كَانَ اٰخِرُ طَوَافٍ عَلَى الْمَرْوَةِ نَادٰى وَهُوَ عَلَى الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهُ فَقَالَ لَوْ أَنِّيْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِيْ مَااسْتَدْبَرْتُ لَمْ

أَسُقِ الْهَدْيَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلْيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشَمٍ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَلِعَامِنَا هٰذَا أَمْ لِأَبَدٍ فَشَبَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابِعَهُ وَاحِدَةً فِي الْأُخْرٰى وَقَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ مَرَّتَيْنِ لَابَلْ لِأَبَدٍ أَبَدٍ وَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ مَاذَا قُلْتَ حِيْنَ فَرَضْتَ الْحَجَّ قَالَ قُلْتُ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أُهِلُّ بِمَا أَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ قَالَ فَإِنَّ مَعِيَ الْهَدْيَ فَلَا تَحِلَّ قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْيِ الَّذِيْ قَدِمَ بِهٖ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ وَالَّذِيْ أَتٰى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةً قَالَ فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَقَصَّرُوْا إِلَّا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ كَانَ مَعَهُ هَدْيٌ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوْا إِلٰى مِنًى فَأَهَلُّوْا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلًا حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَأَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ شَعَرٍ تُضْرَبُ لَهُ بِنَمِرَةَ فَسَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ إِلَّا أَنَّهُ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَتٰى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهُ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا حَتّٰى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ فَأَتٰى بَطْنَ الْوَادِيْ فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ إِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ بْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَهُ هُذَيْلٌ وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَالَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابُ اللّٰهِ وَأَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ يَرْفَعُهَا إِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ أَللّٰهُمَّ اشْهَدْ أَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ

يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئاً ثُمَّ رَكِبَ حَتَّى أَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ إِلَى الصَّخَرَاتِ وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفاً حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيلاً حَتَّى غَابَ الْقُرْصُ وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ وَدَفَعَ حَتَّى أَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلَّى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِأَذَانٍ وَاحِدٍ وَإِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئاً ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى طَلَعَ فَصَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتَّى أَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهُ وَهَلَّلَهُ وَوَحَّدَهُ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفاً حَتَّى أَسْفَرَ جِداً فَدَفَعَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَأَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ حَتَّى أَتَى بَطْنَ مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ قَلِيلاً ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيْقَ الْوُسْطَى الَّتِيْ تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى حَتَّى أَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِيْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ رَمَى مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ ثَلاَثاً وَسِتِّيْنَ بَدَنَةً بِيَدِهٖ ثُمَّ أَعْطَى عَلِيًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ وَأَشْرَكَهُ فِيْ هَدْيِهٖ ثُمَّ أَمَرَ مِنْ كُلِّ بُدْنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَجُعِلَتْ فِيْ قِدْرٍ فَطُبِخَتْ فَأَكَلاَ مِنْ لَحْمِهَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِهَا ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَفَاضَ إِلَى الْبَيْتِ فَصَلَّى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ فَأَتَى عَلَى بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَسْقُوْنَ عَلَى زَمْزَمَ فَقَالَ انْزِعُوْا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَوْلاَ أَنْ يَغْلِبَكُمُ النَّاسُ عَلَى سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ فَنَاوَلُوْهُ دَلْواً فَشَرِبَ مِنْهُ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہجرت کے بعد) مدینہ میں نو برس اس طرح گذارے کہ حج نہیں کیا (البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کئے جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے) پھر (جب حج کی فرضیت نازل ہوئی تو) دسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں اعلان کرایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کا ارادہ رکھتے ہیں (جو لوگ حج کے لئے جانا چاہتے ہیں وہ رفاقت کے لئے تیار ہو جائیں) اس اعلان کو سن کر مخلوق خدا کی ایک بہت بڑی تعداد مدینہ میں جمع ہوگئی چنانچہ ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (ماہ ذی قعدہ کے ختم ہونے سے پانچ دن پہلے ظہر وعصر کے درمیان) مدینہ سے روانہ ہو گئے جب ہم لوگ ذوالحلیفہ پہنچے تو وہاں اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بطن سے محمد بن ابوبکر پیدا ہوئے۔ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (کسی کو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا (اور دریافت کرایا) کہ اب میں کیا کروں؟ آیا احرام باندھوں یا نہ باندھوں اور اگر باندھوں تو کس طرح باندھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلا بھیجا کہ "غسل کر کے کپڑے کا لنگوٹ باندھو اور پھر احرام باندھ لو"۔ بہرکیف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی اور

[1] اخرجه مسلم: ۱/۵۱۰

قصواء پر (کہ جو آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کا نام تھا) سوار ہوئے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کی اونٹنی آپ ﷺ کو لے کر بیداء کے میدان میں کھڑی ہوئی تو آپ ﷺ نے باآواز بلند تلبیہ کے یہ کلمات کہے **لبیك اللهم لبیك لبیك لاشریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لاشریك لك** حاضر ہوں تیری خدمت میں اے اللہ: تیری خدمت میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیری خدمت میں، تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں تیری خدمت میں، بیشک تعریف اور نعمت تیرے لئے ہے اور بادشاہت بھی تیرے ہی لئے ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم (اس سے پہلے) حج ہی کی نیت کیا کرتے تھے اور ہم (حج کے مہینوں میں) عمرہ سے واقف بھی نہیں تھے بہرکیف جب ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ بیت اللہ پہنچے تو آپ نے حجر اسود پر (ہاتھ رکھا اور اس) کو بوسہ دیا اور تین بار رمل (یعنی تیز رفتار سے اور اکڑ کر خانۂ کعبہ کا طواف کیا) اور چار مرتبہ اپنی رفتار سے (یعنی آہستہ آہستہ چل کر طواف کیا اور (طواف کے بعد) مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور یہ آیت پڑھی **واتخذوا من مقام ابراهیم مصلی** مقام ابراہیم (کے اطراف) کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ (یعنی وہاں نماز پڑھو) پھر آنحضرت ﷺ نے مقام ابراہیم اور بیت اللہ کو اپنے درمیان کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور ایک روایت کے مطابق (ان) دو رکعتوں میں **قل هو الله** اور **قل یاایها الکافرون** کی قرأت کی پھر حجر اسود کی طرف لوٹے اور اس کو بوسہ دیا اس سے فارغ ہو کر مسجد کے دروازہ (یعنی باب الصفا) سے نکلے اور صفا پہاڑ کی طرف چلے چنانچہ جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت پڑھی **ان الصفا والمروۃ من شعائر الله** بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ (کے دین) کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اور فرمایا "میں بھی اسی چیز کے ساتھ ابتداء کرتا ہوں جس چیز کے ساتھ اللہ نے ابتداء کی"۔ (یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے صفا کا ذکر کیا ہے پھر مروہ کا اسی طرح میں بھی پہلے صفا پر چڑھتا ہوں پھر مروہ پر چڑھوں گا) چنانچہ آپ ﷺ نے (سعی کی) ابتداء صفا سے کی اور اس پر چڑھے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے جب (صفا سے) بیت اللہ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی بڑائی بیان کی (یعنی **لا اله الا الله**، اور **الله اکبر**) کہا اور یہ کلمات فرمائے **لا اله الا الله وحده لاشریك له له الملك وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر لا اله الا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده** اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا و تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا و تنہا ہے، اس نے (اسلام کا بول بالا کرنے کا) اپنا وعدہ پورا کیا اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور کفار کے لشکر کو تنہا شکست دی (یعنی غزوۂ خندق میں) پھر اس کے درمیان دعا کی اور تین مرتبہ اسی طرح کہا (یعنی پہلے یہ کلمات کہے اور پھر دعا کی اور اسی طرح تین مرتبہ کہا) اس کے بعد صفا سے اترے اور مروہ پہاڑ کی طرف چلے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کے قدم مبارک میدان کے نشیب میں پہنچے (یعنی میدان کی بلندی سے نشیبی حصہ میں آئے) تو دوڑے (یعنی سعی کی) اور جب آپ ﷺ کے دونوں قدم چڑھنے لگے) یعنی نشیب سے مروہ کی بلندی پر چڑھنے لگے) تو (دوڑنا موقوف کر کے آہستہ آہستہ چلنے لگے اور پھر جب مروہ پر پہنچ گئے تو وہی کیا جو صفا پر کیا تھا یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے مروہ پر سعی کا اختتام کیا تو (لوگوں کو) آواز دی درآنحالیکہ آپ ﷺ مروہ کے اوپر تھے اور لوگ اس کے نیچے اور فرمایا اگر اپنے بارے میں مجھے پہلے سے وہ بات معلوم ہوتی جو بعد کو معلوم ہوئی ہے تو

ہدی (قربانی کا جانور) اپنے ساتھ نہ لاتا اور اپنے حج کو عمرہ کر دیتا، لہٰذا تم میں سے جو شخص ہدی اپنے ساتھ نہ لایا ہو وہ حلال ہو جائے (یعنی حج کا احرام کھول دے) اور حج کو عمرہ بنالے"۔ (یہ سن کر) حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ: ہمارے واسطے یہ حکم اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ آنحضرت ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے"۔ آپ ﷺ نے یہ بات دو مرتبہ کہی اور پھر فرمایا "نہیں (یہ حکم خاص طور پر اسی سال کے لئے نہیں ہے) بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے (کہ حج کے مہینوں میں عمرہ جائز ہے) اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ (جو یمن کے حاکم مقرر ہو گئے تھے) جب آنحضرت ﷺ کے لئے (قربانی کے واسطے) یمن سے اونٹ لے کر آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "جب تم نے اپنے اوپر حج لازم کیا تھا اس (یعنی احرام باندھنے کے وقت) کیا کہا تھا؟ (تم نے کس چیز کے لئے احرام باندھا تھا اور کیا نیت کی تھی؟) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اس طرح کہا تھا کہ **اللهم انی اهل بما اهل به رسولك** یعنی اے اللہ: میں اس چیز کا احرام باندھتا ہوں جس چیز کا احرام تیرے رسول ﷺ نے باندھا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "میرے ساتھ تو قربانی کا جانور ہے اور میں عمرے کا احرام باندھے ہوئے ہوں، اس لئے جب تک عمرہ اور حج دونوں سے فارغ نہ ہو جاؤں اس وقت تک احرام سے نہیں نکل سکتا اور چونکہ تم نے وہی نیت کی ہے جو میں نے کی ہے) تو تم بھی احرام نہ کھولو"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "وہ اونٹ جو (آنحضرت ﷺ کے لئے قربانی کے واسطے) حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لے کر آئے تھے اور وہ اونٹ جو آنحضرت ﷺ خود اپنے ہمراہ لائے تھے سب کی مجموعی تعداد سو تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق) سب لوگوں نے (کہ جن کے ساتھ قربانی کا جانور نہیں تھا عمرہ کر کے) احرام کھول دیا، اور اپنے (سروں کے) بال کٹوا دیئے۔ مگر آنحضرت ﷺ اور وہ لوگ جن کے ساتھ قربانی کے جانور تھے احرام کی حالت میں رہے پھر جب ترویہ کا دن آیا (یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ آئی) تو سب لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہونے کے لئے تیار ہوئے چنانچہ (ان) صحابہ رضی اللہ عنہم نے (کہ جو عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد احرام سے نکل آئے تھے) حج کا احرام باندھا، اور آنحضرت ﷺ بھی (آفتاب طلوع ہونے کے بعد) سوار ہوئے اور منیٰ پہنچ گئے۔ منیٰ (کی مسجد خیف) میں ظہر وعصر، مغرب وعشاء اور فجر کی نمازیں پڑھی گئیں اور نویں تاریخ کی فجر کی نماز پڑھنے کے بعد تھوڑی دیر قیام کیا یہاں تک کہ آفتاب نکل آیا اور آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ آپ ﷺ کے لئے وادی نمرہ (عرفات) میں خیمہ نصب کیا جائے جو بالوں کا بنا ہوا تھا، پھر رسول کریم ﷺ (منیٰ سے عرفات کو) روانہ ہوئے، قریش کو گمان تھا کہ آنحضرت مشعر حرام (مزدلفہ) میں قیام کریں گے، جیسا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں (حج کے موقعہ پر) کیا کرتے تھے، مگر رسول کریم ﷺ مزدلفہ سے آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ میدان عرفات میں آئے اور وادیٔ نمرہ میں اپنا خیمہ کھڑا پایا چنانچہ آپ ﷺ اس میں آ گئے (اور قیام کیا) یہاں تک کہ جب دوپہر ڈھل گئی تو قصواء کو (جو آپ ﷺ کی اونٹنی کا نام تھا) لانے کا حکم دیا (جب قصواء آ گئی تو) اس پر پالان کس دیا گیا اور (آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر وادی نمرہ میں) تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "(لوگو:) تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن (عرفہ) میں تمہارے اس مہینہ (ذی الحجہ) میں اور تمہارے اس شہر (مکہ) میں

حرام ہیں (یعنی جس طرح تم عرفہ کے دن، ذی الحجہ کے مہینہ میں اور مکہ مکرمہ میں قتل وغارتگری اور لوٹ مار کو حرام سمجھتے ہو اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اور ہر جگہ ایک مسلمان کی جان ومال دوسرے مسلمان پر حرام ہے لہٰذا تم میں سے کوئی بھی کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ کسی کا خون نہ کرے، کسی کا مال چوری ودغابازی سے نہ کھا جائے اور کسی کو کسی جانی اور مالی تکلیف ومصیبت میں مبتلا نہ کرے) یاد رکھو: زمانۂ جاہلیت کی ہر چیز میرے قدموں کے نیچے ہے اور پامال وبے قدر (یعنی موقوف وباطل) ہے (لہٰذا اسلام سے پہلے جس نے جو کچھ کیا میں نے وہ سب معاف کیا اور زمانۂ جاہلیت کے تمام رسم ورواج کو موقوف وختم کر دیا) زمانۂ جاہلیت کے خون معاف کر دیئے گئے ہیں (لہٰذا زمانۂ جاہلیت میں اگر کسی نے کسی کا خون کر دیا تھا تو اب نہ اس کا قصاص ہے نہ دیت اور نہ کفارہ بلکہ اس کی معافی کا اعلان ہے) اور سب سے پہلا خون جسے میں اپنے خونوں میں سے معاف کرتا ہوں وہ ربیعہ ابن حارث کے بیٹے کا خون ہے جو (ایک شیر خوار بچہ تھا اور) قبیلہ بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اس کو مار ڈالا تھا۔ زمانۂ جاہلیت کا سود معاف کر دیا گیا ہے اور سب سے پہلا سود جسے میں سودوں میں سے معاف کرتا ہوں عباس رضی اللہ عنہ ابن عبدالمطلب کا سود ہے، لہٰذا وہ (زمانۂ جاہلیت کا سود) بالکل معاف کر دیا گیا ہے (لوگو) عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، تم نے ان کو خدا کی امان کے ساتھ لیا ہے (یعنی ان کے حقوق کی ادائیگی اور ان کو عزت واحترام کے ساتھ رکھنے کا جو عہد خدا نے تم سے لیا ہے یا اس کا عہد جو تم نے خدا سے کیا ہے اسی کے مطابق عورتیں تمہارے پاس آئی ہیں) اور ان کی شرم گاہوں کو خدا کے حکم سے (یعنی **فانکحوا** کے مطابق رشتۂ زن وشوہر قائم کر کے) اپنے لئے حلال بنایا ہے اور عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جس کا آنا تم کو ناگوار گزرے (یعنی وہ تمہارے گھروں میں کسی کو بھی تمہاری اجازت کے بغیر نہ آنے دیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت پس اگر وہ اس معاملہ میں نافرمانی کریں (کہ تمہاری اجازت کے بغیر کسی کو گھر آنے دیں اور ڈانٹ ڈپٹ کے بعد بھی وہ اس سے باز نہ آئیں) تو تم ان کو مارو مگر اس طرح نہ مارو جس سے سختی وشدت ظاہر ہو اور انہیں کوئی گزند پہنچ جائے اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم ان کو اپنی استطاعت وحیثیت کے مطابق کھانے پینے کا سامان (اور مکان) اور کپڑا دو۔ (لوگو) میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑتا ہوں جس کو اگر تم مضبوطی سے تھامے رہو گے تو میرے بعد (یا اس کو مضبوطی سے تھامے رہنے اور اس پر عمل کرنے کے بعد) تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ اور وہ چیز کتاب اللہ ہے۔ اور اے لوگو: (میرے بارے میں) تم سے پوچھا جائے گا (کہ میں نے منصب رسالت کے فرائض پوری طرح انجام دیئے یا نہیں؟ اور میں نے دین کے احکام تم تک پہنچا دیئے یا نہیں؟) تو تم کیا جواب دو گے؟ اس موقع پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے (بیک زبان) کہا کہ "ہم (اللہ تعالیٰ کے سامنے) اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو ہم تک پہنچا دیا اپنے فرض کو ادا کر دیا اور ہماری خیر خواہی کی۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا بایں طور کہ اسے آسمان کی طرف اٹھایا اور پھر لوگوں کی طرف جھکا کر تین مرتبہ یہ کہا کہ "اے اللہ: (اپنے بندوں کے اس اقرار واعتراف پر) تو گواہ رہ اے اللہ: تو گواہ رہ۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھی گئی پھر (دوبارہ) اقامت کہی گئی اور عصر کی نماز ہوئی، اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی چیز (سنت ونفل) نہیں پڑھی گئی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور میدان عرفات میں ٹھہرنے کی جگہ پہنچے وہاں اپنی اونٹنی قصواء کا پیٹ پتھروں کی طرف کیا اور جبل

مشاۃ (یہ ایک جگہ کا نام ہے) اپنے آگے رکھا پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا، زردی بھی تھوڑی سی جاتی رہی اور آفتاب کی ٹکیہ غائب ہو گئی، آپ ﷺ نے حضرت اسامہ کو اپنے پیچھے بٹھایا اور تیز تیز چل کر مزدلفہ آ گئے، یہاں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ مغرب وعشاء کی نمازیں پڑھیں اور ان دونوں نمازوں کے درمیان اور کچھ نہیں پڑھا، پھر آپ ﷺ لیٹ گئے یہاں تک کہ جب فجر طلوع ہو گئی تو آپ ﷺ نے صبح کی روشنی پھیل جانے پر اذان واقامت کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی پھر آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر حرام میں آئے اور وہاں قبلہ رو ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، تکبیر کہی، **لا الہ الا اللہ** پڑھا اور خدا کی وحدانیت کی (یعنی **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له** آخر تک پڑھا) اور وہیں کھڑے (تکبیر وتہلیل وغیرہ میں مصروف) رہے یہاں تک کہ صبح خوب روشن ہو گئی تو سورج نکلنے سے پہلے وہاں سے چلے اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کیا، جب وادی محسر میں پہنچے تو اپنی سواری کو (تیز چلانے کے لئے) تھوڑی سی حرکت دی اور اس درمیانی راہ پر ہو لئے جو جمرۂ کبریٰ کے اوپر نکلتی ہے، یہاں تک کہ آپ اس جمرہ کے پاس پہنچے جو درخت کے قریب ہے اور اس پر سات کنکریاں ماریں اس طرح کہ ان میں ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے اور وہ کنکریاں باقلہ کے دانہ کے برابر تھیں اور آپ ﷺ نے وہ کنکریاں نالے (یعنی وادی کے درمیان سے) ماریں اس کے بعد قربانی کرنے کی جگہ (جو منی میں ہے) واپس آئے اور یہاں آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ ذبح کئے اور باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کئے چنانچہ باقی (سینتیس) اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کئے، آنحضرت ﷺ نے اپنی قربانی کے جانوروں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی شریک کر لیا تھا، پھر آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک ٹکڑا لے لیا جائے (چنانچہ وہ سب گوشت لے کر) ایک ہانڈی میں ڈال دیا گیا اور اسے پکایا گیا (جب گوشت پک گیا تو) آنحضرت ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قربانی کے اس گوشت میں سے کھایا اور اس کا شوربہ پیا۔ پھر آنحضرت ﷺ سوار ہوئے اور خانۂ کعبہ کی طرف روانہ ہو گئے، وہاں پہنچ کر طواف کیا اور مکہ میں ظہر کی نماز پڑھی پھر عبدالمطلب کی اولاد (یعنی اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد) کے پاس تشریف لائے جو زمزم کا پانی پلا رہے تھے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "عبدالمطلب کی اولاد: (زمزم کا پانی) کھینچو (اور پلاؤ کہ یہ بہت ثواب کا کام ہے) اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے پانی پلانے پر غلبہ پالیں تو میں بھی تمہارے ساتھ پانی کھینچتا (یعنی اس بات کا خوف ہے کہ لوگ مجھے پانی کھینچتا دیکھ کر میری اتباع میں خود بھی پانی کھینچنے لگیں گے اور یہاں بہت زیادہ جمع ہو جائیں گے جس کی وجہ سے زمزم کا پانی کھینچنے اور پلانے کی یہ سعادت تمہارے ہاتھ سے چلی جائے گی اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا تو میں خود بھی تم لوگوں کے ساتھ پانی کھینچتا اور لوگوں کو پلاتا) چنانچہ عبدالمطلب کی اولاد نے آپ ﷺ کو (پانی کا) ایک ڈول دیا جس میں آپ ﷺ نے پانی پیا"۔ (مسلم)

توضیح: قال اللہ تعالیٰ ﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ﴾[1]

حجۃ الوداع کے الفاظ کی تحقیق اس سے پہلے حدیث نمبر ۶ میں ہو چکی ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے ساتھ صحابہ کی کتنی تعداد تھی اس میں بعض حضرات کا قول ہے کہ چالیس ہزار

[1] احزاب الایہ: ۲۱

نفوس قدسیہ شریک تھے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ نوے ہزار آدمی ساتھ تھے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ایک لاکھ تیس ہزار صحابہ تھے بعض نے ڈیڑھ لاکھ کا قول بھی کیا ہے دیگر اقوال بھی ہیں ہر ایک نے تخمینہ لگا کر تعداد بتائی یقینی گنتی تو کسی نے نہیں کی تھی۔

"**لسنا نعرف العمرة**" **ای لسنا نعرف العمرة فی اشهر الحج**" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا خیال تھا کہ حضور اکرم صرف حج کریں گے عمرہ نہیں کریں گے یہ خیال اس لئے تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کا یہ رواج تھا کہ وہ اشہر الحج میں عمرہ کرنے کو "**افجر الفجور**" یعنی بڑا گناہ سمجھتے تھے حضور اکرم نے چاہا کہ یہ رسم ٹوٹ جائے اس لئے آپ نے صحابہ کرام کو عمرہ کرنے کا حکم دیدیا یہ جملہ اس سے پہلے جملہ کے لئے تاکید ہے۔ [1]

"**هزم الاحزاب وحده**" یہ غزوۂ احزاب اور جنگ خندق کی طرف اشارہ ہے بارہ ہزار کفار نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا ایک ماہ کے قریب وہاں پڑے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا چلوائی کفار سب بھاگ گئے حضور ہمیشہ اللہ کی اس نصرت و مدد کا شکر ادا کرتے رہے یہاں بھی اسی شکر کا ذکر ہے۔ [2]

"**لو انی استقبلت**" یعنی مجھے اگر آنے والے مستقبل کے امور کا علم پہلے سے ہوجاتا کہ بعض لوگ اپنے ساتھ جانور نہیں لائیں گے بعض لائیں گے اور بعض قِران کریں گے بعض افراد کی نیت کریں گے اور بعض عمرہ سے ہونگے اس طرح میرے عمل اور ان کے عمل میں فرق آجائے گا اگر مجھے اس کا علم پہلے ہوجاتا تو میں کبھی ہدی کا جانور ساتھ نہ لاتا اس لئے اب تم احرام کھولدو اور اپنے حج کو عمرہ بنادو تاکہ اشہر الحج میں عمرہ نہ کرنے کا رواج ٹوٹ جائے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم جب مکہ پہنچ گئے تو وہاں لوگوں کا عمل اس طرح مختلف ہوگیا کہ بعض لوگ جانور ساتھ لائے تھے حضور اکرم ﷺ بھی ساتھ لائے تھے یہ لوگ یوم النحر تک احرام نہیں کھول سکتے تھے بعض نے جانور ہنکا کر ساتھ نہیں لایا تھا ان سے حضور نے فسخ الحج الی العمرۃ کے لئے کہا تو ان پر گراں گذرا کہ حضور کے عمل کے خلاف کیسے رہیں گے دوسرا یہ کہ حج کے دن بھی بالکل تھوڑے رہ گئے تھے نیز جاہلیت کے زمانہ میں اس طرح اشہر حج میں عمرہ کرنا وہ لوگ "**افجر الفجور**" سمجھتے تھے اس پر حضور نے تلطف کے انداز میں غصہ کیا اور فرمایا کہ اگر مجھے مستقبل کا علم پہلے ہوجاتا کہ کچھ لوگ بغیر ھدی آئیں گے تو میں بھی ساتھ نہ لاتا [3] اب مسئلہ کی حد تک بات یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل اور اہل ظواہر فرماتے ہیں کہ جس طرح اس سفر میں ہوا ہے ہمیشہ کے لئے یہ جائز ہے کہ ایک آدمی اپنے حج کو فسخ کرکے عمرہ بنادے انہوں نے زیر بحث حدیث میں **لابد لابد** کے الفاظ سے استدلال کیا ہے۔ [4]

جمہور علماء اور فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ ضابطہ نہیں بلکہ صرف اسی سال صحابہ کے لئے اس کا حکم تھا تاکہ جاہلیت کا رسم ٹوٹ جائے دلیل ابوداود ونسائی کی یہ روایت ہے "**عن بلال عن الحارث عن ابیه قال قلت یارسول الله ارئیت فسخ الحج بالعمرة لنا خاصة ام لناس عامة فقال بل لنا خاصة**۔ [5]

---

[1] المرقات: ۵/۴۲۶ [2] المرقات: ۵/۴۲۹ [3] المرقات: ۵/۴۳۰، ۴۳۱ [4] المرقات: ۵/۴۳۳ [5] المرقات: ۵/۴۳۳

لابد لابد کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق فسخ سے نہیں بلکہ عمرہ سے ہے اس جملہ سے بھی بریلویوں کے منہ پر ایک ناترس تھپڑ رسید ہوجاتا ہے جو کہتے ہیں کہ حضور ماکان دما یکون اور ذرہ ذرہ کا علم غیب رکھتے ہیں۔

"دخلت العمرة ای دخلت العمرة فی اشهر الحج" یہ بھی اسی ضابطہ اور قاعدہ کی طرف اشارہ ہے کہ اب اشہر حج میں عمرہ کرنا گناہ نہیں رہا اور یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔[1]

"بنمرة" عرفات کے میدان میں ایک جگہ اور مقام کا نام نمرہ ہے اسی جگہ پر حضور کا خیمہ نصب کیا گیا تھا اور آج کل مسجد نمرہ اسی جگہ پر اسی نام سے مشہور ہے یہاں ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ایک اذان کے ساتھ پڑھی جاتی ہے جیسا کہ مزدلفہ میں ایک اذان کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔[2]

"المشعر الحرام" مزدلفہ میں ایک پہاڑی کا نام ہے آج کل یہاں پر بڑی مسجد ہے مزدلفہ میں ہر جگہ وقوف جائز ہے مگر یہ جگہ بہتر ہے[3] "بطن محسر" مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جاتے ہوئے منیٰ کے قریب ایک وادی ہے جس کا نام وادی محسر ہے حاجیوں کو حکم ہے کہ یہاں سے تیز تیز چلتے جائیں کیونکہ یہاں ابرھہ ظالم پر آسمانی عذاب نازل ہوا تھا مزدلفہ میں ہر جگہ وقوف جائز ہے مگر وادی محسر میں جائز نہیں۔[4]

"یغلبکم الناس" یعنی اگر میں اس کنوئیں سے زمزم کا ڈول نکالدوں تو سب لوگ میری اقتدا میں یہ کام شروع کردیں گے اس طرح تم سے یہ عہدہ جاتا رہیگا اس لئے چاہتے ہوئے بھی میں ڈول سے پانی نہیں نکالوں گا۔[5]

تنعیم سے عمرہ کا ثبوت

﴿۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوِدَاعِ فَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَمِنَّا مَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَلَمَّا قَدِمْنَا مَكَّةَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَلَمْ يُهْدِ فَلْيَحْلِلْ وَمَنْ أَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَأَهْدٰى فَلْيُهِلَّ بِالْحَجِّ مَعَ الْعُمْرَةِ ثُمَّ لَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَحِلُّ حَتّٰى يَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْيِهِ وَمَنْ أَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْيُتِمَّ حَجَّهُ قَالَتْ فَحِضْتُ وَلَمْ أَطُفْ بِالْبَيْتِ وَلَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلَمْ أَزَلْ حَائِضاً حَتّٰى كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَلَمْ أُهْلِلْ إِلَّا بِعُمْرَةٍ فَأَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَنْقُضَ رَأْسِيْ وَأَمْتَشِطَ وَأُهِلَّ بِالْحَجِّ وَأَتْرُكَ الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ حَتّٰى قَضَيْتُ حَجِّيْ بَعَثَ مَعِيْ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِيْ بَكْرٍ وَأَمَرَنِيْ أَنْ أَعْتَمِرَ مَكَانَ عُمْرَتِيْ مِنَ التَّنْعِيْمِ قَالَتْ فَطَافَ الَّذِيْنَ كَانُوْا أَهَلُّوْا بِالْعُمْرَةِ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلُّوْا ثُمَّ طَافُوْا طَوَافاً

[1] المرقات: ۵/۴۳۲ [2] المرقات: ۵/۴۳۵ [3] المرقات: ۵/۴۳۵ [4] المرقات: ۵/۴۴۲ [5] المرقات: ۵/۴۴۷

بَعْدَ أَنْ رَجَعُوْا مِنْ مِنًى وَأَمَّا الَّذِيْنَ جَمَعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَإِنَّمَا طَافُوْا طَوَافاً وَاحِداً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (جب) ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر روانہ ہوئے تو ہم میں سے بعض تو وہ تھے جنہوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا اور بعض وہ تھے جنہوں نے (صرف) حج کا (یا حج وعمرہ دونوں کا) احرام باندھا، چنانچہ جب ہم مکہ پہنچے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس شخص نے صرف عمرہ کا احرام باندھا ہے اور اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہیں لایا ہے، وہ (افعال عمرہ کے بعد اپنے سر کے بال منڈوا کر یا کتروا کر، احرام کھول دے اور جس نے عمرہ کا احرام باندھا ہے اور قربانی کا جانور اپنے ساتھ لایا ہے تو وہ عمرہ کے ساتھ حج کا احرام باندھ لے (یعنی حج کو عمرہ کے ساتھ شامل کر کے قارن ہو جائے) اور جب تک وہ حج وعمرہ دونوں سے فارغ نہ ہو جائے احرام نہ کھولے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تک وہ (بقرعید کے دن) اپنی قربانی کے جانور کے ذبح کرنے سے فارغ نہ ہو جائے احرام نہ کھولے۔ اور جس نے حج کا احرام باندھا ہے (خواہ وہ قربانی کا جانور اپنے ساتھ لایا ہو یا نہ لایا ہو اور اس نے حج کے ساتھ عمرہ کا بھی احرام باندھا ہو یا نہ باندھا ہو) وہ اپنا حج پورا کرے (مگر جن لوگوں کو عمرہ کے ساتھ حج فسخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ گذشتہ روایت میں گذرا وہ اپنا حج پورا نہ کریں) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ چونکہ میں حائضہ تھی اس لئے (مکہ پہنچ کر) نہ تو میں نے (عمرہ کے لئے) طواف کیا اور نہ صفا ومروہ کے درمیان سعی کی، میں حیض ہی کی حالت میں تھی کہ عرفہ کا دن آ گیا اور میں نے چونکہ عمرہ کا احرام باندھا تھا اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں اپنا سر کھول ڈالوں اور بالوں میں کنگھی کرلوں اور پھر حج کا احرام باندھ لوں، نیز یہ کہ عمرہ چھوڑ دوں (یعنی حج سے فارغ ہو کر عمرہ کے احرام کی قضا کروں) چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، اور جب میں حج ادا کر چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ عبدالرحمٰن ابن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو (تنعیم) بھیجا اور مجھے حکم دیا کہ مقام تنعیم سے (احرام باندھ کر) اپنے (قضا شدہ) عمرہ کے بدلے عمرہ کروں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جن لوگوں نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا انہوں نے (عمرہ کے لئے) خانہ کعبہ کا طواف کیا اور پھر صفا ومروہ کے درمیان سعی کی اس کے بعد انہوں نے احرام کھول ڈالا لوگوں نے منی سے (مکہ) واپس آ کر دوبارہ اپنے حج کا طواف کیا (جسے طواف افاضہ کہتے ہیں اور جن لوگوں نے حج وعمرہ دونوں کو جمع کیا تھا (یعنی شروع ہی سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا تھا یا بعد میں ایک کو دوسرے کے ساتھ شامل کیا) انہوں نے صرف ایک ہی طواف کیا''۔

(بخاری ومسلم)

توضیح: "فلیتم حجه" اس سے پہلی روایت میں فسخ الحج الی العمرة کا حکم ہے اور یہاں حج کی تکمیل اور عدم فسخ کا حکم ہے جو بظاہر تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تکمیل حج کا معاملہ ان لوگوں کا ہے جن کو فسخ حج کا حکم نہیں ہوا تھا جن کا ذکر یہاں حدیث میں ہے۔ اس سے پہلے جو حدیث گذری ہے وہ ان لوگوں سے متعلق ہے جن کو فسخ الحج الی العمرة کا حکم دیا گیا تھا۔ تو الگ الگ لوگ ہیں الگ الگ حکم ہے کوئی تعارض نہیں ہے۔[2]

[1] اخرجه البخاری: ۱/۸۶ ومسلم: ۱/۵۰۱، ۱۰۲ [2] المرقات: ۵/۴۴۸

"من التنعیم" مکہ مکرمہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے جہاں بڑی مسجد ہے جو مسجد عائشہ کے نام سے مشہور ہے جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور یہ جگہ ارض حرم سے باہر زمین حل میں ہے اس حدیث سے ایک جواب ان لوگوں کو مل گیا جو تنعیم سے عمرہ کرنے کے قائل نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ جعرانہ سے عمرہ مسنون ہے تنعیم سے نہیں، دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ اہل حرم کے لئے ضروری ہے کہ وہ عمرہ کا احرام زمین حل سے باندھے زمین حرم سے نہ باندھے اور تنعیم زمین حل میں ہے۔ لیکن اہل ظواہر کا مسلک یہ ہے کہ اہل حرم کے لوگوں کے عمرہ کے لئے صرف تنعیم خاص ہے عام ارض حل سے احرام نہیں باندھ سکتے۔ جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اصل حکم زمین حرم سے نکلنے کا ہے تنعیم کی کوئی تخصیص نہیں ہاں تنعیم چونکہ نزدیک پڑتا ہے اس لئے حضور اکرم نے حضرت عائشہ کو وہاں بھیجا۔[1]

"طافوطوافاً واحداً" یہ قارن کا مسئلہ ہے ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ عام حاجی اور قارن کا فرق صرف نیت کرنے اور احرام باندھنے میں ہے اس کے بعد افعال حج میں قارن اور غیر قارن سب برابر ہیں۔ لیکن ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ قارن دو طواف اور دو سعی کریگا۔[2]

جمہور نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں "طوافاً واحداً" کا واضح لفظ موجود ہے۔

احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ طوافاً واحداً کا مطلب یہ ہے کہ "انما طافوا الکل منهما طوافا واحداً" یعنی حج اور عمرہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ایک ایک طواف کیا۔ شیخ الہند سے منقول ہے کہ یہاں طواف سے مراد طواف قدوم نہیں ہے بلکہ طواف زیارت مراد ہے اور وہ سب کے لئے ایک ہے۔

بہر حال یہ دونوں تاویلیں ہیں اور بعید بھی ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر قارن کے افعال میں قران کا اثر ظاہر نہ ہو جائے تو پھر قران کا مطلب کیا ہوا پھر اس کو افراد یا تمتع سے الگ نام اور مقام کیوں دیا گیا؟

ادھر دارقطنی کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قارن کے لئے دو طواف اور دو سعی ہے حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ قارن دو طواف اور دو سعی کریگا۔

حج تمتع ثابت ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَسَاقَ مَعَهُ الْهَدْيَ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَبَدَأَ فَأَهَلَّ بِالْعُمْرَةِ ثُمَّ أَهَلَّ بِالْحَجِّ فَتَمَتَّعَ النَّاسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَكَانَ مِنَ النَّاسِ مَنْ أَهْدٰى وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يُهْدِ فَلَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَالَ لِلنَّاسِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ أَهْدٰى فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ

[1] المرقات: ۵/۴۴۹ [2] المرقات: ۵/۴۴۹

حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَجَّهُ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَهْدٰى فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلْيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ ثُمَّ لِيُهِلَّ بِالْحَجِّ وَلْيُهْدِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعَ إِلٰى أَهْلِهِ فَطَافَ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ وَاسْتَلَمَ الرُّكْنَ أَوَّلَ شَيْءٍ ثُمَّ خَبَّ ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ وَمَشٰى أَرْبَعًا فَرَكَعَ حِيْنَ قَضٰى طَوَافَهُ بِالْبَيْتِ عِنْدَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَانْصَرَفَ فَأَتَى الصَّفَا فَطَافَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعَةَ أَطْوَافٍ ثُمَّ لَمْ يَحِلَّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى قَضٰى حَجَّهُ وَنَحَرَ هَدْيَهُ يَوْمَ النَّحْرِ وَأَفَاضَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ وَفَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَاقَ الْهَدْيَ مِنَ النَّاسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا (یعنی فائدہ اٹھایا بایں طور کہ پہلے عمرے کا احرام باندھا پھر حج کا) اور ذوالحلیفہ سے قربانی کا جانور ساتھ لے لیا تھا، چنانچہ پہلے تو آپ ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، پھر حج کا احرام باندھا، اور لوگوں نے بھی نبی کریم ﷺ کے ہمراہ عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا، بعض لوگ (کہ جنہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا) وہ تھے جو قربانی کا جانور ساتھ لائے تھے اور بعض وہ تھے جو قربانی کا جانور ساتھ نہیں لائے تھے جب آنحضرت ﷺ مکہ پہنچے تو (عمرہ کرنے والے) لوگوں سے فرمایا کہ "تم میں سے جو شخص قربانی کا جانور ساتھ نہ لایا ہو تو وہ (عمرہ کے لئے) خانہ کعبہ کا طواف کرے، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے، بال کتروائے اور پھر وہ (عمرہ کا) احرام کھول دے (یعنی جو چیزیں حالت احرام میں ممنوع تھیں انہیں مباح کر لے) اس کے بعد حج کے لئے (دوبارہ) احرام باندھے اور (رمی جمار کے بعد سر منڈانے سے پہلے نحر کے دن) قربانی کرے (کیونکہ ادائیگی حج و عمرہ کی توفیق اور حق تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی شکر گزاری کے طور پر متمتع پر قربانی واجب ہے) اور جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو وہ تین روزے حج کے دنوں میں (یعنی حج کے مہینوں میں احرام کے بعد اور قربانی کے دن سے پہلے) رکھے (اس بارے میں افضل یہ ہے کہ ذی الحجہ کی ساتویں، آٹھویں اور نویں تاریخ کو تین روزے رکھے) اور سات روزے اس وقت رکھے جب اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچ جائے (یعنی افعال حج سے فراغت کے بعد رکھے چاہے مکہ ہی میں یہ سارے روزے رکھ لے چاہے گھر پہنچ کر) بہرکیف آنحضرت ﷺ نے مکہ پہنچ کر (عمرہ کے لئے) خانہ کعبہ کا طواف کیا اور (طواف کے جو افعال ہیں ان میں) سب چیزوں سے پہلے (مگر لبیک کہنے کے بعد) حجر اسود کو بوسہ دیا، اور طواف میں تین مرتبہ تو جلدی جلدی (یعنی اکڑ کر اور تیز رفتار سے) چلے اور چار مرتبہ معمولی رفتار سے چلے، پھر خانہ کعبہ کے گرد طواف پورا کرنے کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھی اور سلام پھیرا (یعنی صلوٰۃ الطواف پڑھی حنفیہ کے نزدیک یہ نماز واجب ہے) اس کے بعد (خانہ کعبہ) سے چل کر صفا پر آئے اور صفا و مروہ کے درمیان سات پھیرے کئے (یعنی سعی کی) اس کے

[1] اخرجه البخاری: ۲/۲۰۵ ومسلم: ۱/۵۱۸

بعد کسی ایسی چیز کے ساتھ حلال نہیں ہوئے جس سے اجتناب کیا جاتا ہے (یعنی احرام سے باہر نہ آئے) یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنا حج پورا کیا اور نحر کے دن (دسویں ذی الحجہ کو) اپنی قربانی کا جانور ذبح کر لیا اور پھر (منی سے) چلے اور (مکہ پہنچ کر) خانۂ کعبہ کا طواف (یعنی طواف افاضہ) کیا اور اس کے بعد ہر وہ چیز حلال ہوگئی جو ممنوع تھی (یعنی اب طواف سے فراغت کے بعد بیوی سے ہمبستری بھی حلال ہوگئی) پھر جن لوگوں کے ساتھ قربانی کے جانور تھے انہوں نے بھی وہی کیا جو رسول کریم ﷺ نے کیا تھا''۔

(بخاری ومسلم)

توضیح: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت نے حج تمتع ادا کیا ہے یہی امام احمد بن حنبل کا مسلک ہے احناف اس حدیث کو قران پر حمل کرتے ہیں اور تمتع کے الفاظ کا لغوی معنی لیتے ہیں یعنی نفع اٹھانا اور قران کی صورت میں ڈبل نفع اٹھایا جاتا ہے۔ بہر حال یہ ایک بعید تاویل ہے مگر اس کی گنجائش قران کی دیگر روایات نے پیدا کر دی ہے۔

اشہر الحج میں عمرہ کرنا جائز ہے

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهٖ عُمْرَةٌ اسْتَمْتَعْنَا بِهَا فَمَنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ الْهَدْيُ فَلْيَحِلَّ الْحِلَّ كُلَّهُ فَإِنَّ الْعُمْرَةَ قَدْ دَخَلَتْ فِي الْحَجِّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِي)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''یہ عمرہ ہے جس سے ہم نے فائدہ اٹھایا ہے جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو وہ ہر طرح سے حلال ہو جائے (یعنی عمرہ کے بعد پورا احرام کھول دے) کیونکہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا قیامت تک کے لئے جائز ہو گیا ہے اور یہ باب فصل ثانی سے خالی ہے۔ (مسلم)

توضیح: بار بار لکھا گیا ہے کہ عرب کے لوگ جاہلیت میں عمرہ کو اشہر الحج سے الگ رکھتے تھے اور اس کے لئے مسجع کلام پڑھتے تھے چنانچہ بخاری میں اس طرح حدیث ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کانوا یرون ان العمرۃ فی اشہر الحج افجر الفجور فی الارض ویجعلون المحرم صفر ویقولون اذا برأ الدبر وعفا الاثر وانسلخ صفر حلت العمرۃ لمن اعتمر۔

یعنی جب اونٹوں کے زخم مندمل ہو جائیں اور نشانات قدم مٹ جائیں اور صفر کا مہینہ گذر جائے پھر عمرہ کرنے والوں کے لئے عمرہ حلال ہو جائے گا۔

اس رسم ورواج کے توڑنے کے لئے اس حدیث میں فرمایا جا رہا ہے کہ عمرہ تا قیامت حج میں داخل ہو گیا۔

[1] اخرجه مسلم: ۱/۵۲۴

الفصل الثالث

فسخ الحج پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا تردد

﴿۵﴾ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ فِيْ نَاسٍ مَعِيَ قَالَ أَهْلَلْنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَجِّ خَالِصاً وَحْدَهُ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُبْحَ رَابِعَةٍ مَضَتْ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فَأَمَرَنَا أَنْ نَحِلَّ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ حِلُّوْا وَأَصِيْبُوْا النِّسَاءَ قَالَ عَطَاءٌ وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ وَلٰكِنْ أَحَلَّهُنَّ لَهُمْ فَقُلْنَا لَمَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ إِلاَّ خَمْسٌ أَمَرَنَا أَنْ نُفْضِيَ إِلَى نِسَائِنَا فَنَأْتِيَ عَرَفَةَ تَقْطُرُ مَذَاكِيْرُنَا الْمَنِيَّ قَالَ يَقُوْلُ جَابِرٌ بِيَدِهِ كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَى قَوْلِهِ بِيَدِهِ يُحَرِّكُهَا قَالَ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْنَا فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّيْ أَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَصْدَقُكُمْ وَأَبَرُّكُمْ وَلَوْلَا هَدْيِيْ لَحَلَلْتُ كَمَا تَحِلُّوْنَ وَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ لَمْ أَسُقِ الْهَدْيَ فَحِلُّوْا فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَأَطَعْنَا قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنْ سِعَايَتِهِ فَقَالَ بِمَ أَهْلَلْتَ قَالَ بِمَا أَهَلَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْدِ وَامْكُثْ حَرَاماً قَالَ وَأَهْدٰى لَهُ عَلِيٌّ هَدْياً فَقَالَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلِعَامِنَا هٰذَا أَمْ لِأَبَدٍ قَالَ لِأَبَدٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے کتنے ہی آدمیوں کے ساتھ کہ جو میرے ساتھ شریک مجلس تھے حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ (حجۃ الوداع کے موقع پر) ہم (صحابہ رضی اللہ عنہم) نے (بغیر عمرہ کی شمولیت کے) خالص حج کا احرام باندھا۔ عطاء کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ کی چوتھی تاریخ کی صبح کو (مکہ) میں پہنچے تو ہمیں حکم دیا کہ ہم احرام کھول دیں" حضرت عطاء کا بیان ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ احرام کھول دو۔ اور عورتوں کے پاس جاؤ (یعنی ان سے مقاربت کرو) نیز عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی مقاربت کو واجب نہیں کیا تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عورتوں کو ان کے لئے حلال کر دیا تھا (یعنی احرام کھول دینے کا حکم تو وجوب کے طور پر تھا البتہ صحبت ومجامعت کا حکم صرف اباحت وجواز کی صورت میں تھا) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم سن کر تعجب کے ساتھ) کہنے لگے کہ "جبکہ ہمارے اور عرفہ کے دن کے درمیان صرف پانچ راتیں باقی رہ گئی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دے دیا ہے کہ ہم اپنی عورتوں سے مجامعت کریں (یہ تو بڑی عجیب بات ہوگی کہ) ہم

[1] اخرجہ مسلم: ۱/۵۰۸

میدان عرفات میں اس طرح جائیں کہ ہمارے عضو مخصوص سے منی ٹپکتی ہو؟ (یعنی رات کو ہم جماع کریں اور صبح کو عرفات میں پہنچ جائیں، اس بات کو ایام جاہلیت میں برا سمجھا جاتا تھا، کہ عورتوں سے مجامعت اور حج میں اتنا قرب ہو جائے بلکہ اس چیز کو حج میں نقصان کا باعث جانتے تھے) عطاء کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے (یہ بات کہتے) اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور ان کا ہاتھ کا اشارہ اور اپنے ہاتھ کو ہلانا گویا اب بھی میری نظروں میں پھر رہا ہے"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کو جب ہمارے اس تردد و تامل کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے درمیان (خطبہ کے لئے) کھڑے ہوئے اور فرمایا تم جانتے ہو کہ میں تمہاری بہ نسبت خدا سے زیادہ ڈرتا ہوں، تم سے زیادہ سچا اور تم سب سے زیادہ نیکوکار ہوں، اگر میرے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہوتا تو میں بھی تمہاری طرح احرام کھول دیتا جس طرح تم احرام کھولو گے، اور اگر مجھے میری یہ بات پہلے سے معلوم ہوتی جو بعد کو معلوم ہوئی ہے تو میں قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا (یعنی اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ احرام کھولنا تم پر شاق گزرے گا تو میں قربانی کا جانور) اپنے ساتھ نہ لاتا اور میں بھی احرام کھول دیتا) تم (بلا تامل) احرام کھول دو"۔ چنانچہ ہم نے احرام کھول دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سنا اور اطاعت کی۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے کام پر آئے (یعنی وہ یمن کے قاضی ہو کر گئے تھے جب وہاں سے آئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ "تم نے کس چیز کا احرام باندھا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "جس چیز کا احرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا ہے"۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "(نحر کے دن) قربانی کا جانور ذبح کرو (کہ یہ قارن پر واجب ہے) اور حالت احرام کو برقرار رکھو (یعنی میری طرح اب تم بھی احرام باندھے رکھو) چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے (یا خود اپنے لئے) قربانی کا جانور لے کر آئے۔ سراقہ ابن مالک ابن جعشم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ: یہ (یعنی حج کے مہینوں میں عمرہ کا جواز) صرف اسی سال کے لئے یا ہمیشہ کے لئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمیشہ کے لئے"۔ (مسلم)

توضیح: "**بالحج خالصاً**" یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اپنا خیال اور اپنے علم کے مطابق بیان ہے ورنہ حضرت عائشہ کی روایت میں افراد و تمتع اور قران اور صرف عمرہ کا ذکر موجود ہے۔[1]

"**لم یعزم علیهم**" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فسخ الحج کا حکم تو تاکیداً کیا تھا لیکن احرام کھولنے کے بعد عورتوں سے جماع کرنے کو لازم قرار نہیں دیا تھا صرف جائز اور حلال قرار دیا تھا۔[2]

"**خمس**" یعنی یوم عرفہ تک صرف پانچ دن باقی رہ گئے ہیں۔[3]

"**مذاکیرنا المنی**" یعنی عرفات جاتے جاتے مجامعت کی وجہ سے ہمارے آلۂ تناسل سے منی ٹپکتی رہیگی[4]

"**یحر کھا**" یعنی آلۂ تناسل سے منی گرنے کی کیفیت کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کو حرکت دے کر واضح کرنے کی کوشش کی جو عرب کی عام عادت تھی کہ وہ کسی فعل کے نقشے کو اعضاء کی حرکت سے ظاہر کرتے تھے۔[5]

"**قال لابد**" یعنی اشہر الحج میں عمرہ کرنا ہمیشہ کے لئے جائز ہو گیا یہ مراد نہیں کہ فسخ الحج الی العمرۃ کا حکم ہمیشہ کے لئے باقی

---

[1] المرقات: ۵/۴۵۴ [2] المرقات: ۵/۴۵۴ [3] المرقات: ۵/۴۵۴ [4] المرقات: ۵/۴۵۵ [5] المرقات: ۵/۴۵۵

ہے وہ تو اسی ایک سال کے لئے تھا تاکہ رسم جاہلیت ٹوٹ جائے۔[۱]

"وسمعنا واطعنا" یعنی شدید تردد اور بہت تأمل کے بعد ہم نے وہی فیصلہ کرلیا جس کا حضور اکرم نے حکم دیا تھا ہم نے اطاعت کرلی اور حضور کا حکم سن لیا۔

﴿٦﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَرْبَعٍ مَضَيْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ أَوْ خَمْسٍ فَدَخَلَ عَلَيَّ وَهُوَ غَضْبَانُ فَقُلْتُ مَنْ أَغْضَبَكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ قَالَ أَوَ مَاشَعَرْتِ أَنِّيْ أَمَرْتُ النَّاسَ بِأَمْرٍ فَإِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ وَلَوْ أَنِّيْ إِسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِيْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَاسُقْتُ الْهَدْيَ مَعِيَ حَتّٰى أَشْتَرِيَهُ ثُمَّ أَحِلَّ كَمَا حَلُّوْا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ (حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں) رسول کریم ﷺ ذی الحجہ کی چوتھی یا پانچویں تاریخ کو میرے پاس غصہ کی حالت میں تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ کس نے آپ کو غصہ دلایا؟ اللہ اسے دوزخ میں ڈالے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے (بعض لوگوں کو عمرہ کے ساتھ حج کو فسخ کردینے کا) ایک حکم دیا اور وہ اس حکم سے تردد میں ہیں، اگر مجھے یہ بات پہلے سے معلوم ہوتی جو بعد کو معلوم ہوئی تو میں اپنے ساتھ قربانی کا جانور نہ لاتا اور اسی طرح احرام کھول دیتا جس طرح ان لوگوں نے احرام کھولا ہے اور پھر میں (یہاں مکہ میں یا راستہ میں) قربانی کا جانور خرید لیتا"۔ (مسلم)

[۱] المرقات: ۵/۵۳۶ [۲] اخرجہ مسلم: ۵۰۶/۱، ۵۰۷

مورخہ ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب دخول مكة والطواف

مکہ میں دخول اور طواف کا بیان

قال الله تعالیٰ: ﴿وليطوفوا بالبيت العتيق﴾[1]

وقال الله تعالیٰ: ﴿واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى﴾[2]

اس باب میں وہ احادیث آئیں گی جن میں مکہ مکرمہ کے اندر داخل ہونے کے آداب اور طریقے مذکور ہونگے نیز یہ بیان ہوگا کہ اس مقدس شہر میں کس طرف سے داخل ہونا مسنون ہے اور کس طرف سے خروج مسنون ہے اور کس وقت میں یہ اعمال کرنے چاہئے نیز طواف وسعی اور اس کے متعلقات کا بیان ہوگا۔

الفصل الاول

مکہ میں دخول اور خروج کا مسنون طریقہ

﴿۱﴾ عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَايَقْدَمُ مَكَّةَ اِلاَّ بَاتَ بِذِيْ طُوىً حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَغْتَسِلَ وَيُصَلِّيَ فَيَدْخُلُ مَكَّةَ نَهَاراً وَاِذَا نَفَرَ مِنْهَا مَرَّ بِذِيْ طُوًى وَبَاتَ بِهَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَذْكُرُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب بھی مکہ آتے، تو ذی طوی میں رات گذارتے اور جب صبح ہوتی تو غسل کرتے اور نماز پڑھتے پھر دن کو مکہ میں داخل ہوتے اور جب مکہ سے واپس ہوتے تو اس وقت بھی ذی طوی سے گذرتے اور صبح تک وہیں رات بسر کرتے، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "بذی طوی" ذی طویٰ تنعیم کے پاس ارض حرم میں ایک جگہ کا نام ہے اسی مقام سے حضور اکرم مکہ میں داخل ہوتے تھے اور اسی مقام سے واپس جاتے تھے اور یہاں پر ایک رات قیام فرماتے تھے آج کل بھی مدینہ یا جدہ جانے کے لئے عام طور پر یہی راستہ استعمال ہوتا ہے اس جگہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام کسی حج کا حصہ نہیں ہے صرف ایک امر عادی ہے کہ یہاں سے آنا جانا آسان ہے اگر اتباع نبی کا قصد وارادہ ہو تو مستحب کا ثواب مل سکتا ہے۔[4]

[1] سورۃ حج ۲۹ [2] سورۃ بقرہ الایہ: ۱۲۵ [3] اخرج البخاری: ۲/۱۷۷ ومسلم: ۱/۵۲۹ [4] المرقات: ۵/۴۵۷

ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ میں دن کے وقت داخل ہونا مستحب ہے آج کل اپنے اختیار سے داخل ہونا اور نکلنا آسان کام نہیں ہے حج سسٹم کی متابعت لازم ہے۔

﴿۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا جَاءَ إِلَى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ أَعْلَاهَا وَخَرَجَ مِنْ أَسْفَلِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (حجۃ الوداع کے موقع پر) جب مکہ تشریف لائے تو شہر میں اس کے بلند حصہ کی طرف سے داخل ہوئے اور (واپسی کے وقت) نشیبی حصے کی طرف سے نکلے۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: ''**اعلاھا**'' یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع میں مکہ تشریف لائے تو آپ مکہ کے بلند حصہ سے داخل ہوئے یہ بلند حصہ وہی ہے جس کو اس سے پہلے حدیث میں ذی طویٰ کے نام سے یاد کیا گیا ہے مکہ کا مشہور قبرستان جنت المعلی بھی اسی جانب میں ہے اور بیت اللہ کا دروازہ اسی جانب میں واقع ہے اس کے علاوہ شہر کا دوسرا حصہ ہے جو نشیبی علاقہ میں واقع ہے جس کو اس حدیث میں[2] ''**اسفلھا**'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔[3]

سوال: اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جو حدیث گذری ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ حضور اکرم ذی طوی سے آئے اور ذی طوی ہی سے واپس چلے گئے اور یہاں اعلیٰ اور اسفل دو متضاد راستوں کا ذکر ہے تو کیا دونوں حدیثوں میں تعارض ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے نکل جاتے اور مدینہ کے راستے پر پہنچتے تو وہ ذی طوی ہی کا راستہ ہوتا تھا تو نکلنا تو بیشک نشیبی جانب سے تھا لیکن وہاں سے گھوم کر پھر ذی طوی پر آجاتے ذی طویٰ باب الحارہ اور شارع خالد بن الولید سے آگے جا کر تنعیم کے پاس جا لگتا ہے اور اس طرف جرول کے پاس سے جا کر جنت المعلی تک جا پہنچتا ہے تو دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے نقشہ اس طرح ہے ذی طوی لمبا علاقہ ہے۔
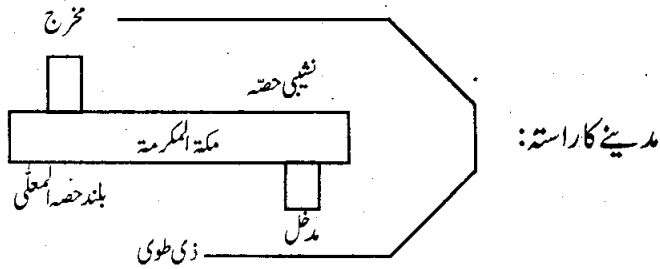
طواف کے لئے پاکی واجب ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَدْ حَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّ أَوَّلَ شَيْءٍ

[1] اخرجه البخاري: ۵/۱۸۹ ومسلم: ۱/۵۲۹ [2] المرقات: ۵/۴۵۸ [3] المرقات: ۵/۴۵۸

بَدَأَ بِهٖ حِيْنَ قَدِمَ مَكَّةَ أَنَّهُ تَوَضَّأَ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةٌ ثُمَّ حَجَّ أَبُوْبَكْرٍ فَكَانَ أَوَّلَ شَيْءٍ بَدَأَ بِهِ الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ عُمْرَةٌ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ مِثْلَ ذٰلِكَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عروہ ابن زبیر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حج کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ میں پہنچ کر جو سب سے پہلے کام کیا وہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور پھر بیت اللہ کا طواف کیا (یعنی عمرہ کا طواف کیا کیونکہ آپ ﷺ قارن یا متمتع تھے) اور عمرہ نہیں ہوا، پھر (آپ ﷺ کے بعد) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو آپ نے بھی بیت اللہ کے طواف سے افعال حج کی ابتداء کی، اور عمرہ نہیں ہوا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کیا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "توضأ" اس سے معلوم ہوا کہ طواف کے لئے پاکی واجب ہے اگر واجب ترک کیا تو دم آئے گا لیکن جمہور کے نزدیک پاکی شرط ہے اس کے بغیر طواف صحیح نہیں ہے۔[2]

"**ثم لم تكن عمرة**" اس جملہ کے دو مطلب ہیں پہلا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت جب حجۃ الوداع میں مکہ تشریف لائے تو آپ نے بیت اللہ کا طواف تو کیا لیکن حج کو فسخ کر کے عمرہ نہیں بنایا کیونکہ آپ اپنے ساتھ ھدی کے جانور لائے تھے بلکہ احرام کی حالت میں آپ نے قیام کیا یہی عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، وعمر رضی اللہ عنہ نے کیا اس کلام سے راوی ان لوگوں پر رد کرنا چاہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے فسخ الحج الی العمرۃ کیا تھا۔

اس جملے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم اور آپ کے ساتھیوں نے وہی ایک عمرہ کیا جو حج کے ساتھ کیا تھا حج کے بعد الگ عمرہ نہیں کیا تھا۔[3]

طواف میں رمل کا ذکر

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا طَافَ فِي الْحَجِّ أَوِ الْعُمْرَةِ أَوَّلَ مَا يَقْدَمُ سَعٰى ثَلَاثَةَ أَطْوَافٍ وَمَشٰى أَرْبَعَةً ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ يَطُوْفُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب حج یا عمرہ کا طواف کرتے تو پہلے تین شوط میں تیز تیز (اور پہلوانی کے ساتھ) چلتے (یعنی رمل کرتے) اور باقی چار شوط میں اپنی معمولی رفتار سے چلتے پھر (طواف کی) دو رکعت نماز پڑھتے اور اس کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "سعی" سعی دوڑنے کے معنی میں ہے یہاں اس سے طواف میں رمل اور پہلوانی کرنا مراد ہے بیت اللہ

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۸۶ ومسلم: ۱/۵۲۲ [2] المرقات: ۵/۴۵۹ [3] المرقات: ۵/۴۵۹ [4] اخرجه البخاري: ۲/۱۸۷ ومسلم: ۱/۵۲۹

کے اردگرد ایک چکر کو شوط کہتے ہیں اور سات شوط سے ایک طواف مکمل ہوجاتا ہے جب آدمی عمرہ یا حج کے احرام میں ہو اور اس کے ذمہ بعد میں سعی بھی ہو تو اس شخص کے لئے طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا ضروری ہے اور بعد کے چار پھیروں میں رمل نہیں ہے ہر وہ طواف جس کے بعد سعی نہ ہو اس میں رمل کرنا نہیں ہوتا۔[1]

صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے

﴿۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ رَمَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ ثَلاَثاً وَمَشٰى أَرْبَعاً وَكَانَ يَسْعٰى بِبَطْنِ الْمَسِيْلِ إِذَا طَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے وقت حجر اسود سے حجر اسود تک تین پھیروں میں تو رمل کیا اور چار پھیروں میں اپنی معمولی رفتار سے چلے اور جب صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے تو بطن مسیل میں دوڑتے تھے۔'' (مسلم)

توضیح: "بطن المسیل" صفا اور مروہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے جس کی شناخت کے لئے وہاں کناروں پر سبز ٹیوب لائٹ دن رات جلتے رہتے ہیں، یہ جگہ نشیب میں واقع ہے اس لئے اس کو بطن المسیل کہتے ہیں یعنی سیلاب اور پانی بہنے کا گڑھا اس جگہ کو میلین اخضرین بھی کہتے ہیں یہاں تیز تیز دوڑنا تمام فقہاء کے نزدیک سنت ہے صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا احناف کے نزدیک واجب ہے لیکن حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سعی رکن اور شرط ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔[3]

حجر اسود کا بوسہ

﴿۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهٖ فَرَمَلَ ثَلاَثاً وَمَشٰى أَرْبَعاً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب (حج یا عمرہ کے لئے) مکہ تشریف لائے تو حجر اسود کے پاس آئے اور اس کو بوسہ دیا پھر (طواف کے لئے) داہنے ہاتھ کی طرف چلے، چنانچہ تین مرتبہ تو بازو ہلا ہلا کر اور جلدی جلدی چلے (جس طرح پہلوان چلتے ہیں) اور چار مرتبہ اپنی معمولی رفتار سے چلے۔'' (مسلم)

توضیح: آئندہ حجر اسود کی تاریخ آرہی ہے یہاں صرف حجر اسود کا بوسہ لینے کا مسئلہ آیا ہے۔

"فاستلمه" استلام کا لفظ چھونے اور بوسہ لینے دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن جب اس کا ذکر حجر اسود کے لئے ہوجائے تو استلام سے بوسہ لینا مراد ہوتا ہے اور اگر رکن یمانی کے لئے استلام کا لفظ آجائے تو وہاں ہاتھ لگانے

[1] المرقات: ۵/۳۶۰ [2] اخرجہ مسلم: ۱/۵۲۹ [3] المرقات: ۵/۳۶۱ [4] اخرجہ مسلم ۱/۵۳۰

اور چھو لینے کے معنی میں ہوتا ہے چومنے کے معنی میں نہیں آتا، ایک باذوق شاعر نے حجر اسود کے بارے میں یہ شعر پڑھا ہے۔[۱]

اسود حجر کے چہرہ پہ بوسہ ہے خوب تر   بوسہ نہ مل سکے تو اشارہ قبول کر

"علی یمینہ" حجر اسود کے سامنے ایک سیاہ پٹی ہے جو حجر اسود کے سامنے سے پیچھے کی طرف صفا کی جانب جاتی ہے اسی پر کھڑے ہو کر طواف شروع کیا جاتا ہے۔ اور دائیں ہاتھ پر بیت اللہ کا دروازہ ہے اسی طرف سے طواف کا چکر لگانا پڑتا ہے۔ حدیث میں علی یمینہ یعنی دائیں طرف کا یہی مطلب ہے۔[۲]

حضور نے حجر اسود کا استلام کیا ہے

﴿۷﴾ وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَرَبِيٍّ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ ابْنَ عُمَرَ عَنْ اِسْتِلَامِ الْحَجَرِ فَقَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت زبیر بن عربی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے حجر اسود کو بوسہ دینے کے سلسلہ میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہاتھ لگاتے اور چومتے تھے۔" (بخاری)

استلام رکن یمانی

﴿۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ أَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ اِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کے صرف دو رکن کا استلام کرتے دیکھا ہے جو یمن کی سمت ہیں۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "الرکنین" کعبہ مشرفہ کے چار رکن ہیں جو چار کونوں پر واقع ہیں ایک رکن وہ ہے جس میں حجر اسود موجود ہے جو بیت اللہ کے دروازہ سے بائیں جانب ملتزم کے بالکل ساتھ واقع ہے دوسرا رکن یمانی ہے جو باب عبدالعزیز سے داخل ہوتے ہوئے سامنے آتا ہے اس میں ایک بڑا پتھر نصب ہے کہتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کے آنے جانے کا دروازہ یہیں پر تھا، اصل میں رکن یمانی یہی ہے مگر ان دونوں کو بطور تغلیب رکنین یمانیین کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ دو رکن اور ہیں جو میزاب رحمت اور حطیم کی جانب واقع ہیں جن میں سے ایک رکن عراقی ہے اور دوسرا رکن شامی ہے مگر ان دونوں کو رکن شامی کہتے ہیں۔

[۱] المرقات: ۵/۳۶۱ [۲] المرقات: ۵/۳۶۲ [۳] اخرجه البخاری: ۲/۱۸۶ [۴] اخرجه البخاری: ۲/۱۸۶ ومسلم: ۱/۵۳۱

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کسی رکن کا استلام نہیں کیا حجر اسود کا استلام تو اس کا چومنا ہے اور رکن یمانی کا استلام ہاتھ سے اس کا چھونا ہے اس حدیث سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ان دو رکنوں کے علاوہ بیت اللہ کے کسی حصہ کا بوسہ نہ لیا جائے ہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تمام ارکان کا بوسہ لیتے تھے اور فرماتے تھے [۱] "**لا حجر فی البیت**" یعنی بیت اللہ کے چومنے میں کوئی پابندی نہیں ہے۔

اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنے کا مسئلہ

﴿۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَلَى بَعِيرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں اونٹ پر سوار ہو کر طواف کیا اور محجن کے ذریعہ حجر اسود کو بوسہ دیا۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: "**علی بعیر**" شوافع حضرات کے نزدیک افضل تو یہی ہے کہ طواف پیدل کیا جائے لیکن سوار ہو کر طواف کرنا جائز ہے حضور اکرم ﷺ نے بیان جواز کے لئے اور اس مقصد کے لئے کہ لوگ آپ کو دیکھ سکیں اور احکام حج سیکھ سکیں سوار ہو کر طواف کیا ہے۔

ائمہ احناف کے نزدیک پیدل طواف کرنا واجب ہے سوار ہو کر جائز نہیں حضور اکرم ﷺ نے کسی عذر کی وجہ سے سوار ہو کر طواف کیا ہے جس طرح حضرت ام سلمہ کو بیماری کی وجہ سے آپ نے حکم دیا تھا کہ اونٹ پر سوار ہو کر طواف کریں۔ [۳]

سوال: احادیث میں واضح طور پر مذکور ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر طواف میں آنحضرت ﷺ نے ابتدائی تین اشواط میں رمل کیا تھا تو سوال یہ ہے کہ سواری پر رمل کیسا ممکن ہے۔

جواب: آنحضرت ﷺ نے طواف قدوم میں رمل کیا تھا اس میں آپ پیدل تھے اور زیر بحث حدیث میں طواف زیارت کا ذکر ہے جو آپ نے اونٹ پر سوار ہو کر کیا تھا اس میں رمل نہیں ہوتا بشرطیکہ بعد میں سعی نہ ہو، آپ نے سواری کو کسی عذر کے تحت استعمال کیا تھا نیز تعلیم امت کے لئے ایسا کیا تھا تا کہ لوگ آپ کو دیکھ کر طواف کو سمجھ سکیں اور مسائل سیکھ سکیں۔ [۴]

"**بمحجن**" محجن اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کا سر خمدار اور ٹیڑھا ہو۔ آنحضرت ﷺ نے اس لکڑی سے حجر اسود کو مس کیا یا اشارہ کیا اور پھر لکڑی کو چوما معلوم ہوا اس طرح کرنا جائز ہے۔ [۵]

[۱] المرقات: ۵/۳۶۲ [۲] اخرجہ البخاری: ۲/۱۸۵ ومسلم: ۱/۵۳۳ [۳] المرقات: ۵/۳۶۳ [۴] المرقات: ۵/۳۶۳ [۵] المرقات: ۵/۳۶۳

﴿۱۰﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ عَلَى بَعِيْرٍ كُلَّمَا أَتَى عَلَى الرُّكْنِ أَشَارَ إِلَيْهِ بِشَيْءٍ فِيْ يَدِهٖ وَكَبَّرَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے خانہ کعبہ کا طواف اونٹ پر سوار ہو کر کیا، جب آپ ﷺ حجر اسود کے سامنے آئے تو ایک چیز سے (یعنی لکڑی سے) کہ جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی اس کی طرف اشارہ کرتے اور اللہ اکبر کہتے۔" (بخاری)

توضیح: حجر اسود کو بوسہ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو حجر اسود کے گرد چاندی کے خول پر رکھ لیا جائے اور اندر حجر اسود کا بوسہ لیا جائے مگر احرام کی حالت میں احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ حجر اسود پر بہت زیادہ عطریات لگے ہوتے ہیں اگر کسی وجہ سے بوسہ دینا ممکن نہ تو پھر دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے "بسم اللہ اللہ اکبر وللہ الحمد" پڑھ کر ہاتھوں کا بوسہ لیا جائے ایک ظریف باذوق عالم دین نے یہ شعر اسی موقع کے لئے پڑھا۔

اسود حجر کے چہرہ پہ بوسہ ہے خوب تر   بوسہ نہ مل سکے تو اشارہ قبول کر

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ وَيَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ مَعَهُ وَيُقَبِّلُ الْمِحْجَنَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوالطفیل کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ (سوار ہو کر) خانۂ کعبہ کا طواف کرتے تھے اور ایک خمدار سرے والی لکڑی سے کہ جو آپ ﷺ کے پاس تھی حجر اسود کی طرف اشارہ کرتے اور اس لکڑی کو چومتے تھے۔" (مسلم)

حالت حیض میں عورت طواف وسعی نہ کرے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْكُرُ إِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ طَمِثْتُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِيْ فَقَالَ لَعَلَّكِ نَفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ ذٰلِكِ شَيْءٌ كَتَبَهُ اللهُ عَلَى بَنَاتِ آدَمَ فَافْعَلِيْ مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوْفِيْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ (حج کے لئے) روانہ ہوئے تو ہم (لبیک کہتے وقت) صرف حج کا ذکر کرتے تھے (بعض حضرات نے یہ معنی لکھے ہیں کہ ہم صرف حج کا قصد کرتے تھے یعنی مقصود اصلی حج

---

[1] اخرجہ البخاری: ۲/۱۸۶ [2] اخرجہ مسلم: ۱/۵۳۳ [3] اخرجہ البخاری: ۲/۶۷ ومسلم

تھا عمرہ نہیں تھا) پھر جب ہم مقام سرف میں پہنچے تو میرے ایام شروع ہو گئے، چنانچہ نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں (اس خیال سے) رو رہی تھی (کہ حیض کی وجہ سے میں حج نہ کر پاؤں گی) آنحضرت ﷺ نے (میری کیفیت دیکھ کر) فرمایا کہ "شاید تمہارے ایام شروع ہو گئے ہیں؟" میں نے عرض کیا کہ "ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "یہ تو ایک ایسی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لئے مقرر فرما دیا ہے (اس کی وجہ سے رونے اور مضطرب ہونے کی کیا ضرورت ہے) تم بھی وہی افعال کرو جو حاجی کرتے ہیں۔ ہاں جب تک پاک نہ ہو جاؤ (یعنی ایام ختم نہ ہو جائیں اور اس کے بعد نہا نہ لو) اس وقت تک بیت اللہ کا طواف نہ کرنا (اور نہ سعی کرنا کیونکہ سعی طواف کے بعد ہی صحیح ہوتی ہے)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "بسرف" مکہ مکرمہ کے قریب وادی فاطمہ کے پاس ایک جگہ کا نام سرف ہے اس جگہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر واقع ہے ان کا نکاح بھی یہیں پر ہوا تھا زفاف بھی یہیں پر ہوا انتقال بھی یہیں پر ہوا اور قبر بھی یہیں پر برلب سڑک واقع ہے "لانذکر" اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہم حج ہی کا تذکرہ کرتے تھے خواہ وہ حج افراد ہو یا تمتع ہو یا قران ہو، اس طرح مطلب لینے سے وہ اعتراض ختم ہو جائے گا کہ حضرت عائشہ تو خود فرماتی ہیں کہ میں نے عمرہ کی نیت کی تھی جیسا کہ قصہ حجۃ الوداع کی حدیث ۲ میں اس کا بیان ہے یہ تو کھلا تضاد ہے اس لئے لانذکر الا الحج کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اس سفر کا اصل مقصد حج کرنا تھا کوئی اور مقصد نہ تھا اگرچہ احرام مختلف انداز کے تھے۔[1]

مشرکین کو طواف کی ممانعت

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَنِي أَبُوبَكْرٍ فِي الْحَجَّةِ الَّتِي أَمَّرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ يَوْمَ النَّحْرِ فِي رَهْطٍ أَمَرَهُ أَنْ يُؤَذِّنَ فِي النَّاسِ أَلَا لَا يَحُجَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے پہلے جس حج میں نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لوگوں کا امیر حج بنا کر بھیجا تھا اس حج میں نحر (قربانی) کے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بھی اس جماعت کے ساتھ بھیجا جس کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ یہ اعلان کر دے کہ "خبردار! اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "مشرك" یعنی اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، جب حج ۹ھ کو فرض ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحج بنا کر حج پر روانہ فرمایا اور پھر خود آئندہ سال حجۃ الوداع پر تشریف لائے اس سفر میں صدیق اکبر کے روانہ ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے چند اعلانات کرنے کی غرض سے بھیجا یہ اعلانات عربی دستور کے مطابق یا خود حضور یا آپ کے خاندان کا کوئی فرد کر سکتے تھے حضرت ابوبکر نہیں کر سکتے تھے چنانچہ

[1] المرقات: ۵/۳۶۵ [2] اخرجه البخاری: ۱/۱۰۳ ومسلم: ۱/۵۶۶

اسی اعلان کے لئے صدیق اکبر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جماعت بھی بھیجوادی اسی جماعت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جواس واقعہ کو بیان فرماتے ہیں۔ مشرک چونکہ نجس ہوتا ہے اس لئے اس پاکیزہ مقدس سرزمین پر ان کو نہیں آنا چاہئے اگر وہ آنا چاہتا ہے تو ایمان لاکر پاک ہوجائے پھر آجائے "**انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا**"۔[1]

"عریان" جاہلیت میں لوگ بڑے شوق سے بیت اللہ کا طواف برہنہ ہوکر کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں اسے پہن کر کیسے طواف کریں، دوسرا خیال یہ تھا کہ جو شخص جتنا زیادہ ننگا ہوگا اتنا ہی دوزخ کی آگ سے دور ہوگا چنانچہ وہ لوگ ننگے ہوکر طواف کے دوران یہ شعر بھی پڑھتے تھے۔[2]

الیوم نبدو بعضه او کله فما بدا منه فلا احله

یعنی آج ہمارے جسم کے کچھ حصے یا سارے حصے ہم کھول رہے ہیں جو حصے بدن کے کھل گئے اس کو میں آگ پر حرام سمجھتا ہوں۔

اسلام انسان کو شرافت کا اعلیٰ مقام دیتا ہے جبکہ شیطان اسے ذلت کا مقام دیتا ہے۔

الفصل الثانی

﴿۱۴﴾ عَنِ الْمُهَاجِرِ الْمَكِّيِّ قَالَ سُئِلَ جَابِرٌ عَنِ الرَّجُلِ يَرَى الْبَيْتَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فَقَالَ قَدْ حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نَكُنْ نَفْعَلُهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُودَاوُدَ)[3]

ترجمہ: حضرت مہاجر مکی (تابعی رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارہ میں پوچھا گیا جو خانہ کعبہ کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے (کہ آیا یہ مشروع ہے یا نہیں؟) تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "جب ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کیا تو ایسا نہ کرتے تھے (یعنی خانہ کعبہ کو دیکھ کر دعا مانگنے کے لئے اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے)۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: "**یرفع یدیه**" زائر بیت اللہ جب مکہ پہنچ کر مسجد حرام میں داخل ہوجائے اور بیت اللہ پر نظر پڑ جائے تو وہ اس وقت خوب دعائیں مانگے کیونکہ اس وقت کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے اس دعا مانگنے میں تو کسی کا اختلاف نہیں اب مسئلہ یہ رہ گیا ہے کہ اس دعا میں دونوں ہاتھ اٹھائیں جائیں یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے

فقہاء کا اختلاف:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس مقام میں دعا میں ہاتھ اٹھانا مسنون ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر دعا میں ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے بعض شارحین نے مذاہب کی ترتیب کچھ اور طرح لکھی ہے رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ میں اسی طرح لکھی ہے جو میں نے لکھدیا ہے۔

[1] المرقات: ۵/۳۶۷ [2] المرقات: ۵/۳۶۷ [3] اخرجہ الترمذی: ۳/۲۱۰ وابوداؤد: ۲/۱۸۱

دلائل:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہاتھ اٹھانے کا انکار فرما رہے ہیں۔
جمہور نے مسند شافعی کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابن جریج قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رای البیت رفع یدیه وقال اللهم زد هذا البیت تشریفا وتعظیما وتکریما ومهابة۔ [1]

اسی طرح مسند شافعی میں یہ حدیث بھی ہے۔

"عن ابن عباس عن النبی ترفع الایدی فی الصلوة واذا رای البیت وعلی الصفا والمروة"۔

جواب: جمہور کی طرف سے امام مالک کی دلیل کا پہلا جواب یہ ہے کہ اصولی قاعدہ ہے کہ نفی و اثبات کا جب مقابلہ آجائے تو اثبات مقدم ہوتا ہے لہٰذا نفی کا اعتبار نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ نفی کا تعلق وجوب سے ہے کہ ہاتھ اٹھانا واجب نہیں ہے۔ اور اثبات کا تعلق استحباب سے ہے کہ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔
تیسرا جواب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ پہلی دفعہ نظر پڑنے پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہئے اثبات کا تعلق اسی دیکھنے سے ہے۔ اور نفی کا تعلق بار بار دیکھنے پر ہاتھ اٹھانے کے ساتھ ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ [2]

صفا مروہ پر دعا میں ہاتھ اٹھانا چاہئے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَأَقْبَلَ إِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ أَتَى الصَّفَا فَعَلَاهُ حَتَّى يَنْظُرَ إِلَى الْبَيْتِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَذْكُرُ اللهَ مَا شَاءَ وَيَدْعُوا۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب (حج وعمرہ کے لئے) تشریف لائے اور مکہ میں داخل ہوئے تو حجر اسود کے پاس گئے اور اس کو بوسہ دیا، پھر خانۂ کعبہ کا طواف کیا اس کے بعد (نماز طواف پڑھ کر صفا کی طرف آئے اور اس پر چڑھے یہاں تک کہ جب خانۂ کعبہ کی طرف نظر اٹھائی تو (دعا کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جس قدر چاہا اللہ کا ذکر (یعنی تکبیر وتہلیل) کرتے رہے اور دعا مانگتے رہے۔ (ابوداؤد)

نماز وطواف میں مماثلت

﴿۱۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلٰوةِ

[1] المرقات: ۵/۳۶۷، ۳۶۸ [2] المرقات: ۵/۳۶۸ [3] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۸۱

اِلاَّ اَنَّکُمْ تَتَکَلَّمُوْنَ فِیْهِ فَمَنْ تَکَلَّمَ فِیْهِ فَلاَ یَتَکَلَّمَنَّ اِلاَّ بِخَیْرٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنِّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَذَکَرَ التِّرْمِذِیُّ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلَی ابْنِ عَبَّاسٍ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''خانۂ کعبہ کے گرد طواف کرنا نماز کی مانند ہے اگرچہ تم اس میں کلام کرتے ہو، لہٰذا جو شخص طواف میں کلام کرے تو وہ (لغو ولایعنی اور غیر پسندیدہ کلام نہ ہو بلکہ) نیک کلام ہی کرے۔'' (ترمذی ونسائی ودارمی) اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ کچھ لوگ اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر موقوف کرتے ہیں (یعنی یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔)

توضیح: "مثل الصلوۃ" اس حدیث میں طواف کی تشبیہ نماز کے ساتھ دی گئی ہے مگر دونوں میں فرق ظاہر کرنے کے لئے استثناء بھی موجود ہے کہ طواف میں جائز کلام جائز ہے اور نماز میں کسی قسم کا کلام جائز نہیں ہے علماء نے نماز اور طواف میں چند فرق بیان کئے ہیں۔ ① طواف میں کلام مفسد نہیں اور نماز میں کلام مفسد ہے۔ ② طواف میں کھانا پینا جائز ہے نماز میں جائز نہیں ہے ③ طواف میں استقبال قبلہ نہیں ہے نماز میں ضروری ہے۔ ④ طواف کے لئے کوئی متعین وقت نہیں نہ کوئی خاص تعداد ہے جبکہ نماز کے لئے وقت بھی متعین ہے اور تعداد بھی محدود ہے ان تمام باتوں پر اتفاق ہے اب اختلاف اس میں ہے کہ آیا طواف کے لئے نماز کی طرح طہارت بھی شرط ہے یا طہارت شرط نہیں ہے؟

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ طواف کے لئے طہارت اور اسی طرح ستر بدن شرط ہے اگر اس کے بغیر کسی نے طواف کیا تو طواف نہیں ہوا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ستر بدن اور طہارت طواف کے لئے شرط نہیں ہے البتہ یہ چیزیں واجب ہیں تو طواف تو ہوجائے گا لیکن دم دینا لازم ہوگا۔[2]

دلائل: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے کہ یہاں طواف کی تشبیہ نماز سے دی گئی ہے اور نماز کے لئے طہارت اور ستر بدن شرط ہے لہٰذا طواف کے لئے بھی شرط ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کی آیت سے استدلال کیا ہے ارشاد ربانی ہے ﴿ولیطفوا بالبیت العتیق﴾ یہاں طواف کا حکم ہے لیکن یہ مطلق طواف کا حکم ہے اس میں طہارت اور ستر بدن کا ذکر نہیں ہے یہ دونوں چیزیں احادیث سے ثابت ہیں اور احادیث اخبار آحاد ہیں اس سے واجب تو ثابت ہوسکتا ہے لیکن فرض ثابت نہیں ہوسکتا ہے لہٰذا اس سے قرآن کی مطلق آیت کو مقید نہیں کیا جاسکتا ہے۔[3]

جواب: حدیث میں طواف کی جو تشبیہ نماز کے ساتھ دی گئی ہے یہ ثواب میں ہے کہ جس طرح نماز میں بڑا ثواب ملتا ہے اسی طرح طواف میں بھی بڑا ثواب ملتا ہے تشبیہ کے قواعد میں قطعاً یہ بات نہیں ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ کے تمام اجزا میں تشبیہ ہو اگر شوافع تمام اشیاء میں تشبیہ کا قول کریں گے تو پھر ان پر طواف میں قبلہ رخ ہونا بھی لازم آئے گا طواف میں کھانے پینے کی اشیاء سے طواف کا فاسد ہونا بھی لازم آئے گا نماز کی طرح طواف کے لئے وقت بھی متعین کرنا ہوگا اور طواف کو محدود

[1] اخرجه الترمذی: ۳/۲۹۳ والدارمی: ۱۸۵۴ [2] المرقات: ۵/۳۶۹ [3] المرقات: ۵/۳۶۹

کرنا بھی پڑیگا حالانکہ ان چیزوں کے شوافع قائل نہیں ہیں معلوم ہوا یہ تشبیہ ثواب میں ہے اور بس۔[۱]

حجر اسود سفید تر پتھر تھا

﴿۱۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِيْ اٰدَمَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حجر اسود بہشت سے اُترا ہے یہ پتھر (پہلے) دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا مگر ابن آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔" (احمد و ترمذی) نیز امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح: "نزل الحجر الاسود" یہ کلام مجاز اور تخیل پر محمول نہیں بلکہ حقیقت اور تعین پر محمول ہے کہ حجر اسود جنت سے آیا ہے پھر دنیا میں اس کو دنیا کی اشیاء کے موافق رکھا گیا اور یہ کون وفساد کے اس عالم میں آفات کا شکار ہوا یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا اور بڑا بھی تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی جنت والی چمک اس سے چھین لی پھر انسانوں کے گناہ گار ہاتھوں نے اس کو سیاہ کر کے رکھدیا اور دنیا کے آفات کا شکار بھی ہوا۔ نادر شاہ ایرانی نے بیس سال تک اس کو غصب کرلیا ایران لے گیا پھر وہاں سے واپس لایا گیا پھر کسی افغانی نے اس پر چاقو سے حملہ کر دیا یہ ٹوٹ گیا اب اس وقت اس کے چھوٹے چھوٹے سات ٹکڑے باقی ہیں جو سیاہ لاک میں پیوست ہیں جب کوئی زائر اس کو چومتا ہے تو اس کے منہ میں حجر اسود کے تین پتھر آجاتے ہیں ان سات ٹکڑوں میں جو بڑا ٹکڑا ہے وہ انسان کے انگوٹھے کے سر کے برابر ہے۔
بہر حال گناہوں سے جب ایسا مقدس پتھر سیاہ ہوسکتا ہے تو گناہ کرنے والے کا دل کتنا سیاہ ہوتا ہوگا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترتے وقت یہ پتھر لائے تھے۔[۳]

قیامت کے دن حجر اسود کی گواہی

﴿۱۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجَرِ وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا کہ "خدا کی قسم! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اٹھالے گا، پھر اس کو دو آنکھیں دی جائیں گی جن کے ذریعہ وہ دیکھے گا اور اس کو زبان دی جائے گی جس کے ذریعہ وہ بولے گا، چنانچہ وہ اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے حق کے ساتھ اس کو بوسہ دیا ہوگا۔" (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

[۱] المرقات: ۵/۴۶۹ [۲] اخرجہ الترمذی: ۳/۲۲۶ [۳] المرقات: ۵/۴۷۰ [۴] اخرجہ الترمذی: ۳/۲۹۳ والدارمی ۱۸۳۶

توضیح: "له عينان" اس میں کسی تشبیہ یا کنایہ اور مجاز لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ ایک جماد میں بولنے اور دیکھنے کی طاقت رکھے اس نے جب انسان کے جسم میں گوشت کے ایک ٹکڑے میں بولنے کی قوت رکھی ہے اور قیامت میں اسی انسان کے ہاتھ پاؤں میں بولنے کی طاقت رکھے گا اور داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیحات پڑھنے کی صلاحیت منجمد پہاڑوں میں پیدا فرمائی اس کے لئے حجر اسود کا گویا کرنا اور بینائی عطاء کرنا کیا مشکل ہے حدیث میں یہ نہیں کہ صرف پتھر بولیگا بلکہ پتھر کو زبان دی جائے گی اور آنکھیں عطا کی جائیں گی تو اب اس میں کیا تردد ہے؟[1]

"بحق" حق کے ساتھ چومنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص ایمان و توحید والا ہو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھنے والا ہو پورے ادب واحترام رکھنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کے ارادہ سے عقیدت و محبت کے جذبہ کے تحت اس کو بوسہ دے رہا ہو۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حجر اسود کی مثال مقناطیس اور کسوٹی کی ہے یہ مسلمان کے ایمان کو پرکھتا ہے اگر کسی نے عقیدت و محبت سے اسے چوما تو یہ اس کے ایمان پر گواہی دیگا اور اس کی شفاعت کریگا اور اگر کسی کے دل میں اس کی نفرت آگئی تو فوراً اس کا ایمان اڑ جائے گا۔[2]

حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوت ہیں

﴿۱۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوْتَتَانِ مِنْ يَاقُوْتِ الْجَنَّةِ طَمَسَ اللّٰهُ نُوْرَهُمَا وَلَوْلَمْ يَطْمِسْ نُوْرَهُمَا لَأَضَاءَ مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے "حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا نور اٹھالیا ہے (تا کہ ایمان بالغیب رہے) اگر ان کا نور باقی رہتا تو اس میں شک نہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان ساری چیزوں کو روشن کر دیتا۔" (ترمذی)

توضیح: "طمس الله" یعنی اللہ تعالیٰ نے حجر اسود اور مقام ابراہیم کے پتھر سے جنت والی چمک دھمک چھین لی اور پھر انسانوں کے گناہوں نے اس کو سیاہ کر کے رکھ دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا کی ہر روشنی ختم ہو جاتی ہے اور یہی دو جوہر چمکتے رہتے اور دنیا کو روشن رکھتے "طمس يطمس" روشنی کے مٹانے اور ختم کرنے کو کہتے ہیں۔ ضرب یضرب سے ہے۔[4]

حجر اسود کا عجیب قصہ:

ملا علی قاری نے مرقات میں لکھا ہے کہ حجر اسود کا جنتی پتھر ہونا ایک تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ثابت ہے دوسرا وہ قصہ

[1] المرقات: ۵/۴۷۰ [2] المرقات: ۵/۴۷۰، ۴۷۱ [3] اخرجه الترمذي: ۳/۲۶۶ [4] المرقات: ۵/۴۷۱

بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ ایک دفعہ قرامطہ ملحدین (یعنی نادر شاہ ایرانی) مکہ مکرمہ پر غالب آ گئے تو انہوں نے زمزم کے کنوئیں کو مسلمانوں کی لاشوں سے بھر دیا اور حجر اسود کو اپنے ہتھوڑوں سے یہ کہتے ہوئے مارا کہ کب تک اللہ کے سوا تیری عبادت ہوتی رہیگی؟ پھر وہ لوگ حجر اسود کو اپنے علاقے میں لے گئے اور بیس سال سے کچھ عرصہ تک حجر اسود ان کے پاس رہا، پھر مسلمانوں نے بھاری معاوضہ ادا کیا اور حجر اسود کے لوٹانے کا معاہدہ ہو گیا لیکن ایرانی آغاخانیوں نے کہا کہ حجر اسود دوسرے پتھروں کے ساتھ خلط ملط ہو گیا ہے اب ہم اس کو پہچانتے نہیں ہیں اگر مسلمانوں کے پاس حجر اسود کے پہچاننے کی کوئی علامت ہو تو وہ آ کر اس کو پہنچان لیں اور واپس مکہ لیجائیں مسلمانوں نے علماء سے مشورہ کیا وقت کے علما نے بتادیا کہ حجر اسود چونکہ جنت سے آیا ہے اس لئے اس پر آگ اثر نہیں کر سکتی ہے تم ان سے کہدو کہ تمام پتھروں کو آگ میں ڈال دو۔ چنانچہ جب یہ امتحان شروع ہو گیا تو جس پتھر کو وہ لوگ آگ میں ڈالتے وہ پتھر جل جاتا اور ٹکڑے ہو کر ٹوٹ جاتا لیکن جب حجر اسود کو آگ میں ڈالدیا تو اس پر آگ نے اثر نہیں کیا تب اس کو واپس مکہ لایا گیا کہتے ہیں کہ یہ بھی عجائبات قدرت میں سے تھا کہ جب حجر اسود کو حرم سے قرامطہ لیجانے لگے تو اس کو اونٹوں پر لادا گیا جس اونٹ پر لادتے وہ حجر اسود کے بوجھ تلے دب کر مرجاتا کئی اونٹ اس طرح ہلاک ہو گئے لیکن جب حجر اسود کو واپس حرم لایا جا رہا تھا تو ایک مریض کمزور اونٹ اس کو خوشی خوشی لایا اور اسے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔[1]

حجر اسود پر ازدحام کیسا ہے؟

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُزَاحِمُ عَلَى الرُّكْنَيْنِ زِحَاماً مَا رَأَيْتُ أَحَداً مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُزَاحِمُ عَلَيْهِ قَالَ إِنْ أَفْعَلْ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ مَسْحَهُمَا كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ أُسْبُوْعاً فَأَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ لَا يَضَعُ قَدَماً وَلَا يَرْفَعُ أُخْرَى إِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَكَتَبَ لَهُ بِهَا حَسَنَةً۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبید ابن عمیر رضی اللہ عنہ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ دونوں رکن یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کو ہاتھ لگانے میں لوگوں پر جس طرح سبقت حاصل کرتے تھے اس طرح میں نے رسول کریم ﷺ کے کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ کو (ان دونوں رکن میں سے) کسی پر سبقت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر میں سبقت حاصل کرنے کی کوشش کروں تو مجھے مت روکو، کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ان دونوں رکن کو ہاتھ لگانا گناہوں کے لئے کفارہ ہے"۔ اور میں نے آپ ﷺ کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص خانۂ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرے اور اس کی محافظت کرے (یعنی طواف کے واجبات وسنن اور آداب بجالائے) تو اس کا ثواب غلام آزاد کرنے کے ثواب کے برابر

[1] المرقات: ۵/۴۷۱ [2] اخرجه الترمذي: ۳/۲۹۲

ہے''۔ نیز میں نے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے''(طواف کرتے وقت) جب بھی کوئی قدم رکھتا ہے اور پھر اسے اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ قدم رکھنے کے عوض تو اس کا گناہ ختم کرتا ہے اور قدم اٹھانے کے عوض اس کے لئے نیکی لکھتا ہے (یعنی طواف کرنے والے کا جب قدم رکھا جاتا ہے تو اس سے گناہ دور کردیا جاتا ہے اور جب قدم اٹھتا ہے تو اس کی نیکیوں میں اضافہ ہوجاتا ہے، اس طرح پورے طواف میں اس کے گناہ ختم ہوتے رہتے ہیں اور نیکیوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے)''۔ (ترمذی)

توضیح: "یزاحم علی الرکنین" اس ازدحام کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو ایذا پہنچاتے تھے استلام تو سنت ہے اور اس موقع پر ایذا دینا حرام ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ازدحام کرتے تھے زور لگاتے تھے لیکن جواز کی حد تک جس میں کسی کی ایذا نہ ہو حضور اکرم ﷺ نے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔[1]

انك رجل قوي لاتزاحم على الحجر فتوذي الضعيف ان وجدت خلوة فاستلمه والافاستقبله وهلل وكبر رواه أحمد والشافعي۔ (مرقات)[2]

بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابن عمر کی اس مزاحمت اور زورآزمائی میں بعض دفعہ ناک زخمی ہوجاتی اور خون بہنے لگتا، ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عام صحابہ نے ازدحام نہیں کیا ہے ان کی اقتدا زیادہ بہتر ہے خصوصاً اس زمانے میں اھـ واقعی ملاعلی قاری نے سچ فرمایا کہ آج کل مزاحمت کی ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ عورتیں بے پردہ ہوکر بیچ میں دب جاتی ہیں آخر ایک مستحب کام کے لئے حرام کا ارتکاب کونسی دانشمندی ہے؟[3]

"ان افعل" یہ شرط ہے اس کا جزا محذوف ہے جو "فلاالام" ہے یعنی اگر میں حجر اسود کی تقبیل میں مزاحمت کروں تو مجھے ملامت نہیں کیا جاسکتا کیونکہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے اس کی بڑی فضیلت سنی ہے۔[4]

"اسبوعاً" ای سبعة اشواط، یعنی سات چکر کا ایک طواف کرے۔[5] "فاحصاه" یعنی اس کے آداب کا خیال رکھے اور کامل و مکمل طور پر طواف کرے۔ ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ اس کلام کا یہی مطلب ہے اور حدیث کا یہی مفہوم ہے بعض نے سات دن تک ہر روز بلاناغہ طواف مراد لیا ہے ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ یہ مطلب اس حدیث کے مفہوم میں نہیں ہے۔[6]

بعض نے سات طواف روزانہ کرنے کا مطلب بیان کیا ہے یہ زیادہ بعید ہے۔

طواف کی ایک دعا

﴿۲۱﴾ وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَابَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[7]

[1] المرقات: ۵/۴۷۲ [2] المرقات: ۵/۴۷۲ [3] المرقات: ۵/۴۷۲ [4] المرقات: ۵/۲/۴۷
[5] المرقات: ۵/۴۷۲ [6] المرقات: ۵/۴۷۲ [7] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۸۶

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں رکن یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان یہ (دعا) پڑھتے تھے۔ ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النار م (ابوداؤد)
اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

آنحضرت کی سعی کا منظر

﴿۲۲﴾ وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ أَخْبَرَتْنِي بِنْتُ أَبِي تُجْرَاةَ قَالَتْ دَخَلْتُ مَعَ نِسْوَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ دَارَ آلِ أَبِي حُسَيْنٍ نَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَرَأَيْتُهُ يَسْعٰى وَاِنَّ مِئْزَرَهُ لَيَدُوْرُ مِنْ شِدَّةِ السَّعْيِ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اسْعَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوٰى أَحْمَدُ مَعَ اخْتِلَافٍ)[1]

ترجمہ: اور حضرت صفیہ بنت شیبہ کہتی ہیں کہ ابوتجراۃ کی بیٹی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں قریش کی عورتوں کے ساتھ آلِ ابوحسین کے گھر گئی تاکہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دیکھیں (اور اس طرح ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال باکمال سے مشرف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل و برکت سے مستفید ہوں) چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا و مروہ کے درمیان اس طرح سعی کرتے ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہ بند سعی (دوڑنے) میں تیزی کی وجہ سے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروں کے گرد) گھوم رہا تھا، نیز میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ ''سب لوگ سعی کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سعی کو لکھ دیا ہے''۔ (شرح السنۃ) اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی کمی بیشی کے سات نقل کیا ہے۔''

توضیح: صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ چکر لگانے کا نام سعی ہے جو حج کا ایک اہم حکم ہے صفا اور مروہ کی پہاڑیاں اب باقی نہیں ہیں صفا کی کچھ چٹان باقی ہے اور مروہ کے پتھروں کو حکومت وقت نے توڑ توڑ کر خاتمہ کر دیا ہے دونوں میں آپس کا فاصلہ قریباً ڈیڑھ فرلانگ ہے سعی اصل میں حضرت ھاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس دوڑ کی یادگار ہے جو انہوں نے اپنے شیر خوار بچہ کی جان بچانے کے لئے پانی کی تلاش میں لگائی تھی صفا مروہ کے نشیبی حصہ میں آپ نے زیادہ پریشانی کی وجہ سے تیز دوڑ لگائی تھی اسی وجہ سے وہاں میلین اخضرین کے درمیان دوڑ لگائی جاتی ہے مگر عجیب یہ کہ یہ ایک عورت کی یادگار ہے مگر خود عورتوں کے لئے یہ دوڑ منع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امت محمد یہ اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے یہ دوڑ لگاتے ہیں اور حضور اکرم نے یہ دوڑ عورتوں کے لئے جائز نہیں رکھا ہے صرف مردوں کے لئے ہے اسلام سے پہلے جاہلیت میں صفا پہاڑی پر ایک بت ہوتا تھا جس کا نام اصاف تھا اس کی وجہ سے اس پہاڑی کا نام صفا ہو گیا اور مروہ پر ایک اور بت ہوتا تھا جس کا نام نائلہ تھا اصاف مرد تھا نائلہ عورت تھی دونوں نے حرم میں زنا کیا تو دونوں مسخ ہو کر پتھر بن گئے اھل جاہلیت نے اس کو کرشمہ سمجھ کر ہر ایک کو اپنا معبود بنا لیا ابوطالب نے اپنے قصیدہ لامیہ میں ان بتوں کا اس طرح تذکرہ کیا ہے۔

[1] اخرجه البغوی فی شرح السنة: ۴/۸۴

"فان الله کتب علیکم السعی" امام مالک اور امام شافعی عثیلیہ کے نزدیک سعی فرض ہے انہوں نے اس حدیث کے لفظ کتب سے استدلال کیا ہے کہ حج میں سعی فرض ہے اگر کسی نے چھوڑ دیا تو حج باطل ہوجائے گا لیکن امام ابوحنیفہ عثیلیہ اور امام احمد عثیلیہ نے لفظ کتب کو وجب کے معنی میں لیا ہے اس لئے حج میں سعی واجب ہے اگر کسی نے چھوڑ دیا تو حج ہوگیا لیکن دم دینا لازم آئے گا احناف نے فلاجناح علیه ان یطوف بهما سے استدلال کیا ہے اور حدیث ظنی سے فرض ثابت نہیں ہوتا۔ [1]

"یزرہ لیدور" یعنی تیز دوڑنے کی وجہ سے احرام کے نیچے والی چادر حضور اکرم کی مبارک پنڈلیوں پر آگے پیچھے اور ادھر ادھر گھومتی رہتی تھی یہ آج کل بھی لوگوں میں ہوتا ہے مجھے اس میں بہت مزا آتا ہے۔ [2]

آنحضرت ﷺ نے سوار ہو کر سعی کی ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْعٰی بَیْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃِ عَلٰی بَعِیْرٍ لَاضَرْبَ وَلَاطَرْدَ وَلَا اِلَیْکَ اِلَیْکَ۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ) [3]

ترجمہ: اور حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ ابن عبداللہ ابن عمار کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو صفا و مروہ کے درمیان اونٹ پر (سوار ہو کر) سعی کرتے دیکھا ہے (اور اس وقت) نہ مارنا تھا نہ ہانکنا تھا اور نہ ہٹو بچو کی آوازیں تھیں۔ (شرح السنۃ)

توضیح: "علی بعیر" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر سعی فرمائی ہے اور اس سے پہلے حدیث ۲۲ اور دیگر کچھ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سعی پیدل کیا ہے یہ بظاہر تعارض ہے اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ حضور اکرم نے ایک موقع پر پیدل سعی فرمائی ہے دوسرے موقع میں سوار ہو کر سعی فرمائی ہے تو الگ الگ اوقات کی وجہ سے تعارض ختم ہوگیا رہ گیا یہ مسئلہ کہ سوار ہو کر سعی کرنا جائز ہے یا نہیں تو امام ابوحنیفہ عثیلیہ کے نزدیک پیدل سعی کرنا واجب ہے اگر کسی نے سوار ہو کر سعی کی تو اس پر دم لازم آئے گا آنحضرت ﷺ نے کسی جسمانی مجبوری بیماری وغیرہ کی وجہ سے ایسا کیا ہوگا یا تعلیم امت کے لئے ایسا کیا ہوگا اور تعلیم امت کے لئے ممنوع فعل کا ارتکاب کبھی کبھی کیا جاسکتا ہے جس میں ثواب بھی ملتا ہے۔

"لاضرب" یعنی لوگوں کو راستہ خالی کرنے کے لئے نہیں مارا جاتا تھا جس طرح مغرور و متکبر لوگ اپنی شان ظاہر کرنے کے لئے غریب عوام کو مار مار کر دھکے دیتے ہیں۔ [4]

"ولاطرد" یعنی زبان سے ہنکانے بھگانے کے لئے چیخنا چلانا نہیں ہوتا تھا جیسا کہ اہل غرور متکبرین اور ظالمین کی شان بڑھانے کے لئے ان کے چمچے کڑچے چیختے چلاتے ہیں اور کہتے ہیں ہٹو، ہٹو، بچو بچو، دور ہو جاؤ مہمان خصوصی آرہا ہے جیسا کہ آج کل ہوتا ہے۔ [5]

---

[1] المرقات: ۵/۳۷۳ [2] المرقات: ۵/۳۷۳ [3] اخرجه البغوی فی شرح السنة: ۶/۱۸۳ [4] المرقات: ۵/۳۶۷ [5] المرقات: ۵/۳۷۶

طواف میں اضطباع کا حکم

﴿۲۴﴾ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ مُضْطَبِعاً بِبُرْدٍ أَخْضَرَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس حالت میں طواف کیا کہ آپ ﷺ سبز (دھاریوں والی) چادر کے ذریعہ اضطباع کئے ہوئے تھے۔" (ترمذی وابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "مضطبعاً" اضطباع کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ احرام کی چادر دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اس کا پلہ بائیں کندھے پر ڈال دیا جائے۔[2]

اضطباع سنن طواف میں سے ہے سنن احرام میں سے نہیں ہے لہٰذا احرام کے عام احوال میں اضطباع کرنا ثابت نہیں ہے اور اضطباع کی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہو اس کے ابتدائی تین چکروں میں رمل اور اضطباع مسنون ہے اور جس کے بعد سعی نہ ہو اس میں اضطباع نہیں ہے نہ رمل ہے آنے والی حدیث ۲۵ میں اضطباع کا طریقہ بتایا گیا ہے مصر کے لوگ مسلسل اضطباع میں رہتے ہیں ایسے اضطباع سے احرام کی شان ظاہر ہو جاتی ہے۔

طواف میں اضطباع کا طریقہ:

ملا علی قاری رحمہ اللہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کی حالت میں اضطباع مکروہ ہے اور عام حالات میں عوام جو اضطباع کرتے ہیں اس کا کوئی اصل نہیں ہے یہ مستحب نہیں ہے اس کلام سے اشارہ ملتا ہے کہ اگر کوئی شخص اضطباع کو عام احوال میں مستحب نہیں سمجھتا ہے بغیر استحباب کے اس کو اختیار کرتا ہے تو شاید جائز ہو۔ احرام لباس کی طرح ایک لباس ہے اگر سہولت کے پیش نظر کندھا کھلا رہے تو ممنوع نہیں ہوگا گرمی کے زمانہ میں اضطباع سے بہت آرام ملتا ہے البتہ نماز کے وقت اضطباع مکروہ ہے۔[3]

"ببرد اخضر" ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس میں سبز لکیریں تھیں پوری چادر سبز نہیں تھی۔[4]

طواف میں اضطباع کا طریقہ

﴿۲۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ اعْتَمَرُوْا مِنَ الْجِعِرَّانَةِ فَرَمَلُوْا بِالْبَيْتِ ثَلَاثاً وَجَعَلُوْا أَرْدِيَتَهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ ثُمَّ قَذَفُوْهَا عَلَى عَوَاتِقِهِمُ الْيُسْرَى۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[5]

---

[1] اخرج الترمذی: ۳/۲۱۴ والدارمی: ۱۸۵۰ وابوداؤد: ۲/۱۸۳ [2] المرقات: ۵/۴۷۶

[3] المرقات: ۵/۴۷۶ [4] المرقات: ۵/۴۷۶ [5] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۸۳

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جعرانہ سے (کہ جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) عمرہ کیا، چنانچہ سب نے خانۂ کعبہ کے طواف کے (پہلے) تین پھیروں میں رمل کیا نیز انہوں نے (طواف میں) اپنی چادروں کو (دائیں) بغل کے نیچے سے نکال کر اپنے بائیں کاندھوں پر ڈال لیا تھا۔" (ابوداؤد)

الفصل الثالث

﴿۲۶﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَاتَرَكْنَا اِسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيِّ وَالْحَجَرِ فِيْ شِدَّةٍ وَلَارَخَاءٍ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُمَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ نَافِعٌ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَلِمُ الْحَجَرَ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَبَّلَ يَدَهٗ وَقَالَ مَاتَرَكْتُهٗ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ۔ [1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں رکن کا استلام کرتے دیکھا ہے، ہم نے ان دونوں رکن یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کا استلام نہ کبھی بھیڑ میں چھوڑا ہے اور نہ چھیڑ میں (یعنی کسی حال میں بھی ہم نے اس سعادت کو ترک نہیں کیا ہے۔) (بخاری ومسلم)

عذر کی وجہ سے سوار ہو کر طواف کرنا جائز ہے

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِّيْ أَشْتَكِيْ فَقَالَ طُوْفِيْ مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَسْطُوْرٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے (حج کے دنوں میں) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی (کہ میں بیمار ہوں جس کی وجہ سے پیادہ پا طواف نہیں کر سکتی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم لوگوں سے ایک طرف ہو کر سواری پر طواف کرلو۔ چنانچہ میں نے اسی طرح طواف کیا، اور (میں نے اس دوران دیکھا کہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پہلو میں (یعنی خانۂ کعبہ کی دیوار سے متصل) نماز پڑھ رہے تھے اور نماز میں والطور و کتاب مسطور کی قرأت فرما رہے تھے۔" (بخاری ومسلم)

حجر اسود سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطاب

﴿۲۸﴾ وَعَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَأَعْلَمُ اِنَّكَ حَجَرٌ مَاتَنْفَعُ

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۸۵ ومسلم: ۱/۵۳۲ [2] اخرجه البخاري: ۱/۱۲۵ ومسلم: ۱/۵۳۳

وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا أَنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عابس ابن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور (اس کے سامنے) یہ فرماتے تھے کہ اس میں کوئی شک نہیں، میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں کبھی بھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "ماتنفع ولاتضر" یعنی تو ایک پتھر ہے نفع نقصان تیرے ہاتھ میں نہیں ہے ہاں حضور اکرم کی تعلیمات کے پیش نظر تیرا بوسہ لینا ثواب کا کام ہے۔ حضرت عمر پر اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے اہل باطل مشرکین اور ہندوؤں پر واضح کر دیا کہ مسلمان جو اس پتھر کو چومتے ہیں یہ پتھر کی پوجا پاٹ نہیں ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واطاعت کی وجہ سے مسلمان اس کو چھومتے ہیں آج کل اکثر کفار ومشرکین ہندو وغیرہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان بھی پتھروں کی پوجا کرتے ہیں حالانکہ ان کفار کو معلوم نہیں کہ کوئی بھی مسلمان بیت اللہ کے لئے سجدہ نہیں کرتا بیت اللہ تو ایک جہت ہے اصل سجدہ وعبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اسی طرح حجر اسود کوئی واجب الاطاعت پتھر نہیں ہے نہ اس کا کوئی مسلمان عبادت کرتا ہے اس کا چومنا حضور اکرم کی سنت پر عمل کرنے کے لئے ہے جس پر ثواب ملتا ہے ایک روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا اے حجر اسود تو پتھر ہے نفع نقصان کا مالک نہیں اگر مجھے میرے رب کا حکم نہ ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا۔ (ابن ابی شیبہ)

مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر کے اس کلام کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں ہاں یہ پتھر نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے چومنے سے ثواب ملتا ہے جو نفع ہے اور اس کی توہین سے ایمان جاتا ہے جو نقصان ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے۔[۲]

﴿۲۹﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وُكِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَكًا يَعْنِي الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ فَمَنْ قَالَ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالُوْا آمِيْنَ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہاں یعنی رکن یمانی پر ستر فرشتے متعین ہیں، چنانچہ جو شخص (وہاں) یہ دعا پڑھتا ہے، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ دعا یہ ہے۔ ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے گناہوں کی معافی اور دنیا وآخرت میں عافیت مانگتا ہوں، اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (ابن ماجہ)

[۱] اخرجه البخاري: ۲/۱۸۳ ومسلم: ۱/۵۳۳ [۲] المرقات: ۵/۷-۲۷۸ [۳] اخرجه ابن ماجه: ۲/۹۸۵

طواف کے دوران تسبیحات کا بڑا ثواب ہے

﴿۳۰﴾ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعاً وَلَايَتَكَلَّمُ إِلاَّ بِسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَاإِلٰهَ إِلاَّاللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلاَّ بِاللّٰهِ مُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَكُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَرُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَمَنْ طَافَ فَتَكَلَّمَ وَهُوَ فِي تِلْكَ الْحَالِ خَاضَ فِي الرَّحْمَةِ بِرِجْلَيْهِ كَخَائِضِ الْمَاءِ بِرِجْلِهِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص خانۂ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرے اور (طواف کے دوران) سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ کے علاوہ اور کوئی کلام نہ کہے تو اس کے دس گناہ محو کر دیئے جاتے ہیں۔ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں اور جو شخص طواف کرے اور اس (طواف کرنے کی) حالت میں کلام کرے تو وہ اپنے دونوں پاؤں کے ساتھ دریائے رحمت میں اسی طرح داخل ہوتا ہے جس طرح کوئی اپنے پاؤں کے ساتھ پانی میں داخل ہوتا ہے۔'' (ابن ماجہ)

توضیح: ''**کخائض الماء**'' یعنی جو شخص طواف کے دوران کوئی دنیوی کلام نہ کرے بلکہ صرف تسبیحات پڑھے اور طواف کرے اس کو تو بڑے درجے ملیں گے لیکن جو شخص طواف کے دوران تسبیحات بھی پڑھے اور کچھ مزید نیک کلام بھی کرے تو اس نے گویا رحمت کے حوض میں پاؤں داخل کئے اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسرا درجہ اول درجے سے بڑھ کر ہے ملا علی قاری وغیرہ اسی طرف گئے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ''**ومن طاف فتکلم** سے آخر تک جو کلام نقل کیا گیا ہے یہ وہی پہلا کلام مکرر لایا گیا ہے اور تکلم سے وہی تسبیحات مراد ہیں ہاں اس تکرار میں یہ فائدہ ہے کہ اس سے ایک معقول چیز کو محسوس ومشاہد بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ **ومن طاف فتکلم** سے مباح کلام مراد ہے اور یہ درجہ پہلے درجہ کی بنسبت کم ہے پہلے کلام میں تو بڑے بڑے درجات کا ذکر کیا گیا اور گناہ معاف کر دئے گئے لیکن اس دوسرے مرحلہ میں صرف اتنا بتایا گیا کہ اس شخص کے پاؤں رحمت کے سمندر میں ہیں کیونکہ یہ طواف میں ہے لیکن باتیں کر رہا ہے اس لئے اس کا درجہ گر گیا یہ توجیہ دل کو زیادہ لگتی ہے اگر چہ ملا قاری رحمۃ اللہ علیہ اس سے خوش نہیں ہیں۔

میں نے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقات میں جو دیکھا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ عموماً ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی کسی توجیہ کو صحیح ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں انہوں نے اپنی شرح میں سب سے زیادہ گرفت ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر کی ہے۔[2]

[1] اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۹۸۵ [2] المرقات: ۵/۴۸۳

باب الوقوف بعرفة

وقوف عرفات کا بیان

مکہ مکرمہ سے قریباً ۱۵ میل یعنی ۲۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک بہت بڑے میدان کا نام عرفات ہے اس کے بیچ میں ایک بلند ٹیلہ ہے جس کو جبل رحمت کہتے ہیں لفظِ عرفہ جگہ اور دن دونوں پر بولا جاتا ہے لیکن لفظِ عرفات صرف جگہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

وجہ تسمیہ:

کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا جب جنت سے نکالے گئے تو دونوں ایک بڑے عرصے تک الگ الگ تھے حضرت آدم ہندوستان کے سراندیب علاقہ میں اتارے گئے اور حضرت حوا حجاز مقدس میں اتاری گئیں پھر کافی عرصہ بعد دونوں کا تعارف اسی پہاڑی پر ہوا تو اس کا نام عرفہ پڑ گیا۔

دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل اسی مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احکام سمجھاتے تھے اور پھر پوچھتے تھے ''عرفت'' تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے "عرفت" اس وجہ سے اس جگہ کا نام عرفہ رکھا گیا۔ بہرحال وقوف عرفہ حج کے بنیادی ارکان میں سے احرام کے بعد دوسرا رکن ہے یہ اگر فوت ہو گیا تو حاجی کا حج ختم ہو گیا یہ وقوف ۹ ذوالحجہ کے دن اور آنے والی رات کے کسی حصہ میں ہو جائے تو حج صحیح ہو جائے گا۔[1]

الفصل الاول

عرفہ کے دن تلبیہ ہی پڑھنا زیادہ افضل ہے

﴿۱﴾ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُ سَأَلَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَهُمَا غَادِيَانِ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَةَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ فِي هٰذَا الْيَوْمِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ مِنَّا فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: حضرت محمد بن ابوبکر ثقفی رحمہ اللہ (تابعی) کے بارہ میں منقول ہے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا جبکہ وہ دونوں صبح کے وقت منیٰ سے عرفات جا رہے تھے، کہ آپ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس (عرفہ کے) دن کیا کرتے تھے؟ تو

---

[1] المرقات: ۵/۴۸۴ [2] اخرجه البخاري: ۲/۲۵ ومسلم: ۱/۵۳۷

انہوں نے فرمایا کہ ''ہم میں سے لبیک کہنے والا لبیک کہا کرتا تھا اور اس کو اس سے منع نہیں کیا جاتا تھا اور تکبیر کہنے والا تکبیر کہا کرتا تھا اور اس کو اس سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔'' (بخاری ومسلم)

منیٰ میں قربانی اور عرفات ومزدلفہ میں وقوف کی جگہ

﴿۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوْا فِيْ رِحَالِكُمْ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''میں نے تو اس جگہ قربانی کی ہے ویسے منیٰ میں ہر جگہ قربان گاہ ہے لہٰذا تم اپنے ڈیروں میں قربانی کرو اور میں نے تو اس جگہ وقوف کیا ہے ویسے عرفات میں ہر جگہ موقف ہے اور میں نے تو اس جگہ وقوف کیا ہے ویسے مزدلفہ کی ہر جگہ موقف ہے۔'' (مسلم)

توضیح: چونکہ حضور اکرم ﷺ نے عرفات اور مزدلفہ میں ایک ایک جگہ میں وقوف فرمایا تھا تو گمان ہوسکتا تھا کہ وقوف اسی جگہ ہونا چاہئے جہاں حضور اکرم ﷺ نے کیا ہے اس سے امت کے لئے بڑا حرج پیدا ہوسکتا تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جہاں بھی وقوف کیا سو کیا لیکن عرفات پورے کا پورا وقوف کی جگہ ہے ہاں بطن عرنہ میں وقوف سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے اسی طرح مزدلفہ سارے کا سارا وقوف کی جگہ ہے ہاں وادی محسر میں وقوف کرنا منع ہے اسی طرح منیٰ سارے کا سارا قربان گاہ ہے اگرچہ حضور اکرم ﷺ نے کسی خاص جگہ قربانی فرمائی تھی۔

مزدلفہ کا ایک نام ''جمع'' بھی ہے جس کا تذکرہ احادیث میں ہوا ہے۔

عرفہ کے دن کی فضیلت

﴿۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْداً مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَإِنَّهُ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُوْلُ مَا أَرَادَ هٰؤُلَاءِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ بندہ کو عرفہ کے دن سے زیادہ آگ سے آزاد کرتا ہو (یعنی اس عرفہ کے دن عرفات میں اللہ تعالیٰ سب دنوں سے زیادہ بندوں کو آگ سے نجات اور رستگاری کا پروانہ عطا فرماتا ہے) اور بلاشبہ (اس دن) اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت ومغفرت کے ساتھ) بندوں کے قریب ہوتا ہے پھر فرشتوں کے سامنے حج کرنے والوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ (یہ جو کچھ بھی چاہتے ہیں) میں انہیں وہ دوں گا۔'' (مسلم)

[1] اخرجه مسلم: [2] اخرجه مسلم: ۱/۵۶۶

الفصل الثانی

امام کے موقف سے دور موقف میں مضائقہ نہیں

﴿٤﴾ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ صَفْوَانٍ عَنْ خَالٍ لَهُ يُقَالُ لَهُ يَزِيْدُ ابْنُ شَيْبَانَ قَالَ كُنَّا فِيْ مَوْقِفٍ لَنَا بِعَرَفَةَ يُبَاعِدُهُ عَمْرٌو مِنْ مَوْقِفِ الْإِمَامِ جِداً فَأَتَانَا ابْنُ مِرْبَعِ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ إِنِّيْ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُمْ يَقُوْلُ لَكُمْ قِفُوْا عَلٰى مَشَاعِرِكُمْ فَإِنَّكُمْ عَلٰى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: حضرت عمرو ابن عبداللہ ابن صفوان رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) اپنے ماموں سے کہ جن کا نام یزید ابن شیبان تھا، نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "ہم میدان عرفات میں اس جگہ پر ٹھہرے ہوئے تھے جو ہمارے لئے متعین تھی۔" اور عمرو اس جگہ کو امام کے موقف (ٹھہرنے کی جگہ) سے بہت دور بیان کرتے تھے، چنانچہ ابن مربع الانصاری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی بن کر تمہارے پاس آیا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہارے لئے یہ پیغام ہے کہ تم لوگ اپنے مشاعر (یعنی اپنی عبادت کی جگہ) ٹھہرے رہو کیونکہ تم اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث (کی پیروی) پر قائم ہو۔"
(ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: عرب کا دستور تھا کہ ہر قبیلہ عرفات میں اپنے لئے اپنے خاندان والوں کے ساتھ ملکر وقوف کی جگہ متعین کرتے تھے یزید بن شیبان فرماتے ہیں کہ ہمارے خاندان کے ایک شخص عمرو اس جگہ کو حضور اکرم کے موقف سے بہت دور محسوس کرتے تھے اور حضور کے قریب ہونا چاہتے تھے آنحضرت کو اس کا علم ہو گیا تو آپ نے ابن مربع نام کے صحابی کو بھیجا اور اس خاندان کے لوگوں کو یہ پیغام دیا کہ تم جہاں پر آج سے پہلے قیام کرتے تھے اب بھی وہیں پر وقوف کرو عرفات سارا موقف ہے تم تو اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی میراث پر ہو اسی کو سنبھالو اور میرے قریب نہ آو۔[2]
"**مشاعر کم**" اس سے مراد وہی قدیمی موقف ہے۔

حدود حرم میں ہر جگہ قربانی ہو سکتی ہے

﴿٥﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ وَكُلُّ

[1] اخرجہ الترمذی: ۳/۲۳۰ وابوداؤد: ۲/۱۹۶ والنسائی: ۵/۲۵۵ [2] المرقات: ۵/۴۸۷، ۴۸۸

اَلْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيقٌ وَمَنْحَرٌ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "پورا میدانِ عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے، سارا منیٰ قربان گاہ ہے، سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے اور مکہ مکرمہ کا ہر راستہ (اور اس کی ہر گلی) راستہ اور قربانی کی جگہ ہے۔" (ابوداؤد، دارمی)

یوم عرفہ میں حضور نے خطبہ کس طرح دیا لاؤڈ اسپیکر کا ثبوت

﴿۶﴾ وَعَنْ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ عَرَفَةَ عَلَى بَعِيْرٍ قَائِمًا فِي الرِّكَابَيْنِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت خالد بن ہوذہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی کریم ﷺ عرفہ کے دن (میدان عرفات میں) اونٹ کے اوپر دونوں رکابوں پر کھڑے ہوئے لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "علی بعیر قائما" یعنی آنحضرت نے کھڑے اونٹ پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تا کہ دور دور لوگوں تک آواز پہنچ سکے چونکہ مجمع زیادہ تھا اور اس وقت لاؤڈ اسپیکر کا انتظام نہیں تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اپنی طبعی آواز کو بڑھانے کے لئے اس وقت کے سارے مروج طریقے اختیار فرمائے تو پہلے آپ نے اونٹ کو کھڑا کیا پھر اس پر پالان رکھا پھر اس پر خود کھڑے ہو گئے یہ آواز اونچی کرنے کے طریقے تھے بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرم کی آواز جہاں پر ختم ہو جاتی وہاں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے فرمان کو آگے بڑھاتے یہ اس زمانہ میں مکبر الصوت آلہ کے جواز کی طرف اشارہ تھا کہ انسان جس طریقہ سے اپنی آواز کو اونچا کر کے آگے بڑھا سکتا ہو تو اس کو بڑھانا چاہئے آج کل چونکہ الیکٹرانک نظام قائم ہو گیا ہے لہٰذا مکبر الصوت کے ذریعہ سے آواز دور تک پہنچائی جا سکتی ہے یہ جائز ہے البتہ ضرورت کے تحت ہو ضرورت سے زیادہ نہ ہو تا کہ مخلوق خدا کو تکلیف نہ ہو۔[3]

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی میں مکبرین کا مقرر کرنا بھی لاؤڈ اسپیکر کے جائز ہونے کے دلیل ہے کیونکہ مکبرین کے ذریعہ سے امام کی آواز کو لوگوں کے آخر تک پہنچانے کا انتظام خود حضور اکرم ﷺ نے کیا ہے تو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے بھی یہی کچھ ہوتا ہے کہ آواز بلند ہو کر آگے تک پہنچ جاتی ہے۔

تبلیغی حضرات لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کو سنت کے خلاف سمجھتے ہیں اس لئے استعمال نہیں کرتے ہیں یہ لوگ درحقیقت علماء کے فتوے کی تذلیل و توہین کرتے ہیں اور علماء پر اعتماد نہیں کرتے اگر لاؤڈ اسپیکر نا جائز ہے تو پھر لمبے لمبے بیانات اس میں کیوں ہوتے ہیں نیز نماز کے لئے تکبیر اس میں کیوں پڑھتے ہیں اس میں اذان کیوں دیتے ہیں؟

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۰۰ والدارمی: ۱۸۸۶ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۹۶ [3] المرقات: ۵/۴۸۸

یوم عرفہ کی دعا

﴿۷﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى مَالِكٌ عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ إِلَى قَوْلِهِ لَا شَرِيكَ لَهُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب رحمہ اللہ) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے بہتر دعا عرفہ کے دن کی ہے (خواہ وہ میدان عرفات میں مانگی جائے یا کسی بھی جگہ اور ان کلمات میں کہ جو میں نے یا مجھ سے پہلے کے نبیوں نے (بطور دعا) پڑھے ہیں سب سے بہتر یہ کلمات ہیں۔ ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا و تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یوم عرفہ شیطان کی ذلت وخواری کا دن ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ كَرِيزٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا رُؤِيَ الشَّيْطَانُ يَوْماً هُوَ فِيهِ أَصْغَرُ وَلَا أَدْحَرُ وَلَا أَحْقَرُ وَلَا أَغْيَظُ مِنْهُ فِي يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِمَا يَرَى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنِ الذُّنُوبِ الْعِظَامِ إِلَّا مَا رُؤِيَ يَوْمَ بَدْرٍ فَقِيلَ مَا رُؤِيَ يَوْمَ بَدْرٍ قَالَ فَإِنَّهُ قَدْ رَأَى جِبْرِيلَ يَزَعُ الْمَلَائِكَةَ. (رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلاً وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيحِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن کریز کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں شیطان کو اتنا زیادہ ذلیل راندہ اور اتنا زیادہ حقیر پُرغیظ دیکھا گیا ہو جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ہوتا ہے (یعنی یوں تو شیطان ہمیشہ ہی آدمیوں کو نیکیاں کرتا ہوا دیکھ کر پُرغیظ وحقیر ہوتا ہے مگر عرفہ کے دن سب دنوں سے زیادہ پُرغیظ بھی ہوتا ہے اور ذلیل وخوار بھی) اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ (اس دن ہر خاص وعام پر) اللہ کی نازل ہوتی ہوئی رحمت اور اس کی طرف سے بڑے بڑے گناہوں کی معافی دیکھتا ہے، ہاں بدر کے دن بھی شیطان کو ایسا ہی دیکھا گیا تھا (یعنی غزوہ بدر کے دن جب مسلمانوں کو عزت اور اسلام کو شوکت حاصل ہوئی تو اس دن بھی شیطان عرفہ ہی کے دن کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ذلیل (وخوار پُرغیظ تھا) چنانچہ (بدر کے دن) شیطان نے دیکھا تھا کہ حضرت جبرئیل (مشرکین سے لڑنے کے لئے) فرشتوں کی صفوں کو ترتیب دے رہے تھے۔" اس روایت کو امام مالک رحمہ اللہ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے، نیز شرح السنۃ میں یہ روایت مصابیح کے الفاظ کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔

[1] اخرجہ الترمذی: ۵/۵۷۲ [2] اخرجہ مالک: ۱/۴۲۲

توضیح: "**اصغر**" یہ لفظ صغار سے ہے جو ذلت وخواری کے معنی میں ہے۔[1]

"**ادحر**" یہ دحور سے ہے دوری اور بھگانے کے معنی میں ہے طیبی فرماتے ہیں **الدحر الدفع بغضب واھانۃ** "**احقر**" حقارت سے ہے بدحالی کے معنی میں ہے۔[2] "**اغیظ**" **ای اکثر غیظا** شدید غصہ ہونا۔[3]

"**فقیل ماریٰ**" یعنی کس طرح دکھایا گیا؟[4] "**یزع الملائکة**" یعنی فرشتوں کی کمان کررہے تھے اور ان کو روک رہے تھے بدر کے دن شیطان سمندر کی طرف اس وقت بھاگ کھڑا ہوا جب اس نے فرشتوں کو دیکھا وہ بھاگتا رہا یہاں تک کہ سمندر میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا لیکن وہاں بھی نہ ٹھہر سکا بلکہ وہاں سمندر میں غوطہ لگا کر ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا اے اللہ میری موت کا جو وعدہ تو نے کیا تھا اس کو نہ بھولنا۔[5]

یوم عرفہ کی فضیلت

﴿۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ إِنَّ اللهَ يَنْزِلُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُوْلُ انْظُرُوْا إِلَى عِبَادِيْ أَتَوْنِيْ شُعْثاً غُبْراً ضَاجِّيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ أُشْهِدُكُمْ إِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَيَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ يَارَبِّ فُلَانٌ كَانَ يُرْهَقُ وَفُلَانٌ وَفُلَانَةٌ قَالَ يَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ عَتِيْقاً مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[7]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے (یعنی رحمت اور احسان وکرم کے ساتھ قریب ہوتا ہے) اور پھر فرشتوں کے سامنے حاجیوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ذرا میرے بندوں کی طرف تو دیکھو، یہ میرے پاس پراگندہ بال، گردآلود اور لبیک وذکر کے ساتھ) آوازیں بلند کرتے ہوئے دور دور سے آئے ہیں، میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔" (یہ سن کر) فرشتے کہتے ہیں کہ "پروردگار! (ان میں) فلاں شخص وہ بھی ہے جس کی طرف گناہ کی نسبت کی جاتی ہے اور فلاں شخص اور فلاں عورت بھی ہے جو گناہ گار ہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے انہیں بھی بخش دیا۔" پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں یوم عرفہ کے برابر لوگوں کو آگ سے نجات ورستگاری کا پروانہ عطا کیا جاتا ہو" (شرح السنۃ)

توضیح: "**ینزل**" یعنی اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن آسمان دنیا پر آتے ہیں یہ نزول اور یہ الفاظ متشابہات کے قبیل سے ہیں جس میں سلف صالحین اس طرح توجیہ کرتے ہیں "**ای ما یلیق بشانہ**" متاخرین اس میں تاویل کرتے

---

[1] المرقات: ۵/۴۹۱ [2] المرقات: ۵/۴۹۱ والکاشف: ۵/۳۱۸ [3] المرقات: ۵/۴۹۱

[4] المرقات: ۵/۴۹۱ [5] المرقات: ۵/۴۹۱ [6] المرقات: ۵/۴۹۱ [7] اخرجه البغوی فی شرح السنة

ہیں کہ نزول سے رحمت کا نزول مراد ہے۔[۱]

"**یتباھی**" یہ صیغہ مباہات سے ہے فخر کرنے کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے حاجیوں پر فخر کر کے فرماتا ہے کہ تم نے کہا تھا کہ انسان کو پیدا نہ کرو اب دیکھ لو یہ میرے بندے کس حال میں میرے سامنے گڑگڑاتے ہیں۔[۲]

"**شعثا**" **اشعث** کی جمع ہے پراگندہ بال شخص کو کہتے ہیں[۳] "**غبرا**" **اغبر** کی جمع ہے غبار آلود ہونا[۴] "**ضاجین**" **ضج یضج** سے ضاج اسم فاعل کا صیغہ ہے اور ضاجین اس کی جمع ہے تلبیہ اور ذکر اللہ کے ساتھ آواز بلند کر کے چیخنے چلانے کو کہتے ہیں[۵] "**فج عمیق**" دور دراز راستوں کو کہتے ہیں۔[۶]

"**یرھق**" **رھق** سے ڈھانپنے کے معنی میں ہے یہاں معصیت مراد ہے مطلب یہ کہ فلاں مرد اور فلانی عورت اور فلاں آدمی تو گناہ کا ارتکاب کرتے تھے لوگ ان کی طرف گناہ کی نسبت کرتے تھے کہ یہ لوگ گناہ میں ملوث تھے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے ان کو بھی بخش دیا۔[۷]

الفصل الثالث

وقوف عرفات ہی میں کرنا چاہیے

﴿۱۰﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِيْنَهَا يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَكَانُوْا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ فَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُوْنَ بِعَرَفَةَ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ أَمَرَاللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْتِيَ عَرَفَاتٍ فَيَقِفَ بِهَا ثُمَّ يَفِيْضَ مِنْهَا فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ أَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۸]

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ قریش اور وہ لوگ جو قریش کے طریقہ کے پابند تھے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور قریش کو حمس یعنی بہادر وشجاع کہا جاتا تھا! (قریش کے علاوہ) اور تمام اہل عرب میدانِ عرفات میں وقوف کرتے تھے، لیکن جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ میدانِ عرفات میں آئیں، وہاں وقوف کریں اور پھر وہاں سے واپس ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ثم افیضوا من حیث افاض الناس۔ پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوتے ہیں وہیں سے تم بھی واپس ہو، کے یہی معنی ہیں۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "**کان قریش**" قریش حرم شریف کے متولی تھے ان کو عام عرب پر شجاعت وسخاوت میں برتری حاصل

---

[۱] المرقات: ۵/۳۹۲ [۲] المرقات: ۵/۳۹۲ [۳] المرقات: ۵/۳۹۲ [۴] المرقات: ۵/۳۹۲

[۵] المرقات: ۵/۳۹۲ [۶] المرقات: ۵/۳۹۲ [۷] المرقات: ۵/۳۹۲ [۸] اخرجہ البخاری: ۲/۱۹۹ ومسلم: ۱/۵۱۳

تھی لیکن یہ لوگ خود بھی اپنی برتری جتانے کے لئے کچھ امتیازی صورتیں اختیار کرتے تھے اسی میں سے ایک امتیازی صورت تھی کہ یہ لوگ وقوف کے لئے عرفات پر نہیں چڑھتے تھے بلکہ نیچے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بہادر لوگ ہیں ہماری الگ شان ہے ہم کو امتیازی مقام حاصل ہے ہم حرم شریف کے کبوتر ہیں جو کبھی ارض حرم سے باہر نہیں جاتے، چونکہ مزدلفہ ارض حرم میں ہے اور عرفات حرم سے باہر ہے تو یہ لوگ مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور عام عرب اوپر عرفات پر چڑھتے تھے قریش کو باقی عرب حمس کے نام سے یاد کرتے تھے یعنی بہادر سردرار، جب اسلام آیا تو اس نے انسانی مساوات قائم کی اور قریش کو حکم دیا کہ اوپر چڑھ کر وقوف کرو اور پھر عام لوگوں کے ساتھ مزدلفہ اتر آیا کرو قرآن کی آیت کا یہی مطلب ہے۔[1]

مزدلفہ میں حضور اکرم ﷺ کی دعا کی قبولیت پر ابلیس کی پریشانی

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَبَّاسِ بْنِ مِرْدَاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لِأُمَّتِهٖ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِالْمَغْفِرَةِ فَأُجِيْبَ إِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ مَاخَلاَ الْمَظَالِمَ فَإِنِّيْ آخُذُ لِلْمَظْلُوْمِ مِنْهُ قَالَ أَيْ رَبِّ إِنْ شِئْتَ أَعْطَيْتَ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَغَفَرْتَ لِلظَّالِمِ فَلَمْ يُجَبْ عَشِيَّتَهٗ فَلَمَّا أَصْبَحَ بِالْمُزْدَلِفَةِ أَعَادَ الدُّعَاءَ فَأُجِيْبَ إِلٰى مَاسَأَلَ قَالَ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ تَبَسَّمَ فَقَالَ لَهٗ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ إِنَّ هٰذِهٖ لَسَاعَةٌ مَا كُنْتَ تَضْحَكُ فِيْهَا فَمَا الَّذِيْ أَضْحَكَكَ أَضْحَكَ اللهُ سِنَّكَ قَالَ إِنَّ عَدُوَّاللهِ إِبْلِيْسَ لَمَّا عَلِمَ أَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ قَدِ اسْتَجَابَ دُعَائِيْ وَغَفَرَ لِأُمَّتِيْ أَخَذَ التُّرَابَ فَجَعَلَ يَحْثُوْهُ عَلٰى رَأْسِهٖ وَيَدْعُوْ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ فَأَضْحَكَنِيْ مَارَأَيْتُ مِنْ جَزْعِهٖ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ نَحْوَهٗ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عرفہ کی شام کو اپنی امت کے لئے بخشش کی دعا مانگی، جو قبول کی گئی اور (حق تعالیٰ نے فرمایا کہ) میں نے آپ ﷺ کی امت کو بخش دیا۔ علاوہ بندوں کے حقوق کے کہ میں ظالم سے مظلوم کا حق لوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے عرض کیا کہ ''میرے پروردگار! اگر تو چاہے تو مظلوم کو (اس حق کے بدلہ میں کہ جو ظالم نے کیا ہے) جنت کی نعمتیں عطا فرما دے اور ظالم کو بھی بخش دے۔'' مگر عرفہ کی شام کو یہ دعا قبول نہیں کی گئی، جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے پھر وہی دعا کی اور آپ ﷺ نے جو چیز مانگی وہ عطا فرمادی گئی۔'' راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہنسے یا راوی نے کہا کہ آپ مسکرائے، (یہ دیکھ کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''میرا والد! اور میری ماں آپ ﷺ

[1] المرقات: ۵/۴۹۳ [2] اخرجه ابن ماجه: ۲/۱۰۰۲

پرقربان، یہ ایسا وقت ہے جس میں آپ ﷺ ہنستے نہیں تھے (یعنی یہ وقت ہنسنے کا تو نہیں ہے) پھر کس چیز نے آپ کو ہنسایا، اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کے دانتوں کو ہنستا رکھے (یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "دشمنِ خدا ابلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ بزرگ وبرتر نے میری دعا قبول کر لی ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے تو اس نے مٹی لی اور اسے اپنے سر پر ڈالنے لگا اور واویلا کرنے اور چیخنے چلانے لگا چنانچہ اس کی بدحواسی اور اضطراب نے مجھے ہنسنے پر مجبور کر دیا۔" (ابن ماجہ، بیہقی)

توضیح: "دعا لامته" امت سے مراد حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حج میں شریک صحابہ کرام ہیں مطلق امت مراد نہیں لہٰذا یہ فضیلت صرف ان صحابہ کرام تک محدود ہے جو حجۃ الوداع میں موجود تھے۔ دوسری توجیہہ یہ ہے کہ یہ فضیلت ان حاجیوں کو حاصل ہوتی ہے جن کا حج قبول ہو گیا ہو۔ تیسری توجیہہ یہ ہے کہ حدیث کا مفہوم اس ظالم کے بارے میں ہے جس نے ظلم سے توبہ کی ہو اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کر رہا ہو لیکن دوسرے کے حق کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا ہو گویا مجبور ہے اس لئے معذور ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کلام کیا ہے۔[1]

الله اکبر ما افاض المشعر وبه تزاحمت تستغفر

[1] المرقات: ۵/۳۹۴

باب الدفع من عرفة والمزدلفة

عرفات اور مزدلفہ سے واپسی کا بیان

الفصل الاول

سید الکونین ﷺ کی منیٰ کی طرف واپسی

﴿۱﴾ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سُئِلَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيْرُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ حِيْنَ دَفَعَ قَالَ كَانَ يَسِيْرُ الْعَنَقَ فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات سے واپسی میں آنحضرت ﷺ کی رفتار کیا تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی رفتار تیز تھی اور جہاں کہیں کشادہ راستہ ملتا (اپنی سواری) دوڑاتے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "العنق" تیز تیز دوڑنے اور چلنے کو عنق کہتے ہیں[2] "فجوة" خالی اور کھلی جگہ کو فجوۃ کہتے ہیں اصل میں دو چیزوں کے درمیان خلا کو فجوہ کہتے ہیں[3] "نص" تیز دوڑنے کو نص کہتے ہیں۔[4]

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهُ زَجْرًا شَدِيْدًا وَضَرْبًا لِلْإِبِلِ فَأَشَارَ بِسَوْطِهِ إِلَيْهِمْ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِيْنَةِ فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْإِيْضَاعِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ عرفہ کے دن (عرفات سے منیٰ کی طرف) واپسی میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے چنانچہ (ان کا بیان ہے کہ راستہ میں) آنحضرت ﷺ نے اپنے پیچھے (بلند آوازوں کے ساتھ جانوروں کو ہانکنے اور اونٹوں کو مارنے کا) شوروشغب سنا تو آپ ﷺ نے اپنے کوڑے سے لوگوں کی طرف اشارہ کیا (تا کہ لوگ متوجہ ہوجائیں اور آپ ﷺ کی بات سنیں) اور فرمایا "لوگو! آرام واطمینان کے ساتھ چلنا تمہارے لئے ضروری ہے کیونکہ دوڑانا کوئی نیکی نہیں ہے۔" (بخاری)

---

[1] اخرجه البخاری: ۲/۲۰۰ ومسلم: ۱/۵۳۹ [2] المرقات: ۵/۴۹۸

[3] المرقات: ۵/۴۹۸ [4] المرقات: ۵/۴۹۸ [5] اخرجه البخاری: ۲/۲۰۱

توضیح: "الایضاع" سرعت سیر اور اونٹوں کے ہنکانے کو ایضاع کہتے ہیں یعنی نیکی اونٹوں کو دوڑانے سے حاصل نہیں ہوتی ہے بلکہ نیکی کرنے اور برائی سے بچنے سے نیکی ملتی ہے لہٰذا نیکیاں کرو اونٹوں کو نہ دوڑاؤ یہاں یہ سوال ہے کہ حدیث سابق میں تیز چلنے کا ذکر ہے اس کو مطلوب ومحبوب قرار دیا گیا ہے یہاں اس کی نفی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس دوڑنے میں مخلوق خدا کی ایذا اور تکلیف ہو وہ مکروہات میں سے ہے ورنہ "**فاستبقوا الخیرات**" میں نیکی کی طرف جلدی بڑھنے کو ممدوح قرار دیا گیا ہے تو دونوں روایات میں تضاد نہیں ہے۔[1]

﴿۳﴾ وَعَنْهُ أَنَّ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ كَانَ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ إِلَى الْمُزْدَلِفَةِ ثُمَّ أَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ إِلَى مِنًى فَكِلَاهُمَا قَالَ لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّي حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عرفات سے مزدلفہ تک تو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ سے منیٰ تک فضل رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا تھا، اور ان دونوں کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم برابر لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۂ عقبہ پر کنکری ماری (یعنی قربانی کے دن جب جمرۂ عقبہ پر پہلی ہی کنکری ماری تو تلبیہ موقوف کر دیا)۔ (بخاری ومسلم)

مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بِإِقَامَةٍ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا عَلٰى إِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کیا (یعنی عشاء کے وقت دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھا) اور ان میں سے ہر ایک کے لئے تکبیر کہی گئی (یعنی مغرب کے لئے علیحدہ تکبیر ہوئی اور عشاء کے لئے علیحدہ) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ان دونوں کے درمیان نفل نماز پڑھی اور نہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے بعد۔"
(بخاری)

توضیح: مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین عشاء کے وقت ہوتا ہے مغرب کی نماز مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی ہے جس کو جمع تاخیری کہتے ہیں عرفات میں جمع بین الصلوتین ظہر کے وقت ہوتا ہے عصر کی نماز پہلے پڑھی جاتی ہے اس کو جمع تقدیم کہتے ہیں۔[4]

"**بجمع**" یہ مزدلفہ کا نام ہے۔

[1] المرقات: ۵/۳۹۸ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۶۹ ومسلم [3] اخرجه البخاری: [4] المرقات: ۵/۳۹۹

"باقامة" اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو عشاء کے وقت جمع کرنا جائز اور مامور بھی ہے اختلاف اس میں ہے کہ دونوں نمازوں کے لئے ایک اقامت ہوگی یا دو اقامتیں ہونگی۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ دو اذان اور دو اقامتیں ہونی چاہئے امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ، ابوحنیفہ رحمہ اللہ و احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کیا جائے گا احناف سے ایک قول اس طرح منقول ہے کہ اگر دونوں فرائض کے درمیان سلام کے علاوہ کوئی فاصلہ نہ ہو تو دوسری نماز کے لئے نہ اذان کی ضرورت ہے نہ اقامت کی ضرورت ہے[1] "لم یسبح بینهما" اس سے نوافل نہ پڑھنا مراد ہے۔[2]

جمع بین الصلوتین سے جمع صوری مراد ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلَاةً إِلاَّ لِمِيْقَاتِهَا إِلاَّ صَلَاتَيْنِ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز اپنے وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں پڑھی ہو سوائے دو نمازوں کے کہ وہ مغرب و عشاء کی ہیں جو مزدلفہ میں پڑھی گئی تھیں (یعنی مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت پڑھی) اور اس دن (یعنی مزدلفہ میں قربانی کے دن) فجر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت سے پہلے پڑھی تھی۔" (بخاری و مسلم)

توضیح: "الا لمیقاتها" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کوئی نماز اس کے علاوہ دوسرے وقت میں نہیں پڑھی صرف مزدلفہ میں عشا اور مغرب کو عشاء کے وقت پڑھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع بین الصلوتین کی جو احادیث منقول ہیں وہ جمع صوری پر محمول ہیں جمع حقیقی صرف مزدلفہ اور عرفات میں ہوا ہے اور یہی ائمہ احناف کا مسلک ہے۔[4]

"وصلی الفجر الخ" یعنی فجر کی نماز بھی آنحضرت نے وقت کے اندر لیکن اسفار سے پہلے پڑھائی اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز اسفار کے وقت پڑھاتے تھے صرف مزدلفہ میں فجر کی نماز اسفار کے بجائے غلس میں پڑھائی اس جملہ سے بھی ائمہ احناف کی تائید ہوتی ہے جو اسفار فی الفجر کے قائل ہیں۔[5]

مزدلفہ سے عورتوں اور بچوں کے فجر سے پہلے روانہ کرنا جائز ہے

﴿۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِيْ

[1] البنایة: ۴/۱۱۵ [2] المرقات: ۵/۴۹۹ [3] اخرجه البخاری: ۲/۲۰۳ و مسلم: ۱/۵۴۰ [4] المرقات: ۵/۵۰۰ [5] المرقات: ۵/۵۰۰

ضَعَفَةِ أَهْلِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل وعیال کے کمزور وضعیف لوگوں کے جس زمرے کو مزدلفہ کی رات میں پہلے ہی بھیج دیا تھا اس میں میں بھی شامل تھا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "ضعفه اهله" یعنی حضور ﷺ نے ضعیفوں، عورتوں اور بچوں کو مزدلفہ سے رات کے وقت منیٰ کی طرف روانہ فرمایا کیونکہ صبح کے بعد راستوں میں انتشار ہوجاتا ہے کہ لوگ کچلے جاتے ہیں اس حدیث پر آج بھی عمل ہوتا ہے اور ہونا چاہئے لیکن یہ سہولت صرف راستے کی حد تک ہے جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے کی سہولت نہیں کیونکہ طلوع آفتاب سے پہلے رمی جمرہ جائز نہیں احناف کا یہی مسلک ہے اور حدیث مذکور کے بعض طرق میں جمرہ عقبہ مارنے کی ممانعت موجود ہے شوافع اور حنابلہ حضرات فرماتے ہیں کہ نصف شب کے بعد جمرہ عقبہ کا مارنا جائز ہے۔[2]

جمرات کے مارنے کے لئے کنکریاں کہاں سے اٹھائیں

﴿۷﴾ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَكَانَ رَدِيفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي عَشِيَّةِ عَرَفَةَ وَغَدَاةِ جَمْعٍ لِلنَّاسِ حِينَ دَفَعُوا عَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَهُوَ كَافٌّ نَاقَتَهُ حَتّٰى دَخَلَ مُحَسِّرًا وَهُوَ مِنْ مِنًى قَالَ عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ الَّذِي يُرْمٰى بِهِ الْجَمْرَةُ وَقَالَ لَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّي حَتّٰى رَمَى الْجَمْرَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو (مزدلفہ سے منیٰ آتے ہوئے) نبی کریم ﷺ کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، بیان کیا کہ "جب عرفہ کی شام کو (عرفات سے مزدلفہ آتے ہوئے) اور مزدلفہ کی صبح کو (مزدلفہ سے منیٰ جاتے ہوئے) لوگوں نے سواریوں کو تیزی سے ہانکنا اور مارنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "اطمینان وآہستگی کے ساتھ چلنا تمہارے لئے ضروری ہے۔" اور اس وقت خود آنحضرت ﷺ اپنی اونٹنی کو روکے ہوئے بڑھا رہے تھے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ وادی محسّر میں جو منیٰ (کے قریب مزدلفہ کے آخری حصہ) میں ہے پہنچے تو فرمایا کہ "تمہیں (اس میدان سے) خذف کی مانند کنکریاں اٹھالینی چاہئیں جو جمرہ (یعنی مناروں) پر ماری جائیں گی۔" اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رمی جمرہ تک برابر لبیک کہتے رہے تھے (یعنی جب جمرۂ عقبہ پر پہلی کنکری ماری تو لبیک کہنا موقوف کردیا)۔ (مسلم)

توضیح: "کاف" یعنی حضور اکرم ﷺ اپنی اونٹنی کو روکے ہوئے تھے[4] "محسرا" وادی محسر مزدلفہ اور منیٰ کے ایسے بیچ میں واقع ہے کہ نہ پوری منیٰ میں ہے اور نہ پورے مزدلفہ میں ہے زیادہ حصہ منیٰ کے ساتھ لگا ہے اسی مقام میں

[1] اخرجه البخاري: ومسلم: ۱/۵۴۱ [2] المرقات: ۵/۵۰۰ [3] اخرجه مسلم: ۱/۵۳۶ [4] المرقات: ۵/۵۰۱

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جعرانہ سے (کہ جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) عمرہ کیا، چنانچہ سب نے خانۂ کعبہ کے طواف کے (پہلے) تین پھیروں میں رمل کیا نیز انہوں نے (طواف میں) اپنی چادروں کو (دائیں) بغل کے نیچے سے نکال کر اپنے بائیں کاندھوں پر ڈال لیا تھا۔" (ابوداؤد)

الفصل الثالث

﴿۲۶﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَا تَرَكْنَا اِسْتِلَامَ هٰذَيْنِ الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيِّ وَالْحَجَرِ فِيْ شِدَّةٍ وَلَا رَخَاءٍ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهُمَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ نَافِعٌ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَسْتَلِمُ الْحَجَرَ بِيَدِهٖ ثُمَّ قَبَّلَ يَدَهٗ وَقَالَ مَا تَرَكْتُهٗ مُنْذُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهٗ۔ [1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے رسول کریم ﷺ کو دونوں رکن کا استلام کرتے دیکھا ہے ہم نے ان دونوں رکن یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کا استلام نہ کبھی بھیڑ میں چھوڑا ہے اور نہ چھیڑ میں (یعنی کسی حال میں بھی ہم نے اس سعادت کو ترک نہیں کیا ہے۔) (بخاری ومسلم)

عذر کی وجہ سے سوار ہو کر طواف کرنا جائز ہے

﴿۲۷﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنِّيْ أَشْتَكِيْ فَقَالَ طُوْفِيْ مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ اِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَسْطُوْرٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے (حج کے دنوں میں) رسول کریم ﷺ سے شکایت کی (کہ میں بیمار ہوں جس کی وجہ سے پیادہ پا طواف نہیں کر سکتی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم لوگوں سے ایک طرف ہو کر سواری پر طواف کر لو۔ چنانچہ میں نے اسی طرح طواف کیا، اور (میں نے اس دوران دیکھا کہ) رسول کریم ﷺ بیت اللہ کے پہلو میں (یعنی خانۂ کعبہ کی دیوار سے متصل) نماز پڑھ رہے تھے اور نماز میں والطور وکتاب مسطور کی قرأت فرما رہے تھے۔" (بخاری ومسلم)

حجر اسود سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خطاب

﴿۲۸﴾ وَعَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَأَعْلَمُ اِنَّكَ حَجَرٌ مَا تَنْفَعُ

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۸۵ ومسلم: ۱/۵۳۲ [2] اخرجه البخاري: ۱/۱۲۵ ومسلم: ۱/۵۳۳

وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا أَنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عابس ابن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور (اس کے سامنے) یہ فرماتے تھے کہ اس میں کوئی شک نہیں، میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں کبھی بھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "ماتنفع ولاتضر" یعنی تو ایک پتھر ہے نفع نقصان تیرے ہاتھ میں نہیں ہے ہاں حضور اکرم کی تعلیمات کے پیش نظر تیرا بوسہ لینا ثواب کا کام ہے۔ حضرت عمر پر اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے انہوں نے اہل باطل مشرکین اور ہندوؤں پر واضح کر دیا کہ مسلمان جو اس پتھر کو چومتے ہیں یہ پتھر کی پوجا پاٹ نہیں ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واطاعت کی وجہ سے مسلمان اس کو چھومتے ہیں آج کل اکثر کفار ومشرکین ہندو وغیرہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان بھی پتھروں کی پوجا کرتے ہیں حالانکہ ان کفار کو معلوم نہیں کہ کوئی بھی مسلمان بیت اللہ کے لئے سجدہ نہیں کرتا بیت اللہ تو ایک جہت ہے اصل سجدہ وعبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اسی طرح حجر اسود کوئی واجب الاطاعت پتھر نہیں ہے نہ اس کا کوئی مسلمان عبادت کرتا ہے اس کا چومنا حضور اکرم کی سنت پر عمل کرنے کے لئے ہے جس پر ثواب ملتا ہے ایک روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا اے حجر اسود تو پتھر ہے نفع نقصان کا مالک نہیں اگر مجھے میرے رب کا حکم نہ ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا۔ (ابن ابی شیبہ)

مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر کے اس کلام کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں ہاں یہ پتھر نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے چومنے سے ثواب ملتا ہے جو نفع ہے اور اس کی توہین سے ایمان جاتا ہے جو نقصان ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حجر اسود زمین میں اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ ہے۔[۲]

﴿۲۹﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وُكِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَكًا يَعْنِي الرُّكْنَ الْيَمَانِيَ فَمَنْ قَالَ أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ قَالُوْا آمِيْنَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہاں یعنی رکن یمانی پر ستر فرشتے متعین ہیں، چنانچہ جو شخص (وہاں) یہ دعا پڑھتا ہے، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ دعا یہ ہے۔ ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے گناہوں کی معافی اور دنیا وآخرت میں عافیت مانگتا ہوں، اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (ابن ماجہ)

---

[۱] اخرجه البخاري: ۲/۱۸۳ ومسلم: ۱/۵۳۳ [۲] المرقات: ۵/۴۷۸-۷ [۳] اخرجه ابن ماجه: ۲/۹۸۵

طواف کے دوران تسبیحات کا بڑا ثواب ہے

﴿۳۰﴾ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعاً وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا بِسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ مُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَكُتِبَ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَرُفِعَ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَمَنْ طَافَ فَتَكَلَّمَ وَهُوَ فِي تِلْكَ الْحَالِ خَاضَ فِي الرَّحْمَةِ بِرِجْلَيْهِ كَخَائِضِ الْمَاءِ بِرِجْلِهِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرے اور (طواف کے دوران) سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ کے علاوہ اور کوئی کلام نہ کہے تو اس کے دس گناہ محو کردیئے جاتے ہیں۔ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند کردیئے جاتے ہیں اور جو شخص طواف کرے اور اس (طواف کرنے کی) حالت میں کلام کرے تو وہ اپنے دونوں پاؤں کے ساتھ دریائے رحمت میں اسی طرح داخل ہوتا ہے جس طرح کوئی اپنے پاؤں کے ساتھ پانی میں داخل ہوتا ہے۔'' (ابن ماجہ)

توضیح: ''**کخائض الماء**'' یعنی جو شخص طواف کے دوران کوئی دنیوی کلام نہ کرے بلکہ صرف تسبیحات پڑھے اور طواف کرے اس کو تو بڑے درجے ملیں گے لیکن جو شخص طواف کے دوران تسبیحات بھی پڑھے اور کچھ مزید نیک کلام بھی کرے تو اس نے گویا رحمت کے حوض میں پاؤں داخل کئے اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسرا درجہ اول درجے سے بڑھ کر ہے ملا علی قاری وغیرہ اسی طرف گئے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ''**ومن طاف فتکلم** سے آخر تک جو کلام نقل کیا گیا ہے یہ وہی پہلا کلام مکرر لایا گیا ہے اور تکلم سے وہی تسبیحات مراد ہیں ہاں اس تکرار میں یہ فائدہ ہے کہ اس سے ایک معقول چیز کو محسوس ومشاہد بنا کر پیش کیا گیا ہے۔

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ **ومن طاف فتکلم** سے مباح کلام مراد ہے اور یہ درجہ پہلے درجہ کی بنسبت کم ہے پہلے کلام میں تو بڑے بڑے درجات کا ذکر کیا گیا اور گناہ معاف کردئے گئے لیکن اس دوسرے مرحلہ میں صرف اتنا بتایا گیا کہ اس شخص کے پاؤں رحمت کے سمندر میں ہیں کیونکہ یہ طواف میں ہے لیکن باتیں کررہا ہے اس لئے اس کا درجہ گرگیا یہ توجیہ دل کو زیادہ لگتی ہے اگرچہ ملا قاری رحمۃ اللہ علیہ اس سے خوش نہیں ہیں۔

میں نے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقات میں جو دیکھا تو مجھے اندازہ ہوگیا کہ عموماً ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی کسی توجیہ کو صحیح ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں انہوں نے اپنی شرح میں سب سے زیادہ گرفت ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر کی ہے۔[2]

[1] اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۹۸۵ [2] المرقات: ۵/۴۸۳

باب الوقوف بعرفة

وقوف عرفات کا بیان

مکہ مکرمہ سے قریباً ۱۵ میل یعنی ۲۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک بہت بڑے میدان کا نام عرفات ہے اس کے بیچ میں ایک بلند ٹیلہ ہے جس کو جبل رحمت کہتے ہیں لفظِ عرفہ جگہ اور دن دونوں پر بولا جاتا ہے لیکن لفظِ عرفات صرف جگہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

وجہ تسمیہ:

کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا جب جنت سے نکالے گئے تو دونوں ایک بڑے عرصے تک الگ الگ تھے حضرت آدم ہندوستان کے سراندیب علاقہ میں اتارے گئے اور حضرت حوا حجاز مقدس میں اتاری گئیں پھر کافی عرصہ بعد دونوں کا تعارف اسی پہاڑی پر ہوا تو اس کا نام عرفہ پڑ گیا۔

دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ حضرت جبرئیل اسی مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احکام سمجھاتے تھے اور پھر پوچھتے تھے "عرفت" تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے "عرفت" اس وجہ سے اس جگہ کا نام عرفہ رکھا گیا۔ بہرحال وقوف عرفہ حج کے بنیادی ارکان میں سے احرام کے بعد دوسرا رکن ہے یہ اگر فوت ہو گیا تو حاجی کا حج ختم ہو گیا یہ وقوف ۹ ذوالحجہ کے دن اور آنے والی رات کے کسی حصہ میں ہو جائے تو حج صحیح ہو جائے گا۔[1]

الفصل الاول

عرفہ کے دن تلبیہ ہی پڑھنا زیادہ افضل ہے

﴿۱﴾ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُ سَأَلَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ وَهُمَا غَادِيَانِ مِنْ مِنًى إِلَى عَرَفَةَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ فِي هٰذَا الْيَوْمِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُهِلُّ مِنَّا الْمُهِلُّ فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ وَيُكَبِّرُ الْمُكَبِّرُ مِنَّا فَلَا يُنْكَرُ عَلَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: حضرت محمد بن ابوبکر ثقفی رحمہ اللہ (تابعی) کے بارہ میں منقول ہے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا جبکہ وہ دونوں صبح کے وقت منیٰ سے عرفات جا رہے تھے، کہ آپ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس (عرفہ کے) دن کیا کرتے تھے؟ تو

[1] المرقات: ۵/۴۸۴ [2] اخرجه البخاری: ۲/۲۵ ومسلم: ۱/۵۳۷

انہوں نے فرمایا کہ "ہم میں سے لبیک کہنے والا لبیک کہا کرتا تھا اور اس کو اس سے منع نہیں کیا جاتا تھا اور تکبیر کہنے والا تکبیر کہا کرتا تھا اور اس کو اس سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔" (بخاری ومسلم)

منیٰ میں قربانی اور عرفات ومزدلفہ میں وقوف کی جگہ

﴿۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوْا فِيْ رِحَالِكُمْ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں نے تو اس جگہ قربانی کی ہے ویسے منیٰ میں ہر جگہ قربان گاہ ہے لہٰذا تم اپنے ڈیروں میں قربانی کرو اور میں نے تو اس جگہ وقوف کیا ہے ویسے عرفات میں ہر جگہ موقف ہے اور میں نے تو اس جگہ وقوف کیا ہے ویسے مزدلفہ کی ہر جگہ موقف ہے۔" (مسلم)

توضیح: چونکہ حضور اکرم ﷺ نے عرفات اور مزدلفہ میں ایک ایک جگہ میں وقوف فرمایا تھا تو گمان ہوسکتا تھا کہ وقوف اسی جگہ ہونا چاہئے جہاں حضور اکرم ﷺ نے کیا ہے اس سے امت کے لئے بڑا حرج پیدا ہوسکتا تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جہاں بھی وقوف کیا سو کیا لیکن عرفات پورے کا پورا وقوف کی جگہ ہے ہاں بطن عرنہ میں وقوف سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے اسی طرح مزدلفہ سارے کا سارا وقوف کی جگہ ہے ہاں وادی محسر میں وقوف کرنا منع ہے اسی طرح منیٰ سارے کا سارا قربان گاہ ہے اگرچہ حضور اکرم ﷺ نے کسی خاص جگہ قربانی فرمائی تھی۔
مزدلفہ کا ایک نام "جمع" بھی ہے جس کا تذکرہ احادیث میں ہوا ہے۔

عرفہ کے دن کی فضیلت

﴿۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَإِنَّهُ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُوْلُ مَا أَرَادَ هٰؤُلَاءِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ بندہ کو عرفہ کے دن سے زیادہ آگ سے آزاد کرتا ہو (یعنی اس عرفہ کے دن عرفات میں اللہ تعالیٰ سب دنوں سے زیادہ بندوں کو آگ سے نجات اور رستگاری کا پروانہ عطا فرماتا ہے) اور بلاشبہ (اس دن) اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت ومغفرت کے ساتھ) بندوں کے قریب ہوتا ہے پھر فرشتوں کے سامنے حج کرنے والوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ (یہ جو کچھ بھی چاہتے ہیں) میں انہیں وہ دوں گا۔" (مسلم)

[1] اخرجه مسلم: [2] اخرجه مسلم: ۱/۵۶۶

الفصل الثانی

امام کے موقف سے دور موقف میں مضائقہ نہیں

﴿۴﴾ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ صَفْوَانٍ عَنْ خَالٍ لَهُ يُقَالُ لَهُ يَزِيْدُ ابْنُ شَيْبَانَ قَالَ كُنَّا فِيْ مَوْقِفٍ لَنَا بِعَرَفَةَ يُبَاعِدُهُ عَمْرٌو مِنْ مَوْقِفِ الْإِمَامِ جِداً فَأَتَانَا ابْنُ مِرْبَعٍ الْأَنْصَارِيُّ فَقَالَ إِنِّيْ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُمْ يَقُوْلُ لَكُمْ قِفُوْا عَلٰى مَشَاعِرِكُمْ فَإِنَّكُمْ عَلٰى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: حضرت عمرو ابن عبداللہ ابن صفوان رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) اپنے ماموں سے کہ جن کا نام یزید ابن شیبان تھا، نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ''ہم میدان عرفات میں اس جگہ پر ٹھہرے ہوئے تھے جو ہمارے لئے متعین تھی۔'' اور عمرو اس جگہ کو امام کے موقف (ٹھہرنے کی جگہ) سے بہت دور بیان کرتے تھے، چنانچہ ابن مربع الانصاری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی بن کر تمہارے پاس آیا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہارے لئے یہ پیغام ہے کہ تم لوگ اپنے مشاعر (یعنی اپنی عبادت کی جگہ) ٹھہرے رہو کیونکہ تم اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی میراث (کی پیروی) پر قائم ہو۔''

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: عرب کا دستور تھا کہ ہر قبیلہ عرفات میں اپنے لئے اپنے خاندان والوں کے ساتھ ملکر وقوف کی جگہ متعین کرتے تھے یزید بن شیبان فرماتے ہیں کہ ہمارے خاندان کے ایک شخص عمرو اس جگہ کو حضور اکرم کے موقف سے بہت دور محسوس کرتے تھے اور حضور کے قریب ہونا چاہتے تھے آنحضرت کو اس کا علم ہوگیا تو آپ نے ابن مربع نام کے صحابی کو بھیجا اور اس خاندان کے لوگوں کو یہ پیغام دیا کہ تم جہاں پر آج سے پہلے قیام کرتے تھے اب بھی وہیں پر وقوف کرو عرفات سارا موقف ہے تم تو اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام کی میراث پر ہو اسی کو سنبھالو اور میرے قریب نہ آؤ۔[2]

''مشاعر کم'' اس سے مراد وہی قدیمی موقف ہے۔

حدود حرم میں ہر جگہ قربانی ہوسکتی ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ وَكُلُّ مِنًى مَنْحَرٌ وَكُلُّ

---

[1] اخرجه الترمذی: ۳/۲۳۰ وابوداؤد: ۲/۱۹۶ والنسائی: ۵/۲۵۵ [2] المرقات: ۵/۴۸۷،۴۸۸

اَلْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَمَنْحَرٌ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''پورا میدانِ عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے، سارا منیٰ قربان گاہ ہے، سارا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے اور مکہ مکرمہ کا ہر راستہ (اور اس کی ہر گلی) راستہ اور قربانی کی جگہ ہے۔'' (ابوداؤد، دارمی)

یوم عرفہ میں حضور نے خطبہ کس طرح دیا لاؤڈ اسپیکر کا ثبوت

﴿۶﴾ وَعَنْ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ عَرَفَةَ عَلٰى بَعِيْرٍ قَائِمًا فِي الرِّكَابَيْنِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت خالد بن ہوذہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی کریم ﷺ عرفہ کے دن (میدان عرفات میں) اونٹ کے اوپر دونوں رکابوں پر کھڑے ہوئے لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ (ابوداؤد)

توضیح: ''علی بعیر قائما'' یعنی آنحضرت نے کھڑے اونٹ پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا تا کہ دور دور لوگوں تک آواز پہنچ سکے چونکہ مجمع زیادہ تھا اور اس وقت لاؤڈ اسپیکر کا انتظام نہیں تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اپنی طبعی آواز کو بڑھانے کے لئے اس وقت کے سارے مروج طریقے اختیار فرمائے تو پہلے آپ نے اونٹ کو کھڑا کیا پھر اس پر پالان رکھا پھر اس پر خود کھڑے ہو گئے یہ آواز اونچی کرنے کے طریقے تھے بعض روایات میں ہے کہ حضور اکرم کی آواز جہاں پر ختم ہوجاتی وہاں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے فرمان کو آگے بڑھاتے یہ اس زمانہ میں مکبر الصوت آلہ کے جواز کی طرف اشارہ تھا کہ انسان جس طریقہ سے اپنی آواز کو اونچا کر کے آگے بڑھا سکتا ہو تو اس کو بڑھانا چاہئے آج کل چونکہ الیکٹرانک نظام قائم ہو گیا ہے لہٰذا مکبر الصوت کے ذریعہ سے آواز دور تک پہنچائی جاسکتی ہے یہ جائز ہے البتہ ضرورت کے تحت ہو ضرورت سے زیادہ نہ ہو تا کہ مخلوق خدا کو تکلیف نہ ہو۔[3]

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی میں مکبرین کا مقرر کرنا بھی لاؤڈ اسپیکر کے جائز ہونے کے دلیل ہے کیونکہ مکبرین کے ذریعہ سے امام کی آواز کو لوگوں کے آخر تک پہنچانے کا انتظام خود حضور اکرم ﷺ نے کیا ہے تو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے بھی یہی کچھ ہوتا ہے کہ آواز بلند ہو کر آگے تک پہنچ جاتی ہے۔

تبلیغی حضرات لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کو سنت کے خلاف سمجھتے ہیں اس لئے استعمال نہیں کرتے ہیں یہ لوگ درحقیقت علماء کے فتوے کی تذلیل وتوہین کرتے ہیں اور علماء پر اعتماد نہیں کرتے اگر لاؤڈ اسپیکر ناجائز ہے تو پھر لمبے لمبے بیانات اس میں کیوں ہوتے ہیں نیز نماز کے لئے تکبیر اس میں کیوں پڑھتے ہیں اس میں اذاں کیوں دیتے ہیں؟

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۰۰ والدارمی: ۱۸۸۶ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۹۶ [3] المرقات: ۵/۳۸۸

یوم عرفہ کی دعا

﴿۷﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ قَبْلِيْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ إِلٰى قَوْلِهٖ لَا شَرِيْكَ لَهٗ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب رحمہ اللہ) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''سب سے بہتر دعا عرفہ کے دن کی ہے (خواہ وہ میدان عرفات میں مانگی جائے یا کسی بھی جگہ اور ان کلمات میں کہ جو میں نے یا مجھ سے پہلے کے نبیوں نے (بطور دعا) پڑھے ہیں سب سے بہتر یہ کلمات ہیں۔ ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا و تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہت ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یوم عرفہ شیطان کی ذلت وخواری کا دن ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ كَرِيْزٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا رُؤِيَ الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ أَصْغَرُ وَلَا أَدْحَرُ وَلَا أَحْقَرُ وَلَا أَغْيَظُ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَا ذَاكَ إِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ إِلَّا مَا رُؤِيَ يَوْمَ بَدْرٍ فَقِيْلَ مَا رُؤِيَ يَوْمَ بَدْرٍ قَالَ فَإِنَّهٗ قَدْ رَأٰى جِبْرِيْلَ يَزَعُ الْمَلَائِكَةَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ بن کریز کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں شیطان کو اتنا زیادہ ذلیل راندہ اور اتنا زیادہ حقیر پُرغیظ دیکھا گیا ہو جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ہوتا ہے (یعنی یوں تو شیطان ہمیشہ ہی آدمیوں کو نیکیاں کرتا ہوا دیکھ کر پُرغیظ وحقیر ہوتا ہے مگر عرفہ کے دن سب دنوں سے زیادہ پُرغیظ بھی ہوتا ہے اور ذلیل وخوار بھی) اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ (اس دن ہر خاص وعام پر) اللہ کی نازل ہوتی ہوئی رحمت اور اس کی طرف سے بڑے بڑے گناہوں کی معافی دیکھتا ہے، ہاں بدر کے دن بھی شیطان کو ایسا ہی دیکھا گیا تھا (یعنی غزوہ بدر کے دن جب مسلمانوں کو عزت اور اسلام کو شوکت حاصل ہوئی تو اس دن بھی شیطان عرفہ ہی کے دن کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ذلیل وخوار پُرغیظ تھا) چنانچہ (بدر کے دن) شیطان نے دیکھا تھا کہ حضرت جبرئیل (مشرکین سے لڑنے کے لئے) فرشتوں کی صفوں کو ترتیب دے رہے تھے۔'' اس روایت کو امام مالک رحمہ اللہ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے، نیز شرح السنۃ میں یہ روایت مصابیح کے الفاظ کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۵۷۲ [2] اخرجه مالك: ۱/۴۲۲

توضیح: "اصغر" یہ لفظ صغار سے ہے جو ذلت وخواری کے معنی میں ہے۔[1]
"ادحر" یہ دحور سے ہے دوری اور بھگانے کے معنی میں ہے طیبی فرماتے ہیں **الدحر الدفع بغضب واهانة** "احقر" حقارت سے ہے بدحالی کے معنی میں ہے۔[2] "اغیظ" ای اکثر غیظا شدید غصہ ہونا۔[3][4]
"**فقیل ماریٰ**" یعنی کس طرح دکھایا گیا؟[5] "**یزع الملائکة**" یعنی فرشتوں کی کمان کر رہے تھے اور ان کو روک رہے تھے بدر کے دن شیطان سمندر کی طرف اس وقت بھاگ کھڑا ہوا جب اس نے فرشتوں کو دیکھا وہ بھاگتا رہا یہاں تک کہ سمندر میں اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا لیکن وہاں بھی نہ ٹھہر سکا بلکہ وہاں سمندر میں غوطہ لگا کر ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا اے اللہ میری موت کا جو وعدہ تو نے کیا تھا اس کو نہ بھولنا۔[6]

یوم عرفہ کی فضیلت

﴿۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عَرَفَةَ إِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُوْلُ انْظُرُوْا إِلَى عِبَادِيْ أَتَوْنِيْ شُعْثاً غُبْراً ضَاجِّيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ أُشْهِدُكُمْ إِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَيَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ يَارَبِّ فَلَانٌ كَانَ يُرْهَقُ وَفُلَانٌ وَفُلَانَةٌ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ عَتِيْقاً مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[7]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے (یعنی رحمت اور احسان وکرم کے ساتھ قریب ہوتا ہے) اور پھر فرشتوں کے سامنے حاجیوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ ذرا میرے بندوں کی طرف تو دیکھو، یہ میرے پاس پراگندہ بال، گرد آلود اور لبیک و ذکر کے ساتھ) آوازیں بلند کرتے ہوئے دور دور سے آئے ہیں، میں تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے انہیں بخش دیا۔" (یہ سن کر) فرشتے کہتے ہیں کہ "پروردگار! (ان میں) فلاں شخص وہ بھی ہے جس کی طرف گناہ کی نسبت کی جاتی ہے اور فلاں شخص اور فلاں عورت بھی ہے جو گناہ گار ہیں! آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے انہیں بھی بخش دیا۔" پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں یوم عرفہ کے برابر لوگوں کو آگ سے نجات ورستگاری کا پروانہ عطا کیا جاتا ہو۔" (شرح السنة)

توضیح: "ینزل" یعنی اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن آسمان دنیا پر آتے ہیں یہ نزول اور یہ الفاظ متشابہات کے قبیل سے ہیں جس میں سلف صالحین اس طرح توجیہ کرتے ہیں "**ای مایلیق بشانه**" متاخرین اس میں تاویل کرتے

[1] المرقات: ۵/۳۹۱ [2] المرقات: ۵/۳۹۱ والکاشف: ۵/۳۱۸ [3] المرقات: ۵/۳۹۱
[4] المرقات: ۵/۳۹۱ [5] المرقات: ۵/۳۹۱ [6] المرقات: ۵/۳۹۱ [7] اخرجه البغوی فی شرح السنة

ہیں کہ نزول سے رحمت کا نزول مراد ہے۔[1]

"یتباھی" یہ صیغہ مباہات سے ہے فخر کرنے کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے حاجیوں پر فخر کر کے فرماتا ہے کہ تم نے کہا تھا کہ انسان کو پیدا نہ کرو اب دیکھ لو یہ میرے بندے کس حال میں میرے سامنے گڑگڑاتے ہیں۔[2]

"شعثا" اشعث کی جمع ہے پراگندہ بال شخص کو کہتے ہیں[3] "غبرا" اغبر کی جمع ہے غبار آلود ہونا[4] "ضاجین" ضج یضج سے ضاج اسم فاعل کا صیغہ ہے اور ضاجین اس کی جمع ہے تلبیہ اور ذکر اللہ کے ساتھ آواز بلند کر کے چیخنے چلانے کو کہتے ہیں[5] "فج عمیق" دور دراز راستوں کو کہتے ہیں۔[6]

"یرھق" رھق سے ڈھانپنے کے معنی میں ہے یہاں معصیت مراد ہے مطلب یہ کہ فلاں مرد اور فلانی عورت اور فلاں فلاں آدمی تو گناہ کا ارتکاب کرتے تھے لوگ ان کی طرف گناہ کی نسبت کرتے تھے کہ یہ لوگ گناہ میں ملوث تھے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے ان کو بھی بخش دیا۔[7]

الفصل الثالث

وقوف عرفات ہی میں کرنا چاہئے

﴿۱۰﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ قُرَيْشٌ وَمَنْ دَانَ دِيْنَهَا يَقِفُوْنَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَكَانُوْا يُسَمَّوْنَ الْحُمْسَ فَكَانَ سَائِرُ الْعَرَبِ يَقِفُوْنَ بِعَرَفَةَ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ أَمَرَ اللهُ تَعَالٰى نَبِيَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْتِيَ عَرَفَاتٍ فَيَقِفَ بِهَا ثُمَّ يَفِيْضُ مِنْهَا فَذٰلِكَ قَوْلُهُ عَزَّوَجَلَّ ثُمَّ أَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[8]

ترجمہ: اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ قریش اور وہ لوگ جو قریش کے طریقہ کے پابند تھے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور قریش کو حمس یعنی بہادر و شجاع کہا جاتا تھا! (قریش کے علاوہ) اور تمام اہل عرب میدانِ عرفات میں وقوف کرتے تھے، لیکن جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ میدانِ عرفات میں آئیں، وہاں وقوف کریں اور پھر وہاں سے واپس ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ثم افیضوا من حیث افاض الناس۔ پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوتے ہیں وہیں سے تم بھی واپس ہو، کے یہی معنی ہیں۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "کان قریش" قریش حرم شریف کے متولی تھے ان کو عام عرب پر شجاعت وسخاوت میں برتری حاصل

[1] المرقات: ۵/۴۹۲ [2] المرقات: ۵/۴۹۲ [3] المرقات: ۵/۴۹۲ [4] المرقات: ۵/۴۹۲

[5] المرقات: ۵/۴۹۲ [6] المرقات: ۵/۴۹۲ [7] المرقات: ۵/۴۹۲ [8] اخرجه البخاري: ۲/۱۹۹ ومسلم: ۱/۵۱۳

تھی لیکن یہ لوگ خود بھی اپنی برتری جتانے کے لئے کچھ امتیازی صورتیں اختیار کرتے تھے اسی میں سے ایک امتیازی صورت تھی کہ یہ لوگ وقوف کے لئے عرفات پر نہیں چڑھتے تھے بلکہ نیچے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم بہادر لوگ ہیں ہماری الگ شان ہے ہم کو امتیازی مقام حاصل ہے ہم حرم شریف کے کبوتر ہیں جو کبھی ارض حرم سے باہر نہیں جاتے، چونکہ مزدلفہ ارض حرم میں ہے اور عرفات حرم سے باہر ہے تو یہ لوگ مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور عام عرب اوپر عرفات پر چڑھتے تھے قریش کو باقی عرب حمس کے نام سے یاد کرتے تھے یعنی بہادر سردرار، جب اسلام آیا تو اس نے انسانی مساوات قائم کی اور قریش کو حکم دیا کہ اوپر چڑھ کر وقوف کرو اور پھر عام لوگوں کے ساتھ مزدلفہ اتر آیا کرو قرآن کی آیت کا یہی مطلب ہے۔[1]

مزدلفہ میں حضور اکرم ﷺ کی دعا کی قبولیت پر ابلیس کی پریشانی

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَبَّاسِ بْنِ مِرْدَاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لِأُمَّتِهٖ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ بِالْمَغْفِرَةِ فَأُجِيْبَ إِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ مَاخَلاَ الْمَظَالِمَ فَإِنِّيْ آخُذُ لِلْمَظْلُوْمِ مِنْهُ قَالَ أَيْ رَبِّ إِنْ شِئْتَ أَعْطَيْتَ الْمَظْلُوْمَ مِنَ الْجَنَّةِ وَغَفَرْتَ لِلظَّالِمِ فَلَمْ يُجَبْ عَشِيَّتَهٗ فَلَمَّا أَصْبَحَ بِالْمُزْدَلِفَةِ أَعَادَ الدُّعَاءَ فَأُجِيْبَ إِلٰى مَاسَأَلَ قَالَ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ تَبَسَّمَ فَقَالَ لَهٗ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ إِنَّ هٰذِهٖ لَسَاعَةٌ مَا كُنْتَ تَضْحَكُ فِيْهَا فَمَا الَّذِيْ أَضْحَكَكَ أَضْحَكَ اللهُ سِنَّكَ قَالَ إِنَّ عَدُوَّ اللهِ إِبْلِيْسَ لَمَّا عَلِمَ أَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ قَدِ اسْتَجَابَ دُعَائِيْ وَغَفَرَ لِأُمَّتِيْ أَخَذَ التُّرَابَ فَجَعَلَ يَحْثُوْهُ عَلٰى رَأْسِهٖ وَيَدْعُوْ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ فَأَضْحَكَنِيْ مَارَأَيْتُ مِنْ جَزْعِهٖ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ نَحْوَهٗ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عرفہ کی شام کو اپنی امت کے لئے بخشش کی دعا مانگی، جو قبول کی گئی اور (حق تعالیٰ نے فرمایا کہ) میں نے آپ ﷺ کی امت کو بخش دیا۔ علاوہ بندوں کے حقوق کے کہ میں ظالم سے مظلوم کا حق لوں گا۔ آنحضرت ﷺ نے عرض کیا کہ "میرے پروردگار! اگر تو چاہے تو مظلوم کو (اس حق کے بدلہ میں کہ جو ظالم نے کیا ہے) جنت کی نعمتیں عطا فرما دے اور ظالم کو بھی بخش دے۔" مگر عرفہ کی شام کو یہ دعا قبول نہیں کی گئی، جب مزدلفہ میں صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے پھر وہی دعا کی اور آپ ﷺ نے جو چیز مانگی وہ عطا فرما دی گئی۔" راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہنسے یا راوی نے کہا کہ آپ مسکرائے، (یہ دیکھ کر) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "میرا والد! اور میری ماں آپ ﷺ

[1] المرقات: ۵/۴۹۳ [2] اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۱۰۰۲

پر قربان، یہ ایسا وقت ہے جس میں آپ ﷺ ہنستے نہیں تھے (یعنی یہ وقت ہنسنے کا تو نہیں ہے) پھر کس چیز نے آپ کو ہنسایا، اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کے دانتوں کو ہنستا رکھے (یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''دشمنِ خدا ابلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ اللہ بزرگ وبرتر نے میری دعا قبول کر لی ہے اور میری امت کو بخش دیا ہے تو اس نے مٹی لی اور اسے اپنے سر پر ڈالنے لگا اور رو اویلا کرنے اور چیخنے چلانے لگا چنانچہ اس کی بدحواسی اور اضطراب نے مجھے ہنسنے پر مجبور کر دیا۔'' (ابن ماجہ، بیہقی)

توضیح: "دعالامته" امت سے مراد حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حج میں شریک صحابہ کرام ہیں مطلق امت مراد نہیں لہٰذا یہ فضیلت صرف ان صحابہ کرام تک محدود ہے جو حجۃ الوداع میں موجود تھے۔ دوسری توجیہہ یہ ہے کہ یہ فضیلت ان حاجیوں کو حاصل ہوتی ہے جن کا حج قبول ہو گیا ہو۔ تیسری توجیہہ یہ ہے کہ حدیث کا مفہوم اس ظالم کے بارے میں ہے جس نے ظلم سے توبہ کی ہو اور صدق دل سے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کر رہا ہو لیکن دوسرے کے حق کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا ہو گویا مجبور ہے اس لئے معذور ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کلام کیا ہے۔[1]

الله اکبر ما افاض المشعر وبه تزاحمت تستغفر

[1] المرقات: ۵/۳۹۴

باب الدفع من عرفة والمزدلفة

عرفات اور مزدلفہ سے واپسی کا بیان

الفصل الاول

سید الکونین ﷺ کی منیٰ کی طرف واپسی

﴿۱﴾ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سُئِلَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسِيرُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ حِينَ دَفَعَ قَالَ كَانَ يَسِيرُ الْعَنَقَ فَإِذَا وَجَدَ فَجْوَةً نَصَّ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات سے واپسی میں آنحضرت ﷺ کی رفتار کیا تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی رفتار تیز تھی اور جہاں کہیں کشادہ راستہ ملتا (اپنی سواری) دوڑاتے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "العنق" تیز تیز دوڑنے اور چلنے کو عنق کہتے ہیں[۲] "فجوة" خالی اور کھلی جگہ کو فجوۃ کہتے ہیں اصل میں دو چیزوں کے درمیان خلا کو فجوہ کہتے ہیں[۳] "نص" تیز دوڑنے کو نص کہتے ہیں۔[۴]

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ دَفَعَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَرَفَةَ فَسَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهُ زَجْرًا شَدِيدًا وَضَرْبًا لِلْإِبِلِ فَأَشَارَ بِسَوْطِهِ إِلَيْهِمْ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ فَإِنَّ الْبِرَّ لَيْسَ بِالْإِيضَاعِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ عرفہ کے دن (عرفات سے منیٰ کی طرف) واپسی میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے چنانچہ (ان کا بیان ہے کہ راستہ میں) آنحضرت ﷺ نے اپنے پیچھے (بلند آوازوں کے ساتھ جانوروں کو ہانکنے اور اونٹوں کو مارنے کا) شور وشغب سنا تو آپ ﷺ نے اپنے کوڑے سے لوگوں کی طرف اشارہ کیا (تاکہ لوگ متوجہ ہوجائیں اور آپ ﷺ کی بات سنیں) اور فرمایا "لوگو! آرام واطمینان کے ساتھ چلنا تمہارے لئے ضروری ہے کیونکہ دوڑانا کوئی نیکی نہیں ہے۔" (بخاری)

---

[۱] اخرجه البخاري: ۲/۲۰۰ ومسلم: ۱/۵۳۹ [۲] المرقات: ۵/۴۹۸
[۳] المرقات: ۵/۴۹۸ [۴] المرقات: ۵/۴۹۸ [۵] اخرجه البخاري: ۲/۲۰۱

توضیح: "الایضاع" سرعت سیر اور اونٹوں کے ہنکانے کو ایضاع کہتے ہیں یعنی نیکی اونٹوں کو دوڑانے سے حاصل نہیں ہوتی ہے بلکہ نیکی کرنے اور برائی سے بچنے سے نیکی ملتی ہے لہٰذا نیکیاں کرو اونٹوں کو نہ دوڑاؤ یہاں یہ سوال ہے کہ حدیث سابق میں تیز چلنے کا ذکر ہے اس کو مطلوب ومحبوب قرار دیا گیا ہے یہاں اس کی نفی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس دوڑنے میں مخلوق خدا کی ایذا اور تکلیف ہو وہ مکروہات میں سے ہے ورنہ "**فاستبقوا الخیرات**" میں نیکی کی طرف جلدی بڑھنے کو ممدوح قرار دیا گیا ہے تو دونوں روایات میں تضاد نہیں ہے۔[1]

﴿۳﴾ وَعَنْهُ أَنَّ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ كَانَ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ إِلَى الْمُزْدَلِفَةِ ثُمَّ أَرْدَفَ الْفَضْلَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ إِلَى مِنًى فَكِلَاهُمَا قَالَ لَمْ يَزَلِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّي حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عرفات سے مزدلفہ تک تو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے بیٹھے رہے پھر آپ ﷺ نے مزدلفہ سے منیٰ تک فضل رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا لیا تھا، اور ان دونوں کا بیان ہے کہ رسول کریم ﷺ برابر لبیک کہتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے جمرۂ عقبہ پر کنکری ماری (یعنی قربانی کے دن جب جمرۂ عقبہ پر پہلی ہی کنکری ماری تو تلبیہ موقوف کر دیا)۔ (بخاری ومسلم)

مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِجَمْعٍ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بِإِقَامَةٍ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا عَلٰى إِثْرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کیا (یعنی عشاء کے وقت دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھا) اور ان میں سے ہر ایک کے لئے تکبیر کہی گئی (یعنی مغرب کے لئے علیحدہ تکبیر ہوئی اور عشاء کے لئے علیحدہ) اور آپ ﷺ نے نہ تو ان دونوں کے درمیان نفل نماز پڑھی اور نہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے بعد۔" (بخاری)

توضیح: مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین عشاء کے وقت ہوتا ہے مغرب کی نماز مؤخر کر کے عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی ہے جس کو جمع تاخیری کہتے ہیں عرفات میں جمع بین الصلوتین ظہر کے وقت ہوتا ہے عصر کی نماز پہلے پڑھی جاتی ہے اس کو جمع تقدیم کہتے ہیں۔[4]

"**بجمع**" یہ مزدلفہ کا نام ہے۔

[1] المرقات: ۵/۴۹۸ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۶۹ ومسلم [3] اخرجه البخاری: [4] المرقات: ۵/۴۹۹

"باقامة" اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو عشاء کے وقت جمع کرنا جائز اور مامور بھی ہے اختلاف اس میں ہے کہ دونوں نمازوں کے لئے ایک اقامت ہوگی یا دو اقامتیں ہونگی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ دو اذان اور دو اقامتیں ہونی چاہئے امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا کیا جائے گا احناف سے ایک قول اس طرح منقول ہے کہ اگر دونوں فرائض کے درمیان سلام کے علاوہ کوئی فاصلہ نہ ہوتو دوسری نماز کے لئے نہ اذان کی ضرورت ہے نہ اقامت کی ضرورت ہے[1] "لم یسبح بینهما" اس سے نوافل نہ پڑھنا مراد ہے۔[2]

جمع بین الصلوتین سے جمع صوری مراد ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى صَلَاةً إِلَّا لِمِيْقَاتِهَا إِلَّا صَلَاتَيْنِ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَصَلَّى الْفَجْرَ يَوْمَئِذٍ قَبْلَ مِيْقَاتِهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز اپنے وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں پڑھی ہو سوائے دو نمازوں کے کہ وہ مغرب وعشاء کی ہیں جو مزدلفہ میں پڑھی گئی تھیں (یعنی مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشاء کے وقت پڑھی) اور اس دن (یعنی مزدلفہ میں قربانی کے دن) فجر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت سے پہلے پڑھی تھی۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "الا لمیقاتها" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کوئی نماز اس کے علاوہ دوسرے وقت میں نہیں پڑھی صرف مزدلفہ میں عشا اور مغرب کو عشاء کے وقت پڑھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع بین الصلوتین کی جو احادیث منقول ہیں وہ جمع صوری پر محمول ہیں جمع حقیقی صرف مزدلفہ اور عرفات میں ہوا ہے اور یہی ائمہ احناف کا مسلک ہے۔[4]

"وصلى الفجر الخ" یعنی فجر کی نماز بھی آنحضرت نے وقت کے اندر لیکن اسفار سے پہلے پڑھائی اس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز اسفار کے وقت پڑھاتے تھے صرف مزدلفہ میں فجر کی نماز اسفار کے بجائے غلس میں پڑھائی اس جملہ سے بھی ائمہ احناف کی تائید ہوتی ہے جو اسفار فی الفجر کے قائل ہیں۔[5]

مزدلفہ سے عورتوں اور بچوں کے فجر سے پہلے روانہ کرنا جائز ہے

﴿۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَنَا مِمَّنْ قَدَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمُزْدَلِفَةِ فِيْ

---

[1] البنایة: ۱۱۵/۴ [2] المرقات: ۴۹۹/۵ [3] اخرجه البخاری: ۲/۲۰۳ ومسلم: ۱/۵۴۰ [4] المرقات: ۵/۵۰۰ [5] المرقات: ۵/۵۰۰

ضَعَفَةِ أَهْلِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل وعیال کے کمزور وضعیف لوگوں کے جس زمرے کو مزدلفہ کی رات میں پہلے ہی بھیج دیا تھا اس میں میں بھی شامل تھا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "ضعفه اهله" یعنی حضور ﷺ نے ضعیفوں، عورتوں اور بچوں کو مزدلفہ سے رات کے وقت منٰی کی طرف روانہ فرمایا کیونکہ صبح کے بعد راستوں میں انتشار ہوجاتا ہے کہ لوگ کچلے جاتے ہیں اس حدیث پر آج بھی عمل ہوتا ہے اور ہونا چاہئے لیکن یہ سہولت صرف راستے کی حد تک ہے جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنے کی سہولت نہیں کیونکہ طلوع آفتاب سے پہلے رمی جمرہ جائز نہیں احناف کا یہی مسلک ہے اور حدیث مذکور کے بعض طرق میں جمرہ عقبہ مارنے کی ممانعت موجود ہے شوافع اور حنابلہ حضرات فرماتے ہیں کہ نصف شب کے بعد جمرہ عقبہ کا مارنا جائز ہے۔[2]

جمرات کے مارنے کے لئے کنکریاں کہاں سے اٹھائیں

﴿۷﴾ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَكَانَ رَدِيفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي عَشِيَّةِ عَرَفَةَ وَغَدَاةِ جَمْعٍ لِلنَّاسِ حِينَ دَفَعُوا عَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَهُوَ كَافٌّ نَاقَتَهُ حَتَّى دَخَلَ مُحَسِّرًا وَهُوَ مِنْ مِنًى قَالَ عَلَيْكُمْ بِحَصَى الْخَذْفِ الَّذِي يُرْمَى بِهِ الْجَمْرَةُ وَقَالَ لَمْ يَزَلْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُلَبِّي حَتَّى رَمَى الْجَمْرَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت فضل ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جو (مزدلفہ سے منٰی آتے ہوئے) نبی کریم ﷺ کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، بیان کیا کہ "جب عرفہ کی شام کو (عرفات سے مزدلفہ آتے ہوئے) اور مزدلفہ کی صبح کو (مزدلفہ سے منٰی جاتے ہوئے) لوگوں نے سواریوں کو تیزی سے ہانکنا اور مارنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "اطمینان و آہستگی کے ساتھ چلنا تمہارے لئے ضروری ہے۔" اور اس وقت خود آنحضرت ﷺ اپنی اونٹنی کو روکے ہوئے بڑھا رہے تھے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ وادی محسّر میں جو منٰی (کے قریب مزدلفہ کے آخری حصہ) میں ہے پہنچے تو فرمایا کہ "تمہیں (اس میدان سے) خذف کی مانند کنکریاں اٹھالینی چاہئیں جو جمرہ (یعنی مناروں) پر ماری جائیں گی۔" اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رمی جمرہ تک برابر لبیک کہتے رہے تھے (یعنی جب جمرۂ عقبہ پر پہلی کنکری ماری تو لبیک کہنا موقوف کردیا)۔ (مسلم)

توضیح: "کاف" یعنی حضور اکرم ﷺ اپنی اونٹنی کو روکے ہوئے تھے[4] "محسرا" وادی محسر مزدلفہ اور منٰی کے ایسے بیچ میں واقع ہے کہ نہ پوری منٰی میں ہے اور نہ پورے مزدلفہ میں ہے زیادہ حصہ منٰی کے ساتھ لگا ہے اسی مقام میں

[1] اخرجه البخاري: ومسلم: ۱/۵۴۱ [2] المرقات: ۵/۵۰۰ [3] اخرجه مسلم: ۱/۵۳۶ [4] المرقات: ۵/۵۰۱

ہیں البتہ امام مالک عشاللیلیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک گھرانہ ہو تو پورے گھرانے کی طرف سے ایک قربانی کافی ہوجاتی ہے بظاہر یہ حدیث ان کی دلیل ہے لیکن علماء فرماتے ہیں کہ یہ دلیل یقینی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ سات ازواج مطہرات کی طرف سے یہ قربانی ہوئی ہو۔[1]

صرف ہدایا کے جانور بھیجنے سے محرم نہیں ہوتا

﴿۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَتَلْتُ قَلاَئِدَ بُدْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا وَأَشْعَرَهَا وَأَهْدَاهَا فَمَا حَرُمَ عَلَيْهِ شَيْءٌ كَانَ أُحِلَّ لَهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے اونٹوں کے لئے اپنے ہاتھوں سے پٹے بنائے اور پھر انہیں اونٹوں کے گلے میں ڈالا اور ان (کے کوہان) کو زخمی کیا اور پھر ان کو بطور ہدی خانہ کعبہ روانہ کردیا (یعنی جب ۹ھ میں حج فرض ہوا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کا امیر مقرر کر کے مکہ مکرمہ بھیجا گیا تو ان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی طرف سے بطور ہدی اونٹ بھیجے گئے) اور اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ پر ایسی کوئی چیز حرام نہیں ہوئی جو ان کے لئے حلال تھی۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "فما حرم" یعنی حضور اکرم ﷺ خود مدینہ منورہ میں تھے لیکن آپ نے ہدایا کے جانور بیت اللہ کی طرف روانہ فرمادیئے اس سے آپ محرم نہیں بنے کیونکہ صرف قلادہ یا اِشعار کرنے سے آدمی احرام میں داخل نہیں ہوتا ہے جب تک کہ احرام باندھ کر نیت کے بعد تلبیہ نہ پڑھے حضرت عائشہ اس حدیث کے بیان کرنے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر رد کرنا چاہتی ہیں جو فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے قلادہ ڈالا یا اشعار کیا اور جانورں کو مکہ کی طرف روانہ کردیا مگر خود گھر پر ہو تو اس پر وہ تمام چیزیں حرام ہوجاتی ہیں جو محرم پر حرام ہوتی ہے۔[3]

"فتلت" ہاتھ سے رسی بٹنے کو فتل کہتے ہیں۔[4]

﴿۶﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلاَئِدَهَا مِنْ عِهْنٍ كَانَ عِنْدِيْ ثُمَّ بَعَثَ بِهَا مَعَ أَبِيْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اس صوف کے جو میرے پاس تھا پٹے بنائے اور پھر (یہ پٹے اونٹوں کے گلے میں ڈال کر) ان کو بطور ہدی اپنے والد ماجد (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے ہمراہ (خانہ کعبہ) روانہ کیا۔"

(بخاری ومسلم)

"من عهن" اون اور صوف کو عهن کہد یا گیا ہے۔[6]

---

[1] المرقات: ۵/۵۲۰ [2] اخرجه البخاري: ۵/۲/۲۰۷ ومسلم: ۱/۵۵۲ [3] المرقات: ۵/۵۲۰

[4] المرقات: ۵/۵۲۰ [5] اخرجه البخاري: ۲/۲۰۸ ومسلم: ۱/۵۵۲ [6] المرقات: ۵/۵۲۱

مجبوری وضرورت کے وقت ہدی کے جانور پر سواری جائز ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلاً يَسُوْقُ بُدْنَةً فَقَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ إِنَّهَا بُدْنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا فَقَالَ إِنَّهَا بُدْنَةٌ قَالَ ارْكَبْهَا وَيْلَكَ فِي الثَّانِيَةِ أَوِ الثَّالِثَةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اونٹ ہانکتا ہوا جارہا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس اونٹ پر سوار ہو جاؤ''۔ اس نے کہا کہ یہ تو ہدی ہے (میں اس پر کیسے سوار ہو جاؤں؟ وہ سمجھتا تھا کہ ہدی پر سوار ہونا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ ''اس پر سوار ہو جاؤ''۔ اس نے پھر کہا کہ ''یہ ہدی ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس پر سوار ہو جاؤ، افسوس ہے تم پر (کہ میں تمہیں سوار ہونے کے لئے کہتا ہوں اور تم اپنی طرف سے عذر بیان کرتے ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات دوسری یا تیسری مرتبہ میں فرمائی''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ہدی کے جانور پر سواری کے مسئلہ میں علماء کا معمولی سا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

تمام ائمہ اور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ ہدی کے جانور پر بلاضرورت سوار ہونا جائز نہیں ہے۔ لیکن امام احمد بن حنبل اور حضرت اسحاق بن راہویہ سے ایک قول یہ بھی ہے کہ بلاضرورت سوار ہونا بھی جائز ہے اور ضرورت کے وقت بطریق اولیٰ سوار ہونا جائز ہے۔[2]

دلائل: امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ نے زیر بحث حدیث نمبر ۷ سے استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا کہ تیرا ناس ہو سوار ہو جاؤ۔

جمہور ائمہ نے اس حدیث کے بعد ساتھ والی حدیث نمبر ۸ سے استدلال کیا ہے جس میں ہدی کے جانور پر سواری کے لئے ایک قید اور شرط کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ جب آدمی شدید مجبوری میں ہو تو دستور کے مطابق ہدی کے اونٹ پر سوار ہونا جائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے بغیر سوار ہونا جائز نہیں ہے۔[3]

بہر حال ہدی پر سواری کے جواز میں جو مطلق روایات ہیں وہ مجبوری کی قید کے ساتھ مقید ہیں۔

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ سُئِلَ عَنْ رُكُوْبِ الْهَدْيِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ ارْكَبْهَا بِالْمَعْرُوْفِ إِذَا أُلْجِئْتَ إِلَيْهَا حَتّٰى تَجِدَ ظَهْرًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو زبیر رحمہ اللہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے سنا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہدی پر سوار ہونے

[1] اخرجه البخاري: ۲/۲۰۵ ومسلم: ۱/۵۵۳ [2] المرقات: ۵/۵۲۲ [3] المرقات: ۵/۵۲۲ [4] اخرجه مسلم: ۱/۵۵۳

کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جب تک کہ تمہیں کوئی اور سواری نہ ملے اور تم سوار ہونے پر مجبور ہو تو اس ہدی پر (اس احتیاط کے ساتھ سوار ہو کہ اسے کوئی ضرر و تکلیف نہ پہنچے"۔ (مسلم)

اگر ہدی کا جانور راستہ میں قریب المرگ ہو جائے تو آدمی کیا کرے؟

﴿۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ عَشَرَ بَدَنَةً مَعَ رَجُلٍ وَأَمَّرَهُ فِيْهَا فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ أَصْنَعُ بِمَا أُبْدِعَ عَلَيَّ مِنْهَا قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اصْبَغْ نَعْلَيْهَا فِيْ دَمِهَا ثُمَّ اجْعَلْهَا عَلٰى صَفْحَتِهَا وَلَا تَأْكُلْ مِنْهَا أَنْتَ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ رُفْقَتِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص (کہ جس کا نام ناجیہ اسلمی رضی اللہ عنہ تھا) کے ہمراہ سولہ اونٹ مکہ روانہ کئے اور اس شخص کو ان اونٹوں کا محافظ بنایا (کہ نہ صرف ان اونٹوں کو حفاظت کے ساتھ لے جائے بلکہ مکہ پہنچ کر انہیں ذبح بھی کر دے) اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ان میں سے جو (تھک جانے کی وجہ سے) نہ چل سکے (یا کمزوری وغیرہ کی بناء پر قریب المرگ ہو جائے) تو اس کو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "تم اسے ذبح کر دینا اور پھر وہ دونوں جوتیاں (جو بطریق ہار اس کے گلے میں پڑی ہوں) اس کے خون میں رنگ کر ان کے نشان اس کے کوہان کے کنارہ پر لگا دینا اور اس کا گوشت نہ تم کھانا اور نہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو کھانے دینا"۔ (مسلم)

توضیح: "**ابدع علی**" ابداع سے مجہول کا صیغہ ہے جو سواری تھک کر چلنے سے عاجز آجائے یا کمزوری کی وجہ سے چلنے سے عاجز آجائے اس کو ابدع اور ابداع کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے ابدع کا صلہ عام طور پر "ب" آتی ہے لیکن یہاں ابدع حُبس کے معنی کو متضمن ہے اس لئے صلہ میں "علی" لایا گیا ہے چونکہ یہ ہدایا کے اونٹ تھے اس لئے اس پر سوار ہونا جائز نہیں تھا لہٰذا "علی" کا صلہ لانا ضروری تھا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اس پر کوئی سوار نہیں ہوا کیونکہ جب صلہ "ب" میں آتی ہے تو وہ سوار کے لئے بولا جاتا ہے جیسے "**ابدع بی**" میں سواری پر سوار تھا کہ وہ مجھے لے چلنے سے عاجز آگئی۔[۲]

"**اصبغ**" یہ اصباغ سے ہے رنگ کرنے کے معنی میں ہے مراد یہ ہے کہ اس جانور کے خون سے اس کے گلے کے دونوں جوتیوں کو رنگین کر دو۔[۳]

"**نعلیھا**" اس سے مراد یہی جوتے ہیں جو ہدیہ کے جانور کے گلے میں بطور نشان پہلے ہار بنا کر ڈالے گئے تھے مطلب یہ ہے کہ اس قریب المرگ جانور کو ذبح کر دو اور اس کے گلے میں پڑے ہوئے دونوں جوتے اس کے خون سے رنگین کر دو تاکہ کوئی مالدار آدمی اس کا گوشت استعمال نہ کرے "**اجعلھا**" میں ضمیر مفرد لائی گئی ہے یہ "**کل واحدۃ منھا**" کی تاویل کی بنیاد پر ہے۔[۴]

---

[۱] اخرجہ مسلم: ۱/۵۵۴ [۲] المرقات: ۵/۵۲۳ [۳] المرقات: ۵/۵۲۳ [۴] المرقات: ۵/۵۲۳

"**علی صفحتها**"۔ مطلب یہ کہ اس قلادہ کو خون سے رنگین کر کے کوہان کی طرف اس کا نشان لگادے تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ ھدی کا جانور ہے جو حرم پہنچنے سے پہلے ذبح کر دیا گیا ہے اس کا گوشت اغنیاء کو کھانا جائز نہیں ہے۔[1]

"**ولا تاکل منها**"۔ یعنی اس ھدی سے نہ تم خود کھاؤ نہ قافلہ کا کوئی ساتھی کھائے خواہ قافلہ کا کوئی ساتھی فقیر و مسکین کیوں نہ ہو، ہدی کے گوشت کھانے کی اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اگر محافظ اور قافلے والوں کو گوشت کھانے کی اجازت دی جائے تو ممکن ہے کہ وہ لوگ گوشت کھانے اور بنانے کے لئے بہانہ بنائے اور تندرست جانور کو پکڑ کر ذبح کر دے اس لئے قافلہ کے کسی فرد کے لئے کھانے کی ممانعت کر دی گئی اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کرنے سے تو جانور کا گوشت صحراء میں ضائع ہو جائے گا اس کا جواب شارحین نے یہ دیا ہے کہ آس پاس کے فقراء کھانے کے لئے ہونگے اگر آبادی نہ ہو تو راہ گیر مسافر قافلے آئیں گے ان میں غریب اور فقراء ہونگے وہ ھدی کو پہچان کر کھالیں گے اغنیا نہیں کھائیں گے۔[2]

فقہی تفصیل:

اس حدیث سے متعلق فقہی تفصیل اس طرح ہے کہ ہدی کی دو قسمیں ہیں

❶ ایک وہ ہدی ہے جو زمین حرم تک پہنچ گئی ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ ھدی تطوع ہو یا ھدی قِران ہو یا ھدی تمتع ہو صاحب ھدی اس سے کھا سکتا ہے اور اس کے ساتھی بھی کھا سکتے ہیں خواہ غریب ہوں یا اغنیاء ہوں ہاں اگر یہی ھدی نذر کی ہو یا جنایت کی ہو تو صاحب ھدی بھی اس سے نہیں کھا سکتا ہے اور دیگر اغنیاء بھی نہیں کھا سکتے ہیں یہ صرف فقراء کا حق ہے۔

❷ دوسری قسم وہ ہدی ہے جو زمین حرم تک پہنچنے سے پہلے عاجز آنے یا کمزور ہونے کی وجہ سے ذبح کر دی گئی ہو اس کا حکم اور تفصیل ائمہ احناف کے نزدیک یہ ہے کہ اگر یہ ہدی واجب ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ اس میں جو تصرف چاہے کرے خود کھائے دوسروں کو کھلائے یا فروخت کرے۔ اور اگر یہ ہدی تطوع اور نفلی ہے اور مالک کو اس کے بدلے میں کسی اور قربانی کرنے کا ارادہ بھی نہیں ہے تو اس صورت میں نہ مالک اس کو کھا سکتا ہے نہ اغنیاء کھا سکتے ہیں اور نہ اس قافلہ میں شریک فقراء اس کو کھا سکتے ہیں اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو زیر بحث حدیث میں مذکور ہے کہ ذبح کرنے کے بعد جوتے خون میں لت پت کر کے اس کے پہلو کے ساتھ لگا دے تا کہ آنے والے فقراء اس کو کھالیں۔ ائمہ احناف نے زیر بحث حدیث کے حکم کو ہدی تطوع پر حمل کیا ہے یہ حدیث اگر چہ اس حکم سے بالکل ساکت ہے لیکن بیہقی نے سنن کبریٰ میں ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے اس میں اس ھدی کے ساتھ تطوع اور نفل کے الفاظ موجود ہیں اس کی وجہ سے احناف نے یہ فیصلہ کیا ہے۔[3]

وجہ فرق:

اب اس میں کیا فرق ہے کہ واجب ہدی سے مالک بھی کھا سکتا ہے اغنیاء اور رفقاء اور فقراء بھی کھا سکتے ہیں لیکن ھدی تطوع سے نہ مالک کھا سکتا ہے نہ اغنیا اور نہ رفقاء میں سے فقراء کھا سکتے ہیں؟

[1] المرقات: ۵/۵۲۳ [2] المرقات: ۵/۵۲۳ [3] المرقات: ۵/۵۲۴

اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ ھدی جب واجب ہوتو اس کے بدلے میں دوسری ھدی دینی واجب ہوگی اس لئے پہلی ہدی مالک کی ملکیت میں رہ گئی اس کو اختیار ہے جو چاہے کرے لیکن ہدی تطوع میں اس کا بدل نہیں ہے اس لئے وہ مالک کے ذمہ پر اس طرح لازم ہوگیا گویا اس نے نذر کرلی ہے نیز مالک اس کے بدل دینے کے لئے بالکل تیار نہیں لہٰذا اب یہ ھدی مکمل طور پر مالک کے اختیار سے باہر ہوگئی اس لئے وہ اس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا ہے اگر مالک اس نفلی ہدی کے بدل دینے کا وعدہ کرلے تو پھر اس ھدی تطوع کا کھانا بھی جائز ہوجائے گا ورنہ یہ صرف فقراء کا حق ہے بشرطیکہ وہ قافلہ والے نہ ہوں۔

اونٹ اور گائے میں سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں

﴿۱۰﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے حدیبیہ کے سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ ذبح کیا اور سات آدمیوں کی طرف سے گائے ذبح کی۔'' (مسلم)

توضیح: بھیڑ بکری کی قربانی میں بالاتفاق شراکت ناجائز ہے ہاں اونٹ اور گائے میں سات آدمیوں کی شراکت جائز ہے بشرطیکہ سب کی نیت قربانی ہی کی ہو، اور قربانی وھدی سے قرابت مقصود ہوخواہ قرابت کی نوعیت الگ کیوں نہ ہو مثلاً ایک کی نیت قربانی کی ہے دوسرے کی نیت ھدی کی ہے تیسرے کی نیت عقیقہ وغیرہ کی ہے۔امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کسی بھی جانور میں شراکت جائز نہیں خواہ قربانی ہوخواہ ہدی ہوخواہ اونٹ ہوخواہ گائے اور بکری ہو۔[۲]

اونٹ کے نحر کا طریقہ

﴿۱۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ أَتَى عَلَى رَجُلٍ قَدْ أَنَاخَ بَدَنَتَهُ يَنْحَرُهَا قَالَ اِبْعَثْهَا قِيَاماً مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، انہوں نے اس سے فرمایا کہ ''اس اونٹ کو کھڑا کردو اور اس کا (بایاں) پاؤں باندھو (اور اس طرح اونٹ کو نحر کرکے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اختیار کرو۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: اونٹ کے سینے میں نیزہ یا برچھی مارنے کا نام نحر ہے گائے بکری وغیرہ کا گلا چھری سے کاٹنے کا نام ذبح ہے نحر کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کرکے اس کی بائیں ٹانگ کو رسی سے باندھ دی جائے اور پھر اسکے سینہ میں برچھی ماری جائے تاکہ خون نکل کر وہ زمین پر گرجائے۔

---

[۱] اخرجه مسلم: ۱/۵۵۰ [۲] المرقات: ۵/۵۲۵ [۳] اخرجه البخاری: ۲/۲۱۰ ومسلم ۱/۵۵۱

ہدی کے بارہ میں کچھ ہدایات

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقُوْمَ عَلَى بُدْنِهِ وَأَنْ أَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُوْدِهَا وَأَجِلَّتِهَا وَأَنْ لَا أُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا قَالَ نَحْنُ نُعْطِيْهِ مِنْ عِنْدِنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں آپ ﷺ کے اونٹوں کی خبر گیری کروں، ان کے گوشت کو خیرات کردوں اور ان کی کھالیں اور جھولیں بھی صدقہ کردوں، اور یہ کہ قصائی کو ان میں سے کوئی چیز (بطور مزدوری) نہ دوں، نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ (مزدوری) ہم اپنے پاس سے دیں گے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "علی بدنه" حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے ایک سو اونٹ کی قربانی فرمائی تھی تریسٹھ اونٹ آپ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیے باقی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کیا اس سے حضور اکرم ﷺ کی اعلیٰ سخاوت کا اندازہ ہوتا ہے پھر ہر اونٹ دوسرے کو دھکا دے کر نحر کے لئے حضور اکرم ﷺ کی طرف بڑھتا تھا اس سے حضور اکرم کی اعلی محبوبیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ بہر حال زیر بحث حدیث میں اونٹوں سے مراد وہی اونٹ ہیں جو حجۃ الوداع میں حضور اکرم ﷺ بطور ھدی مکہ مکرمہ لائے تھے

"اجلتها" یہ جلال کی جمع ہے جول مراد ہے[2] "الجزار" اس سے قصائی مراد ہے۔ مطلب یہ کہ ھدی سے متعلق کوئی بھی چیز خواہ گوشت ہو خواہ کھال اور کلی ہو خواہ رسی اور جول ہو قصائی کو مزدوری میں دینا جائز نہیں ہے بلکہ اپنے جیب سے اس کی مزدوری دینی چاہیئے۔ اسی کو دیکھ کر فقہاء نے لکھا ہے کہ قربانی کے جانور کا دودھ نکالنا جائز نہیں بلکہ اس کے تھنوں پر ٹھنڈا پانی ڈال کر دودھ کو خشک کرنا چاہیئے یا نکالنے کے بعد اس کو صدقہ کرنا چاہیئے۔[3]

تین دن سے زیادہ تک قربانی کا گوشت رکھنا جائز ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا لَا نَأْكُلُ مِنْ لُحُوْمِ بُدْنِنَا فَوْقَ ثَلَاثٍ فَرَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوْا وَتَزَوَّدُوْا فَأَكَلْنَا وَتَزَوَّدْنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (پہلے) ہم اپنی قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہیں کھاتے تھے پھر رسول کریم ﷺ نے ہمیں اجازت دی اور فرمایا کہ کھاؤ اور اسے توشہ بناؤ، (یعنی تین دن کے بعد بھی) چنانچہ ہم نے کھایا اور توشہ بنایا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "فرخص" ابتدائے اسلام میں کھانے پینے کی سخت تنگی تھی اس لئے حضور اکرم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت گھروں میں نہ رکھا کرو بلکہ زائد کو صدقہ کرو بعد میں اس کی اجازت ہوگئی کہ رکھ سکتے ہیں۔[5]

[1] اخرجه البخاری: ۲/۲۰۸ ومسلم: ۱/۵۳۹ [2] المرقات: ۵/۵۲۲
[3] المرقات: ۵/۵۲۲ [4] اخرجه البخاری: ۲/۲۱۱ ومسلم: ۲/۱۸۴ [5] المرقات: ۵/۵۲۲ والكاشف: ۵/۳۴۴

الفصل الثانی

دشمنان اسلام کو رنج پہنچانا مستحب ہے

﴿۱۴﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْدٰى عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِيْ هَدَايَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَلاً كَانَ لِأَبِيْ جَهْلٍ فِيْ رَأْسِهٖ بُرَةٌ مِنْ فِضَّةٍ، وَفِيْ رِوَايَةٍ مِنْ ذَهَبٍ يَغِيْظُ بِذٰلِكَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حدیبیہ کے سال اپنے ہدی کے جانوروں میں ابوجہل کا اونٹ بھی لے گئے تھے جس کی ناک میں چاندی کی نتھنی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ نتھنی سونے کی تھی اور اس سے مقصد مشرکین کو غیظ دلانا تھا۔'' (ابوداؤد)

توضیح: ''کان لابی جھل'' یعنی حدیبیہ کے موقع پر جب حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام عمرہ کے لئے تشریف لائے تھے اس وقت حضور اکرم کی ہدایا میں وہ اونٹ بھی تھا جو ۲ھ میں جنگ بدر کے موقع پر ابوجہل سے مال غنیمت میں ملا تھا اور حضور اکرم ﷺ نے اپنے حصہ میں رکھا تھا پھر ذبح کرنے کی لئے اپنے ساتھ عمرہ میں لائے تھے لیکن قریش نے آنحضرت کو حرم میں داخل نہیں ہونے دیا یہ اونٹ صرف اس مقصد کے لئے لایا گیا تھا تاکہ اس کو دیکھ کر کفار جل جائیں اور ان کو رنج پہنچ جائے اور ان پر دھاک بیٹھ جائے کہ یہ ان کے سردار مردار کا اونٹ تھا معلوم ہوا کہ کفار کو رنج دینا اور جلانا مستحب ہے۔ تبلیغی حضرات کی طرح نہیں جو کفار کے قصیدے پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کو ایذا پہنچاتے ہیں الا ماشاء اللہ۔[2]

''فی رأسه'' سر سے مراد ناک ہے ''برة'' اس کی جمع برات یہ ہے اس حلقہ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ہوتی ہے تاکہ اس کو قابو میں رکھا جائے جسے نتھنی کہتے ہیں۔[3]

''یغیظ'' یعنی حضور اکرم ﷺ ابوجہل کے اس اونٹ کے ذریعہ سے کفار کو جلانا چاہتے تھے اپنے ساتھ لانے کا مقصد یہی تھا۔[4]

﴿۱۵﴾ وَعَنْ نَاجِيَةَ الْخُزَاعِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ أَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْبُدْنِ قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اغْمِسْ نَعْلَهَا فِيْ دَمِهَا ثُمَّ خَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا فَيَأْكُلُوْنَهَا۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَرَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ نَاجِيَةَ الْأَسْلَمِيِّ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ناجیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! ہدی کے جانوروں میں سے جو جانور (کسی بھی وجہ سے) قریب المرگ ہو تو میں اس کا کیا کروں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اس جانور کو ذبح کر ڈالو پھر اس کی جوتی کو

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۳۹ [2] المرقات: ۵/۵۲۸ [3] المرقات: ۵/۵۲۸، ۵۲۹ [4] المرقات: ۵/۵۲۹ [5] اخرجہ مالک: والترمذی: ۳/۲۵۳

(جو اس کے گلے میں بطور ہار پڑی ہو) اس کے خون میں رنگ دو (اور اس کے ذریعہ اس کی گردن پر نشان لگا دو) اس کے بعد اس جانور کو لوگوں کے درمیان چھوڑ دو (یعنی اس کا گوشت کھانے سے فقراء کو منع نہ کرو تا کہ وہ اسے کھائیں۔" (مالک، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: ناجیہ اسلمی بعض جگہ ناجیہ اسلمی ہے بعض روایات میں ناجیہ خزاعی ہے یہ کوئی تضاد نہیں ہے نہ دو شخص ہیں بلکہ ایک ہی آدمی ہے خزاعی بھی ہے اور اسلمی بھی ہے بڑے اور چھوٹے قبیلے کا فرق ہے خزاعہ بڑا قبیلہ ہے۔[1]

قربانی کے دن کی فضیلت اور حضور اکرم ﷺ کی محبوبیت

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَعْظَمَ الْأَيَّامِ عِنْدَاللهِ يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ قَالَ ثَوْرٌ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِيْ قَالَ وَقُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ أَوْ سِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ إِلَيْهِ بِأَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ قَالَ فَلَمَّا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا قَالَ فَتَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ خَفِيَّةٍ لَمْ أَفْهَمْهَا فَقُلْتُ مَا قَالَ قَالَ قَالَ مَنْ شَاءَ اقْتَطَعَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَذُكِرَ حَدِيْثَا ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ فِيْ بَابِ الْأُضْحِيَةِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن قرط رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنوں میں بہت بڑا دن (از روئے فضیلت) قربانی کا دن (یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ) ہے اور پھر قرّ کا دن! حدیث کے راوی حضرت ثور رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ (قرّ کا دن) دوسرا دن (یعنی ذی الحجہ کی گیارھویں تاریخ) ہے۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ (جب قربانی کے دن) آنحضرت ﷺ کے قریب وہ اونٹ لائے گئے جو پانچ یا چھ کی تعداد میں تھے تو اونٹوں نے (ایک دوسرے پر سبقت کرکے) آپ ﷺ کے نزدیک آنا شروع کیا تا کہ جسے چاہیں پہلے اسی کو ذبح کریں۔ راوی کہتے ہیں کہ جب یہ جانور پہلو پر گر گئے (یعنی وہ ذبح کر دیئے گئے) تو آنحضرت ﷺ نے آہستہ سے کچھ فرمایا جسے میں نہ سمجھ سکا، چنانچہ میں نے (اس شخص سے جو میرے پاس تھا) پوچھا کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ "جو شخص چاہے (ہدی کے) ان جانوروں میں سے (گوشت) کاٹ کر لے جائے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "اعظم الایام" کتاب الصوم اور ابواب عیدین میں یہ بحث لکھی جا چکی ہے کہ آیا عشرۂ ذوالحجہ زیادہ افضل ہے یا عشرۂ اخیرہ رمضان زیادہ افضل ہے یہاں ایک اور وجہ لکھ دیتا ہوں وہ یہ کہ عشرہ ذوالحجہ اشھر الحرام کی نسبت سے افضل ہے یعنی فضیلت کا تقابل عشرۂ رمضان اور عشرۂ ذوالحجہ میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ تقابل اشھر الحرام کے درمیان ہے تو احترام کے چاروں مہینوں میں یہ دس دن سب سے افضل ہیں رہ گیا رمضان اور اس کا آخری عشرہ تو وہ مطلقاً تمام مہینوں کی نسبت افضل ہے باقی توجیہات توضیحات جلد دوم ص ۹۲۵ پر عیدین کے ابواب میں دیکھ لیا جائے۔[3]

[1] المرقات: ۵/۵۲۹ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۲۵۳ [3] المرقات: ۵/۵۳۰

"القر" گیارھویں ذوالحجہ کوقر کا دن اس لئے کہا گیا کہ ادائے مناسک کی مشقت جب حجاج برداشت کرتے ہیں اس کے بعد اس دن میں ان کو آرام ملتا ہے "قر" ٹھنڈک اور سکون کے معنی میں ہے۔ ملاعلی قاری عشاللہ نے قر کو قرار سے لیا ہے اس کا مطلب بھی سکون اور قرار ہے۔[1]

"قال ثور" ثور حدیث کے نقل کرنے والے راوی کا نام ہے[2] "فطفقن" یہ شروع کرنے کے معنی میں ہے یعنی اونٹ شروع ہوگئے کہ حضور اکرم ﷺ کی طرف قربان ہونے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے۔[3]

"یزدلفن" ازدلاف ازدحام کے ساتھ آگے بڑھنے کو کہتے ہیں کہ محبوب کا ہاتھ پہلے مجھے چھولے اور مجھے ذبح کرے کسی نے پشتو میں کہا ہے

په مرګ به کوم دله خفه وی چه زنکدن ئے دَ جانان په غيګ کی وينه

یعنی کون نالائق ہوگا جو اس موت پر خفہ ہو جو موت محبوب کی گود میں واقع ہو جائے۔

الفصل الثالث

قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنا کیسا ہے

﴿۱۷﴾ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَحَّى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَفِي بَيْتِهِ مِنْهُ شَيْءٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِيَ قَالَ كُلُوْا وَأَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَإِنَّ ذٰلِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جُهْدٌ فَأَرَدْتُّ أَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جو شخص قربانی کرے تو تیسرے دن کے بعد اس حال میں صبح نہ ہو کہ اس کے گھر میں قربانی کا گوشت موجود ہو۔" (یعنی قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھے) پھر جب دوسرا سال آیا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! کیا ہم اس سال بھی ایسا ہی کریں جیسا کہ پچھلے سال کیا تھا؟" (یعنی گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی قربانی کا گوشت تین دن کے بعد نہ رہنے دیں) آپ ﷺ نے فرمایا "کھاؤ، کھلاؤ اور جمع کر کے رکھو، دراصل پچھلے سال لوگ محنت و مشقت اور محتاجگی میں مبتلا تھے اس لئے میں نے (جمع کرنے سے منع کر کے) یہ چاہا تھا کہ تم لوگ ان ضرورت مندوں کی مدد کرو (اور اب چونکہ ایسی ضرورت و حاجت نہیں رہی ہے اس لئے اگر تم قربانی کا گوشت جمع رکھنا چاہتے ہو تو تمہیں اجازت ہے)۔ (بخاری و مسلم)

[1] المرقات: ۵/۵۳۰ [2] المرقات: ۵/۵۳۰ [3] المرقات: ۵/۵۳۰ [4] اخرجه البخاری: ۷/۱۳۴ ومسلم: ۲/۱۸۵

توضیح: "وادخروا" مدینہ منورہ میں ایک سال سخت قحط پڑا تھا ویسے بھی ابتداء اسلام میں سخت تنگی تھی تو آنحضرت ﷺ نے فرمان جاری کیا کہ تین دن سے زیادہ گھروں میں قربانی کا گوشت ذخیرہ نہ کرو بلکہ دیگر فقراء میں تقسیم کردو، صحابہ نے ایسا ہی کیا جب دوسرا سال آیا اور خشک سالی جاتی رہی تو آنحضرت ﷺ نے گوشت ذخیرہ کرنے کی اجازت دیدی فقہاء نے مستحب طریقہ یہ بتایا ہے کہ قربانی کے گوشت کا ایک حصہ غریبوں میں تقسیم کیا جائے دوسرا حصہ عزیز واقارب اور اپنے دوستوں میں تقسیم کیا جائے اگرچہ وہ مالدار ہوں اور تیسرا حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے گھر میں رکھا جائے ہاں اگر کوئی شخص عیالدار ہو اور عیال زیادہ ہو تو وہ تقسیم کے بغیر قربانی کا گوشت گھر میں ذخیرہ کرسکتا ہے لیکن جب آدمی اتنی بڑی رقم دے کر قربانی کرتا ہے تو یقیناً اس کی نیت ثواب کی ہوتی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہر مالدار قربانی کرنے میں ایک حصہ فقراء کے لئے خاص کردے اور قربانی میں قربانی کا جذبہ دل میں پیدا کرے ایسا نہ ہو کہ قربانی کے نام سے وافر مقدار میں گوشت فراہم کیا اور سردخانوں میں سٹور کرکے رکھدیا اور سال بھر تک کھاتا رہا یہ تو جانور کی قربانی ہوئی آدمی نے تو کچھ بھی قربان نہ کیا۔

﴿۱۸﴾ وَعَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا كُنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِهَا أَنْ تَأْكُلُوْهَا فَوْقَ ثَلَاثٍ لِكَيْ تَسَعَكُمْ جَاءَ اللهُ بِالسَّعَةِ فَكُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَأْتَجِرُوْا أَلَا وَإِنَّ هٰذِهِ الْأَيَّامَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللهِ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت نبیشہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہم تمہیں قربانی یا ہدی کے گوشت کے بارہ میں اس بات سے منع کرتے تھے کہ تم اسے تین دن سے زیادہ کھاؤ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وسعت ہو (یعنی تاکہ اس طرح تمہارے فقراء بھی اس گوشت سے فائدہ اٹھائیں) اب اللہ تعالیٰ نے وسعت بخش دی ہے اس لئے تم (جب تک جی چاہے) کھاؤ اور جمع رکھو نیز (اس گوشت کے صدقہ وخیرات کے ذریعہ) ثواب حاصل کرو اور یاد رکھو! یہ (چار) دن (جو منیٰ میں گذارے جاتے ہیں) کھانے پینے کے دن ہیں (کہ ان ایام میں روزہ رکھنا حرام ہے) اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے دن ہیں۔" (ابوداؤد)

توضیح: اس حدیث کی تشریح وتوضیح بھی وہی ہے جو اس سے پہلی والی حدیث کی تھی البتہ اس حدیث میں "**وأتجروا**" کا لفظ آیا ہے یہ لفظ ائتجار سے ہے جو اجر وثواب کے معنی میں ہے علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ باب افتعال سے ہے حصول اجر کے لئے امر ہے یہ لفظ تجارت سے نہیں ہے کیونکہ تجارت کے لئے **وتجروا مشدد** آتا ہے یہاں شد نہیں ہے دوسری بات یہ بھی ہے کہ قربانی کے گوشت میں تجارت کرنا یا اسے بیچنا ناجائز ہے اس لئے یہ لفظ اجر سے ہے تجارت سے نہیں ہے۔

[۱] اخرجہ ابوداؤد: ۳/۹۹

باب الحلق

سر منڈانے کا بیان

قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الهدی محله﴾[1]

وقال الله تعالیٰ: ﴿لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله اٰمنین محلقین رؤسکم ومقصرین﴾[2]

آنحضرت سے کہیں ثابت نہیں ہے کہ آپ نے حج وعمرہ کے علاوہ کبھی سر منڈایا ہو بلکہ آپ نے ہمیشہ بال رکھے ہیں مشہور یہی ہے حاجی جب مزدلفہ سے دسویں ذوالحجہ کو منیٰ آتا ہے تو اس دن اس کے ذمے بہت سارے احکام ہوتے ہیں سب سے پہلے حاجی جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارتا ہے اس کے بعد جاکر قربانی کرتا ہے اگر وہ صاحب حیثیت متمتع یا قارن ہو، اس کے بعد سر منڈاتا ہے اور احرام کھول کر سلے ہوئے کپڑے پہنتا ہے حاجی کے لئے یہ تحلیل اول ہے یعنی بیوی سے جماع کے علاوہ سب کچھ حلال ہو جاتا ہے پھر جاکر حاجی طواف زیارت کرتا ہے یہ اس کے لئے تحلیل ثانی ہے اب حاجی کے لئے ممنوعات احرام میں سے کوئی چیز ممنوع نہیں رہی سر کے بال منڈوانے اور کتروانے دونوں کا ذکر اوپر آیت میں آگیا ہے دونوں جائز ہیں لیکن صاحب مشکوٰۃ نے صرف حلق کا ذکر کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ قصر سے حلق افضل ہے۔

الفصل الاول

سر منڈانا افضل ہے

﴿۱﴾ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلَّقَ رَأْسَهُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَأُنَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهٖ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنا سر منڈایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کچھ نے تو اپنے سر منڈائے اور کچھ نے اپنے بال کتروائے۔" (بخاری ومسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بال کتروانا

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ لِيْ مُعَاوِيَةُ اِنِّيْ قَصَّرْتُ مِنْ رَأْسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[1] سورۃ بقرہ الایہ ۱۹۷ [2] سورۃ فتح الایہ ۲۷ [3] اخرجه البخاری: ۵/۲۲۵ ومسلم: ۱/۵۴۴

عِنْدَ الْمَرْوَةِ بِمِشْقَصٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال مروۃ کے قریب تیر کی پیکان سے کترے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "بمشقص" اکثر شارحین نے مشقص تیر کی پیکان اور دھار کو قرار دیا ہے لیکن یہ بات دل کو لگتی نہیں بعض حضرات نے کہا ہے کہ مشقص بڑی قینچی کو کہتے ہیں یہی بات صحیح ہے مشقص کی جمع مشاقص ہے پشتو میں اس بڑی قینچی کو "کات" کہتے ہیں۔[2]

سوال: "قال لی معاویة رضی اللہ عنہ" یہاں ایک پیچیدہ سوال ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ کے بال کہاں اور کس موقع پر کترے تھے؟ کیونکہ اگر اس کو صلح حدیبیہ پر حمل کرتے ہیں تو اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اگر اس قصر کو حج پر حمل کرتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں حلق کیا تھا نیز اس حدیث میں "مروہ کے پاس" کا ذکر ہے حالانکہ حاجی حلق یا قصر منٰی میں کرتا ہے مروہ میں نہیں کرتا ہے تو نہ صلح حدیبیہ میں قصر مراد لیا جا سکتا ہے اور نہ حج میں مراد لیا جا سکتا ہے تو حدیث کا مطلب کیا ہے؟۔

جواب: اس سوال کا جواب بعض شارحین نے یہ دیا ہے کہ یہ واقعہ عمرۂ جعرانہ کا ہے جو فتح مکہ کے بعد ہوا تھا جن روایات میں حدیبیہ کا ذکر آیا ہے یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے سہو ہو گیا ہے اور کوئی بعید نہیں کہ مرور دھور کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھول گئے ہوں اور جعرانہ کے بجائے حدیبیہ کا نام لیا ہو۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ حدیبیہ ہی کا واقعہ ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت مسلمان ہو چکے ہوں لیکن اپنے اسلام کے اعلان کو چھپا رکھا ہو اور اس کا اظہار فتح مکہ کے موقع پر کیا ہو۔

بہر حال اگر کوئی حاجی قصر کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ انگلی کے پور کے برابر پورے سر کے بال جمع کر کے کتروائے صرف ایک دو جگہ سے کترنا کافی نہیں اسی طرح اگر حلق کرنا ہو تو پورے سر کا حلق ضروری ہے صرف ایک ربع کا حلق کر کے باقی دوسرے موقع کے لئے چھوڑنا جائز نہیں کیونکہ یہ قزع کے حکم میں ہے اور قزع منع ہے۔[3]

سر منڈانے والوں کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء

﴿۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ أَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

[1] اخرجه البخاری: ۲/۲۱۳ ومسلم: ۱/۵۲۶ [2] المرقات: ۵/۵۳۴ [3] المرقات: ۵/۱۰۵۳۵۰۶ [4] اخرجه البخاری: ۲/۲۱۳ ومسلم: ۱/۵۴۴

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا "اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما۔" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! بال کتروانے والوں کے لئے دعاء رحمت کیجئے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اے اللہ! سر منڈانے والوں پر رحم فرما"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے (جب پھر) کہا کہ "یارسول اللہ! بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعاء رحمت کیجئے۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا "(اے اللہ!) اور بال کتروانے والوں پر بھی (رحم فرما)۔ (بخاری ومسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ عمرہ وحج میں سر منڈانا افضل ہے قصر افضل نہیں ہے قرآن کریم میں بھی حلق کو مقدم ذکر کیا گیا ہے۔

﴿٤﴾ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ جَدَّتِهِ أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ دَعَا لِلْمُحَلِّقِيْنَ ثَلَاثًا وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ مَرَّةً وَاحِدَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت یحییٰ ابن حصین رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) اپنی دادی محترمہ سے (کہ جن کی کنیت ام الحصین ہے) نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حجۃ الوداع میں نبی کریم ﷺ کو سر منڈانے والوں کے لئے تین مرتبہ اور بال کتروانے والوں کے لئے (آخر میں) ایک مرتبہ دعا کرتے سنا۔" (مسلم)

توضیح: بعض روایات میں حلق والوں کے لئے حضور اکرم ﷺ کی جانب سے دو بار دعائے رحمت کا ذکر ہے جیسے اس سے پہلے روایت میں ہے بعض روایات میں تین بار کا ذکر ہے جیسے زیر بحث روایت میں ہے بعض روایات میں چار بار کا ذکر موجود ہے ان روایات میں کوئی تضاد نہیں ہے مختلف مواقع اور مختلف مجالس میں آنحضرت نے محلقین کے لئے رحمت کی دعا فرمائی ہے۔ کسی مجلس میں دو بار کسی میں تین اور کسی میں چار بار دعا فرمائی ہے۔[2]

حضور اکرم ﷺ نے دائیں طرف سے حلق کرا کر بال صحابہ میں تقسیم کروائے

﴿٥﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى مِنًى فَأَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ أَتَى مَنْزِلَهُ بِمِنًى وَنَحَرَ نُسُكَهُ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَنَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْأَيْمَنَ فَحَلَقَهُ ثُمَّ دَعَا أَبَا طَلْحَةَ الْأَنْصَارِيَّ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْأَيْسَرَ فَقَالَ احْلِقْ فَحَلَقَهُ فَأَعْطَاهُ أَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ منیٰ میں آنے کے بعد جمرۂ عقبہ کے پاس تشریف لائے اور وہاں کنکریاں ماریں پھر منیٰ میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے اور اپنے ہدی کے جانوروں کو ذبح کیا، اس کے بعد سر منڈانے والے کو

[1] اخرجہ مسلم: ۱/۵۴۵ [2] المرقات: ۵/۵۳۶ [3] اخرجہ البخاری: ومسلم: ۱/۵۴۵

(جس کا نام معمر ابن عبداللہ تھا) بلایا اور اپنے سر کا دایاں حصہ اس کے سامنے کیا، چنانچہ اس نے آپ ﷺ کے سر (کے اس داہنے حصہ) کو مونڈا، پھر آپ ﷺ نے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان کو اپنے وہ مونڈے ہوئے بال دیئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے سر کا بایاں حصہ مونڈنے والے کی طرف کر کے فرمایا کہ اب اسے مونڈو، چنانچہ اس نے مونڈ دیا، یہ بال بھی آپ ﷺ نے حضرت ابوطلحہ انصاری کو دے دیئے اور فرمایا کہ یہ بال لوگوں میں تقسیم کردو۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "**شقه الایمن**" اس سے معلوم ہوا کہ حاجی اپنے سر کے وہ بال پہلے کٹوائے جو دائیں طرف میں ہیں اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بطور تبرک آنحضرت ﷺ نے اپنے سر مبارک کے بال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم کروائے حضور اکرم ﷺ نے اس کا پورا اہتمام کیا اور حکم دیا کہ "**اقسمه بين الناس**" لوگوں میں اس کو تقسیم کرو اس سے "**تبرك باثار الصالحين**" ثابت ہوتا ہے جس کی طرف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات میں بار بار اشارہ فرماتے ہیں کاش اگر آج کل نجدی حضرات اس حدیث کو اہمت دیں اور "**نجدی**" کے ساتھ کچھ "**وجدی**" بھی ہو جائیں۔[1]

احرام سے پہلے اور حلق کے بعد خوشبو کا استعمال جائز ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ وَيَوْمَ النَّحْرِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ بِطِيبٍ فِيهِ مِسْكٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کو احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگاتی تھی (احرام خواہ حج کا ہوتا خواہ عمرہ کا اور خواہ دونوں کا) اور میں نحر (قربانی) کے دن بھی خانۂ کعبہ کے طواف سے پہلے آپ ﷺ کے خوشبو لگاتی تھی، اور خوشبو بھی وہ جس میں مشک ہوتا تھا۔" (بخاری ومسلم)

احرام سے پہلے خوشبو کا استعمال سر کے بالوں اور کپڑوں میں جائز ہے لیکن بدن پر ایسا عطر نہیں لگانا چاہئے جو احرام کے بعد بدن پر باقی رہے اور حلق کے بعد ہر قسم کی خوشبو کا استعمال جائز ہے جیسا اس حدیث سے ثابت ہے۔

نحر کے دن آنحضرت ﷺ نے ظہر کی نماز کہاں پڑھی؟

﴿۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَاضَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ رَجَعَ فَصَلَّى الظُّهْرَ بِمِنًى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نحر کے دن (رمی اور قربانی سے فارغ ہو کر) مکہ تشریف لائے اور چاشت کے وقت طواف فرض کیا پھر (اسی روز) وہاں سے واپس ہوئے اور ظہر کی نماز منیٰ میں پڑھی۔" (مسلم)

[1] المرقات: ۵/۵۳۸ [2] اخرجه البخاري: ۲/۱۶۸ ومسلم: ۱/۴۲۸ [3] اخرجه مسلم: ۱/۵۴۷

توضیح: "بمنی" یعنی حضور اکرم ﷺ نے نحر کے دن ظہر کی نماز منٰی میں ادا فرمائی۔ سوال یہ ہے کہ حضرت جابر کی روایت میں جو حجۃ الوداع کے قصہ میں مذکور ہے اس میں تصریح موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے نحر کے دن ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی تھی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ منٰی میں پڑھی تھی یہ تضاد ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فی الحقیقۃ آنحضرت ﷺ نے یوم النحر میں ظہر کی نماز مکہ ہی میں ادا فرمائی تھی جیسا کہ حضرت جابر کی روایت میں ہے اور منٰی میں آپ نے صرف نفل پڑھے تھے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نفل کو فرض سمجھ کر ظہر کا ذکر فرما دیا۔ [1]

الفصل الثانی

عورت کے لئے سر منڈوانا منع ہے

﴿۸﴾ عَنْ عَلِيٍّ وَعَائِشَةَ قَالَا نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَحْلِقَ الْمَرْأَةُ رَأْسَهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [2]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عورت کو اپنا سر منڈوانے سے منع فرمایا ہے۔" (ترمذی)

حج اور عمرہ میں بھی عورتوں کے لئے سر کے بال منڈانا حرام ہے اور اس کے علاوہ بھی منڈانا حرام ہے عورتوں کے لئے سر کے بال رکھنا واجب ہے جس طرح مردوں کے لئے داڑھی رکھنا واجب ہے۔

عورتیں صرف قصر کریں

﴿۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ الْحَلْقُ إِنَّمَا عَلَى النِّسَاءِ التَّقْصِيْرُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وهٰذا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّالِثِ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سر منڈانا عورتوں کے لئے ضروری نہیں ہے بلکہ انہیں صرف اپنے بال کتروانے چاہئیں"۔ ابوداؤد، ترمذی، دارمی (اور یہ باب فصل ثالث سے خالی ہے)

توضیح: عورتوں کے قصر کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خود یا اپنے محرم کے ذریعہ سے تمام بالوں کو مٹھی میں پکڑ کر انگلی کے پور برابر کاٹ دے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مروہ کے پاس کچھ بچے قینچی لئے کھڑے رہتے ہیں اور لوگوں کے سروں میں ٹک لگا کر چند بال کتر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قصر ہے یہ غلط ہے یہ قصر کافی نہیں ہے اس سے اجتناب ضروری ہے اگر شوافع کے ہاں جائز ہو تو ان کے لئے جائز سہی احناف کا فتویٰ ایسا نہیں ہے۔ [4]

[1] المرقات: ۵/۵۳۹ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۲۵۷ [3] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۱۰ والدارمی: ۱۹۱۱ [4] المرقات: ۵/۵۴۰

باب متعلقات الحج

الفصل الاول

افعال حج میں تقدیم وتاخیر کا مسئلہ

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْأَلُوْنَهُ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ فَقَالَ اذْبَحْ وَلَاحَرَجَ فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ فَقَالَ اِرْمِ وَلَاحَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ اِلَّا قَالَ اِفْعَلْ وَلَاحَرَجَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ اِرْمِ وَلَاحَرَجَ وَأَتَاهُ آخَرُ فَقَالَ أَفَضْتُ اِلَى الْبَيْتِ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ اِرْمِ وَلَاحَرَجَ)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب منیٰ میں ٹھہرے تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل دریافت کریں تو ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ناواقفیت کی وجہ سے میں نے ذبح کرنے سے پہلے اپنا سر منڈوالیا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اب ذبح کرلو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" پھر ایک اور شخص نے آکر عرض کیا کہ میں نے ناواقفیت کی بناء پر کنکریاں مارنے سے پہلے جانور ذبح کرلیا ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اب کنکریاں مارلو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے"۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس فعل کی بھی تقدیم یا تاخیر کے بارہ میں سوال کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ "اب کرلو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "اذبح ولاحرج" یوم النحر میں چار بڑے احکام پورے کرنے ہوتے ہیں ① پہلا کام یہ کہ جمرۂ عقبہ پر کنکریاں ماری جائیں ② دوسرا کام یہ کہ قربانی کیا جائے۔ ③ تیسرا کام یہ کہ حاجی حلق کرے۔ ④ چوتھا کام یہ کہ طواف زیارت کرے اب ان افعال کو ترتیب کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے یا تقدیم وتاخیر کی گنجائش ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ ان افعال میں ترتیب قائم رکھنا سنت ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی نے اس کا لحاظ نہیں رکھا تو اس پر دم نہیں آئے گا اس کے برعکس امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام

[1] اخرجه البخاری: ۱/۳۱ ومسلم: ۱/۵۴۶۔ ۵۴۷

مالک رحمۃ اللہ علیہ اور علماء کے ایک طبقے کی یہ رائے ہے کہ ان افعال میں ترتیب قائم رکھنا واجب ہے لہٰذا اگر کسی نے تقدیم وتاخیر کی تو اس پر دم آئے گا۔[1]

دلائل:

شوافع وحنابلہ کی دلیل زیر بحث حدیث ہے کہ "**افعل ولاحرج**" مالکیہ اور احناف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے استدلال کیا ہے جس کو مصنف ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے "**قال ابن عباس من تقدم شیئا من حجۃ اواخر فلیرق لذلک دما**" یعنی جس نے اپنے حج کے افعال میں تقدیم وتاخیر کیا تو وہ دم دے۔ قرآن کی آیت میں ترتیب کے وجوب کی طرف واضح اشارہ ہے ارشاد عالی ہے "**ولاتحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ**"۔[2]

جواب: حضرت ابن عباس کی روایت زیر بحث حدیث میں جو یہ فرمایا کہ "**افعل ولاحرج**" تو اس حرج سے مراد اخرت کے گناہ کی حرج ہے کہ جب نزول احکام کے وقت کوئی شخص ناواقفی میں کسی حکم میں غلطی کرے تو اسکا گناہ نہیں ہے کیونکہ وہ سمجھا نہیں ہاں احکام کے نزول واستحکام کے بعد جہالت عذر نہیں ہے تو گناہ کا حرج نہیں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دنیا کا جرم بھی معاف ہو گیا دنیا کی سزا تو اٹھانی ہوگی جو دم کی صورت میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی اسی طرح معلوم ہوا لاحرج سے دم کی نفی نہیں اخرت کی سزا کی نفی ہے آج کل سعودیہ کے لوگ اور عام عرب افعل ولاحرج پر عمل کر کے عجیب تماشے کرتے ہیں حالانکہ ترتیب احکام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے اور آپ نے خود فرمایا کہ مجھے دیکھو اور مجھ سے احکام لو، دیکھ کر عمل کرو، تو حضور اکرم کا کوئی عمل ترتیب کے بغیر نہیں تھا خلفاء راشدین اور فقہاء صحابہ کا عمل ترتیب وار تھا بے ترتیبی کا یہ سوال حضرت صدیق وفاروق نے نہیں کیا تھا بلکہ کسی نو وارد نو مسلم اور مسائل سے نا آشنا شخص نے کیا تھا وہ مسافر بھی تھا فقیر بھی ہوگا اسلام کا پہلا حج تھا اس میں اس شخص پر دم کا جرمانہ لگانا ایک قسم کا حرج تھا اس لئے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بے ترتیبی کو وقتی مجبوری کے تحت معاف کیا یہ بے ترتیبی امت کے لئے ضابطہ نہیں بلکہ امت کے لئے ضابطہ تو مرتب حج ہے جس کی قرآن سختی سے ترغیب دیتا ہے اگر حج میں ترتیب ختم ہو جائے تو عجیب منظر ہوگا ساٹھ لاکھ حاجیوں میں سے کوئی طواف زیارت کا عمل عرفات جانے سے پہلے کرے گا کوئی عرفات جاتے وقت رمی جمار کریگا کوئی مزدلفہ کا عمل کریگا تو کوئی جاتے وقت مکہ ہی میں سر منڈوائے گا اس طرح حج کا ایک اجتماعی عمل جس میں قول وفعل اور حرکات وسکنات بلکہ لباس کی ہیئات میں شریعت نے ہم آہنگی اور موافقت کا درس دیا ہے وہ انتشار کا شکار ہو جائے گا بہرحال حضرت اقدس حضرت مولانا سید یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری پڑھاتے ہوئے فرمایا کہ مشکلات اور حالات کے پیش نظر اگر علماء احناف جمہور کے قول پر فتویٰ دیدیں تو عوام کے لئے بڑی سہولت ہوگی اور حرج دفع ہو جائے گا میں حضرت کے اس قول کا احترام کرتا ہوں لیکن اوپر میں نے اصل حقیقت کو واضح کیا ہے۔[3]

---

[1] المرقات: ۵/۵۴۲ [2] سورۃ البقرۃ: ایات ۱۹۶ [3] المرقات: ۵/۵۴۲

کنکریاں دن کو مارنا چاہیے

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْئَلُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى فَيَقُوْلُ لَاحَرَجَ فَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ رَمَيْتُ بَعْدَ مَاأَمْسَيْتُ فَقَالَ لَاحَرَجَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قربانی کے دن منیٰ میں لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (تقدیم وتاخیر کے سلسلہ میں) مسائل دریافت کررہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب میں یہی فرماتے تھے کہ ''کوئی حرج نہیں ہے''۔ چنانچہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں نے شام ہونے کے بعد کنکریاں ماری ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کوئی حرج نہیں ہے۔'' (بخاری)

توضیح: "بعدما امسیت" ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کی رمی جمرۂ عقبہ میں اگر کسی شخص نے اتنی تاخیر کی کہ رات آگئی تو جمہور کے نزدیک اس شخص پر دم واجب ہوجائے گا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس طرح ترتیب ہے کہ طلوع آفتاب سے لیکر زوال شمس تک جمرۂ عقبہ کی کنکریاں مارنے کا مسنون اور بہترین وقت ہے زوال شمس سے لیکر غروب آفتاب تک وقت جواز ہے غروب آفتاب کے بعد رات کے وقت جمرۂ عقبہ کی کنکریاں مارنا مکروہ ہے ایسا نہیں کرنا چاہیے لیکن اگر کسی نے ایسا کیا تو اس پر دم نہیں آئے گا۔ یہ اختلاف صرف جمرۂ عقبہ کی کنکریاں مارنے میں ہے باقی ایام کی رمی میں نہیں ہے زیر بحث حدیث میں "لاحرج" کو احناف اس شخص کے عذر پر حمل کرتے ہیں کہ ان کی کوئی مجبوری تھی آج کل ۲۰۰۵ء میں سعودی عرب کے علماء نے حرج اور مجبوری کے تحت اجتہاد کر کے یہ فیصلہ سنایا ہے کہ جمرات کی رمی میں دن اور رات کی کوئی قید نہیں ہے اور زوال سے پہلے بھی تمام جمرات کی رمی کی اجازت ہے ان حضرات نے اپنے اعلان میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کے مختلف حوالے بھی دیئے ہیں میرے خیال میں یہ فیصلہ بہت ہی اچھا ہے تاکہ کھلے اوقات میں رمی ہوجائے۔[2]

الفصل الثانی

﴿۳﴾ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنِّي أَفَضْتُ قَبْلَ أَنْ أَحْلِقَ قَالَ احْلِقْ أَوْ قَصِّرْ وَلَاحَرَجَ وَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَاحَرَجَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! میں نے طواف افاضہ یعنی فرض طواف سر منڈانے سے پہلے کرلیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اب سر منڈالو یا بال کتروالو۔ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔'' اسی طرح ایک اور شخص نے آکر عرض کیا کہ ''میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے جانور ذبح کرلیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اب کنکریاں مارلو، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔'' (ترمذی)

[1] اخرجه البخاری: ۲/۳۱ [2] المرقات: ۵/۵۴۳ [3] اخرجه الترمذی:

الفصل الثالث

﴿٤﴾ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَكَانَ النَّاسُ يَأْتُوْنَهُ فَمِنْ قَائِلٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَعَيْتُ قَبْلَ أَنْ أَطُوْفَ أَوْ أَخَّرْتُ شَيْئًا أَوْ قَدَّمْتُ شَيْئًا فَكَانَ يَقُوْلُ لَاحَرَجَ إِلَّا عَلٰى رَجُلٍ اقْتَرَضَ عِرْضَ مُسْلِمٍ وَهُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِكَ الَّذِيْ حَرَجَ وَهَلَكَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ ادائیگی حج کی سعادت حاصل ہوئی ہے، چنانچہ (حج کے دوران) جولوگ (مسائل پوچھنے کے لئے) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے تھے، ان میں سے کوئی یہ کہتا کہ ''یارسول اللہ! میں نے طواف کعبہ سے پہلے سعی کرلی ہے؟ یا (افعال منیٰ میں سے) یہ کام میں نے پہلے کرلیا؟ یا یہ کام میں نے بعد میں کیا؟ آپ ﷺ اس سے فرماتے کہ ''اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ گناہ اس شخص پر ہے جو ظالم ہونے کی وجہ سے کسی مسلمان کی آبرو ریزی کرے پس یہ وہ شخص ہے جو گناہ گار ہے اور ہلاک ہوا۔'' (ابوداؤد)

"اقترض" کاٹنے کے معنی میں ہے یعنی جس شخص نے کسی مسلمان کی آبروریزی اور اس کی تحقیر وتوہین کی اور اس پر ظلم کیا اس میں حرج ہے اور گناہ ہے۔[2]

ملاحظہ: ''الحمد للہ یہاں تک ان مباحث کی تحریر مکہ مکرمہ میں رمضان ۱۴۲۵ھ میں ہوئی''

فضل محمد غفرلہ نزیل مکۃ المکرمہ

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۲۱۸ [2] المرقات: ۵/۵۴۴

باب خطبة يوم النحر

ورمى ايام التشريق والتوديع

بقرعید کا خطبہ، رمی جمرات اور طواف وداع کا بیان

قال الله تعالى: ﴿فمن تعجل فى يومين فلا اثم عليه ومن تأخر فلا اثم عليه لمن اتقى﴾ [1]

الفصل الاول

قربانی کے دن خطبہ

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُوالْقَعْدَةِ وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِيْ بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ وَقَالَ أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا قُلْنَا اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ فَقَالَ أَلَيْسَ ذَاالْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا قُلْنَا أَللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ الْبَلْدَةَ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَأَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا أَللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ قَالَ أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَإِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَإِعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ أَلاَ فَلاَ تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ ضُلاَّلاً يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ أَلَاهَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ أَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے قربانی کے دن ہمارے سامنے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا

[1] سورۃ بقرۃ الایہ ۲۰۳ [2] اخرجه البخاري: ۱/۲۶ ومسلم: ۲/۴۲

''(لوگو) زمانہ (یعنی سال) کی گردش پوری ہوگئی ہے اپنی اس وضع کے موافق جس پر کہ وہ اس روز تھا جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا (یعنی سال اپنی وضع کے مطابق بارہ مہینے کا پورا ہوگیا ہے) سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے جس میں سے چار مہینے باحرمت ہیں تین تو مسلسل ہیں یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور (چوتھا) مُضر کا رجب جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' ہم نے عرض کیا ''اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتا ہے''۔ آپ ﷺ نے سکوت فرمایا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ اس مہینہ کا کوئی اور نام رکھیں گے، مگر آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟'' ہم نے کہا ''بیشک ذی الحجہ ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ کون سا شہر ہے؟'' ہم نے کہا ''اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے''۔ آپ ﷺ پھر خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ (اس شہر کا کوئی اور نام رکھیں گے مگر آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا یہ بلدہ (مکہ کا ایک نام ہے) نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کیا کہ ''بیشک! بلدہ ہی ہے''۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ کون سا دن ہے؟'' ہم نے کہا کہ ''اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے۔'' آپ ﷺ نے پھر سکوت فرمایا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے مگر آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا یہ یوم نحر (قربانی کا دن) نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کیا کہ ''بیشک یہ یوم نحر ہی ہے۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''(یاد رکھو!) تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تم پر (ہمیشہ کے لئے) اسی طرح حرام ہیں جس طرح کہ تمہارے اس دن میں، تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینہ میں۔ اور (اے لوگو!) تم عنقریب اپنے پروردگار سے ملو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارہ میں سوال کرے گا! خبردار! میری وفات کے بعد تم ضلالت کی طرف نہ لوٹ جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ آگاہ! کیا میں نے (احکامِ خداوندی پہنچانے کا) اپنا فرض ادا کر دیا؟ ہم نے عرض کیا ''بیشک! آپ ﷺ نے اپنا فرض پورا کر دیا۔'' پھر (آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ) جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، کیونکہ بعض وہ لوگ جنہیں کوئی بات پہنچائی جائے اس بات کو سننے والے سے زیادہ یاد رکھتے ہیں۔'' (بخاری و مسلم)

توضیح: "**یوم النحر**" یعنی دس ذوالحجہ عید کے دن آنحضرت ﷺ نے منیٰ میں صحابہ کرام کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اب اس میں بحث ہو چلی ہے کہ ایام حج میں کتنے خطبے ہیں اور کن کن دنوں میں ہیں تو احناف کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حج کے ایام میں ایک خطبہ ساتویں ذوالحجہ کو ہے تاکہ منیٰ کے لئے روانگی کے مسائل کا بیان ہو جائے دوسرا خطبہ ذوالحجہ کی نویں تاریخ میں ہے تاکہ وقوف عرفہ اور مزدلفہ کے احکام کا بیان ہو جائے اور تیسرا خطبہ ذوالحجہ کی گیارہویں تاریخ کو ہے جس میں رمی جمرات وغیرہ کے مسائل کا بیان ہوتا ہے شوافع حضرات کے نزدیک دس ذوالحجہ یوم النحر کا خطبہ بھی مسنون اور مستحب ہے اور زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں احناف ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جس میں گیارہ ذوالحجہ کے خطبہ کا ذکر ہے زیر بحث حدیث میں دس ذوالحجہ کے جس خطبہ کا ذکر موجود ہے احناف اس کو خطبۃ الحج کے بجائے خطبۂ وعظ و نصیحت قرار دیتے ہیں۔[1]

---

[1] المرقات: ۵/۵۴۵

"**قد استدار**" یعنی زمانہ گھوم پھر کر آج اسی نہج پر آ گیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے اس نظام کو تخلیق کے وقت مقرر فرمایا تھا لہٰذا سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے اور اس میں چار مہینے احترام والے ہیں تین ساتھ ساتھ ہیں جو ذی قعدہ ذی الحجہ اور محرم ہیں اور چوتھا الگ ہے جو رجب المرجب ہے حضور اکرم ﷺ نے یہ بیان اس لئے فرمایا کہ جاہلیت میں عرب نے سال اور مہینوں میں بہت زیادہ ردوبدل کیا تھا وہ جب بھی چاہتے تو سال کو بارہ مہینوں کے بجائے تیرہ یا چودہ ماہ کا قرار دیتے اور ذوالحجہ کے مہینے کو آگے پیچھے کر دیتے تھے کبھی محرم میں تغیر کرتے تھے اور کبھی صفر میں ردوبدل کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے چنانچہ جاہلیت کا ایک شاعر کہتا ہے۔[1]

ونحن الناسئون علی معد شهور الحل نجعلها حراما

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس طبقہ کو "**نسی**" کے نام سے یاد کر کے گمراہ قرار دیا اسی طبقے میں سے ایک شاعر اپنے سردار کی بڑائی بیان کر کے کہتا ہے۔

لهم ناسئ يمشون تحت لوائه يحل اذا شاء الشهور ويحرم

حضور اکرم ﷺ نے جس سال حج فرمایا تھا اس وقت زمانہ اپنے اصلی حالت پر آ گیا تھا اور عرب کے تغیر اور ردوبدل سے پاک ہو کر ذوالحجہ اسی وقت پر آ گیا تھا جس وقت پر اس کو آنا چاہئے تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ اپنی اصل حالت پر لوٹ آیا ہے اس کو یاد رکھو اور حج اسی ذوالحجہ میں کیا کرو اہل جاہلیت کی طرح اس میں ردوبدل نہ کرو۔

"**اربعة حرم**" احترام کے ان چار مہینوں میں ابتداء اسلام میں کفار سے لڑنا اور جہاد کرنا بھی ممنوع تھا پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور ان مہینوں میں کفار سے لڑنا جائز ہو گیا البتہ ان مہینوں میں معاصی اور ظلم و زیادتی کرنا اب بھی حرام ہے جیسا کہ دیگر ایام میں حرام ہے قبیلہ مضر کے لوگ رجب کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے اس لئے یہ مہینہ ان کی طرف منسوب ہوتا تھا اس حدیث میں اسی نسبت کا ذکر ہے۔[2]

"**ای شهر**" **هذا** نبی مکرم نے صحابہ کرام سے بار بار ایسی چیزوں کا سوال کیا جس کے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن یہ تعلیم کا سب سے عمدہ طریقہ تھا تاکہ ہر شخص غور سے سنے اور معلوم کر لے کہ حقیقت کیا ہے پھر صحابہ کے ادب کو دیکھئے کہ ایک بدیہی چیز کا جواب نہیں دیتے ہیں تاکہ خود آنحضرت تعین اور تشریح فرمالیں، حضور اکرم ﷺ پر تبلیغ احکام واجب تھا اس لئے آپ نے جب اس کا حق ادا فرمایا تو **اللّٰھم اشھد** کا اعلان فرمادیا تاکہ ذمہ ساقط ہو۔[3]

گیارہویں اور بارہویں تاریخ میں رمی کا وقت

﴿۲﴾ وَعَنْ وَبَرَةَ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ مَتٰى أَرْمِي الْجِمَارَ قَالَ إِذَا رَمٰى إِمَامُكَ فَارْمِهِ فَأَعَدْتُ عَلَيْهِ الْمَسْأَلَةَ فَقَالَ كُنَّا نَتَحَيَّنُ فَإِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ رَمَيْنَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

[1] المرقات: ۵/۵۳۶ [2] المرقات: ۵/۵۳۶ [3] المرقات: ۵/۵۳۶ [4] اخرجه البخاری: ۲/۲۱۷

ترجمہ: اور حضرت وَبَرہ رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میں (گیارھویں اور بارھویں ذی الحجہ کو) رمی جمار کس وقت کروں؟'' تو انہوں نے فرمایا کہ ''جس وقت تمہارا امام رمی کرے، اسی وقت تم بھی رمی کرو (یعنی رمی میں اس شخص کی پیروی کرو جو رمی کے وقت کے بارے میں تم سے زیادہ جانتا ہو) میں نے ان کے سامنے پھر یہ مسئلہ رکھا (یعنی میں نے ان سے رمی کے وقت کی مزید وضاحت چاہی) انہوں نے فرمایا ''ہم رمی کے وقت کا انتظار کرتے تا آنکہ جب دوپہر ڈھلتی تو ہم کنکریاں مارتے۔'' (بخاری)

توضیح: ''امامك'' اس سے امیر الموسم یعنی امیر الحج مراد ہے اور پھر ہر آدمی کا رہبر وہی شخص ہے جو رمی کے صحیح اوقات کو زیادہ جانتا ہو۔[1]

''نتحین'' یعنی ہم رمی کے وقت کا انتظار کرتے تھے، بہر حال رمی جمرات میں یہ ترتیب ہے کہ دسویں ذوالحجہ میں صرف ایک جمرۂ عقبہ کی رمی ہے مسجد خیف کے قریب جو جمرہ واقع ہے یہ جمرۂ عقبہ ہے مزدلفہ سے آتے وقت یہ جمرہ سب سے آخر میں آتا ہے دسویں تاریخ کو صرف اسی پر کنکریاں مارنا واجب ہے اور صبح سے شام تک اس کی رمی جائز ہے۔ پھر گیارہ اور بارہ ذوالحجہ میں تینوں جمرات کی رمی واجب ہے لیکن قبل زوال جائز نہیں بلکہ زوال کے بعد سے اس کا وقت شروع ہوتا ہے رات کے وقت بھی بوجہ مجبوری جائز ہے تیرہ ذوالحجہ کی رمی اگر کوئی آدمی نہیں کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ بارہ ذوالحجہ کے غروب آفتاب اور طلوع فجر سے پہلے پہلے منیٰ سے نکل جائے اگر اس نے رات وہاں گذاردی تو اب تیرہ ذوالحجہ کی رمی بھی اس پر لازم ہوگئی البتہ یہ رمی زوال سے پہلے پہلے بھی جائز ہے۔[2]

رمی جمرات کی مکمل ترتیب

﴿۳﴾ وَعَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَرْمِي جَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلَى إِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتَّى يُسْهِلَ فَيَقُومُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ طَوِيلاً وَيَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِي الْوُسْطَى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمَى بِحَصَاةٍ ثُمَّ يَأْخُذُ بِذَاتِ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُومُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُو وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُومُ طَوِيلاً ثُمَّ يَرْمِي جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ وَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُولُ هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ) نزدیک کے جمرہ (یعنی جمرۂ اولیٰ) پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے بعد اللہ اکبر کہتے پھر آگے بڑھتے یہاں تک کہ جب نرم زمین پر پہنچتے تو

[1] المرقات: ۵/۵۴۷ [2] المرقات: ۵/۵۴۷ [3] اخرجه البخاري: ۲/۲۱۸

دیر تک (یعنی بقدر تلاوت سورۂ بقرہ) قبلہ رو کھڑے رہتے اور دعا مانگتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر جمرۂ وسطیٰ پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے، پھر بائیں جانب کو بڑھتے اور نرم زمین پر پہنچ کر قبلہ رو کھڑے ہو جاتے اور دعا مانگتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک کھڑے رہتے، یہاں تک کہ جمرۂ عقبہ پر بطن وادی سے سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے اور اس جمرہ کے قریب نہیں ٹھہرتے، پھر وہ وہاں سے واپس ہوتے اور کہتے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔'' (بخاری)

توضیح: ''جمرۂ دنیا'' مزدلفہ سے آتے ہوئے پہلا جمرہ جو سامنے آتا ہے وہی جمرۂ دنیا اور جمرۂ اولیٰ ہے اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ ہے اور آخر میں جمرۂ عقبیٰ ہے پہلے اور دوسرے جمرہ کے مارنے کے بعد دعا مانگنا بھی مستحب ہے اور پیدل مارنا بھی مستحب ہے جمرۂ عقبیٰ کے بعد کھڑے ہو کر دعا کی ضرورت نہیں اور چونکہ حاجی کو جمرات سے فارغ ہو کر جانا ہوتا ہے اس لئے سواری پر سوار ہو کر اس کا مارنا بہتر ہے آج کل تو سوار ہونے کا تصور ممکن نہیں ہے۔[1]

''**بطن الوادی**'' آج کل وادی کا اندازہ تو نہیں ہوتا البتہ یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے کس مقام پر کھڑے ہو کر رمی فرمائی تھی اس کا طریقہ یہ ہے کہ رمی کرنے والے شخص کا بائیاں کندھا جب قبلہ کی طرف ہو اور دائیاں کندھا مزدلفہ کی طرف ہو اور منہ جمرۂ کی طرف ہو تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ اسی جانب سے حضور اکرم ﷺ نے رمی فرمائی تھی۔[2]

''**یکبر**'' رمی کے وقت اس طرح دعا پڑھنا چاہیے۔[3]

''**بسم اللہ اللہ اکبر رضًا للرحمان وترغیمًا للشیطان**''

یعنی رحمان کو راضی کرنے کی غرض سے اور شیطان کو ذلیل کرنے کی غرض سے کنکریاں مارتا ہوں۔

منیٰ میں رات کو ٹھہرنا واجب ہے یا سنت ہے؟

﴿٤﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِسْتَأْذَنَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَبِيْتَ بِمَكَّةَ لَيَالِيَ مِنًى مِنْ أَجْلِ سِقَايَتِهِ فَأَذِنَ لَهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ابن عبد المطلب نے رسول کریم ﷺ سے اس بات کی درخواست کی کہ جن راتوں میں منیٰ میں قیام کیا جاتا ہے ان میں انہیں سبیل زمزم کی خدمت کے لئے مکہ رہنے کی اجازت دے دی جائے چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔'' (بخاری و مسلم)

توضیح: ''استأذن عباس رضی اللہ عنہ'' حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیت اللہ کے پاس زمزم کے

[1] المرقات: ۵/۵۴۹ [2] المرقات: ۵/۵۵۰ [3] المرقات: ۵/۵۵۰ [4] اخرجه البخاری: ۲/۱۹۱ ومسلم: ۱/۵۴۹

کنوئیں کے نگران تھے چنانچہ آپ کی نگرانی میں حاجیوں کو زمزم کا پانی پلایا جاتا تھا اسی خدمت کے لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے اجازت مانگی کہ میں منیٰ کی رات مکہ مکرمہ میں گذار دوں گا تا کہ حاجیوں کی خدمت کرسکوں حضور اکرم ﷺ نے آپ کو اجازت دیدی رمی جمار کے ایام میں منیٰ میں تین راتیں گذارنے کو لیالی منیٰ اور مبیت منیٰ کہتے ہیں اب شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ منیٰ کی تین راتیں منیٰ ہی میں گذارنا چاہئے کسی دوسری جگہ مبیت اختیار نہیں کرنا چاہئے لیکن اس میں بحث ہے کہ مبیت منیٰ کی حیثیت واجب کی ہے یا یہ مبیت سنت ہے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تین راتیں منیٰ میں گذارنا واجب ہے اس کے ترک کرنے پر دم لازم آئے گا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اور ایک قول میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مبیت منیٰ سنت ہے اس کے ترک پر دم نہیں آتا ہے البتہ بلا عذر اس کا ترک کرنا بہت برا ہے زیر بحث حدیث سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا ہے کہ مبیت منیٰ سنت ہے کیونکہ اگر یہ مبیت واجب ہوتا تو حضور اکرم ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اجازت نہ دیتے۔[1]

آنحضرت ﷺ چاہ زمزم پر

﴿۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ إِلَى السِّقَايَةِ فَاسْتَسْقٰى فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَافَضْلُ اذْهَبْ إِلٰى أُمِّكَ فَأْتِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرَابٍ مِنْ عِنْدِهَا فَقَالَ اِسْقِنِيْ فَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهُمْ يَجْعَلُونَ أَيْدِيَهُمْ فِيهِ قَالَ اسْقِنِيْ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ أَتٰى زَمْزَمَ وَهُمْ يَسْقُونَ وَيَعْمَلُونَ فِيهَا فَقَالَ اعْمَلُوا فَإِنَّكُمْ عَلٰى عَمَلٍ صَالِحٍ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا أَنْ تُغْلَبُوا لَنَزَلْتُ حَتّٰى أَضَعَ الْحَبْلَ عَلٰى هٰذِهِ وَأَشَارَ إِلٰى عَاتِقِهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سبیل پر تشریف لائے اور زمزم کا پانی مانگا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے سے کہا کہ "فضل! اپنی والدہ کے پاس جاؤ اور رسول کریم ﷺ کے لئے ان سے (زمزم کا وہ) پانی مانگ لاؤ (جو اُن کے پاس رکھا ہوا ہے اور ابھی استعمال نہیں ہوا ہے) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "تم تو مجھے (اسی سبیل سے) پانی پلا دو۔" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! لوگ اس میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں!" آپ ﷺ نے فرمایا "کوئی مضائقہ نہیں ہے مجھے (اسی میں سے) پلا دو۔" چنانچہ آپ ﷺ نے اس پانی میں سے پیا اور پھر زمزم کے کنویں کے پاس تشریف لائے جہاں لوگ (یعنی عبد المطلب کے خاندان والے) لوگوں کو پانی پلا رہے تھے اور اس خدمت میں پوری طرح مصروف تھے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "اپنا کام کئے جاؤ کیونکہ تم ایک نیک کام میں لگے ہوئے ہو۔" پھر فرمایا "اگر مجھے

[1] المرقات: ۵/۵۵۱ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۹۱

یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غلبہ پالیں گے تو میں (اپنی اونٹنی پر سے) اترتا (جس پر آپ ﷺ سوار تھے تا کہ آپ ﷺ سب کے سامنے رہیں اور لوگ آپ ﷺ سے حج کے عملی احکام سیکھیں) اور آپ ﷺ نے اپنے مونڈھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ رسی اس پر رکھتا۔ (بخاری)

توضیح: "السقایة" زمزم کے کنوئیں کے پاس زمزم کا سبیل لگا ہوا تھا عام لوگ اس سے پانی پیتے تھے آنحضرت ﷺ نے وہی پر اتر کر پینے کے لئے پانی مانگا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت فضل سے فرمایا کہ جا کر گھر سے زمزم کا پانی لاکر حضور اکرم ﷺ کو پلا دو کیونکہ سبیل کے اس پانی میں عام لوگ ہاتھ ڈالتے ہیں آنحضرت نے اعلیٰ تواضع کا مظاہرہ فرمایا اور حکم دیا کہ اسی عام پانی سے مجھے پلا دو۔[1]

اس کے بعد آنحضرت ﷺ زمزم کے کنوئیں پر آگئے جہاں سے پانی ڈول کے ذریعہ سے نکالا جاتا تھا آنحضرت نے خواہش ظاہر کی کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی اونٹنی سے اتر کر خود زمزم کے کنوئیں سے بذریعہ ڈول پانی کھینچ لوں لیکن اگر میں ایسا کروں تو پھر سارے لوگ تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور یہ خدمت تم سے چھین لیں گے لہٰذا یہ بہتر کام ہے تم اس کو سرانجام دیتے رہو اس روایت میں اسی طرح قصہ ہے ایک اور روایت میں دوسری طرح قصہ ہے کہ حضور ﷺ اونٹنی سے اتر گئے اور ڈول کے ذریعہ سے پانی حاصل کیا اور بقیہ پانی پھر کنوئیں میں ڈالدیا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعے ہیں۔[2]

آنحضرت ﷺ کا طواف وداع کے لئے آنا

﴿۶﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ثُمَّ رَقَدَ رَقْدَةً بِالْمُحَصَّبِ ثُمَّ رَكِبَ إِلَى الْبَيْتِ فَطَافَ بِهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ کو منیٰ سے روانہ ہو کر) محصب میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اور وہیں کچھ دیر تک سو رہے پھر خانہ کعبہ کے لئے سوار ہوئے اور (وہاں پہنچ کر) طواف (طواف وداع) کیا۔" (بخاری)

توضیح: "الوداع" طواف وداع آفاقی کے لئے واجب ہے جب حج کے افعال ختم ہو جاتے ہیں اور حاجی اپنے وطن لوٹنا چاہتا ہے تو وہ بیت اللہ کا طواف کر کے رخصت ہوتا ہے اسی رخصتی طواف کو طواف وداع کہتے ہیں آفاقی پر طواف وداع واجب ہے حضور اکرم ﷺ چونکہ آفاقی تھے اس لئے تیرہ ذوالحجہ کو رمی سے فارغ ہو کر آپ بیت اللہ آئے اور طواف وداع کر کے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے منیٰ سے بیت اللہ کی طرف آتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے محصب میں تھوڑا سا قیام فرمایا محصب منیٰ اور بیت اللہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اس کو ابطح بھی کہتے ہیں اور بطحاء بھی کہتے ہیں

---

[1] المرقات: ۵/۵۵۲ [2] المرقات: ۵/۵۵۲، ۵۵۳ [3] اخرجه البخاري: ۲/۲۲۰

اور اس کو خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں۔ اسی جگہ میں کفار قریش نے بنو ہاشم سے سوشل بائیکاٹ کا حلف نامہ لکھا تھا اب مسئلہ یہ ہے کہ کسی حاجی کے لئے یہاں قیام کرنا کیسا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ تحصیب کرنا یعنی محصب میں ٹھہرنا مسنون اور افعال حج کا تتمہ ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن دوسرے علماء فرماتے ہیں اور آنے والی حدیث عائشہ میں بھی ہے کہ محصب میں حضور اکرم ﷺ کا ٹھہرنا ایک اتفاقی معاملہ تھا کوئی شرعی مسئلہ نہیں تھا یا تو آپ وہاں اس لئے ٹھہرے تھے کہ یہاں سے مدینہ کی طرف نکلنا آسان تھا یا اس لئے ٹھہرے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا تھا کہ اسی جگہ میں کفار نے کس طرح ظالمانہ فیصلہ کیا تھا اور آج کفر کا یہاں نام ونشان نہیں بلکہ اسلام کا غلبہ ہے بہر حال احناف کی کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ محصب میں ٹھہرنا ایک اتفاقی معاملہ تھا آج کل تو کوئی آدمی محصب کو جانتا بھی نہیں ہے تیرہ ذوالحجہ کو رمی سے فارغ ہو کر منیٰ سے نکلنے کے دن کو یوم النفر کہتے ہیں۔[1]

﴿۷﴾ وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قُلْتُ أَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ قَالَ بِمِنًى قَالَ فَأَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ قَالَ بِالْأَبْطَحِ ثُمَّ قَالَ افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ أُمَرَاؤُكَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبدالعزیز ابن رفیع (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ رسول کریم ﷺ کے متعلق اس بارہ میں جو کچھ جانتے ہیں مجھے بتایئے کہ آپ ﷺ نے ترویہ کے دن (یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو) ظہر کی نماز کہاں پڑھی؟'' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''منیٰ میں'' عبدالعزیز (کہتے ہیں کہ میں نے) پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا کہ'' آپ ﷺ نے نفر کے دن (یعنی ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ کو) عصر کی نماز کہاں پڑھی؟'' تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''ابطح میں'' پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''تم اسی طرح کرو جس طرح تمہارے سردار کرتے ہیں۔''

(بخاری ومسلم)

ابطح میں قیام سنت نہیں

﴿۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ نُزُولُ الْأَبْطَحِ لَيْسَ بِسُنَّةٍ إِنَّمَا نَزَلَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنَّهُ كَانَ أَسْمَحَ لِخُرُوجِهِ إِذَا خَرَجَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابطح میں اترنا (یعنی ٹھہرنا) سنت نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ تو وہاں صرف اس لئے اترے تھے کہ (مکہ سے) چلنے میں آسانی ہو جبکہ آپ ﷺ وہاں سے واپس ہوئے تھے۔''

(بخاری ومسلم)

[1] المرقات: ۵/۵۵۳ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۹۷ ومسلم: ۱/۵۴۷ [3] اخرجه البخاری: ۲/۲۲۱ ومسلم: ۱/۵۴۷

﴿۹﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ أَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ فَقَضَيْتُ عُمْرَتِي وَانْتَظَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ فَأَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيلِ فَخَرَجَ فَمَرَّ بِالْبَيْتِ فَطَافَ بِهٖ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَدِينَةِ هٰذَا الْحَدِيثُ مَا وَجَدْتُهٗ بِرِوَايَةِ الشَّيْخَيْنِ بَلْ بِرِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ مَعَ اخْتِلَافٍ يَسِيرٍ فِي آخِرِهٖ۔[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عمرہ کے لئے تنعیم سے احرام باندھا اور مکہ میں داخل ہوئی اور پھر میں نے اپنا (وہ) عمرہ ادا کیا (جو ایام شروع ہو جانے کی وجہ سے رہ گیا تھا اور جس کی قضا مجھے کرنی تھی، اس کی تفصیل باب حجۃ الوداع میں گذر چکی ہے) اور رسول کریم ﷺ ابطح میں میرے انتظار میں رہے، یہاں تک کہ جب میں (افعال عمرہ سے) فارغ ہوگئی تو آپ ﷺ نے لوگوں کو روانگی کا حکم دیا، چنانچہ آپ ﷺ (ابطح سے) روانہ ہو کر خانۂ کعبہ تشریف لائے اور نماز فجر سے پہلے اس کا طواف (یعنی طواف وداع) کیا پھر (نماز فجر سے پہلے ہی یا نماز فجر پڑھنے کے بعد) مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔"

طواف وداع واجب ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُونَ فِي كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْفِرَنَّ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ آخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ إِلَّا أَنَّهٗ خُفِّفَ عَنِ الْحَائِضِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ (افعال حج کی ادائیگی کے بعد) طواف وداع کئے بغیر ہر طرف (یعنی اپنے اپنے وطن کو) روانہ ہو رہے تھے (یعنی لوگ اس بات کی پابندی نہیں کر رہے تھے کہ افعالِ حج کے بعد مکہ مکرمہ آ کر طواف وداع کرتے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی بھی (یعنی آفاقی) روانہ نہ ہو جب تک کہ (سفر حج کا) آخری مرحلہ بیت اللہ کو قرار نہ دے لے (یعنی کوئی بھی آفاقی طواف وداع کئے بغیر اپنے وطن کو واپس نہ ہو) ہاں یہ طواف حیض (ونفاس) والی عورت کے لئے موقوف ہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "فی کل وجہٍ" یعنی لوگ افعال حج سے فارغ ہو کر جہاں سے چاہتے اور جیسے چاہتے اپنے اپنے وطن کو واپس جاتے طواف وداع اور طواف رخصت کی پرواہ نہیں رکھتے اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بھی شخص طواف وداع کے بغیر نہ جائے افعال حج سے فارغ ہونے کے بعد اور مکہ مکرمہ سے اپنے وطن واپس لوٹنے کے وقت جو آخری طواف کیا جاتا ہے اس کو طواف وداع کہتے ہیں نیز اس کو طواف صدر بھی کہتے ہیں وداع کا معنی رخصت کا ہے یہ شخص بھی

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۱۵ [2] اخرجه البخاري: ومسلم: ۱/۵۵۴

بیت اللہ سے رخصت ہورہا ہے طواف وداع جمہور کے نزدیک واجب ہے اس کے چھوڑنے پر دم آتا ہے اور امام مالک کے نزدیک سنت ہے یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے۔ طواف وداع کے بعد اگر حاجی مکہ میں کچھ رک گیا تو دوبارہ طواف وداع ضروری نہیں ہے البتہ بہتر یہی ہے کہ طواف وداع بیت اللہ کے پاس حاجی کا آخری عمل ہو یہ طواف آفاقی پر واجب ہے جو لوگ مکہ میں رہتے ہیں یا میقات کے اندر رہتے ہیں ان پر طواف وداع نہیں ہے عمرہ کرنے والے لوگوں پر بھی طواف وداع واجب نہیں ہے اگرچہ لوگ کرتے ہیں اگر عورت کو حیض کا عذر ہو یا دیگر اصحاب عذر ہوں تو ان سے یہ طواف ساقط ہوجاتا ہے۔[1]

عذر کے وقت طواف وداع واجب نہیں رہتا

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَاضَتْ صَفِيَّةُ لَيْلَةَ النَّفْرِ فَقَالَتْ مَا أُرَانِي إِلَّا حَابِسَتَكُمْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقْرَى حَلْقَى أَطَافَتْ يَوْمَ النَّحْرِ قِيلَ نَعَمْ قَالَ فَانْفِرِيْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ یوم نفر کی رات میں حضرت صفیہ کے ایام شروع ہوگئے تو وہ کہنے لگیں کہ میرا خیال ہے میں آپ لوگوں کو (مدینہ کی روانگی سے) روکوں گی (کیونکہ میرے ایام شروع ہوگئے ہیں اور میں نے طواف وداع کیا ہی نہیں) آنحضرت ﷺ نے (جب یہ سنا تو) فرمایا کہ ''زخمی زخمی ہوجائے کیا اس نے نحر کے دن (طواف زیارت) کیا ہے؟'' عرض کیا گیا کہ ''ہاں!'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''پھر (رکنے کی ضرورت نہیں ہے) چلو۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: ''لیلۃ النفر'' محصب میں جورات آنحضرت ﷺ نے گذاری تھی اور پھر وہاں سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تھے اسی کو لیلۃ النفر یعنی کوچ کی رات فرمادیا ہے اس سے کوچ کا وہ دن مراد ہے جس میں تیرہ ذوالحجہ میں منٰی سے روانگی ہوئی تھی مگر یہ بات یادرہے کہ ایام حج میں آنے والی رات گذشتہ دن کے لئے شمار ہوتی ہے۔

بہر حال حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو محصب کی رات میں ماہواری شروع ہوگئی آپ نے خیال کیا کہ اب طواف وداع کے لئے رکنا پڑیگا اور اس وجہ سے حجاج کرام کا پورا قافلہ رک جائے گا اسی خدشہ کا اظہار آپ نے ''انی حابستکم'' سے کیا حضور اکرم ﷺ نے پوچھا کہ طواف زیارت کیا ہے یا نہیں جواب ملا کہ کیا ہے اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ طواف وداع چھوڑ کر ہمارے ساتھ چلی جاؤ۔ اس سے یہ ضابطہ حاصل ہوگیا کہ حیض وغیرہ شدید مجبوری اور شرعی عذر کے پیش نظر طواف وداع کو ترک کیا جاسکتا ہے حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آنحضرت ﷺ کی یہ گفتگو بالواسطہ ہوئی ہے آمنے سامنے نہیں ہوئی، صرف فانفری کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ آمنے سامنے گفتگو ہوئی ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گفتگو نہیں فرمائی

---

[1] المرقات: ۵/۵۵۶ [2] اخرجه البخاری: ۱/۹۰ ومسلم: ۲/۵۵۶

آخری جملہ میں ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اب چلی جاؤ۔[1]

"عقری" زخمی اور ہلاک ہونے کی بددعا ہے۔

"حلقی" گلے میں درد اٹھنے یا چوٹ آنے یا سر کے بال اکھڑنے کے لئے بددعا ہے۔ یعنی اے اللہ اسے زخمی وہلاک کردے اس کے گلے میں درد اٹھے اور چوٹ لگے ان الفاظ کے دیگر معنی بھی آتے ہیں اصل "عقرها الله عقراً" اور "حلقها الله حلقًا" ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ کلمات اگرچہ بددعا کے لئے ہوتے ہیں لیکن اس سے بددعا مراد نہیں ہوتی بلکہ عرب کی عادت کے مطابق اس کو صرف تلطف اور دل لگی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جیسے ترتب یداك اور ثكلتك امك کے الفاظ دل لگی اور پیار کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں حالانکہ الفاظ بددعا کے ہیں۔[2]

الفصل الثانی

حج اکبر کس حج کا نام ہے؟

﴿۱۲﴾ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا قَالُوْا يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ قَالَ فَإِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا أَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ عَلٰى نَفْسِهٖ أَلَا لَا يَجْنِيْ جَانٍ عَلٰى وَلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ عَلٰى وَالِدِهٖ أَلَا وَإِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يُعْبَدَ فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا أَبَداً وَلٰكِنْ سَتَكُوْنُ لَهٗ طَاعَةٌ فِيْمَا تَحْتَقِرُوْنَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَسَيَرْضٰى بِهٖ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهٗ)[3]

ترجمہ: حضرت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قربانی کے دن (یعنی دسویں ذی الحجہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا "(جانتے بھی ہو) کہ یہ کونسا دن ہے؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "(ہاں) حج اکبر کا دن ہے۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(یادرکھو) تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں تمہارے درمیان اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس شہر میں۔ خبردار! ظلم کرنے والا صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے (یعنی جو شخص کسی پر ظلم کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے کہ وہی ماخوذ ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ ظلم کوئی کرے اور پکڑا کوئی جاوے) یادرکھو! کوئی ظالم اپنے بیٹے پر ظلم نہیں کرتا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ پر ظلم کرتا ہے، جان لو! شیطان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس بات سے ناامید ہوگیا ہے کہ تمہارے اس شہر (مکہ) میں اس کی پرستش کی جائے۔ ہاں تمہارے ان اعمال میں شیطان کی فرمانبرداری ہوگی جنہیں تم

[1] المرقات: ۵/۵۵۷　[2] المرقات: ۵/۵۵۷　[3] اخرجه الترمذی: ۳/۲۶۷ وابن ماجه: ۱/۵۹۴

حقیر سمجھو گے، چنانچہ وہ ان (گناہوں) سے خوش ہوگا جن کو تم حقیر سمجھو گے۔"

توضیح: "**فی حجة الوداع**" عام شارحین اس دن کو دس ذوالحجہ یعنی بقرعید کا دن قرار دیتے ہیں اگرچہ اس میں کوئی تصریح نہیں ہے لیکن اس باب کی پہلی حدیث میں یوم النحر کا لفظ آیا ہے شاید وہ خطبہ اور یہ خطبہ ایک ہو۔[1]

"**یوم الحج الاکبر**" اس میں بہت زیادہ بحث ہے کہ حج اکبر کس حج کا نام ہے۔

❶ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حج اکبر سے دس ذوالحجہ بقرعید کا دن مراد ہے کیونکہ اس دن حج کے تمام بڑے افعال مکمل ہو جاتے ہیں۔[2]

نیز "**واذان من الله ورسوله الی الناس یوم الحج الاکبر**" کا اعلان دس ذوالحجہ کو ہوا تھا اور اسی دن کو حج اکبر کہا گیا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ جمرات کے پاس عید کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**هذا یوم الحج الاکبر**" یہ حج اکبر کا دن ہے۔

❷ دوسرا قول یہ ہے کہ حج اکبر یوم عرفہ کو کہا گیا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عرفہ کو حج قرار دیا "**الحج العرفه**" لہٰذا اس کے مقابلہ میں عمرہ حج اصغر ہے۔

❸ تیسرا قول یہ ہے کہ حجۃ الوداع کو حج اکبر کہا گیا کیونکہ اس دن مسلمانوں کی طرح تمام ادیان کے پیروں کاروں کی عیدیں تھیں۔

❹ چوتھا قول یہ ہے کہ حجۃ الوداع کو اس لئے حج اکبر کہا گیا کہ اس دن اسلام کو مکمل طور پر شوکت حاصل ہو گئی تھی۔ اور کافر ذلیل ہو گئے تھے۔

❺ یا اس لئے اس کو حج اکبر کہا گیا کہ یہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج تھا۔

❻ یا اس لئے اس کو حج اکبر کہا گیا کہ یہ حج جمعہ کے دن واقع تھا اور عوام کے ہاں مشہور یہی ہے کہ جب عرفہ کا دن اور جمعہ کا دن دونوں اکٹھے ہو جائیں تو یہی حج اکبر ہوتا ہے۔[3]

"**لا یجنی جان**" اس جملہ کے دو مفہوم ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر ظلم کرتا ہے تو اس کی سزا اور اس کا وبال اور عذاب اسی پر آئے گا جس نے جنایت اور ظلم کیا ہے اس کے بدلہ کسی اور بے گناہ کو سزا نہیں دی جائے گی جس طرح یہود کہتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کی سزا مسلمانوں کو دی جائے گی اور شیعہ کہتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کا وبال سنیوں پر ڈالا جائے گا اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس نے قتل وغیرہ گناہ کیا اس کا بدلہ اسی سے لیا جائے گا ایسا نہیں کہ قتل ایک نے کیا اور بدلے میں کسی دوسرے کو مار ڈالا جیسا کہ قبائل کے لوگ ایسا کرتے ہیں اور جاہلیت میں عرب ایسا کرتے تھے، حدیث کا یہ مطلب زیادہ واضح ہے کیونکہ حدیث کے اگلے جملے میں اسی کی تفصیل آرہی ہے کہ باپ کا جرم بیٹے پر نہ ڈالا جائے اور نہ بیٹے کا جرم باپ پر ڈالا جائے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

---

[1] المرقات: ۵/۵۵۸ [2] المرقات: ۵/۵۵۸ [3] المرقات: ۵/۵۵۸-۵۶۰

"لایؤخذ الرجل بجریمة ابیه" یہ جملہ مندرجہ بالا تشریح کی تائید ہے۔[1]

"آیِسَ" یعنی ابلیس مایوس ہوگیا ہے کہ علانیہ طور پر مکہ مکرمہ میں پھر اس کی عبادت ہوگی اگرچہ خفیہ طور پر لوگ عبادت کریں گے لیکن علانیہ طور پر بت پرستی کا خاتمہ ہوگیا ہے۔[2]

"من اعمالکم" یعنی قتل و زنا اور لوٹ مار کے اعمال ہونگے جس کو تم کفر و شرک کی نسبت چھوٹے گناہ سمجھتے ہو ابلیس تم سے اسی پر راضی رہیگا اور اسی میں مبتلا کریگا کفر میں ڈالنے کی کوشش نہیں کریگا۔

ملا علی قاری عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے لکھا ہے کہ اسی وجہ سے جھوٹ اور خیانت وغیرہ گناہ کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں میں زیادہ ہیں کیونکہ شیطان کافروں سے کفر پر راضی ہو چکا ہے لہٰذا وہ کافروں کے دلوں میں معاصی کے وسوسے نہیں ڈالتا ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں معاصی کے وسوسے ڈالتا رہتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت منقول ہے "وعن علی قال الصلوة التی لیس لها وسوسة انما هی صلوة الیهود والنصاری"۔

علامہ طیبی عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ فرماتے ہیں حقیر اعمال سے مراد قلبی وساوس ہیں اور چھوٹے گناہ ہیں جس کو تم حقیر سمجھتے ہو حالانکہ یہی صغائر بڑے فتنوں کا سبب بنتے ہیں۔ (خلاصہ مرقات)[3]

لاؤڈ اسپیکر کے جواز پر دلیل

﴿۱۳﴾ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو الْمُزَنِيِّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ بِمِنًى حِيْنَ ارْتَفَعَ الضُّحٰى عَلٰى بَغْلَةٍ شَهْبَاءَ وَعَلِيٌّ يُعَبِّرُ عَنْهُ وَالنَّاسُ بَيْنَ قَائِمٍ وَقَاعِدٍ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[4]

ترجمہ: اور حضرت رافع ابن عمرو رضی اللہ عنہ مزنی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ منیٰ میں قربانی کے دن چاشت کے وقت لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرما رہے تھے آپ ﷺ ایسے خچر پر سوار تھے جس کے بال اوپر کی جانب سے سرخ اور اندر کی جانب سفید تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ ﷺ کی طرف سے بیان کر رہے تھے (یعنی آنحضرت ﷺ جو کچھ فرماتے حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے دہراتے تھے تاکہ دور کے لوگ بھی آپ کی بات سن لیں) اور لوگوں میں سے کچھ تو کھڑے تھے اور کچھ بیٹھے تھے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "یخطب الناس" یعنی دس ذوالحجہ کو منیٰ میں حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا[5] "بغلة" خچر کو کہتے ہیں[6] "صهباء" سرخ و سفید رنگ پر مشتمل خچر وغیرہ کو اصہب اور صہباء کہتے ہیں۔[7]

[1] المرقات: ۵/۵۵۹ [2] المرقات: ۵/۵۵۹ [3] المرقات: ۵/۵۵۹-۵۶۰

[4] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۰۵ [5] المرقات: ۵/۵۶۰ [6] المرقات: ۵/۵۶۰ [7] المرقات: ۵/۵۶۰

"وعلی یعبر" یہ تعبیر سے ہے مراد یہ ہے کہ جہاں تک حضور اکرم ﷺ کی آواز پہنچ جاتی تھی وہاں تک لوگوں کے لئے وہی کافی تھی لیکن چونکہ مجمع بڑا تھا سب لوگوں تک آواز پہنچانے کا جو سادہ انتظام کیا گیا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعبیر تھی کہ حضور اکرم ﷺ کی آواز جہاں پر ختم ہوجاتی تھی اس سے آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی کلام کو اپنی آواز میں پہنچاتے تھے یہ ایک سادہ انتظام تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ آواز آگے تک بڑھ جائے یہی مکبر الصوت کی صورت ہے اور اسی سے لاؤڈ اسپیکر کا جواز ملتا ہے کیونکہ یہ بھی آواز کو آگے تک بڑھاتا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت مجمع ایک لاکھ تیس ہزار صحابہ کرام پر مشتمل تھا۔[1]

"بین قائم وقاعد" اجتماع کی کثرت کی وجہ سے کچھ لوگ کھڑے تھے اور کچھ بیٹھے تھے دونوں کی گنجائش ہے انتظام الگ چیز ہے لیکن ایک ساتھ جڑ جڑ کر بیٹھنے کو لازم قرار دینا اور اس کے فضائل و دلائل میں زور لگانا اور لاٹھی لیکر لوگوں کو اٹھانا اور مجمع کی طرف بھگانا حتی کہ تلاوت کو منع کر کے اٹھانا یہ ناجائز ہے تبلیغی حضرات کو اس پر توجہ دینی چاہئے۔[2]

طواف زیارت کا وقت

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ إِلَى اللَّيْلِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے طواف زیارۃ میں قربانی کے دن رات تک تاخیر کی۔" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: **"اخر طواف"** یعنی حضور اکرم ﷺ نے طواف زیارت کو بقرعید کے دن گذرنے کے بعد رات تک مؤخر کرنے کو جائز قرار دیا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے خود تاخیر کی کیونکہ آپ نے ظہر سے پہلے دس ذوالحجہ کو طواف زیارت کیا تھا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طواف زیارت کا وقت بقرعید کی آدھی رات سے شروع ہوجاتا ہے لیکن دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ طواف زیارت کا وقت بقرعید کے دن طلوع فجر کے بعد شروع ہوجاتا ہے۔

رہ گیا یہ مسئلہ کہ طواف زیارت کب تک جائز ہے تو ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ طواف زیارت کا آخری وقت متعین نہیں ہے جب بھی کیا جائے جائز ہوگا۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طواف زیارت بارہ ذوالحجہ یعنی ایام نحر تک مؤخر کیا جا سکتا ہے ایام نحر کے بعد تک اگر مؤخر کیا گیا تو دم لازم آئے گا۔[4]

[1] المرقات: ۵/۵۶۰ [2] المرقات: ۵/۵۶۰ [3] اخرجہ الترمذی: ۲/۲۶۲ وابوداؤد: ۲/۲۱۴ [4] المرقات: ۵/۵۶۰، ۵۶۱

طواف زیارت میں رمل کا مسئلہ

﴿۱۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْمُلْ فِي السَّبْعِ الَّذِي أَفَاضَ فِيهِ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے طوافِ زیارت میں رمل نہیں کیا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: "لم یرمل" کندھے ہلا ہلا کر اکڑ اکڑ کر چلنے کو رمل اور پہلوانی کہتے ہیں اس سے پہلے یہ مسئلہ لکھا گیا ہے یہاں طواف زیارت کی خاص صورت کا بیان ہے عام طور پر طواف زیارت سلے ہوئے کپڑوں میں ہوتا ہے آیا اس میں رمل ہے یا نہیں؟ تو اس کے لئے یہ ضابطہ ہے کہ اگر حاجی کے ذمہ حج کی سعی ابھی تک باقی ہے تو وہ طواف زیارت میں سلے ہوئے کپڑوں میں بھی رمل کریگا۔ اور اگر حاجی نے احرام باندھنے کے وقت طواف قدوم کے ساتھ سعی بھی کی ہے اور اب اس کے ذمہ صرف طواف زیارت باقی ہے تو اس صورت میں رمل نہیں ہے کیونکہ رمل کے لئے یہ ضابطہ ہے کہ ہر وہ طواف جس کے بعد سعی ہے اس طواف میں رمل ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔[2]

"افاض فیه" طواف زیارت کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں کیونکہ حج کے بعد واپسی کے سارے عمل پر **ثم افیضوا من حیث افاض الناس** کا اطلاق ہوا ہے۔[3]

احرام سے تحلیل اول اور ثانی

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَمٰى أَحَدُكُمْ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ فَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ. وَفِي رِوَايَةِ أَحْمَدَ وَالنَّسَائِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِذَا رَمَى الْجَمْرَةَ فَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی رمی جمرۂ عقبہ سے فارغ ہوجاتا ہے (اور سر منڈوالیتا ہے یا بال کتروالیتا ہے) تو اس کے لئے عورت کے علاوہ ہر چیز حلال ہوجاتی ہے اس روایت کو (صاحب مصابیح نے) شرح السنۃ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

توضیح: "حل له" یعنی عرفات سے واپس مزدلفہ اور مزدلفہ سے واپس منیٰ آکر حاجی جب جمرۂ عقبہ کی رمی کرلیتا ہے تو اس کے لئے ممنوعات احرام میں سے تمام چیزیں حلال ہوجاتی ہیں صرف بیوی سے جماع اب تک حرام ہے

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۱۴ وابن ماجه: ۲/۱۰۱۷ [2] المرقات: ۵/۵۶۰_۵۶۱ [3] المرقات. ۵/۵۶۱ [4] اخرجه احمد: ۲/۲۰۹

اس کو تحلیل اول کہتے ہیں اور جب حاجی طواف زیارت کریگا تو اب اس کے لئے بیوی سے جماع کرنا بھی حلال ہوجاتا ہے اس کو تحلیل ثانی کہتے ہیں اس حدیث میں تحلیل اول کا بیان ہے۔[۱]

آنحضرت ﷺ جمرات کے پاس

﴿۱۷﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ أَفَاضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ آخِرِ يَوْمِهِ حِيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى مِنًى فَمَكَثَ بِهَا لَيَالِيَ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ يَرْمِي الْجَمْرَةَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ كُلَّ جَمْرَةٍ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَيَقِفُ عِنْدَ الْأُوْلٰى وَالثَّانِيَةِ فَيُطِيْلُ الْقِيَامَ وَيَتَضَرَّعُ وَيَرْمِي الثَّالِثَةَ فَلَا يَقِفُ عِنْدَهَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قربانی کے دن کے آخری حصہ میں اس وقت فرض طواف کیا جبکہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی اس کے بعد منیٰ میں واپس آگئے اور منیٰ میں ایام تشریق (یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخوں) کی راتیں بسر کیں، ان ایام میں آپ ﷺ جمروں پر اس وقت کنکریاں مارتے جب دوپہر ڈھل جاتی ہر جمرہ پر سات سات کنکریاں مارتے، ہر کنکری مارتے وقت اللہ اکبر کہتے اور پہلے دوسرے جمرہ (یعنی جمرہ اولیٰ و جمرۂ وسطیٰ) پر (دعا و اذکار کے لئے) دیر تک ٹھہرتے اور (اس وقت مختلف دعاؤں اور عرض حاجات کے لئے) تضرع اختیار کرتے اور پھر (جب) تیسرے جمرہ (یعنی جمرۂ عقبہ) پر کنکریاں مارتے تو اس کے پاس نہ ٹھہرتے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "ایام التشریق" یہ شروق اللحم سے ماخوذ ہے جو گوشت کو کاٹ کر دھوپ میں ڈال کر سکھانے کو کہتے ہیں عرب کے لوگ ان دنوں میں قربانی کا گوشت سکھاتے تھے یہ گیارہویں بارہویں اور تیرھویں ذوالحجہ کے ایام ہیں انہیں ایام میں تکبیرات تشریق ہوتی ہیں اور اس میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے انہیں ایام میں جمرات کی رمی ہوتی ہے بارہویں تک رمی واجب ہے اور تیرہویں تک رمی کرنا اختیاری آنحضرت ﷺ نے تیرہ ذوالحجہ کی رمی کی تھی قرآن کریم میں ﴿**فمن تعجل فی یومین**﴾ میں اختیار دیا گیا ہے کہ بارہویں پر حاجی جائے یا تیرہویں کے بعد جائے گناہ نہیں ہے جمرۂ عقبہ کا وقت طلوع فجر کے بعد سے شام تک ہے اس کے بعد تمام جمرات کا وقت بعد زوال ہے ہاں اگر حاجی تیرہ ذوالحجہ تک رہ گیا تو تیرھویں کی رمی قبل زوال جائز ہے تفصیل بار بار گذر چکی ہے۔[۳]

رمی جمرات میں تقدیم وتاخیر کا مسئلہ

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَبِي الْبَدَّاحِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

[۱] المرقات: ۵/۵۶۱ [۲] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۰۸ [۳] البناية: ۴/۱۲۷

وَسَلَّمَ لِرِعَاءِ الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ أَنْ يَرْمُوْا يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ يَجْمَعُوْا رَمْيَ يَوْمَيْنِ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ فَيَرْمُوْهُ فِيْ أَحَدِهِمَا۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔ وهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّالِثِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوالبداح بن عاصم بن عدی (تابعی) اپنے والد مکرم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ''رسول کریم ﷺ نے اونٹ چرانے والوں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ منیٰ میں شب باشی نہ کریں اور یہ کہ نحر کے دن (یعنی دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ پر) کنکریاں ماریں اور پھر دونوں دن کی رمی جمرات کو یوم نحر کے بعد ایک ساتھ کریں اس طرح کہ دونوں دن کی رمی جمرات ان میں سے کسی ایک دن کریں۔'' (مالک، ترمذی، نسائی) اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (اور یہ باب فصل ثالث سے خالی ہے)

توضیح: ''رخص'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چرواہوں کو حضور ﷺ نے یہ اجازت عطا فرمائی تھی کہ وہ ایام تشریق میں منیٰ میں نہ رہیں بلکہ اپنے جانوروں کی دیکھ بھال کے لئے باہر رہیں اسی طرح ان چرواہوں کو یہ اجازت بھی دیدی گئی تھی کہ وہ صرف بقرعید کے دن رمی جمرات کر کے جائیں گے اور گیارہویں کی رمی چھوڑ کر بارہویں میں آ کر ایک ساتھ دو دن کی رمی کریں ایک قضا شدہ رمی کریں اور ایک اسی دن کی رمی کریں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ رمی جمرات میں تقدیم جائز نہیں کہ کوئی شخص تمام دنوں کی رمی مثلاً دس ذوالحجہ کو کریں البتہ تاخیر بوجہ عذر جائز ہے مذکورہ حدیث میں اسی کا بیان ہے۔ [2]

[1] اخرجه مالك: ۲۶۴ والترمذی: ۳/۲۸۹ والنسائی: ۵/۲۷۳ 　[2] المرقات: ۵/۵۶۳ والکاشف: ۵/۳۷۲، ۳۷۳

باب ماتجتنب المحرم

ممنوعات احرام کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج﴾ [1]

احرام باندھنے کے بعد محرم کے لئے کچھ چیزیں منع ہوجاتی ہیں پھران میں سے بعض ایسی ممنوعات ہیں جن کے ارتکاب سے دم لازم آتا ہے بعض کے ارتکاب سے صدقہ لازم آتا ہے اس باب میں انہیں ممنوعات کا بیان ہے اور بعض مباحات کا بیان بھی ہے۔

الفصل الاول

وہ چیزیں جو محرم کو پہننا ممنوع ہیں

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّیَابِ فَقَالَ لَاتَلْبِسُوا الْقُمُصَ وَلَاالْعَمَائِمَ وَلَاالسَّرَاوِیْلَاتِ وَلَاالْبَرَانِسَ وَلَاالْخِفَافَ إِلَّاأَحَدٌ لَایَجِدُ نَعْلَیْنِ فَیَلْبَسْ خُفَّیْنِ وَلْیَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ وَلَاتَلْبِسُوْا مِنَ الثِّیَابِ شَیْئاً مَسَّهٗ زَعْفَرَانٌ وَلَاوَرْسٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَزَادَ الْبُخَارِیُّ فِیْ رِوَایَۃٍ وَلَاتَنْتَقِبُ الْمَرْأَۃُ الْمُحْرِمَۃُ وَلَاتَلْبَسُ الْقُفَّازَیْنِ) [2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ محرم کپڑوں میں سے کیا چیزیں پہن سکتا ہے (اور کیا چیزیں نہیں پہن سکتا؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نہ تو قمیص وکرتہ پہنو، نہ عمامہ باندھو، نہ پاجامہ پہنو، نہ برنس اوڑھو اور نہ موزے پہنو، ہاں جس شخص کے پاس جوتے نہ ہوں وہ موزے پہن سکتا ہے مگر اس طرح کہ موزہ دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے، نیز کوئی ایسا کپڑا نہ پہنو جس پر زعفران یا ورس لگی ہو۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "برانس" یہ برنس کی جمع ہے یہ اس لمبی ٹوپی کا نام ہے جو عرب کے عبادت کیش لوگ پہنا کرتے تھے نیز برنس اس لباس کو بھی کہتے ہیں جو برساتی کے طرز پر شلوار قمیص اور ٹوپی ایک ساتھ جوڑ کر بنایا جاتا ہے اور پہنا جاتا ہے اس سے مراد صرف یہی ٹوپی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ محرم اپنے سر کو نہ ڈھانکے خواہ ٹوپی سے ہو یا کسی اور چیز سے ہو لیکن شرط یہ ہے کہ عرف میں اس کو پہننا کہا جاتا ہو اگر پہنا ہوا نہ ہو مثلاً گھٹا یا گھڑا سر پر اٹھالیا تو اس کو عرف میں پہننا نہیں کہتے ہیں۔ [3]

[1] سورۃ بقرۃ الایہ: ۱۹۷ [2] اخرجہ البخاری: ۲/۲۰ ومسلم: ۱/۳۸۱ [3] المرقات: ۵/۵۹۵

"الخفاف" خف کی جمع ہے موزہ کو کہتے ہیں اس کا پہننا منع ہے لیکن اگر جوتا نہ ہو تو پھر اس کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ کر پہن لیا جائے گا زیر بحث حدیث میں یہی حکم ہے یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حج کا ٹخنہ پاؤں کے پشت پر ابھری ہوئی ہڈی کا نام ہے اسکا ڈھانکنا منع ہے "ورس" یہ پیلے رنگ کا ایک پودا ہے اس میں بھی زعفران کی طرح رنگ ہوتا ہے زعفران اور ورس میں ایک قسم خوشبو ہوتی ہے اس لئے منع ہے۔[۱]

"ولا تنتقب" یعنی محرم عورت نقاب نہ اوڑھے اس کا مطلب یہ ہے کہ محرم عورت اپنے منہ اور چہرہ کو نہ چھپائے مردوں کے لئے بھی یہی حکم ہے ہاں عورتیں اگر اس طرح پردہ کریں کہ چہرہ سے پردہ ہٹ کر ہو تو وہ جائز ہے[۲] "قفازین" سے دستانے مراد ہیں اس کا پہننا بھی مردوں اور عورتوں کے لئے حرام ہے۔[۳]

ازار بند نہ ہو تو محرم شلوار پھاڑ کر پہن لے

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ وَهُوَ يَقُوْلُ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُحْرِمُ نَعْلَيْنِ لَبِسَ خُفَّيْنِ وَإِذَا لَمْ يَجِدْ إِزَارًا لَبِسَ سَرَاوِيْلَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اگر محرم کو جوتے میسر نہ ہوں تو وہ موزے پہن سکتا ہے اور جس محرم کے پاس تہ بند نہ ہو تو وہ پائجامہ پہن سکتا ہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "لبس سراویل" یعنی اگر محرم کے پاس ازار بند نہ ہو اور شلوار ہو تو وہ اسی شلوار کو بوجہ مجبوری استعمال کرے حدیث کے اسی ظاہری مطلب کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر شلوار ہے تو اس کو پھاڑ کر ازار بند کے طور پر استعمال کرے لیکن اگر شلوار ہی کو استعمال کیا اور کافی وقت تک استعمال کیا تو اس محرم پر دم آئے گا اگر تھوڑے وقت کے لئے استعمال کیا تو دم کے بجائے فدیہ لازم آئیگا۔[۵]

﴿۳﴾ وَعَنْ يَعْلَى ابْنِ أُمَيَّةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعْرَانَةِ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ أَعْرَابِيٌّ عَلَيْهِ جُبَّةٌ وَهُوَ مُتَضَمِّخٌ بِالْخَلُوْقِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّيْ أَحْرَمْتُ بِالْعُمْرَةِ وَهٰذِهٖ عَلَيَّ فَقَالَ أَمَّا الطِّيْبُ الَّذِيْ بِكَ فَاغْسِلْهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَأَمَّا الْجُبَّةُ فَانْزِعْهَا ثُمَّ اصْنَعْ فِيْ عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِيْ حَجِّكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۶]

---

[۱] المرقات: ۵/۵۶۵ [۲] المرقات: ۵/۵۶۵ [۳] المرقات: ۵/۵۶۵

[۴] اخرجہ البخاری: ۲/۲۱۶ ومسلم: ۱/۳۸۱ [۵] المرقات: ۵/۵۶۷ [۶] اخرجہ البخاری: ۲/۱۶۷ ومسلم: ۱/۳۸۲

ترجمہ: اور حضرت یعلیٰ ابن امیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جعرانہ میں (کہ جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ایک مقام ہے اور جہاں سے آپ ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا تھا) نبی کریم ﷺ کے پاس تھے کہ اچانک ایک شخص جو دیہاتی تھا آیا اس نے کرتہ پہنا ہوا تھا۔ نیز وہ شخص خلوق میں رنگا بسا تھا (خلوق ایک خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار ہوتی تھی) اس شخص نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میں نے عمرہ کا احرام اس حالت میں باندھا تھا کہ یہ کرتہ میرے جسم پر تھا" آپ ﷺ نے فرمایا "تمہارے اوپر جو خوشبو لگی ہوئی ہے اسے تو تین مرتبہ دھوڈالو اور کرتہ کو اتار دو اور پھر اپنے عمرہ (کے احرام) میں وہی کرو جو تم اپنے حج کے احرام میں کرتے ہو۔" (بخاری و مسلم)

"متضمخ" باب تفعل سے ہے خوشبو میں لت پت آدمی پر بولا جاتا ہے۔[1]

"الخلوق" زعفران سے بنے ہوئے خاص عطر کا نام خلوق ہے۔[2]

حالت احرام میں نکاح کرنے کرانے کا مسئلہ

﴿۴﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَنْكِحُ الْمُحْرِمُ وَلَايُنْكِحُ وَلَايَخْطُبُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "یہ مناسب نہیں ہے کہ محرم نکاح کرے اسی طرح (ولایۃً یا وکالۃً) نکاح کرانا اور منگنی کرنا مناسب نہیں ہے۔" (مسلم)

توضیح: "لاینکح المحرم" نکح ینکح ضرب یضرب سے نکاح کرنے کے معنی میں ہے اور انکح ینکح باب افعال سے نکاح کرانے کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ حالت احرام میں محرم نہ اپنا نکاح کر سکتا ہے اور نہ کسی کے لئے وکیل یا ولی بن کر نکاح کرا سکتا ہے۔[4]

"ولا یخطب" یعنی پیغام نکاح بھی نہیں دے سکتا ہے یہ تینوں صیغے نہی کے معنی میں ہیں اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نکاح کے بعد حالتِ احرام میں جماع کرنا حرام ہے، اس پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ حالت احرام میں پیغام نکاح دینا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے نکاح کرنے کرانے یعنی نکاح اور اِنکاح کے بارہ میں فقہاء کرام کا آپس میں اختلاف ہو گیا ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محرم کے لئے نکاح کرنا کرانا دونوں ناجائز ہے اگر کسی نے کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

ائمہ احناف کے نزدیک نکاح کرنا کرانا مناسب نہیں مکروہ تنزیہی ہے لیکن اگر کسی نے نکاح کیا تو ایجاب وقبول کے بعد

[1] المرقات: ۵/۵۶۸ [2] المرقات: ۵/۵۶۸ [3] اخرجہ مسلم: ۱/۵۶۹ [4] المرقات: ۵/۵۶۹

نکاح منعقد ہو جائیگا البتہ حالت احرام میں وطی حرام ہے۔[1]

خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک حالت احرام میں نکاح ناجائز ہے احناف کے نزدیک جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے۔

منشاء اختلاف:

فقہاء کے اختلاف کا منشاء ایک تو روایات کا تعارض ہے کل چار روایات ہیں ان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت میں نکاح کرنے کرانے کی ممانعت ہے اور حضرت یزید بن اصم اور خود حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس حالت میں ہوا تھا کہ آپ احرام میں نہیں تھے۔ دوسری طرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح احرام کی حالت میں ہوا تھا۔[2]

دلائل ائمہ ثلاثہ نے زیر بحث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۴ سے استدلال کیا ہے جس میں محرم کو نکاح سے منع کیا گیا ہے جمہور نے حضرت یزید بن اصم کی حدیث نمبر ۶ سے بھی استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نکاح حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کیا تھا اس وقت آپ احرام کی حالت میں نہیں تھے بلکہ حلال تھے۔

جمہور نے حضرت ابورافع کی روایت نمبر ۱۸ سے بھی استدلال کیا ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایسی حالت میں نکاح کیا تھا کہ آپ احرام میں نہیں تھے، اسی طرح کی ایک روایت مسلم شریف میں خود حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی ثابت ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۵ سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تھا نیز ان حضرات نے قیاس اور عقلی دلیل سے بھی استدلال کیا ہے کہ محرم کے لئے دیگر تمام عقود و فسوخ جائز ہے تو عقد نکاح بھی جائز ہے محرم کے لئے عطر لگانا منع ہے مگر خریدنا جائز ہے سلا ہوا کپڑا پہننا منع ہے مگر خریدنا جائز ہے اسی طرح وطی منع ہے مگر نکاح جائز ہے ہاں چونکہ محرم عبادت کے لئے آیا ہے لہٰذا ان کو شادیوں کے شغل میں پڑنا مناسب نہیں ہے خلاف اولیٰ ہے۔

منشاء اختلاف:

فقہاء کرام کے درمیان اختلاف کا منشاء ایک تو روایات کا اختلاف ہے اور تعارض ہے۔ دوسرا اس پورے واقعہ کا پس منظر اور تفصیل ہے وہ یہ کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح کا واقعہ اس طرح ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام ابورافع کے ذریعے حضرت میمونہ کے پاس پیغامِ نکاح بھیجا جو مکہ مکرمہ میں رہتی تھیں ان کی بہن ام الفضل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

---

[1] المرقات: ۵/۵۶۹ [2] المرقات: ۵/۵۷۰

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں ابورافع نے جب پیغام نکاح دیا تو حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سعادت سمجھ کر اسے قبول کیا اور اپنے نکاح کا معاملہ اپنے بہنوئی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مقام سرف میں حضور اکرم ﷺ کا استقبال کیا اور یہیں پر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کر دیا نبی اکرم ﷺ نے عمرہ ادا کیا اور معاہدہ کے تحت تین دن مکہ میں قیام فرمایا اہل مکہ نے آپ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ مکہ سے چلے جاؤ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم مجھے کچھ اور مزید ٹھہرنے کی اجازت دیدو تو میں دعوت ولیمہ کر دوں گا اور تم کو بھی کھلا دوں گا قریش نے کہا کہ ایسا نہیں ہوگا معاہدہ کے تحت آپ یہاں سے چلے جاؤ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے اور مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام سرف میں قیام فرمایا حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی آ گئی اور یہیں پر بناو زفاف ہوا۔

حضور ﷺ نے مقام سرف میں شب زفاف کیا اور ولیمہ کیا عجائب زمانہ کو دیکھئے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسی مقام سرف میں نکاح ہوا زفاف ہوا ولیمہ ہوا اور یہیں پر انتقال ہوا اور یہیں پر برلب سڑک آپ کی قبر بنی میں نے ان کی قبر تنعیم سے گذرتے ہوئے آگے وادی فاطمہ کے پاس دیکھی ہے **فرضی اللہ عنہا وعن جمیع الصحابہ۔** [1]

توجیہ: ائمہ ثلاثہ نے زیر بحث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قولی روایت سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے کہ جس طرح جمہور کے نزدیک **لایخطب** کی نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے اسی طرح **لاینکح ولاینکح** بھی کراہت تنزیہی پر حمل ہے فرق کرنے کی کوئی وجہ نہیں جب پیغام دینا جائز ہے تو عقد بھی جائز ہونا چاہیئے۔

جمہور نے یزید بن اصم اور ابورافع کی روایات سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں تزوج وھو حلال سے شب زفاف دعوت ولیمہ رخصتی اور اس کی تشہیر اور ظاہر ہونا مراد ہے یعنی عقد تو حالت احرام میں تھا لیکن عقد کے لوازمات کا ظہور اس وقت ہوا جب آپ ﷺ احرام میں نہیں تھے۔ [2]

وجوہ ترجیح:

مندرجہ بالا روایات اور مستدلات کے پیش نظر دونوں طرف سے تحقیقات اور ترجیحات کا لمبا سلسلہ چل پڑا ہے۔

ائمہ ثلاثہ اپنے مستدلات کو ترجیح دیکر فرماتے ہیں کہ یہ نکاح جب ہوا تھا اس وقت حضور اکرم ﷺ حلال تھے احرام میں نہیں تھے لیکن جب اس نکاح کی تشہیر ہوئی تو اس وقت آپ احرام میں تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی حالت کا بیان کیا ہے صاحب مشکوۃ نے حدیث نمبر ۶ کے ضمن میں امام محی السنۃ کے حوالہ سے یہی تاویل کی ہے یہ تاویل بے جا تکلف ہے کیونکہ نکاح اور پیغام نکاح کا سارا معاملہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ اس واقعہ سے عباس رضی اللہ عنہ کا بیٹا اور میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھانجا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آخر وقت تک لاعلم ہو۔ ائمہ احناف نے اپنے مستدل کو کئی وجوہ سے راجح قرار دیا ملاحظہ ہو۔

---

[1] المرقات: ۵/۵۷۱، ۵۷۲ [2] المرقات: ۵/۳۸۰

❶ یہ طے ہے کہ مقام سرف میقات کے اندر داخل ہے یہ بھی طے ہے کہ اہل مدینہ کا میقات ذوالحلیفہ ہے جو مدینہ سے دس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اب حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح مکہ جاتے ہوئے ہوا ہوگا یا عمرہ سے فارغ ہو کر واپس آتے ہوئے ہوا ہوگا اگر جاتے ہوئے ہوا ہے تو یقینا آنحضرت احرام میں تھے اور اگر واپسی پر ہوا ہے تو یقینا آپ بغیر احرام کے تھے اب یہ بات بھی طے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے مزید ٹھہرنے کی مہلت مانگی تھی اور ولیمہ کی دعوت دی تھی جس سے معلوم ہوا کہ یہ نکاح جاتے وقت ہوا تھا ورنہ ولیمہ کی دعوت کیسے دیتے؟ اور جاتے وقت آنحضرت احرام میں تھے کیونکہ میقات سے بغیر احرام گذرنا جائز نہیں۔[1]

❷ احناف کے ہاں دوسری ترجیح یہ ہے کہ حضرت عباس اور ابن عباس تزویج میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں ایک گھر کے افراد ہیں اور "صاحب البیت ادری بمافیه" مسلّم قول ہے۔

❸ احناف کے ہاں تیسری ترجیح یہ ہے کہ نکاح محرم میں روایات متعارض ہیں اور تعارض کی صورت میں قیاس کی طرف جانا ہوتا ہے اور قیاس یہ فیصلہ کرتا ہے کہ حاجی محرم کے لئے جب تمام عقود وفسوخ جائز ہیں تو عقد نکاح بھی جائز ہے محرم وطی کے لئے لونڈی خرید سکتا ہے اگرچہ وطی نہیں کرسکتا ہے اسی طرح نکاح کا معاملہ ہے۔

﴿۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس حالت میں نکاح کیا کہ آپ (عمرۃ القضا کا) احرام باندھے ہوئے تھے۔" (بخاری ومسلم)

﴿۶﴾ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْأَصَمِّ ابْنِ أُخْتِ مَيْمُوْنَةَ عَنْ مَيْمُوْنَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحْيِ السُّنَّةِ الْأَكْثَرُوْنَ عَلَى أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا حَلَالًا وَظَهَرَ أَمْرُ تَزْوِيْجِهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ ثُمَّ بَنَى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ بِسَرِفَ فِيْ طَرِيْقِ مَكَّةَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت یزید ابن اصم (تابعی) جو ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے ہیں (اپنی خالہ) حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے جب نکاح کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں نہیں تھے۔" (مسلم)

محرم کے لئے سر دھونے کی اجازت ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْسِلُ رَأْسَهُ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

[1] المرقات: ۵/۵۷۱ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۶ ومسلم: ۱/۵۹۱ [3] اخرجه مسلم: ۱/۵۹۱ [4] اخرجه البخاری: ۳/۲۰ ومسلم: ۱/۴۹۷

ترجمہ: اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں اپنا سر مبارک دھوتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

بال نہ ٹوٹے اور خوشبو نہ لگے تو صرف سر دھونا جائز ہے خوشبودار صابن سے دھونا جائز نہیں۔

سینگی کھنچوانا جائز ہے

﴿۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ احْتَجَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں بھری ہوئی سینگی کھنچوائی۔" (بخاری ومسلم)

بال نہ ٹوٹے تو سینگی کھنچوانا جائز ہے اگر بال ٹوٹ گئے تو قلیل بال پر صدقہ ہے۔

محرم کے لئے پٹی کرنے کا مسئلہ

﴿۹﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ حَدَّثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ إِذَا اشْتَكَى عَيْنَيْهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ ضَمَّدَهُمَا بِالصَّبِرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی کہ اگر حالت احرام میں اس کی آنکھیں دکھیں یا وہ ضعف بصارت میں مبتلا ہو تو وہ اپنی آنکھوں پر ایلوے کا لیپ کرلے۔" (مسلم)

توضیح: "تضمید" باب تفعیل سے پٹی کرنے اور لیپ کرنے کو کہتے ہیں بعض نے آنکھ میں دوا ڈالنے کو بھی کہا ہے جسم کے دیگر حصوں پر پٹی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ سر اور چہرہ کو پٹی یا دوائی سے ڈھانپنا جائز نہیں ہے اگر چوتھائی حصہ ڈھانک لیا گیا تو دم آئیگا ورنہ صدقہ لازم ہے زیر بحث حدیث حالت مجبوری پر محمول ہے "الصبر" ایلوے کو صبر کہتے ہیں جو ایک کڑوی چیز ہے۔[3]

محرم کے لئے چھتری وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ قَالَتْ رَأَيْتُ أُسَامَةَ وَبِلَالاً وَأَحَدُهُمَا آخِذٌ بِخِطَامِ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ رَافِعٌ ثَوْبَهُ يَسْتُرُهُ مِنَ الْحَرِّ حَتّٰى رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ام حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان میں سے ایک (یعنی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ) اپنا کپڑا اٹھائے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر) سورج کی گرمی کی تپش سے سایہ کئے ہوئے

[1] اخرجه البخاري: ۳/۱۹ ومسلم: ۱/۴۹۷ [2] اخرجه مسلم: ۱/۴۹۷ [3] المرقات: ۵/۵۷۳ [4] اخرجه مسلم: ۱/۵۲۳

تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے جمرۂ عقبہ پر کنکریاں ماریں۔'' (مسلم)

توضیح: ''**خطام**'' اونٹنی کے مہار کو خطام کہتے ہیں خ پر کسرہ ہے لگام اور خطام ایک ہی چیز ہے۔[۱]

''**رافع ثوبہ**'' اس سے معلوم ہوا کہ محرم کے سر کے اوپر سایہ کرنا جائز ہے خواہ چھتری سے ہو یا چھت ہو یا گاڑی وغیرہ ہو بشرطیکہ وہ پردہ سر سے لگا ہوا نہ ہو اکثر فقہاء کا یہی مسلک ہے البتہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے سایہ کرنے کو مکروہ لکھا ہے شاید خلاف اولیٰ ہو ہاں شیعہ شنیعہ اس کو حرام سمجھتے ہیں چنانچہ حج کے موسم میں وہ جن بسوں میں سفر کرتے ہیں ان بسوں کی چھتیں نہیں ہوتی ہیں۔[۲]

۱

سر منڈانے کی جزا

﴿۱۱﴾ وَعَنْ كَعْبِ ابْنِ عُجْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَهُوَ يُوْقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ وَالْقَمْلُ تَتَهَافَتُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَقَالَ أَيُؤْذِيْكَ هَوَامُّكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاحْلِقْ رَأْسَكَ وَأَطْعِمْ فَرَقاً بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِيْنَ وَالْفَرَقُ ثَلَاثَةُ آصُعٍ أَوْ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوِ انْسُكْ نَسِيْكَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ ابن عجرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے گذرے جبکہ وہ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے حدیبیہ میں تھے اور وہ (کعب رضی اللہ عنہ) احرام کی حالت میں تھے (یعنی یہ اس موقع کا ذکر ہے جب آپ ﷺ اپنے رفقاء کے ہمراہ عمرہ کے لئے مکہ روانہ ہوئے تھے لیکن مشرکین نے حدیبیہ میں سب کو روک دیا تھا چنانچہ سب کے ساتھ کعب رضی اللہ عنہ بھی مکہ میں داخل ہونے کے متوقع تھے مگر پھر بعد میں ایک معاہدہ کے تحت کہ جس کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں، سب لوگ عمرہ کئے بغیر وہاں سے واپس ہو گئے تھے، بہرکیف جب آنحضرت ﷺ کعب رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرے تو) وہ ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہے تھے اور جوئیں (سر سے جھڑ کر) ان کے منہ پر گر رہی تھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا کہ ''کیا یہ جوئیں تمہیں تکلیف پہنچا رہی ہیں؟'' انہوں نے عرض کیا کہ ''جی ہاں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تو پھر تم اپنا سر منڈوا لو اور (بطور جزاء) ایک فرق کھانا چھ مسکینوں کو کھلا دو اور فرق تین صاع کا ہوتا ہے، یا تین دن روزے رکھ لو یا ایک جانور جو ذبح کرنے کے قابل ہو ذبح کر دو۔'' (بخاری و مسلم)

توضیح: ''**القدر**'' ہانڈی کو قدر کہتے ہیں قاف مکسور ہے دال ساکن ہے ''**یوقد**'' ایقاد آگ جلانے کو کہتے ہیں ''**القمل**'' جوؤں کو کہتے ہیں۔[۴] ''**یتھافت**'' باب تفاعل سے مضارع کا صیغہ ہے گرنے اور جھڑنے کے معنی میں ہے۔

[۱] المرقات: ۵/۵۷۴ [۲] المرقات: ۵/۵۷۴ [۳] اخرجہ البخاری: ۳/۱۲ و مسلم: ۳/۱۲ و مسلم: ۱/۳۹۵ [۴] المرقات: ۵/۵۷۴

[1] "هوامك" یہ هامة کی جمع ہے حشرات الارض کو کہتے ہیں یہاں جوئیں مراد ہیں۔ [2] "الفرق" تین صاع کے ایک پیمانے کا نام ہے۔ [3]

بہر حال بوجہ مجبوری اگر کوئی محرم سر منڈائے تو اس کو اختیار ہے کہ بطور جزا تین تاوان میں سے کوئی ایک بھر دے یا تو چھ مساکین کو نصف نصف صاع گندم دیدے یا تین دن روزہ رکھ لے یا ذبح کے قابل کوئی جانور ذبح کر لے قرآن کریم میں اس ترتیب کا ذکر اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اس طرح کیا ہے۔

فمن كان منكم مريضا او به اذى من رأسه ففدية من صيام او صدقة او نسك [4]

الفصل الثانی

احرام میں عورتوں کے لئے ممنوع اشیاء

﴿۱۲﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى النِّسَاءَ فِيْ إِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ وَمَامَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَلْتَلْبَسْ بَعْدَ ذٰلِكَ مَاأَحَبَّتْ مِنْ أَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرٍ أَوْ خَزٍّ أَوْ حُلِيٍّ أَوْ سَرَاوِيْلَ أَوْ قَمِيْصٍ أَوْ خُفٍّ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ) [5]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منع فرماتے تھے کہ عورتیں اپنے احرام کی حالت میں دستانے پہنیں اور (اس طرح) نقاب ڈالیں (کہ وہ نقاب ان کے منہ پر لگتی ہو) اور ایسے کپڑے پہنیں جس میں زعفران اور ورس لگی ہو، ہاں اس کے بعد (یعنی احرام سے نکلنے کے بعد) وہ کپڑوں کی انواع سے جو چاہیں پہنیں خواہ وہ کسم کا رنگا ہوا ہو۔ ریشم ہو، یا زیور ہو اور خواہ پائجامہ ہو، قمیض ہو یا موزہ ہو۔" (ابوداؤد)

توضیح: "بعد ذلك" یعنی احرام سے نکلنے کے بعد عورتوں کے لئے ہر قسم کپڑا پہننا جائز ہے ہر قسم زیورات پہننا بھی جائز ہے ریشم بھی جائز ہے اور موزہ بھی جائز ہے مگر حالت احرام میں عورتوں کے لئے نقاب پہننا منع ہے دستانے منع ہے اور ورس اور زعفران کا رنگا ہوا کپڑا پہننا بھی منع ہے۔ [6]

حالت احرام میں پردہ کا طریقہ

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[1] المرقات: ۵/۵۷۴ [2] المرقات: ۵/۵۷۵ [3] المرقات: ۵/۵۷۵

[4] سورۃ بقرہ: ۱۹۶ [5] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۷۱ [6] المرقات: ۵/۵۷۶

مُحْرِمَاتٌ فَإِذَا جَاوَزُوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَا۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَلِابْنِ مَاجَه مَعْنَاهُ)[1]

ترجمہ: اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم (سفر کے دوران) حالت احرام میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے (اور احرام کی وجہ سے ہمارے منہ کھلے ہوئے تھے) اور ہمارے قریب سے قافلے گذرتے رہے، چنانچہ جب کوئی قافلہ ہمارے سامنے سے گذرتا تو ہم میں سے ہر عورت (پردہ کی غرض سے) اپنی چادر اپنے سر پر تان کر اپنے منہ پر (اس طرح) ڈال لیتی تھی (کہ وہ چادر اس کے منہ کو نہ لگتی) اور جب قافلہ ہمارے سامنے سے گذر جاتا تو ہم اپنا منہ کھول دیتے تھے۔" (ابوداؤد) ابن ماجہ نے بھی اسی مضمون کی ایک روایت نقل کی ہے۔

توضیح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جتنا ممکن ہو احرام کی حالت میں عورتوں کو اپنا چہرہ اجنبی مردوں سے چھپانا چاہئے ایسا نہ ہو کہ احرام اور عبادت کی آڑ میں اپنے چہروں کی نمائش شروع کریں منہ اور چہرہ چھپانا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ پردے کا کپڑا چہرہ کے ساتھ مس نہ ہوجائے اور پردہ ہوجائے۔ ہمت کی ضرورت ہے۔

احرام میں صرف تیل استعمال کرنا جائز ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدَّهِنُ بِالزَّيْتِ وَهُوَ مُحْرِمٌ غَيْرَ الْمُقَتَّتِ يَعْنِيْ غَيْرَ الْمُطَيَّبِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ احرام کی حالت میں بغیر خوشبو زیتون کا تیل استعمال کرتے تھے۔" (ترمذی)

توضیح: "مقتت" یہ اس تیل کو کہتے ہیں جس میں خوشبودار پھول توڑ کر ڈالا گیا ہو۔[3]

"یدھن" تیل اگر ہر قسم کی خوشبو سے پاک ہو تو اس کا استعمال اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے لیکن اگر تیل خود خوشبودار ہو یا اس میں خوشبو ملائی گئی ہو تو اس میں اتنی وضاحت ہے کہ تیل بھی زیادہ مقدار میں استعمال نہ ہو اگر یہ خالص تیل بھی زیادہ مقدار میں استعمال کیا گیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دم لازم آئے گا البتہ صاحبین کے نزدیک صرف صدقہ آئیگا یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ تیل خوشبو سے پاک ہو اگر تیل میں خوشبو ہو تو بالاتفاق دم آئے گا لیکن اس میں یہ بات ملحوظ رہنی چاہیئے کہ اگر خوشبودار تیل دوائی کے لئے استعمال کیا گیا تو دم نہیں آئے گا اور اگر خوشبو کی غرض سے استعمال کیا تو پھر دم آئے گا۔[4]

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۶۳ [2] المرقات: ۵/۵۷۷ [3] المرقات: ۵/۵۷۷ [4] المرقات: ۵/۵۷۷

الفصل الثالث

سلا ہوا کپڑا بدن پر ڈالنا کیسا ہے؟

﴿۱۵﴾ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ وَجَدَ الْقُرَّ فَقَالَ أَلْقِ عَلَيَّ ثَوْبًا يَا نَافِعُ فَأَلْقَيْتُ عَلَيْهِ بُرْنُسًا فَقَالَ تُلْقِيْ عَلَيَّ هٰذَا وَقَدْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَلْبَسَهُ الْمُحْرِمُ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کو (حالت احرام میں ایک موقع پر) سردی لگنے لگی تو انہوں نے فرمایا کہ "نافع! مجھ پر کوئی کپڑا اڈال دو!" چنانچہ میں نے ان کے بدن پر برساتی ڈال دی تو انہوں نے فرمایا کہ "تم میرے بدن پر یہ (برساتی) ڈال رہے ہو؟ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مُحرم کو اس کے پہننے سے منع فرمایا ہے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "برنساً" برساتی کو کہتے ہیں، سردی کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نافع سے فرمایا کہ میرے بدن پر کوئی کپڑا اڈالدو انہوں نے برساتی ڈالدی، اس پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں احرام میں ہوں اور تم سلا ہوا کپڑا مجھ پر ڈالتے ہو۔؟ جہاں تک حنفیہ کا فقہی مسلک ہے تو مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر سلا ہوا کپڑا غیر معتاد طریقہ سے صرف بدن پر ڈالدیا گیا تو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے۔[2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انکار اس لئے کیا کہ شاید ان کا مسلک اسی طرح تھا کہ سلے ہوئے کپڑے کسی طور پر استعمال کرنا محرم کے لئے جائز نہیں ہے یا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس لئے نکیر فرمائی کہ نافع نے ان کے سر پر برساتی ڈالدیا تھا جس سے ان کا سر چھپ گیا تھا۔

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِلَحْيِ جَمَلٍ مِنْ طَرِيْقِ مَكَّةَ فِيْ وَسَطِ رَأْسِهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مالک رضی اللہ عنہ جو بُحینہ کے بیٹے ہیں، کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے راستے میں لحی جمل کے مقام پر بحالتِ احرام اپنے سر کے بیچوں بیچ سینگی کھنچوائی۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "لحی جمل" مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام لحی جمل ہے۔[4]

"وسط رأسه" اگر پچھنے لگوانے سے ایک چوتھائی یا اس سے زیادہ بال کاٹ دیئے گئے تو محرم پر دم لازم آئے گا اگر کم ہو تو صدقہ لازم آئے گا اور جہاں بال نہ ہوں وہاں پر پچھنے لگوانے سے کچھ بھی نہیں آئے گا خوبخود بال ٹوٹنے سے بھی کچھ لازم نہیں اس حدیث میں "عبداللہ بن مالک بن بحینہ کا نام ہے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مالک بحینہ کا بیٹا ہے حالانکہ مالک

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۷۲ [2] المرقات: ۵/۵۷۸ [3] اخرجه البخاری: ۳/۱۹ ومسلم: ۱/۴۹۷ [4] المرقات: ۵/۵۸۹

بحینہ کا شوہر ہے اور عبداللہ ان کا بیٹا ہے تو عبداللہ کی پہلی صفت ابن مالک ہے اور ان کی دوسری صفت ابن بحینہ ہے اور یہ ان کی ماں ہیں۔ [۱]

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ احْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ مِنْ وَجَعٍ كَانَ بِهٖ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں اپنے پیر کی پشت پر پچھنے لگوائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درد تھا۔" (ابوداؤد، نسائی)

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَبِيْ رَافِعٍ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُوْنَةَ وَهُوَ حَلَالٌ وَبَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ وَكُنْتُ أَنَا الرَّسُوْلُ بَيْنَهُمَا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ احرام میں نہیں تھے، اور جب ان کے ساتھ شبِ زفاف گذاری تب بھی حالتِ احرام میں نہیں تھے۔ نیز ان دونوں کے درمیان نکاح کا پیغام لے جانے والا میں تھا۔" (احمد، ترمذی) امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

[۱] المرقات: ۵/۵۷۹ [۲] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۷۰ والترمذی: ۳۶۵ [۳] اخرجه احمد: ۲/۳۹۲ والترمذی: ۳/۲۰۰

باب المحرم یتجنب الصید

محرم کے لئے شکار کی ممانعت کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿احل لکم صید البحر وطعامہ متاعا لکم وللسیارۃ وحرم علیکم صید البر مادمتم حرما﴾[1]

اس باب میں صید سے مراد ہر وہ جانور ہے جو اپنی تخلیق کے اعتبار سے متوحش ہو اور اس کا توالد وتناسل خشکی میں ہو پانی میں نہ ہو لہٰذا اگر عارضی طور پر کوئی جانور مانوس ہو گیا جیسے ہرن وغیرہ تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا یہ بدستور ممنوعہ شکار ہے اسی طرح اگر کوئی پرندہ یا خشکی کا حیوان پانی میں رہنے لگا جیسے مرغابی وغیرہ تو اس عارض کی وجہ سے وہ شکار سے خارج نہیں ہوگا وہ ممنوعہ شکار میں شمار ہوگا۔ محرم کے لئے بحری شکار مطلقاً جائز ہے اور خشکی کا شکار اگر ماکول اللحم ہے تو مطلقاً حرام ہے اگر غیر ماکول اللحم ہے تو اس میں تفصیل ہے کہ آیا وہ موذی ہے یا غیر موذی ہے اگر غیر موذی ہے تو اس کا شکار کرنا بھی مطلقا حرام ہے اگر موذی ہے اور ابتدا میں حملہ آور ہوتا ہے تو ایسے جانور کا قتل کرنا محرم کے لئے جائز ہے جیسے شیر اور بھیڑیا وغیرہ ہے اگر غیر موذی جانور بھی محرم پر حملہ کرنے پر اتر آتا ہے تو بطور دفاع کے مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے شکار کے بارہ میں ایک تو حاجی کے احرام کی حالت ہے اس حالت میں حاجی جہاں بھی ہو وہ خشکی کا شکار نہیں کرسکتا ہے۔ دوسرا ارض حرم کی حیثیت ہے اس حیثیت میں حاجی خواہ احرام میں ہو یا حلال ہو وہ شکار نہیں کرسکتا ہے گویا ایک قسم ممنوعات احرام ہیں اور ایک قسم ممنوعات حرم ہیں بعض اشیاء ایسی ہیں جن کی ایذا کی وجہ سے ان کا مارنا حرم میں بھی جائز ہے حالت احرام میں بھی جائز ہے جیسے کوا ہے گدھ ہے چیل ہے سانپ ہے بچھو اور چوہا ہے باولا کتا ہے ان سب کا مارنا ہر حالت میں جائز ہے۔[2]

الفصل الاول

محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں

﴿۱﴾ عَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ أَنَّهُ أَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَاراً وَحْشِيًّا وَهُوَ بِالْأَبْوَاءِ أَوْبِوَدَّانِ. فَرَدَّ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَاٰى مَا فِيْ وَجْهِهٖ قَالَ إِنَّا لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكَ إِلَّا أَنَّا حُرُمٌ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

---

[1] سورۃ المائدہ الایہ ۹۶ [2] المرقات: ۵/۵۸۰ [3] اخرجہ البخاری: ۳/۱۶ ومسلم: ۱/۴۹۰

ترجمہ: حضرت صعب رضی اللہ عنہ ابن جثامہ کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حمار وحشی (گورخر) بطور ہدیہ بھیجا جبکہ آپ ﷺ مقام ابواء یا ودّان میں (کہ جو مکّہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہیں) تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے اسے واپس کر دیا اور جب آپ ﷺ نے اس کی وجہ سے ان کے چہرہ پر غم (وافسوس) کے آثار محسوس کئے تو فرمایا کہ "ہم نے تمہارا ہدیہ اس لئے واپس کر دیا ہے کہ ہم احرام باندھے ہوئے ہیں۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "فردعلیه" یعنی حضور اکرم ﷺ نے حالت احرام میں شکار کا گوشت قبول نہیں فرمایا بلکہ ہدیہ کرنے والے کو واپس کر دیا اور فرمایا ناراض نہ ہو ہم احرام میں ہیں اس لئے شکار کا گوشت قبول نہیں کر سکتے ہیں اب فقہی نقطۂ نظر سے اور روایات کے اختلاف سے مسئلہ کے تفصیل اس طرح ہے۔

تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم کے لئے خشکی کا شکار کرنا بھی حرام ہے اور اس میں اعانت کرنا بھی حرام ہے چنانچہ اگر محرم نے خود خشکی کا شکار کیا یا اس نے شکار کرنے والے کا تعاون کیا یا شکار کی طرف اشارہ کر کے رہنمائی کی تو ان تمام صورتوں میں شکار کا گوشت کھانا محرم کے لئے ناجائز ہے اگر کھایا تو تاوان ادا کریگا لیکن اگر کسی غیر محرم نے محرم کی نیت سے شکار کیا ہو اور محرم کا کوئی بھی تعاون اس میں شامل نہ ہو تو کیا اس صورت میں محرم اس گوشت کو کھا سکتا ہے یا نہیں اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔[1]

فقہاء کا اختلاف:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ اور حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ بات منسوب ہے کہ ان کے نزدیک محرم کے لئے کسی صورت میں شکار کا گوشت کھانا یا قبول کرنا جائز نہیں ہے خواہ غیر محرم ان کی نیت کرے یا نہ کرے اور یہی اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ محرم مطلقاً خشکی کے شکار کا گوشت قبول نہیں کر سکتا ہے۔

دوسرا مسلک ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر غیر محرم نے شکار کرتے وقت محرم کو گوشت کھلانے کی نیت کی تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

تیسرا مسلک ائمہ احناف کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ غیر محرم کے شکار میں اگر محرم کی طرف سے کوئی تعاون نہیں تو صرف نیت کرنے سے محرم کے لئے یہ گوشت کھانا حرام نہیں ہے۔[2]

دلائل:

اسحاق بن راہویہ وغیرہ بعض سلف نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے اس میں حضور اکرم ﷺ نے شکار کے گوشت کو واپس فرمادیا اور علت یہ بیان فرمائی کہ ہم احرام میں ہیں معلوم ہوا محرم شکار کا گوشت نہیں کھا سکتا ہے خواہ نیت کوئی کرے یا نہ کرے۔

---

[1] المرقات: ۵/۵۸۱ [2] المرقات: ۵/۵۸۱

ائمہ ثلاثہ نے آنے والی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۵ سے استدلال کیا ہے اس میں "**اویصادلکم**" کے الفاظ ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر محرم کی نیت سے شکار کیا گیا تو وہ بھی ناجائز ہے۔

ائمہ احناف نے ساتھ والی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۲ سے استدلال کیا ہے۔ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے والے محرم صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ کیا تم نے ابوقتادہ کی مدد کی یا ان کو حکم دیا یا اشارہ کیا انہوں نے نفی میں جواب دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچا ہوا گوشت کھاؤ اور خود بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تناول فرمایا۔ یہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی نیت کی بات کسی سے نہیں پوچھی اور ظاہر ہے حمار وحشی بڑا حیوان ہوتا ہے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ضرور اپنے محرم ساتھیوں کو گوشت کھلانے کی نیت کی ہوگی لہٰذا نیت پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی ہے۔

ائمہ احناف نے فصل ثالث کی حدیث نمبر ۱۱ سے بھی استدلال کیا ہے جو واضح تر دلیل ہے۔ [1]

جواب: اسحاق بن راہویہ اور بعض سلف کے استدلال کا جواب ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زندہ حمار وحشی ہدیہ کیا تھا زیر بحث حدیث میں "حماراً وحشیاً" کے الفاظ ہیں جو گوشت پر نہیں بولا جاسکتا ہے اور زندہ شکار محرم اپنے پاس نہیں رکھ سکتا ہے اس لئے واپس فرمادیا احناف کا یہ جواب اس حدیث میں تو بالکل واضح اور برمحل ہے لیکن مسلم کی بعض روایات میں "**لحم حمار وحش**" کے الفاظ آئے ہیں وہاں یہ جواب نہیں چل سکتا ہے لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ "**وھو غیر محفوظ**" یعنی حمار وحش کے الفاظ ثابت ہیں اور لحم حمار وحش کے الفاظ غیر محفوظ ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صعب بن جثامہ کی روایت کے لئے جو عنوان باندھا ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ زندہ حمار پیش کرنے کا تھا عنوان یہ ہے "**باب اذا اھدی للمحرم حماراً وحشیاً حیاً**"۔ [2]

حدیث صعب بن جثامہ سے دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سداً للذرائع اس کو رد کردیا تا کہ لوگ احرام کی حالت میں شکار میں مبتلا نہ ہوں یہ جواب بہت اچھا ہے۔

ائمہ ثلاثہ نے "**اویصادلکم**" والی روایت نمبر ۵ سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں مضاف محذوف ہے "**ای یصادلامرکم اوبدلالتکم**" اور امر کرنا یا رہنمائی کرنا تو جائز نہیں ہے ویسے بھی اس روایت سے جمہور کا استدلال تام نہیں ہے کیونکہ روایت میں کئی احتمالات ہیں زندہ شکار بھی مراد ہوسکتا ہے اعانت واشارت ودلالت کا احتمال بھی ہے لہٰذا حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی صریح اور صحیح روایت کو اپنانا زیادہ بہتر ہے جس کی تخریج بخاری ومسلم نے کی ہے اور اس میں تفصیلی قصہ ہے۔ [3]

---

[1] المرقات: ۵/۵۸۱ [2] (اوجز المسالك ج۶ص۳۷۴) [3] المرقات: ۵/۳۸۶

غیر محرم کے شکار کا گوشت محرم کھا سکتا ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَخَلَّفَ مَعَ بَعْضِ أَصْحَابِهِ وَهُمْ مُحْرِمُونَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ فَرَأَوْا حِمَاراً وَحْشِيًّا قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ فَلَمَّا رَأَوْهُ تَرَكُوهُ حَتّٰى رَآهُ أَبُو قَتَادَةَ فَرَكِبَ فَرَساً لَهُ فَسَأَلَهُمْ أَنْ يُنَاوِلُوهُ سَوْطَهُ فَأَبَوْا فَتَنَاوَلَهُ فَحَمَلَ عَلَيْهِ فَعَقَرَهُ ثُمَّ أَكَلَ فَأَكَلُوا فَنَدِمُوا فَلَمَّا أَدْرَكُوا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلُوهُ قَالَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْهُ شَيْءٌ قَالُوا مَعَنَا رِجْلُهُ فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكَلَهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا فَلَمَّا أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمِنْكُمْ أَحَدٌ أَمَرَهُ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا أَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا قَالُوا لَا قَالَ فَكُلُوا مَا بَقِيَ مِنْ لَحْمِهَا)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ (واقعہ حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے لئے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ روانہ ہوئے تو وہ اپنے چند ساتھیوں سمیت پیچھے رہ گئے جو (عمرہ کے لئے) احرام باندھے ہوئے تھے لیکن خود ابوقتادہ رضی اللہ عنہ حالتِ احرام میں نہیں تھے چنانچہ (راستہ میں ایک جگہ) ان کے ساتھیوں نے گورخر دیکھا مگر ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی نظر اس پر نہیں پڑی، ان کے ساتھیوں نے اس گورخر کو دیکھ کر صرف نظر کر لیا، آخر کار ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس گورخر کو دیکھ لیا اور (اس کا شکار کرنے کی غرض سے) گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے ساتھیوں سے اپنا چابک مانگا مگر انہوں نے (اس وجہ سے کہ اس شکار میں ہماری اعانت کسی درجہ میں بھی شامل نہ ہو) چابک دینے سے انکار کر دیا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے (گھوڑے سے اتر کر) خود چابک اٹھایا اور گورخر پر حملہ آور ہوئے یہاں تک کہ اسے مار لیا، پھر اس (کے گوشت کو تیار کر کے) خود انہوں نے بھی کھایا اور ان کے ساتھیوں نے بھی کھایا، مگر ان کے ساتھی (اس کا گوشت کھا کر) پشیمان ہوئے (کیونکہ انہوں نے گمان کیا کہ محرم کے لئے مطلق شکار کا گوشت کھانا درست نہیں ہے) چنانچہ جب وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس کا حکم) پوچھا (کہ آیا اس گورخر کا گوشت کھانا ہمارے لئے درست تھا یا نہیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ "تمہارے پاس اس سے کچھ باقی ہے یا نہیں؟" انہوں نے کہا کہ "ہمارے پاس اس کا پاؤں باقی رہ گیا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پاؤں لے لیا اور (اس کو تیار کرا کر) کھایا (اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمایا کہ اس کا گوشت کھانا تمہارے لئے درست تھا)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ خود احرام میں نہیں تھے باقی صحابہ احرام میں تھے اور یہ واقعہ عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا، یہ بات بھی جان لیجئے کہ حالت احرام میں شکار ہر جگہ پر محرم کے لئے حرام ہے لیکن اگر حالت احرام نہ ہو تو پھر حدود حرم میں شکار کرنا حرام ہے حدود حرم سے باہر جائز ہے حضرت ابوقتادہ نے حدود حرم سے باہر شکار کیا تھا یہ حدیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ محرم کے لئے شکار کا گوشت کھانا جائز ہے بشرطیکہ وہ شکار نہ خود اس نے کیا ہو اور نہ کسی کی کوئی

[1] اخرجه البخاري: ۳/۱۵ ومسلم: ۱/۴۹۰، ۴۹۱

اعانت کی ہو چنانچہ یہ حدیث احناف کی دلیل ہے جو لوگ مطلقاً شکار کے گوشت کو محرم کے لئے ناجائز کہتے ہیں ان پر یہ حدیث حجت ہے نیز حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے گورخر جس کو زیبرا کہتے ہیں اتنے بڑے شکار کو صرف اپنی ذات کے لئے نہیں مارا ہوگا یقیناً ان کی نیت اپنے ساتھیوں کو گوشت کھلانے کی ہوگی لہٰذا یہ حدیث جمہور پر بھی حجت ہے۔[1]

وہ جانور جن کو حالت احرام اور حرم میں مارنا جائز ہے

﴿۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ قَتَلَهُنَّ فِي الْحَرَمِ وَالْإِحْرَامِ اَلْفَارَةُ وَالْغُرَابُ وَالْحِدَاَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "پانچ جانور ہیں جن کو حرم میں اور حالتِ احرام میں مارنا گناہ نہیں ہے۔ ① چوہا۔ ② کوا۔ ③ چیل۔ ④ بچھو۔ ⑤ کٹ کھنا کتا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "الغراب" اس سے کوا ہی مراد ہے زاغ مراد نہیں ہے جس کی چونچ سرخ ہوتی ہے اور پنجے بھی سرخ ہوتے ہیں وہ کوا نہیں ہے اسی وجہ سے آیندہ روایت میں غراب کے ساتھ ابقع کا لفظ لگا ہوا ہے۔[3]

"الحدأة" العنبة کے وزن پر ہے دوسری روایت میں اسی کو "الحدیا" کہا گیا ہے چیل کو کہتے ہیں چیل اور گدھ کے چھوٹے بڑے تمام اقسام اس میں شامل ہیں۔[4]

"العقرب" یہ بچھو کو کہتے ہیں اگلی روایت میں سانپ کا ذکر بھی ہے اس قسم کے دیگر حملہ آور موذی حشرات الارض بھی اس حکم میں داخل ہیں۔[5]

"الکلب العقور" حملہ آور کاٹنے پھاڑنے اور زخمی کرنے والا کتا مراد ہے اس کے حکم میں تمام حملہ آور درندے داخل ہیں۔

دوسری روایت میں[6] "فواسق" کا لفظ آیا ہے مطلب یہ ہے کہ ان جانوروں کی خباثت وشرارت اور ایذا رسانی کی وجہ سے ان کا مارنا جائز ہے علماء نے لکھا ہے کہ ان پانچ جانوروں میں حصر نہیں ہے بلکہ صفت ایذا جن جانورں میں ہو ان کا مارنا بھی جائز ہے مثلاً چیونٹی، مچھر، پسو، کھٹمل اور چیچڑی وغیرہ۔[7]

﴿۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَمْسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي الْحِلِّ وَالْحَرَمِ اَلْحَيَّةُ وَالْغُرَابُ الْاَبْقَعُ وَالْفَارَةُ وَالْكَلْبُ الْعَقُوْرُ وَالْحُدَيَّا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[8]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ایذاء پہنچانے والے

[1] المرقات: ۵/۵۸۲ [2] اخرجه البخاری: ۳/۱۷ ومسلم: ۱/۴۹۳ [3] المرقات: ۵/۵۸۲ [4] المرقات: ۵/۵۸۲

[5] المرقات: ۵/۵۸۲ [6] المرقات ۵/۵۸۲ [7] المرقات: ۵/۵۸۲ [8] اخرجه البخاری: ۳/۱۷ ومسلم: ۱/۴۹۳

پانچ جانور ہیں جن کو حدود حرم سے باہر بھی اور حدود حرم میں بھی مارا جا سکتا ہے (مارنے والا خواہ احرام کی حالت میں ہو خواہ احرام سے باہر ہو۔ ① سانپ۔ ② ابلق کوا۔ ③ چوہا۔ ④ کٹ کھنا کتا۔ ⑤ چیل۔'' (بخاری ومسلم)

الفصل الثانی

اگر اعانت نہ ہو تو شکار کا گوشت محرم کے لئے حلال ہے

﴿۵﴾ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَحْمُ الصَّيْدِ لَكُمْ فِي الْإِحْرَامِ حَلَالٌ مَالَمْ تَصِيْدُوْهُ أَوْ يُصَادَلَكُمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تمہارے لئے احرام کی حالت میں شکار کا گوشت حلال ہے بشرطیکہ وہ شکار نہ تو تم نے خود کیا ہو اور نہ تمہارے لئے کیا گیا ہو۔'' (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

ٹڈی کے شکار کا مسئلہ

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَرَادُ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ٹڈی دریا کے شکار کی مانند ہے۔'' (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح: ''صید البحر'' اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ ٹڈی سمندری مچھلیوں کی طرح ہے اس کا ذبح کرنا ضروری نہیں ہے ذبح کے بغیر کھا جائے گا۔ لہٰذا احناف فرماتے ہیں کہ اس تشبیہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ٹڈی کا شکار محرم کے لئے جائز ہے اگر کوئی محرم ٹڈی کو مار یگا تو مناسب صدقہ کریگا۔

لیکن دوسرے علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ٹڈی سمندری مچھلی کی طرح ہے اور سمندری جانوروں کا شکار محرم کے لئے جائز ہے لہٰذا ٹڈی کا بھی جائز ہے یہ مطلب حدیث کے زیادہ موافق ہے۔[3]

حملہ آور درندے کو مارنے کا حکم

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ السَّبُعَ الْعَادِيَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[4]

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۷۷ والترمذی: ۳/۲۰۳ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۷۷ والترمذی: ۳/۲۰۷

[3] المرقات: ۵/۵۸۶ [4] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۷۶ والترمذی: ۲/۱۹۸

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "محرم حملہ کرنے والے درندے کو مار ڈالے۔" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

بجو کے شکار اور گوشت کھانے کا مسئلہ

﴿۸﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ سَأَلْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الضَّبُعِ أَصَيْدٌ هِيَ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ أَيُؤْكَلُ فَقَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمن ابن ابو عمار (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے چرغ کے بارہ میں پوچھا کہ کیا وہ شکار ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے پھر پوچھا کہ کیا اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے کہا کہ کیا آپ نے یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں (ترمذی، نسائی، شافعی) نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح: الضبع "ضبع ایک جنگلی جانور ہے جو جسم میں کتے کے برابر ہوتا ہے اس کو فارسی میں کفتار کہتے ہیں اردو میں اس کو ہنڈار اور بجو کہتے ہیں چرغ بھی کہتے ہیں پشتو میں اس کو گورخ کہتے ہیں یہ قبروں کو کھود کر مردہ کو کھاتا ہے۔

بجو کے بارے میں دو الگ الگ مسئلے ہیں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ محرم کے لئے بجو کا شکار کیسا ہے تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر محرم نے حالت احرام میں بجو کا شکار کیا تو اس پر تاوان آئے گا اور بدلہ میں ایک مینڈھا دینا پڑیگا ساتھ والی حدیث نمبر ۹ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ آیا بجو کا کھانا حلال ہے یا حرام ہے یہ کتاب الصید کا مسئلہ ہے اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بجو کا گوشت کھانا جائز ہے جمہور کے نزدیک بجو کھانا جائز نہیں ہے۔

دلائل:

زیر بحث حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے۔

جمہور نے آنے والی حضرت خزیمہ کی حدیث نمبر ۱۰ سے استدلال کیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب کر کے پوچھا ہے کہ

[1] اخرجه الترمذی: ۳/۲۰۷ والنسائی: ۳/۱۹۸

کیا کوئی شخص بجو کو بھی کھاتا ہے؟ اس روایت کی سند اگر ایک طریق سے کمزور ہو تو دوسرے طریق سے قوی ہو جاتی ہے نفس حدیث کی صحت میں شبہ نہیں ہے۔

جمہور نے "**ویحرم علیکم الخبائث**" آیت سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ بجو خبیث ترین جانور ہے قبر کھود کر مردہ کو کھاتا ہے جمہور نے "**کل ذی ناب من السباع فاکله حرام**" حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کیونکہ بجو ذی ناب ہے۔

جواب: امام شافعی رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تعارض روایات کے وقت حرمت والی روایت کو حلت والی روایت پر ترجیح دی جاتی ہے لہٰذا حضرت خزیمہ کی روایت راجح ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس تعارض کی وجہ سے مسئلہ حرمت سے نیچے مکروہ تحریمی کی طرف آ گیا ہے لہٰذا شوافع کا مستدل جائز مع الکرھۃ پر حمل کیا جائے گا۔[1]

﴿۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّبُعِ قَالَ هُوَ صَيْدٌ وَيُجْعَلُ فِيْهِ كَبْشاً إِذَا أَصَابَهُ الْمُحْرِمُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جرغ کے بارہ میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ شکار ہے اگر کوئی محرم اس کا مرتکب ہو جائے تو اس کے بدلہ میں دنبہ یا مینڈھا دے۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

بجو حلال نہیں

﴿۱۰﴾ وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ جَزِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الضَّبُعِ قَالَ أَوَ يَأْكُلُ الضَّبُعَ أَحَدٌ وَسَأَلْتُهُ عَنْ أَكْلِ الذِّئْبِ قَالَ أَوَ يَأْكُلُ الذِّئْبَ أَحَدٌ فِيْهِ خَيْرٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت خزیمہ ابن جزی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جرغ کا گوشت کھانے کے بارہ میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کوئی اس کا گوشت بھی کھاتا ہے؟ (یعنی اس کا گوشت نہ کھانا چاہئے) پھر میں نے بھیڑیئے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا کوئی ایسا شخص جس میں بھلائی (یعنی ایمان یا تقویٰ) ہو بھیڑیئے کا گوشت بھی کھاتا ہے؟" اس روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد قوی نہیں ہے۔

---

[1] المرقات: ۵/۵۸۷، ۵۸۸ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۳/۳۵۴ وابن ماجہ: ۲/۱۰۳۰ [3] اخرجہ الترمذی: ۴/۲۵۳

الفصل الثالث

غیر محرم کا شکار محرم کھا سکتا ہے

﴿۱۱﴾ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ قَالَ كُنَّا مَعَ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَنَحْنُ حُرُمٌ فَأُهْدِيَ لَهُ طَيْرٌ وَطَلْحَةُ رَاقِدٌ فَمِنَّا مَنْ أَكَلَ وَمِنَّا مَنْ تَوَرَّعَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ طَلْحَةُ وَافَقَ مَنْ أَكَلَهُ قَالَ فَأَكَلْنَاهُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن ابن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور ہم سب احرام کی حالت میں تھے کہ ان کے پاس بطور ہدیہ ایک پرندہ (کا پکا ہوا گوشت) آیا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت سو رہے تھے چنانچہ ہم میں سے بعض نے وہ گوشت کھالیا (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ محرم کو شکار کا گوشت کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس شکار میں اس کے حکم وغیرہ کو کوئی دخل نہ ہو) اور بعض نے اس سے پرہیز کیا (کیونکہ ان کا گمان تھا کہ محرم کو یہ گوشت کھانا درست نہیں ہے) پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ جب بیدار ہوئے تو انہوں نے ان لوگوں کی موافقت کی جنہوں نے وہ گوشت کھایا تھا، نیز انہوں نے فرمایا کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اسی طرح (یعنی حالتِ احرام میں شکار کا گوشت) کھایا تھا۔" (مسلم)

[1] اخرجه مسلم: ۱/۳۹۳

باب الاحصار وفوت الحج

احصار کا بیان

قال الله تعالیٰ: ﴿واتموالحج والعمرة لله فان احصرتم فمااستیسر من الهدی ولاتحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الهدی محله﴾[1]

احصار لغت میں روکنے اور منع کرنے کو کہتے ہیں اصطلاح شرع میں احرام باندھ لینے کے بعد حج یا عمرہ سے روکے جانے کو **احصار کہتے ہیں۔**

ملا علی قاری فرماتے ہیں "**الاحصار" المنع اوالحبس لغة والمنع من الوقوف والطواف شرعاً**" اس روکے جانے کو احصار اور ایسے شخص کو محصر کہتے ہیں احصار کے بعد حاجی کو چاہئے کہ وہ بیت اللہ کی طرف قربانی کا جانور یا اس کی قیمت بھیجدے اور جب جانور وہاں ذبح ہوجائے تو پھر احرام کھولدے اور واپس گھر چلا جائے اور آئندہ عمرہ یا حج کی قضا کرلے۔

اب اس بات میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا احصار صرف دشمن کی وجہ سے محقق ہوتا ہے یا دیگر اعذار وامراض کی وجہ سے بھی احصار متحقق ہوجاتا ہے۔[2]

فقہاء کرام کا اختلاف:

جمہور فقہاء کے نزدیک احصار صرف دشمن کے خطرہ کی وجہ سے ہوتا ہے دیگر اعذار اور امراض سے نہیں ہوتا ہے دیگر اعذار کا اگر اندیشہ ہو تو اس کے لئے بوقت احرام شرط لگائی جائے گی کہ جہاں رک گیا وہیں پر احرام کھولوں گا جس کا بیان اگلی ضباعہ بنت زبیر کی حدیث نمبر ۵ میں آئے گا۔

ائمہ احناف کے نزدیک احصار جس طرح دشمن کے خوف سے ہوتا ہے اسی طرح ان تمام اعذار سے بھی احصار متحقق ہوتا ہے جو اعذار موجبات احرام کے لئے مانع ہوں جیسے بیماری ہے یا خرچے کا ختم ہونا ہے یا عورت کا عدت میں ہونا ہے یا راستہ بھول جانا ہے یا عورت کیلئے محرم کا نہ ہونا ہے یا غلام کو آقا کی طرف سے اجازت نہ ملنا ہے۔

دلائل:

جمہور نے قرآن عظیم کی آیت فان احصرتم الخ سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریش نے روکا تھا اس وقت احصار کا حکم آگیا اور وہ دشمن کی وجہ سے تھا لہٰذا مرض

[1] سورۃ بقرہ الآیہ ۱۹۶ [2] المرقات: ۵/۵۸۹

وغیرہ کسی چیز سے احصار نہیں ہوگا جمہور نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس کے ایک اثر سے بھی استدلال کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا "لاحصر الامن عدو"۔[1]

ائمہ احناف نے آنے والی حجاج بن عمرو انصاری کی حدیث نمبر ۷ سے استدلال کیا ہے جس میں "من کسر اوعرج فقد حل" کے واضح الفاظ مذکور ہیں۔

ائمہ احناف کی دوسری دلیل یہی مذکورہ ﴿فان احصر تم الخ﴾ آیت ہے کیونکہ اس میں احصر تم باب افعال سے احصار کے معنی میں ہے اور احصار عام ہے خواہ دشمن کی وجہ سے ہو یا مرض کی وجہ سے ہو بلکہ اہل لغت میں سے فراء "ابن سکیت" اخفش اور کسائی نے تصریح کی ہے کہ احصار اس رکنے کو کہا جاتا ہے جو صرف بیماری کی وجہ سے ہو حصر اس رکنے کو کہتے ہیں جو دشمن کی وجہ سے ہو، اس طرح یہ آیت صرف احناف کے لئے قطعی دلیل ہے۔

نیز قیاس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ احصار کو صرف دشمن کے ساتھ خاص نہ کیا جائے کیونکہ بعض دفعہ دشمن کا عذر تو ختم ہو جاتا ہے لیکن مرض کا عذر لگا رہتا ہے خاص کر بوڑھوں کا مرض تو موت پر جا کر ختم ہو سکتا ہے۔

جواب: جمہور نے آیت سے جو استدلال کیا ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہو گیا کہ ایت میں احصار کا مصداق دشمن نہیں بلکہ اس کا پہلا مصداق مرض ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر چہ آیت کا نزول خاص واقعہ دشمن میں ہے لیکن یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ "العبرة لعموم الالفاظ لالخصوص الواقعة" لہذا آیت تمام اعذار کو عام ہے۔

جمہور نے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مرفوع حدیث کی موجودگی میں اثر میں تاویل کریں گے ممکن ہے ان حضرات نے کامل اور مشہور حصر اسی کو قرار دیا ہو جو دشمن کی وجہ سے ہو۔

الفصل الاول

احصار کی ہدی کہاں ذبح کی جائے؟

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدْ أُحْصِرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَلَقَ رَأْسَهُ وَجَامَعَ نِسَاءَهُ وَنَحَرَ هَدْيَهُ حَتّٰى اِعْتَمَرَ عَامًا قَابِلًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (واقعہ حدیبیہ کے سال) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (عمرہ سے) روکا گیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر منڈوایا اور (احرام کھولنے کے بعد) اپنی ازواج مطہرات سے ہم بستر ہوئے اور اپنی ہدی کا جانور ذبح کیا، پھر اگلے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عمرہ ادا کیا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "احصر" یعنی جب ۶ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بغرض عمرہ ۱۵ سو صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے

---

[1] المرقات: ۵/۵۸۹ [2] اخرجه البخاری: ۳/۱۱

تو حدیبیہ کے مقام پر قریش نے آپ کو آگے بڑھنے اور عمرہ کرنے سے روکا اس طرح احصار بالعدو کی ایک صورت پیدا ہوگئی کافی مذاکرات کے بعد اس بات پر صلح ہوگئی کہ اس سال مسلمان عمرہ کے بغیر واپس جائیں اور آئندہ سال عمرہ کی قضا کے لئے آجائیں۔ صلح حدیبیہ ایسی تمام شرائط کے ساتھ جب مکمل ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے احرام کھولا اور سر منڈوالیا اور ازواج سے مجامعت کی اور ہدی کے جانور ذبح کردیا اب فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہوا کہ آیا قربانی کے لئے زمین حرم کا ہونا ضروری ہے یا موضع احصار میں خارج حرم بھی ہدی کے جانور ذبح کیا جاسکتا ہے تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر احصار کی صورت نہ ہو تو ہدی کی قربانی کے لئے حرم کی زمین ضروری ہے لیکن اگر احصار کی صورت ہو تو ہدی کی قربانی کہاں پر کرے اس مین اختلاف ہے۔[1]

فقہاء کا اختلاف:

ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ حاجی کو جہاں احصار پیش آیا ہے وہیں پر جانور ذبح کر کے حلال ہوجائے ہدی کا حرم بھیجنا ضروری نہیں ہے۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ دم احصار کا ارض حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ جانور یا اس کی قیمت کسی کے ذریعہ سے حرم بھیجدیا جائے اور وقت و تاریخ کا تعین کرلے جب ہدی ذبح ہوجائے تب حاجی احرام کھولدے اور سر منڈادے۔

دلائل:

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے واقعہ حدیبیہ سے استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور تمام صحابہ نے مقام حدیبیہ پر ہدایا ذبح کئے تھے اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے لہٰذا حرم میں ذبح کرنا ضروری نہیں ہے۔[2]

ائمہ احناف نے قرآن عظیم کی واضح آیت سے استدلال کیا ہے ارشاد ہے ﴿**ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محلہ**﴾

جواب: احناف نے جمہور کو جواب دیا ہے کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ ارض حرم میں ہے اس لئے یہ قربانی حرم کی زمین میں ہوئی تھی امام طحاوی نے ایک حدیث نقل کی ہے الفاظ یہ ہیں۔ "**وَعَنِ المسور** رضی اللہ عنہ **ان رسول اللہ** ﷺ **کان بالحدیبیۃ کان خبائہ فی الحل ومصلاہ فی الحرم**" (الطحاوی)[3]

دوسرا جواب: یہ ہے کہ حضور اکرم کے لئے ممکن نہیں تھا کہ ہدایا کو حرم میں ذبح کریں تو یہ ایک مجبوری کی مخصوص صورت تھی آج کل حدیبیہ کے مقام کو شمیسی کہتے ہیں اور یہیں پر مرکز تفتیش اور چیک پوسٹ ہے بڑے بورڈ پر لکھا ہوا ہے "**ممنوع دخول غیر المسلمین**" یعنی آگے زمین حرم ہے کسی کافر کا داخلہ منع ہے۔

---

[1] المرقات: ۲/۶ [2] المرقات: ۵/۵۸۹ [3] البنایۃ: ۴/۴۰۰

محصر حلق یا قصر کریگا

﴿۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَالَ كُفَّارُ قُرَيْشٍ دُوْنَ الْبَيْتِ فَنَحَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدَايَاهُ وَحَلَّقَ وَقَصَّرَ أَصْحَابُهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (عمرے کے لئے) گئے تو کفار قریش نے (ہمیں) خانۂ کعبہ (پہنچنے) سے پہلے (حدیبیہ میں) روک دیا چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے ہدی کے جانور (وہیں) ذبح کئے اور سرمنڈوایا، نیز آپ ﷺ کے رفقاء (میں سے کچھ) نے بال کتروائے (اور کچھ نے سرمنڈوائے)۔'' (بخاری)

توضیح: ''وقصر اصحابه'' یعنی بعض صحابہ نے قصر کیا باقی اکثر نے حلق کیا حضور اکرم ﷺ نے بھی حلق کیا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محصر پر بھی حلق یا قصر لازم ہے احناف کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حلق وقصر لازم نہیں ہے لیکن ملاعلی قاری نے مرقات میں لکھا ہے کہ امام طحاوی حلق وقصر کے وجوب کی طرف مائل ہیں ملاعلی قاری فرماتے ہیں **والاظهر وجوبه لقوله تعالیٰ ﴿ولا تحلقوا رؤسكم حتى يبلغ الهدى محله ولفعله عليه السلام واصحابه الكرام﴾** (مرقات ج۵ ص۵۹۰)[۲]

﴿۳﴾ وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحَرَ قَبْلَ أَنْ يَحْلِقَ وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ بِذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۳]

ترجمہ: حضرت مسور ابن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنا سرمنڈوانے سے پہلے ہدی کا جانور ذبح کیا، نیز آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس بات کا حکم دیا (کہ وہ سرمنڈوانے سے پہلے اپنے ہدی کا جانور ذبح کریں)۔ (بخاری)

احصار اور حج فوت ہوجانے کا حکم

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ أَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ حُبِسَ أَحَدُكُمْ عَنِ الْحَجِّ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ ثُمَّ حَلَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى يَحُجَّ عَامًا قَابِلًا فَيُهْدِيَ أَوْ يَصُوْمَ إِنْ لَمْ يَجِدْ هَدْيًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ''کیا تمہارے لئے رسول کریم ﷺ کی یہ سنت (یعنی آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی) کافی نہیں ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص حج سے روکا جائے (یعنی اس کو کوئی ایسا عذر پیش

[۱] اخرجه البخاری: ۲۳/۱۰ [۲] المرقات: ۵/۵۹۰ [۳] اخرجه البخاری: ۲/۲۰۶ [۴] اخرجه البخاری: ۳/۱۱

آ جائے جو حج کے رکن اعظم یعنی وقوف عرفات سے مانع ہو اور طواف وسعی سے مانع نہ ہو) تو وہ بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کر کے ہر چیز سے حلال ہو جائے (یعنی اس کے بعد اس کے لئے ہر وہ چیز حلال ہو جائے گی جو احرام کی حالت میں ممنوع تھی) تا آنکہ وہ اگلے سال حج کرے اور ہدی ذبح کرے اور اگر وہ ہدی ذبح نہ کر سکتا ہو تو روزہ رکھے۔'' (بخاری)

توضیح: ''الیس حسبکم'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ درحقیقت ان لوگوں پر نکیر فرما رہے ہیں جن کا خیال ہے کہ حج وعمرہ کی نیت کے وقت اس طرح شرط لگانا چاہئے کہ اے اللہ میں حج کی نیت کرتا ہوں لیکن میرے حلال ہونے کی جگہ وہ ہے جہاں میں بیماری وغیرہ عذر کی وجہ سے روک لیا جاؤں یہ شرط آئندہ حضرت ضباعہ کی روایت میں آ رہی ہے حضرت ابن عمر کے رد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں احصار کا حکم صاف صاف بیان کیا ہے تو پھر پہلے سے نیت میں شرط لگانے کی کیا ضرورت ہے بس جہاں بیماری کی وجہ سے رک گیا وہیں پر احصار کا حکم نافذ ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ احصار بوجہ بیماری کے قائل تھے جیسا کہ احناف کہتے ہیں بہر حال جو شخص حج یا عمرہ کی وجہ سے محصور ہوا اس پر لازم ہے کہ آئندہ سال قضا کرے خواہ وہ مفرد ہو یا قارن اور متمتع ہو یا عمرہ والا ہو۔[1]

حج وعمرہ کی نیت میں شرط لگانے کا حکم

﴿۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ضُبَاعَةَ بِنْتِ الزُّبَيْرِ فَقَالَ لَهَا لَعَلَّكِ أَرَدْتِ الْحَجَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا أَجِدُنِيْ إِلَّا وَجِعَةً فَقَالَ لَهَا حُجِّيْ وَاشْتَرِطِيْ وَقُوْلِيْ أَللّٰهُمَّ مَحِلِّيْ حَيْثُ حَبَسْتَنِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (جب حج کے لئے روانہ ہونے والے تھے تو اپنی چچازاد بہن) ضباعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت زبیر کے ہاں تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ شاید تم (ہمارے ساتھ) حج کا ارادہ رکھتی ہو؟ ضباعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ ''(جی ہاں، میرا ارادہ تو ہے لیکن) خدا کی قسم! میں اپنے کو بیمار پاتی ہوں (یعنی مرض کی بناء پر میں بڑا ضعف محسوس کر رہی ہوں اگر میں چلتی ہوں تو نہیں جانتی کہ حج پورا بھی کر سکوں گی یا نہیں؟) آنحضرت ﷺ (نے یہ سن کر) فرمایا کہ ''تم حج (کا ارادہ) کر لو، اور (جب احرام باندھو تو یہ) شرط کر لو یعنی یہ کہو کہ: اے اللہ! میرے احرام سے نکلنے کی جگہ وہ ہے جہاں میں (بیماری کے سبب) روک دی جاؤں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''حیث حبستنی'' حج میں حلال ہونے کی شرط لگانے کا طریقہ اس طرح ہے کہ احرام باندھتے وقت حاجی یہ کہدے کہ اگر راستہ میں مرض وغیرہ کی رکاوٹ پیدا ہوگئی تو میں وہیں پر حلال ہو جاؤں گا۔

اس شرط لگانے کا کوئی فائدہ ہے یا نہیں؟ تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا فائدہ نہیں اور امام

[1] المرقات: ۵/۵۹۱ [2] اخرجہ البخاری: ۷/۹، ومسلم: ۱/۵۰۰

شافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا فائدہ ہے وہ یہ کہ جب شرط لگائی تو بیماری وغیرہ عذر کی صورت میں حاجی فوراً احرام سے نکل جائے گا اور مرور علی الحج وعمرہ لازم نہیں ہوگا اگر شرط نہیں لگائی تو بیماری کی صورت میں احرام سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا ہے جب تک افعال حج پر مرور نہیں کرتا بہرحال اس شرط پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اشارۃً رد کیا ہے اور قرآن کریم کی ایت بھی اس کے منافی ہے کیونکہ ایت احصار کا حکم بیان کرتی ہے شرط کا کوئی ذکر نہیں ہے نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود کبھی اس طرح شرط لگائی ہے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو اس طرح تعلیم دی ہے صرف ضباعہ کی بات ہے تو علماء فرماتے ہیں کہ ضباعہ کو ایک قسم کا وہم ہوگیا تھا کہ میں حج کرسکوں گی یا نہیں اور اگر رکاوٹ پیدا ہوگئی تو میں پھر کیا کروں گی اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے وہم کو دور کرنے کے لئے۔ ان کو تسلی دیدی اور فرمایا کہ تم اس طرح شرط لگادو تاکہ تم کو تسلی حاصل ہو۔[1]

الفصل الثانی

ہدی کا جانور حرم میں ذبح کرنا چاہئے

﴿۶﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُبَدِّلُوا الْهَدْىَ الَّذِي نَحَرُوا عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ. (رَوَاهُ أَبُودَاوُد)[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اپنے ہدی کے ان جانوروں کے عوض جانور ذبح کریں جو انہوں نے واقعہ حدیبیہ کے سال ذبح کئے تھے۔

توضیح: ابوداود میں یہ حدیث ایک قصہ کے ساتھ مذکور ہے جس سے یہ حدیث آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے ایک زمانہ ایسا تھا کہ شام کی زمین پر بنوامیہ کی حکومت تھی اور مکہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی، شامی لوگ حضرت عبداللہ بن زبیر کی حکومت کے سخت مخالف تھے انہوں نے مکہ کو فتح کرنے کے لئے فوج کشی کی اور بیت اللہ کا محاصرہ کیا اس موقع پر ایک آدمی ہدی کا جانور ذبح کرنے کے لئے مکہ لا رہا تھا کہ شامی افواج نے اس کو روک لیا اس شخص نے وہیں پر ہدی کو ذبح کیا اور پھر مکہ آکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا حضرت ابن عباس نے ان کو فرمایا کہ ہدی کے بدلہ میں ہدی خرید کرلاؤ اور بیت اللہ کی زمین حرم میں ذبح کردو اس روایت سے احناف کی تائید ہوتی ہے کہ ہدی کے جانور کو حرم تک پہنچانا ضروری ہے۔

سوال: یہاں دل میں یہ کھٹکا گذرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے مقام حدیبیہ میں جو جانور ذبح کئے تھے اگر وہ زمین حرم میں ذبح ہوئے تھے تو آیندہ سال دوبارہ جانور لانے کا کیا مطلب ہے؟

[1] المرقات: ۵/۵۹۲ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۷۹

جواب: مقام حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں ہے کچھ حل میں ہے آنحضرت ﷺ نے مقام حرم میں ذبح کیا تھا مگر بعض صحابہ نے ارض حل میں ذبح کیا تھا انہیں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم پھر جانور لاؤ اور صحیح طریقہ پر ذبح کرو اس طرح یہ حدیث احناف کی دلیل بن جائے گی۔ اگرچہ بات بنتی نہیں ہے۔

بعض شارحین کہتے ہیں کہ نئے جانوروں کو خرید کر لانے کا یہ مسئلہ صرف استحباب اور احتیاط و تقویٰ کی بنیاد پر تھا اس سے پورا اختلاف ختم ہو جائے گا۔[1]

بیماری کی وجہ سے احصار ہو جاتا ہے

﴿۷﴾ وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرَجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ وَزَادَ أَبُوْدَاوُدَ فِي رِوَايَةٍ أُخْرَى أَوْ مَرِضَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَفِي الْمَصَابِيْحِ ضَعِيْفٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت حجاج ابن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کا پاؤں ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو وہ حلال ہو گیا (یعنی اس کے لئے جائز ہے کہ وہ احرام کھول دے اور اپنے گھر واپس جائے) لیکن آئندہ سال اس پر حج واجب ہوگا'' (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) ابوداؤد رحمہ اللہ کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''یا وہ بیمار ہو جائے'' نیز امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے جبکہ بغوی رحمہ اللہ نے مصابیح میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

یہ حدیث احناف کی مضبوط دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ احصار بیماری وغیرہ اعذار سے بھی متحقق ہو جاتا ہے۔

حج کا رکن اعظم وقوف عرفہ ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ الدِّيْلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ أَدْرَكَ عَرَفَةَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ أَيَّامُ مِنًى ثَلَاثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمن ابن یعمر دیلی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''حج'' عرفہ ہے (یعنی حج کا سب سے بڑا رکن ذی الحجہ کی نویں تاریخ میں قیام عرفات ہے) جس نے مزدلفہ کی رات (یعنی ذی الحجہ کی دسویں

[1] المرقات: ۵/۵۹۳ [2] اخرجہ الترمذی: ۳/۲۷۷ وابوداؤد: ۲/۱۸۹ [3] اخرجہ الترمذی: ۳/۲۳۷ وابوداؤد: ۲/۲۰۳

رات) میں طلوع فجر سے پہلے وقوف عرفات پالیا اس نے حج کو پالیا۔ منیٰ (میں ٹھہرنے) کے تین دن ہیں (یعنی ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں، تیرہویں تاریخ جنہیں ایام تشریق کہتے ہیں، ان دنوں میں منیٰ میں قیام کیا جاتا ہے اور رمی جمار کی جاتی ہے) پس جو شخص جلدی کرے اور دو ہی دن کے بعد چلا آئے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔"

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح: حج میں تین ارکان فرض ہیں اول احرام لگانا دوم نیت کرنا فرض ہے سوم وقوف عرفہ فرض ہے اور وقوف عرفہ حج کا رکن اعظم ہے خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں ہو تھوڑا وقت ہو یا زیادہ ہو دن میں ہو یا آنے والی رات کی صبح تک ہو، اس سے یہ فرض ادا ہو جاتا ہے۔ غروب آفتاب کے بعد عرفہ سے نیچے مزدلفہ کی طرف اترنا اور مزدلفہ میں رات گذارنا واجب ہے پھر صبح طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہونا ہے اور وہاں جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مارنا ہے پھر منیٰ میں عید الاضحیٰ کے بعد تین دن قیام کا حکم ہے لیکن گیارہ اور بارہ تاریخ کی رمی لازم ہے البتہ یہ شخص اگر تیرہ ذوالحجہ تک منی میں رہ گیا تو اب اسے اس دن کی کنکریاں مارنا پڑیگا لیکن طلوع آفتاب کے بعد اس دن کی کنکریاں مارنا جائز ہے مذکورہ حدیث میں انہیں مسائل کا بیان ہے علماء نے لکھا ہے کہ منی کے قیام کے بارے میں بھی اہل جاہلیت اپنی جاہلانہ رسم کے تحت وقت گذارتے تھے کچھ لوگ تو دو دن سے زیادہ ٹھہرنے کو گناہ کا کام سمجھتے تھے اور کچھ لوگ تین دن سے پہلے نکلنے کو گناہ سمجھتے تھے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اعتدال کا راستہ بتادیا ہے جو اس حدیث میں ہے۔ اسی طرح قریش مزدلفہ سے اُوپر عرفات میں نہیں جاتے تھے اسلام نے اس کو منع کر دیا اور عرفات کا وقوف ان پر لازم کر دیا۔ [1]

[1] المرقات: ۵/۵۹۴، ۵۹۵

باب حرم مکة حرسها اللّٰہ

حرم مکہ کی حرمت کا بیان

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا وھدی للعٰلمین فیه آیات بینات مقام ابراھیم ومن دخله کان امنا﴾[1]

❶ ایک لفظ مکہ ہے یہ بیت اللہ کے اردگرد پورے شہر کا نام ہے اس منطقہ کا الگ گورنر ہوتا ہے۔

❷ دوسرا لفظ حرم ہے یہ زمین کے اس مقدس قطعہ کو کہتے ہیں جو مکہ شہر کے اردگرد ہے اس کو حرم اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی وجہ سے اس مقدس قطعہ کو بھی واجب احترام بنایا ہے اور اس کو عظمتوں اور بزرگیوں سے مالا مال کیا اس قطعہ کو اس لئے بھی حرم کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے بہت سارے ایسے کاموں کو حرام قرار دیا ہے جو اس خطہ سے باہر جائز ہیں مثلاً حدود حرم میں شکار کرنا یا کسی قسم کی خود رو گھاس کاٹنا یا کسی انسان یا حیوان کو ایذا پہنچانا جھگڑا اور فساد ڈالنا یہ سب حرام ہیں۔ اب یہ بات کہ یہ خطہ کس طرح حرم مقرر ہوا تو بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام جب زمین پر اتارے گئے تو مکہ میں آپ نے جنات سے جان کا خطرہ محسوس کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کے لئے آپ کے اردگرد فرشتوں کو مقرر فرمایا ان فرشتوں نے مکہ کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیا فرشتوں نے چاروں طرف سے جہاں جہاں حد بندی کی وہ جگہیں حدود حرم مقرر ہوئیں۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب کعبہ بنایا اور آپ نے اپنے ہاتھ سے حجر اسود رکھا تو اس سے نور کا ایک شعلہ اٹھا جس سے چاروں طرف زمین روشن ہوگئی جہاں جہاں تک یہ روشنی پہنچ گئی وہیں سے حرم کی حدود مقرر ہوئیں۔ چنانچہ زمین حرم کے حدود اس طرح ہیں مدینہ کی طرف سے تنعیم حد ہے جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے مکہ سے یمن کی طرف سات میل تک حد ہے۔ جدہ، طائف اور جعرانہ بھی اسی طرح سات سات میل ہے بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ مکہ جدہ کی جانب دس میل پر حد ہے اور جعرانہ کی طرف نو میل تک حد حرم ہے۔

❸ تیسرا لفظ مسجد الحرام ہے بیت اللہ کے اردگرد جو بہت بڑی مسجد بنی ہوئی ہے اس کو مسجد الحرام کہتے ہیں موجودہ سعودی حکومت سے پہلے مسجد الحرام کا رقبہ گیارہ ہزار پانچ سو مربع میٹر تھا مگر موجودہ حکومت کی توسیع کے بعد مسجد حرام کا رقبہ چونسٹھ ہزار مربع میٹر ہے موجودہ حکومت نے صفا مروہ یعنی مسعی کو حرم میں شامل کر دیا ہے مسعی کا رقبہ سولہ ہزار میٹر ہے اس طرح فی الوقت مسجد حرام میں بیک وقت نو لاکھ نمازیوں کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے مسجد حرام کے صرف بالائی چھت پر ایک لاکھ اڑسٹھ ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔

---

[1] سورۃ ال عمران الایہ ۹۶

مسجد الحرام کے کل سات بڑے مینار ہیں مسجد الحرام کے کل ۹۵ دروازے ہیں جن میں چار بڑے دروازے ہیں یعنی باب الفتح باب العمرہ باب ملک فہد اور باب ملک عبد العزیز۔

مسجد الحرام میں اندر کی جانب ایک گول میدان ہے جس کو مطاف کہتے ہیں اس کا رقبہ پندرہ ہزار مربع میٹر ہے مطاف اور آل سعود کی عمارت کے درمیان ترکوں کے زمانہ کی مسجد الحرام ہے جو خوبصورتی اور مضبوطی اور کشش وقبولیت کا ایک شاہکار ہے جس کی تعمیر میں تعبیر بھی ہے اور تاریخ بھی ہے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک عمدہ تعمیر بھی ہے اور اس میں اسلاف واسلام کی تاریخی تعبیر بھی ہے۔ گول دائرہ کے وسیع مطاف کے بالکل بیچ میں پُرشوکت وپُرعظمت مربع شکل میں ایک عمارت ہے جو کافی بلند ہے جس میں ایک دروازہ ہے اور چاروں طرف دیواروں کے اوپر چھت بھی ہے دیواروں پر اوپر سے لیکر نیچے نہایت عمدہ ریشم کا سیاہ غلاف چڑھا ہوا ہے جس پر قرآن کی آیات اور حدیث کی عبارات سونے اور ریشم کے تاروں سے لکھ کر لٹکی ہوئی ہیں دلہن کی طرح یہی عظیم الشان عمارت اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جسے کعبہ بھی کہتے ہیں اور جسے بیت اللہ بھی کہتے ہیں جو تخلیق کائنات میں بطور عبادت سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اقبال نے کہا [1]

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا ہم اس کے پاسبان ہیں وہ پاسبان ہمارا [2]

صاحب تاریخ القدیم محمد طاہر الکردی نے جب کعبۂ مشرفہ کی تمام دیواروں کے پتھر شمار کئے تو ان کی مجموعی تعداد ایک ہزار چھ سو چودہ نکلی، جن میں سے ۴۱۹ پتھر باب کعبہ کی مشرقی دیوار میں لگے ہوئے ہیں اس دیوار میں بیت اللہ کا دروازہ ہے۔ کعبہ کی مغربی عقبی دیوار میں ۴۴۹ پتھر لگے ہوئے ہیں یہ دونوں دیوار ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور دیگر دیواروں سے لمبی ہیں۔ کعبہ کی شمالی میزابی دیوار میں ۳۱۸ پتھر لگے ہیں یہ حطیم والی دیوار ہے جس کے اوپر میزاب رحمت ہے کعبہ کی جنوبی دیوار میں ۴۲۸ پتھر لگے ہوئے ہیں یہ دیوار رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان ہے اس کا مقابل حطیم والی دیوار ہے۔

کعبہ کے اکثر پتھروں کی موٹائی ۹۰ سینٹی میٹر کے قریب ہے کچھ اس سے چھوٹے بھی ہیں اور بیشتر پتھر وہی ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیواروں میں لگائے تھے اتنی مدت تک ان پتھروں کا باقی رہنا بڑی کرامت ہے۔

حدود کعبہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی جو تعمیر فرمائی تھی اس کی اونچائی ۹ گز تھی صرف دیواریں تھیں اوپر چھت نہیں تھی زمین سے ملے ہوئے دو دروازے تھے ایک رکن یمانی کی طرف مغربی دیوار میں تھا اور دوسرا وہیں پر تھا جو آج کل ہے بعد میں قریش نے صرف ایک دروازہ چھوڑ دیا مگر زمین کی سطح سے کافی اونچا بنا دیا اور دوسرا دروازہ بند کر دیا۔

[1] کلیاتِ اقبال [2] ترانہ ملی: ۱۵۹

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت بیت اللہ کی چوڑائی چار اطراف سے اس طرح تھی حجر اسود سے لیکر رکن عراقی تک ۳۲ گز کا فاصلہ تھا اسی حصہ میں آج کل دروازہ ہے اس پیمائش میں گز سے مراد شرعی گز ہے جو ایک ہاتھ یعنی انگلیوں سے کہنی تک ہوتا ہے۔ رکن عراقی سے لیکر مغربی کونے رکن شامی تک ۲۲ گز فاصلہ تھا اسی حصہ میں آج کل حطیم اور میزاب رحمت ہے۔ یہ پورا مغربی حصہ ہے اس کے سامنے باب عمرہ واقع ہے رکن یمانی سے حجر اسود تک ۲۰ گز کا فاصلہ تھا اس حصہ کے سامنے نیا اذان خانہ ہے جہاں امام کھڑے ہو کر ظہر کی نماز کی امامت کراتا ہے یہ جانب جنوب ہے ان فاصلوں سے معلوم ہو گیا کہ بیت اللہ کی مشرقی اور مغربی دیواروں کے فاصلے سب سے زیادہ تھے اور ان کے آپس میں صرف ایک گز کا فرق تھا یعنی مشرقی دیوار ۳۲ اور مغربی دیوار ۳۱ گز تھی اسی طرح جنوبی اور شمالی دیواروں کے فاصلے ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور ان کے فاصلے کم تھے جانب شمال ۲۲ اور جانب جنوب ۲۰ گز پر مشتمل تھی آج کل کے بیت اللہ میں چونکہ حطیم باہر ہے اس لئے دیواروں کی پیمائش میں فرق ہوگا حطیم کو حِجرِ اسماعیل بھی کہتے ہیں۔

بیت اللہ کی تعمیر کے مختلف مراحل

سب سے پہلے فرشتوں نے بیت اللہ کی بنیاد کو کھود کر بڑے بڑے پتھروں سے بھر دیا جب بنیادیں ہموار ہوگئیں تو اوپر آسمانوں سے بیت المعمور کو اتار کر ان بنیادوں پر رکھ دیا گیا قرین قیاس یہی ہے کہ اس تعمیر میں حضرت آدم علیہ السلام موجود تھے۔ اس کے بعد حضرت شیث علیہ السلام نے بیت اللہ کی دیکھ بھال کی لیکن جب طوفان نوح آیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے بیت المعمور کو واپس آسمانوں پر اٹھا لیا اور بیت اللہ کی بنیادیں مٹی تلے غائب ہو گئیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی تعمیر پر مامور فرمایا آپ نے مٹی کھود کر ان بنیادوں کو ظاہر کیا اور پھر اس پر کعبہ تعمیر کیا جس کی حدود اربعہ کی تفصیل گذر چکی ہے اس کے بعد عمالقہ پھر بنو جرہم پھر بنو خزاعہ اور پھر قصی بن کلاب نے بیت اللہ کے انہدام کے بعد اپنے اپنے وقت میں تعمیر کیا ہے۔

حضرت ابراہیم کی تعمیر بیت اللہ کے ۲۶۴۵ سال بعد بعثت نبوی سے پانچ سال قبل قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی اس تعمیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حصہ لیا آپ کی عمر اس وقت ۳۵ سال تھی۔ قریش نے اس تعمیر میں کچھ ردوبدل بھی کیا کہ حطیم کا حصہ باہر کر دیا دروازہ ایک کر دیا اور زمین سے اونچا کر دیا۔ دیواروں کی بلندی بڑھا کر ۱۹ گز کر دی اوپر لکڑی کی چھت ڈال دی اور لکڑی کے چھ ستون کھڑے کئے حطیم کی طرف ایک پرنالہ نصب کیا تا کہ چھت کا پانی محفوظ مقام حطیم میں گر کر زیادہ نہ پھیلنے پائے حطیم کے گرد ایک چھوٹی سی دیوار کھینچ لی باب کعبہ کو چار گز ایک بالشت بلندی پر لگایا اور اندر کی زمین اوپر دروازہ تک مٹی سے بھر دی تا کہ دروازہ کے چوکھٹ کے ساتھ برابر ہو جائے۔

اس کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کے طرز تعمیر پر بیت اللہ کے بنانے کی خواہش ظاہر فرمائی

مگر یہ تمنا آپ کی حیات میں پوری نہ ہوسکی۔ پھر ۶۴ھ میں عبداللہ بن زبیر نے بیت اللہ کو شہید کر کے آنحضرت ﷺ کی تمنا کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کے طرز پر تعمیر کیا جب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کیا تو اس کے بعد اس نے بیت اللہ کو شہید کیا اور پھر اسی طرز پر تعمیر کیا جس طرز پر جاہلیت میں قریش نے تعمیر کیا تھا اور کہا کہ میں اپنے دشمن کی یادگار باقی نہیں رہنے دوں گا پھر ہارون الرشید کا دور خلافت جب آیا تو آپ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت مانگی کہ بیت اللہ کو اس طرز پر تعمیر وں جس کی تمنا حضور اکرم ﷺ نے کی تھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عالم کو فتویٰ دیا کہ اب بیت اللہ کو اس طرز سے ادلنا بدلنا حرام ہے کیونکہ اس طرح بیت اللہ بادشاہوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جائے گا اس کے بعد بیت اللہ میں ترکی کے خلیفہ سلطان مراد خان نے کچھ مرمت کی اور آج تک کچھ نہ کچھ مرمت ضرورت کے مطابق ہوتی رہتی ہے لیکن بیت اللہ کی بنیادوں میں کوئی ردو بدل نہیں ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت سے پہلے ایک سیاہ فام غلام بیت اللہ کو گرائے گا اور اس کا خزانہ لوٹ کر لیجائے گا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے۔ کہ قیامت سے کچھ قبل جب بیت اللہ کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ آسمانوں کی طرف اٹھائے گا تو بیت اللہ کا گذر روضۂ رسول پر ہوگا بیت اللہ روضۂ رسول پر اس طرح سلام کرے گا السلام علیک یا رسول اللہ حضور اکرم ﷺ جواب دیں گے وعلیک السلام یا بیت اللہ تم مجھے بتادو کہ میری امت نے تیرے ساتھ کیا کیا اور تم نے میری امت کے ساتھ کیا معاملہ کیا بیت اللہ جواب دیگا کہ جو امتی مجھ تک پہنچا ہے میں اس کی شفاعت کی ذمہ داری لیتا ہوں اور جو مجھ تک نہیں پہنچ سکا اس کی شفاعت آپ پر چھوڑتا ہوں اس کے بعد قیامت قائم ہوجائے گی۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَاهِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِأَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقْطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِلَّا الْإِذْخِرَ فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ فَقَالَ إِلَّا الْإِذْخِرَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يَلْتَقِطُ سَاقِطَتَهَا إِلَّا مُنْشِدٌ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ "اب (مکہ سے مدینہ کو)

[1] اخرجه البخاري: ۱۸۰/۲، ومسلم: ۵۶۸/۱

ہجرت (فرض) نہیں ہے البتہ جہاد اور عمل میں نیت کا اخلاص (ضروری) ہے لہٰذا جب تمہیں جہاد کے لئے بلایا جائے (یعنی تمہارا امیر تمہیں جہاد کا حکم دے) تو جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو" ۔ نیز آپ ﷺ نے فتح مکہ ہی کے دن یہ بھی فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے اس شہر (یعنی تمام زمین حرم) کو حرام کیا ہے (بایں طور کہ تمام لوگوں پر اس مقدس خطۂ زمین کی ہتک و بے حرمتی حرام ہے اور اس کی تعظیم واجب ہے) اسی دن سے جبکہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا (یعنی اس خطۂ زمین کی حرمت شروع ہی سے ہے) لہٰذا یہ خطۂ زمین اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی حرمت کے سبب قیامت تک کے لئے حرام کیا گیا ہے بلاشبہ اس خطۂ زمین میں نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے قتل وقتال حلال کیا گیا تھا اور نہ میرے لئے حلال ہوا ہے علاوہ (فتح مکہ کے) دن کی ایک ساعت کے، پس (اس دن کے بعد) یہ خطۂ زمین اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی حرمت کے سبب قیامت (کے دن پہلا صور پھونکے جانے) تک (ہر شخص کے لئے) حرام کر دیا گیا ہے لہٰذا نہ تو (اس زمین کا) کوئی خاردار درخت ہی کاٹا جائے (اگرچہ وہ ایذا دے) نہ اس کا شکار بھگایا جائے (یعنی کوئی شخص شکار کی غرض سے یا محض بھڑکانے ستانے کے لئے یہاں کے کسی جانور کے ساتھ تعارض نہ کرے) اور نہ یہاں کا لقطہ اٹھایا جائے ہاں وہ شخص (اس کو اٹھا سکتا ہے) جو اس کا اعلان کرے اور نہ اس زمین کی گھاس کاٹی جائے۔" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مگر اذخر (ایک قسم کی گھاس) تو ایسی چیز ہے جو لوہاروں اور سناروں (کے لئے لوہا اور سونا گلانے) کے کام میں آتی ہے اور گھروں (کی چھتیں بنانے) میں اس کی ضرورت پڑتی ہے (اس کو کاٹنے کی اجازت دے دیجئے) آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں! اذخر کاٹی جا سکتی ہے۔" (بخاری و مسلم) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "نہ یہاں درخت کاٹا جائے اور نہ یہاں کی گری پڑی کوئی چیز اٹھائی جائے البتہ اس (کے مالک) کو تلاش کرنے والا اٹھا سکتا ہے۔"

توضیح: "**لاهجرة فتح**" یعنی مکہ سے مدینہ کی طرف جو خاص ہجرت ہر مسلمان پر فرض تھی اب وہ ہجرت فرض نہ رہی کیونکہ خود مکہ دار اسلام بن گیا لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جہاد ہی ختم ہو گیا فرمایا جہاد اور اچھے اعمال اور جہاد کی نیت اب بھی باقی ہے کہ جب بھی ضرورت پڑیگی ہجرت کر کے جہاد کیا جائے گا باقی دنیا کی ہجرتیں اس وقت تک باقی ہیں جب تک جہاد جاری رہے گا۔ [1]

"**واذا استنفرتم**" جب جہاد پر نکلنے کا تم سے مطالبہ ہو جائے تو فوراً نکلو۔ [2]

"**لایعضد**" باب ضرب سے کاٹنے کے معنی میں ہے [3] "**شوكة**" کانٹے کے معنی میں ہے یعنی خودرو کانٹا بھی کاٹ لینا منع ہے [4]

"**ولاینفر**" یعنی حرم کے شکار کو پریشان نہیں کیا جائے گا [5] "**ولایختلی**" ای لایقطع "**خلاها**" خودرو گھاس اور نباتات مراد ہیں حرم میں اس کا کاٹنا جائز نہیں ہے۔ [6]

"**الاالاذخر**" اذخر ایک قسم کی گھاس ہے یہ لوہاروں کی بھٹیوں میں کوئلہ میں آگ بھڑکانے کے کام بھی آتی ہے اور گھروں

[1] المرقات: ۵/۵۹۵ [2] المرقات: ۵/۵۹۵ [3] المرقات: ۵/۵۹۶ [4] المرقات: ۵/۵۹۵ [5] المرقات: ۵/۵۹۶ [6] المرقات: ۵/۵۹۷

میں بھی اسی کام میں استعمال ہوتی ہے اور قبروں میں اگرنمی ہوتو مردہ کے نیچے بچھانے کے کام بھی آتی ہے انہیں مقاصد کے لئے استثناء کی درخواست حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کی اور حضور اکرم ﷺ نے استثناء فرما دیا۔[1]

بلا ضرورت مکہ میں ہتھیار اٹھانا منع ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تم میں سے کسی کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے۔" (مسلم)

ابن خطل کو دیوار کعبہ کے پاس قتل کیا گیا

﴿۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَ رَجُلٌ وَقَالَ إِنَّ ابْنَ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ اقْتُلْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فتح مکہ کے دن مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر خود تھا، جب آپ ﷺ نے اس خود کو اتارا تو ایک شخص (یعنی فضل ابن عبید رضی اللہ عنہ) نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ "ابن خطل کعبہ کے پردہ کو پکڑے ہوئے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس کو مار ڈالو۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "ابن خطل" علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابن خطل پہلے مسلمان تھا پھر مرتد ہو گیا اور ایک مسلمان کو شہید کیا پھر اسلام کی بدگوئی میں لگا رہتا تھا حضور اکرم ﷺ جب مکہ میں فاتحانہ انداز سے داخل ہوئے تو آپ نے چند مردوں اور چند عورتوں کو واجب القتل قرار دیا انہیں میں ایک ابن خطل تھا یہ کعبہ کے غلاف سے چمٹ کر چھپ گیا تھا کسی نے دیکھ لیا تو حضور اکرم ﷺ کو اطلاع دیدی آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ اس کو قتل کر دو چنانچہ ابن خطل دیوار کعبہ کے ساتھ لگا ہوا تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا معلوم ہوا کہ کافر کا قتل جنگ کے دوران ثواب کا کام ہے گناہ نہیں جس طرح تبلیغی حضرات گناہ سمجھتے ہیں۔ ابن خطل کا قتل کوئی قصاص کے ضابطہ کے تحت نہیں تھا بلکہ اس کا خون ہدر قرار دیا گیا تھا لہٰذا اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ حرم کے اندر قصاص ہے یا نہیں۔[4]

حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن سیاہ عمامہ پہن رکھا تھا

﴿۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ

[1] المرقات: ۵/۵۹۷ [2] اخرجه مسلم: ۱/۵۶۹ [3] اخرجه البخاری: ۳/۸۶ ومسلم [4] المرقات: ۵/۵۹۹ الکاشف: ۵/۵۷۰

بِغَيْرِ إِحْرَامٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے (مکہ میں) داخل ہوئے اور اس وقت آپ ﷺ (کے سر مبارک) پر سیاہ عمامہ تھا۔" (مسلم)

سیاہ عمامہ فتح کی نشانی ہے حضور اکرم نے دیگر رنگوں والے عمائم کو بھی استعمال کیا ہے لیکن کسی ایک کو شعار بنا کر التزام مناسب نہیں ہے جس طرح پاکستان میں اہل بدعت نے سبز عمامہ شعار بنایا ہے۔

تخریب کعبہ سے متعلق پیشگوئی

﴿۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُو جَيْشٌ الْكَعْبَةَ فَإِذَا كَانُوا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْأَرْضِ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ قُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ وَكَيْفَ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ وَفِيهِمْ أَسْوَاقُهُمْ وَمَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ قَالَ يُخْسَفُ بِأَوَّلِهِمْ وَآخِرِهِمْ ثُمَّ يُبْعَثُونَ عَلَى نِيَّاتِهِمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک لشکر خانۂ کعبہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کرے گا (تاکہ وہ خانۂ کعبہ کو نقصان پہنچائے) چنانچہ جب وہ لشکر زمین کے ایک میدانی حصہ میں پہنچے گا تو وہ اوّل سے آخر تک (یعنی پورا لشکر) زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔" میں نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "یارسول اللہ! وہ لشکر اول سے آخر تک (یعنی سب کو) کس طرح دھنسا دیا جائے گا جبکہ ان میں کاروباری لوگ بھی ہوں گے اور ان میں وہ شخص بھی ہوگا جو ان میں سے نہیں ہے (یعنی لشکر میں ایسے لوگ بھی شامل ہوں گے جو نہ سب لشکر والوں کی طرح کافر ہوں گے اور نہ کعبہ کو نقصان پہنچانے میں ان کے ہمنوا شریک ہوں گے بلکہ ان کو زبردستی لشکر میں شامل کرلیا ہوگا تو کیا ایسے لوگ بھی زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے؟) آپ ﷺ نے فرمایا "(ہاں) اوّل سے آخر تک سب ہی دھنسائے جائیں گے البتہ انہیں ان کی نیتوں کے مطابق اٹھایا جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: اس حدیث کی تفصیل ان شاء اللہ کتاب الفتن میں آئے گی یہ شخص سفیانی ہے جو اپنے لشکروں کو حضرت مہدی سے لڑنے کے لئے بھیجے گا مگر لشکر زمین میں دھنس جائے گا دو آدمی بچ جائیں گے ایک تو جا کر سفیانی کو اطلاع کریگا اور دوسرا حضرت مہدی کو اطلاع کرے گا اس دھنسنے میں کچھ بے گناہ مسلمان بھی ہونگے وہ دھنس تو جائیں گے لیکن حشر میں سفیانی کے ساتھ نہیں ہونگے بلکہ اچھے عقیدہ کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا۔

[1] اخرجه مسلم: ۱/۵۷۰ [2] اخرجه البخاری: ۳/۸۶ ومسلم

ایک سیاہ فام شخص کعبہ کو ڈھائے گا

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبْشَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خانۂ کعبہ کو نقصان پہنچانے والا حبشیوں میں سے وہ شخص ہوگا جس کی پنڈلیاں چھوٹی اور پتلی ہوں گی۔'' (بخاری و مسلم)

''السویقتین'' یعنی چھوٹی پتلی اور ٹیڑھی پنڈلیوں والا سیاہ فام حقیر شخص اٹھے گا اور بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجائے گا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمان کتنے کمزور ہونگے آج کل پوری دنیا کے مسلمان اور ان کے حکمران جہاد چھوڑ کر اسی کمزوری کی طرف دوڑ رہے ہیں۔[2]

﴿۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَأَنِّي بِهِ أَسْوَدَ أَفْحَجَ يَقْلَعُهَا حَجَرًا حَجَرًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''گویا میں خانۂ کعبہ کی تخریب کرنے والے کو دیکھ رہا ہوں، وہ ایک سیاہ رنگ کا اور پھڈا شخص ہوگا جو خانۂ کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھاڑ ڈالے گا۔'' (بخاری)

''افحج'' جس شخص کے پاؤں کے پنجے ایک دوسرے کے قریب ہوں اور ایڑیاں دور ہوں ایسے شخص کو افحج کہتے ہیں یعنی پھڈا یہ اس شخص کے حقیر و ذلیل ہونے کی نشانی ہے۔[4]

''من الحبش'' یعنی کافروں میں سے ہوگا ''کانی بہ'' یعنی گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔[5]

''حجراً حجراً'' یعنی ایک ایک پتھر اکھیڑ کر سمندر میں پھینک دیگا جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔[6]

الفصل الثانی

حرم میں احتکار الحاد فی الحرم ہے

﴿۸﴾ عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ احْتِكَارُ الطَّعَامِ فِي الْحَرَمِ إِلْحَادٌ فِيهِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)[7]

---

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۸۲ ومسلم: ۲/۵۶۱ [2] المرقات: ۵/۶۰۰ [3] اخرجه البخاري: ۲/۱۸۳
[4] المرقات: ۵/۶۰۱ [5] المرقات: ۵/۶۰۰ [6] المرقات: ۵/۶۰۱ [7] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۱۹

ترجمہ: حضرت یعلی ابن امیہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حرم میں غلہ کا احتکار (یعنی گراں بیچنے کے لئے غلہ کی ذخیرہ اندوزی) کجروی ہے۔" (ابوداؤد)

حرم میں الحاد کی ممانعت قرآن میں مذکور ہے تو جو شخص حرم میں ذخیرہ اندوزی کی کوشش کریگا اور وہاں کے بسنے والوں اور مسافروں کو پریشان کریگا تو یہ الحاد فی الحرم ہے جو ممنوع ہے اور بڑا گناہ ہے۔

مکہ سے ہجرت کے وقت حضور پر رقت کی کیفیت

﴿۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَكَّةَ مَاأَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَأَحَبَّكِ إِلَيَّ وَلَوْلَاأَنَّ قَوْمِي أَخْرَجُوْنِي مِنْكِ مَاسَكَنْتُ غَيْرَكِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ إِسْنَادًا)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (فتح مکہ کے بعد وہاں سے واپس ہوتے وقت) مکہ کی نسبت فرمایا کہ تو کتنا ہی اچھا شہر ہے؟ اور تو مجھے بہت ہی پیارا ہے! اگر میری قوم (قریش) کے لوگ مجھے یہاں سے نہ نکال چکے ہوتے تو میں اس شہر کے علاوہ کہیں نہ رہتا۔" (امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث اسناد کے اعتبار سے حسن صحیح، غریب ہے۔

توضیح: حضور اکرم ﷺ نے بیت اللہ سے رخصت کے وقت "حزورۃ" مقام پر کھڑے ہو کر مذکورہ جملے ارشاد فرمائیں ہیں جس سے حضور اکرم ﷺ کی بیت اللہ سے والہانہ محبت کا اندازہ ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ آپ کی بے بسی کا اندازہ بھی ہوجاتا ہے اور کفار کے مظالم کا پتہ بھی چلتا ہے اور حرم شریف اور بیت اللہ کی فضیلت وعظمت کا بھی خوب اندازہ ہوتا ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو شخص سخت مجبور نہ ہو وہ بیت اللہ کی مجاورت اور پڑوس کو ترک نہ کرے ہاں اگر کوئی شخص اس مقدس زمین کا احترام نہیں کرسکتا اور اس کے حق میں کوتاہی کا خطرہ ہے تو پھر بیت اللہ کے پاس مقام اختیار کرنا مکروہ ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے امام مالک مدینہ کو افضل فرماتے ہیں۔[2]

حرمین شریفین میں سے کونسا افضل ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ حَمْرَاءَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفًا عَلَى الْحَزْوَرَةِ فَقَالَ وَاللّٰهِ إِنَّكَ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ وَلَوْلَاأَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكَ مَاخَرَجْتُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[3]

---

[1] اخرجہ الترمذی: ۵/۷۲۳ [2] المرقات: ۵/۶۰۲ [3] اخرجہ الترمذی: ۵/۷۲۲ وابن ماجہ: ۲/۱۰۳۷

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عدی ابن حمراء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول کریم ﷺ حزورہ پر کھڑے ہوئے (مکہ کی نسبت) فرمارہے تھے کہ "خدا کی قسم! تو خدا کی زمین کا سب سے محبوب حصہ ہے۔ سے اگر مجھے تجھ نہ نکالا جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "خیر ارض اللہ" اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس کائنات میں سب سے افضل دو شہر ہیں ایک مکہ ہے اور دوسرا مدینہ ہے البتہ اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ ان میں افضل کونسا حرم ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حرم مکہ افضل ہے اور امام مالک کے نزدیک حرم مدینہ افضل ہے بعض علماء نے اس میں یہ تاویل کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ حیاۃ تھے اور مدینہ میں موجود تھے اس وقت مدینہ افضل تھا اب مکہ افضل ہے زیر بحث حدیث جمہور کی دلیل ہے۔
مالکیہ کو اس میں تاویل کرنی پڑیگی کیونکہ وہ مطلقاً مدینہ کو مکہ سے افضل مانتے ہیں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مدینہ میں جو حضور اکرم ﷺ کا روضہ ہے وہ حصہ مکہ سے کیا بلکہ عرش سے افضل ہے اس پر اجماع ہے۔ (مرقاۃ ج ۵ ص ۶۰۲)[1]

الفصل الثالث

حرم شریف میں قصاص کا مسئلہ

﴿۱۱﴾ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الْأَمِيرُ أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ حَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللَّهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا وَلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فَقُولُوا لَهُ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِيلَ لِأَبِي شُرَيْحٍ مَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو قَالَ قَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِذَلِكَ مِنْكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ إِنَّ الْحَرَمَ لَا يُعِيذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي الْبُخَارِيِّ الْخَرْبَةُ الْجِنَايَةُ)[2]

ترجمہ: حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے اس وقت جبکہ وہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر) مکہ کی طرف لشکر بھیج رہے تھے، یہ کہا کہ میرے سردار! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے سامنے وہ بات بیان کروں جس کو رسول کریم ﷺ نے فتح مکہ کے اگلے دن ایک خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا تھا، اس بات کو میرے

[1] المرقات: ۵/۶۰۲ [2] اخرجہ البخاری: ۱/۳۷ ومسلم: ۱/۵۶۸

کانوں نے سنا، میرے دل نے یاد رکھا اور میری آنکھوں نے آنحضرت کو وہ بات فرماتے دیکھا ہے! چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر فرمایا کہ ''مکہ کو اللہ تعالیٰ نے عظمت بخشی ہے، اس کو لوگوں نے بزرگی نہیں دی ہے، لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اس شہر میں خونریزی کرے (یعنی کوئی مسلمان اس شہر میں کسی کو قتل نہ کرے اگرچہ وہ لائق قتل ہی کیوں نہ ہو اور جو شخص لائق قتل نہ ہو اس کو قتل کرنا ہر جگہ حرام ہے خواہ حرم مکہ کے اندر ہو خواہ اس کے باہر) اور نہ یہ حلال ہے کہ اس کی زمین کا درخت کاٹے، اور اگر کوئی شخص اس شہر میں قتل وقتال کے لئے رسول کریم ﷺ کے عمل سے (جیسا کہ حدیث نمبر ۳ میں ابن خطل کے قتل کا واقعہ گذرا) جواز پیدا کرے تو اس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دے دی تھی اور تم کو اجازت نہیں ہے، چنانچہ مجھے بھی ایک دن کی صرف ایک ساعت کے لئے اس شہر میں قتل کرنے کی اجازت دی گئی تھی اور اب آج کے دن (جبکہ یہ خطبہ دیا جارہا ہے) اس شہر کی عظمت وحرمت بحالہ ہے جو کل گذشتہ تھی۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کو چاہئے کہ میری اس بات کو ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔'' ابوشریح رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ عمرو ابن سعید نے (یہ حدیث سن کر) آپ سے کیا کہا؟ انہوں نے فرمایا کہ عمرو بن سعید نے مجھ سے کہا کہ ''ابوشریح! میں (اس حدیث کو) تم سے زیادہ جانتا ہوں لیکن سرزمین حرم نافرمان کو پناہ نہیں دیتی اور نہ اس شخص کو پناہ دیتی ہے جو خون کرکے بھاگا ہو یا کوئی تقصیر کرکے فرار ہوا ہو۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: **''عمرو بن سعید''** ملا علی قاری شیخ عبدالحق مظاہر حق اور دیگر شارحین نے عمرو بن سعید کو عبدالملک بن مروان کی طرف سے مدینہ کا گورنر بتایا ہے لیکن بعض شارحین نے لکھا ہے کہ عمرو بن سعید یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ کا گورنر تھا حضرت اقدس محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف البنوری نے بھی ہمیں بخاری شریف کے درس میں بتایا تھا کہ عمرو بن سعید یزید کا گورنر تھا اور یہ بات سمجھنے کے لحاظ سے زیادہ قابل فہم ہے کیونکہ مدینہ سے پہلی دفعہ مکہ پر چڑھائی کے لئے یزید کی افواج آئی تھی یزید کے مرنے کے بعد مروان بن الحکم کی حکومت آئی ہے اور اس کے بعد عبدالملک بن مروان کی حکومت آئی اس وقت حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر کے خلاف فوجیں روانہ کیں اور ان کو شہید کیا اس کی تفصیلات کتاب الفتن میں ان شاء اللہ آجائیں گے مجھے تعجب ہے کہ ملا علی قاری شیخ عبدالحق اور اس کے بعد تمام شارحین اس بڑی غلطی کا شکار کیسے ہوئے میں نے حضرت مفتی نظام الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر بخاری میں دیکھا تو وہاں صحیح لکھا تھا پھر فتح الباری میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل عبارت دیکھی تو دل خوش ہوا وہ فرماتے ہیں:

''ای یرسل الجیوش الی مکۃ لقتال ابن الزبیر لکونہ امتنع من مبایعۃ یزید بن معاویۃ واعتصم بالحرم وکان عمرو بن سعید والی یزید علی المدینۃ والقصۃ مشھورۃ'' (فتح الباری)

اب اس حدیث کا تھوڑا سا پس منظر بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسین نے خلافت سے دست برداری کا اعلان فرمایا تو حضرت معاویہ پوری امت کے خلیفہ بن گئے آپ نے بحسن وخوبی اسلام کی خدمت کی اور اسلامی سلطنت کو وسیع تر کردیا آپ نے وفات سے کچھ پہلے اپنے بیٹے یزید کو اس لئے ولیعہد بنایا کہ پہلے کی طرح مسلمانوں میں خلافت کے مسئلہ پر نزاع پیدا نہ ہو آپ نے یزید کو بلا کر مستقبل کے بارہ میں عجیب مدبرانہ مشورہ دیا فرمایا کہ تیری حکومت کے خلاف چار آدمی اٹھیں گے ایک محمد بن ابی بکر ہے لیکن شاید اس کی عمر وفا نہ کرے اس لئے خطرہ نہیں دوسرا عبداللہ بن عمر ہیں یہ صوفی اور عابد زاہد آدمی ہیں ان کا بھی خطرہ نہیں تیسرا حسین رضی اللہ عنہ ہیں یاد رکھو یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ ہے ان کا نہایت احترام کرو چوتھا عبداللہ بن زبیر ہیں یہ انتہائی چالاک آدمی ہیں ان سے بچ کر رہنا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وفات کے بعد یزید نے اہل مدینہ سے بزور شمشیر بیعت لینا شروع کردیا محمد بن ابی بکر کی زندگی نے واقعی وفا نہ کی وہ مر گئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی خاموشی اختیار کی لیکن حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر مکہ کی طرف بغرض پناہ چلے گئے حضرت حسین کو اہل کوفہ کے اٹھارہ ہزار آدمیوں کے خطوط موصول ہوئے جس میں کوفہ آنے کی دعوت تھی باوجودیکہ اہل مشورہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جانے سے روکا لیکن وہ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں کربلا میں جو کچھ ہوا وہ ہو گیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فارغ ہو کر یزید نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے مارنے کے لئے افواج بھیجنے کا حکم دیا مدینہ میں یزید کی طرف سے عمرو بن سعید گورنر تھا اس نے جب افواج روانہ کی تو حضرت ابوشریح صحابی نے ان کو پُرزور انداز سے پُرمغز تقریر کی اور سمجھانے کی کوشش کی لیکن ان کو اقتدار کا نشہ تھا اس نے غلط سلط باتیں کر کے صحابی کا مذاق اڑایا اور کہا میں تم سے زیادہ جانتا ہوں عبداللہ بن زبیر باغی ہے یزید خلیفہ ہے اس باغی کا مارنا حرم میں بھی جائز ہے کیونکہ حرم کسی قاتل یا ڈاکو کو پناہ نہیں دیتا ہے عمرو بن سعید کو اشدق یعنی منہ پھٹ کا لقب دیا گیا اسی طرح ان کو لطیم الشیطان بھی کہا گیا یعنی شیطان نے اس کو تھپڑ رسید کیا، یہ شخص نہ صحابی ہے اور نہ ان کو تابعی کا رتبہ ملا ہے حضرت ابوشریح انہیں کو نصیحت فرما رہے ہیں۔

"قام به" یہ قول کے معنی ہے **ای قولا قال به۔**[1]

"الغد" یعنی فتح مکہ کے روز فرمایا **"ترخص"** یعنی اگر کوئی شخص مکہ میں لڑنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائی کو بنیاد بنا کر یہی لڑائی کے لئے اجازت ورخصت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو ایسا کرنا جائز نہیں ہے **"انا اعلم"** کتنا اہل ہے جو صحابی کے مقابلہ میں اپنے آپ کو زیادہ عالم بتاتا ہے اور کام غلط کر رہا ہے یہی وطیرہ رہا ہے تمام اسلامی منافق حکمرانوں کا جو شراب پیتے ہوئے بھی اپنے آپ کو سب سے اعلیٰ اور بہتر کہتے ہیں۔[2]

"ولا فارا بدم" یعنی حرم اس شخص کو پناہ نہیں دیتا جو کسی کا خون کر کے اس کی طرف بھاگ آیا ہو۔[3]

"بخربة" یعنی جنایت وقصور اور فساد کر کے اس میں پناہ لینے والے کو بھی پناہ نہیں دیتا، عمرو بن سعید نے یہاں صریح جھوٹ

---

[1] المرقات: ۵/۶۰۶ [2] المرقات: ۵/۶۰۶ [3] المرقات: ۵/۶۰۷

بولا ہے کیونکہ عبداللہ بن زبیر شان والے صحابی ہیں نہ معصیت کرنے والے تھے اور نہ خون وفساد کرنے والے تھے بلکہ یہ کام خوداس فاسق لطیم الشیطان کے تھے۔[1]

"**لایعیذعاصیًا**" اس جملہ سے فقہاء کرام کے درمیان ایک اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

فقہاء کے اختلاف کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص حرم کے اندر قتل یا زخمی کرنے کی جنایت کرے تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ حرم میں اس شخص سے بدلہ لیا جائے گا اور اس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر کوئی شخص حرم سے باہر جنایت کر کے اندر حرم میں آکر پناہ پکڑلے تو اگر قتل انسان کے علاوہ جنایت ہو تو اتفاقاً قصاص لیا جائے گا اور اگر باہر قتل کر کے اندر آجائے اور حرم میں پناہ پکڑلے تو اس صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس پر سزا نافذ کی جائے گی یا نہیں۔[2]

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرم میں پناہ پکڑنے والے ایسے شخص کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص سے حرم میں قصاص نہیں لیا جاسکتا ہے۔

اور نہ اس کو حرم میں سزا دی جاسکتی ہے البتہ اس سے سوشل بائیکاٹ کیا جائے گا تاکہ وہ نکلنے پر خود مجبور ہو جائے اور نکل کر سزا کا سامنا کرے۔

دلائل شوافع اور مالکیہ نے زیر بحث ابوشریح کی روایت میں عمرو بن سعید کے قول سے استدلال کیا ہے کہ حرم کسی نافرمان کو پناہ نہیں دیتا ہے۔

ان حضرات نے دوسرا استدلال ابن خطل کے واقعہ سے کیا ہے کہ ان کو بیت اللہ کے پردوں سے چپکا ہوا مارا گیا، یہ قصاص میں مارا گیا تھا کیونکہ یہ اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گیا تھا اور اس نے ایک مسلمان کو بھی قتل کیا تھا۔ اسی کے قصاص میں مارا گیا تھا۔

احناف وحنابلہ نے ابوشریح کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں "**فلایحل لامرئ یؤمن باللہ والیوم الاخر لیسفك فیھادما**" اس سے معلوم ہوا کہ حرم میں کسی طرح قتل کرنا جائز نہیں ہے "**ومن دخله کان اٰمنا**" سے بھی ان حضرات نے استدلال کیا ہے۔

جواب شوافع نے جو ایک فاسق فاجر شخص کے قول سے استدلال کیا ہے یہ صحیح نہیں ہے اس پر ہم افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ حدیث مرفوع کے مقابلہ میں اشدق لطیم الشیطان کے قول سے کیسے استدلال کیا گیا ہے۔

شوافع کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ ابن خطل ارتداد کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا قتل کی وجہ سے قصاص نہیں لیا گیا۔

[1] المرقات: ۵/۶۰۷ [2] المرقات: ۵/۶۰۷

حرم کی بے حرمتی سے یہ امت ہلاک ہوگی

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ الْمَخْزُومِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ بِخَيْرٍ مَا عَظَّمُوا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِيمِهَا فَإِذَا ضَيَّعُوْ ذٰلِكَ هَلَكُوْا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت عیاش ابن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''یہ امت اس وقت تک بھلائی کے ساتھ رہے گی جب تک کہ اس حرمت (یعنی مکہ اور حرم مکہ کی حرمت) کی تعظیم کرتی رہے گی جیسا کہ اس کی تعظیم کا حق ہے اور جب لوگ اس تعظیم کو ترک کردیں گے تو ہلاک کردیئے جائیں گے۔'' (ابن ماجہ)

توضیح: عرب کے لوگ اگرچہ بیت اللہ کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں لیکن اب ایسا محسوس ہورہا ہے کہ دنیا کی بساط لپٹی جارہی ہے اس لئے سب سے زیادہ خود عرب بیت اللہ کی توہین وتحقیر کرنے لگے ہیں بلکہ بعض غافل نوجوان کہتے ہیں کہ ہماری ترقی میں بیت اللہ رکاوٹ ہے۔ کیونکہ سال بھر اسی کے مہمانوں کو سنبھالتے رہتے ہیں اپنے کام کے لئے فارغ نہیں ان کا یہ کہنا غلط ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حالانکہ بیت اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے عرب کو ترقی ملی ہے اگر بیت اللہ کی بے اکرامی کریں گے تو تباہ ہوجائیں گے اوپر ابن ماجہ کی حدیث کا یہی مطلب ہے۔[2]

[1] اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۱۰۳۸ [2] المرقات: ۵/۶۰۷

باب حرم المدینة حرسها الله

حرم مدینہ کا بیان

قال الله تعالیٰ: ﴿لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد﴾ [1]

ائمہ احناف کے نزدیک مدینہ منورہ بھی حرم ہے ان کے خلاف یہ الزام و بہتان صحیح نہیں ہے کہ احناف مدینہ کو حرم نہیں مانتے ہیں احناف مدینہ منورہ کو حرم مانتے بھی ہیں اور کہتے بھی ہیں عظمت و احترام اور شرافت و مقام کے اعتبار سے مدینہ منورہ اسی طرح حرم ہے جس طرح مکہ مکرمہ حرم ہے لیکن احناف حرم مکہ اور حرم مدینہ میں شکار اور درخت کاٹنے یا شکار کھیلنے کی سزا میں فرق کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مکہ میں شکار کرنا اور درخت کاٹنا حرام بھی ہے اور جنایت بھی ہے لہٰذا جنایت کی صورت میں مکہ میں جرم بھرنا جزا کے طور پر ہوگا لیکن مدینہ میں شکار کی صورت میں اس طرح جزا لازم نہیں ہے جس طرح حرم مکہ میں ہے ائمہ ثلاثہ بھی اس کے قائل ہیں اور احناف کا بھی یہی موقف ہے اس باب میں مختلف قسم کی احادیث آئی ہیں اس میں اختلاف فقہاء آئندہ بیان ہوگا۔ [2]

الفصل الاول

حرم مدینہ کی حدود

﴿۱﴾ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ مَا كَتَبْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا الْقُرْآنَ وَمَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَدِيْنَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ اِلٰى ثَوْرٍ فَمَنْ أَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا أَوْ آوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ ذِمَّةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَاحِدَةٌ يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ وَمَنْ وَالٰى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا مَنِ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ أَبِيْهِ أَوْ تَوَلّٰى غَيْرَ مَوَالِيْهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ) [3]

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کی طرف سے علاوہ قرآن اور ان باتوں کے جو

[1] سورہ بلد الایہ ۲ [2] المرقات: ۵/۶۰۸ [3] اخرجه البخاری: ۲/۲۶ ومسلم: ۱/۵۷۲

اس صحیفہ میں ہیں، اور کچھ نہیں لکھا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (میں نے) اس صحیفہ میں رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی (بھی لکھا) ہے کہ "مدینہ عیر اور ثور کے درمیان، حرام ہے، لہٰذا جو شخص مدینہ میں بدعت پیدا کرے (یعنی ایسی بات کہے یا رائج کرے جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو) یا کسی بدعتی کو پناہ دے تو اس پر خدا کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، اس شخص کے نہ تو (کامل طور پر) فرض (اعمال) قبول کئے جاتے ہیں نہ نفل: مسلمانوں کا عہد ایک ہے جس کے لئے ان کا ادنیٰ شخص بھی کوشش کرسکتا ہے، لہٰذا جو شخص کسی مسلمان کے عہد کو توڑے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، نہ تو اس کے فرض قبول کئے جاتے ہیں اور نہ نفل! جو شخص اپنے ساتھیوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے موالات (دوستی) قائم کرے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب آدمیوں کی لعنت ہے، نہ تو اس کے فرض قبول کئے جاتے ہیں اور نہ نفل!" (بخاری ومسلم) بخاری اور مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "جو شخص اپنے باپ کی بجائے کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کا دعویٰ کرے (یعنی یوں کہے کہ میں زید کا بیٹا ہوں جبکہ حقیقت میں وہ بکر کا بیٹا ہو) یا اپنے مالک کی بجائے کسی دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے (مثلاً یوں کہے کہ میں زید کا غلام یا خدمت گار ہوں جبکہ حقیقت میں وہ بکر کا غلام یا خدمت گار ہو) تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے نہ تو اس کے فرض قبول کئے جاتے ہیں اور نہ نفل۔"

توضیح: "**هذه الصحيفة**" کئی بار یہ بات لکھی گئی ہے کہ شیعہ روافض کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وفات سے کچھ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت وغیرہ کی وصیت فرمائی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہ نظریہ پیدا ہو گیا تھا اسی لئے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھتے رہتے تھے کہ کیا حضور نے آپ کو کسی چیز کی وصیت فرمائی ہے حضرت علی ہمیشہ اس کی تردید کرتے رہے ہیں لیکن شیعہ روافض انکی بات بھی نہیں مانتے ہیں [1] "**المدينة حرام**" یعنی مدینہ قابل احترام اور قابل عزت ہے اس کی توہین حرام ہے شوافع کے ہاں حرام بمعنی حرم شریف ہے۔

"**مابين عير الى ثور**" یعنی حرم مدینہ کی حدود عیر پہاڑ سے لیکر ثور پہاڑ تک ہے۔ [2]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عیر اور ثور مدینہ کے کنارہ پر دو پہاڑ ہیں عیر تو مدینہ میں مشہور ہے لیکن ثور پہاڑ مدینہ میں مشہور نہیں بلکہ مکہ میں مشہور ہے جہاں غار ثور ہے۔ [3]

علامہ علی بن احمد سمھودی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ میں کئی اقوال معتبر علماء سے نقل کئے ہیں جنہوں نے مدینہ میں ثور پہاڑ کا انکار کیا ہے اور زیر بحث حدیث میں بے جا تاویلات کی ہیں پھر علامہ سمھودی نے ان اکابر علماء کے اقوال بھی نقل کئے ہیں جنہوں نے مدینہ میں ثور پہاڑ کو ثابت کیا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا **بلغني ان بالمدينة جبلاً يقال له ثور، قال المجد وثور جبل عند احد، قال عبد السلام البصري ان حذاء احد عن يساره جانحاً الى ورائه جبل صغير يقال له ثور، قال ابن تيميه** رحمۃ اللہ علیہ **عير جبل عند الميقات يشبه العير وهو الحمار وثور، جبل في ناحية احد وهو غير جبل ثور الذي بمكة۔**

(وفاء الوفاء ج۱ ص۹۴) [4]

---

[1] المرقات: ۵/۶۰۸ [2] المرقات: ۵/۶۰۸ [3] المرقات: ۵/۶۰۸ [4] وفا الوفا ۱/۹۴

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب قاموس کے حوالہ سے لکھا ہے اور علامہ ابن حجر نے محققین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عیر اور ثور دونوں پہاڑ مدینہ میں ہیں احد کے پاس ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جس کا نام ثور ہے اگرچہ مشہور نہیں ہے اس تحقیق کے بعد یہ اعتراض ختم ہوجاتا ہے کہ مدینہ میں ثور پہاڑ نہیں ہے۔ [1]

"**حدثا**" بدعت اور کسی قسم کے حادثہ اور فساد کو کہتے ہیں "**اوی**" ٹھکانہ دینے کو کہتے ہیں۔ [2]

"**صرف**" فرض مراد ہے "**عدل**" نفل مراد ہے۔ [3]

"**ذمة المسلمين**" یعنی تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ایک ہے جس نے کسی کو امن دیا یا کوئی معاہدہ کیا تو تمام مسلمانوں پر اس کا احترام لازم ہے "**يسعى بها**" یعنی مسلمان بمنزلہ جزو واحد ہیں کسی ادنی یا اعلیٰ نے یا قلیل یا کثیر نے معاہدہ کیا تو ادنی و اعلیٰ ہر طبقہ کا فرد ان کو کامیاب بنائے گا اور اس کا احترام کریگا۔ [4]

"**فمن اخفر**" یعنی کسی مسلمان کا معاہدہ توڑ دیا اور اس کی خلاف ورزی کی۔

"**ومن والى قوماً**" ولاء سے ولاء مولات بھی مراد ہوسکتی ہے اور ولاء عتاقہ بھی مراد ہوسکتی ہے۔ [5]

"**ولاء**" کی دو قسمیں ہیں اول قسم مولات ہے یعنی کسی نے کسی شخص کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کیا دور جاہلیت میں اس طرح معاہدہ کرنے سے آدمی گھر کا فرد بن جاتا تھا اور ایک دوسرے کے وارث ہوجاتے تھے۔

دوسری قسم ولاء عتاقہ ہے وہ یہ کہ کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کردے جب وہ مرجائے تو اس کی میراث ان کے آزاد کرنے والے کی ہوتی ہے بشرطیکہ غلام کا کوئی وارث نہ ہو اب معتِق اور معتَق ایک دوسرے کے دوست ہوگئے۔

اب حدیث کو سمجھئے کہ جس شخص نے اپنے معاہدین کے علاوہ کسی اور کی طرف معاہدہ منسوب کیا تو اس نے اپنے دوستوں کو تکلیف پہنچائی اس لئے یہ گناہ ہے منع ہے اگر ولاء عتاقہ مراد ہو تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جس غلام نے اپنی آزادی کی نسبت اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کی تو چونکہ بعد میں اس کی میراث کا مسئلہ پیدا ہوگا اس لئے یہ گناہ کا کام ہے ناجائز ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی دوسرا مطلب بیان کیا ہے کہ یہ نسبت اسی طرح حرام ہے جس طرح اپنے باپ کے بجائے کسی غیر کی طرف نسب ناجائز ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ اپنے آقا کی اجازت کا مطلب کیا ہے کیا اس کی طرف سے اگر اجازت ہو تو یہ نسبت جائز ہوجائے گی؟ تو علماء نے لکھا ہے کہ اس کی اجازت دینے سے بھی جائز نہیں ہے۔ [6]

"**اذن موالى**" کی قید اکثری و اغلبی ہے کوئی احترازی نہیں ہے۔ اس حدیث میں شیعہ شنیعہ پر واضح رد ہے جو کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت وفات حضرت علی کے لئے خلافت کا پروانہ لکھوادیا تھا اور ان کو خلافت کے علاوہ دیگر وصیتیں بھی کی تھیں جو اہل بیت کے ساتھ خاص تھیں شیعہ کے اذان میں دین کی یہ تحریف علی الاعلان موجود ہے۔ [7]

---

[1] المرقات: ۵/۶۰۹ [2] المرقات: ۵/۶۰۸ [3] المرقات: ۵/۶۰۹ [4] المرقات: ۵/۶۰۹

[5] المرقات: ۵/۶۰۹ [6] المرقات: ۵/۶۰۹ [7] المرقات: ۵/۶۰۹

مدینہ کی حدود اور اس میں شکار کا حکم

﴿۲﴾ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ أَنْ يُقْطَعَ عِضَاهُهَا أَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا وَقَالَ الْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ لَا يَدَعُهَا أَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا إِلَّا أَبْدَلَ اللّٰهُ فِيْهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ وَلَا يَثْبُتُ أَحَدٌ عَلٰى لَأْوَائِهَا وَجَهْدِهَا إِلَّا كُنْتُ لَهُ شَفِيْعًا أَوْ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں مدینہ کے دونوں پہاڑوں کے کناروں کے درمیان کو حرام (باعظمت) قرار دیتا ہوں، لہٰذا نہ تو اس زمین کے (جو ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ہے) خاردار درخت کاٹے جائیں اور نہ اس میں شکار مارا جائے (حنفیہ کے نزدیک یہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے) مدینہ ان (لوگوں) کے لئے (جو مدینہ میں رہتے ہیں) بہتر ہے (یعنی مدینہ کا قیام دنیا و عقبےٰ کی بھلائی کا ضامن ہے) بشرطیکہ وہ (اس کی بھلائی و بہتری کو) جانیں تو اس شہر کی اقامت کو ترک نہ کریں اور دنیا کے آرام و راحت کے لئے اس کو چھوڑ کر اور کہیں نہ جائیں) جو بھی شخص بے رغبتی کے ساتھ (یعنی بلا ضرورت) اس شہر کو چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے ایسے شخص کو مقیم کر دے گا جو اس سے بہتر ہوگا (یعنی بے رغبتی کے ساتھ مدینہ کو چھوڑنا مدینہ کے لئے نقصان دہ نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے مفید ہی ہوگا کہ اس شخص کی جگہ کوئی اس سے بہتر شخص آ کر مقیم ہوگا ہاں ضرورت و مجبوری کے تحت مدینہ کو چھوڑنا اس حکم میں داخل نہیں) اور جو بھی شخص مدینہ میں سختیوں اور بھوک پر ثابت قدم رہے گا (یعنی وہاں کی ہر تنگی و پریشانی پر صبر کرے گا) تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا یہ فرمایا کہ: میں اس (کی اطاعت) کا گواہ بنوں گا"۔ (مسلم)

توضیح: "انی احرم" اس سے پہلی حدیث میں لفظ حرام آیا ہے یہاں احرم کا لفظ ہے حدیث نمبر ۵ میں حرمت المدینہ کے الفاظ ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تحریم سے مدینہ کا حرم ہونا مراد ہے یا اس میں شکار کی ممانعت کی طرف اشارہ ہے اس دوسری صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔[۲]

فقہاء کا اختلاف:

مدینہ منورہ کے حرم ہونے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے البتہ مدینہ کے درخت کاٹنے اور شکار کرنے میں اختلاف ہے امام شافعی امام احمد اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرم مدینہ کا حکم مکہ کی طرح ہے جس طرح وہاں شکار وغیرہ درخت کاٹنا منع ہے اسی طرح مدینہ میں منع ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرم مدینہ مکہ کے حرم کی طرح نہیں ہے لہٰذا حرم مدینہ میں

[۱] اخرجه مسلم: ۱/۵۷۱ [۲] المرقات: ۶/۱۳

شکار کرنا اور درخت کاٹنا جائز ہے البتہ یہ مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے۔ [1]

دلائل:

ائمہ ثلاثہ نے زیر بحث نمبر ۲ سے استدلال کیا ہے اسی طرح حضرت ابو سعید خدری کی روایت نمبر ۵ سے بھی استدلال کیا ہے نیز حضرت عامر بن سعد کی روایت نمبر ۶ سے استدلال کیا ہے ان روایات میں شکار کی ممانعت مذکور ہے اور درخت کاٹنے کی ممانعت بھی ہے اسلحہ اٹھانے اور لڑنے کی ممانعت بھی موجود ہے یہ سب اس کے حرم ہونے کی دلیل ہے جزاء و سزا کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کا ایک قول اس طرح ہے کہ مکہ کی طرح جزا و سزا ہوگی۔ دوسرا قول اس طرح ہے کہ جنایت کرنے والے کا ساز و سامان اور کپڑے چھین لیا جائے گا ائمہ احناف اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوۃ شریف باب المزاح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بھائی ابو عمیر کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ اس نے پنجرہ میں ایک پرندہ پال رکھا تھا حضور اکرم نے منع نہیں کیا بلکہ پرندہ کے مرنے پر تعزیت کی اور فرمایا "**یا ابا عمیر ما فعل النغیر**؟"

احناف نے حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کو ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلمہ بن اکوع نے شکار کا گوشت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ اگر تو وادی عقیق میں شکار کے لئے جاتا تو جاتے وقت میں تجھے رخصت کرتا اور واپسی پر استقبال کرتا یاد رہے وادی عقیق حرم مدینہ میں ہے۔ [2]

احناف نے مشکوۃ شریف کی ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۵ سے بھی استدلال کیا ہے جہاں واضح طور پر مذکور ہے کہ چارہ کے لئے درختوں سے پتے کاٹنا جائز ہے حالانکہ مکہ میں اس طرح جائز نہیں ہے معلوم ہوا دونوں حرمین میں فرق ہے احناف نے طبرانی کی ایک حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "**احد جبل یحبنا و نحبه فاذا جئتموه فکلوا من شجره ولو من عضاه**" احد پہاڑ حرم مدینہ میں داخل ہے پھر اس کے درخت سے لازمی طور پر کچھ توڑ کر کھانا اس بات کی دلیل ہے کہ حرم مدینہ اور حرم مکہ میں فرق ہے۔ [3]

جواب جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حرم مدینہ میں شکار کرنے اور شکار کو پنجرہ میں بند کرنے کی اجازت ثابت ہے احد پہاڑ کے درختوں سے کچھ کاٹ کر کھانے کی ترغیب ثابت ہے جانوروں کے چارہ کے لئے درخت کے پتے توڑنے کی اجازت ثابت ہے تو ائمہ ثلاثہ کے مستدلات میں تاویل کرنی پڑیگی تاکہ تمام احادیث میں تطبیق آجائے۔ وہ تاویل اس طرح ہوگی کہ آنحضرت نے جو مدینہ کے درخت کاٹنے سے اور شکار کرنے سے منع فرمایا ہے یہ نہی تنزیہی اور خلاف اولیٰ پر محمول ہے اور اس میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی رونق اور سبزہ ختم نہ ہو جائے لہٰذا یہ ممانعت انتظامی مصلحت کی وجہ سے تھی حرم مدینہ کی حرمت کی وجہ سے نہیں تھی یہ حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ آنحضرت نے مدینہ کے خوبصورت ٹیلوں کے ختم کرنے سے منع فرمایا تھا جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جب کسی نے حرم مدینہ کے درخت کاٹنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے

---

[1] المرقات: ۵/۶۱۵ [2] المرقات: ۵/۶۱۳، ۵/۶۱۶ [3] المرقات: ۵/۶۱۷

فرمایا کہ یہ مدینہ کے ٹیلوں کے منہدم کرنے کے مانند ہے اور فرمایا "انها زينة المدينة" انتظامی مصلحت کے تحت آنحضرت نے حرمین کے علاوہ طائف کے پاس علاقہ وج کے شکار اور درخت کاٹنے کو بھی منع فرمایا تھا یہ بھی اسی طرح ہے علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں "وانی حرمت المدينة" کے جو الفاظ ہیں یہ حرمت تعظیم کے لئے ہیں مکہ کی طرح حرمت کے لئے نہیں ہے بہر حال جمہور نے محتمل روایت سے استدلال کیا ہے جو یقینی نہیں ہے الزامی جواب یہ ہے کہ مکہ کی طرح کفارہ تو جمہور کے ہاں بھی نہیں ہے پھر وجوب کیسا؟[1]

حرم مدینہ:

اس سے پہلے حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ حرم مدینہ کی حد بندی عیر پہاڑ سے لیکر ثور پہاڑ تک ہے زیر بحث حدیث میں "لابتی المدينة" کے الفاظ آئے ہیں اس کے بعد حدیث نمبر ۵ میں "مازميها" کے الفاظ آئے ہیں ان الفاظ میں اطراف اور جہات کا اندازہ بتایا گیا ہے خاص تحدید نہیں ہے کیونکہ لابتی سے وہ دو جانب مراد ہیں جہاں پہاڑ واقع ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لابۃ" سیاہ سنگریزوں کو کہتے ہیں۔ اور "مازميها" دو پہاڑوں کے درمیان تنگ مقام کو کہتے ہیں جس کو پہاڑوں نے گھیر رکھا ہو اس سے بھی مدینہ منورہ کے دو جانب مراد ہیں ان روایات میں حدود حرم کا اندازہ تو ہے مگر تحدید و تعیین نہیں ہے۔ اس کے بالمقابل وہ احادیث ہیں جن میں مدینہ کے چاروں اطراف کا تعین بريد سے کیا گیا ہے یہ بہترین تحدید و تعیین ہے کیونکہ برید میں چار فرسخ ہوتے ہیں اور ایک فرسخ میں تین میل ہوتے ہیں لہٰذا ایک برید بارہ میل کا فاصلہ ہے یعنی حرم مدینہ ہر چار جوانب سے ایک ایک برید کی مقدار تک ہے اسی طرح مسلم کی روایت ہے "وجعل اثنی عشر ميلا حول المدينة حمی" امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک حرم الشجر ہے دوسرا حرم الصید ہے۔ ایک برید کی مسافت میں درخت کاٹنا ناجائز ہے یہ حرم الشجر ہے اور ما بین اللابتین کی مسافت میں شکار کرنا منع ہے وہ حرم الصید ہے۔

بہر حال مدینہ منورہ مندرجہ ذیل مقامات کے بیچ میں ہے ان مقامات کے نام یہ ہیں **ذات الجيش، شريب، اشراف المخيض، اشراف المجتهر، الحفياء، ذو العشيرة، يثب، ثنية المحدث، مضرب القبة۔**

مدینہ کی مصیبت برداشت کرنا باعث ثواب ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَصْبِرُ عَلٰى لَأْوَاءِ الْمَدِيْنَةِ وَشِدَّتِهَا أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِيْ إِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں کا جو بھی شخص مدینہ میں سختی و بھوک پر اور وہاں کی کسی بھی تکلیف و مشقت پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا۔ (مسلم)

[1] المرقات: ۵/۶۱۵ [2] اخرجه مسلم: ۵/۱۲۲

"لاواء المدینة" یعنی مدینہ کی محنت مصیبت مثلاً کوئی شخص مدینہ کا بخار و نزلہ زکام اور شدت پیاس و بھوک کو برداشت کرتا ہے اور اس پر صبر کرتا ہے وہ شخص اتنا اجر پاتا ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔

مدینہ کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعاء برکت

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ إِذَا رَأَوْا أَوَّلَ الثَّمَرَةِ جَاؤُوا بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا أَخَذَهُ قَالَ أَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي ثَمَرِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا أَللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَأَنَا أَدْعُوكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهِ مَعَهُ ثُمَّ قَالَ يَدْعُو أَصْغَرَ وَلِيْدٍ لَهُ فَيُعْطِيْهِ ذٰلِكَ الثَّمَرَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں کا معمول تھا کہ جب وہ کوئی نیا پھل دیکھتے تو اس کو رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لاتے اور جب آپ ﷺ اس پھل کو لیتے تو فرماتے "اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما، ہمارے شہر میں برکت عطا فرما، ہمارے صاع میں برکت عطا فرما (صاع ایک پیمانہ کا نام تھا) ہمارے مُدّ میں برکت عطا فرما (مد بھی ایک پیمانہ کا نام تھا) اور اے اللہ! ابراہیم علیہ السلام تیرے بندہ تھے، تیرے خاص دوست تھے اور تیرے نبی تھے، اور میں بھی تیرا بندہ ہوں اور تیرا نبی ہوں، ابراہیم علیہ السلام نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا مانگی تھی اور میں بھی تجھ سے مدینہ کے لئے دعا مانگتا ہوں اسی طرح کی دعا جو ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے مانگی تھی بلکہ اس کی مانند اور بھی دعا (یعنی ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا مانگی تھی میں نہ صرف اسی طرح کی دعا بلکہ اس سے بھی دو چند دعا مانگتا ہوں) پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "اس کے بعد آنحضرت ﷺ اپنے خاندان کے سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے اور اس کو وہ پھل عنایت فرماتے (تاکہ وہ بچہ خوش ہو جائے)۔ (مسلم)

توضیح: "ومثله معه" یعنی جو کچھ مکہ میں ابراہیم خلیل اللہ کی دعا سے تو نے برکات عنایت فرمائی ہیں وہ میری دعا سے مدینہ کو بھی عطا فرما بلکہ اس کا دو چند عطا فرما، دو چند کے اس لفظ سے امام مالک نے استدلال کیا ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے کیونکہ جو اجر و ثواب مکہ میں ہے اس کا دو چند مدینہ کے لئے مانگا گیا ہے مضبوط دلیل ہے۔

مدینہ کی حرمت کا ذکر

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ إِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَاماً وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَاماً مَا بَيْنَ مَأْزِمَيْهَا أَنْ لَا يُهْرَاقَ فِيْهَا دَمٌ وَلَا يُحْمَلَ فِيْهَا سِلَاحٌ لِقِتَالٍ

[1] اخرجه مسلم: ۱/۵۷۴

وَلَا تُخْبَطَ فِيهَا شَجَرَةٌ إِلَّا لِعَلَفٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو بزرگی دی اور اس کو حرم قرار دیا (یعنی انہوں نے مکہ کی بزرگی اور حرمت کو ظاہر کیا) اور میں نے مدینہ کو بزرگی دی ہے اور مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان کی بزرگی (کا تقاضا) یہ ہے کہ نہ تو اس میں خونریزی کی جائے نہ وہاں جنگ کے لئے ہتھیار اٹھائے جائیں، اور نہ اس (کے درخت) کے پتے جھاڑے جائیں البتہ جانوروں کے کھانے کے لئے جھاڑے جاسکتے ہیں۔'' (مسلم)

توضیح: "وانی حرمت المدینة" جمہور اس سے حُرمتِ قطعِ اشجار اور شکار مراد لیتے ہیں کہ دونوں ناجائز ہیں احناف اس لفظ کو عظمت واحترام پر حمل کرتے ہیں اور احترام ہر مسلمان پر لازم ہے۔[2]

"مازمیھا" اس کا مفرد مازم ہے دو جانب مراد ہیں۔[3]

"لعلف" جانوروں کی گھاس اور چارہ کو علف کہا گیا ہے یعنی درخت کے پتے جانوروں کی خوراک کے لئے جھاڑے جاسکتے ہیں اس سے احناف کا مسلک ثابت ہوجاتا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے حرم ہونے میں فرق ہے۔[4]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا عجیب قصہ

﴿۶﴾ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ سَعْداً رَكِبَ إِلَى قَصْرِهِ بِالْعَقِيقِ فَوَجَدَ عَبْداً يَقْطَعُ شَجَراً أَوْ يَخْبِطُهُ فَسَلَبَهُ فَلَمَّا رَجَعَ سَعْدٌ جَاءَهُ أَهْلُ الْعَبْدِ فَكَلَّمُوهُ أَنْ يَرُدَّ عَلَى غُلَامِهِمْ أَوْ عَلَيْهِمْ مَا أَخَذَ مِنْ غُلَامِهِمْ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ أَنْ أَرُدَّ شَيْئاً نَفَّلَنِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَى أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهِمْ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت عامر رحمۃ اللہ علیہ ابن سعد (تابعی) کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ (جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی ہیں) اپنی حویلی کی طرف جو (مدینہ کے قریب) مقام عقیق میں تھی، سوار ہو کر چلے تو (راستہ میں) انہوں نے ایک غلام کو دیکھا جو ایک درخت کاٹ رہا تھا یا اس درخت کے پتے جھاڑ رہا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے (بطور سزا وتنبیہ) اس غلام کے کپڑے چھین لئے، پھر جب وہ (مدینہ) واپس آئے تو غلام کے مالک ان کی خدمت میں آئے اور یہ گفتگو کی کہ انہوں نے جو چیز ان کے غلام سے لی ہے (یعنی اس کے کپڑے) اسے وہ غلام کو واپس کردیں یا ان (مالکوں) کو دے دیں۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''خدا کی پناہ میں اس چیز کو کیسے واپس کرسکتا ہوں جو مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوائی ہے۔'' چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے کپڑے واپس کرنے سے بالکل انکار کردیا۔'' (مسلم)

توضیح: "اوعلیھم" راوی کو شک ہوگیا کہ غلام کے کپڑے غلام کو واپس کرنے کا کہا یا یہ کہا کہ ہمارے غلام کے

[1] اخرجه مسلم: ۱/۵۷۴ [2] المرقات: ۵/۶۱۴ [3] المرقات: ۵/۶۱۴ [4] المرقات: ۵/۶۱۵ [5] اخرجه مسلم: ۱/۵۷۱

کپڑے لیے ہیں وہ ہمیں واپس کردو۔ [۱]

"نفلنیه" یعنی حضور اکرم کی وصیت تھی کہ اگر کوئی شخص مدینہ میں درخت کاٹ لے یا اس کے پتے جھاڑ لے تو اس شخص کے کپڑے چھین لو یہی مدینہ کے درخت کاٹنے کی سزا ہے تو میں نے حضور اکرم ﷺ کی وصیت کے مطابق لیا ہے اس کو میں کبھی واپس نہیں کروں گا البتہ اگر تم زیادہ شور کرتے ہو تو میں اپنی طرف سے تم کو قیمت ادا کردوں گا امام مالک وشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے شخص پر جو مدینہ میں درخت کاٹے مکہ کی طرح جزا نہیں ہے البتہ یہ کام مدینہ میں کفارہ ادا کرنے کے بغیر حرام ہے بعض دوسرے علماء مکہ کی طرح کفارہ کے قائل ہیں احناف کے نزدیک مدینہ میں یہ عمل مکروہ ہے یہاں درخت کاٹنے کا ذکر ہے آئندہ حدیث ۲۰ میں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے شکار سے متعلق شکاری کا سامان چھینا ہے۔ [۲]

مدینہ کی آب وہوا کے لئے حضور اکرم ﷺ کی دعا

﴿۷﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وُعِكَ أَبُوْبَكْرٍ وَبِلَالٌ فَجِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (اور صحابہ) جب (مکہ سے ہجرت کرکے) مدینہ آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ بخار میں مبتلا ہوگئے، چنانچہ میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کو (ان کی بیماری کی) خبر دی، آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی "اے اللہ! تو مدینہ کو ہمارا محبوب بنادے جس طرح تو نے مکہ کو ہمارا محبوب بنایا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور مدینہ کی آب وہوا درست فرمادے اور مدینہ کے صاع ومد میں ہمارے لئے برکت عطا فرما، نیز مدینہ کے بخار کو (یعنی بخار کی کثرت ووباء کو) یہاں سے نکال کر جحفہ میں منتقل کردے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: جحفہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جس کو آج کل رابغ کہتے ہیں اس وقت اس میں یہود رہتے تھے اس لئے حضور اکرم نے یہ دعا فرمائی۔ [۴]

"وعك" شدید بخار کو کہتے ہیں مکہ مکرمہ کی آب وہوا زیادہ صحت مند تھی یہاں سے صحابہ جب مدینہ گئے تو بیمار ہوئے کیونکہ مدینہ ساحل سمندر کے پاس ہے اس کی آب وہوا اتنی صحت مند نہیں تھی تب حضور اکرم ﷺ نے مدینہ کے وبائی امراض کو جحفہ کی طرف منتقل کرنے کی دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ دعا یہ تھی "اللّٰهم حبب الينا المدينة" الخ۔

"وعك ابوبكر وبلال" حضرت ابوبکر اور بلال کا نام بالخصوص اس لئے آیا کہ انہوں نے بخار کی مصیبت کے وقت مکہ کو یاد کرکے کچھ اشعار کہے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا [۵]

[۱] المرقات: ۵/۶۱۸ [۲] المرقات: ۵/۶۱۸ [۳] اخرجه البخاري: ۳/۲۹ ومسلم: ۱/۵۷۵ [۴] المرقات: ۵/۶۱۹ [۵] المرقات: ۵/۶۱۸، ۶۱۹

کل امرئ مصبح فی اهله والموت ادنی من شراك نعله [1]

حضرت بلال نے مکہ کے پانی کے چشموں اور گھاس کا نام لیکر اس طرح فرمایا۔

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة بواد وحولی اذخر وجلیل

وهل اردن یومامیاه مجنة وهل تبدون لی شامة وطفیل [2]

مدینہ کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا قبول ہوئی

﴿۸﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِيْ رُؤْيَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَدِيْنَةِ رَأَيْتُ اِمْرَأَةً سَوْدَاءَ ثَائِرَةَ الرَّأْسِ خَرَجَتْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ حَتّٰى نَزَلَتْ مَهْيَعَةَ فَتَأَوَّلْتُهَا اِنَّ وَبَاءَ الْمَدِيْنَةِ نُقِلَ اِلٰى مَهْيَعَةَ وَهِيَ الْجُحْفَةُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے متعلق نبی کریم ﷺ کے خواب کے سلسلہ میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) ''میں نے ایک کالی عورت کو دیکھا جس کے بال پراگندہ تھے وہ مدینہ سے نکلی اور مہیعہ چلی گئی۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ مدینہ کی وباء مہیعہ یعنی جحفہ کی طرف منتقل کردی گئی ہے۔'' (بخاری)

جحفہ آج کل رابغ کے نام سے مشہور ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک علاقہ کا نام ہے اس کا اصل نام **مهیعة** مکیدة کے وزن پر تھا سیلاب سے یہ علاقہ بہہ گیا تب اس کا نام جحفہ پڑ گیا یہاں اکثر آبادی یہود کی تھی۔

مدینہ چھوڑ کر دوسری جگہ سکونت اختیار کرنا مناسب نہیں ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ سُفْيَانَ بْنِ أَبِيْ زُهَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُفْتَحُ الْيَمَنُ فَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الشَّامُ فَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَيُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [4]

ترجمہ: اور حضرت سفیان ابن ابوزہیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ فرماتے تھے ''جب یمن فتح ہو جائے گا تو ایک ایسا گروہ آئے گا جو آہستہ رو ہوگا (یعنی مدینہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو محنت و مشقت سے دور رہ کر دنیا

[1] المرقات: ۵/۶۱۹ [2] المرقات: ۵/۶۱۹ [3] اخرجه البخاری: ۹/۵۳ [4] اخرجه البخاری: ۳/۲۷ ومسلم: ۱/۵۶۸

کی راحت و آرام کے طالب ہوں گے) چنانچہ وہ لوگ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ سے چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر جگہ ہوگی اگر وہ (مدینہ کے بہتر ہونے کو) جانیں (تو مدینہ کو نہ چھوڑیں) جب شام فتح ہوگا تو ایک گروہ آئے گا جو آہستہ رَو ہوگا چنانچہ وہ لوگ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ سے چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر جگہ ہوگی اگر وہ جانیں، اسی طرح جب عراق کو فتح کیا جائے گا تو ایک گروہ آئے گا جو آہستہ رَد ہوگا چنانچہ وہ لوگ اپنے اہل وعیال کو لے کر مدینہ سے چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر جگہ ہوگی اگر وہ جانیں (تو مدینہ کو نہ چھوڑیں)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: **"فیأتی قوم"** اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جب یمن فتح ہو جائے گا تو مدینہ میں اس وقت کچھ ایسے لوگ پیدا ہو چکے ہونگے جو مدینہ کی سکونت چھوڑ کر یمن کی طرف دوڑ کر چلے جائیں گے حالانکہ ان کے لئے مدینہ بہتر ہوگا اس صورت میں یہ آنحضرت کی طرف سے مستقبل کے بارہ میں پیشگوئی ہے بعض شارحین نے اسی طرح مطلب لیا ہے۔

اس جملہ کا دوسرا مفہوم اس طرح ہے کہ جب یمن فتح ہو جائے گا تو کچھ لوگ مدینہ سے یمن آجائیں گے اور اس کا معاینہ کرلیں گے ان کو یمن پسند آجائے گا تو واپس جا کر مدینہ سے اپنے اہل وعیال کو اٹھا کر یمن لے جائیں گے حالانکہ ان کے لئے مدینہ بہتر ہے اگر ان میں ذرا بھی شعور ہو کیونکہ مدینہ دینی اور دنیوی ہر لحاظ سے برکات سے مالا مال شہر ہے یہ مھبط وحی ہے اور یہاں عظیم پیغمبر آرام فرما ہیں۔[1]

یاخیر من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبرانت ساکنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم

فلک پہ ڈھونڈتا تھا جس کو احقر زمین پہ وہ خزانہ مل گیا ہے

جو تشریح اوپر یمن کی کی گئی ہے یہی تشریح شام اور عراق کے متعلق بھی ہے حضور اکرم ﷺ نے پیشگوئی فرمائی کہ یمن شام اور عراق فتح ہونگے یہ علاقے سرسبز ہونگے تو مدینہ کے کچھ لوگ وہاں جانے کی خواہش ظاہر کریں گے نبی اکرم ﷺ نے ایسے لوگوں کو ترغیبی انداز سے سمجھا دیا کہ مدینہ بہتر ہے اسکو خالی کر کے دوسرے علاقوں میں نہ جاؤ اس سے اس شہر کی رونقیں کم ہو جائیں گی۔

"یسبون" یہ نصر ینصر سے ہے اونٹ وغیرہ کے ہنکانے اور تیز دوڑانے کو کہتے ہیں۔ عرب کا مقولہ ہے۔ **"یقال یسست الناقة" ای سقیتها وزجرتها"** تیز دوڑانے کے معنی میں ہے اوپر ترجمہ میں دوسرا ترجمہ ہے۔[2]

"ومن اطاعهم" یعنی اپنے اہل وعیال کو اور اپنے اتباع وخدم کو اٹھا کر لے جائیں گے، اس حدیث میں بہت ساری پیشگوئیوں کا ذکر ہے سمجھنے والا سمجھ لے۔[3]

---

[1] المرقات: ۵/۶۲۱، ۶۲۰ [2] المرقات: ۵/۶۲۰ [3] المرقات: ۵/۶۲۰

جب مدینہ دار الخلافہ ہوگا مسلمان فاتح ہونگے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبُ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے ایک ایسی بستی کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا ہے جو تمام بستیوں پر غالب رہتی ہے اور اس بستی کو لوگ یثرب کہتے ہیں اور (اب) وہ مدینہ ہے جو بُرے آدمیوں کو اس طرح نکال دیتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو نکال دیتی ہے۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: ''تأکل القریٰ'' یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسے شہر کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا ہے جو دنیا کے تمام شہروں کو کھا جائے گا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مدینہ کو اپنا مسکن بناتے ہیں تو وہ دوسرے لوگوں پر غالب آجاتے ہیں اور مدینہ کا شہر دنیا کے تمام شہروں کو فتح کر لیتا ہے اور اپنے ماتحت بناتا ہے اس شہر کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ جن لوگوں کا مرکز بن گیا باقی علاقے ان لوگوں کے ہاتھ میں رہیں گے چنانچہ تاریخی اعتبار سے علماء نے لکھا ہے کہ جب عمالقہ نے مدینہ کو مرکز بنایا تو وہ دیگر علاقوں کے لئے فاتح رہے پھر جب یہود نے اس کو مرکز بنایا تو وہ عمالقہ پر غالب آئے پھر اوس وخزرج نے جب اس کو اپنا مسکن بنایا تو وہ یہود پر غالب آئے پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مہاجرین صحابہ کے ساتھ مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین وانصار یہود پر غالب آئے۔ پھر جب یہ شہر اسلامی خلافت کا مرکز بن گیا تو اس نے دنیا کے تمام شہروں کو فتح کر لیا یعنی دور نبوی دور صدیقی دور عمری اور دور عثمانی میں جب تک مدینہ خلافت کا مرکز رہا اسلام فاتحانہ انداز سے آگے بڑھتا رہا پھر حضرت علی کے دور میں مرکز خلافت مدینہ کے بجائے کوفہ بن گیا تو اسلامی فتوحات رک گئیں۔

''یقولون یثرب'' مدینہ کا پرانا قدیمی نام یثرب اور اثرب تھا جس کے معنی ہلاک وفساد اور زجر وتوبیخ کے آتے ہیں یا کسی ظالم شخص کے نام پر یہ نام تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام مدینہ رکھا کیونکہ یثرب معنی کے اعتبار سے اچھا نہیں تھا یا کسی کافر کی تاریخی یادگار پر یہ نام تھا اور حضور اکرم برے ناموں کو اچھے ناموں سے تبدیل فرماتے تھے۔ اب یثرب کہنا جائز نہیں ہے۔

''وفاء الوفاء'' میں علامہ علی بن احمد سمھودی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ کے سارے نام وجہ تسمیہ کے ساتھ لکھے ہیں اور ہر نام کی ایک تاریخ بیان فرمائی ہے یہ سارے نام ۹۴ ہیں بعض عجیب نام ہیں میں صرف نام لکھ دیتا ہوں چنانچہ فرماتے ہیں۔

''یثرب، ارض اللہ، ارض الهجرة، اکالة البلدان، اکالة القری، الایمان، البارة، البحرة، البحیرة، البلاط، البلط، بیت الرسول، تندد، تندر، الجابرة، جبار، الجبارة، جزیرة العرب، الجنة الحصینة،

[1] اخرجه البخاری: ۳/۲۶ ومسلم: ۱/۵۷۷

الحبيبة، الحرم، حرم رسول الله ،حسنة، الخيرة، ذات الحرار، ذات النخل، السلقة، سيدة البلدان، الشافيه، طابه، طيبه، طيّبه، طائب، طباب، العاصمة، العذراء، العسراء، العروض، الغرّاء، غلبة، الفاضحة، القاصمة، قبة الاسلام، قرية الاسلام، قرية رسول الله، قلب الايمان، المؤمنة، المباركة، مثوى الحلال والحرام، مبين الحلال والحرام، المجبورة، المحبة، المحببة، الحبيبة، المحبورة، المحرمة، المحفوفة، المحفوظة، المختارة، مدخل الصدق، المدينه، مدينة الرسول، المرحومه، المرزوقة، مسجد الاقصیٰ، المسكينة، المسلمة، مضجع الرسول، المطيبة، المقدسة، المكّتان، المكينة، مُهاجَر الرسول، الموفية، الناجية، نبلاء، النحر، الهذراء، يندد، يندر، يثرب"۔

یہ کل چورانوے نام ہیں اس میں سے یثرب اور اثرب ممنوع ہے باقی سب مبارک نام ہیں۔

وفاء الوفاء میں لکھا ہے کہ جو شخص ان اسماء کو لکھ دے اور بخار کے مریض کے گلے میں ڈال دے اللہ تعالیٰ بخار دور کرتا ہے۔

"الکیر" لوہار جب لوہے کو کوئلے میں رکھتا ہے تو وہ کوئلہ مٹی سے بنے ہوئے ایک گول چبوترے میں ہوتا ہے گویا یہ بھٹی ہے اس چبوترے میں پیچھے سے ایک سوراخ آگے رکھے ہوئے کوئلہ کی طرف نکلتا ہے اس سوراخ میں لوہار مشکیزہ رکھتا ہے اور ایک آدمی اس مشکیزہ کو دونوں ہاتھوں سے حرکت دیکر ہوا بھرواتا ہے اور پھر آگے بھٹی کی طرف چھوڑتا ہے جس سے لوہا گرم ہو کر نرم ہو جاتا ہے اسی مشکیزہ کو اس حدیث میں الکیر کہا گیا ہے۔

"خبث الحدیث" اس سے مراد لوہے کا میل کچیل ہے لوہا جب گرم ہو کر سرخ ہو جاتا ہے تو اس کا میل اتر جاتا ہے اور اوزار بنانے کے لئے لوہا خالص رہ جاتا ہے اسی طرح مدینہ منورہ خبیث اور بدعقیدہ منافق لوگوں کو اپنے اندر سے نکال باہر کر دیتا ہے۔

"الناس" شریر و خبیث اور ذلیل قسم کے لوگ مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدینہ کا نام

﴿۱۱﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللهَ سَمّٰى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام

[1] اخرجه مسلم: ۱/۵۷۷

طابہ رکھا ہے۔'' (مسلم)

توضیح: "ان الله" یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد عربی ﷺ کی زبان مقدس کے ذریعہ سے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے ایک روایت میں طیبہ کا لفظ ہے جس کے معنی پاک اور خوش وخرم کے آتے ہیں مدینہ کا شہر بھی شرک سے پاک ہے اوراس کے رہنے والے بھی خوش وخرم ہیں مدینہ کے ۹۴ ناموں کا ذکر اس سے پہلے گذر چکا ہے۔[1]

غلط لوگ مدینہ سے بھاگتے ہیں

﴿۱۲﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَايَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَصَابَ الْأَعْرَابِيَّ وَعْكٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَأَبٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ أَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَأَبٰى ثُمَّ جَاءَهُ فَقَالَ أَقِلْنِيْ بَيْعَتِيْ فَأَبٰى فَخَرَجَ الْأَعْرَابِيُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْمَدِيْنَةُ كَالْكِيْرِ يَنْفِيْ خَبَثَهَا وَيَنْصَعُ طَيِّبُهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے رسول کریم ﷺ (کی خدمت میں رہنے کی آپ ﷺ سے) بیعت کی، (کچھ ہی دنوں کے بعد) جب وہ مدینہ کے (شدید) بخار میں مبتلا ہوا (اور اس صورت میں اسے مدینہ میں رہنا گوارا نہ ہوا اور وہاں سے چلے جانے کا ارادہ کیا) تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ ''اے محمد (ﷺ) میری بیعت فسخ کر دیجئے۔'' مگر آپ ﷺ نے انکار کر دیا، وہ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیعت فسخ کر دیجئے! آپ ﷺ نے (اس مرتبہ بھی) انکار کر دیا، اس کے بعد وہ پھر آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری بیعت فسخ کر دیجئے، آپ ﷺ نے پھر انکار کر دیا، چنانچہ وہ (آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر ہی) مدینہ سے بھاگ گیا، (جب آپ کو اس کا علم ہوا) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مدینہ بھٹی کی مانند ہے جو اپنے میل کو دور کر دیتا ہے اور اپنے اچھے آدمی کو نکھار دیتا ہے (یعنی برے آدمی کو نکال باہر کرتا ہے اور پاک باطن آدمی کو پلید ذہن اور بدطینت آدمی سے الگ کر دیتا ہے)۔ (بخاری ومسلم)

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَنْفِيَ الْمَدِيْنَةُ شِرَارَهَا كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ مدینہ اپنے شریر (یعنی برے) لوگوں کو اس طرح نہ نکال پھینکے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو نکال پھینکتی ہے۔'' (مسلم)

---

[1] المرقات: ۵/۶۲۲ [2] اخرجه البخاري: ومسلم: ۱/۵۷۷ [3] اخرجه مسلم: ۱/۵۷۶

توضیح: "اقلنی بیعتی" اس دیہاتی نے ایمان کے اس سودا کو گویا ٹماٹر کا سودا سمجھ رکھا تھا کہ خریدنے کے بعد اگر پسند نہ آیا تو واپس کردوں گا حضور اکرم ﷺ نے ان کا مطالبہ مسترد کردیا کیونکہ اسلام کی بیعت کا فسخ کرنا جائز نہیں تھا اسی طرح اگر یہ بیعت مدینہ میں رہنے کی تھی تو بھی اس کا فسخ کرنا مناسب نہیں تھا کیونکہ اس سے ہجران مدینہ لازم آتا تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے صاف انکار فرمایا وہ شخص بغیر اجازت چلا گیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ کی مثال لوہے کی بھٹی کی سی ہے اگر لوہا میلا ہے تو اس کے میل کچیل کو بھی دور کردیتی ہے اور اگر لوہا صاف ہے تو اس کو مزید نکھارتی ہے اسی طرح مدینہ میں اگر برے لوگ بسیں گے تو مدینہ ان کو نکال کر باہر کرتا ہے اور اگر اچھے لوگ بسنے لگتے ہیں تو مدینہ ان کو مزید صاف کر کے نکھارتا ہے۔[۱]

سوال: اب سوال یہ ہے کہ فی الحال مدینہ میں بہت سارے خبیث لوگ چھپے ہوئے ہیں اہل بدعت بریلیوں کے ٹھکانے ہیں اور بہت سارے بدباطن لوگ وہاں رہ رہے ہیں تو مدینہ کی یہ مذکورہ خاصیت کیوں ظاہر نہیں ہوتی؟

جواب: پہلا جواب یہ ہے کہ مدینہ کی یہ خاصیت حضور اکرم ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مدینہ کی خاصیت کے ظہور کا یہ حکم قرب قیامت کے وقت میں ہوگا کہ جب دجال مدینہ کے قریب آجائے گا تو مدینہ میں تین بار زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے اندر بسنے والے تمام منافقین مدینہ کو چھوڑ کر دجال کے ساتھ ملاقات کے لئے چلے جائیں گے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس خاصیت کا تعلق ہر زمانہ کے ساتھ نہ ہو اور مفسد لوگوں کو مدینہ گاہ گاہ مار بھگا دیتا ہو زمانے کے حالات اس پر گواہ ہیں اگر اس طرح جملے آئندہ آجائیں تو ان کو بھی اس توضیح کی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

مدینہ دخولِ دجال اور مرض طاعون سے محفوظ رہیگا

﴿۱۴﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مدینہ کے راستوں یا اس کے دروازوں پر بطور نگہبان فرشتے متعین ہیں۔ نہ تو مدینہ میں طاعون کی بیماری داخل ہوگی نہ دجال داخل ہوگا۔" (بخاری ومسلم)

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ بَلَدٍ إِلَّا سَيَطَأُهُ الدَّجَّالُ إِلَّا مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةَ لَيْسَ نَقْبٌ مِنْ أَنْقَابِهَا إِلَّا عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ صَافِّيْنَ يَحْرُسُوْنَهَا فَيَنْزِلُ السَّبَخَةَ فَتَرْجُفُ الْمَدِيْنَةُ بِأَهْلِهَا ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

[۱] المرقات: ۵/۶۲۳ [۲] اخرجه البخاری: ۳/۲۸ مسلم: ۱/۵۷۶ [۳] اخرجه البخاری: ۳/۲۸ ومسلم: ۲/۵۷۹

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مکہ اور مدینہ کے علاوہ ایسا کوئی شہر نہیں ہے جسے دجال نہ روندے گا اور مدینہ یا مکہ اور مدینہ میں سے ہر ایک کے راستوں میں ایسا کوئی راستہ نہیں ہے جس پر صف باندھے ہوئے فرشتے نہ کھڑے ہوں جو اس شہر کی نگہبانی کرتے ہیں، چنانچہ (جب) دجال (مدینہ سے باہر) زمین شور میں نمودار ہوگا تو مدینہ اپنے باشندوں کے ساتھ (زلزلہ کی صورت میں) تین مرتبہ ہلے گا جس کے نتیجہ میں ہر کافر و منافق مدینہ سے نکل پڑے گا اور دجال کے پاس چلا جائے گا۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: ''انقاب'' انقاب نقب کی جمع ہے اس سے مراد دو پہاڑوں کے درمیان کھلا راستہ بھی ہوسکتا ہے جیسے طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور اس سے مطلق راستہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے جس کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے راجح قرار دیا ہے اور اس سے شہر کا پھاٹک بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔[1]

''فینزل'' اس نزول سے وارد ہونا بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور ممکن ہے کہ کوئی ایسی سواری ہو جو جہاز کی مانند فضا میں چلتی ہو اور پھر اس مقام پر اتر آئے گی بعض علماء فرماتے ہیں کہ دجال کے گدھے سے ایک قسم کا جہاز مراد ہے۔[2]

''السبخة'' بنجر اور شور زمین کو سبخہ کہتے ہیں سبخہ مدینہ منورہ کی حدود سے باہر ایک جگہ کا نام ہے یا وہاں کی زمین کی یہ صفت ہے شاید مدینہ ائیر پورٹ کے آس پاس علاقہ مراد ہو ینزل کا لفظ بھی معنی خیز ہے۔[3]

اہل مدینہ سے فریب کرنے والے کی سزا

﴿۱۶﴾ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكِيْدُ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ أَحَدٌ إِلَّا انْمَاعَ كَمَا يَنْمَاعُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص بھی مدینہ والوں سے مکر و فریب کرے گا، وہ اس طرح گھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: ''انماع'' پانی میں نمک پگھلنے کو انماع کہتے ہیں یزید نے اہل مدینہ کو ڈرایا ستایا اور ان کے خلاف مکر و فریب کیا تو تب دق اور سل کی بیماری میں ایسا مبتلا ہوگیا کہ گھل گھل کر جوان سالی میں مرگیا۔

مدینہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَنَظَرَ إِلَى جُدُرَانِ الْمَدِيْنَةِ أَوْضَعَ رَاحِلَتَهُ وَإِنْ كَانَ عَلَى دَابَّةٍ حَرَّكَهَا مِنْ حُبِّهَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

[1] المرقات: ۵/۶۲۵ [2] المرقات: ۵/۶۲۵ [3] المرقات: ۵/۶۲۵

[4] اخرجه البخاری: ۳/۲۷ ومسلم [5] المرقات: ۵/۶۲۸ [6] اخرجه البخاری: ۳/۹

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کسی سفر سے واپس ہوتے تو مدینہ منورہ کی دیواریں (یعنی اس کی عمارتیں) دیکھ کر اپنے اونٹ کو دوڑانے لگتے اور اگر گھوڑے یا خچر پر سوار ہوتے تو اس کو تیز کر دیتے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ آپ کو مدینہ سے محبت تھی۔" (بخاری)

توضیح: "جدران" جدار کی جمع ہے دیوار کو کہتے ہیں [۱] "اوضع" سواری کو تیز دوڑانے کے معنی میں ہے حضور اکرم ﷺ کو مدینہ سے اتنی محبت تھی کہ اس کے آثار ونشانات کو دور سے دیکھ کر جلدی پہنچنے کے لئے جذبہ شوق بیدار ہوجاتا تو اونٹ یا گھوڑا تیز دوڑاتے تا کہ جلدی پہنچے کسی شاعر نے کہا ؎

و اعظم ما یکون الشوق یوما اذادنت الخیام من الخیام [۲]

احد پہاڑ کی فضیلت

﴿۱۸﴾ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ فَقَالَ هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ أَللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی نظرِ مبارک جب اُحد پہاڑ پر پڑی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں (پھر آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ) اے اللہ! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام کیا (یعنی اس کے حرم ہونے کو ظاہر کیا) اور میں اس قطعہ زمین کو حرام کرتا ہوں (یعنی قابلِ تعظیم قرار دیتا ہوں) جو سنگستانِ مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان ہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "جبل یحبنا" یہ جملہ اپنے حقیقی معنی پر ہے کہ واقعی پہاڑ محبت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جمادات ونباتات میں بھی ان کے حال کے مطابق شعور رکھا ہے پھر انبیاء کرام کا معاملہ ہی کچھ اور ہے اور محمد مصطفی ﷺ کا کیا کہنا۔ بعض عارفین کہتے ہیں کہ احد پہاڑ پر زرد رنگ چڑھا ہوا ہے یہ اس کی محبت اور حضور ﷺ سے عشق کی نشانی ہے کیونکہ عاشق کی علامات یہ ہیں [۴] ؎

عاشقاں راسہ علامت اے پسر رنگ زرد وآہ سرد و چشم تر [۵]

عاشق سرے نہ خطا کیکی رنگئیرزیریکی ستر کے بیلیلو روینہ [۶]

احد پہاڑ کی محبت ہی تو تھی کہ اس نے ستر نفوسِ قدسیہ کو اپنے آغوش میں لیا اور سب کی قبریں وہیں پر بنیں۔

[۱] المرقات: ۵/۶۲۵ [۲] المرقات: ۵/۶۲۵ [۳] اخرجہ البخاری: ۵/۱۳۲ ومسلم: ۱/۵۷۲ [۴] المرقات: ۵/۶۲۶

﴿۱۹﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ.
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "احد پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔" (بخاری)

الفصل الثانی

مدینہ میں شکار کرنے والے کی سزا

﴿۲۰﴾ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِيْ عَبْدِ اللهِ قَالَ رَأَيْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِيْ وَقَّاصٍ أَخَذَ رَجُلاً يَصِيْدُ فِيْ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ الَّذِيْ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَبَهُ ثِيَابَهُ فَجَاءَ مَوَالِيْهِ فَكَلَّمُوْهُ فِيْهِ فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ هٰذَا الْحَرَمَ وَقَالَ مَنْ أَخَذَ أَحَداً يَصِيْدُ فِيْهِ فَلْيَسْلُبْهُ فَلاَ أَرُدُّ عَلَيْكُمْ طُعْمَةً أَطْعَمَنِيْهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ إِنْ شِئْتُمْ دَفَعْتُ إِلَيْكُمْ ثَمَنَهُ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: حضرت سلیمان بن ابوعبداللہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو پکڑا جو اس حرم مدینہ (یعنی مدینہ کے اطراف) میں شکار کر رہا تھا جسے رسول کریم ﷺ نے حرام (یعنی قابلِ تعظیم) قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے کپڑے (زجر وتنبیہ کے طور پر) چھین لئے، پھر اس شخص کے مالک آئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے اس کے بارہ میں گفتگو کی، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے اس حرم کو حرام قرار دیا ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے آدمی کو پکڑے جو اس میں شکار مار رہا ہو تو وہ اس کا سامان چھین لے۔" لہٰذا جو چیز رسول اللہ ﷺ نے مجھے دلوائی ہے (یعنی جو چیز میں نے آپ ﷺ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے حاصل کی ہے) وہ تو میں (کسی حال میں بھی) واپس نہیں کروں گا، ہاں اگر تم چاہو تو میں اس کی قیمت (از راہِ مروت واحسان) تمہیں دے دوں۔" (ابوداؤد)

توضیح: زیر بحث حدیث میں شکاری کا قصہ ہے اس سے حضرت سعد نے سامان چھین لیا اس سے پہلے فصل اول کی حدیث ۶ میں درخت کاٹنے والے آدمی کا قصہ ہے کہ ان سے حضرت سعد نے ان کا سامان چھین لیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حرم مدینہ میں شکار وغیرہ کے با قاعدہ جزا وسزا نہیں ہے جس طرح حرم مکہ میں ہے یہاں لوگوں کو صرف روکنا ہے کہ وہ حرم مدینہ کی زینت کو نقصان نہ پہنچائیں، اسی وجہ سے احناف نے کہا کہ مدینہ منورہ حرم ہے لیکن احترام وعظمت کی وجہ سے ہے کفارہ اور بدلہ کی وجہ سے نہیں ہے اگر با قاعدہ کفارہ ہوتا تو شکار کی قیمت لگا کر صدقہ کرنا چاہئے تھا جیسا حرم مکہ کا حکم ہے حرم

[1] اخرجه البخاري: ۵/۱۳۲ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۲۳

مدینہ کی مجموعی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جنایت کرنے کی جزا بطور سزا یہ ہے کہ جنایت کرنے والے کا سامان چھین لیا جائے۔ [۱]

حدیث کی سند میں ایک سہو کی اصلاح

﴿۲۱﴾ وَعَنْ صَالِحٍ مَوْلًى لِسَعْدٍ أَنَّ سَعْداً وَجَدَ عَبِيْداً مِنْ عَبِيْدِ الْمَدِيْنَةِ يَقْطَعُوْنَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ فَأَخَذَ مَتَاعَهُمْ وَقَالَ يَعْنِيْ لِمَوَالِيْهِمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى أَنْ يُقْطَعَ مِنْ شَجَرِ الْمَدِيْنَةِ شَيْئٌ وَقَالَ مَنْ قَطَعَ مِنْهُ شَيْئاً فَلِمَنْ أَخَذَهُ سَلَبُهُ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ) [۲]

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام صالح کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے غلاموں میں سے کچھ غلاموں کو مدینہ کا درخت کاٹتے ہوئے پایا تو انہوں نے ان کے اسباب ضبط کر لئے اور پھر ان کے مالکوں سے فرمایا کہ میں نے خود سنا ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے درخت کا کوئی بھی حصہ کاٹنے سے منع فرمایا ہے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مدینہ کے درخت کا کچھ بھی حصہ کاٹے تو اس کا اسباب اس شخص کے لئے ہے جو اس کو پکڑے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "وَعَنْ صالح مولی لسعد" صحیح روایت میں سند اس طرح ہے (وعن صالح عن مولی لسعد) شیخ جزری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو صالح نے حضرت سعد کے آزاد کردہ غلام سے روایت کیا ہے۔

مشکوۃ کی سند سے معلوم ہوتا ہے کہ صالح حضرت سعد کا آزاد کردہ غلام ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ شیخ توامۃ کا آزاد کردہ غلام ہے لہٰذا یہاں صحیح سند اس طرح ہے "وَعَنْ صالح عن مولی لسعد" یعنی صالح حضرت سعد کے کسی آزاد کردہ غلام سے روایت کر رہا ہے وہ غلام مجہول ہے یہاں صالح کے بعد عن کا لفظ یا کاتب کی غلطی سے رہ گیا ہے اور یا مصنف مشکوۃ سے سہو قلم ہو گیا ہے کیونکہ (**لکل جواد کبوۃ ولکل سیف نبوۃ**)۔ یہاں حضرت سعد کا غلام مجہول ہے معلوم نہیں کہ کون ہے البتہ صالح ثقہ ہے۔ (مرقات ج ۵ ص ۷۔۲۳) [۳]

مقام وج میں شکار کی ممانعت

﴿۲۲﴾ وَعَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ صَيْدَ وَجٍّ وَعِضَاهَهُ حِرْمٌ مُحَرَّمٌ لِلّٰهِ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ وَجٌّ ذَكَرُوْا أَنَّهَا مِنْ نَاحِيَةِ الطَّائِفِ وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ أَنَّهُ بَدَلُ أَنَّهَا) [۴]

ترجمہ: اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وج کا شکار اور اس کے خاردار درخت حرام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے (یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب) حرام کئے گئے (یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں یعنی غازیوں کی وجہ سے حرام کئے گئے ہیں)۔ (ابوداؤد)

---

[۱] المرقات: ۵/۶۲۷ [۲] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۲۲ [۳] المرقات: ۵/۶۲۷ [۴] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۲۲

توضیح: "عضاہ" جھاؤ یا کسی خاردار درخت کو عضاہ کہتے ہیں۔[1]

"**حرم**" حا پر زیر ہے یہ حرام کے معنی میں ہے "**محرم**" حرم کے لئے تاکید ہے "**لله**" **ای لاجل امر الله**۔

"**انه بدل انها**" یعنی علامہ خطابی نے انہ مذکر استعمال کیا ہے اور محی السنۃ نے انھا مؤنث استعمال کیا ہے اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ضمیر کا قاعدہ ھاھو والا قاعدہ ہے اگر لفظ کی طرف ضمیر لوٹاؤ تو مذکر ہے اور اگر کلمۃ کی طرف لوٹاؤ تو مؤنث ہے یہاں اگر موضع کے معنی میں لیا جائے تو مذکر اور اگر بقعۃ کے معنی میں لیا جائے تو مؤنث ہے۔

"**صید وج**" علماء لکھتے ہیں کہ مقام وج میں شکار کی ممانعت حرمت حمی کے طور پر تھی یعنی ممنوع علاقہ کے طور پر تھی، کیونکہ اس علاقے میں غازیوں کے گھوڑے چرتے تھے اس کے لئے ضرورت تھی کہ دوسروں کے جانور یہاں نہ آئیں یہ ایک انتظامی معاملہ تھا حرمت حرم کی وجہ سے نہیں تھی کیونکہ طائف کے آس پاس علاقہ حرم میں شامل نہیں ہے احناف نے مدینہ کے بارہ میں شکار اور درخت کاٹنے کا جو حکم بیان کیا ہے یہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ مقام وج میں شکار کی حرمت حرم کے طور پر تھی تو یہ ابتدائی دور کی بات ہوگی بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مقام وج کے بارہ میں بھی فرماتے ہیں کہ اس میں نہ شکار کیا جائے نہ درخت کاٹے جائیں لیکن آپ نے کسی ضمان یا جزا و کفارہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔[2]

مدینہ منورہ میں مرنے کی فضیلت

﴿۲۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَإِنِّيْ أَشْفَعُ لِمَنْ يَمُوْتُ بِهَا۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ إِسْنَادًا)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص مدینہ میں مر سکتا ہو اسے مدینہ ہی میں مرنا چاہئے کیونکہ جو شخص مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔" (احمد، ترمذی)

توضیح: "**فلیمت بها**" موت تو کسی کے اختیار میں نہیں ہوتی مگر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جتنا ممکن ہو سکے آدمی وہاں کی موت کی تمنا کرے اس کے لئے دعا کرے اور جتنا ہو سکے اس کے لئے اسباب مہیا کرے۔[4]

"**اشفع**" حضور اکرم کی شفاعت تو تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے لہذا یہاں شفاعت سے خاص شفاعت مراد ہے گویا ایسے شخص کی شفاعت کی گارنٹی کی بات ہے عام بات نہیں یوں سمجھ لیں اس شخص کو شفاعت کی سند مل گئی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کی بڑی شان ہے اور اس میں مرنے کی سعادت بہت بڑی سعادت ہے اسی لئے

[1] المرقات: ۵/۶۲۹ [2] المرقات: ۵/۶۲۸ [3] اخرجه احمد: ۲/۷۴ والترمذی: ۵/۷۳۹ [4] المرقات: ۵/۶۲۹

حضرت عمر فاروق کی یہ دعا وتمنا تھی "اللهم ارزقني شهادة في سبيلك واجعل موتي في بلد رسولك"۔[1]

شہر مدینہ کی عمر تمام شہروں سے لمبی ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آخِرُ قَرْيَةٍ مِنْ قُرَى الْإِسْلَامِ خَرَاباً الْمَدِينَةُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ویران واجاڑ ہونے والے اسلامی شہروں میں سب سے آخری نمبر مدینہ کا ہوگا" امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: "خراباً" مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب جب کائنات میں ٹوٹ پھوٹ شروع ہوگی تو دنیا کے تمام بڑے چھوٹے شہر ویران اور فنا ہوجائیں گے سب سے آخر میں فنا کا دور مدینہ منورہ پر آجائے گا یہ عظمت اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کی برکت سے ملی ہے۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے لئے مدینہ کا انتخاب

﴿۲۵﴾ وَعَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ أَوْحَى إِلَيَّ أَيَّ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَةِ نَزَلْتَ فَهِيَ دَارُ هِجْرَتِكَ الْمَدِينَةِ أَوِ الْبَحْرَيْنِ أَوْ قِنَّسْرِينَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت جریر بن عبداللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے مطلع فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تینوں شہروں ① مدینہ ② بحرین ③ قنسرین۔ میں سے جس شہر اتریں گے وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دار الہجرت (ہجرت کا مکان) ہوگا" (ترمذی)

توضیح: "اوحی" یعنی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے مطلع کیا کہ ان تین شہروں میں سے جس کو بھی آپ اختیار کروگے اور ہجرت کر کے وہاں اتروگے تو وہی آپ کی ہجرت گاہ ہوگی ان میں سے ایک بحرین ہے یاد رہے موجودہ بحرین متعدد جزیروں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جو خلیج عربی کے جنوب مغربی گوشے میں واقع ہے ان جزیروں میں سب سے بڑا جزیرہ منامہ ہے جس کا دوسرا نام بحرین ہے اسی جزیرہ کے نام سے پورے ملک کا نام بحرین ہے علماء نے لکھا ہے کہ زیر بحث حدیث میں اور دیگر تاریخ کی کتابوں میں بحرین کا یہ لفظ اس علاقہ پر بولا گیا ہے جو جزیرۃ العرب کے مشرقی ساحل پر خلیج بصرہ سے لیکر قطر اور عمان تک پھیلا ہوا ہے جو موجودہ بحرین کے مغرب میں واقع ہے آج کل اس علاقہ کو "احساء" کہتے ہیں زیر بحث حدیث میں بحرین سے مراد یہی احساء ہے جو حکومت کے تحت بڑا شہر ہے۔[5]

---

[1] المرقات: ۵/۴۲۹، ۵/۴۳۰ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۷۲۰ [3] المرقات: ۵/۶۳۰ [4] اخرجه الترمذی: ۵/۷۲۰ [5] المرقات: ۵/۶۳۰

"قنسرین" ملک شام کے ایک بڑے شہر کا نام ہے تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر ملک شام میں بڑا مقدس شہر سمجھا جاتا تھا جب صحابہ نے اس کو فتح کرلیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور سب کو اندازہ ہوگیا کہ اب پورا شام ہاتھ میں آنے والا ہے۔ تاریخ مدینہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو یہ اختیار ابتدا میں دیا گیا تھا بعد میں مدینہ ہی کو ہجرت کے لئے متعین کردیا گیا۔ [1]

الفصل الثالث

مدینہ منورہ دجال کے خوف سے محفوظ رہیگا

﴿۲۶﴾ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ رُعْبُ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [2]

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "مدینہ میں کانے دجال کا خوف بھی داخل نہیں ہوگا، اس دن (جبکہ کانا دجال نمودار ہوگا) مدینہ کے سات دروازے (یعنی سات راستے) ہوں گے اور ہر دروازہ (یعنی ہر راستہ) پر (دائیں بائیں) دو فرشتے (مدینہ کی حفاظت پر مامور) ہوں گے۔" (بخاری)

مدینہ میں برکت کے لئے آنحضرت کی دعا

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَيْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (بطور دعا) فرمایا "اے اللہ! مدینہ کو اس برکت سے دوگنی برکت عطا فرما جو تو نے مکہ کو عطا کی ہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "ضعفی" مطلب یہ کہ مکہ میں جو برکات ہیں اے اللہ مدینہ میں اس کا دوگنا عطا فرما۔ [4]

یہ حدیث امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے وہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے کیونکہ حضور اکرم کی دعا مقبول ہے جمہور امت کے نزدیک مکہ افضل ہے کیونکہ حسنات کے اعتبار سے مکہ کو سبقت حاصل ہے لیکن علماء نے لکھا ہے کہ مدینہ میں حضور اکرم ﷺ کا جسد مبارک روضہ کے جس حصہ سے پیوست ہے وہ حصۂ زمین مکہ سے کیا بلکہ عرش سے بھی افضل ہے اسی طرح مرقات وغیرہ کتابوں میں لکھا ہے اور اسی طرح ہم نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے۔

---

[1] المرقات: ۵/۶۳۰ [2] اخرجه البخاري: ۳/۲۸

[3] اخرجه البخاري: ۳/۲۹ ومسلم: ۱/۵۷۲ [4] المرقات: ۵/۶۳۱

مدینہ میں سکونت اختیار کرنے کی فضیلت

﴿۲۸﴾ وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ آلِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَارَنِي مُتَعَمِّداً كَانَ فِي جِوَارِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَكَنَ الْمَدِينَةَ وَصَبَرَ عَلَى بَلَائِهَا كُنْتُ لَهُ شَهِيداً وَشَفِيعاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ مِنَ الْآمِنِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[1]

ترجمہ: اور خطّاب کے خاندان کا ایک شخص ناقل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص بالقصد میری زیارت کرے گا وہ قیامت کے دن میرا ہمسایہ اور میری پناہ میں ہوگا، جس شخص نے مدینہ میں سکونت اختیار کر کے اس کی سختیوں پر صبر کیا، قیامت کے دن میں اس (کی اطاعت) کا گواہ بنوں گا اور اس (کے گناہوں کی بخشش کے لئے) شفاعت کروں گا، او. جو شخص حرمین (یعنی مکہ اور مدینہ) میں سے کسی ایک میں مرے گا قیامت کے دن اسے اللہ تعالیٰ امن والوں میں اٹھائے گا (یعنی قیامت کے دن عذاب کے خوف سے مامون رہے گا)

توضیح: ''متعمداً'' یعنی قصد وارادہ کر کے حضور اکرم کی زیارت کی غرض سے مدینہ کا سفر کیا کوئی تجارت یار یا کاری وغیرہ مطلوب نہ ہو علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص حج کے لئے جاتا ہے پھر زیارت بھی ہوتی ہے یہ قصد وارادہ کی زیارت نہیں ہے اصل زیارت وہ ہے کہ صرف مدینہ شریف میں آنحضرت کی زیارت کی غرض سے سفر کیا جائے۔[2]

''جوار'' پڑوس کے معنی میں ہے یعنی جنت میں میرے پڑوس میں ہوگا۔ ''شھیداً'' یعنی اس شخص کی اطاعت وفرمانبرداری پر گواہ بنوں گا۔

''احدالحرمین'' یعنی مکہ یا مدینہ میں کوئی حاجی یا معتمر یا وہاں کا باشندہ مرتا ہے تو وہ قیامت کے روز ہر فکر وغم سے امن میں رہیگا بشرطیکہ مومن ہو۔[3]

روضۂ اطہر کی زیارت کی فضیلت

﴿۲۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوعاً مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي۔

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بطریق مرفوع (یعنی آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی) نقل کرتے ہیں کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) ''جس شخص نے حج کیا اور پھر میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ اس شخص کی مانند ہوگا جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔'' (یہ دونوں روایتیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں)۔

[1] اخرجه البهقي: ۳/۴۸۸ [2] المرقات: ۵/۶۳۱ [3] المرقات: ۵/۶۳۰ [4] اخرجه البهقي: ۳/۴۸۸

توضیح: "فی حیاتی" وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کو کامل اکمل حیات حاصل ہے اس لئے جس نے وفات کے بعد آپ کی قبر کی زیارت کی گویا اس نے زندگی میں آپ کی زیارت کی یہی حیات النبی کا مطلب ہے۔[1]
ایک روایت میں ہے کہ جو شخص میری قبر کی زیارت کرتا ہے اس کے لئے میری شفاعت واجب اور لازم ہو جاتی ہے۔
ایک اور روایت میں ہے کہ جس شخص نے حج کیا اور میری قبر کی زیارت نہیں کی اس نے میرے ساتھ بیوفائی کی، اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے مکہ یعنی حج کا قصد کیا اور پھر میری زیارت اور میری مسجد میں حاضری کا قصد کیا تو اس کے لئے دو مقبول حج لکھے جاتے ہیں توضیحات جلد دوم باب التشہد میں حیات النبی ﷺ کی تفصیل ملاحظہ۔

مدینہ منورہ آنحضرت ﷺ کی نظر میں

﴿۳۰﴾ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا وَقَبْرٌ يُحْفَرُ بِالْمَدِينَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِي الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَمَا قُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ إِنِّي لَمْ أُرِدْ هٰذَا إِنَّمَا أَرَدْتُ الْقَتْلَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مِثْلَ الْقَتْلِ فِي سَبِيلِ اللهِ مَا عَلَى الْأَرْضِ بُقْعَةٌ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَكُونَ قَبْرِي بِهَا مِنْهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا)[2]

ترجمہ: اور حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک دن) مدینہ میں ایک قبر کھودی جارہی تھی اور رسول کریم ﷺ بھی وہاں تشریف فرما تھے، ایک شخص نے قبر میں جھانکا اور کہنے لگا کہ (یہ) قبر مومن کے لئے بُری خوابگاہ ہے، رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "بُری تو وہ چیز ہے جو تم نے کہی ہے" اس شخص نے عرض کیا کہ "میرا منشاء یہ نہیں تھا بلکہ اس بات سے میرا مطلب اللہ کی راہ میں شہید ہونے (کی فضیلت) کو ظاہر کرنا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "(ہاں یہ بات توصیح ہے کہ) اللہ کی راہ میں شہید ہونے سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے لیکن (یہ بات بھی ہے کہ) روئے زمین کا کوئی بھی ٹکڑا ایسا نہیں ہے جس میں میری قبر بنے اور وہ مجھے مدینہ سے زیادہ محبوب ہو۔" آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔" (اس روایت کو امام مالک رحمہ اللہ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔)

توضیح: "بئس مضجع المؤمن" اس شخص نے کہا کہ قبر مؤمن کے لئے بُری خواب گاہ ہے اس مطلق اطلاق میں مؤمن کی وہ قبر بھی آگئی جو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہوتی ہے اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے ناراضگی کا اظہار فرما کر فرمایا کہ تم نے بہت ہی بری بات کہدی ہے کیونکہ قبر مؤمن کے لئے جنت ہے اس پر اس شخص نے وضاحت کی کہ میرا مقصد یہ تھا کہ یہ شخص مدینہ کے اندر اپنی طبعی موت پر مر کر قبر میں دفن ہو گیا اس کے بجائے اگر وہ شہید ہو جاتا اور ان کی قبر باہر کسی جگہ میں شہید کی قبر بن جاتی تو اچھا ہوتا اس پر حضور اکرم ﷺ نے اس شخص کی بات کی تحسین فرمائی کہ

[1] المرقات: ۵/۶۳۲ [2] اخرجہ مالک: ۲/۴۶۲

ہاں یہ بات صحیح ہے کہ فی سبیل اللہ میں قتل ہونے سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے لیکن یہ بات بھی تو ہے کہ پوری دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ اس میں میری قبر بنے اور وہ مدینہ سے زیادہ محبوب ہو، آنحضرت نے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا اس کلام سے آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں موت آنے اور مدینہ میں دفن ہونے کی فضیلت ظاہر فرمائی حضرت ابوسفیان بن حارث نے آنحضرت کی وفات پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس طرح تعزیت کی [۱]

اَفَاطِمَ اِنْ جَزِعْتِ فَذَاكَ عُذْرٌ وَاِنْ لَمْ تَجْزَعِيْ ذَاكَ السَّبِيْلُ

فَقَبْرُ اَبِيْكِ سَيِّدُ كُلِّ قَبْرٍ وَفِيْهِ سَيِّدُ النَّاسِ الرَّسُوْلُ

وادی عقیق کی فضیلت

﴿۳۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِوَادِي الْعَقِيْقِ يَقُوْلُ اَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِنْ رَبِّيْ فَقَالَ صَلِّ فِيْ هٰذَا الْوَادِي الْمُبَارَكِ وَقُلْ عُمْرَةٌ فِيْ حَجَّةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَقُلْ عُمْرَةٌ وَحَجَّةٌ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے وادی عقیق میں (جو مدینہ کا ایک جنگل ہے) رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''آج کی رات میرے پروردگار کی طرف سے ایک آنے والا (یعنی فرشتہ) میرے پاس آیا اور کہا کہ اس مبارک وادی میں نماز پڑھئے اور وہ عمرہ کہئے جو حج کے ساتھ ہوتا ہے۔'' اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''اور عمرہ وحج کہئے'' (یعنی اس وادی میں نماز پڑھنا حج وعمرہ کے برابر ہے)۔ (بخاری)

توضیح: ''اتانی آت'' اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے گذشتہ رات اس طرح خواب آیا، اور ظاہر ہے کہ انبیاء کرام کا خواب وحی کے حکم میں ہوتا ہے تو وادی عقیق کی فضیلت ظاہر ہوگئی اگر آنحضرت بیداری میں اسی طرح عمل کرتے تو اس کا بھی یہی حکم تھا جو خواب میں آپ نے عمل کیا۔ وادی عقیق مسجد نبوی سے احد اور خندق کی جانب ایک وادی کا نام ہے جو بہت مبارک ہے۔

آنحضرت ﷺ کو جبریل امین نے حکم دیا کہ اس وادی میں نماز پڑھ لیجئے اور پھر اس نماز کو عمرہ اور حج کے برابر شمار کیجئے عربی کلام میں ''قل'' کبھی کبھی افعل کے معنی میں آتا ہے یہاں افعل کے معنی میں ہیں کہ دو رکعت نماز پڑھ لیجئے اور اس کو عمرہ اور حج کے برابر شمار کیجئے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ وادی عقیق میں نماز پڑھنے کی حکمت مفوض الی الشارع ہے نیز حضور اکرم کو اگرچہ جبریل نے نماز پڑھنے کا حکم دیا لیکن اس کے بعد خواص وعوام کو کچھ بھی پتہ نہیں کہ یہ نماز پڑھنے کی جگہ ہے اور اس کی فضیلت ہے کسی نے اس پر عمل نہیں کیا اور نہ باقی مقامات کی طرح یہ جگہ زیارت گاہ بنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل

[۱] المرقات: ۵/۶۳۲ [۲] اخرجہ مالک: ۲/۴۶۲

آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت تھی۔ اس حدیث کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے اور شارحین نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اور حدیث کا سیاق وسباق بھی اس کی تائید کرتا ہے وہ یہ کہ جبریل امین نے آنحضرت کو حجِ قران کا اشارہ کیا ہے کہ عمرہ وحج کی نیت ایک ساتھ کریں اور یہی قِران ہے جو احناف کے نزدیک افضل ہے اس سے پہلے آنحضرت ﷺ نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ یا مفرد ہیں یا متمتع ہیں۔ [۱]

گلہائے عقیدت ومحبت

چونکہ مدینہ منورہ کے فضائل اور روضۂ رسول پر حاضری سے متعلق احادیث کی توضیح وتشریح یہاں مکمل ہوگئی اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حبیب کبریا ﷺ اور دیار حبیب سے متعلق چند ابیات بصورت گلہائے عقیدت پیش کیا جائے۔

حرم مدینہ میں گنبد خضراء کے سامنے

حضرت مولانا مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

پھر پیش نظر گنبد خضراء ہے حرم ہے — پھر نامِ خدا روضۂ جنت میں قدم ہے
یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے — پھر شکرِ خدا سامنے محراب نبی ﷺ ہے
پھر سر ہے مرا اور تیرا نقش قدم ہے — محرابِ نبی ہے کہ کوئی طور تجلّی
دل شوق سے لبریز ہے اور آنکھ بھی نم ہے — یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے
پھر منت دربان کا اعزاز ملا ہے — اب ڈر ہے کسی کا نہ کسی چیز کا غم ہے
یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے — پھر بارگاہِ سیدِ کونین میں پہنچا
یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے — یہ ذرۂ ناچیز ہے خورشید بداماں
دیکھ ان کے غلاموں کا بھی کیا جاہ وحشم ہے — یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے
ہر موئے بدن بھی جو زبان بن کے کرے شکر — کم ہے بخدا ان کی عنایات سے کم ہے
یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے — رگ رگ میں محبت ہو رسول عربی کی
جنت کے خزائن کی یہی بیع سلم ہے — وہ رحمت عالم ہے شہ اسود و احمر
وہ سید کونین ہے آقائے امم ہے — یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے

[۱] المرقات: ۵/۶۳۴

وہ عالم توحید کا مظہر ہے کہ جس میں مشرق ہے نہ مغرب ہے عرب ہے نہ عجم ہے
دل نعت رسولِ عربی کہنے کو بے چین عالم ہے تحیر کا زبان ہے نہ قلم ہے
یہ ان کا کرم ان کا کرم ان کا کرم ہے

عشق نبی عظمت آدم کا نشان ہے

زکی کیفی

پھر سوئے حرم یہ دلِ شوریدہ رواں ہے پھر ہر غمِ ہستی سے حفاظت ہے اماں ہے
پھر سایہ میں ہم روضۂ اطہر کے رہیں گے دیکھیں گے تجھے تو غمِ ایام کہاں ہے
انوار ہی انوار ! تجلّی ہی تجلّی ! گلیوں میں مدینے کی بہشتیوں کا سماں ہے
اِک عالم حیرت میں نظر کھوئی ہوئی ہے جلوے ہیں مگر طاقت دیدار کہاں ہے
کانٹے بھی عرب کے گُل ولالہ سے حسیں ہیں ذروں پہ چمکتے ہوئے سورج کا گماں ہے
جن نام کے صدقے میں ملی دولتِ کونین وہ نام مِرے صلِّ علیٰ وردِ زباں ہے
ہے گرمی بازار محبت ترے دم تک تو عشق نبی ﷺ! عظمت آدم کا نشاں ہے
کیفی ! میں درِ شافع محشر کا گدا ہوں کیا غم ہے گناہوں کا اگر بارگراں ہے؟

مولانا منظور احمد صاحب دامت برکاتہم استاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس۔

نعت النبی ﷺ

سرکارِ دو عالم کے رخ پر انوار کا عالم کیا ہوگا جب زلف کا ذکر ہے قرآن میں رخسار کا عالم کیا ہوگا
معراج کی شب جب اللہ نے محبوب کو اپنے بلوایا سوچو تو سہی ان دونوں میں گفتار کا عالم کیا ہوگا
بُوبکر و عمر، عثمان و علی ہیں اور سارے صحابہ دوزانوں جب بیٹھتے ہونگے مجلس میں، سردار کا عالم کیا ہوگا
کھائی قسم خود قرآں نے اصحاب کے دوڑتے گھوڑوں کی اصحاب کا جب یہ عالم ہو سرکار کا عالم کیا ہوگا
کہتے ہیں عرب کے ذروں پر انوار کی بارش ہوتی ہے اے ظفر نہ جانے طیبہ کے گلزار کا عالم کیا ہوگا

یہ نعتیہ کلام علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو انہوں نے روضۂ اطہر کے سامنے فرمایا تھا۔

آدم کے لئے فخر یہ عالی نسبی ہے | مکی مدنی ہاشمی و مطلبی ہے
پاکیزہ تر از عرش و سما جنتِ فردوس | آرام گاہ پاک رسولِ عربی ﷺ ہے
آہستہ قدم نیچی نگاہ ، پست صدا ہو | خوابیدہ یہاں روحِ رسولِ عربی ﷺ ہے
اے زائر بیتِ نبوی یاد رہے یہ | بے قاعدہ یہاں جنبشِ لب بے ادبی ہے
کیا شان ہے اللہ رے محبوب نبی ﷺ کی | محبوب خدا ہے وہ ، جو محبوب نبی ﷺ ہے
بجھ جائے ترے چھینٹوں سے اے ابرِ کرم آج | جو آگ میرے سینے میں مدت سے لگی ہے

سوئے حرم

اقبال عظیم

سجدیں جبیں جبیں ہیں ، دعائیں زباں زباں | سوئے حرم چلے ہیں مسافر کشاں کشاں
احساس معصیت سے ہے لرزاں بدن بدن | اور چشمِ شرمسار سے آنسو رواں رواں
طے ہو رہی ہے راہِ طلب یوں قدم قدم | شاداں عیاں عیاں ہیں ، پشیماں نہاں نہاں
جلوے فلک فلک ہیں ، اجالے فضا فضا | چمکا ہے آفتابِ رسالت کہاں کہاں
پھوٹی وہیں وہیں سے تجلی کرن کرن | لوحِ جبین پاک جھکی ہے جہاں جہاں
مانو تو ہر صدائے مؤذن ہے اک پیام | سمجھو تو ہے ندائے محمد ﷺ اذاں اذاں
گزرے جو ہم مدینے کی گلیوں سے یوں لگا | خوشبو چمن چمن ہے ، بہاریں جناں جناں
بیٹھا ہے آستانے پہ اقبال گو خموش | برپا ہے دل میں ایک طلاطم نہاں نہاں

اقبال عظیم

مدینہ کا سفر ہے اور میں نمدیدہ نمدیدہ | جبیں افسردہ افسردہ ، قدم لغزیدہ لغزیدہ
چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانب طیبہ | نظر شرمندہ شرمندہ ، بدن لرزیدہ لرزیدہ

کسی کے ہاتھ نے مجھکو سہارا دیدیا ورنہ
کہاں میں اور کہاں یہ راستہ پیچیدہ پیچیدہ
کہاں میں اور کہاں اس روضہ اقدس کا نظارہ
نظر اس سمت اٹھتی ہے، مگر دزدیدہ دزدیدہ
غلامانِ محمد ﷺ دور سے پہچانے جاتے ہیں
دل گرویدہ گرویدہ، سرشوریدہ شوریدہ
مدینہ جاکے ہم سمجھے تقدس کس کو کہتے ہیں
ہوا پاکیزہ پاکیزہ، فضاء سنجیدہ سنجیدہ
بصارت کھوگئی لیکن بصیرت تو سلامت ہو
مدینہ ہم نے دیکھا ہے مگر نادیدہ نادیدہ
وہی اقبال جس کو ناز تھا کل خوش مزاجی پر
فراقِ طیبہ میں رہتا ہے اب رنجیدہ رنجیدہ

میں تو اس قابل نہ تھا

۱۴۰۹ھ میں حج بیت اللہ شریف سے فراغت کے بعد کچھ اشعار حرمِ پاک میں اور کچھ جدہ میں ہوئے۔

نفیسؔ

شکر ہے تیرا خدایا، میں تو اس قابل نہ تھا
تو نے اپنے گھر بلایا، میں تو اس قابل نہ تھا
اپنا دیوانہ بنایا، میں تو اس قابل نہ تھا
گرد کعبے کے پھرایا، میں تو اس قابل نہ تھا
مدّتوں کی پیاس کو سیراب تو نے کر دیا
جام زمزم کا پلایا، میں تو اس قابل نہ تھا
ڈال دی ٹھنڈک مرے سینے میں تو نے ساقیا
اپنے سینے سے لگایا، میں تو اس قابل نہ تھا
بھا گیا میری زبان کو ذکر الاّ اللہ کا
یہ سبق کس نے پڑھایا، میں تو اس قابل نہ تھا
خاص اپنے در کا رکھا تو نے اے مولا مجھے
یوں نہیں دَر دَر پھرایا، میں تو اس قابل نہ تھا
میری کوتاہی کہ تیری یاد سے غافل رہا
پَر نہیں تو نے بھلایا، میں تو اس قابل نہ تھا
میں کہ تھا بے راہ تو نے دستگیری آپ کی
تو ہی مجھ کو رہ پہ لایا، میں تو اس قابل نہ تھا
عہد جو روزِ ازل تجھ سے کیا تھا یاد ہے
عہد وہ کس نے نبھایا، میں تو اس قابل نہ تھا
تیری رحمت، تیری شفقت سے ہوا مجھ کو نصیب
گنبدِ خضراء کا سایا، میں تو اس قابل نہ تھا
میں نے جو دیکھا سو دیکھا جلوہ گاہِ قُدس میں
اور جو پایا سو پایا، میں تو اس قابل نہ تھا
بارگاہِ سیدکونین ﷺ میں آکر نفیسؔ
سوچتا ہوں، کیسے آیا؟ میں تو اس قابل نہ تھا

(۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹ء)

مجاہد کبیر عاشق رسول پشتو زبان کے مشہور مداح رسول ﷺ حاجی ترنگزئی رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق خاص حاجی محمد امین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

❶ زکیه ستر کے لکوه ده قدم لاره نه ده حضرت پرے ایخی قدمونه دومره خواره نه ده

ترجمہ: اے دل آنکھیں بچھا کر چلو مدینہ پاؤں رکھ کر چلنے کی جگہ نہیں ہے کیونکہ محبوب خدا نے اس پر قدم رکھے ہیں کوئی معمولی جگہ نہیں ہے۔

❷ چه ده حرم په زمکه کدے قدم او ستر کے نکدے زره دے زخمی نه دے سینه دے هم بیمار نه ده

ترجمہ: جب تم حرم مدینہ کی زمین پر آنکھوں کے بجائے قدم رکھ کر چلتے ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تیرا دل نہ زخمی ہے اور نہ سینہ میں درد ہے۔

❸ دا مخامخ قُبه چه بنکاری زرغونه ده محبوب مانرئے ده عرش د دینه لوره او نامداره نه ده

ترجمہ: یہ سامنے محبوب خدا کا جو سبز گنبد نظر آرہا ہے اس سے عرش کا گنبد نہ زیادہ بلند ہے اور نہ زیادہ نامور ہے۔

❹ دغه پنحه منارے بنکلے ده محبوب ده خرم یوه هم کمه ده فردوس له لُور مناره نه ده

ترجمہ: محبوب خدا کے حرم کے یہ جو پانچ خوبصورت مینار ہیں اس میں سے کوئی بھی جنت فردوس کے بلند مینار سے کم نہیں ہے۔

❺ اوس به په باب السلام ورشو ده محبوب روضے له جولئے خالی راورے چا ده دے درباره نه ده

ترجمہ: اب آیئے باب السلام سے ہو کر محبوب خدا کے روضہ پر چلیں کیونکہ اس دربار سے کوئی شخص خالی ہاتھ لوٹ کر نہیں آیا ہے۔

❻ دیر په ادب او هوش ولاریم د محبوب روضے ته مینه ده هیخ عاشق ده دے درده قراره نه ده

ترجمہ: اب میں محبوب خدا کے روضہ کے سامنے انتہائی ادب واحترام کے ساتھ کھڑا ہوں کیونکہ ہر عاشق کی محبت اس درد سے بے قرار ہے۔

❼ سلام ده محمد امین عرض کرئے په درده محبوب بے دموالیٰ نه مِ سپارلے دغه چاره نه ده

ترجمہ: محمد امین کا سلام محبوب کے روضہ پر پہنچا دو میں نے اس آرزو کو اپنے رب ہی پر چھوڑ رکھا ہے وہ اسے پورا کریگا۔

یارب صل وسلم دائما ابداً علی حبیبك خیرالخلق کلهم

مورخہ ۲۷ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

کتاب البیوع

بیوعات کے بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یٰۤاَیُّهَا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا﴾[1]

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یا ایھا الذین امنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم﴾[2]

اسلام میں خرید وفروخت کا تصور

اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کی عملی زندگی کے دو محور اور دو بنیاد ہیں ① پہلی بنیاد حقوق اللہ ہیں جسے عبادات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ② دوسری بنیاد حقوق العباد ہیں جسے معاملات و بیوعات کہا جاتا ہے چونکہ حقوق اللہ کا تعلق کائناتِ انسانی میں ہر فرد و بشر سے ہے اس لئے اس عموم کی وجہ سے اس کو مقدم کیا جاتا ہے اور حقوق العباد کا دائرہ چونکہ اتنا عام نہیں ہے اس لئے اس کو مؤخر کیا جاتا ہے بعض محدثین نے کتاب النکاح اور اس کے ابواب کو کتاب البیوع پر مقدم کیا ہے اور فقہاء کرام کا بھی یہی طرز وطریقہ ہے لیکن بعض محدثین نے بیوعات کو مقدم رکھا ہے جیسا کہ صاحب مشکوۃ کا طرز وطریقہ ہے اس لئے آپ نے کتاب البیوع یہاں رکھا ہے۔[3]

بیع وشراء کے ساتھ انسانی بقاء کا گہرا تعلق ہے اس لئے کہ انسان مدنی الطبع ہے یہ شہریت اور دیگر انسانوں سے میل جول رکھنے کی طرف محتاج ہے اور اس میں مختلف چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے اب اگر بیع وشراء مشروع اور جائز نہ ہوجائے تو اشیاء ضروریہ کو انسان اپنی ضرورت کے مطابق کسی سے چھین لیا کریگا جس میں ظلم وفساد ہے اور یا سوال کریگا جس میں شرافت کی تذلیل ہے اور یا صبر کریگا جس میں انسان کی ہلاکت کا خطرہ ہے کیونکہ سخت بھوک میں جب خوراک نہیں خریدیگا یا سخت سردی میں کپڑا نہیں خریدیگا تو مرجائے گا اس لئے اسلام نے انسانی بقاء کی خاطر بیع وشراء کو جائز بلکہ مامور بہ قرار دیا ہے اور یہ بیع وشراء اور معاملات انسان کے معیار معلوم کرنے اور اس کے جانچنے کے لئے ایک کسوٹی ہے کیونکہ انسان کے صدق ودیانت اور کھرے کھوٹے ہونے کا پتہ معاملات ہی سے چلتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ کسی نے حضرت عمر فاروق کے سامنے ایک شخص کی تعریف کی تو حضرت عمر فاروق نے پوچھا کہ کیا کبھی ان سے معاملات میں واسطہ پڑا ہے اس نے کہا کہ معاملات میں تو واسطہ نہیں پڑا ہے مگر وہ اچھا آدمی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ان سے معاملات میں واسطہ

[1] سورۃ مومنون: ۵۱ [2] سورۃ نساء: ۲۹ [3] المرقات: ۶/۵

نہیں پڑا ہے پھر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ اچھا آدمی ہے کیونکہ اچھائی کا فیصلہ انسان کے معاملات پر کیا جاتا ہے۔

بہر حال انسان کے معاملات جب درست ہو جائیں تو اس کا پورا نظام درست ہو جاتا ہے کیونکہ جب وہ حلال ذریعہ سے مال حاصل کریگا اور پیٹ میں حلال جائے گا تو اس کی نگاہ و فکر اور اس کی زبان و دماغ اور اس کے ظاہری اعضاء کے تمام حرکات وسکنات درست ہو جاتے ہیں لیکن اگر اسی انسان کے پیٹ میں حرام چلا جائے تو اس کا باطنی اور ظاہری نظام تباہ ہو کر رہ جائے گا نہ ان کی نگاہ پاک ہوگی نہ زبان قابو میں ہوگی اور نہ اس کی سوچ و فکر صحیح ہوگی اور نہ اس کے ہاتھ پاؤں کی حرکات سکنات صحیح ہونگی۔

میں نے مشکوٰۃ شریف پڑھنے کے زمانے میں دیکھا کہ مسجد میں نماز کے انتظار میں صف میں بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے شخص نے دوسرے بوڑھے کو تھپڑ مارا تو ہمارے استاد محترم حضرت مولانا فضل محمد صاحب سواتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بوڑھے عصا کے سہارے مشکل سے مسجد میں آتے ہیں یہ خود کسی کو کہاں مار سکتے ہیں بلکہ درحقیقت ان کے پیٹ میں حرام غذا پہنچ گئی ہے وہ اندر سے شرارت کرا رہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے تصوف میں کوئی کتاب لکھی ہے؟

آپ نے جواب میں فرمایا ہاں میں نے جامع صغیر کی کتاب البیوع تصوف میں لکھی ہے مطلب یہ تھا کہ جس شخص کے تمام معاملات درست ہو جائیں وہ سب سے بڑا صوفی ہے۔

اس پس منظر کو آپ یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ مثلاً ایک گاڑی ہے اس کی ٹینکی میں آپ نے پیٹرول کے ساتھ ساتھ کچھ پانی اور کچرہ بھی بھر دیا اب یہ گاڑی کبھی بھی اپنی رفتار کو برقرار نہیں رکھ سکتی ہے وہ شور کریگی قلابازیاں کھائے گی رکے گی پھر چلے گی پھر خراب ہو جائے گی بالکل اسی طرح انسان کا پیٹ ہے اس میں غلط غذا جائے گی تو انسان کا جسمانی ڈھانچہ متوازن نہیں رہ سکے گا۔

بہر حال اسلام اقتصادیات کو انسانی ضروریات کا حصہ تصور کرتا ہے لیکن اقتصادیات کو زندگی کا اصل مقصد نہیں سمجھتا اور نہ زندگی کا اصل مقصد بناتا ہے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام اقتصادیات کو انسانی زندگی کا اصل نصب العین سمجھتا ہے اور اسکو انسانی زندگی کا محور بناتا ہے گویا سرمایہ دارانہ نظام معاشیات کو ایمانیات پر مقدم سمجھتا ہے اور اسلام ایمانیات کو معاشیات پر مقدم سمجھتا ہے۔

اسلام اور سرمایہ دارانہ نظام میں دوسرا فرق یہ ہے کہ اسلام ذاتی ملکیت کا قائل ہے لیکن اس میں تصرف کرنے میں شرائط اور قواعد وضوابط رکھتا ہے تاکہ سرمایہ صالح بن جائے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام اگرچہ ذاتی ملکیت کا قائل ہے مگر اس میں کسی قاعدہ وقانون کا پابند نہیں بلکہ اپنی من مانی کرنے کا قائل ہے رہ گیا سوشلزم اور کمیونزم کا نظام تو وہ کسی ذاتی ملکیت کا قائل نہیں ہے اس طرح اسلام کا نظام افراط وتفریط سے پاک مساوات اور عدل اور اعتدال پر قائم ہے۔

بیع کی تعریف:

بیوع جمع ہے اس کا مفرد بیع ہے بیع کا لفظ اضداد میں سے ہے اس کا اطلاق خریدنے پر بھی ہوتا ہے اور فروخت کرنے پر بھی ہوتا ہے اسی لئے بیع کا پورا مفہوم اور ترجمہ خرید وفروخت ہے اسی طرح "شراء" کا لفظ بھی اضداد میں سے ہے اس کا اطلاق فروخت کرنے پر بھی ہوتا ہے اور خریدنے پر بھی ہوتا ہے۔

بیع کی شرعی تعریف اس طرح "**البیع ھو مبادلة المال بالمال بالتراضی**" یعنی آپس کی رضامندی سے مال کے بدلے مال کا لینا دینا بیع کہلاتا ہے۔ اگر جانبین میں مال نہ ہو تو بیع جائز نہیں اور اگر جانبین کی رضامندی نہ ہو تب بھی بیع جائز نہیں۔[1]

بیع کی شرعی حیثیت اور اقسام:

اس پر اجماع امت منعقد ہے کہ بیع جائز ہے اور سود حرام ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿**واحل اللہ البیع وحرم الربا**﴾[2] فقہاء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر عاقل بالغ خود مختار آدمی کی بیع صحیح ہے مبیع کی بنیاد تین اشیاء پر قائم ہے ① اول ایجاب وقبول کا معاملہ ہے مثلاً ایک شخص بیچتا ہے دوسرا خریدتا ہے ② دوم بیع کا موجود ہونا ③ سوم ثمن یعنی قیمت ان تین ارکان کی وسعت کی وجہ سے بیع کی اقسام میں وسعت آجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ کتابوں میں البیوع یا البیوعات جمع کا صیغہ ذکر کیا جاتا ہے اور جہاں کتاب البیع مفرد کے لفظ کے ساتھ آیا ہے وہاں جنس مراد ہے جو قلیل وکثیر سب پر بولا جاتا ہے۔

بہر حال ان اقسام کثیرہ میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے تاکہ ایک اجمالی نقشہ قارئین حضرات کے ذہن میں آجائے سب سے پہلے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ بیع کی بڑی قسمیں چار ہیں۔

❶ ''بیع نافذ'' یہ وہ ہوتی جس میں بائع ومشتری اور مبیعہ وثمن کی تمام شرائط پوری ہو جاتی ہوں۔

❷ ''بیع موقوف'' یہ وہ ہے جو مالک کی اجازت پر موقوف ہو۔

❸ ''بیع فاسد'' یہ وہ ہوتی ہے کہ "بِاَصْلِہٖ" تو بیع جائز ہو لیکن "بِوَصْفِہٖ" جائز نہ ہو یعنی کسی خارجی امر کی وجہ سے بیع جائز نہ ہو جیسے سعی الی الجمعۃ کے وقت خرید وفروخت کرنا۔

۴۔ بیع باطل یہ وہ ہوتی ہے جو نہ اصل کے اعتبار سے جائز ہوتی ہے اور نہ وصف کے اعتبار سے جائز ہوتی ہے۔

بہر حال بیوعات کے اقسام کثیرہ کا بیان اس طرح ہے۔

① بیع مطلق ② بیع سلم ③ بیع الصرف ④ بیع المقایضه ⑤ بیع المرابحه ⑥ بیع تولیه ⑦ بیع الوضعیه ⑧ بیع لازم ⑨ بیع بالخیار ⑩ بیع المزابنه ⑪ بیع المحاقله ⑫ بیع العرایا ⑬ بیع المصرات ⑭ بیع ملامسة ⑮ بیع منابذه ⑯ بیع الاقاله ⑰ بیع غرر ⑱ بیع بالسنین

---

[1] المرقات ۶/۵ [2] سورۃ بقرۃ: ۲۷۵

⑲ بیع علی سوم الشراء ⑳ بیع المزایدہ ㉑ بیع حبل الحبلہ ㉒ بیع النجش ㉓ بیع تلقی الرکبان ㉔ بیع حاضر لباد ㉕ بیع الکالی بالکالی ㉖ یع العینہ۔

یہ تمام بیوعات آج کل معاشرہ میں رائج ہیں لیکن لوگ غافل ہیں کتاب البیوع کی احادیث میں ان بیوعات کا ذکر آرہا ہے ساتھ ساتھ تعارف بھی لکھا جائے گا۔

باب الکسب وطلب الحلال

کمائی اور حلال کی تلاش کا بیان

اپنی جان اور اپنی عزت وناموس کی حفاظت کے لئے مال کمانے کی بڑی فضیلت ہے اگر ایک شخص حلال کمانے میں محنت نہیں کرتا تو لامحالہ وہ دوسروں سے سوال کرتا پھریگا یا طمع ولالچ میں زندگی بسر کریگا اس سے بہتر ہے کہ آدمی اپنی قوت بازو سے کمائے خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے کہتے ہیں ایک شخص نے جنگل میں ایک لومڑی کو دیکھا جو چاروں پاؤں سے محروم ایک جگہ پڑی تھی اس شخص نے سوچا کہ اس کے کھانے کا کیا انتظام ہوگا اس نے وہیں بیٹھ کر انتظار کیا کہ اتنے میں ایک شیر منہ میں شکار لئے آگیا کچھ خود کھایا اور بچا ہوا شکار لومڑی کے سامنے ڈالدیا لومڑی نے اسے خوب کھالیا اس شخص نے سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ اس لومڑی کو اس حالت میں کھانا فراہم کرتا ہے تو مجھے بھی فراہم کریگا میں بھی اسی طرح بیٹھ جاتا ہوں چنانچہ وہ وہیں پر بیٹھ گیا کافی وقت گذر گیا مگر کھانا نہیں ملا تو پریشان ہوگیا اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ تم لومڑی کی طرح اپاہج بن کر کیوں بیٹھتے ہو شیر کی طرح کیوں نہیں بنتے ہو کہ خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ بہر حال اگر کسی شخص کے کھانے پینے کا مکمل انتظام ہے تو علماء نے لکھا ہے کہ پھر اس کو کمائی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہئے بلکہ عبادت میں مشغول رہنا چاہئے لیکن اگر انتظام نہیں ہے تو پھر کمانے میں محنت کرنی ضروری ہے۔

الفصل الاول

اپنے ہاتھ کی کمائی سب سے بہتر ہے

﴿۱﴾ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاأَكَلَ أَحَدٌ طَعَاماً قَطُّ خَيْراً مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت مقدام رضی اللہ عنہ ابن معدی کرب کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''کبھی کسی نے اپنے ہاتھ کی محنت کی

[1] اخرجه البخاري: ۳/۷۴

روزی سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داود علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمائی ہوئی روزی کھاتے تھے"۔ (بخاری)

توضیح: "من عمل یدیه" یعنی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے کماتے تھے اور پھر کھاتے تھے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بڑی سلطنت عطا فرمائی تھی آپ ہر روز کسی نہ کسی شخص سے اپنے بارہ میں پوچھتے تھے کہ بتاؤ داؤد کیسا بادشاہ ہے اس کی عادت وسیرت کیسی ہے؟ ایک دن اللہ تعالیٰ نے آدمی کی شکل میں فرشتہ بھیجا اس نے جواب میں فرمایا کہ داؤد بہت اچھا آدمی ہے مگر کاش وہ بیت المال سے وظیفہ لیکر نہ کھاتے اس بات پر حضرت داؤد علیہ السلام کے دل ودماغ میں ایک بجلی سی کوندگئی اور آپ نے عہد کیا کہ آئندہ وظیفہ نہیں لوں گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زرہ سازی کا فن سکھادیا اور ان کے ہاتھوں میں لوہے کو موم کی طرح نرم بنادیا کہتے ہیں کہ وہ ہر روز ایک زرہ تیار کرتے تھے اور پھر چار یا پانچ ہزار میں فروخت کرتے تھے کچھ خود کھاتے تھے اور ماباقی بنی اسرائیل کے فقراء پر تقسیم فرماتے تھے۔[1]

مختلف انبیاء کرام کی آمد کے ذرائع:

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں مختلف انبیاء کرام کے پیشے اس طرح لکھے ہیں۔

① حضرت آدم علیہ السلام کا پیشہ زراعت تھا۔ ② حضرت ادریس علیہ السلام کا پیشہ اور ذریعہ معاش درزی کا کام تھا۔ ③ حضرت نوح علیہ السلام کا پیشہ اور ذریعہ معاش نجاری کا کام تھا۔ ④ حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام دونوں کا پیشہ تجارت تھا۔ ⑤ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیشہ اور ذریعہ معاش کھیتی باڑی تھی۔ ⑥ حضرت لوط علیہ السلام کا بھی یہی پیشہ تھا ⑦ حضرت شعیب علیہ السلام کا پیشہ اور ذریعہ معاش بکریوں کا پالنا تھا۔ ⑧ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیشہ بھی بکریوں کا پالنا تھا۔ ⑨ حضرت داؤد علیہ السلام کا پیشہ زرہ بنانا تھا۔ ⑩ حضرت سلیمان علیہ السلام کا پیشہ ٹوکریاں بنانا تھا۔ ⑪ حضرت پاک محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش جہاد فی سبیل اللہ تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے رزق کو آپ کے نیزے کے نیچے رکھا تھا چنانچہ مدنی دور میں آپ کو یہ روزی عطا کی گئی۔[2]

(تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۲۴۵)

حرام خور کی دعا قبول نہیں ہوتی

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّباً وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ فَقَالَ يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً وَقَالَ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَارَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَارَبِّ يَارَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ

[1] المرقات: ۶/۷ [2] تفسیر عزیزی: ۱/۲۴۵

وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَأَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ (تمام کمی اور عیوب سے) پاک ہے اس پاک ذات کی بارگاہ میں صرف وہی (صدقات واعمال) مقبول ہوتے ہیں جو (شرعی عیوب اور نیت کے فساد سے) پاک ہوں (یادرکھو) اللہ تعالیٰ نے جس چیز (یعنی حلال مال کھانے اور اچھے اعمال) کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے اسی چیز کا حکم تمام مؤمنوں کو بھی دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **یاایھا الذین اٰمنوا کلوا من طیبات مارزقنا کم** (یعنی اے مؤمنو :تم صرف وہی پاک وحلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے) پھر آپ ﷺ نے (بطور مثال) ایک شخص کا حال ذکر کیا کہ وہ طول وطویل سفر اختیار کرتا ہے پراگندہ بال اور غبار آلودہ وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب: اے میرے رب: (یعنی وہ اپنے مقاصد کے لئے دعاء مانگتا ہے) حالانکہ کھانا اس کا حرام، لباس اس کا حرام، (شروع سے اب تک) پرورش اس کی حرام ہی (غذاؤں) سے ہوئی پھر کیونکر اس کی دعاء قبول کی جائے۔ (مسلم)

توضیح: اس حدیث میں پہلے تو حلال کمائی کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء کرام کو بھی اللہ تعالیٰ نے حلال کھانے کمانے کا پابند بنادیا ہے تو مسلمان بھی اس کے پابند ہیں اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اس شخص کی دعا کا ذکر اس طرح کیا کہ مثلاً ایک شخص عابد بھی ہے مسافر بھی ہے طویل سفر میں بڑی مشقت بھی اٹھائی ہے پراگندہ بال اور مجبور بھی ہے نہایت الحاح کے ساتھ گڑگڑا کر دعا بھی مانگتا ہے دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پھیلائے ہوئے ہیں ایسی حالت میں دعا قبول ہونے کی بڑی امید ہوتی ہے لیکن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص کی دعا اس لئے قبول نہیں ہوتی ہے کہ کھانا پینا حرام ہے اور جسم کے اوپر جو کپڑا ہے وہ بھی حرام کا ہے تو اس شخص کی دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے عارفین کا مقولہ ہے کی دعا کے دو پر ہیں وہ اگر ہیں تو دعا اوپر اڑ کر جاتی ہے ایک اکل حلال دوسرا صدق مقال یعنی پیٹ میں حلال ہو اور زبان سچی ہو تو دعا قبول ہوتی ہے ورنہ نہیں[2]

مایقبل اللہ الاکل طیبة — ماکل من حج بیت اللہ مبرور

ونعم ماقیل:

یحجون بالمال الذی یجمعونه — حراماً الی البیت العتیق المحرم

آخر زمانہ میں حلال وحرام کی تمیز ختم ہوجائے گی

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَايُبَالِي الْمَرْءُ مَا

[1] اخرجه المسلم: ۱/۳۰۶ [2] المرقات: ۸،۶/۷

أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو جو مال ملے گا اس کے بارے میں وہ اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام"۔ (بخاری)

توضیح: قرب قیامت کے وقت جہاں دوسرے فتن اور گمراہیاں ہوں گی وہاں یہ گمراہی بھی عروج پر ہوگی کہ لوگ حرام اور حلال کی تمیز کو ختم کردیں گے بس پیسہ چاہئے جہاں سے آئے اور جس طرح آئے۔ جس طرح مزار کے مجاور کے بارے میں کہا گیا ہے۔

اخون له خوبس پئے دخري وي او که دسپئے

یعنی مجاور کے لئے دودھ چاہئے خواہ وہ گدھی کا ہو یا کتیا کا ہو۔

مشتبہ چیزوں سے بھی اجتناب کرنا چاہئے

﴿۴﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيْهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهٗ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "حلال ظاہر ہے، حرام ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے، لہٰذا جس شخص نے مشتبہ چیزوں سے پرہیز کیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو پاک محفوظ کرلیا اور جو شخص مشتبہ چیزوں میں مبتلا ہوا وہ حرام میں مبتلا ہوگیا اور اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو ممنوعہ چراگاہ کی منڈیر پر چراتا ہے اور ہر وقت اس کا امکان رہتا ہے کہ اس کے جانور اس ممنوعہ چراگاہ میں گھس کر چرنے لگیں۔ جان لو: ہر بادشاہ کی ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے اور یاد رکھو: اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چراگاہ حرام چیزیں ہیں اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست حالت میں رہتا ہے (یعنی جب وہ ایمان وعرفان اور یقین کے نور سے منور رہتا ہے تو (اعمال خیر اور حسن اخلاق واحوال کی وجہ سے) پورا جسم درست حالت میں رہتا ہے اور جب اس ٹکڑے میں بگاڑ پیدا ہوجاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔ یاد رکھو: گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے"۔ (بخاری ومسلم)

[1] اخرجه البخاري: ۳/۷۱ [2] اخرجه البخاري: ۱/۲۰ ومسلم: ۱/۳۳۳۰

توضیح: "الحلال بین" وهو الذی توجد فیه دلائل الحل فقط۔

یعنی واضح حلال وہ اشیاء ہیں جن کی حلت پر شریعت کے واضح دلائل موجود ہوں اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہ ہو جیسے نکاح کرنا اور حلال جانور کا گوشت کھانا وقت پر سو جانا اور مخلوق خدا کی خدمت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

"والحرام بین" وهو الذین توجد فیه دلائل الحرمة فقط

یعنی واضح دلائل موجود ہوں اس میں کوئی شک یا شبہ نہ ہو جیسے زنا کرنا چوری کرنا جھوٹ بولنا اور چغلی کھانا وغیرہ۔[1]

"وبینهما مشتبهات" وهی ما تعارضت فیها ادلة الحل والحرمة ولم یتضح وجه الترجیح

یعنی مشتبہات وہ امور ہیں جن میں حل وحرمت کے دونوں پہلو پائے جاتے ہیں مثلاً ایک پہلو کو دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حلال ہے اور اگر دوسرے پہلو کو دیکھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حرام ہے اب اس میں شبہ پیدا ہو گیا جس کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے ہیں اور نہ اس کے بارہ میں کچھ فیصلہ کر سکتے ہیں ہاں جید علماء اور مجتہدین اپنی قوت اختیار سے ایک طرف کو راجح قرار دیکر فیصلہ کر لیتے ہیں یا مثلاً ایسے دلائل ہیں کہ مجتہدین کے اجتہاد کی اس میں گنجائش ہوتی ہے تو ایک مجتہد کے اجتہاد کے پیش نظر وہ اشیاء حلال ہو جاتی ہیں اب اس میں شبہ آ گیا تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو ترک کیا جائے مندرجہ بالا دونوں قاعدوں کی دو مثالیں یوں سمجھیں کہ جیسے ایک شخص کے پاس کچھ روپے حلال کمائی کے ہیں اور کچھ حرام کمائی کے ہیں تو سب سے اجتناب کرنا بہتر ہے۔ یا کسی عورت نے گواہی دیدی کہ میں نے فلاں لڑکے اور لڑکی کو دودھ پلایا ہے لہٰذا ان کا نکاح صحیح نہیں ہے اب ایک طرف سے اس عورت کا کہنا ہے دوسری طرف قاعدہ یہ ہے کہ ایک عورت کی گواہی معتبر نہیں ہے لہٰذا اس کے نکاح میں جائز و ناجائز کا شبہ آ گیا تو ترک کرنا بہتر ہے۔[2]

بہر حال مشتبہ اشیاء کے بارہ میں علماء کے اقوال تین قسم پر ہیں۔

1. مشتبہ اشیاء کو حرام سمجھا جائے صرف حالت اضطرار میں جان بچانے کے لئے استعمال کیا جائے
2. ایسی مشتبہ اشیاء کو مباح سمجھا جائے کہ استعمال کرنا نہ کرنا دونوں جائز ہے۔
3. ایسی مشتبہ اشیاء کو نہ حرام سمجھا جائے نہ حلال سمجھا جائے جس طرح مشتبہ حالت میں ہیں اسی پر چھوڑ دیا جائے۔

ہمارے استاد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن مسلم شریف کے درس میں اس حدیث کی تشریح میں فرمایا کرتے تھے کہ آج کل بین الاقوامی طور پر بیوعات کا پورا نظام فاسد ہے لہٰذا ہم اپنا حلال پیسہ بھی دیکر جس چیز کو خریدیں گے وہ حلال نہیں ہوگا اس لئے حکم یہ ہے کہ جان بچانے کے لئے حالت مخمصہ میں بقدر حاجت کھانا چاہئے اور پھر استغفار کرنا چاہئے۔

حضرت سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس حدیث سے متعلق شاہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ فرمایا کرتے

---

[1] المرقات: ۶/۱۱، ۱۲ [2] المرقات: ۶/۱۲

تھے کہ اگر اس حدیث کی تشریح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا امام احمد بن حنبل فرماتے تو کچھ حق ادا ہوجاتا ہمارے امکان سے بالاتر ہے پھر فرمایا کہ علامہ شوکانی نے اس کی شرح لکھی ہے مگر وہ تنکا ہے تنکا! معالم السنن میں علامہ خطابی نے جو تشریح لکھی ہے اور تقی الدین ابن دقیق العید نے جو تشریح لکھی ہے اور مصباح السیادہ میں اس حدیث کی جو تشریح لکھی گئی ہے اگر وہ سب ملا کر دیکھا جائے تو اس حدیث کا فی الجملہ حق ادا ہوجائے گا۔

بہر حال یہ حدیث امہات اسلام میں سے ہے اگر یہ حدیث اسلام کی بنیادی احادیث میں سے تیسری ہے تو یہ ثلث الاسلام کہلائی جائے گی۔ اور اگر یہ حدیث بنیادی احادیث میں چوتھی ہے تو پھر یہ ربع الاسلام کہلائی جائے گی۔ انما الاعمال الخ اور **من حسن اسلام المرء** الخ اور یہ زیر بحث حدیث اسلام کی بنیادی احادیث میں سے ہیں۔ [۱]

"**کالراعی**" اس حدیث میں مشتبہات کا جو ذکر آگیا تھا اس کی وضاحت کے لئے ایک مثال پیش کی گئی ہے مثلاً کوئی بادشاہ ہے اس کی ایک چراگاہ ہے جو ممنوعہ علاقہ ہے اب جو لوگ اس کے قریب قریب جا کر بکریاں چراتے ہیں تو ممکن ہے کوئی بکری اندر گھس جائے اور نقصان کرے لہٰذا اس طرح شبہ کی جگہ کے قریب بکریاں لیجانا اور چرانا اچھا نہیں بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے احکامات میں سے بعض اشیاء کو حرام قرار دیا ہے تو جو لوگ حیلے بہانے کر کے اس کے قریب قریب گھومتے پھرتے ہیں ان کے لئے خطرہ ہے کہ کہیں وہ لوگ حرام میں واقع نہ ہوں۔ [۲]

"**حمی**" باڑ اور منڈیر کو کہتے ہیں فصل کو جانوروں سے بچانے کے لئے اس کے ارد گرد جو کانٹا دار تار لگایا جاتا ہے اسی کو حمی کہا گیا ہے۔ [۳]

شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی روشنی میں جائز و ناجائز حدود کے پانچ مراحل پر مشتمل ایک ترتیب اس طرح لکھی ہے ① ضرورت ② مباح ③ مکروہ ④ حرام ⑤ کفر فرماتے ہیں کہ جب انسان اپنی بقاء اور اپنی عزت کی حفاظت کی حد تک ضروری اشیاء پر اکتفا کرتا ہے تو وہ ہر فتنہ اور ہر خطرہ سے محفوظ رہتا ہے لیکن اگر انسان اپنی ضروری حد سے تجاوز کر کے آگے گذر جاتا ہے تو وہ حد ضرورت سے حد مباح میں جا کر پڑ جاتا ہے اور لیکن اگر وہ حد اباحت پر بھی قناعت نہیں کرتا تو وہ حد کراہت میں جا کر داخل ہوجاتا ہے اور جب وہ حد کراہت پر بھی قناعت نہیں کرتا اور آگے بڑھ جاتا ہے تو وہ حد حرام میں جا کر داخل ہوجاتا ہے اور جب وہ حد کراہت پر بھی قناعت نہیں کرتا اور آگے بڑھ جاتا ہے تو وہ حد حرام میں جا کر گر جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سے اگلے مرحلے میں وہ حد کفر میں داخل ہوجاتا ہے۔

"**الا وھی القلب**" حدیث کے اس آخری جملہ میں بطور نتیجہ بتایا گیا کہ حرام اور مشتبہ اشیاء کے استعمال سے انسانی جسم کے اندر ایک ٹکڑا ہے وہ متاثر ہوجاتا ہے حرام غذا سے اس پر ظلمت طاری ہوجاتی ہے اور وہ ٹکڑا خراب ہوجاتا ہے وہ پورے جسم کے لئے بمنزلہ پاور ہاؤس ہے اگر وہ خراب ہوگیا تو پورا جسم خراب ہوجائے گا وہ ٹکڑا بمنزلہ بادشاہ ہے اگر بادشاہ کے ارادے اچھے نہیں رہے تو جسم کے کسی بھی عضو کا ارادہ صحیح نہیں رہ سکتا فرمایا وہ دل ہے اس کے احساسات وجذبات اور

---

۱ المرقات: ۶/۱۲ ۲ المرقات: ۶/۱۳ ۳ المرقات: ۶/۱۳

رجحانات سے پورا جسم حرکت کرتا ہے لہٰذا اس کی اصلاح کی کوشش کرو حرام اشیاء سے بچو اور حلال اشیاء استعمال کرو تا کہ دل صالح رہے اور جب دل صالح رہیگا تو اس کے خدام یعنی جسم کے تمام اعضا صالح رہیں گے۔[1]

زانیہ عورت کی اجرت حرام ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ وَكَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت رافع رضی اللہ عنہ ابن خدیج کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کتے کی قیمت ناپاک مال ہے، زنا کار عورت کی اجرت حرام مال ہے، سینگی کھینچنے والے کی کمائی ناپسندیدہ مال ہے"۔ (مسلم)

توضیح: "**مهر البغی خبیث**" لغوی اعتبار سے لفظ خبیث ناپاک پر بولا جاتا ہے لیکن فقہی اصطلاح میں فقہاء کرام اور مجتہدین اس لفظ کو موقع ومحل کے لحاظ سے کبھی حرام پر حمل کرتے ہیں کبھی مکروہ پر حمل کرتے ہیں کبھی خلاف اولیٰ اور ناپسندیدہ عمل پر حمل کرتے ہیں چنانچہ اس حدیث میں[3] "**ثمن الکلب خبیث**" میں فقہاء احناف نے اس لفظ کو مکروہ پر حمل کیا ہے اور دیگر ائمہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق حرام پر حمل کیا ہے اختلاف ساتھ والی حدیث میں آرہا ہے زیر بحث حدیث میں[4] "**کسب الحجام خبیث**" کے لفظ میں فقہاء نے لفظ خبیث کو خلاف اولیٰ پر حمل کیا ہے[5] "**مهر البغی**" اس میں مہر سے مراد اجرت اور معاوضہ ہے اس پر صورۃً مہر کا اطلاق ہوا ہے ورنہ یہ بھڑوا ٹیکس ہے معروف مہر مراد نہیں ہے۔ یہاں اس لفظ کو تمام فقہاء نے حرام پر حمل کیا ہے کہ بازاری اور کنجری عورت نے اپنے بازاری پیشہ سے جو پیسہ حاصل کیا ہے وہ حلال نہیں ہے بلکہ حرام ہے کیونکہ اس نے ناجائز جسم فروشی کی ہے حجام کے کسب کو خلاف اولیٰ اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اسلام مسلمانوں کو بلند اخلاق اور بلند مقام دیتا ہے لہٰذا اسلام مسلمانوں کے لئے ایسا پیشہ اختیار کرنا پسند نہیں کرتا جس کے اختیار کرنے سے مسلمان کی بلند پروازی میں کوتاہی آتی ہے مثلاً لوگ کہیں گے فلاں صاحب نے کتوں کا فارم کھولا ہے فلاں صاحب نے بلیوں کی خرید وفروخت کا فارم کھولا ہے اور فلاں صاحب خون کھینچ کھینچ کر روزی کما رہا ہے اس سے مسلمان کی شان رفیع کو نقصان پہنچتا ہے جیسا کہ اقبال مرحوم نے کہا ہے۔[6]

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ۔۔۔ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

کتوں کی خرید وفروخت کا مسئلہ

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ

[1] المرقات: ۶/۱۴ [2] اخرجه مسلم: ۱/۶۸۴ [3] المرقات: ۶/۱۶ [4] المرقات: ۶/۱۶

[5] المرقات: ۶/۱۳ [6] المرقات: ۶/۱۶

الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ انصاری کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے کتے کی قیمت، بدکار عورت کی اجرت اور کاہن کی شیرینی یعنی اس کی اجرت (کے طور پر حاصل ہونے والے مال کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "نهى عن ثمن الكلب" یعنی آنحضرت ﷺ نے کتے کی قیمت لینے سے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کتے کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے اب فقہی نقطۂ نظر سے اس میں یہ تفصیل ہے کہ تمام فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ کلب عقور باولے کتے کی خرید وفروخت ناجائز ہے اسی طرح شوقیہ پالے ہوئے کتوں کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہے اور ایسے کتوں کو گھروں میں رکھنا بھی ناجائز ہے البتہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ شریعت نے جن کتوں کو گھروں میں رکھنے اور پالنے کی اجازت دی ہے جیسے کلب معلم ہے کلب صید ہے کلب ماشیہ اور کلب حراسہ ہے آیا ان کا خریدنا بیچنا جائز ہے یا نہیں اور اس کا ثمن اور قیمت حلال ہے یا حرام ہے اس میں اختلاف ہے۔[2]

فقہاء کرام کا اختلاف

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور راجح قول کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کتوں کی بیع وشراء مطلقاً ناجائز ہے خواہ کتے مُعلَّم ہوں یا غیر مُعلَّم ہوں یا چوکیداری کے لئے ہوں یا کسی دوسرے کام کے لئے ہوں سب ناجائز ہیں اور اس کا حاصل شدہ پیسہ حرام ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وصاحبین اور ایک قول میں امام احمد وامام مالک فرماتے ہیں کہ شریعت نے جن کتوں کو گھروں میں پالنے کی اجازت دی ہے نیز ان کتوں کے ساتھ کوئی انسانی منفعت وابستہ ہو جیسے کلب معلم ہے چوکیداری کا کتا ہے یا جاسوسی کا کتا ہے تو ایسے کتوں کی خرید وفروخت جائز ہے اور اس سے حاصل شدہ پیسہ حلال ہے۔[3]

دلائل:

شوافع اور ان کے موافقین کی دلیل زیر بحث حدیث ہے جس میں واضح طور پر کتے کی قیمت لینے کی ممانعت آئی ہے اسی طرح ان احادیث سے بھی ان حضرات نے استدلال کیا ہے جن میں لفظ خبیث استعمال کیا گیا ہے۔[4]

احناف اور ان کے موافقین کی پہلی دلیل نسائی کی یہ حدیث ہے "**عن جابر رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن السنور والكلب الا كلب الصيد**" (نسائی)

احناف کی دوسری دلیل مسند احمد اور نسائی کی یہ حدیث ہے "**عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبى ﷺ نهى عن ثمن الكلب الا الكلب المعلم**" (احمد ونسائی)

---

[1] اخرجه البخاری: ۳/۱۱۰ ومسلم ۱/۶۸۴ [2] المرقات: ۶/۱۶ [3] المرقات: ۶/۱۶، ۱۷ [4] المرقات: ۶/۱۶

احناف کی تیسری دلیل مسند امام اعظم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ثمن کلب الصید" (مسند امام اعظم)
احناف کی چوتھی دلیل ابن شہاب زہری کا فتویٰ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کا شکاری کتا قتل کیا تو قاتل پر اس کی قیمت کا تاوان آئے گا۔ (طحاوی)
اسی طرح حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے چالیس دراہم کتے کے تاوان میں وصول کئے تھے۔ حضرت ابن عمر کا فیصلہ مستدرک حاکم اور طحاوی میں مذکور ہے کہ آپ نے کلب صید کے قتل پر چالیس درہم کا معاوضہ رکھا تھا اور کلب ماشیہ کے قتل پر دو مینڈھے رکھے تھے ادھر قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ کتے کی قیمت جائز ہے کیونکہ جب شریعت نے کتے سے نفع اٹھانے کے لئے اس کا پالنا جائز قرار دیا تو اس کا مال ہونا ثابت ہو گیا اور جب کوئی چیز شریعت کی نظر میں مال ہو تو اس کا خریدنا بیچنا بھی جائز ہے۔ پوری تفصیل طحاوی اور زجاجۃ المصابیح میں ہے۔
جواب احناف زیر بحث حدیث کا ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ مکروہ تنزیہی پر محمول ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس ممانعت کا تعلق ابتداء اسلام سے ہے جب کہ کتوں کے بارے میں بڑی سختی تھی پھر وہ سختی ختم ہو گئی تیسرا جواب یہ ہے کہ اس ممانعت کا تعلق ان کتوں سے ہے جو عقور یا والے ہوں جن میں کوئی منفعت نہ ہو اگر شوافع حضرات یہ کہدیں کہ کتے کی ثمن پر خبیث کا اطلاق ہوا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ اطلاق تو کسب الحجام پر بھی ہوا ہے حالانکہ حضور اکرم نے خود حجام کو سینگی کھینچنے پر اجرت عطا فرمائی تھی اگر شوافع حضرات یہ کہدیں کہ کتا نجس العین ہے اس لئے قیمت حرام ہے تو ہم کہیں گے کہ ہاتھی بھی نجس ہے اس کی قیمت کو کیوں جائز کہتے ہیں؟
"حلوان الکاھن" کاہن وہ شخص ہوتا ہے جو مستقبل کے بارہ میں غیب کی خبریں دیتا ہے جس کو نجومی اور دست شناس بھی کہتے ہیں ان کو اس عمل کے معاوضہ میں جو کچھ دیا جاتا ہے اس کو حلوان کہدیا گیا یعنی نجومی کی مٹھائی اور شرینی، بہر حال نجومی کے پاس جانا اس سے مستقبل کے بارہ میں پوچھنا اور اس کی بات کو ماننا سب حرام ہیں یہ نجومی خود انسان ہے اس کو غیب کا علم کیسے ہو سکتا ہے بابا سعدی نے گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک نجومی کے گھر میں ایک بدکار آدمی گھس آیا اور نجومی کی بیوی کے ساتھ گپ شپ میں مزے لے رہا تھا اور نجومی بازار میں لوگوں کو آسمانوں کی باتیں بتا رہا تھا بابا سعدی رحمہ اللہ نے اس کو مخاطب کر کے کہا [1]

تُو بر اوجِ فلک چہ دانی چیست چوں نہ دانی کہ در سرائے تو کیست

یعنی تم آسمان کے برجوں پر کیا معلوم کرو گے جب کہ تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس وقت تیرے اپنے گھر میں کیا ہو رہا ہے
اقبال مرحوم نے انسان کو تقدیر کا تابع بنایا ہے نہ کہ ستاروں کے تابع چنانچہ فرمایا

تیری تقدیر کو انجم شناس کیا جانے تُو خاکِ زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں

[1] المرقات: ۶/۱۰

خون بیچنا حرام ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ وَثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الْبَغِيِّ وَلَعَنَ آكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهُ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَالْمُصَوِّرَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خون کی قیمت، کتے کی قیمت اور بدکار عورت کی اجرت منع فرمایا ہے نیز آپ ﷺ نے سود لینے والے اور سود دینے والے، گودنے والی اور گودوانے والی اور مصور پر لعنت فرمائی ہے''۔ (بخاری)

توضیح: "**ثمن الدم**" اگر دم سے مراد خون ہے تو خون کی خرید و فروخت حرام ہے کیونکہ یہ مال نہیں ہے اور اگر دم سے مراد سینگی کھینچنے کی اجرت ہے تو پھر یہ مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے سود اور ربوا کی بات آگے آرہی ہے۔[۲]

"**الواشمة**" وشم دراصل گودنے اور خال بنانے کے معنی میں ہے قدیم عربی لغات میں وشم کا لفظ بہت کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ محبوبہ کے کھنڈرات کے نشانات کی تشبیہ وشم سے دیدی گئی ہے۔[۳]

مشہور شاعر طرفہ بن العبد کہتا ہے ؎

لخولة اطلال ببرقة ثهمد تلوح كباقي الوشم في ظاهر اليد

"**المستوشمة**" سین اور تا طلب کے لئے ہے یعنی وہ عورت جو وشم کا عمل دوسری عورت سے کرواتی ہے وشم کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مثلاً کوئی مرد یا عورت اپنے جسم کے کسی حصہ میں سوئی سے زخم مار دے اور پھر اس زخم میں سرمہ یا نیل وغیرہ بھر دے جب زخم ٹھیک ہو جائے تو یہ سرمہ اور نیل کھال کے نیچے رہ جاتا ہے جس سے جسم میں ایک خال اور نشان بن جاتا ہے اسلام نے اس سے اس لئے روکا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر آجاتا ہے اور اس میں کفار و فساق کے ساتھ مشابہت بھی ہے۔ بہر حال واشمہ اس رنگ بھرنے والی عورت کو کہتے ہیں جو اس کام کو جانتی ہے اور اس کی کاریگر ہوتی ہے اور مستوشمہ اس کام کو کروانی والی عورت ہوتی ہے اردو میں اس کا ترجمہ یہ ہے حضور اکرم نے گودنے والی عورت اور گودوانی والی عورت پر لعنت فرمائی ہے، وشم کی یہ قبیح رسم مصر لیبیا افغانستان وغیرہ ممالک میں بہت زیادہ ہے بعض سیاہ فام لوگ چہرہ کو چیر کر نالے اور لکیریں بناتے ہیں یہ بھی تغیر خلق اللہ میں داخل ہے جو حرام ہے۔ اس حدیث میں مصور پر بھی لعنت کی گئی ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حیوان کی تصویریں بناتے ہیں اس کا بنانا خرید و فروخت کرنا سب ناجائز ہے "**باب التصاویر**" میں انشاء اللہ تفصیل آئے گی۔[۴]

---

[۱] اخرجه البخاری: ۳/۷۸ [۲] المرقات: ۶/۱۷ [۳] المرقات: ۶/۱۷ [۴] المرقات: ۶/۱۷

حرام چیزوں کی خرید وفروخت بھی حرام ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ إِنَّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْأَصْنَامِ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ أَرَأَيْتَ شُحُوْمَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهُ تُطْلَى بِهَا السُّفُنُ وَيُدَّهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ قَاتَلَ اللهُ الْيَهُوْدَ إِنَّ اللهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُوْمَهَا أَجْمَلُوْهُ ثُمَّ بَاعُوْهُ فَأَكَلُوْا ثَمَنَهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ میں رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے' جب آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ: ہمیں مردار کی چربی کا حکم بھی بتایئے جو کشتیوں پر ملی جاتی ہے نیز اس سے چمڑوں کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ (گھروں میں) اس سے چراغ جلاتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مردار کی چربی بھی حرام ہے اس لئے اس سے یہ فائدے اٹھانے جائز نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اسی وقت یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے جب اللہ تعالیٰ نے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو یہود (نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ) چربی کو پگھلاتے اور بیچ ڈالتے اور پھر اس کی قیمت کھا جاتے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "بیع الخمر" شیخ عطاء نے لکھا ہے کہ شراب کا بیچنا جس طرح حرام ہے اسی طرح الات لہو ولعب مثلاً ڈھول باجا وغیرہ بیچنا بھی ناجائز ہے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی نے لہو ولعب کے یہ الات توڑ ڈالے تو اس پر ضمان وتاوان نہیں ہے "**المیتة**" مردار کی خرید وفروخت جس طرح ناجائز ہے اسی طرح کسی کافر کی لاش کو بیچنا بھی ناجائز ہے غزوہ خندق[2] میں نوفل کافر کی لاش کے عوض کفار نے دس ہزار درہم کی پیشکش کی تھی مگر حضور اکرم نے منع کر دیا اور لاش مفت میں واپس کردی[3] "**الاصنام**" بتوں کی خرید وفروخت کے کاروبار کی ممانعت کے تحت پلاسٹک وغیرہ کی گڑیاں اور دیگر مجسمے آسکتے ہیں۔[4]

"**قال لا**" یعنی جب ایک چیز اصل میں حرام ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کشتی وغیرہ پر نجس چربی مل لیا جائے یا اس سے چراغ روشن کیا جائے تو یہ جائز ہے مگر اس کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے جمہور فرماتے ہیں کہ نہ خرید وفروخت جائز ہے اور نہ دیگر استفادہ جائز ہے البتہ مردار کی کھال جب مدبوغ ہوجائے تو مستقل حدیث کے حکم کی وجہ سے اس کا استعمال جائز ہے۔

"**اجملوه**" یہ اجمال سے ہے اجمال باب افعال کا صیغہ ہے پگھلانے کے معنی میں ہے یہ صیغہ مجرد سے بھی آتا ہے مگر مزید میں مبالغہ ہے یعنی یہود عیاری اور مکاری اور حیلہ سازی کے تحت اس کو مسلسل پگھلاتے رہے انہوں نے یہ بہانہ بنایا کہ اب

---

[1] اخرجه البخاری: ۳/۱۱۰ ومسلم: ۱/۶۸۹ [2] المرقات ۶/۱۸ [3] المرقات: ۶/۱۸ [4] المرقات: ۶/۱۹

تو یہ چربی نہیں ہے بلکہ تیل ہے حالانکہ پگھلانے سے اس کی حقیقت تبدیل نہیں ہوئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ حیلہ جس سے کسی حرام چیز کے حلال کرنے کی کوشش کی جائے وہ حیلہ ناجائز ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کی قیمت اس چیز کے تابع ہے اگر وہ چیز حرام ہے تو اس کی قیمت بھی حرام ہے۔[1]

یہود کی مکاری

﴿۹﴾ وَعَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ فَجَمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے، ان پر (مردار کی) چربیاں حرام کی گئیں تو انہوں نے اس کو پگھلایا (تاکہ چربی کا نام باقی نہ رہے) اور پھر اس کی خرید وفروخت شروع کردی (اس کی وضاحت حدیث بالا میں کی جاچکی ہے)۔ (بخاری ومسلم)

بلی کی خرید وفروخت کا مسئلہ

﴿۱۰﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی کی قیمت (کو استعمال میں لانے) سے منع فرمایا ہے"۔ (مسلم)

توضیح: "السنور" سنور بلی کو کہتے ہیں اس کی خرید وفروخت تمام علماء اور فقہاء کے نزدیک جائز ہے صرف خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے ہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ "ھرۃ" کی فروخت کے قائل نہیں تھے اس حدیث سے احناف کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ قابل انتفاع کتے کی خرید وفروخت مکروہ تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ ہے حرام نہیں طرز استدلال اس طرح ہے کہ جس طرح الفاظ بلی کی خرید وفروخت کے لئے استعمال ہوئے ہیں بالکل وہی الفاظ کتے کے لئے بھی استعمال ہوئے ہیں جب جمہور بلی سے متعلق الفاظ کو مکروہ تنزیہی پر حمل کر کے تاویل کرتے ہیں تو احناف نے بھی کتے کے بارے میں وارد الفاظ میں وہی تاویل کی فرق صرف یہ ہے کہ بلی سے متعلق فیصلہ جمہور کا ہے اور کتے سے متعلق فیصلہ احناف کا ہے۔[4]

پچھنے لگانے کا پیشہ حلال ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ حَجَمَ أَبُوْ طَيْبَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَلَهُ بِصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ

[1] المرقات: ۱۹،۶/۱۸ [2] اخرجه البخاری: ۳/۱۰۷ ومسلم: ۱/۶۹۰ [3] اخرجه مسلم: ۱/۶۸۵ [4] المرقات: ۶/۲۰

وَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يُخَفِّفُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوطیبہ نے رسول کریم ﷺ کو پچھنے لگائے تو آپ ﷺ نے اس کو ایک صاع کھجوریں دیئے جانے کا حکم فرمایا نیز آپ ﷺ نے اس کے مالکوں کو حکم دیا کہ وہ ابوطیبہ کی کمائی میں سے کم لیا کریں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ابوطیبہ" یہ حضور اکرم ﷺ کے خاص حجام تھے یہ سرمنڈانے اور سینگی لگانے کے کام میں ماہر تھے "امرله بصاع" اس سے معلوم ہوا ہے کہ حجام کا پیشہ حلال ہے ورنہ حضور اجرت نہ دیتے۔[۲]

"من خراجه" خراج ٹیکس کو کہتے ہیں عرب کی عادت تھی کہ وہ اپنے غلاموں کو مختلف پیشوں میں لگاتے تھے اور ان کے ساتھ یہ طے کرتے تھے کہ روزانہ کی کمائی میں اتنا حصہ ہمارا ہوگا اتنا تمہارا ہوگا ابوطیبہ بنو بیاضہ کے غلام تھے انہوں نے اس پر جو ٹیکس لگایا تھا حضور اکرم نے اسے کم کرنے کی سفارش کی انہوں نے کم کردیا حضور اکرم ﷺ تو رحمۃ للعالمین تھے یہاں ایک رحمت کا ظہور ہوگیا۔[۳]

الفصل الثانی

اولاد کی کمائی والدین کی ہے

﴿۱۲﴾ عن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلْتُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ وَإِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ كَسْبِكُمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ وَالدَّارِمِيِّ إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ وَإِنَّ وَلَدَهُ مِنْ كَسْبِهِ)[۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو کچھ تم کھاتے ہو اس میں سب سے بہتر وہ چیز ہے جو تمہیں کمائی سے حاصل ہوئی ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے"۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: والدین بچے کے وجود کے لئے ثانوی سبب ہیں تو جس بچے کا وجود والدین کی مرہون منت ہو اب اگر والدین بھوک سے پریشان ہوں تو بچے کو اپنی محنت ان کے سامنے پیش کرنا چاہئے یہ مناسب نہیں کہ اولاد آسودہ حال ہوں اور والدین فاقے گذار رہے ہوں اس حدیث میں یہی فرمایا گیا ہے کہ اولاد کا مال والدین کے لئے حلال طیب ہے۔

اگر والدین محتاج ہوں تو اولاد پر ان کی کفالت واجب ہے لیکن اگر والدین آسودہ حال ہوں تو وہ خواہ مخواہ اپنی اولاد پر بوجھ اور بار نہ بنیں۔[۵]

---

[۱] اخرجه البخاری: ۳/۸۲ ومسلم: ۱/۶۸۸ [۲] المرقات: ۶/۲۰ [۳] المرقات: ۶/۲۰

[۴] اخرجه الترمذی: ۳/۶۳۹ والنسائی: ۷/۲۴۰ وابن ماجه: ۲/۷۶۸ [۵] المرقات: ۶/۲۱

"انت ومالك لابيك" والی حدیث سے متعلق ایک عجیب قصہ ہے اور بوڑھے والد کے چند اشعار ہیں جو حماسہ میں مذکور ہیں میں نے علمی خطبات میں اس کو نقل کیا ہے۔

حرام مال کا صدقہ جائز نہیں ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَكْسِبُ عَبْدٌمَالَ حَرَامٍ فَيَتَصَدَّقُ مِنْهُ فَيُقْبَلَ مِنْهُ وَلَايُنْفِقُ مِنْهُ فَيُبَارَكَ لَهٗ فِيْهِ وَلَايَتْرُكُهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ اِلَّا كَانَ زَادَهٗ اِلَى النَّارِ اِنَّ اللهَ لَايَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ وَلٰكِنْ يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ اِنَّ الْخَبِيْثَ لَايَمْحُو الْخَبِيْثَ۔
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَكَذَا فِي شَرْحِ السُّنَّةِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ حرام مال کما کر اس میں سے صدقہ وخیرات کرتا ہو اور اس کا وہ صدقہ قبول کرلیا جاتا ہو (اگر کوئی شخص حرام ذرائع سے کمایا ہوا مال صدقہ وخیرات کرے تو اس کا صدقہ قطعاً قبول نہیں ہوتا اور نہ اسے کوئی ثواب ملتا ہے) اور نہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص اس حرام مال کو (اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال پر) خرچ کرتا ہو اور اس میں اسے برکت حاصل ہوتی ہو (یعنی حرام مال میں سے جو بھی خرچ کیا جاتا ہے اس میں بالکل برکت نہیں ہوتی) اور جو شخص اپنے (مرنے کے) بعد حرام مال چھوڑ جاتا ہے اس کی حیثیت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہتی کہ وہ مال اس شخص کے لئے ایک ایسا توشہ بن جاتا ہے جو اسے دوزخ کی آگ تک پہنچا دیتا ہے اور (یہ بات یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعہ دور نہیں کرتا بلکہ برائی کو بھلائی کے ذریعہ دور کرتا ہے، اسی طرح ناپاک مال ناپاک کو دور نہیں کرتا (یعنی حرام مال برائی کو دور نہیں کرتا بلکہ حلال مال برائی کو دور کرتا ہے)۔ (احمد، شرح السنہ)

توضیح: "فيقبل منه" یعنی حرام سے دیا ہوا صدقہ اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا کیونکہ

مايقبل الله الاكل طيبة ماكل من حج بيت الله مبرور

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کے پاس حرام مال ہو اور وہ اس سے جان چھڑانا چاہتا ہو تو وہ ثواب کی نیت کے بغیر کسی فقیر کو دیدے اگر ثواب کی نیت کی تو اس میں کفر کا خطرہ ہے فراغ ذمہ کی نیت کرنی چاہئے نیز حرام مال لینے والے فقیر کو اگر معلوم ہوجائے کہ یہ حرام کا صدقہ ہے تو وہ صدقہ والے کے لئے دعاء خیر نہ کرے اگر اس نے دعا کی تو کفر کا خطرہ ہے۔

"لايمحوا السيئ" اس جملہ میں حضور اکرم ﷺ نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ دین دینداری کے راستے سے حاصل ہوتا ہے بے دینی کے راستے سے دین کی ترقی نہیں ہوسکتی ہے مثلاً ایک شخص اپنے گناہ بخشوانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ حلال چیز کا صدقہ کرے تاکہ گناہ دھل جائے اور ثواب مل جائے لیکن یہ ممکن نہیں کہ صدقہ تو حرام چیز کا کر رہا ہے اور

[1] اخرجه احمد: ۱/۳۸۷

امید ثواب کا لگائے بیٹھا ہے اس حدیث میں۔[1] ﴿ان الحسنات یذھبن السیئات﴾[2] آیت کی طرف اشارہ ہے۔

حرام مال کھانے کی شدید وعید

﴿۱۴﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَ النَّارُ أَوْلٰى بِهٖ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ گوشت جس نے حرام مال سے پرورش پائی ہے جنت میں داخل نہیں ہوگا (یعنی جس شخص کی جسمانی نشوونما حرام مال کھانے سے ہوئی ہوگی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا) اور جو گوشت (یعنی جو جسم) حرام مال سے نشوونما پائے وہ دوزخ کی آگ ہی کے لائق ہے''۔ (احمد، دارمی، بیہقی)

''سحت'' حرام مال کو کہتے ہیں۔

شکوک وشبہات میں ڈالنے والی چیزوں سے بچنا چاہیے

﴿۱۵﴾ وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْ مَا يَرِيْبُكَ إِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِيْنَةٌ وَإِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ الْفَصْلَ الْأَوَّلَ)[4]

ترجمہ: اور حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کو (خود سنا ہے اور اسے) یاد رکھا ہے کہ ''جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ دو اور اس چیز کی طرف میلان رکھو۔ جو تم کو شک میں نہ ڈالے کیونکہ حق دل کے اطمینان کا باعث ہے اور باطل شک وتردد کا موجب ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی اور دارمی نے حدیث کا صرف پہلا حصہ (یعنی دع مایریبك الی مالایریبك) نقل کیا ہے۔

توضیح: ''مایریبك'' یعنی ایک چیز کے استعمال کرنے میں خود آدمی کو شک اور تردد ہو رہا ہے کہ آیا یہ جائز ہے یا ناجائز ہے مناسب ہے یا مناسب نہیں تو ایسے آدمی کو چاہئے کہ اس طرح شک میں ڈالنے والی چیز کو ترک کردے اور اس صورت کو اختیار کرلے جس میں اس کو اطمینان ہو کوئی تردد نہ ہو گویا یہ حدیث بتا رہی ہے کہ جب تیرے دل میں تردد پیدا ہوگیا تو سمجھ لو کہ کوئی نقصان ہے لہٰذا اس کو چھوڑ دو اور ایسی صورت اختیار کرو جس میں تجھے کامل اطمینان ہو اس حدیث کا مضمون اس کے بعد آنے والی حدیث کی طرح ہے پوری تشریح وہاں ہوگی یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ معیار ان لوگوں کا ہے جن کے دل آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہوں میلے کچیلے قلوب میں تردد کہاں پیدا ہوسکتا ہے ان کو تو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ یہ گوشت خنزیر کا

---

[1] المرقات: ۶/۲۲، ۲۳ [2] سورۃ ھود ۱۱۴ [3] اخرجہ احمد: والدارمی: والبھقی: ۵/۵۶

[4] اخرجہ احمد: ۱/۲۰۰ والترمذی: ۴/۶۶۸ والنسائی: ۸/۳۲۷

ہے جو اچھا نہیں یا کسی حلال جانور کا ہے جو اچھا ہے۔ "ریبة" شک اور تردد واضطراب کو ریبة کہتے ہیں۔ [۱]

اچھائی اور برائی کی پہچان

﴿۱۶﴾ وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَاوَابِصَةُ جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَجَمَعَ أَصَابِعَهُ فَضَرَبَ بِهَا صَدْرَهُ وَقَالَ اسْتَفْتِ نَفْسَكَ اسْتَفْتِ قَلْبَكَ ثَلَاثاً اَلْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَأَنَّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْإِثْمُ مَاحَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ ابن معبد کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "وابصہ: تم یہی تو پوچھنے آئے ہو کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں ان کا بیان ہے کہ (یہ سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا اور میرے سینے پر مار کر فرمایا کہ "اپنے آپ سے دریافت کرو اپنے دل سے دریافت کرو" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے اور پھر فرمایا کہ "نیکی وہ ہے جس سے انسان خود مطمئن ہو جائے اور جس سے اس کے دل کو سکون حاصل ہو جائے اور گناہ وہ ہے جس سے انسان کا وجود خلش محسوس کرے اور جس سے اس کے دل وسینہ میں شک وتردد پیدا ہو جائے اگرچہ لوگ اسے صحیح کہیں۔ (احمد، دارمی)

توضیح: اس حدیث میں اچھائی اور برائی کو پہچاننے کی ایک ایسی علامت بتائی گئی ہے جو ہر نیک اور صالح انسان معلوم کر سکتا ہے کہ آیا یہ قول وفعل جائز ہے یا ناجائز ہے۔

چنانچہ فرمایا کہ جس قول اور فعل سے دل مطمئن ہو جائے اور دل فرحت وخوشی محسوس کرے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ قول وفعل اچھا اور جائز ہے اور جس قول وفعل سے دل مطمئن نہ ہو بلکہ طبیعت میں ایک الجھن اور خلش پیدا ہو اور دل ودماغ میں شک کی کیفیت پیدا ہو ایک کھٹکا اور تردد پیدا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ قول یا فعل غلط ہے خواہ اس قول وفعل کے بارہ میں مفتیان صاحبان کی طرف سے فتویٰ موجود ہو کہ یہ جائز ہے قلبی اضطراب کی موجودگی میں فتویٰ کو نہیں دیکھنا چاہئے کیونکہ ایک فتویٰ ہے دوسرا تقویٰ ہے دونوں کی حدیں الگ الگ ہیں "یاوابصة جئت تسال" اس جملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ کا پتہ چلتا ہے کیونکہ حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم کے سامنے اپنے مطلوب ومقصود کا نہ تذکرہ فرمایا تھا اور نہ اشارہ کیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود بتا دیا کہ اے وابصہ! کیا تم اس سوال کے پوچھنے کے لئے آئے ہو۔

"ثلاثا" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اس جملہ کو دہرایا۔ [۳]

"ماحاك" دل کی بےچینی اور اضطراب کو کہتے ہیں جسے کھٹکا بھی کہتے ہیں۔

"استفت قلبك" دل سے استفتاء طلب کرنا اس وقت ہے جب شریعت میں کوئی واضح حکم موجود نہ ہو ورنہ اگر شریعت

---

[۱] المرقات: ۶/۲۲ [۲] اخرجه احمد: ۴/۲۲۸ والدارمی: ۲۵۳۵ [۳] المرقات: ۶/۲۲، ۲۵

میں کوئی واضح حکم موجود ہو تو اسی پر عمل کرنا ہوگا پھر اگر قرآن کی آیتوں میں بظاہر تعارض نظر آئے تو واجب ہے کہ احادیث کی طرف رجوع کیا جائے اگر احادیث میں بھی بظاہر تعارض ہو تو واجب ہے کہ فقہاء کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے اگر علماء اور فقہاء کے اقوال میں بھی بظاہر تعارض ہو تو پھر اپنے دل سے جا کر فتویٰ معلوم کرنا چاہئے جس طرف قلبی اطمینان حاصل ہو اسی پر عمل کرنا چاہئے۔[1]

"**ماحاك فی صدرك**" یہ کیفیت ان لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جن کے قلوب آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہوں متقی و پرہیزگار ہوں اہل اللہ کی مجالس میں رہ کر اس نے قلبی صفائی کی خوب محنت اٹھائی ہو ایسے قلوب یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام ہے یہ ہر آدمی کا کام نہیں ہے۔[2]

حکایت:

مجھے ایک مولانا نے بتایا کہ عوام و خواص میں مشہور تھا کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ حلال و حرام کو بطور کشف معلوم کرتے تھے اس لئے ہم نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان کرنا چاہا تو ایک درجن حلال مالٹے ان کے پاس لے گئے مگر ایک درجن حرام مالٹے اس کے ساتھ ملا دیئے دونوں کو خلط ملط کر کے پیش کیا حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً دونوں کو ایک کیا ایک دانہ اس طرف رکھتا تھا کہ یہ حلال ہے دوسرا اس طرف رکھتا تھا کہ یہ حرام ہے ہم حیران رہ گئے۔

یاد رکھنا چاہئے یہ معیاری دل اور یہ پاکیزہ نفوس ان اہل اللہ کی ہیں جنہوں نے محنتیں کر کے ایمان کے پارہ کو زندہ کیا ہو یہ دل ان مردہ دل انسانوں کے نہیں ہیں جنہوں نے اپنے قلوب کو خواہشات و شہوات میں آلودہ کر رکھا ہو جس سے ان کے ایمان کا پارہ بجھ چکا ہو اور وہ اچھائی برائی کی تمیز میں بالکل فیل ہوں۔

بعض روایات میں گناہ اور غیر گناہ کے معلوم کرنے کے لئے اس اضطراب اور کھٹکے کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گناہ وہ ہے کہ تم اس کو عوام الناس کے سامنے ظاہر ہونے سے بوجھ اور کراہت محسوس کرتے ہو یہ صفت بھی پاکیزہ قلوب کا زیور ہے یہ ہرا یرے ویرے نتھو خیرے کا کام نہیں ہے "**لایقاس الملوك بالحدادین**" بادشاہوں کو لوہاروں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

هزار نکته باریك تر زموایں جا است نه هرکه سری بتر اشد قلندری داند

تقویٰ کی تعریف و مراتب

﴿۱۷﴾ عَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَابَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِمَا بِهٖ بَأْسٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بندہ اس وقت تک (کامل) پرہیزگاروں

[1] المرقات ۲۶،۶/۲۵ [2] المرقات: ۲۷،۶/۲۶ [3] اخرجہ والترمذی: ۴/۶۳۴ ابن ماجہ: ۲/۱۴۰۹

کے درجہ کونہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں کوئی قباحت نہیں ہے تاکہ اس طرح وہ ان چیزوں سے بچ سکے جن میں قباحت ہے''۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: ''من المتقین'' اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کا نام تقویٰ ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس وقت تک تقویٰ کے مقام کو نہیں پا سکتا جب تک وہ خوف خدا کی وجہ سے بعض ان جائز اشیاء کو ترک نہ کرے جس کے کرنے سے ناجائز میں پڑنے کا خطرہ ہو یعنی بعض مباحات کو اس لئے ترک نہ کرے جس کے ذریعہ سے کسی ناجائز میں واقع ہونے کا خطرہ ہو۔[1]

ملا علی قاری نے تقویٰ کے تین مراتب لکھے ہیں:

❶ شرک و کفر سے اجتناب تقویٰ ہے جیسے فرمایا **{والزمهم كلمة التقوى}** یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو شرک سے بچا لیا توحید پر ڈال دیا۔

❷ ہر کبیرہ گناہ سے اجتناب کرنا تقویٰ کا دوسرا مرتبہ ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک تقویٰ کے اس مرتبہ کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ صغائر سے بھی اجتناب کرے۔

❸ تقویٰ کا تیسرا درجہ کہ آدمی ہر اس چیز کو ترک کردے جو توجہ الی اللہ میں رکاوٹ بنتی ہو، بلکہ یہ شخص اس درجہ میں ہو کہ دل کی پوری توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اس کے قلبی احساسات رجحانات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز میں مشغول نہ ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے یہ تعریف کی کہ تقویٰ کی حقیقت ایسی ہے کہ مثلاً ایک شخص کانٹوں کی جھاڑی میں گھس کر گذر رہا ہے اور وہ اپنے جسم اور کپڑوں کو کانٹوں سے مسلسل بچا رہا ہے۔ بعض احادیث سے تقویٰ کی تعریف اس طرح معلوم ہوتی ہے کہ ''**ان لا یراك مولاك حيث نهاك**'' یعنی ظاہراً اور باطناً اپنا معاملہ اپنے رب کے ساتھ صاف رکھنے کا نام تقویٰ ہے۔[2]

ایک شراب خور کی وجہ سے دس آدمی ملعون بنتے ہیں

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ عَشَرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ إِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِيَ لَهَا وَالْمُشْتَرَى لَهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے شراب کے معاملہ میں ان دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے ① شراب کشید کرنے والا ② شراب کشید کرانے والا ③ شراب پینے والا ④ شراب اٹھانے والا یعنی وہ شخص جو کسی کو شراب اٹھا کر دے ⑤ شراب اٹھوانے والا یعنی وہ شخص جو کسی کو شراب اٹھا لانے کا حکم دے ⑥ شراب پلانے والا ⑦ شراب بیچنے والا ⑧ شراب

[1] المرقات: ۶/۲۷ [2] المرقات: ۶/۶۲۷ [3] اخرجه الترمذی: ۳/۵۸۹ وابن ماجه: ۲/۱۲۲۲

کی قیمت کھانے والا ⑨ شراب خریدنے والا یعنی وہ شخص جو کسی دوسرے کے پینے کے لئے یا اس کی تجارت کے لئے بطریق وکالت یا بطریق ولایت شراب خریدے ⑩ خریدوانے والا یعنی وہ شخص جو کسی دوسرے سے اپنے پینے یا اپنی تجارت کے لئے شراب منگوائے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: "**عاصرھا**" یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو خود شراب کشید کر رہا ہو خواہ اپنے لئے ہو یا کسی دوسرے کے لئے ہو "**معتصر**" یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو شراب کشید کرنے کا کسی اور کو حکم دے رہا ہو خواہ اپنے لئے ہو یا کسی اور کے لئے ہو۔[1]

"**المحمولة اليه**" یعنی جس کی خاطر شراب کو اٹھا یا جا رہا ہو اس کے حکم سے کوئی مزدور بازار سے لا رہا ہو۔

"**المشری لھا**" لھا کی ضمیر شراب کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی شراب خریدنے والا۔[2]

اس کے ساتھ والی حدیث میں **مبتاعھا** کا لفظ آیا ہے اس سے مراد شراب خریدنے والا آدمی ہے زیر نظر حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک شراب خور کی وجہ سے دس آدمی ملعون بنتے ہیں سوچنا چاہئے شراب ایک مسلم معاشرہ کے لئے کتنی بڑی لعنت ہے اور عام وخاص کے لئے کتنی ہمہ گیر لعنت ہے عام لوگ سمجھتے ہیں کہ شراب پینے سے شرابی کو گناہ ہوتا ہے ہم تو صرف لانے والے یا نچوڑنے والے یا تقسیم کرنے والے ہیں یاد رکھو شراب میں ہر قسم اعانت سے آدمی ملعون بنتا ہے اور جس طرح شراب کی پاداش میں دس آدمی ملعون اور مستحق لعنت بن جاتے ہیں اسی طرح سودی کاروبار میں بھی بہت سارے لوگ ملعون بن جاتے ہیں۔[3]

﴿۱۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَة)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، شراب پینے والے پر، شراب بیچنے والے پر، شراب خریدنے والے پر، شراب کشید کرنے والے پر، شراب کشید کروانے والے پر، شراب اٹھانے والے پر، شراب اٹھوانے والے پر۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

پچھنے لگانے والے کی کمائی کا حکم

﴿۲۰﴾ وَعَنْ مُحَيِّصَةَ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ أُجْرَةِ الْحَجَّامِ فَنَهَاهُ فَلَمْ يَزَلْ يَسْتَأْذِنُهُ حَتّٰى قَالَ اعْلِفْهُ نَاضِحَكَ وَأَطْعِمْهُ رَقِيْقَكَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَة)[5]

---

[1] المرقات: ۶۰۰/۲۸ [2] المرقات: ۶/۲۸ [3] المرقات: ۶/۲۸ [4] اخرجه ابوداؤد: ۳/۳۲۴ وابن ماجه: ۲/۱۱۲۱ [5] اخرجه مالك: ۹۷۴ والترمذي: ۳/۵۷۵

ترجمہ: اور حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھنے لگانے والے کی کمائی کھانے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کر دیا چنانچہ جب وہ آپ سے بار بار اجازت مانگتے رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دیا کہ اس کی کمائی کا مال اپنے اونٹ کو کھلا دو، یا اپنے بردہ (غلام، لونڈی) کو کھلا دو۔ (مالک، ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "محیصة" میم پر ضمہ ہے اور یا پر شد اور کسرہ ہے ایک صحابی کا نام ہے۔[1]

"استأذن" یعنی سینگی کھچوانے کے کاروبار اور اس کی کمائی کی حلت کی اجازت مانگی اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ عرب اپنے غلاموں پر ٹیکس مقرر کرتے تھے وہ کمائی کرتے تھے اور مقرر حصہ اپنے مالک کو دیا کرتے تھے اور ایسی صورت میں حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ اپنے غلام کی کمائی کھانے کی اجازت مانگ رہے ہیں جو سینگی کے عمل سے حاصل ہوئی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی ان کے بار بار اصرار پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی کمائی کو لیکر اپنے غلاموں کے کھانے میں استعمال کرو اور گھوڑوں کی گھاس میں خرچ کرو اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حجامہ کی کمائی جائز نہیں ہے لیکن تمام فقہاء اور تمام علماء نے دوسری احادیث کو دیکھ کر اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے اس وقت اس حدیث کا حکم خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی پر محمول ہوگا اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ غلاموں کی حیثیت اتنی اونچی نہیں ہے کہ ایک گھٹیا پیشہ کی کمائی سے اس کو نقصان پہنچ جائے گا لیکن شرفا اور احرار کی شان چونکہ عالیشان ہے اس لئے یہ کمائی ان کی شان کی منافی ہے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حجاموں کی وہ کمائی جو داڑھی منڈانے اور سر کے بال انگریزی بنانے سے حاصل ہوتی ہے وہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ خون کھینچنے میں صرف پیشہ کی حقارت ہے شریعت میں اس کی ممانعت نہیں ہے لیکن داڑھی منڈانا تو شرعاً حرام ہے لہٰذا اس کی کمائی بھی حلال نہیں ہوسکتی ہے۔[2]

مغنیہ کی کمائی کا حکم

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الزَّمَّارَةِ. (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "کتے کی قیمت اور گانے والیوں کی کمائی کھانے سے منع فرمایا ہے"۔ (شرح السنہ)

توضیح: "کسب الزمارة" زمارہ گانے والی عورت کو کہتے ہیں زمارہ اصل میں بانسری کو کہتے ہیں چونکہ گانے والی عورت اس کو بجاتی ہے اس لئے اسکا نام لیا گیا ورنہ گانے کے تمام آلات کو بھی مغنیہ استعمال کرتی ہیں عرب کے ہاں یہ بھی دستور تھا کہ وہ مغنیہ کے ذریعے سے پیسہ کماتے تھے جیسا کہ غلاموں اور لونڈیوں کے دیگر پیشوں سے پیسہ حاصل کرتے

[1] المرقات: ۶/۲۹ [2] المرقات: ۶/۲۹ [3] اخرجہ

تھے اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو منع فرمادیا۔ ملا علی قاری عشیہ نے ''زمارہ'' کا مصداق زنا کار عورت بھی قرار دیا ہے کہ لونڈیوں اور کنجریوں کی کمائی جائز نہیں ہے سب احتمالات درست ہیں البتہ اس کا مصداق اگر مغنیہ قرار دیا جائے تو وہ سب سے واضح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ٹیلیویژن، وی سی آر اور کیبل وغیرہ آلات لہو وغنا کی کمائی اور اس کا کاروبار حرام ہے۔ [۱]

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيْعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوْهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ وَفِيْ مِثْلِ هٰذَا أُنْزِلَتْ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَلِيُّ بْنُ يَزِيْدَ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرٍ نَهٰى عَنْ أَكْلِ الْهِرِّ فِيْ بَابِ مَا يَحِلُّ أَكْلُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''گانے والی لونڈیوں کو نہ بیچو، نہ ان کو خریدو اور نہ لونڈیوں کو گانا سکھاؤ اور ان (گانے والی لونڈیوں) کی حاصل ہونے والی قیمت مال حرام ہے۔ اور اسی سلسلہ میں (یعنی گانے والیوں کی خریدنے کی مذمت میں) یہ آیت نازل کی گئی ہے **ومن الناس من یشتری لھو الحدیث** یعنی اور انسانوں میں بعضے ایسے (نادان وغلط کار) لوگ بھی ہیں جو کھیل کی بات خریدتے ہیں (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی عشیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی علی ابن یزید روایت حدیث کے سلسلہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

توضیح: ''**لا تبعوا القینات**'' **قینات قینة** کی جمع ہے دونوں میں تخفیف ہے مشدد نہیں ہے۔ قینہ مطلق لونڈی کو کہتے ہیں خواہ گانے والی ہو یا نہ ہو، البتہ یہاں گانے والی لونڈی مراد ہے کیونکہ اگر گانے والی نہ ہو تو اس کی خرید وفروخت منع نہیں ہے بیع وشراء کی ممانعت اس بات کی دلیل ہے کہ گانے والی لونڈی مراد ہے۔ [۳]

''**ولا تعلموھن**'' یعنی ان لونڈیوں کو گانے بجانے اور رقص وسرود کا فن نہ سکھاؤ ''**لان الغناء رقیة الزنا**''۔ [۴]

''**ثمنھن حرام**'' یعنی ان لونڈیوں کی خرید وفروخت سے یا رقص وسرور سے جو پیسہ حاصل ہو جائے وہ حرام ہے قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ خرید وفروخت کی یہ ممانعت اس صورت میں ہے جب لونڈی صرف اور صرف رقص وسرور کے لئے حاصل کی جاتی ہو اس حدیث کا ظاہری حکم یہی ہے کہ گانا گانے والی لونڈی کی بیع وشراء ناجائز ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک ایسی لونڈی کی بیع وشراء جائز ہے انہوں نے اس حدیث کے ضعیف ہونے کے باوجود اس میں تاویل کی ہے کہ یہاں بیع وشراء مراد نہیں بلکہ ان کے گانے بجانے پر اجرت لینا جائز نہیں ہے جیسا کہ دیگر احادیث میں ہے۔ [۵]

''**ومن الناس**'' یہ ایت سورت لقمان کی ہے جو نضر بن حارث کے بارہ میں اتری ہے یہ شخص قرآن کی سخت مخالفت

---

[۱] المرقات: ۶/۲۹، ۳۰ [۲] اخرجہ احمد: ۵/۲۵۲ والترمذی: ۳/۵۷۹ وابن ماجہ: ۲/۷۳۲

[۳] المرقات: ۶/۳۰ [۴] المرقات: ۶/۳۰ [۵] المرقات: ۶/۳۰

کرتا تھا اور بلاد عجم میں جا کر رستم اور اسفندیار کی کہانیوں کی کتابیں لا کر عربی میں منتقل کرتا تھا اور کہتا تھا کہ "محمد" تم کو عاد وثمود کے قصے سناتا ہے میں رستم واسفندیار اور عجمی بادشاہوں کے قصے سناتا ہوں یہ شخص گانے والی لونڈیوں کی محفلیں سجاتا تھا اور جہاں سنتا کہ کچھ لوگ قرآن کی طرف مائل ہو رہے ہیں وہاں لونڈیاں بھیجتا تھا اور قرآن کا اثر کم کرنا چاہتا تھا جیسا کہ آج کل گمراہ حکمرانوں نے شروع کیا ہے۔[1]

"**لهو الحديث**" اس سے مراد تمام منکرات ۔ لاانذارات کی قصہ گوئیاں فضول مجالس اور ٹی وی کے ڈرامے سب خرافات لھوالحدیث میں داخل ہیں۔[2]

الفصل الثالث

حلال روزی کمانا فرض ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[3]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: حلال روزی کمانا فرض کے بعد ایک فرض ہے۔ (بیہقی)

توضیح: جس شخص کے ذمہ کسی دوسرے شخص یا اپنے اہل وعیال کا نفقہ واجب ہو اس پر فرض ہے کہ محنت کر کے ان کے لئے روزی کمائے اور اگر کمائی کے بغیر کسی ذریعہ سے انتظام ہو سکتا ہے تو پھر فرض نہیں ہے۔

"**بعد الفريضة**" اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ مال کمانا بیشک فرض ہے لیکن اسلام کے دیگر معین فرائض کے بعد فرض ہے مثلاً نماز روزہ وغیرہ عبادات بجالانے کے بعد کمائی فرض ہے یہ مطلب نہیں کہ باقی فرائض کو چھوڑ دیا جائے اور کمائی کے پیچھے پڑ جائے اور خوش ہوتا رہے کہ میں بھی ایک فریضہ کی ادائیگی میں لگا ہوا ہوں نماز کے قیام کے دوران کمائی میں لگنا جائز نہیں ہے پاکستانی نوٹوں پر جو یہ لکھا ہے کہ حصول رزق حلال عبادت ہے یہ اس وقت عبادت ہے جب کہ دوسری عبادات کو بجالایا گیا ہو ورنہ یہی رزق باعث عذاب بنے گا۔[4]

کتابت قرآن پر اجرت لینا جائز ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ أُجْرَةِ كِتَابَةِ الْمُصْحَفِ فَقَالَ لَابَأْسَ إِنَّمَا هُمْ مُصَوِّرُوْنَ وَإِنَّهُمْ إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ مِنْ عَمَلِ أَيْدِيْهِمْ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان سے کتابت قرآن کی اجرت کا حکم دریافت کیا گیا

[1] المرقات: ۶/۳۰ [2] المرقات: ۶/۳۰، ۳۱ [3] اخرجه البيهقي: ۶/۴۲۰ [4] المرقات: ۶/۳۱ [5] اخرجه

(کہ کتابت قرآن کی اجرت کھانا جائز ہے یا نہیں؟) توانہوں نے فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ کاتب لوگ توصرف نقش کھینچنے والے ہیں جو اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے ہیں"۔ (رزین)

قرآن کریم الفاظ ومعانی کے مجموعہ کا نام ہے یہ وہم گذر سکتا تھا کہ قرآن کے الفاظ لکھ کر اس سے اجرت حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا اسی تصور کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ختم کیا کہ لکھنے والا تونقش بناتا ہے جس میں ان کو بہت مشقت ہوتی ہے لہٰذا یہ کمائی اور اس محنت کے بدلے میں معاوضہ لینا جائز ہے۔

ہاتھ کی کمائی سب سے افضل ہے

﴿۲۵﴾ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قِيلَ يَارَسُولَ اللهِ أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت رافع بن خدیج راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ کون سا کسب پاکیزہ (یعنی افضل ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور ہر وہ تجارت جو مقبول (یعنی شرعی اصول وقواعد کے مطابق) ہو"۔ (احمد)

توضیح: جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ نص صریح سے ثابت ہے کہ سب سے افضل کمائی وہ ہے جو جہاد میں کسی مسلمان کو مال غنیمت میں سے حاصل ہوجائے یہاں ہاتھ کی کمائی کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے اس میں کوئی منافات نہیں ہے جہاد میں جو مال غنیمت ہاتھ آتا ہے وہ تو سخت محنت اور جان کی بازی لگانے کے بعد آتا ہے تو وہ بھی ہاتھ کی اعلیٰ کمائی ہے۔

"بیع مبرور" **مبرور** سے وہ بیع مراد ہے جس میں نہ جھوٹ ہو نہ خیانت ہو نہ فراڈ ہو بلکہ بیوعات کے اصول کے بالکل موافق ہو۔[2]

جائز کاروبار میں عار نہیں کرنا چاہئے

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أَبِي بَكْرِبْنِ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ كَانَتْ لِمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ جَارِيَةٌ تَبِيعُ اللَّبَنَ وَيَقْبِضُ الْمِقْدَامُ ثَمَنَهُ فَقِيلَ لَهُ سُبْحَانَ اللهِ أَتَبِيعُ اللَّبَنَ وَتَقْبِضُ الثَّمَنَ فَقَالَ نَعَمْ وَمَابَأْسٌ بِذٰلِكَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَايَنْفَعُ فِيهِ إِلَّا الدِّينَارُ وَالدِّرْهَمُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ ابن مریم (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت مقدام ابن معدی کرب رضی اللہ عنہ (صحابی) کی ایک باندی (ان کے گھر کے جانوروں کا) دودھ بیچا کرتی تھی اور مقدام رضی اللہ عنہ اس سے دودھ کی حاصل ہونے والی قیمت لے لیا کرتے

[1] اخرجه احمد: ۴/۱۴۱ [2] المرقات: ۶/۳۲ [3] اخرجه احمد: ۴/۱۳۳

تھے چنانچہ (ایک روز) مقدام رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ سبحان اللہ: (کتنی عجیب بات ہے کہ) باندی دودھ بیچتی ہے اور تم اس کی قیمت لے لیتے ہو؟ مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "ٹھیک تو ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں درہم ودینار کے علاوہ کوئی چیز فائدہ نہیں دے گی"۔ (احمد)

توضیح: "سبحان الله !" دیہات اور قبائل عرب میں دودھ سے کسی انسان کی مدد بغیر کسی معاوضہ کی ہوتی تھی جیسا کہ آج کل پاکستان کے دیہاتوں میں رواج ہے حضرت مقدام نے جب دودھ کی خرید وفروخت کا کام شروع کیا تو معاشرہ کے افراد نے اسے برا مانا حضرت مقدام نے اس کا جواب دیا کہ اس میں عار کی کیا بات ہے ایک جائز کاروبار ہے جس سے میں اپنی عزت اور دین کی حفاظت کرتا ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں صرف پیسہ کام دیگا یعنی اپنی عزت اور اپنے دین وعبادت کی حفاظت حلال پیسہ سے ہوگی اگر مال نہیں ہوگا تو سب سے پہلے آدمی کا دین جائے گا پھر عزت وعظمت رخصت ہوگی۔[1]

جب تک کاروبار چلتا رہے اس کو بدل دینا اچھا نہیں

﴿۲۷﴾ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ أُجَهِّزُ إِلَى الشَّامِ وَإِلَى مِصْرَ فَجَهَّزْتُ إِلَى الْعِرَاقِ فَأَتَيْتُ أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ كُنْتُ أُجَهِّزُ إِلَى الشَّامِ فَجَهَّزْتُ إِلَى الْعِرَاقِ فَقَالَتْ لَاتَفْعَلْ مَالَكَ وَلِمَتْجَرِكَ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا سَبَّبَ اللهُ لِأَحَدِكُمْ رِزْقًا مِنْ وَجْهٍ فَلَا يَدَعْهُ حَتّٰى يَتَغَيَّرَ لَهٗ أَوْ يَتَنَكَّرَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت نافع کہتے ہیں کہ میں (اپنی تجارت کا) مال واسباب تیار کر کے (اپنے ملازموں اور وکیلوں کی سپردگی میں) شام اور مصر بھیجا کرتا تھا، پھر بعد میں (ایک مرتبہ) میں نے اپنا تجارتی سامان عراق کی طرف بھیجنے کا ارادہ کیا اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ "ام المومنین" میں (پہلے تو) اپنا تجارتی سامان شام بھیجا کرتا تھا مگر اب میرا ارادہ ہے کہ اپنا تجارتی سامان لے کر عراق کی طرف جاؤں (یہ سن کر) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔ تمہیں اور تمہاری تجارت کو کیا ہوا ہے؟ (کہ تم شام کے سلسلۂ تجارت کو منقطع کرتے ہو) میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے رزق کا کوئی سبب کسی صورت میں پیدا کردے تو اس کو چھوڑنا نہیں چاہیئے تا آنکہ اس میں کوئی تبدیلی پیدا ہو جائے یا نقصان پہنچنے لگے"۔ (احمد، ابن ماجہ)

توضیح: "اجهز" یہ شخص فرماتے ہیں کہ میں مال تجارت شام اور مصر وغیرہ کی طرف خود تیار کر کے روانہ کرتا تھا یا اپنے وکیلوں کے ذریعہ سے تیاری کرتا تھا ایک دفعہ میں نے ارادہ کرلیا کہ اب اپنا تجارتی مرکز عراق کو بناؤں چنانچہ وہاں

[1] المرقات: ۶/۳۳ [2] اخرجه احمد: ۶/۲۳۶ وابن ماجه: ۲/۴۲۶

کے لئے سامان میں نے تیار کرلیا لیکن دل میں خیال آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مشورہ کرلوں، چنانچہ میں نے مشورہ مانگا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے منع فرمادیا کہ ایک تو عراق دور بھی ہے دوسری بات یہ کہ اس تبدیلی میں حرص کارفرما ہے۔ [1]

"متجرك" تجارت پر بھی بولا جاتا ہے مگر یہاں تجارت کی جگہ مراد ہے یعنی اس تبدیلی کی کیا ضرورت ہے جب اللہ تعالیٰ ایک جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے تو اس کی تبدیلی مناسب نہیں۔ [2]

"اذا سبب الله" یعنی جب ایک طرف اور جانب سے اللہ تعالیٰ رزق عطا کرتا ہے اور اس جگہ کو سبب و ذریعہ بنایا ہے تو اس کو کیوں تبدیل کرتے ہو۔ "یتغیرله" یعنی نفع بند ہوجائے "اویتنکرله" یعنی راس المال ضائع ہوجائے اور منکر اور بری صورت ظاہر ہوجائے بہرحال اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے تو روز روز آدمی کی تبدیلی سے اس نظام میں خلل آتا ہے جہاں سے اللہ دے رہا ہے وہیں سے لیا کرو۔ [3]

نااہل کاریگر کی کمائی کا حکم

﴿۲۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ لِأَبِي بَكْرٍ غُلَامٌ يُخْرِجُ لَهُ الْخَرَاجَ فَكَانَ أَبُوْبَكْرٍ يَأْكُلُ مِنْ خِرَاجِهِ فَجَاءَ يَوْماً بِشَيْءٍ فَأَكَلَ مِنْهُ أَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ لَهُ الْغُلَامُ تَدْرِيْ مَاهٰذَا فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ وَمَاهُوَ قَالَ كُنْتُ تَكَهَّنْتُ لِإِنْسَانٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا أُحْسِنُ الْكِهَانَةَ إِلَّا أَنِّي خَدَعْتُهُ فَلَقِيَنِيْ فَأَعْطَانِيْ بِذٰلِكَ فَهٰذَا الَّذِيْ أَكَلْتَ مِنْهُ قَالَتْ فَأَدْخَلَ أَبُوْبَكْرٍ يَدَهُ فَقَاءَ كُلَّ شَيْءٍ فِيْ بَطْنِهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [4]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غلام تھا جو اپنی کمائی میں سے ایک مقررہ حصہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیا کرتا تھا (جیسا کہ اہل عرب کا معمول تھا کہ وہ اپنے غلاموں کو کمائی پر لگادیتے تھے اور ان کو حاصل ہونے والی اجرت میں سے کوئی حصہ اپنے لئے مقرر کرلیتے تھے) چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس غلام کی لائی ہوئی چیز کھالیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ غلام کوئی چیز لایا جس میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (بھی) کھایا (ان کے کھانے کے بعد) غلام نے کہا کہ "آپ جانتے بھی ہیں یہ کیسی چیز ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "مجھے کیا معلوم تم ہی بتاؤ یہ کیسی چیز ہے؟ غلام نے کہا کہ "میں ایام جاہلیت میں (یعنی اپنی حالت کفر میں) ایک شخص کو غیب کی باتیں بتایا کرتا تھا حالانکہ میں کہانت کا فن (یعنی پوشیدہ باتیں بتانے کا فن) اچھی طرح نہیں جانتا تھا بلکہ میں اس کو (غلط سلط باتیں بنا کر) فریب دیا کرتا تھا (اتفاقاً آج) اس شخص سے میری ملاقات ہوگئی تو اس نے مجھے یہ چیز دی، یہ وہی چیز ہے جو آپ نے کھائی ہے" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ (یہ سنتے ہی) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے منہ (یعنی حلق) میں ہاتھ ڈال کر قے کردی اور جو کچھ پیٹ میں تھا (از راہ احتیاط) سب باہر نکال دیا"۔ (بخاری)

[1] المرقات: ۶/۳۳، ۳۴ [2] المرقات: ۶/۳۴ [3] المرقات: ۶/۳۴ [4] اخرجه البخاری: ۷/۱۴۷

توضیح: "تکھنت" یعنی مستقبل کے بارہ میں غیب کی بات بتائی تھی لیکن مجھے اس فن میں مہارت نہیں تھی [۱]
"فقاء" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کسی حیلہ سے پیٹ کے اندر سے یہ مشتبہ دودھ قے کیا یہ احتیاط اور تقویٰ کے طور پر تھا کیونکہ اس کمائی میں ایک تو کہانت کی برائی آگئی تھی دوسری برائی دھوکہ دہی کی تھی کیونکہ اس فن میں وہ شخص نااہل تھا۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت پیش آنے کی وجہ سے قے کرنا لازم اور واجب ہے۔ [۲]
لیکن امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی کتاب منہاج العارفین میں تقویٰ اور احتیاط پر حمل کیا ہے اس حدیث سے یہ بات سامنے آگئی کہ کسی سے کوئی شخص کچھ لیتا ہے تو اس کو چاہئے کہ خوب تفتیش کرلے کہ کہیں اس میں حرام کی آمیزش نہ ہو۔ آنے والی حدیث میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قے کرائی۔ [۳]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تقویٰ

﴿۲۹﴾ وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِّيَ بِالْحَرَامِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی ہوگی وہ (شروع ہی میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ اور سزا بھگتے بغیر) جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔ (بیہقی)

حرام کمائی کی نحوست عبادت پر پڑتی ہے

﴿۳۰﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ أَنَّهُ قَالَ شَرِبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَبَناً وَأَعْجَبَهُ وَقَالَ لِلَّذِيْ سَقَاهُ مِنْ أَيْنَ لَكَ هٰذَا اللَّبَنُ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ وَرَدَ عَلٰى مَاءٍ قَدْ سَمَّاهُ فَإِذَا نَعَمٌ مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ وَهُمْ يَسْقُوْنَ فَحَلَبُوْا لِيْ مِنْ أَلْبَانِهَا فَجَعَلْتُهُ فِيْ سِقَائِيْ وَهُوَ هٰذَا فَأَدْخَلَ عُمَرُ يَدَهُ فَاسْتَقَاءَهُ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ) [۵]

ترجمہ: اور حضرت زید ابن اسلم (جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے) کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عمر ابن خطاب نے دودھ پیا جو ان کو بہت اچھا معلوم ہوا انہوں نے اس شخص سے کہ جس نے دودھ لاکر پلایا تھا پوچھا کہ یہ دودھ تمہیں کہاں سے ملا؟ تو اس نے ان کو بتایا کہ وہ (یعنی میں) پانی کے ایک چشمہ یا کنویں پر گیا تھا، اس نے چشمے یا کنویں کا نام بھی بتایا وہاں میں نے دیکھا کہ زکوٰۃ کے کچھ جانور (یعنی اونٹ و بکری وغیرہ پانی پینے کے لئے آئے ہوئے ہیں) اور ان جانوروں کے نگراں

[۱] المرقات: ۶/۳۴ [۲] المرقات: ۶/۳۴ [۳] المرقات: ۶/۳۵ [۴] اخرجه البیهقی: ۵/۵۶ [۵] اخرجه البیهقی: ۵/۶۰

ان کا دودھ نکال کر لوگوں کو پلا رہے ہیں چنانچہ انہوں نے میرے لئے بھی دودھ دوہا جسے میں نے لے کر اپنی مشکیزہ میں ڈال دیا، یہ وہی دودھ تھا (یہ سن کر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے حلق میں) ہاتھ ڈال کر قے کر دی (اور اس دودھ کو پیٹ سے باہر نکال دیا کیونکہ وہ زکوٰۃ کا مال تھا جو ان کے لئے جائز نہیں تھا) ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بڑی شان تھی آپ اس واقعہ کو دیکھیں کہ بالکل خالی پیٹ سے دودھ کی چند گونٹ کھینچ کر قے کرانا کتنا مشکل کام ہے پھر یہاں مسئلہ خالص حرمت کا بھی نہیں صرف شبہ آگیا کہ صدقہ کے اونٹوں سے حاصل شدہ دودھ شاید مال زکوٰۃ میں سے ہو جس کا استعمال کرنا ان کے لئے جائز نہیں تھا۔

حرام کمائی کی نحوست عبادت پر پڑتی ہے

﴿۳۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى ثَوْباً بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ وَفِيْهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللهُ تَعَالٰى لَهٗ صَلَاةً مَادَامَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَدْخَلَ إِصْبَعَيْهِ فِيْ أُذُنَيْهِ وَقَالَ صُمَّتَا إِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُهٗ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَ إِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص (مثلا) ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور ان میں بھی درہم حرام مال کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس شخص کی نماز قبول نہیں کرے گا جب تک کہ آدمی کے جسم پر وہ کپڑا ہوگا''۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی (شہادت کی) دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ڈالیں اور کہا کہ یہ دونوں کان بہرے ہو جائیں اگر میں نے یہ رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے نہ سنا ہو''۔ (احمد، بیہقی) اور بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے۔

توضیح: ''لم یقبل اللہ'' یعنی فرض نماز کا ثواب اس شخص کو حاصل نہیں ہوگا پڑھی ہوئی نماز تو ہو جائے گی قضا کرنا لازم نہیں ہے لیکن قبولیت اور ثواب نہیں ملیگا۔[2] ''صمتا'' یعنی اگر میں نے یہ حدیث حضور اکرم ﷺ سے خود نہ سنی ہو تو میرے دونوں کان بہرے ہو جائیں۔ صحابہ کرام اس قسم کلام اس لئے ارشاد فرماتے تھے تاکہ سننے والے کو خوب یقین آجائے اور کوئی شخص غلط اندازوں سے احادیث بیان کرنا شروع نہ کرے۔[3]

[1] اخرجه البهقي: ۵/۱۴۲ [2] المرقات: ۶/۳۶ [3] المرقات: ۶/۳۶

مورخہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب المساھلة

معاملات میں نرمی کرنے کا بیان

خرید وفروخت اور قرض لینے دینے میں نرمی کرنے اور چشم پوشی کرکے سہل انگاری اختیار کرنے کو مساھلہ کہتے ہیں ای المجاملة والمسامحة۔[1]

الفصل الاول

معاملات میں نرمی کرنے والے کو حضور اکرم ﷺ کی دعا

﴿۱﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰہُ رَجُلاً سَمِحاً اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰی وَاِذَا اقْتَضٰی۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)[2]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو بیچنے میں خریدنے میں اور تقاضہ کرنے میں نرمی کرتا ہے"۔ (بخاری)

توضیح: "سمحا" سہل انگاری کرنے والے اور چشم پوشی اور نرمی کرنے والے اور سخاوت کرنے والے شخص کیلئے حضور اکرم ﷺ کی دعا اس حالت کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ شخص لینے دینے اور لین دین میں نرمی کررہا ہو۔[3]

لین دین میں نرمی کرنے والے ایک شخص کی حکایت

﴿۲﴾ وَعَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَجُلاً کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ أَتَاہُ الْمَلَكُ لِیَقْبِضَ رُوْحَهٗ فَقِیْلَ لَهٗ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَیْرٍ قَالَ مَا أَعْلَمُ قِیْلَ لَهٗ اُنْظُرْ قَالَ مَا أَعْلَمُ شَیْئًا غَیْرَ أَنِّیْ کُنْتُ أُبَایِعُ النَّاسَ فِی الدُّنْیَا وَأُجَازِیْهِمْ فَأُنْظِرُ الْمُوْسِرَ وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَأَدْخَلَهُ اللّٰہُ الْجَنَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ نَحْوُہٗ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِیِّ فَقَالَ اللّٰہُ أَنَا أَحَقُّ بِذَا مِنْكَ تَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِیْ)[4]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں (یعنی گذشتہ امتوں میں) سے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ جب اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا تو اس سے پوچھا کہ

[1] المرقات: ۶/۳۷ [2] اخرجه البخاری: ۳/۷۵ [3] المرقات: ۶/۳۷ [4] اخرجه البخاری: ۳/۷۵ ومسلم: ۱/۶۷۲

''کیا تونے کوئی نیک کام کیا ہے؟ اس نے کہا ''مجھے یاد نہیں ہے'' (کہ میں نے کوئی نیک کام کیا ہو) اس سے پھر کہا گیا کہ اچھی طرح سوچ لے'' اس نے کہا کہ مجھے قطعاً یاد نہیں آرہا ہے ہاں (اتنا ضرور جانتا ہوں کہ) میں دنیا میں جب لوگوں سے (خرید وفروخت کے) معاملات کیا کرتا تھا تو تقاضہ کے وقت (یعنی مطالبات کی وصولی میں) ان پر احسان کیا کرتا تھا بایں طور کہ مستطیع لوگوں کو تو مہلت دے دیتا تھا اور جو نادار ہوتے ان کو معاف کر دیتا تھا (یعنی اپنے مطالبات کا کوئی حصہ یا پورا مطالبہ ان کے لئے معاف کر دیتا تھا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اس کے اسی عمل سے خوش ہوکر) اس کو جنت میں داخل کر دیا''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**الملك**" حضرت عزرائیل بھی مراد ہو سکتے ہیں اور الملک سے وہ فرشتے بھی مراد لئے جا سکتے ہیں جو حضرت عزرائیل کے ماتحت موت کے امور پر مقرر ہیں۔ موت کی نسبت فرشتہ کی طرف اسناد مجازی ہے ورنہ حقیقت میں موت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔[1]

خرید وفروخت میں زیادہ قسمیں نہ کھاؤ

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَكَثْرَةَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ يُنَفِّقُ ثُمَّ يَمْحَقُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اپنی تجارتی زندگی میں زیادہ قسمیں کھانے سے پرہیز کرو، کیونکہ تجارتی معاملات میں زیادہ قسمیں کھانا (پہلے تو) کاروبار کو رواج دیتا ہے مگر پھر برکت کھو دیتا ہے''۔ (مسلم)

توضیح: "**ایاکم**" یعنی بچو احتیاط کرو اجتناب کرو "**کثرۃ الحلف**" زیادہ قسموں کی ممانعت اس لئے کی گئی ہے کہ لین دین میں کچھ نہ کچھ قسمیں ہوتی رہتی ہیں کثرت سے بچنا چاہئے ہاں جھوٹی قسم تو ایک بھی ہو وہ زیادہ تباہی لاتی ہے۔[3]

"**ینفق**" یہ صیغہ مجرد سے باب نصر سے بھی آتا ہے اور باب تفعیل سے بھی آتا ہے یہاں زیادہ واضح یہی ہے کہ باب تفعیل سے ہو **ینفق** کا مطلب یہ ہے کہ تجارت اور سودا کو رواج مل جائے خوب مارکیٹ مین اس کی مانگ ہو جائے "**یمحق**" محق مٹنے کے معنی میں ہے یعنی اس کی برکت جاتی ہے کثرت قسم کی نحوست کا یہی اثر ہوتا ہے "**ای ینفق حالا ویمحق مألا**" اگر جھوٹی قسم ہے تو ایک قسم بھی برکت مٹانے کے لئے کافی ہے اور اگر کچھ سچی ہو تو پھر کثرت قسم سے برکت چلی جاتی ہے۔[4]

قسموں سے تجارت کی برکت چلی جاتی ہے

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلِفُ مُنَفِّقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِلْبَرَكَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

---

[1] المرقات: ۶/۳۷ [2] اخرجه مسلم: ۱/۷۰۲ [3] المرقات: ۶/۳۹ [4] المرقات: ۶/۳۹ [5] اخرجه البخاری: ۳/۷۸ ومسلم: ۱/۷۰۲

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ "قسم (شروع میں) تو مال و اسباب میں منفعت کا سبب بنتی ہے لیکن (انجام کار) برکت کے خاتمہ کا سبب بن جاتی ہے"۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "الحلف" یعنی جھوٹی قسم، یا کثرت سے سچی قسم۔[1]

"منفقة" منفعة کی طرح ہے جو مفعلة کے وزن پر ہے ذریعہ اور سبب کے معنی میں ہے۔

"السلعة" سودا کو کہتے ہیں یعنی سودا کی ترویج ہوجاتی ہے لیکن برکت ختم ہوجاتی ہے یا تو اصل مال ہلاک ہوجاتا ہے یا اس کا منافعہ بے فائدہ ہوجاتا ہے۔[2]

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ قَالَ أَبُوْذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ تو ان سے (مہربانی و عنایت کا) کلام کرے گا نہ (بنظر رحمت و عنایت) ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان تینوں کیلئے دردناک عذاب ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ: خیر و بھلائی سے محروم اور اس ٹوٹے میں رہنے والے وہ کون شخص ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "ایک تو پائچے لٹکانے والا اور دوسرا (کسی کو کوئی چیز دیکر) احسان جتلانے والا اور تیسرا جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی تجارت بڑھانے والا"۔ (مسلم)

توضیح: "المسبل" ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا قمیص یا لنگی لٹکانے والے کو مسبل کہتے ہیں اور یہ عمل اسبال کہلاتا ہے "المنان" احسان جتلانے والے کو کہتے ہیں۔[4]

"المنفق" باب تفعیل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جھوٹی قسم کھا کر تجارت بڑھانے والے کو منفق کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم سے جھوٹی قسم مراد ہے۔[5]

الفصل الثانی

سچے اور امانت دار تاجر کی فضیلت

﴿۶﴾ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَه عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[6]

---

[1] المرقات: ۶/۳۹ [2] المرقات: ۶/۳۹ [3] اخرجه مسلم: ۱/۷۵

[4] المرقات: ۶/۴۰ [5] المرقات: ۶/۴۰ [6] اخرجه الترمذی: ۳/۵۱۵ والدارمی: ۳۵۴۲

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''(قول و فعل میں) نہایت سچائی اور نہایت دیانتداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا شخص نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی، دارمی، دارقطنی) اور ابن ماجہ نے یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، نیز ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تاجر کو صدقہ کرنا چاہئے

﴿۷﴾ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِيْ غَرَزَةَ قَالَ كُنَّا نُسَمّٰى فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّمَاسِرَةَ فَمَرَّ بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمَّانَا بِاسْمٍ هُوَ أَحْسَنُ مِنْهُ فَقَالَ يَامَعْشَرَ التُّجَّارِ إِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلِفُ فَشُوْبُوْهُ بِالصَّدَقَةِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[1]

ترجمہ: اور قیس بن غرزہ (جو سوداگری کرتے تھے) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم لوگوں کو (یعنی سوداگروں کو) ''سماسرہ'' کہا جاتا تھا چنانچہ (ایک دن کا ذکر ہے کہ) نبی کریم ﷺ کا گذر ہماری طرف ہوا تو آپ ﷺ نے ہمارے طبقہ کو ایک ایسا نام عطا کیا جو ہمارے پہلے نام سے کہیں بہتر ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے طبقہ تجار: تجارت میں اکثر بے فائدہ باتیں اور (بہت زیادہ) قسم (یا کبھی کبھی جھوٹی قسم) کھانے کی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں اس لئے تم تجارت کو صدقہ وخیرات کے ساتھ ملائے رکھو''۔ (ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: ''السماسرة'' سمسار کی جمع ہے جو دلال کے معنی میں ہے اسلام سے پہلے تاجروں کا نام دلال ہوا کرتا تھا حضور اکرم ﷺ نے ان کو تاجر کے نام سے یاد کیا حضور اکرم ﷺ کا تاجروں پر یہ بڑا احسان ہے[2] ''فشوبوه'' باب تفعیل سے ملانے اور خلط ملط کرنے کے معنی میں ہے یعنی لغویات اور قسم عموماً تجارت میں ہوتی ہے اس لئے اس کے برے اثرات کو زائل کرنے کے لئے صدقہ کیا کرو کیونکہ صدقہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب کی آگ بجھ جاتی ہے۔[3]

کامیاب تاجر کون ہوتا ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّجَّارُ يُحْشَرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّ وَصَدَقَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ عَنِ الْبَرَاءِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عبید ابن رفاعہ رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) اپنے والد محترم (حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ انصاری صحابی) سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے دن تاجر لوگوں کا حشر، فاجروں (یعنی دروغ گو اور

[1] اخرجه ابوداؤد: ۳/۲۳۹ والترمذی: ۳/۵۱۴ [2] المرقات: ۶/۳۱ [3] المرقات: ۶/۳۲ [4] اخرجه الترمذی: ۳/۵۱۵ وابن ماجه: ۲/۷۲۶

نافرمان لوگوں) کے ساتھ ہوگا، ہاں (وہ تاجر اس سے مستثنی ہونگے) جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی (یعنی خیانت اور فریب دہی وغیرہ میں مبتلا نہ ہوئے) اور نیکی کی (یعنی اپنے تجارتی معاملات میں لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا یا یہ کہ عبادت خداوندی کرتے رہے) اور سچ پر قائم رہے''۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو حضرت براء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (اور اس باب میں تیسری فصل نہیں ہے)

توضیح: تجار تاجر کی جمع ہے اور فجار فاجر کی جمع ہے فاسق و نافرمان کو کہتے ہیں۔

"**اتقی**" یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا اور صغیرہ کبیرہ گناہ سے اجتناب کیا اور دھوکہ دہی اور خیانت سے احتراز کیا۔[1]

"**وبر وصدق**" یعنی لوگوں کے ساتھ عام کلام میں بھی جھوٹ سے اجتناب کیا ہمیشہ سچ بولا اور خصوصاً اپنی تجارت میں بھی سچ بولا۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ چونکہ تجار کی عادت ہوتی ہے کہ معیوب چیز کو فروخت کرتے ہیں تجارت میں گڑبڑ کرتے ہیں اور جھوٹی قسموں کے ذریعہ سے ہر صورت میں اپنی تجارت کو رواج دینے کے درپے رہتے ہیں اس لئے ان پر عمومی طور پر فسق و فجور کا حکم لگا دیا گیا پھر ان میں سے جو اچھے تاجر تھے اس کا استثناء کیا گیا کہ جو ان حرام اشیاء کے ارتکاب سے بچا اور سچائی اختیار کی تو وہ قیامت کے دن نہ فاسق تاجر بن کر اٹھے گا اور نہ کسی اور جرم میں مرتکب ہو کر آئے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیاب ہو کر آئیگا۔[2]

[1] المرقات: ۶/۴۲ [2] المرقات: ۶/۴۳

باب الخیار

خیار کا بیان

الفصل الاول

خیار مجلس کا مسئلہ

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلٰى صَاحِبِهٖ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اِذَا تَبَايَعَ الْمُتَبَايِعَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مِنْ بَيْعِهٖ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اَوْ يَكُوْنُ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَاِذَا كَانَ بَيْعُهُمَا عَنْ خِيَارٍ فَقَدْ وَجَبَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اَوْ يَخْتَارَا وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ اَوْ يَقُوْلُ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اخْتَرْ بَدَلَ اَوْ يَخْتَارَا)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں میں سے ہر ایک اپنے دوسرے صاحب معاملہ پر (اس بات کا) اختیار رکھتا ہے (کہ چاہے تو وہ خرید و فروخت کے معاملہ کو باقی رکھے اور چاہے ختم کردے) جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں (یعنی جس مجلس میں وہ معاملہ طے پایا ہوگا جب وہ ختم ہو جائے گا بایں طور کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں رہے گا) ہاں بیع خیار اس سے مستثنی ہے (یعنی بیع میں خریدار نے اس اختیار کی شرط طے کرلی ہوگی کہ اگر میں چاہوں گا تو اس خریدی ہوئی چیز کو رکھوں گا اور اگر نہ چاہوں گا تو واپس کردوں گا اس بیع میں ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد بھی اختیار باقی رہتا ہے)۔ (بخاری و مسلم)

توضیح:

خیار کی تعریف:

''کل واحد منهما بالخيار''

خیار اختیار سے مشتق ہے دو چیزوں میں سے کسی اچھی چیز کا انتخاب کر کے پسند کرنے کو لغوی طور پر خیار کہتے ہیں فقہاء کی اصطلاح میں خیار کی تعریف اس طرح ہے ''کسی تجارتی معاملہ کو باقی رکھنے یا اسے فسخ کرنے کا نام خیار ہے''۔ یہ اختیار بیع وشراء میں بائع اور مشتری دونوں کو حاصل ہوتا ہے۔[1]

[1] المرقات: ۶/۴۴

خیار کی قسمیں:

خیار کی بڑی بڑی چھ اقسام ہیں۔

❶ خیار شرط:

عقد مکمل ہونے کے بعد طرفین کو اس معاملہ کے باقی رکھنے یا ختم کرنے کا نام خیار شرط ہے۔

❷ خیار عیب:

کسی خریدی ہوئی چیز میں عیب ظاہر ہونے پر مشتری کو اسے رکھنے یا واپس کرنے کے اختیار کا نام خیار عیب ہے۔

❸ خیار رؤیت:۔

بے دیکھی چیز کو خریدنے کے بعد جب مشتری نے دیکھ لیا تو اس کو رکھنے یا واپس کرنے کا جو اختیار مشتری کو حاصل ہوتا ہے اس کا نام خیار رؤیت ہے۔

❹ خیار تعیین:۔

چند چیزوں کے سودے میں بعض کے رکھنے اور بعض کو واپس کرنے کا جو اختیار مشتری کو ہوتا ہے یہ خیار تعیین ہے۔

❺ خیار قبول:۔

بائع کے ایجاب کے بعد مشتری کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا جو اختیار ہوتا ہے یہ خیار قبول ہے۔

❻ خیار مجلس:۔

کسی مجلس میں بائع و مشتری کے درمیان معاملہ طے ہوجانے کے بعد مجلس کے اختتام تک ہر ایک کو اس عقد کے ختم کرنے یا باقی رکھنے کے اختیار کا نام خیار مجلس ہے۔

خیار کے اس آخری قسم میں فقہاء کرام کا بڑا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ بائع اور مشتری عقد کے بعد جب تک مجلس میں بیٹھے ہوں ہر ایک کو عقد کے فسخ کرنے یا باقی رکھنے کا اختیار حاصل ہے ہاں مجلس برخاست ہونے کے بعد فسخ کا اختیار ختم ہوجاتا ہے اور "**مالم یتفرقا**" میں تفرق بالابدان مراد ہے۔

احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ ایجاب وقبول کے بعد جب عقد مکمل ہوجائے تو اب کسی کو فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے خواہ وہ دونوں مجلس ہی میں کیوں نہ بیٹھے ہوں اور **مالم یتفرقا** سے تفرق بالاقوال مراد ہے۔[1]

دلائل فقہاء کے اختلاف کی بنیاد اسی زیر بحث حدیث پر ہے مگر طرز استدلال اور اجتہادی فکر الگ الگ ہے اور حدیث میں

[1] المرقات: ۶/۴۴

جانبین کی فکر اور طرز استدلال کی گنجائش ہے لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ حدیث صرف ایک جانب کے فقہاء کی دلیل ہے اگر چہ ظاہری الفاظ کو دیکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث شوافع اور حنابلہ ہی کی دلیل ہے چنانچہ ان حضرات نے خیار مجلس کے ثبوت کے لئے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ خیار کے لفظ سے خیار مجلس مراد لیتے ہیں اور مالم یتفرقا میں تفرق ابدان کا تفرق مراد لیتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ عقد کے بعد بائع اور مشتری جب تک مجلس میں بیٹھے رہیں گے ان کو عقد کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل رہیگا لیکن اگر وہ جسمانی طور پر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تو اب عقد کے فسخ کرنے کا اختیار دونوں سے ختم ہو جائے گا اور الا بیع الخیار یا الا ان یختار ا کا جو استثناء ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دونوں نے عقد کے بعد تین دن وغیرہ کی خیار شرط رکھی ہے تو اب مجلس برخاست ہونے کے بعد بھی وہ خیار باقی رہیگا اس طرح ان حضرات نے حدیث کا مفہوم و مضمون بیان کیا ہے۔[1]

احناف اور مالکیہ نے اس حدیث کے ساتھ ساتھ فصل ثانی کی حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو اسی زیر بحث حدیث کے مختلف طرق میں ایک طریق ہے الفاظ اس طرح ہیں۔

"ولا یحل له ان یفارق صاحبه خشیة ان یستقیله" یہ لفظ واضح طور پر اقالہ پر دلالت کر رہا ہے معلوم ہوا کہ مجلس میں اگر ایک فریق عقد کو فسخ کرنا چاہتا ہے تو یہ اقالہ ہوگا اور اقالہ میں دوسرے ساتھی کی رضامندی ضروری ہے۔[2]

احناف اور مالکیہ نے زیر بحث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں خیار سے خیار قبول مراد لیا ہے اور یتفرقا سے تفرق بالاقوال مراد لیا ہے کہ جب تک مجلس میں ایجاب کے بعد دوسرا فریق قبول نہیں کرتا تو ان کو اختیار حاصل ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے اگر قبول کر لیا تو عقد تام ہو گیا اور اگر قبول نہ کیا تو عقد نامکمل رہ گیا امام طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے یہاں خیار قبول ہی مراد لیا ہے اگر چہ حدیث کے آنے والے الفاظ الا بیع الخیار اس توجیہ کو قبول نہیں کرتے ہیں۔

بہر حال تفرق بالاقوال لیکر اس حدیث سے احناف استدلال کر سکتے ہیں جس سے خیار مجلس کے دعویٰ کی نفی ہو جاتی ہے۔ احناف اور مالکیہ نے بیوعات اور عقود و فسوخ کے اصولی قواعد سے بھی استدلال کیا ہے اور یہ استدلال بہت مضبوط ہے فرماتے ہیں کہ تمام عقود کی حقیقت ایجاب و قبول ہے ایجاب و قبول کے علاوہ کوئی اور چیز کسی عقد کا رکن نہیں ہے بیع میں بھی اسی طرح ہے، جب بیع کے یہ دونوں رکن متحقق ہو گئے تو عقد مکمل ہو گیا اب قرآن کریم کی آیت کے حکم کے مطابق ایفاء عقد ضروری ہے۔ ارشاد ہے ﴿یاایها الذین امنوا اوفوا بالعقود﴾[3] اب اگر کوئی فریق بیع فسخ کرنا چاہتا ہے تو یہ اقالہ ہوگا جو بائع کی رضا پر موقوف ہے احناف و مالکیہ نے اس باب کی فصل ثانی کی آخری حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں صاف الفاظ ہیں کہ حضور نے عقد بیع کے بعد دیہاتی کو اختیار حق دیا اگر یہ حق خود حاصل تھا تو حضور اکرم نے ان کو کیوں دیا؟[4]

احناف اور مالکیہ نے ایک عقلی دلیل بھی پیش کی ہے فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی طرفین مجلس عقد میں گھنٹوں گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں ادھر مارکیٹ میں منٹوں منٹوں کے حساب سے قیمتوں میں اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے اب یہ حضرات بیٹھے ہوئے ہونگے کہ

[1] المرقات: ۶/۴۴، ۴۵ [2] المرقات: ۶/۴۸ [3] سورۃ مائدہ: ۱ [4] المرقات: ۶/۴۸، ۴۹

قیمت بڑھ گئی ہوگی یا گھٹ چکی ہوگی اب ایک فریق عقد کو فسخ کریگا دوسرا انکار کریگا اس طرح تنازعہ پیدا ہوگا نیز عقد بیع کی حیثیت مشکوک ہو کر رہ جائے گی کہ کسی وقت بھی اس کو ختم کیا جاسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت کو اخلاقیات کے قبیل سے قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ خیار قانونی حیثیت سے نہیں ہے اخلاقی اعتبار سے ہے۔

جواب: چونکہ احناف بھی اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں لہٰذا اس کے جواب کی ضرورت نہیں تاہم شارحین حدیث نے ایک جواب دیا ہے کہ یہاں **مالم یتفرقا** سے تفرق بالاقوال مراد ہے نہ کہ **تفرق بالابدان تفرق بالاقوال** میں یہ لفظ حقیقت ہے اور تفرق بالابدان میں مجاز ہے تو حقیقت پر جب تک عمل ہوسکتا ہے مجاز کی طرف جانے کی ضرورت نہیں تفرق بالاقوال اس طرح ہوتا ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد عقد بیع کی بات کے علاوہ دیگر باتیں شروع ہوگئیں طرفین دیگر باتوں میں لگ گئے۔

بعض روایات میں **مالم یتفرقا من بیعھما** کے الفاظ موجود ہیں جو اس بات کا قرینہ ہے کہ تفرق بالاقوال مراد ہے نیز ابراہیم نخعی سے منقول ہے "**مالم یتفرقا عن منطق البیع**"

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اگر خیار مجلس مراد ہے یہ اخلاقیات کے طور پر استحبابی امر ہے قانون وقاعدہ نہیں ہے۔

"الا بیع الخیار"

یہ استثناء ماقبل حدیث کے پورے مفہوم سے ہے حدیث سے مفہوم ہو رہا تھا کہ تفرق کے بعد خیار باقی نہیں رہتا تو اس جملہ میں استثناء آگیا کہ اگر کوئی شرط رکھی گئی ہے تو پھر اس شرط کا لحاظ کرنا ہوگا یہ مطلب تمام فقہاء کے مسلک کے مطابق ہے۔

اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بائع نے مشتری کو عقد کے وقت کہدیا کہ ابھی سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلو بعد میں اختیار نہی ہوگا مشتری نے کہا کہ میں نے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلیا ہے اس طرح کہنے کے بعد ایجاب وقبول کے بعد کسی کو خیار مجلس کا حق باقی نہیں رہیگا یہ مطلب شوافع نے بیان کیا ہے۔[1]

بہرحال احناف خیار سے خیار قبول مراد لیتے ہیں اور تفرق سے تفرق بالاقوال مراد لیتے ہیں اور المتبائعان سے مشغولین فی البیع مراد لیتے ہیں۔

نوٹ:۔ الحمد للہ کتاب البیوع سے یہاں تک رمضان ۲۵ ۱۴۲۵ھ میں مکہ مکرمہ میں لکھا گیا ہے۔

بیع وشراء میں سچ بولنا باعث برکت ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا فَاِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِيْ بَيْعِهِمَا وَاِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت حکیم رضی اللہ عنہ ابن حزام کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بیچنے والا اور خریدنے والا، دونوں کو

[1] المرقات: ۶/۴۴ [2] اخرجه البخاری: ۳/۷۶ ومسلم: ۱/۶۶۴

(اپنے تجارتی معاملہ کو باقی رکھنے یا فسخ کردینے کا) اختیار حاصل رہتا ہے (لیکن یہ اختیار اس وقت تک حاصل رہتا ہے) جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں۔ اور (یادرکھو) جب بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں (فروخت کی جانے والی چیز اور اس کی تعریف میں) سچ بولتے ہیں اور (اس چیز و قیمت میں جو عیب ونقصان ہوتا ہے اسکو) ظاہر کردیتے ہیں (تاکہ کسی دھوکہ اور فریب کا دخل نہ رہے) تو ان کے تجارتی معاملہ میں برکت عطا کی جاتی ہے اور جب وہ عیب چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو ان کی خرید وفروخت میں برکت ختم کردی جاتی ہے"۔ (بخاری ومسلم)

غبن فاحش سے بیع فاسد ہوجاتی ہے

﴿۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ أُخْدَعُ فِي الْبُيُوْعِ فَقَالَ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَاخِلَابَةَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَقُوْلُهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "میں خرید وفروخت کے معاملہ میں فریب کھا جاتا ہوں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ "تم (جب) خرید وفروخت کا کوئی معاملہ کرو تو اس وقت یہ کہہ دیا کرو کہ (دین میں) فریب (کے لئے کوئی گنجائش) نہیں ہے چنانچہ وہ شخص اسی طرح کہہ دیا کرتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "لاخلابة" خا پر کسرہ ہے اور ضمہ بھی ہے دھوکہ اور غبن کو کہتے ہیں یہ شخص حضرت حبان بن منقذ انصاری تھے ان کی عمر ۱۳۰ سال تھی بعض غزوات میں ان کے سر میں پتھر لگا تھا جس سے ان کی قوت خیالی متاثر ہوئی تھی ان کو خرید وفروخت کا بہت شوق تھا مگر تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے اکثر دھوکہ کھا جاتا تھا ان کے خاندان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان پر بیع وشراء کی پابندی لگائیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سے بات فرمائی تو اس نے کہا کہ یارسول اللہ میں بیع وشراء سے باز نہیں آسکتا ہوں تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بیع وشراء کا عقد کروگے تو یہ کہا کرو "لاخلابة" یعنی میرے ساتھ دھوکہ نہیں ہوگا اگر کسی نے دھوکہ کیا تو تین دن تک مجھے واپس کرنے کا اختیار ہوگا میں تجربہ کار لوگوں کو دکھاؤں گا اگر سودا مناسب ہوگا تو نافذ ورنہ واپس کروں گا "ای لاخداع فی الدین لان الدین النصیحة" گویا الفاظ اس شخص کے لئے بطور شرط تھے اسی لئے بعض روایات میں ولی الخیار ثلاثة ایام کے الفاظ بھی اس لفظ کے ساتھ ہی، اس وجہ سے لوگ اس شخص کے ساتھ دھوکہ کرنے سے بچتے تھے اسی مقصد کے لئے یہ الفاظ استعمال ہوتے تھے بعض شارحین نے حدیث کا یہی مطلب لیا ہے۔[2]

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ "لاخلابة" کہنے سے خیار شرط رکھنا مقصود نہیں تھا بلکہ خیار شرط کے لئے یہ الفاظ بطور تمہید تھے شرط کا ذکر الگ ہوتا تھا۔ جمہور کے نزدیک اس لفظ سے خیار شرط ثابت نہیں ہوتا اس کا ذکر الگ سے کرنا ضروری ہے اس لفظ کے بولنے سے مقصود اتنا ہوتا تھا کہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ یہ شخص تجربہ کار نہیں اس لئے اس کے ساتھ دھوکہ نہ کیا جائے

[1] اخرجه البخاری: ۳/۸۵ ومسلم: ۱/۶۶۵ [2] المرقات: ۶۰/۳۶

اس وقت لوگ اچھے تھے اس وضاحت کے بعد دھوکہ نہیں کرتے تھے۔

اب فقہی نقطۂ نظر سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے بوقت بیع یہ الفاظ کہہ دیئے اور پھر اس کے ساتھ دھوکہ ہوگیا تو وہ بیع کو فسخ کرسکتا ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ ایسا شخص کسی صورت میں بیع فسخ نہیں کرسکتا ہاں احناف اس کے قائل ہیں کہ اگر کسی کے ساتھ غبن فاحش ہوگیا تو اس کو حق حاصل ہے کہ بیع فسخ کرے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں "اقول الغبن الفاحش یفسد البیع ویثبت الخیار عند القائل به وقال ابو ثور اذا کان الغبن فاحشا لایتغابن الناس بمثله فسد البیع" (مرقات)[1]

الفصل الثانی

خیار مجلس کی نفی پر دلیل

﴿۴﴾ عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلاَّ أَنْ يَكُوْنَ صَفْقَةَ خِيَارٍ وَلاَيَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيْلَه۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت عمرو ابن شعیب اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں (اسی وقت تک بیع کو باقی رکھنے یا اس کو فسخ کردینے کا) اختیار رکھتے ہیں جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں الا یہ کہ ان کی بیع بشرط خیار ہو (تو اس میں جدائی کے بعد بھی اختیار باقی رہتا ہے) اور ان دونوں میں سے کسی کے لئے (از روئے تقوی) یہ جائز نہیں ہے کہ وہ معاملہ کرتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو اس خوف سے کہ مبادا دوسرا فریق معاملہ کو فسخ کرنے کا اختیار مانگ لے (یعنی جب تک کسی معاملہ میں دونوں فریق پوری طرح مطمئن نہ ہوجائیں ایجاب وقبول میں ان سے کوئی محض اس لئے جلد بازی نہ کرے کہ مبادا فریق ثانی معاملہ کو فسخ کردے یا معاملہ طے کرتے ہی ان میں سے کوئی محض اس وجہ سے نہ بھاگ کھڑا ہو کہ کہیں دوسرا فریق بیع کو فسخ کرنے کے اختیار کی شرط نہ چاہنے لگے)۔ (ابوداود، نسائی)

توضیح:

"خشية ان یستقیله" ای یطلب منه الاقاله وهو ابطال البیع قال علی القاری وهو دلیل صریح لمذهبنا لان الاقالة لاتکون الابعد تمام العقد ولو کانَ له خیار المجلس لما طلب من صاحبه الاقالة۔ (مرقات)[3]

[1] المرقات: ۶/۴۶،۴۷ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۵۵۰ وابوداؤد: ۳/۲۷۱ [3] المرقات: ۶/۴۸

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَفَرَّقَنَّ اِثْنَانِ اِلَّا عَنْ تَرَاضٍ.
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بیچنے والا اور خرید نے والا دونوں آپس کی رضامندی کے بغیر جدا نہ ہوں''۔ (ابوداود)[1]

توضیح: ''الاعن تراض'' یعنی متعاقدین میں سے ہر ایک دوسرے سے یہ کہدے کہ کیا تم خوش ہو کوئی ناراضگی تو نہیں ایجاب وقبول کے بعد عقد تام ہو جاتا ہے پھر کسی کو عقد فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں ہاں یہ کلام اخلاقیات کے قبیل سے ہے جو ایک استحبابی حکم ہے۔[2]

الفصل الثالث

خیار شرط کی مدت کی مقدار

﴿۶﴾ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيَّرَ أَعْرَابِيًّا بَعْدَ الْبَيْعِ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو خرید وفروخت کا معاملہ ہو جانے کے بعد (دوسرے فریق کی رضامندی سے اس معاملہ کو فسخ کرنے کا) اختیار دیدیا تھا''۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: ''خیر اعرابیا'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیار مجلس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو خیار نہ دیتے بلکہ ان کو خود بخود خیار مجلس کا حق حاصل ہو جاتا اب رہ گئی خیار شرط کی بات تو اس کو یوں سمجھیں کہ کسی عقد میں بوقت عقد خیار شرط رکھنا از روئے شریعت جائز ہے اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے البتہ خیار شرط کی مدت میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ تین دن خیار شرط کے قائل ہیں اس سے زیادہ جائز نہیں ہے امام احمد اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بائع اور مشتری کی مرضی ہے جتنی مدت خیار شرط رکھنا چاہے رکھ سکتے ہیں۔
امام مالک کے نزدیک کسی مدت کا مقرر کرنا مناسب نہیں بلکہ حسب ضرورت مدت کم وزیادہ ہو سکتی ہے دار ومدار مبیعات پر ہے لہٰذا گھر اور زمین میں چھتیس دن ہے غلام میں دس دن ہے گھریلو سامان میں پانچ دن خیار شرط ہے اور حیوانات میں دو دن تک خیار شرط کا حق حاصل ہے۔)

ملاحظہ:[4]
الحمد للہ کتاب البیوع سے کتاب الربوا تک احادیث کی توضیح وتشریح مکہ مکرمہ میں رمضان ۲۵ ۱۴ھ میں لکھی گئی ہے۔

[1] اخرجه ابوداؤد: ۳/۲۷۱ [2] المرقات: ۶/۳۹ [3] اخرجه الترمذی: ۳/۵۵۱ [4] المرقات: ۴۴

مورخہ ۳ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ

کتاب الربوا

سود کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿واحل اللہ البیع وحرم الربوا﴾[1]

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات﴾[2]

ربوا کی تعریف:

ربا الف مقصورہ کے ساتھ ربا یربو نصر سے ہے۔عرب کے مشہور قبائل اہل حیرہ کی لغت میں یہ لفظ واؤ کے ساتھ ربوا لکھا جاتا ہے پھر اہل حیرہ نے اہل حجاز کو یہ لغت سکھائی لہٰذا مصاحف میں یہ لفظ واؤ کے ساتھ لکھا گیا ہے عرب کی ایک لغت میں یہ لفظ "رما" میم کے ساتھ ہے وہ بھی ربا ہی ہے ربا کو "ربیة" بھی کہتے ہیں۔لغت میں ربا زیادت اور بڑھوتری کے معنی میں ہے۔ربا کی اصطلاحی تعریف اس طرح ہے۔[3]

"اَلرِّبَا هُوَ فَضْلٌ خَالٍ عَنِ الْعِوَضِ شُرِطَ لِاَحَدِ الْعَاقِدَيْنِ"

میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التعریفات میں ربا کی یہی تعریف لکھی ہے۔

بعض علماء نے یہ تعریف کی ہے "الربا هو مبادلة المال بالمال مع الفضل بلا عوض"

ربا ایک عام مفہوم ہے جس میں بلاعوض اضافی مال حاصل کیا جاتا ہے مروجہ سود اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ اور اس کی قسموں میں سے ایک قسم ہے لہٰذا ربوا کا ترجمہ سود سے کرکے اس میں منحصر کرنا غلط فہمی کو جنم دیتا ہے۔

لفظ ربوا کا اطلاق:

قرآن وحدیث میں ربوا کا لفظ پانچ مفہومات اور پانچ معانی پر بولا گیا ہے۔

❶ پہلا مفہوم رِبَا النَّسِيْئَةِ ہے اور اسی کا نام ربا القرض بھی ہے جس کو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور سورت بقرہ کے آخری حصہ میں اس کی حرمت پر کئی آیات اتری ہیں جیسے سورت بقرہ کی آیت ۲۷۵ اور آیت ۲۷۸ اور آیت ۲۷۹ اور آیت ۲۸۰ میں مکمل تفصیل مذکور ہے۔

ربا القرض کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص کو ایک مقرر مدت تک قرض روپے دیتا تھا اور یہ شرط لگاتا تھا کہ جب قرض واپس کرو گے تو اتنا پیسہ زیادہ دو گے اور اگر مقرر وقت پر قرض ادا نہ کیا تو پھر اس کا دوگنا دو گے مثلاً دو ہزار کی جگہ

[1] سورۃ بقرۃ: ۲۷۵ [2] سورۃ بقرۃ: ۲۷۶ [3] المرقات: ۶/۵۰

چار ہزار دوگے جاہلیت میں ربوا کی یہی صورت مشہور تھی اور قرآن عظیم میں اسی کی حرمت پر آیات نازل ہوئی ہیں آج کل ربا القرض میں سودی کاروبار خوب زوروں پر ہے۔

❷ **ربا الفضل:** ربوا کی دوسری قسم اور اس کا دوسرا اطلاق ربا الفضل پر ہوتا ہے جس کو ربوا المعاملات بھی کہتے ہیں متحد الجنس والنوع اور متحد القدر اشیاء کے تبادلہ میں جو زیادہ مال حاصل کیا جاتا ہے اس کو ربا الفضل کہتے ہیں زیادہ تر احادیث کا تعلق سود کی اسی قسم سے ہے جیسے ایک سیر گندم کے بدلے دو سیر گندم لے لیا وغیرہ وغیرہ، تفصیل آرہی ہے۔

❸ **ربوا العطیة:** ربوا کی تیسری قسم اور اس کا تیسرا اطلاق ربوا العطیۃ پر ہوتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک شخص دوسرے کو عطیہ کرتا ہے لیکن دل میں یہ خیال پکا تارہتا ہے کہ مجھے اس کے بدلے میں زیادہ ملے گا اس کے لئے قرآن میں یہ آیت ہے۔

﴿وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربو عند الله﴾ [1]

❹ **ربوا الاعمال:** ربوا کا چوتھا اطلاق ہر ناجائز مالی معاملہ پر بھی کیا گیا ہے جیسے قرآن کی آیت ہے جو یہود کی مذمت میں آئی ہے **﴿واخذهم الربوا وقد نهوا عنه﴾** [2] (سورت نساء ۱۴۵)

❺ ربوا کا پانچواں اطلاق کبھی کبھی اس ناجائز کام پر بھی کیا گیا ہے جس کام میں زیادت کا معنی پایا جاتا ہو جیسے ایک حدیث میں ہے "**ان اربی الربوا استطالة الرجل فی عرض اخیه**" (الحدیث)

قرآن وحدیث میں لفظ ربوا کے یہ پانچ اطلاقات آئے ہیں لیکن شریعت نے جس چیز کو سود اور ربوا قرار دیا ہے وہ صرف پہلی دو قسمیں ہیں یعنی ربا القرض اور ربا الفضل ان دو قسموں کے تحت سودی کاروبار کے تمام اقسام آجاتے ہیں اسی میں **ربا الرهن** داخل ہے کہ ایک شخص مرہونہ چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے اور رأس المال محفوظ ہے۔ ربوا کی مندرجہ بالا دونوں قسمیں قرآن وحدیث اور اجماع امت سے مطلقاً حرام ہیں قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے ربوا القرض کو بیان کیا ہے اور اسے حرام قرار دیا ہے تورات وانجیل اور زبور جیسے آسمانی کتب نے اس کو حرام ٹھہرایا ہے علامہ جصاص ربوا القرض کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

"**هو القرض المشروط فيه الاجل وزيادة مال على التقرض**" یعنی ربا القرض اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو قرض مال دیدیا اور اس میں واپسی کا وقت مقرر کیا مگر مدیون پر قرض واپس کرتے وقت کچھ زیادہ مال مقرر کیا۔ [5]

علماء نے لکھا ہے کہ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے ربوا کی جس شدت سے وعیدیں بیان فرمائی ہیں وہ یہی ربا القرض کی صورت رہے اس وقت جاہلیت میں ہر کس وناکس اس کو جانتا تھا اور جب قرآن کی آیتیں اتریں تو لوگوں نے اسی قسم کے ربا کو ترک کردیا لہٰذا آج کل ملحدین کا یہ کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ قرآن نے قرض کے علاوہ کسی اور صورت کی تردید کی ہے اور ربا القرض جائز ہے۔

<u>علماء نے لکھا ہے کہ آج کل بینکوں کا جو کاروبار ہے وہ اسی قسم میں سے ہے</u> کہ کسی سے قرض لیا یا قرض دیا اور واپسی

[1] سورۃ روم: ۳۹ [2] سورت الایہ ۱۴۵

پر پورا رأس المال بھی لیا اور بطور سود اضافی پیسہ بھی لیا۔

جاہلیت کا سودی کاروبار بھی اسی طرح تھا اور قرآن کریم میں بھی اسی صورت کا بیان ہے اور یہی حقیقی سود اور ربوا ہے۔[1]

بینکوں کا ظلم

اعانت اور ہمدردی کے نام سے دنیا کے بینک جو ظلم کرتے ہیں اس کی معمولی سے جھلکی آپ اس طرح سمجھ لیں کہ اگر انصاف سے دیکھا جائے اور پھر ان بینکوں سے پوچھا جائے کہ جس غریب کو کسی بینک نے جو قرض پیسہ دیا ہے کیا یہ بینک اس شخص کی صرف مدد کر رہا ہے یا شراکت سے کاروبار کر رہا ہے اگر بینک کی طرف سے اس غریب کی اعانت و مدد مقصود ہے تو سال دو سال بعد جب بینک اپنا قرض واپس لیتا ہے تو انصاف اور ہمدردی کا تقاضا تو یہ ہے کہ بینک صرف اپنا قرض پیسہ واپس لے لے یہ بینک اس غریب سے شرح سود میں زیادہ پیسہ کیوں لیتا ہے؟ معلوم ہوا بینک اپنے ہمدردی کے دعوے میں جھوٹا ہے اسی طرح سمجھ لو وہ آدمی بھی جھوٹا ظالم ہے جو کسی غریب کو مدد کے نام سے قرض دیتا اور اس پر اضافی پیسہ وصول کرتا ہے اور اگر بینک نے کسی غریب کا پیسہ اس لئے لیکر بینک میں جمع کیا ہے تاکہ ان کے ساتھ منافع میں شراکت کرے تو انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ بینک اس غریب کے ساتھ نفع و نقصان میں شریک ہوجاتا حالانکہ وہ ایسا نہیں کرتا معلوم ہوا بینکوں کا یہ دعویٰ کہ ہم غریبوں کی مدد کرتے ہیں جھوٹا دعویٰ ہے ان کا کاروبار جھوٹا ہے ان کے چلانے والے جھوٹے ہیں اور سود ایک ایسا ناسور ہے جس سے غریبوں کے بدن کا خون چوستا جاتا ہے اب بتائیے کیا یہ بینک عوام کی سہولت کے لئے ہیں؟ ہرگز نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اب تو ولڈ آئی ایم ایف بینک مسلمان ملکوں کے ایمان کا سودا کر کے قرض فراہم کرتے ہیں۔

ربوا کی دوسری قسم ربوا المعاملات اور ربا الفضل ہے جس کی تفصیل اس باب کی حدیث ۲ میں آنے والی ہے۔

الفصل الاول

سود کے لین دین میں چار آدمی ملعون بن جاتے ہیں

﴿۱﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سود لینے والے پر سود دینے والے پر، سودی لین دین کا کاغذ لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر سب ہی پر لعنت فرمائی ہے نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب (اصل گناہ میں) برابر ہیں (اگرچہ مقدار کے اعتبار سے مختلف ہوں)۔ (مسلم)

توضیح: "وشاھدیه" یعنی سودی لین دین پر گواہ بننے والے بھی ملعون بن جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ سودی

[1] اخرجه مسلم: ۱/۶۹۷

کاروبار میں کسی قسم کے تعاون سے آدمی سود میں شریک سمجھا جاتا ہے لہٰذا اس میں کسی قسم کا تعاون کرنا حرام ہے بینکوں کے مختلف شعبوں کے کارندے خوب سوچ لیں کہ وہ کہیں اس کاروبار میں معاون تو نہیں بن رہے ہیں؟[1]

کن کن اشیاء کے لین دین میں سود آتا ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَداً بِيَدٍ فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَداً بِيَدٍ۔[2]

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سونا سونے کے بدلے اور چاندی، چاندی کے بدلے اور گیہوں، گیہوں کے بدلے اور جو، جو کے بدلے اور نمک، نمک کے بدلے اگر لیا، دیا جائے تو ان کا لین دین (مقدار) میں مثل بمثل یعنی برابر سرابر و دست بدست ہونا چاہئے اور اگر یہ قسمیں مختلف ہوں (مثلاً گیہوں کا تبادلہ جو کے ساتھ یا جو کا تبادلہ کھجور کے ساتھ) تو پھر اجازت ہے کہ جس طرح چاہو خرید و فروخت کرو (یعنی برابر سرابر ہونا ضروری نہیں ہے) البتہ لین دین کا دست بدست ہونا (اس صورت میں بھی) ضروری ہے۔ (مسلم)

توضیح: ''الذھب بالذھب'' اگر بیاع فعل محذوف مان لیا جائے تو الذھب اس کا نائب فاعل مرفوع ہوگا اور اگر بیعوا امر کا صیغہ محذوف مان لیا جائے تو الذھب منصوب ہوگا آخر تک اعراب اسی طرح ہوگا۔ اس حدیث کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جنس اور قدر کا مطلب کیا ہے؟ آپ یوں سمجھیں کہ لین دین اور تجارت کا معاملہ جن چیزوں سے متعلق ہوتا ہے وہ تین قسم کی ہیں ① یا تو ان کا لین دین وزن سے ہوتا ہے ② یا کسی برتن وغیرہ کے ناپنے سے ہوتا ہے ③ یا وہ چیزیں نہ ناپنے میں آتی ہیں اور نہ وزن میں آتی ہیں۔[3]

پہلی قسم کی مثال سونا چاندی وغیرہ ہے اسکو موزونی کہتے ہیں۔ دوسری قسم کی مثال غلہ ہے اس کو مکیلی کہتے تیسری قسم کی مثال وہ اشیاء ہیں جن میں نہ وزن ہے اور نہ کیل ہے یعنی نہ موزونی ہیں نہ مکیلی ہیں پھر یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ شریعت نے جس چیز کو موزونی یا مکیلی کہہ دیا ہے وہ ہمیشہ موزونی اور مکیلی رہے گی زمانہ کے بدلنے سے اس کو بدلا نہیں جاسکتا نہ لوگوں کے رواج سے اس کو بدلا جاسکتا ہے پھر یہ بات بھی سمجھ لیں کہ کسی چیز میں وزن اور کیل کی صفت کو قدر کہتے ہیں اور کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت کو جنس کہتے ہیں مثلاً غلہ کا غلہ ہونا اسکی حقیقت ہے کپڑے کا کپڑا ہونا اس کی حقیقت ہے چاندی کا چاندی ہونا اس کی حقیقت ہے اسی حقیقۃ اور ماہیت کو جنس کہتے ہیں تو لین دین کی اشیاء یا قدر میں آتی ہے اور یا جنس میں آتی ہیں مزید وضاحت آئندہ تفصیل مذاہب میں آئے گی۔

[1] المرقات: ۶/۵۱ [2] اخرجہ مسلم: ۱/۶۹۲ [3] المرقات: ۲/۵۲

اب زیر بحث حدیث کی طرف آیئے اس حدیث میں چھ اشیاء کا ذکر ہے کہ اس میں سود آتا ہے لہٰذا اس میں نہ تفاضلاً تبادلہ جائز ہے اور نہ نسیئۃ تبادلہ جائز ہے اب فقہاء کرام کی آراء میں اختلاف آ گیا کہ آیا یہاں تفاضل اور نسیئۃ بیچنے کی جو ممانعت آئی ہے یہ انہیں چھ اشیاء تک محدود ہے یا اس کے علاوہ دیگر اشیاء میں بھی سود کا حکم جاری ہوگا غیر مقلدین کی روحانی پیشوا داؤد ظاہری اور اس کے علاوہ شیخ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ سود کی ممانعت کا حکم انہیں چھ اشیاء میں محدود ہے اس کے علاوہ کسی چیز کی طرف بوجہ علت ممانعت متعدی نہیں ہوگی اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ان کے ہاں مکئی کے بدلے میں مکئی میں تفاضل جائز ہوگا کیونکہ حدیث میں مکئی کا نام نہیں آیا ہے اسی طرح معاملہ چاول وغیرہ کا ہے گویا احادیث میں جن اشیاء کا نام نہیں آیا ہے وہ اصل حلت پر باقی رہ گئیں ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ تمام فقہاء کرام اور ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ ان چھ اشیاء میں سود کی حرمت کی وجہ کسی علت کی وجہ سے ہے اگر وہ علت دیگر اشیاء میں پائی گئی تو ان میں بھی سود کی حرمت آئے گی اب ان چھ اشیاء میں سود کی حرمت کی علت تلاش کرنے میں اور اسے متعین کرنے میں ان فقہاء کے درمیان اپنے اپنے اجتہاد کی روشنی میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے ہر ایک نے اپنے اجتہاد کی روشنی میں علت کا تعین کیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ ان چھ اشیاء میں سونے اور چاندی کی الگ علت ہے اور باقی چار اشیاء کی علت الگ ہے اب فقہاء کا اختلاف ملاحظہ ہو۔[1]

حرمتِ سود کی علت نکالنے میں فقہاء کا اختلاف

❶ شوافع کے ہاں اور ایک قول میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان چھ اشیاء میں علت ثمنیت اور طعم یعنی غذائیت ہے ذھب وفضہ میں ربا کی علت ثمنیت ہے اور باقی چار میں طعم یعنی غذائیت ہے اس قول وعلت کی روشنی میں ان حضرات کے نزدیک ربا الفضل اور ربا المعاملات تمام مطعومات میں جاری ہوگا خواہ وہ مطعوم مکیلی ہو یا موزونی یا عددی ہو سب میں سود آئے گا مثلاً انار، سیب، اخروٹ اور انڈے جو عددی اشیاء ہیں سب میں سود آئے گا اسی طرح ترکاریوں میں سود آئے گا اور اگر مطعوم نہیں لوہا ہے اسٹیل ہے تانبا ہے اس میں سود نہیں آئیگا۔[2]

❷ مالکیہ کے ہاں ان چھ اشیاء میں حرمت سود کی علت ثمنیت اور قوت وادخار ہے پہلے دو میں ثمنیت علت ہے باقی چار میں قوت وادخار علت ہے قوت کا مطلب کھانے کی چیز ہے اور ادخار کا مطلب یہ ہے کہ اکثر سال میں وہ چیز محفوظ رہ سکتی ہو لہٰذا ترکاری اور پھل وغیرہ میں سود نہیں ہوگا کیونکہ یہ اشیاء پائیدار نہیں جو ذخیرہ نہیں ہو سکتی ہیں اگرچہ اس میں قوت ہے۔

❸ ائمہ احناف اور ایک قول میں امام احمد فرماتے ہیں کہ ان چھ اشیاء میں حرمت سود کی علت قدر مع الجنس ہے جیسے پہلے لکھا گیا ہے کہ قدر کا اطلاق موزونی اور مکیلی دونوں اشیاء پر ہوتا ہے تو ان چھ اشیاء میں پہلے دونوں چیزوں میں علت وزن ہے لہٰذا دنیا کی تمام موزونی اشیاء میں سود جاری ہوگا باقی چار اشیاء میں حرمت سود کی علت کیل ہے لہٰذا دنیا کی تمام مکیلی اشیاء میں سود جاری ہوگا۔[3]

---

[1] المرقات: ۶/۵۲ [2] المرقات: ۶/۵۲ [3] المرقات: ۶/۵۲

اب مع الجنس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاں وزن مع الجنس پایا گیا کہ دونوں طرف سے سونا ہے یا چاندی ہے تو اس میں وزن بھی ہے اور جنس بھی ہے ایسی صورت میں اس کی خرید و فروخت میں تفاضل بھی حرام ہے اور ایک نقد دوسرا ادھار بھی حرام ہے یہی صورت اور یہی حکم کیل مع الجنس کا بھی ہے مثلاً گندم ہے مقابلہ میں بھی گندم ہے اب دونوں مکیلی ہیں اور جنس بھی متحد ہے لہٰذا تفاضلاً بھی اس میں حرام ہے اور ادھار کرنا بھی حرام ہے۔

اس ضابطہ کی روشنی میں حرمت سود کا حکم ہر موزون اور ہر مکیلی اشیاء تک عام ہو جائے گا خواہ وہ مطعومات کی قسم سے ہوں یا غیر مطعومات میں سے جیسے غلہ ہے یا چونا ہے روئی ہے یا اون ہے لوہا ہے یا پیتل اور تانبا ہو ان اشیاء میں جنس اور قدر کے اتحاد واختلاف کی وجہ سے اس کے حکم پر اثر پڑتا ہے یہاں کل چار صورتیں بن جاتی ہیں۔[1]

❶ دو چیزوں میں اتحاد جنس بھی ہو اور اتحاد قدر بھی ہو مثلاً سونے کے بدلے میں سونا ہو اور گندم کے بدلے میں گندم ہو اس میں دو چیزیں ناجائز ہیں یعنی تفاضل بھی ناجائز ہے اور ادھار کرنا بھی ناجائز ہے ہاں اگر ہاتھوں ہاتھ ہو اور مساوی ہو تو جائز ہے۔

❷ اتحاد جنس ہو مگر اتحاد قدر نہ ہو مثلاً انڈوں کے بدلے میں انڈے ہوں تو اس میں تفاضل جائز ہے انڈے نہ مکیلی ہیں اور نہ موزونی ہیں اس میں تفاضل جائز ہے مگر ادھار ناجائز ہے۔

❸ اتحاد قدر ہو اتحاد جنس نہ ہو مثلاً چاول کے بدلے چنے ہیں قدر موجود ہے کہ دونوں مکیلی ہیں لیکن اتحاد جنس نہیں چاول الگ جنس ہے چنے الگ جنس ہے اس میں بھی تفاضل جائز ہے مگر ادھار ناجائز ہے۔

❹ نہ اتحاد جنس ہو نہ اتحاد قدر ہو جیسے انڈوں کے بدلے اخروٹ ہوں تو اس میں تفاضل بھی جائز ہے اور ادھار لینا دینا بھی جائز ہے۔ احناف کے ہاں ان چھ اشیاء میں اول دو چیزیں موزونی ہیں اور باقی چار اشیاء مکیلی ہیں یہ بات کئی دفعہ لکھی گئی ہے کہ قدر سے مراد وزن اور کیل ہے اور جن اشیاء کو شریعت نے موزونی یا مکیلی کہا ہے وہ ہمیشہ اسی طرح رہیں گی اگرچہ لوگوں کا رواج بدل گیا ہو۔

دلائل:

شوافع نے کہا کہ مال میں بنیادی وصف اس کی ثمنیت ہے جس سے مال کی بقاء وابستہ ہے اور انسان کی بقاء طعام سے وابستہ ہے لہٰذا اس حدیث میں حرمت سود کے لئے ثمنیت اور طعم کو بطور علت بیان کیا گیا ہے مالکیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اگر صرف طعم کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا تو صرف ایک مطعوم کا ذکر کرنا کافی ہوتا چار کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی جب چار کا ذکر کیا گیا تو معلوم ہوا کہ طعم کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہے اور وہ ادخار ہے تو سود کی حرمت کی علت ثمنیت کے ساتھ اقتیات وادخار بھی ہے مالکیہ کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں مذکورہ اشیاء کی ترتیب اس طرح بنی کہ گندم اور جو کے ذکر کرنے سے اقسام حُبُوْبْ کی طرف اشارہ ہے اور تمر سے تمام قابل ذخیرہ حلاوات کی طرف اشارہ ہے جیسے

[1] المرقات: ۶/۵۲

عسل وغیرہ اور ملح سے تمام مصالحہ جات کی طرف اشارہ کیا گیا۔[۱]

ائمہ احناف نے مذکورہ احادیث کے اشارات سے استنباط واجتہاد کر کے جنس وقدر کو حرمت سود کے لئے علت بنادیا ہے اور یہ اجتہاد نہایت مناسب اور جامع ہے مسلم شریف کی بعض احادیث میں لفظ وزن اور کیل کی صراحت موجود ہے جو اس علت کی تائید ہے۔[۲]

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلاً بِمِثْلٍ يَداً بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ أَرْبَى الْآخِذُ وَالْمُعْطِيْ فِيْهِ سَوَاءٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سونا سونے کے بدلے اور چاندی چاندی کے بدلے اور گیہوں گیہوں کے بدلے اور جو جو کے بدلے اور کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے میں اگر دیا جائے تو ان کا لین دین برابر سرابر دست بدست ہونا چاہئے۔ لہٰذا جس نے (ایسا نہیں کیا بلکہ) زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا اور لیا تو گویا اس نے سود لیا اور سود دیا اور لینے دینے والا دونوں اس میں برابر ہیں۔ (مسلم)

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيْعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيْعُوْا مِنْهَا غَائِباً بِنَاجِزٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ إِلَّا وَزْناً بِوَزْنٍ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سونے کو سونے کے بدلہ میں فروخت نہ کروالا یہ کہ دونوں وزن میں برابر سرابر ہوں لہٰذا دونوں میں کمی بیشی نہ کرو، اسی طرح چاندی کو چاندی کے بدلہ میں فروخت نہ کروالا یہ کہ دونوں برابر سرابر ہوں لہٰذا دونوں میں کمی بیشی نہ کرو نیز ان (سونے اور چاندی) میں سے کسی کا باہم لین دین اس طرح نہ کرو کہ ایک تو نقد دے اور دوسرا ادھار"۔ (بخاری ومسلم) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "سونے کو سونے کے بدلے اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں نہ فروخت کروالا یہ کہ وزن میں برابر سرابر ہوں"۔

توضیح: "ولا تشفوا" ملا علی قاری لکھتے ہیں اس لفظ کا ترجمہ "لا تفضلوا" ہے یعنی برابر سرابر لین دین کرو اضافہ نہ کرو فرمایا کہ یہ جملہ ماقبل **مثلاً بمثلٍ** کے لئے تاکید ہے اور "ھا" کی ضمیر ذہب کی طرف راجع ہے اس کی طرف مؤنث کی ضمیر بھی لوٹائی جاتی ہے "ورق" چاندی کو کہتے ہیں را پر کسرہ ہے اس کی طرف مؤنث کی ضمیر فضۃ کے اعتبار سے لوٹائی گئی ہے۔[۵]

---

۱ المرقات: ۶/۵۲ ۲ المرقات: ۶/۵۲ ۳ اخرجہ مسلم: ۱/۶۹۲ ۴ اخرجہ البخاری: ۳/۹۷ ومسلم: ۱/۶۹۰ ۵ المرقات: ۶/۵۳

"غائبا" ادھار کو غائب کہا گیا ہے "ناجز" حاضر اور نقد کو ناجز کہا گیا ہے۔[1]

اس حدیث سے علماء نے یہ بات نکالی ہے کہ سونے کے زیورات اور سونے کی ڈھلی میں بھی وزن کرنے میں برابری ضروری ہے زیور کی بنوائی کی اضافی رقم لینا جائز نہیں ہے۔

ہم جنس اشیاء کا تبادلہ بھی برابر سرابر ہونا چاہئے

﴿۵﴾ وَعَنْ مَعْمَرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلاً بِمِثْلٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت معمر رضی اللہ عنہ ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کرتا تھا کہ غذا کو غذا کے بدلہ میں (یعنی غلہ کو ہم جنس غلہ کے بدلے میں اگر لیا دیا جائے تو یہ لین دین برابر سرابر ہونا چاہیئے۔ (مسلم)

ہم جنس اشیاء میں ادھار کا لین دین ناجائز ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا اِلاَّ هَاءَ وَهَاءَ وَالْوَرِقُ بِالْوَرِقِ رِبًا اِلاَّ هَاءَ وَهَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا اِلاَّ هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا اِلاَّ هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا اِلاَّ هَاءَ وَهَاءَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سونے کا سونے کے ساتھ (برابر سرابر بھی) تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو (یعنی اگر دونوں طرف سے برابر سرابر اور دست بدست لین دین ہو تو پھر سود نہیں ہے) اسی طرح چاندی کا چاندی کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو، گیہوں کا گیہوں کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو، جو کا جو کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو، کھجور کا کھجور کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "الاھاء وھاء" زمخشری نے "فائق" میں لکھا ہے کہ یہ کلمہ آواز کے لئے ہے جس کا معنی "خذ" ہے جیسے **ھاؤم اقرؤا کتابیه** میں ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ ممدود ہے یعنی مد کیساتھ ہے اور ہمزہ پر فتحہ ہے یہ زیادہ مشہور ہے۔[4]

اعلیٰ اور ردی میں بھی تفاضل جائز نہیں ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَعْمَلَ رَجُلاً عَلٰى خَيْبَرَ

[1] المرقات: ۶/۵۴ [2] اخرجه مسلم: ۱/۶۹۴ [3] اخرجه البخاری: ۳/۸۹ ومسلم: ۱/۶۹۱ [4] المرقات: ۶/۵۴، ۵۵

فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيْبٍ فَقَالَ أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثِ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا وَقَالَ فِي الْمِيْزَانِ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ وابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا چنانچہ جب وہ شخص وہاں سے واپس آیا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بہت عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر حاضر ہوا آپ ﷺ نے (وہ کھجور دیکھ کر) اس سے پوچھا کہ ''کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہی (اچھی) ہوتی ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں: خدا کی قسم سب کھجوریں ایسی نہیں ہوتیں، بلکہ ہم ایسا کرتے ہیں کہ دوصاع (خراب) کھجوروں کے بدلے میں ایک صاع اچھی کھجوریں اور تین صاع (خراب) کھجوروں کے بدلے میں (دوصاع) اچھی کھجوریں لے لیتے ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ایسا نہ کرو بلکہ پہلے تمام کھجوروں کو ملا کر درہموں کے عوض فروخت کرو اور پھر ان درہموں کے عوض اچھی کھجوریں خریدو''۔ اور پھر فرمایا جو چیزیں ترازو (یعنی وزن) کے ذریعہ لی دیجاتی ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''تمر جنیب'' یہ جملہ موصوف اور صفت واقع ہوا ہے اضافت نہیں ہے جنیب کسی خاص قسم کھجور کا نام نہیں ہے بلکہ عمدہ کھجور کو کہتے ہیں۔[2]

''والصاع بالثلاث'' یعنی مختلف بھاؤ لگتے ہیں کبھی دوصاع کے بدلے ایک صاع لیتے ہیں اور کبھی تین صاع کے بدلے دوصاع لیتے ہیں۔[3]

''بع الجمع'' جمع ردی کھجور کے مجموعہ کو کہا گیا یعنی گھٹیا کھجور پہلے دراہم پر فروخت کرو اور دراہم سے پھر عمدہ کھجور خریدلو اس حدیث کی تعلیم سے ہر مسلمان کو سوچ لینا چاہیے کہ حرام اور حلال میں اگر کوئی شخص تمیز کرنا چاہئے اور حرام سے بچنے کی کوشش کرے تو یہ کوئی مشکل کام نہیں بلکہ معمولی حیلہ کے ذریعہ سے آدمی حرام سے بچ سکتا ہے آج کل ملحدین کہتے ہیں کہ شرعی احکام اس دور میں نہیں چل سکتے ہیں ان کی یہ بات غلط ہے دین دشمنی پر مبنی ہے ورنہ کام بہت آسان ہے۔[4]

''فی المیزان مثل ذلك'' یعنی جس طرح مکیلی اشیاء میں جید اور ردی برابر ہے اسی طرح موزونی اشیاء میں بھی جید اور ردی مساوی ہیں یہ جائز نہیں کہ عمدہ سونے کے ساتھ ردی سونے کے تبادلہ میں ردی زیادہ لیا جائے یہ سود ہے کیونکہ **''جیدھا وردیھا سواء''** واضح حکم ہے۔ احناف نے چھ اشیاء میں کیل اور وزن کو جو بطور علت نکالا ہے اس کی تائید اس لفظ سے ہوتی ہے کیونکہ یہاں وزن کا واضح لفظ موجود ہے۔[5]

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ جَاءَ بِلَالٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ

[1] اخرجه البخاري: ۳/۱۰۲ ومسلم: ۱/۶۹۵ [2] المرقات: ۶/۵۵ [3] المرقات: ۶/۵۵ [4] المرقات: ۶/۵۵ [5] المرقات: ۶/۵۶

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَيْنَ هٰذَا قَالَ كَانَ عِنْدَنَا تَمْرٌ رَدِيٌّ فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ أَوَّهْ عَيْنُ الرِّبَا عَيْنُ الرِّبَا لَا تَفْعَلْ وَلٰكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَيْعٍ آخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اچھی قسم کی کھجور لیکر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ "یہ کہاں سے لائے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ خراب کھجوریں تھیں اس میں سے میں نے دو صاع کھجوریں دیکر اس کے بدلے میں ایک صاع یہ (اچھی) کھجوریں لے لی ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اوہ یہ تو بالکل سود ہے ایسا نہ کرو البتہ جب تم (اچھی کھجوریں) بدلنا چاہو تو (یہ طریقہ) اختیار کرو کہ پہلے (اپنی خراب) کھجوریں (درہم یا روپے کے عوض) فروخت کردو پھر ان درہموں یا روپیوں کے ذریعہ اچھی کھجوریں خرید لو"۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "تمر برنی" برنی مدینہ منورہ کی مشہور کھجور کا نام ہے میں اس حدیث کی تشریح و توضیح اس وقت ۲۰ رمضان ۱۴۲۵ھ حاجی نور محمد صاحب کے مکان میں لکھ رہا ہوں یہ مکان مدینہ منورہ میں تمر منڈی کے پاس واقع ہے والحمد للہ یہاں تمام دکانوں میں برنی کھجور موجود ہے جس کا ذکر اس حدیث میں ہے یہ درمیانہ درجہ کی عمدہ کھجور ہے۔[۲]

"اوّہ" یہ کلمہ ہمزہ کے فتحہ اور واؤ مشدد اور ھا ساکنہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ افسوس اور ندامت اور نقصان پہنچنے کے اظہار کے لئے یہ کلمہ بولا جاتا ہے۔[۳]

"عین الربا" یعنی یہ تو خالص سود ہے کیونکہ جنس کے اتحاد کے ساتھ تفاضل آ گیا۔[۴]

ایک غلام کے بدلے میں دو غلام دینا کیسا ہے؟

﴿۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَمْ يَشْعُرْ أَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ يُرِيدُهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِيهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ وَلَمْ يُبَايِعْ أَحَدًا بَعْدَهُ حَتّٰى يَسْأَلَهُ أَعَبْدٌ هُوَ أَوْ حُرٌّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک غلام (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) حاضر ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کی (یعنی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا کہ میں اپنے وطن کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش رہوں گا) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ غلام ہے (کچھ دنوں کے بعد) جب اس کا مالک اس کو تلاش کرتا ہوا آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ "اس غلام کو میرے ہاتھ بیچ دو" چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو دو سیاہ رنگ کے غلاموں کے بدلہ میں خرید لیا اور پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص سے بیعت نہ لی جب تک یہ معلوم نہ کر لیا کہ وہ غلام ہے یا آزاد"۔ (مسلم)

[۱] اخرجه البخاري: ۳/۱۳۳ ومسلم: ۱/۶۹۵ [۲] المرقات: ۶/۵۷ [۳] المرقات: ۶/۵۷ [۴] المرقات: ۶/۵۷ [۵] اخرجه مسلم: ۵/۵۵

توضیح: غلام چونکہ کسی انسان کی ملکیت میں ہوتا ہے اس لئے وہ مولیٰ کی اجازت کے بغیر نہ جہاد میں جاسکتا ہے نہ حج کرسکتا ہے اور نہ ہجرت کرسکتا ہے زیر بحث حدیث میں یہی مسئلہ ہے کہ ایک غلام نے آنحضرت کے ہاتھ پر ہجرت کرنے کی بیعت کی حضور اکرم ﷺ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ غلام ہے اور مولیٰ کی اجازت ضروری ہے بعد میں اس کا مالک آگیا حضور اکرم ﷺ کے مکارم اخلاق نے برداشت نہیں کیا کہ غلام کو مایوس کریں اور واپس مالک کے ہاتھ میں دیدیں چنانچہ آنحضرت نے دو غلام مالک کو دیئے اور اس غلام کو خرید لیا اس حدیث میں ہجرت کا جو لفظ آیا ہے۔ اس کے دو مطلب لیے جاسکتے ہیں ایک یہ کہ اس غلام نے اپنے علاقہ سے ہجرت کرنے اور حضور کی خدمت میں رہنے پر بیعت کی، ملا علی قاری کے کلام سے اس مطلب کی طرف معمولی اشارہ ہوتا ہے اگرچہ ہجرت کا یہ مفہوم عام نہیں ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ غلام نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر بیعت لی یہ مفہوم عام اور مشہور ہے اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ ایک غلام کو دو غلاموں کے عوض لینا دینا جائز ہے اس میں تفاضل جائز ہے اور جانوروں کا بھی یہی حکم ہے بلکہ تمام اموال[1] "غیر ربویہ" کا حکم اسی طرح ہے بشرطیکہ لین دین نقد ہو ادھار نہ ہو ادھار میں فقہاء کا معمولی سا اختلاف ہے کہ آیا جانور کا جانور کے بدلے ادھار لین دین جائز ہے یا نہیں صحابہ کرام کا ایک طبقہ اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک حیوان کے بدلے حیوان میں ادھار کرنا جائز نہیں ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ ان حضرات نے اس باب کی حدیث نمبر ۱۶ سے استدلال کیا ہے جس میں ادھار لین دین کرنے کی ممانعت آئی ہے صحابہ وتابعین کے ایک طبقہ نے اس طرح لین دین کرنے کو جائز قرار دیا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے یہ حضرات زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں مزید تفصیل حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۱۶ کے تحت آئے گی۔

ہم جنس اشیاء کے لین دین میں تفاضل جائز نہیں ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ لَا يُعْلَمُ مَكِيْلَتُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمّٰى مِنَ التَّمْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور کے کسی ایسے ڈھیر کو کہ جس کی مقدار معلوم نہ ہو ایک معین پیمانہ کی کھجوروں کے بدلے میں لینے دینے سے منع فرمایا ہے"۔ (مسلم)

توضیح: "الصبرۃ" صبرۃ ڈھیر کو کہتے ہیں یہاں کھجور کا نامعلوم ڈھیر مراد ہے بیوعات کے اصولی قواعد میں سے یہ ہے کہ مبیعہ معلوم ہو ثمن بھی معلوم ہو ان دونوں چیزوں میں جہالت نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ اس میں مستقبل میں تنازع پیدا ہوسکتا ہے اور شریعت نے معاملات کی ہر اس صورت کو ناجائز قرار دیا ہے جس میں جھگڑا کھڑا ہوسکتا ہو زیر بحث حدیث میں "لایعلم مکیلتھا" کے الفاظ سے اس ضابطہ کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ جب ڈھیر کھجور کی مقدار کا پتہ نہیں تو اس میں

---

[1] المرقات: ۶/۵۸ [2] اخرجہ مسلم: ۳/۱۱۶۲

کم ہونے اور زیادہ ہونے کا احتمال ہے جس کی وجہ سے سود میں پڑنے کا خطرہ ہے یہ اس وقت ہے جب کہ لین دین میں دونوں چیزیں ہم جنس ہوں اگر جنس الگ الگ ہے تو پھر تفاضل جائز ہے۔[1]

سونے کے بدلے سونے کے لین دین کا مسئلہ

﴿۱۱﴾ وَعَنْ فُضَالَةَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ دِينَاراً فِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ فَفَصَّلْتُهَا فَوَجَدْتُ فِيهَا أَكْثَرَ مِنِ اثْنَيْ عَشَرَ دِينَاراً فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تُبَاعُ حَتّٰى تُفَصَّلَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت فضالہ ابن عبید کہتے ہیں کہ میں نے خیبر کے سال ایک ہار بارہ دینار میں خریدا جو سونے کا تھا اور اس میں نگینے جڑے ہوئے تھے، پھر جب میں نے انہیں الگ الگ کیا (یعنی نگینوں کو سونے سے نکال ڈالا) تو وہ سونا بارہ دینار سے زائد قیمت کا نکلا، میں نے اس کا ذکر رسول کریم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "(ایسا ہار) اس وقت تک فروخت نہ کیا جائے تاوقتیکہ سونا اور نگینہ الگ الگ نہ کر لئے جائیں"۔ (مسلم)

توضیح: مثال کے طور پر سونے کا ایک ہار ہے اس میں سونا بھی ہے اور کچھ دیگر جواہرات بھی ہیں اس کو اگر کوئی شخص سونے کے بدلے میں خریدنا چاہتا ہے تو شرعی طور پر یہ ضروری ہے کہ پہلے اس ہار کا سونا الگ کر دیا جائے اس کے برابر سونا وزن کر کے سودا کیا جائے تاکہ سونا سونے کے مقابلہ میں برابر سرابر آجائے اور ربوا کی صورت پیدا نہ ہو ہار کے دیگر اشیاء کی الگ قیمت لگا کر خریدا جا سکتا ہے نیز اگر سونے کے ہار کو چاندی کے بدلے یا نقد روپوں کے بدلے خریدا جائے تو وہ صورت جائز ہے۔[3]

الفصل الثانی

سود عام ہونے کے بارہ میں آنحضرت کی پیش گوئی

﴿۱۲﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى أَحَدٌ إِلَّا آكِلَ الرِّبَا فَإِنْ لَمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بُخَارِهِ وَيُرْوٰى مِنْ غُبَارِهِ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[4]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جب سود کھانے والوں کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہے گا اور اگر کوئی شخص ایسا باقی بھی رہے گا تو وہ سود کے بخار میں مبتلا ہوگا" نیز (بعض کتابوں میں لفظ من بخارہ کے بجائے) من غبارہ (یعنی وہ سود کے غبار میں مبتلا ہوگا) نقل کیا گیا ہے"۔ (احمد، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

---

[1] المرقات: ۶/۵۹ [2] اخرجہ مسلم: ۱/۶۹۳ [3] المرقات: ۶/۵۹ [4] اخرجہ احمد: ۶/۲۱ و ابوداؤد: ۱/۶۹۳

توضیح: "بخارہ" اور غبارہ کے الفاظ سے سود کا اثر مراد ہے یعنی ایسا وقت آجائے گا کہ سود کی لعنت عام ہو جائے گی کچھ لوگ تو بلا واسطہ سود کھائیں گے اور کچھ لوگ بالواسطہ کھانے میں مبتلا ہونگے اور کچھ لوگ غیر شعوری طور پر سود کے جال میں پھنس جائیں گے یہ پیش گوئی آج کل مکمل طور پر صادق ہے اب تو تجارت کی بنیاد بین الاقوامی طور پر سود پر قائم ہے دنیا کی منڈیوں میں ناجائز طریقہ پر کاروبار ہر تجارت پر اثر انداز ہے کسی معمولی شعبہ کو بھی سود سے پاک قرار نہیں دیا جا سکتا باغ سے جب پھل آتے ہیں تو وہ ناجائز طریقہ پر آتے ہیں ایک ٹھیکدار پانچ سال کے لئے باغ کو خریدتا ہے حالانکہ پھل نمودار ہونے سے پہلے اس کی خرید وفروخت ناجائز ہے اس سود سے کون بچ سکتا ہے ہمارے اساتذہ سے ہم نے سنا ہے کہ اب آدمی جو چیز بازار سے خرید کر کھاتا ہے تو وہ یہ سوچ کر کھائے کہ حالت اضطرار میں جان بچانے کے لئے مردار کھا رہا ہوں اب تو حالت یہ ہے کہ حکومتوں کی طرف سے غیر سودی کاروبار پر پابندی ہے پاکستان کی سپریم کورٹ نے سود کو جاری رکھنے کے لئے سرکاری حکم جاری کر دیا ہے "**قاتلهم الله انی یؤفکون**"۔[1]

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ وَلَا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ وَلَا الْبُرَّ بِالْبُرِّ وَلَا الشَّعِيْرَ بِالشَّعِيْرِ وَلَا التَّمْرَ بِالتَّمْرِ وَلَا الْمِلْحَ بِالْمِلْحِ إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ عَيْناً بِعَيْنٍ يَداً بِيَدٍ وَلٰكِنْ بِيْعُوا الذَّهَبَ بِالْوَرِقِ وَالْوَرِقَ بِالذَّهَبِ وَالْبُرَّ بِالشَّعِيْرِ وَالشَّعِيْرَ بِالْبُرِّ وَالتَّمْرَ بِالْمِلْحِ وَالْمِلْحَ بِالتَّمْرِ يَداً بِيَدٍ كَيْفَ شِئْتُمْ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "نہ تو سونا، سونے کے بدلے میں بیچو، نہ چاندی، چاندی کے بدلے میں، نہ گیہوں، گیہوں کے بدلے میں، نہ جو، جو کے بدلے میں، نہ کھجور، کھجور کے بدلے میں اور نہ نمک، نمک کے بدلے میں، ہاں برابر سرابر نقد بہ نقد یعنی دست بدست لین دین جائز ہے چنانچہ سونا، چاندی کے بدلہ میں اور چاندی، سونے کے بدلے میں اور گیہوں جو کے بدلے میں اور جو گیہوں کے بدلے میں اور کھجور نمک کے بدلے میں اور نمک کھجور کے بدلے میں دست بدست جس طرح چاہو خرید وفروخت کرو"۔ (نسائی)

مورخہ ۳۰ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

خشک اور تازہ پھلوں کے باہمی لین دین کا مسئلہ

﴿۱۴﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ شِرَاءِ التَّمْرِ بِالرُّطَبِ فَقَالَ أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ فَقَالَ نَعَمْ فَنَهَاهُ عَنْ ذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[3]

---

[1] المرقات: ۶/۶۰ [2] اخرجه الشافعی فی البیوع ۱۴/۳، ۱۵ [3] اخرجه مالك: ۳۸۶ والترمذی: ۳/۵۲۸ وابن ماجه: ۲/۷۶۱

ترجمہ: اور حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ سے جب تازی کھجور کے بدلے میں (خشک) کھجور خریدنے کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تازہ کھجور خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے" عرض کیا گیا کہ جی ہاں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس طرح لین دین سے منع فرمایا"۔ (مالک، ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: تر کھجوروں کی بیع خشک کھجوروں کے بدلہ میں جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک بیع الرطب بالتمر جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔[1]

دلائل جمہور زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے بیع الرطب بالتمر کے بارے میں جب پوچھا گیا تو آپ نے استفسار کیا کہ تر کھجوریں خشک ہو کر کم ہو جاتی ہیں یا نہیں صحابہ نے کہا کم ہو جاتی ہیں تب آپ نے اس بیع کو منع فرما دیا۔

دراصل ائمہ ثلاثہ کے ہاں بیع میں **حالاً** اور **مآلاً** مساوات ضروری ہے اور یہاں تر کھجور جب خشک ہو جائیں گی تو مساوات باقی نہیں رہیگی اس لئے ناجائز ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بیوعات کا شرعی قاعدہ اور ضابطہ ہے اس قاعدہ کلیہ کا ہر حال میں لحاظ رکھا جائیگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ کھجور کا خشک وتر ہونا یہ اس میں وصف زائد ہے اور وصف زائد کا اعتبار نہیں ہے حدیث میں آیا ہے "**جیدھا وردیھا سواء**" لہٰذا مستقبل اور مآل میں مساوات کی ضرورت نہیں ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء نے اس مسئلہ میں آپ سے بحث کی اور سخت مخالفت کی آپ نے ان سے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ رطب اور تمر ایک جنس ہے یا الگ الگ جنس ہے اگر ایک جنس ہے تو حدیث التمر بالتمر مثلاً بمثل کی وجہ سے یہ بیع جائز ہے اور اگر رطب تمر کی جنس سے نہیں ہے تو حدیث "**اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم**" کی وجہ سے یہ بیع جائز ہونی چاہئے امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر رطب میں نقص آ گیا ہے تو اس کی ذمہ داری بائع کی نہیں ہے یہ نقص تو مشتری کے ہاتھ میں آ گیا ہے جس سے بائع بری الذمہ ہے تو بوقت بیع نقص نہیں تھا لہٰذا بیع جائز ہے اسی طرح مسئلہ دیگر پھلوں کا بھی ہے اور اسی طرح حکم تازہ اور خشک گوشت کا ہے۔ بہر حال جمہور بھی ایک طرف ہیں صاحبین بھی ان کے ساتھ ہیں حدیث بھی واضح ہے اگر فتویٰ صاحبین اور جمہور کے مسلک پر دیا جائے تو بعید نہیں ہوگا۔

جواب: جمہور کی دلیل زیر بحث حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق ادھار سے ہے اور اس کی تائید حضرت سعد ہی کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے تازہ کھجور کے بدلے میں خشک کھجور کے لین دین کو ادھار اور نسیئۃ میں منع فرمایا ہے الفاظ یہ ہیں "**عن سعد بن ابی وقاص ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الرطب بالتمر نسیئۃ**"۔ (ابوداود)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اہل بغداد کے استدلال کے جواب میں یہ بھی فرمایا کہ زیر بحث حدیث ابوعیاش روای کی وجہ سے

---

[1] المرقات: ۶/۶۲

ضعیف بھی ہے لہٰذا قواعد بیوع کا خیال رکھا جائے گا اور جزئیات میں تاویل کریں گے جیسا کہ امام صاحب کی فقہی سوچ ہے۔
امام مالک رحمہ اللہ کی فقہی سوچ کا مدار اہل مدینہ کے تعامل پر ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ کی فقہی سوچ کا مدار اہل مکہ کے تعامل پر ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی فقہی سوچ کا مدار ظاہر حدیث پر ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ایک مسئلہ میں کئی اقوال واحوال پر فتویٰ دیتے ہیں۔

گوشت اور زندہ جانور کے تبادلہ کا مسئلہ

﴿۱۵﴾ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلًا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ قَالَ سَعِيدٌ كَانَ مِنْ مَيْسِرِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ ''رسول کریم ﷺ نے جانور کے بدلے میں گوشت کا لین دین کرنے سے منع فرمایا ہے نیز حضرت سعید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ''جانور کے بدلے میں گوشت کا لین دین زمانہ جاہلیت کے جوئے کی قسم سے تھا''۔ (شرح السنہ)

توضیح: ''میسر اهل الجاهلية'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلط طریقے سے اہل جاہلیت لوگوں کا مال کھاتے تھے اس بیع میں بھی اسی طرح ہے اگرچہ جوئے کا طریقہ اور ہے وہاں تیروں کے ذریعہ سے جو کھیلا جاتا تھا اور یہاں لین دین ہوتا ہے غلط طریقہ سے حصول مال میں تشبیہ ہے اس مسئلہ میں فقہاء کا معمولی سا اختلاف ہے کہ آیا زندہ حیوان کا تبادلہ گوشت کے ساتھ جائز ہے یا نہیں۔[2]

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمہ اللہ اس بیع کو مطلقاً حرام اور ناجائز قرار دیتے ہیں۔
امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر گوشت کو حیوان کے گوشت سے زیادہ رکھا جائے کہ گوشت کے مقابلے میں گوشت آجائے اور حیوان کے زائد حصول کے بدلے میں اضافی گوشت آجائے تو یہ صورت جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گوشت کے بدلے میں زندہ حیوان کا لین دین نقداً جائز ہے ادھار جائز نہیں ہے۔
دلائل امام شافعی رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو واضح تر دلیل ہے۔
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل بیوعات کے اصولی قواعد کی رعایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ گوشت موزونی ہے اور حیوان غیر موزون ہے لہٰذا اتحاد قدر نہ ہونے کی وجہ سے کمی بیشی کے باوجود یہاں سود نہیں ہے لہٰذا جائز ہے۔

جواب: شوافع کے مستدل زیر بحث حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ادھار کے لین دین پر محمول ہے اور ادھار کے عدم جواز کے احناف بھی قائل ہیں کہ ایک طرف چیز موجود ہو اور دوسری طرف صرف وعدہ ہو چیز موجود نہ ہو تو یہ ناجائز ہے۔

[1] اخرجه البغوی فی شرح السنة: ۴/۲۵۶ [2] المرقات: ۶/۶۲

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اہل جاہلیت اس کو جوا بنا کر کھیلتے تھے اس لئے جوا کو روکنے کے لئے یہ ممانعت آئی ہے۔[1]

بیوعات کے قواعد کلیہ پر احناف کی دلیل

﴿۱۶﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین کرنے سے منع فرمایا ہے''۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

ائمہ احناف نے اس حدیث کو سود کے ابواب میں بنیاد کے طور پر لیا ہے اور بیوعات کے قواعد کلیہ کی حفاظت کے لئے کئی جزئی احادیث میں تاویل کی ہے یہاں حدیث میں واضح طور پر ادھار کا لفظ موجود ہے تو جہاں یہ لفظ نہیں ہے وہاں بھی اس کو مراد لیا جائے گا تاکہ احادیث میں تطبیق آجائے۔

غیر مثلی اشیاء کے قرض لینے کا مسئلہ

﴿۱۷﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَهُ أَنْ يُجَهِّزَ جَيْشاً فَنَفِدَتِ الْإِبِلُ فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ عَلٰى قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ فَكَانَ يَأْخُذُ الْبَعِيْرَ بِالْبَعِيْرَيْنِ إِلٰى إِبِلِ الصَّدَقَةِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص کے بارے میں مروی ہے کہ (ایک غزوہ کے موقع پر) نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ لشکر کا سامان درست کرلو، (یعنی لشکر میں شامل ہونے کے لئے سواری اور ہتھیار وغیرہ تیار رکھو) چنانچہ جب اونٹوں کی کمی ہوئی (یعنی جتنے اونٹ تھے وہ اکثر لوگوں میں تقسیم ہو گئے اور کچھ لوگ کہ جن میں حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص بھی شامل تھے اونٹ حاصل نہ کرسکے) تو آنحضرت ﷺ نے عبداللہ کو حکم دیا کہ ''وہ زکوٰۃ'' کے اونٹ کے بدلے میں اونٹ (قرض) لے لیں'' چنانچہ حضرت عبداللہ زکوٰۃ کے اونٹ آنے تک (کے وعدہ پر) دو اونٹ کے عوض ایک اونٹ لے لیا کرتے تھے''۔

(ابوداود)

توضیح: ''علی قلائص الصدقة'' قلائص جمع ہے اس کا مفرد قلوص ہے جوان اونٹ کو کہتے ہیں صدقہ سے مراد زکوٰۃ کے اونٹ ہیں یعنی حضور اکرم ﷺ نے عمرو بن العاص سے فرمایا کہ کسی شخص سے اونٹ قرض لے لو اور مجاہدین پر تقسیم کرو تاکہ جہاد کا لشکر روانہ ہوجائے اور جب صدقہ وزکوٰۃ کے اونٹ بیت المال میں آجائیں گے پھر اس شخص کا قرض ادا کرلو گے۔

[1] المرقات: ۶/۶۲ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۵۳۸ وابوداؤد: ۳/۲۲۷ وابن ماجه: ۲/۷۶۳ [3] اخرجه ابوداؤد: ۳/۲۲۸

"بالبعیرین" یعنی حضرت عمرو بن العاص دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ لیتے تھے اور مجاہدین میں تقسیم کرتے تھے اس طرح قرض لینے کے بارہ میں یہ اصولی بات سمجھ لینی چاہئے کہ قرض صرف اس چیز کا لیا جاسکتا ہے جو چیز اپنی مثل رکھتی ہے مثلاً انڈے ہیں یہ مثلی ہیں اناج مثلی ہیں روپیہ پیسہ مثلی ہے ان اشیاء کا قرض لینا دینا جائز ہے کیونکہ آج قرض لیا تو کچھ دن کے بعد اسی چیز کی مانند قرض میں واپس کردیگا کیونکہ مثل موجود ہے لیکن جن اشیاء کا مثل موجود نہ ہو تو اس کا قرض لینا دینا بھی ناجائز ہے کیونکہ کل جب قرض لینے والا قرض واپس کرنا چاہیگا تو مثل دینا مشکل ہوگا جیسا کہ زیر بحث حدیث میں حیوان کا مسئلہ ہے حیوان مثلی نہیں ہے بلکہ ذوات القیم اشیاء میں سے ہے اب قرض میں اس کا مثل دینا مشکل ہے لہٰذا اس کا قرض لینا دینا ناجائز ہے لیکن یہ ضابطہ احناف کے مسلک کے مطابق ہے شوافع حضرات غیر مثلی اشیاء یعنی حیوان میں قرض لینے دینے کو جائز سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہی زیر بحث حدیث ہے۔

ائمہ احناف عدم جواز پر حضرت سمرہ بن جندب کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو اس سے پہلے گذر چکی ہے اور یہ مسئلہ بھی اختلاف مع دلائل لکھا جاچکا ہے۔

اس حدیث کے بارے میں احناف تاویل کرتے ہیں تاکہ احادیث میں تطبیق آجائے ایک جواب یہ دیتے ہیں کہ ایک حیوان کے بدلے دو حیوان بطور قرض اس وقت جائز تھا جبکہ ربوا اور سود کی ممانعت کا حکم نہیں آیا تھا پھر جب سود حرام ہوا تو اس قسم کی بیوعات بھی ختم ہوگئیں علامہ تورپشتی نے یہی جواب دیا انہوں نے اس حدیث کو ضعیف بھی قرار دیا ہے۔[۱]

الفصل الثالث

ادھار لین دین میں سود کا مسئلہ

﴿۱۸﴾ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ لَا رِبًا فِيمَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ادھار لین دین میں سود ہوجاتا ہے" ایک اور روایت میں یوں ہے کہ "اس لین دین میں سود نہیں ہوتا جو دست بدست ہو"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: یعنی دو چیزیں جب ایک جنس سے ہوں اور برابر سرابر ہوں اور نقد ہوں ادھار نہ ہوں تو اس صورت میں سود نہیں ہے نیز اس صورت میں بھی سود نہیں ہے کہ دو چیزیں مختلف جنس سے ہوں تو اختلاف کی وجہ سے پھر بھی ربا نہیں آئیگا البتہ ربا اس وقت آئیگا جبکہ ایک جنس کی دو چیزوں کا لین دین ادھار میں ہو حضرت اسامہ نے یہی صورت بیان فرمائی ہے۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے کلام سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو شبہ ہوگیا اور انہوں نے نقد میں ربا کا انکار کیا اور فرمایا کہ

[۱] المرقات: ۶/۶۳ [۲] اخرجه البخاری: ۳/۹۷ ومسلم: ۱/۶۹۶

ربا صرف ادھار کی صورت میں ہوتا ہے لیکن جب حضرت ابی بن کعب نے ان کو سخت ڈانٹا اور سختی سے منع کر دیا تو آپ نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا اور فرمایا کہ میں نے اسامہ کے کلام سے اس طرح سمجھا تھا حضرت ابی نے یہ بھی فرمایا کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ نے حضور اکرم سے کوئی حکم سنا ہو یا اس کا مشاہدہ کیا ہو اور ہم نے نہ سنا اور نہ مشاہدہ کیا حالانکہ ہماری رفاقت حضور اکرم ﷺ سے طویل ہے؟

پھر حضرت ابی بن کعب نے ان کو ربا سے متعلق صریح حدیث سنادی تو آپ نے فرمایا کہ تم گواہ رہو میں بھی اس ربا کو حرام کہتا ہوں اور اس سے بیزار ہوں۔ (مرقات)[1]

سود کا ایک درہم کھانا چھتیس بار زنا کرنے سے بڑا گناہ ہے

﴿۱۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ حَنْظَلَۃَ غَسِیْلِ الْمَلَائِکَۃِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دِرْھَمُ رِبًا یَأْکُلُہُ الرَّجُلُ وَھُوَ یَعْلَمُ أَشَدُّ مِنْ سِتَّۃٍ وَثَلَاثِیْنَ زِنْیَۃً۔ (رَوَاہُ أَحْمَدُ وَالدَّارُ قُطْنِیُّ وَرَوَی الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَزَادَ وَقَالَ مَنْ نَبَتَ لَحْمُہٗ مِنَ السُّحْتِ فَالنَّارُ أَوْلٰی بِہٖ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن حنظلہ غسیل ملائکہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”سود کا درہم یہ جاننے کے باوجود کھانا کہ یہ سود ہے چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے“۔ (احمد، دارقطنی) اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، نیز بیہقی نے اس روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ”آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس شخص کا گوشت حرام مال سے پیدا ہوا ہو (یعنی جس شخص کی جسمانی نشو ونما حرام مال مثلاً سود ورشوت وغیرہ سے ہوئی ہو) وہ شخص دوزخ ہی کے لائق ہے“۔

توضیح: ”غسیل الملائکۃ“ حنظلہ شان والے صحابی ہیں ابو عامر فاسق کے بیٹے ہیں ان کے باپ نے حضور اکرم اور اسلام کی بڑی مخالفت کی پہلے ابو عامر راہب کے نام سے مشہور تھا پھر حضور کی مخالفت کی وجہ سے انصار نے ان کو ابو عامر فاسق کے نام سے یاد کیا احد کے میدان میں اس نے گڑھے کھودے تھے جس میں بہت مسلمان گر کر شہید ہو گئے تھے اس کے بیٹے حنظلہ کو کفار نے شہید کیا لیکن ابو عامر نے اس کی لاش کو کانٹے دار شاخ سے مزید مارا، اللہ تعالیٰ نے اس صحابی کو بڑی شان عطا فرمائی جب حضور اکرم نے میدان احد کی طرف نکلنے کا اعلان فرمایا تو اس صحابی کے ذمہ فرض غسل تھا انہوں نے غسل چھوڑ کر حضور کے اعلان پر لبیک کہا اور جا کر کفار سے میدان میں لڑتے لڑتے شہید ہو گئے چونکہ جنابت میں تھے اس لئے فرشتوں نے ان کو غسل دیا تو غسیل الملائکہ مشہور ہوئے۔[3]

”**وھو یعلم**“ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو معلوم ہے کہ یہ سود کا روپیہ ہے اور پھر بھی کھا رہا ہے تو یہ بڑا گناہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ یہ سود کا پیسہ ہے اور اس نے کھالیا تو اس غلطی کی وجہ سے وہ معذور ہے

---

[1] المرقات: ۶/۶۳ [2] اخرجہ احمد: ۵/۲۲۵ والدارقطنی: ۳/۱۶ [3] المرقات: ۶/۶۳

ہاں جو شخص دار اسلام میں رہتا ہے اور سود کے لین دین کے حکم سے جاہل ہے اور اس کے حلال وحرام کی صورتوں کے سیکھنے کی کوشش نہیں کرتا ہے تو وہ شخص بھی اس وعید میں شامل ہے۔[1]

"ستة وثلاثين" یعنی چھتیس بار زنا کرنے سے سود کا گناہ بڑا ہے چھتیس بار کی تعداد کی تحدید و تعین شارع کا کام ہے وہی اس کی حکمت کو جانے ہم اس حکمت کے ڈھونڈنے پر مکلف نہیں ہیں۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں سود کی حرمت اور اس کے کھانے کی ممانعت میں بطور زجر وتشدید مبالغہ کرنا مقصود ہے تاکہ اس حرام سے آدمی بچ جائے اور حلال کی طرف جائے۔

ملا علی قاری نے یہ بھی لکھا ہے کہ سود کے معاملہ پر اللہ تعالیٰ نے سود خور سے جنگ کا اعلان فرمایا ہے یہ صورت بھی کئی زناؤں سے سنگین ہے۔ نیز علماء لکھتے ہیں کہ جو آدمی سودی کاروبار کرتا ہے تو وہ بیوعات کے پیچیدہ مسائل کی وجہ سے اس کو حلال سمجھتا ہے اور عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ صورت جائز ہے۔[2]

ادھر زنا کو ہر مذہب کے لوگ عیب اور گناہ و ناجائز سمجھتے ہیں اس وجہ سے بھی سود کی نوعیت زنا سے بدتر ہے، جو اس حدیث میں بیان کی گئی۔

سود کو حلال سمجھنا ماں سے زنا کرنے کے مترادف ہے

﴿۲۰﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرِّبَا سَبْعُوْنَ جُزْءًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ۔[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں اور ان میں سے جو سب سے ادنی درجہ ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنی ماں سے جماع کرے"۔

توضیح: قباحت وشناعت میں یہ تشبیہ اپنے آخری مقام پر واقع ہے اس سے زیادہ کسی کو کیسا سمجھایا جا سکتا ہے اپنی ماں اور اس سے زنا کرنا استغفر اللہ۔

"ینکح" نکاح کے معنی میں نہیں بلکہ لغوی معنی جماع کرنا مراد ہے یہ تو ستر درجہ گناہ میں ادنیٰ درجہ ہے دوسرے درجے کیا ہونگے۔ (نعوذ باللہ منہا)[4]

﴿۲۱﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّبَا وَاِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهُ تَصِيْرُ اِلٰى قُلٍّ۔ (رَوَاهُمَا ابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَوٰى أَحْمَدُ الْأَخِيْرَ)[5]

[1] المرقات: ۶/۶۴ [2] المرقات: ۶/۶۴ [3] اخرجه البهقي: ۴/۳۹۲ وابن ماجه: ۲/۷۶۴
[4] المرقات: ۶/۶۵ [5] اخرجه البهقي: ۴/۳۹۲ وابن ماجه: ۲/۷۶۵

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سود (سے حاصل شدہ مال) خواہ کتنا ہی زیادہ ہو مگر آخر کار اس میں کمی (یعنی بے برکتی) آجاتی ہے" ان دونوں روایتوں کو ابن ماجہ نے اور شعب الایمان میں بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے نیز دوسری روایت کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔

توضیح: یہ حدیث پیشگوئی کے درجہ میں ہے کہ سودی کاروبار کا انجام تباہ کن ہوتا ہے اور سود خور آخر میں کوڑی کوڑی کا محتاج ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿یمحق اللہ الربا ویربی الصدقات﴾ [1] تجربہ شاہد ہے کہ بڑے بڑے سود خور اور ان کے بڑے بڑے محلات اور بڑے بڑے برج آخر میں تباہی سے دوچار ہوئے ہیں یہ تو دنیا کی رسوائی ہے اور اگر دنیا میں کچھ بھی نہ ہو تو آخرت کا خسارہ تو اتنا یقینی ہے جیسا دن کے بعد رات کا آنا یقینی ہوتا ہے۔

مال اس چیز کا نام نہیں ہے کہ اس کو گن لیا جائے اور آدمی خود اس کا چوکیدار بن جائے بلکہ مال اس فرحت بخش چیز کا نام ہے جو انسان کے لئے راحتِ جان بن جائے سود خور کبھی دنیا میں مال کی وجہ سے راحت میں نہیں ہوتا یہ بھی بُرے انجام کی نشانی ہے سود خور کے پاس سامانِ راحت تو بہت ہوتا ہے لیکن وہ خود راحت سے محروم رہتا ہے اور سامانِ راحت اور راحت میں بڑا فرق ہے ایک غریب حلال روزی کما کر ریت کے ڈھیر پر بے نیاز خراٹے بھر کر سویا رہتا ہے جبکہ سود خور مالدار طرح طرح کی خواب آور گولیاں کھا کر بھی نیند کی لذت سے محروم رہتا ہے سود خور آدمی معاشرہ کے لئے زہریلے سانپ سے زیادہ زہریلا بن جاتا ہے ہمدردی اور خیر خواہی نام کی کوئی چیز اس کی رگ و ریشہ میں باقی نہیں رہتی بلکہ وہ ایک غریب کے جسم کے خون کو چوسنے کے لئے ہمہ وقت سرگردان رہتا ہے۔ آج کل بین الاقوامی طور پر سودی کاروبار نے غریب ممالک کو امیر ممالک کا غلام بنا رکھا ہے اقتصادی طور پر غریب ممالک سود خور ممالک کے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں مگر فریاد کرنے کے قابل بھی نہیں رہے۔

سود خور کے پیٹ میں زہریلے سانپ بھریں گے

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عَلَى قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ كَالْبُيُوْتِ فِيْهَا الْحَيَّاتُ تُرَى مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ قَالَ هٰؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "معراج کی رات میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ گھروں (مکانوں) کی مانند (بڑے بڑے) تھے اور ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو پیٹوں کے باہر سے بھی نظر آرہے تھے، میں نے (انہیں دیکھ کر بڑی حیرت کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام سے) پوچھا کہ "جبرئیل: یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ سود خور ہیں"۔ (احمد، ابن ماجہ)

---

[1] سورۃ بقرۃ: ۲۷۶ [2] اخرجہ احمد: ۲/۲۵۳ و ابن ماجہ: ۲/۷۶۳

سود خور پر آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی

﴿۲۳﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَمَانِعَ الصَّدَقَةِ وَكَانَ يَنْهٰى عَنِ النَّوْحِ. (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے سنا رسول کریم ﷺ، سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا حساب لکھنے والے، اور صدقہ سے منع کرنے والے پر لعنت فرماتے تھے نیز آپ ﷺ نوحہ کرنے سے منع فرماتے تھے''۔ (نسائی)

توضیح: "مانع الصدقة" یعنی کسی بھی خیرات کو برداشت نہ کرنے والا بلکہ اس کو روکنے والا، یعنی ایسا شخص جو نہ خود صدقہ کرے نہ دوسرے کو کرنے دے۔[2]

"النوح" مردے پر بین کرنے والا، مردہ کے اوصاف بیان کر کر چیخ چیخ کر رونے والے کو نائح کہا جاتا ہے اور اس کے اس عمل کا نام ''نوحہ'' ہے جو ناجائز ہے اور حرام ہے۔[3]

تین دن تک سوگ منانا ہر مردہ پر جائز ہے تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں ہے البتہ غم اور آنکھوں سے آنسوں گرنا الگ چیز ہے وہ جائز ہے نیز عورت کے لئے اپنے شوہر کی موت پر چار ماہ دس دن تک سوگ منانا یعنی ترک زینت جائز ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربا کا ضابطہ بتادیا

﴿۲۴﴾ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّ آخِرَ مَانَزَلَتْ آيَةُ الرِّبَا وَأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا الرِّبَا وَالرِّيْبَةَ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ ''جو چیز نازل ہوئی ہے (یعنی قرآن کریم) اس کا (معاملات سے متعلق) جو حصہ سب سے آخر میں نازل ہوا ہے وہ ربا کی آیت ہے چنانچہ رسول کریم ﷺ اس دنیا سے (اس حالت میں) تشریف لے گئے کہ آپ ﷺ نے اس کی تفصیل بیان نہیں فرمائی لہٰذا سود کو بھی چھوڑ دو اور جس چیز میں سود کا شک وشبہ ہو اسے بھی چھوڑ دو''۔ (ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "ولم يفسرها" اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضور اکرم نے سود سے متعلق قواعد وضوابط بیان نہیں کئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آنحضرت پر ربا کا حکم آخری عمر میں نازل ہوا آپ نے اس کے قواعد تو بیان فرمادیئے لیکن اس کی تفصیلات ابھی تک بیان نہیں کئے تھے کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے لہٰذا سود کو بھی چھوڑ دو اور جہاں سود کا شائبہ اور احتمال ہو اس صورت کو بھی چھوڑ دو۔ چنانچہ بطور ضابطہ حضور اکرم نے چھ چیزوں میں سود کا ذکر فرمایا ہے جس سے ایک ضابطہ

[1] اخرجه النسائي: ۸/۱۴۷ [2] المرقات: ۶/۶۶ [3] المرقات: ۶/۶۷ [4] اخرجه ابن ماجه: ۲/۷۶۴ والدارمي

اور قاعدہ کی طرف اشارہ ہوگیا اس اشارہ کی تفصیلات ائمہ مجتہدین نے اپنے اجتہاد کے ذریعہ سے بیان کردیں اب ہر گوشہ اس قاعدہ کلیہ کے تحت آگیا لہٰذا جہاں سود کا قاعدہ جاری ہوگا اس سے اجتناب کرنا ہوگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا یہی مطلب ہے ملحدین نے اس قول سے سود کی چھوٹ کا جو مطلب نکالا ہے وہ الحاد و زندقہ ہے جو ان کا اپنا ورثہ ہے۔[1]

کسی کو قرض دیکر اس سے نفع حاصل کرنا حرام ہے

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْرَضَ أَحَدُكُمْ قَرْضًا فَأَهْدٰى إِلَيْهِ أَوْ حَمَلَهُ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبُهُ وَلَا يَقْبَلُهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ جَرٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ قَبْلَ ذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص (کسی کو) قرض دے اور پھر قرض لینے والا اس (قرض دینے والے) کے پاس کوئی تحفہ بھیجے یا سواری کے لئے جانور دے تو وہ (قرض دینے والا) نہ اس جانور پر سوار ہو اور نہ اس کا تحفہ قبول کرے ہاں اگر قرض دینے والے اور قرض لینے والے دونوں کے درمیان پہلے سے تحفہ یا سواری کے جانور کا لینا دینا جاری ہو (تو پھر اس کو قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے)۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

توضیح: یعنی قرض دینے کی وجہ سے مدیون اس دائن کے ساتھ جو بھی نرمی کا معاملہ کرتا ہے وہ سود کے زمرہ میں آتا ہے کیونکہ قرض خواہ نے اپنے قرض کی وجہ سے اس سے یہ فائدہ حاصل کیا اور **"کل قرض جر نفعا فھو ربا"** علماء کا متفقہ قاعدہ ہے جو ایک حقیقت ہے ہاں اگر قرض کے اس لین دین سے پہلے مدیون اس دائن کے ساتھ تحفہ وہدیہ کا معاملہ کرتا تھا تو قرض کے بعد بھی جائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مدیون کے مکان کے سائے میں کھڑے نہ ہوئے حالانکہ سخت دھوپ آپ کو ستا رہی تھی یہ اس خوف سے تھا کہ کہیں مدیون سے دین کی وجہ سے کوئی نفع حاصل نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ آج کے دور میں مدیون کے گھر جاتے ہیں قرض کے لئے رات گذارتے ہیں اور مقروض سے کھانا وغیرہ کھاتے ہیں یہ سب ناجائز اور حرام ہے ہاں اگر پہلے سے تعلقات ہوں وہ الگ بات ہے۔[3]

قرض خواہ مقروض کا ہدیہ قبول نہ کرے

﴿۲۶﴾ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا يَأْخُذْ هَدِيَّةً۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي تَارِيخِهِ هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى)[4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی کو قرض دے تو وہ اپنے قرضدار سے بطور تحفہ بھی کوئی چیز قبول نہ کرے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے نیز منتقیٰ میں بھی اسی طرح کی روایت منقول ہے۔

[1] المرقات: ۶/۶۷ [2] اخرجه ابن ماجه: ۲/۸۱۳ والبیهقی: ۴/۳۹۷ [3] المرقات: ۶/۶۸، ۶۹ [4] اخرجه البخاری: ۷/۱۲۸

قرض دیکر مقروض سے کوئی نفع نہ لو

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ فَقَالَ إِنَّكَ بِأَرْضٍ فِيهَا الرِّبَا فَاشٍ فَإِذَا كَانَ لَكَ عَلَى رَجُلٍ حَقٌّ فَأَهْدَى إِلَيْكَ حِمْلَ تِبْنٍ أَوْ حِمْلَ شَعِيرٍ أَوْ حَبْلَ قَتٍّ فَلَا تَأْخُذْهُ فَإِنَّهُ رِبًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوبردہ ابن ابوموسیٰ رحمۃ اللہ (تابعی) کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ میں آیا اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن سلام (صحابی) سے ملا تو انہوں نے فرمایا کہ ”تم ایک ایسی سرزمین پر ہو جہاں سود کا بہت رواج ہے لہٰذا اگر کسی پر تمہارا حق ہو (یعنی کوئی تمہارا قرضدار ہو) تو اور وہ تمہیں بھوسے کا ایک گھڑا، یا جو کی ایک گٹھری یا گھانس کا ایک گٹھا بھی تحفہ کے طور پر دے تو تم اسے قبول نہ کرنا کیونکہ وہ سود کا حکم رکھتا ہے“۔ (بخاری)

توضیح: ”الربا فاش“ یعنی اس سرزمین میں ربا اور سود بہت عام ہے۔[2]

”**حمل تبن**“ تبن بھوسے کو کہتے ہیں اور حمل محمول کے معنی میں ہے ”**ای قدر ما یحمله حمار او بغل**“ یعنی مقروض گدھے اور خچر کے بوجھ برابر بھوسہ دلا کردے یا جو لا کردے۔[3]

”**او حبل قت**“ قت ایک عمدہ گھاس کا نام ہے جو ہری بھری ہوتی ہے جس کو رطبہ بھی کہتے ہیں مراد عمدہ گھاس ہے جس کو حیوان بڑے شوق سے کھائے حبل محبول کے معنی میں ہے۔ عمدہ گھاس کا بندھا ہوا گٹھا مراد ہے۔[4]

”**فانه ربا**“ یعنی قرض کے دباؤ میں جو بھی نفع حاصل ہوجائے وہ سود کے زمرہ میں آتا ہے ہاں اگر سابقہ دستور اور رواج کے مطابق ہے اور مروت و احسان کے تحت ہے تو اس میں مضایقہ نہیں اور جو لوگ قرض دیکر کسی نفع کی شرط لگا لیتے ہیں اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔[5]

[1] اخرجه البخاری: ۳/۹۲ [2] المرقات: ۶/۶۸ [3] المرقات: ۶/۶۹ [4] المرقات: ۶/۶۹ [5] المرقات: ۶/۶۹

باب المنھی عنھا من البیوع

ممنوع بیوعات کا بیان

اسلام چونکہ زندہ وتابندہ مذہب ہے اور یہ کامل مکمل بلکہ اکمل ضابطہ حیات ہے اس لئے اس میں انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کی ضروریات اور پیچیدگیوں کا حل موجود ہے اسی سلسلہ میں اسلام ہر انسان کی لین دین اور خرید وفروخت کے ہر زاویہ کو مدنظر رکھتا ہے اور ہر وقت انسان کی رہنمائی کرتا ہے کہ اس طرح کرو اس میں فائدہ ہے اور اس طرح نہ کرو اس میں نقصان ہے۔ چنانچہ بیوعات میں نہ کرنے کی جو ممنوعہ صورتیں ہیں شریعت میں اس کی خوب وضاحت کی گئی ہے بعض صورتیں تو وہ ہیں جن کی ممانعت بطور حرام ہے اور بعض کی ممانعت بطور کراہت ہے اسی کو زیر بحث باب میں بیان کیا جارہا ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھنا ضروری ہے کہ عبادات میں لفظ باطل اور لفظ فاسد جب استعمال ہوتا ہے تو اس میں کوئی فرق نہیں دونوں الفاظ غیر مقبول اور ناجائز کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

لیکن بیوعات، اور معاملات کا معاملہ دوسرا ہے یہ الفاظ جب بیوعات میں آتے ہیں تو باطل اور فاسد میں فرق ہوتا ہے چنانچہ بیع فاسد وہ ہوتی ہے جو اصلاً صحیح ہوتی ہے مگر وصفاً صحیح نہیں ہوتی ہے اور بیع باطل وہ ہوتی ہے جو نہ اصلاً صحیح ہو اور نہ وصفاً صحیح ہو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیں کہ بیع فاسد میں فروخت شدہ چیز قبض کرنے کے بعد مشتری کی ملکیت میں آجاتی ہے اگرچہ حرام ہو لیکن بیع باطل میں کسی صورت میں فروخت شدہ چیز مشتری کی ملکیت میں نہیں آتی ہے ممنوع بیوعات میں یہ بھی ہے کہ جو چیز مال نہیں اس کی بیع صحیح نہیں جو چیز کسی کے ہاتھ میں نہیں اس کی بیع صحیح نہیں جو بیع نزاع اور جھگڑا پیدا کرتی ہے وہ جائز نہیں۔ معاملات میں جھوٹ دھوکہ اور عہد شکنی اور گالی گلوچ بھی مال حلال کو خراب کردیتی ہے لہٰذا اس سے اجتناب بھی ضروری ہے اسی طرح بیوعات میں عقد بیع کے منافی شرط لگانا بھی باطل ہے۔

الفصل الاول

بیع مزابنہ کی تعریف اور ممانعت

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ أَنْ يَبِيْعَ ثَمَرَ حَائِطِهٖ إِنْ كَانَ نَخْلاً بِتَمْرٍ كَيْلاً وَإِنْ كَانَ كَرْماً أَنْ يَبِيْعَهٗ بِزَبِيْبٍ كَيْلًا أَوْ كَانَ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ وَإِنْ كَانَ

زَرْعاً أَنْ يَبِيْعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا نَهٰى عَنِ الْمُزَابَنَةِ قَالَ وَالْمُزَابَنَةُ أَنْ يُبَاعَ مَا فِيْ رُؤُسِ النَّخْلِ بِتَمْرٍ بِكَيْلٍ مُسَمًّى إِنْ زَادَ فَلِيْ وَإِنْ نَقَصَ فَعَلَيَّ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مزابنت سے منع فرمایا ہے اور مزابنت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باغ کا میوہ (تازہ پھل) اگر وہ کھجور ہو تو خشک کھجوروں کے بدلے پیمانہ کے ذریعہ (مثلا دس پیمانے کے بقدر) بیچے (یعنی ایک شخص کے باغ میں تازہ کھجوریں لگی ہوئی ہوں اور ایک دوسرے شخص کے پاس خشک کھجوریں رکھی ہوئی ہوں تو باغ والا شخص اس دوسرے شخص سے دس پیمانے بھر کر خشک کھجوریں لے لے اور اس کے عوض اپنے درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں اسی پیمانے کے مطابق اندازہ کر کے بیچ دے) اور اگر میوہ انگور ہو تو اس کو خشک انگور کے بدلے پیمانہ کے ذریعہ بیچے (حاصل یہ کہ بیع مزابنت کا مطلب ہے درخت پر لگے ہوئے تازہ میوہ کو خواہ وہ کھجور ہو یا کوئی اور پھل رکھے ہوئے خشک میوہ کے عوض بیچنا) اور مسلم میں یہ بھی ہے کہ "اگر کھیتی ہو تو (اس میں بیع مزابنت کی شکل یہ ہے کہ) اس کو غلہ کے عوض پیمانہ کے ذریعہ بیچے (یعنی کھیت میں کھڑے ہوئے غلہ کو رکھے ہوئے غلہ کے عوض بیچے مثلا ایک شخص کے کھیت میں گیہوں کھڑا ہے اور ایک دوسرے شخص کے پاس گیہوں رکھا ہوا ہے تو پہلا شخص اپنے کھیت میں کھڑے ہوئے گیہوں کا اندازہ کر کے اس کو دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دے اور اس کے عوض اس شخص سے وہ رکھا ہوا گیہوں اپنے اندازے کے مطابق پیمانہ بھر کے لے لے) آنحضرت ﷺ نے بیع کی ان تمام قسموں سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "المزابنة" یہ لفظ زبن سے ہے دفع کے معنی میں ہے کیونکہ اس عقد میں جس شخص نے دھوکہ کھایا وہ مطلع ہونے کے بعد عقد کو دفع اور فسخ کرنا چاہتا ہے اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے تازہ میوہ کو خواہ وہ عام پھل ہوں یا خاص کھجور ہوں اسی جنس کے رکھے ہوئے خشک میوہ کے عوض بیچنے کا نام مزابنہ ہے اس سے ذرا مختصر تعریف اس طرح ہے درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کو اسی جنس کے اترے ہوئے پھلوں کے بدلہ میں بیچنے کا نام مزابنہ ہے۔[2]

بہر حال درختوں پر لگا ہوا پھل ہو یا کھیت ہو اسی قسم کی دیگر اشیاء ہوں سب پر مزابنہ صادق آتا ہے کبھی مزابنہ کا اطلاق محاقلہ پر بھی ہوتا ہے۔ مزابنہ کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں درختوں پر لگا ہوا پھل معلوم نہیں ہے اس میں جہالت ہے صرف اندازہ سے دیا جا رہا ہے اور ہر وہ بیع جس میں مبیعہ یا ثمن مجہول ہو وہ مفضی الی النزاع ہوتی ہے اور مفضی الی النزاع بیع جائز نہیں ہے لہٰذا مزابنہ جائز نہیں ہے محاقلہ کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے مزابنہ اور محاقلہ کی تعریف خود حدیث میں مذکور ہے لہٰذا اسی کو دیکھنا چاہیئے۔

بیع محاقلہ کی ممانعت

﴿۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُخَابَرَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ

[1] اخرجه البخاري: ۳/۹۶ ومسلم: ۱/۶۶۸ [2] المرقات: ۶/۶۹، ۷۰

وَالْمُحَاقَلَةُ أَنْ يَبِيعَ الرَّجُلُ الزَّرْعَ بِمِائَةِ فَرَقٍ حِنْطَةً وَالْمُزَابَنَةُ أَنْ يَبِيعَ التَّمْرَ فِي رُؤُوسِ النَّخْلِ بِمِائَةِ فَرَقٍ وَالْمُخَابَرَةُ كِرَاءُ الْأَرْضِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخابرت، محاقلت اور مزابنت سے منع فرمایا ہے اور محاقلت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی کھیتی کو سو فرق گیہوں کے بدلے میں بیچ دے اور مزابنت یہ ہے کہ کوئی شخص درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے سو فرق رکھی ہوئی کھجوروں کے بدلے میں بیچ دے اور مخابرت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین کو ایک معین حصہ جیسے تہائی یا چوتھائی پر کاشت کے لئے دے دے"۔ (مسلم)

توضیح: "والمحاقلة" باب مفاعلہ سے ہے حقل زرخیز زمین کو بھی کہتے ہیں اور حقل مزارعت اور کاشتکاری کو بھی کہتے ہیں یہاں کھیتی باڑی میں معاملہ کرنا مراد ہے اس کی اصطلاحی تعریف اس طرح ہے کھڑی ہوئی کھیتی کو اسی جنس کے نکلے ہوئے غلہ کے بدلہ میں بیچنے کا نام محاقلہ ہے چنانچہ احتمال سود، امکان نزاع اور جہالت مبیع کی وجہ سے یہ بیع ناجائز ہے۔[۲]

"فرق" را پر زبر ہے یہ ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں سولہ رطل یعنی آٹھ سیر غلہ آتا ہے اس میں ایک لفظ را کے سکون کے ساتھ بھی ہے وہ اس پیمانہ کا نام ہے جس میں ۱۲۰ رطل غلہ آتا ہے اس حدیث میں سو فرق کا ذکر بطور مثال ہے کوئی تحدید وتعیین نہیں ہے۔"مخابرہ" مزارعہ کو کہتے ہیں تفصیل آنے والی ہے۔[۳]

کئی سال کے لئے باغات کو ٹھیکے پر دینا منع ہے

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَعَنِ الثُّنْيَا وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلت، مزابنت، مخابرت، معاومت اور ثنیا سے منع فرمایا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کی اجازت دی ہے"۔ (مسلم)

توضیح: "والمعاومة" محاقلہ مزابنہ اور مخابرہ کے معنی اس سے پہلے بیان ہو چکے ہیں یہاں اس حدیث میں "معاومہ" کا لفظ آیا ہے یہ باب مفاعلہ سے ہے اس کے مادہ میں لفظ "عام" پڑا ہے جو سال کے معنی میں ہے جیسے مشاہرہ میں "شہر" کا لفظ پڑا ہے۔ علامہ ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ کھجور وغیرہ کے درختوں کے پھلوں کو دو سال یا تین سال یا اس سے زیادہ سالوں کے لئے فروخت کرنے کا نام معاومہ ہے یہ بیع ناجائز ہے اس لئے کہ مبیعہ کا وجود نہیں ہے اور معدوم کی بیع ناجائز ہے کیونکہ یہ مفضی الی النزاع ہے آج کل ٹھیکدار لوگ باغات کو تین چار سالوں کے لئے ٹھیکہ پر لیتے ہیں اور پیسہ پہلے دیتے ہیں کبھی سال میں پھل آجاتا ہے کبھی پیسہ ضائع ہو جاتا ہے یہ ناجائز اور حرام ہے اس کی آسان اور جائز صورت یہ ہے کہ زمین کو اجارہ پر حاصل کیا جائے۔ معاومہ کا دوسرا نام بیع السنین بھی ہے جو آئندہ حدیثوں میں مذکور ہے۔[۵]

[۱] اخرجه مسلم: ۱/۶۷۰ [۲] المرقات: ۶/۷۱ [۳] المرقات: ۶/۷۱ [۴] اخرجه مسلم: ۱/۶۷۱ [۵] المرقات: ۶/۷۲

"الثنیا" ثا پر پیش ہے اور نون ساکن ہے یہ استثنا کے معنی میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ درختوں پر موجود پھلوں کوفروخت کیا جائے لیکن ان میں سے غیر معین مقدار کو مستثنی کیا جائے مثلا اس طرح کہدیا جائے کہ میں نے یہ باغ تجھ پر فروخت کردیا مگر چند درخت نہیں اس میں مبیع میں جہالت آگئی جو باعث نزاع ہے لہٰذا بیع فاسد ہے۔[1]

"العرایا" یہ عریۃ کی جمع ہے جو عطیہ کے معنی میں ہے تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

بیع عرایا کا حکم

﴿٤﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ إِلَّا أَنَّهُ رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا تَمْرًا يَأْكُلُهَا أَهْلُهَا رُطَبًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سہل ابن حثمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عریہ (کسی محتاج کو دیئے گئے درخت) کے متعلق یہ اجازت دی کہ اس درخت پر لگے ہوئے پھل کو اسکے خشک ہونے (کے بعد کی مقدار) کا اندازہ کر کے بیچا جائے (یعنی یہ اندازہ کرلیا جائے کہ اس درخت پر لگی ہوئی تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کتنی رہیں گی اور پھر اتنی ہی مقدار میں خشک کھجوریں اس محتاج کو دے کر اس درخت پر لگی ہوئی کھجوریں لے لی جائیں) اس طرح اس کے مالک اس درخت کا تازہ پھل کھائیں"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "العرایا" یہ جمع ہے اس کا مفرد عریۃ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے دیگر احادیث میں جمع کا صیغہ آیا ہے العریۃ والعرایا یہ الاضحیۃ والضحایا اور المطیۃ والمطایا کی طرح ہے عریہ تعری سے ہے جو برہنہ کرنے اور خالی کرنے کے معنی میں ہے چونکہ باغ کا مالک چند کھجوروں سے ہاتھ کھینچ کر خالی کرتا ہے اس لئے اس کو لغوی طور پر عریہ کہدیا گیا۔[3]

العرایا کی تفسیر وتعریف

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ عرایا جائز ہے البتہ عرایا کی توضیح وتشریح اور اس کی تفسیر وتصویر میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے۔

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک عرایا کی تفسیر:

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصل میں عریہ ان محتاج لوگوں کے لئے تھا جن کے پاس نہ کوئی باغ ہوتا تھا نہ کوئی پیسہ ہوتا تھا ہاں ان کے پاس خشک کھجوریں ہوتی تھیں جب کھجوروں کا موسم آتا تھا تو ان کو رطب کھانے کا شوق ہوتا تھا خریدنے کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ خشک کھجوروں کے بدلے ہمیں رطب مل جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمادی اور یہ شرط لگادی کہ خشک کھجوروں کا وزن معلوم ہو کیل معلوم ہو اور یہ معاملہ پانچ وسق میں ہو چونکہ یہ ضرورت کے تحت اجازت تھی لہٰذا ضرورت کے پیش نظر اس کو بیع مزابنہ سے مستثنی قرار دیا گیا ورنہ حقیقت میں یہ مزابنہ ہی ہے گویا مزابنہ دو قسم پر ہے ایک مزابنہ ناجائز ہے دوسرا مزابنہ جائز ہے جس کا نام عریہ ہے۔[4]

[1] المرقات: ۶/۷۲ [2] اخرجه البخاری: ۳/۹۹ ومسلم: ۱/۶۶۸ [3] المرقات: ۶/۷۲ [4] المرقات: ۶/۷۲

امام مالک کے نزدیک عرایا کی تفسیر:

امام مالک رحمہ اللہ سے عریہ کی دو تفسیریں منقول ہیں پہلی تفسیر وتصویر یہ ہے کہ عریہ کی صورت اس طرح ہوتی تھی کہ مثلاً ایک شخص کا بڑا باغ ہوتا تھا اس بڑے باغ میں کسی دوسرے شخص کے بطور ملکیت کھجور کے چند درخت ہوتے تھے عرب کا دستور تھا کہ پھل اتارنے کے موسم میں وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے باغوں میں آکر خیمے لگا کر رہتے تھے اب یہ مشکل پیش آتی تھی کہ باغ میں وہ شخص بھی آیا جایا کرتا تھا جن کے چند درخت مملوک ہوتے تھے اس سے بڑے باغ والے کو تکلیف ہوتی تھی اس لئے وہ اس شخص کو خشک کھجور دے کر ان سے ان کے درخت خرید لیتا تھا چونکہ یہ خالص مجبوری تھی اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اس کی اجازت دیدی گویا یہ مزابنہ ہی کی ایک صورت تھی لیکن مجبوری کے پیش نظر اس کو مزابنہ سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔

امام مالک سے عریہ کی دوسری تفسیر جو احناف نے لی ہے:

امام مالک رحمہ اللہ نے عریہ کی دوسری تفسیر اس طرح بیان فرمائی ہے کہ اس وقت مثلاً باغ کا مالک اپنے باغ میں سے کسی شخص کو بطور ہبہ وعطیہ چند کھجور دیا کرتا تھا پھر موہوب لہ شخص کے آنے جانے سے صاحب باغ کو تکلیف ہوتی تھی اس وجہ سے صاحب باغ اپنے گھر سے اس کو خشک کھجور دیکر اس کو فارغ کرتا تھا اس مجبوری کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے مزابنہ کی اس صورت کی اجازت فرمائی تھی ائمہ احناف نے عریہ کی یہی تفسیر اپنائی ہے لیکن مالکیہ اور احناف کی تنقیح اور تخریج میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ مالکیہ اس کو بیع جدید کہتے ہیں اور اس کو بالکل مزابنہ قرار دیتے ہیں مگر ضرورت کی وجہ سے اس کو مزابنہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

لیکن ائمہ احناف اس صورت کو ہبہ وعطیہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں ایک ہبہ کا دوسرے ہبہ کے ساتھ تبادلہ ہوگیا ہے تو یہ استرداد الھبۃ بالھبۃ ہے اگر چہ بیع کی صورت ہے مگر حقیقت میں عطیہ ہے یہاں مزابنہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور حدیث میں مزابنہ سے عرایا کا استثناء منقطع ہے لہٰذا عرایا مزابنہ میں بالکل داخل نہیں ہے کیونکہ مزابنہ کی ممانعت بہت ساری احادیث میں آئی ہے امام شافعی رحمہ اللہ کی تفسیر کے مطابق عریہ کا مزابنہ میں داخل ہونے کا شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور مزابنہ ربوا ہے تو جس طرح ربوٰ حرام ہے اس کا شبہ بھی ناجائز اور حرام ہے لہٰذا وہ تفسیر اچھی نہیں ہے صاحب قاموس متشدد شافعی ہے انہوں نے عریہ کی تعریف عطیہ سے کی ہے کہ عریہ عطیہ ہے علامہ ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے۔

اَعْرَاهُ النَّخْلَةَ وَهَبَ لَهُ ثَمَرَةَ عَامِهَا،

یعنی سال بھر کے لئے پھل عطیہ کرنے کا نام عریہ ہے۔

ایک شاعر عرایا کے بارے میں کہتا ہے:

لیست بسنها ولا رجبیة　　ولکن عرایا فی السنین الجوائح

سنھا اس درخت کو کہتے ہیں جو ایک سال پھل دے دوسرے سال نہ دے اور رجبیہ اس درخت کو کہتے ہیں جس کے خوشوں کے ارد گرد سخت کانٹے جمع کر دیئے گئے ہوں تاکہ کوئی چور اسے کاٹ نہ سکے جوائح جائحۃ کی جمع ہے آسمانی آفت اور قحط کو کہتے ہیں یعنی ممدوح کے عطا کردہ درخت نہ غیر پھلدار ہیں اور نہ کانٹے دار ہیں بلکہ قحط کے سالوں میں خالص عطیہ ہے۔

امام لغت ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں العریۃ العطیۃ امام لغت ازہری رحمہ اللہ بھی اسی طرح تفسیر فرماتے ہیں ابن سیدہ نے بھی عریہ کو عطیہ کہا ہے اور جوہری بھی عریہ کو عطیہ کہتے ہیں۔ صحاح میں بھی اسی طرح قول منقول ہے امام طحاوی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں واضح طور پر عریہ کی تصویر عطیہ کی ہے فرماتے ہیں "**رخص فی العرایا فی النخلة والنخلتین توهبان للرجل یبیعهما بخرصهما تمرًا**"۔

احناف نے امام مالک کی اس تفسیر کو اس لئے لیا ہے کہ امام مالک اہل مدینہ کی لغت کو سب سے بہتر جانتے تھے اور اہل مدینہ میں عریہ کی یہی تفسیر شائع تھی لہٰذا اس کا لینا سب سے بہتر ہے۔

اعتراض: یہاں یہ سوال کیا گیا ہے کہ احناف کی تفسیر کے مطابق ھبہ سے رجوع کرنا لازم آتا ہے کہ باغ کے مالک نے پہلے درخت ہبہ کر دیئے پھر رجوع کر کے خشک کھجور دیدیا یہ کیسے جائز ہوا ؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پہلے ہبہ سے رجوع نہیں کیا گیا بلکہ اس کو فسخ کر دیا گیا ہے کیونکہ اب تک اس کا قبضہ نہیں ہوا تھا تو یہ استرداد الھبۃ بالھبۃ ہے ایک عطیہ کے بدلے دوسرا عطیہ دیا اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس حدیث کے بعد والی حدیث میں پانچ وسق سے کم میں عریہ کا حکم دیا گیا ہے چونکہ عریہ احتیاج اور ضرورت کے پیش نظر جائز قرار پایا ہے اور ضرورت اسی مقدار میں پوری ہوتی تھی اس لئے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع میں انگریزی سیر کے حساب سے ساڑھے تین سیر غلہ آتا ہے اور پانچ وسق میں چھبیس من غلہ آتا ہے۔[1]

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْخَصَ فِيْ بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ فِيْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ شَكَّ دَاوُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا (محتاجوں کو عاریتاً دیئے گئے درختوں کے پھلوں) کو خشک کھجوروں کے ساتھ اندازہ کر کے بیچنے کی اجازت دی ہے (یعنی اگر عرایا پر لگی ہوئی کھجوروں کو خشک کھجوروں سے بدلنا ہو تو پہلے یہ) اندازہ کر لیا جائے کہ یہ تازہ کھجوریں خشک ہونے کے بعد کتنی رہیں گی پھر اتنی ہی مقدار میں خشک کھجوریں لیکر وہ

[1] اخرجه البخاری: ۳/۹۹ ومسلم: ۱/۶۶۸　[2] اخرجه البخاری: ۳/۱۰۰ ومسلم: ۱/۶۶۵

تازہ کھجوریں دیدی جائیں مگر اس اجازت کا تعلق اس صورت سے ہے) جبکہ وہ پانچ وسق سے کم ہوں یا پانچ وسق ہوں۔ یہ حدیث کے ایک راوی داود ابن حصین رحمۃ اللہ علیہ کا شک ہے (کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد میں پانچ وسق سے کم کا تذکرہ تھا یا پانچ وسق کا تذکرہ تھا)۔ (بخاری ومسلم)

پختگی ظاہر ہونے سے پہلے پھلوں کا بیچنا منع ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُ وَصَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِيَ.

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے پھلوں کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ ان کی پختگی ظاہر نہ ہو جائے یہ ممانعت بیچنے والے اور خریدنے والے دونوں کے لئے ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "یبدو صلاحها" یعنی جب تک پھلوں میں پختگی ظاہر نہ ہو اس سے پہلے اس کا بیچنا حرام ہے "بُدُوِ الصَّلَاحِ" کی تفسیر شوافع کے ہاں یہ ہے کہ پھل پکنا شروع ہو جائیں۔ احناف نے یہ تفسیر کی ہے کہ پھل عام آفات اور تباہی سے محفوظ ہو جائیں۔

اس حدیث میں یبدو الصلاح کا لفظ آیا ہے دیگر روایات میں اور بھی الفاظ آئے ہیں مثلاً ① **حتی یزھو** ② **حتی یبیض** ③ **حتی تزھی** ④ **حتی تحمر** ⑤ **حتی یحمارّ** ⑥ **حتی یشتد** ⑦ **حتی یسود۔**

ان تمام احادیث اور تمام الفاظ سے ایک ہی بات بیان کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ **بُدُوِّ الصَّلَاح** سے پہلے بیع نہ کرو یعنی جب تک پھل کسی آفت سے مامون ومحفوظ نہ ہوں اسکو فروخت نہ کرو اور آفت سے محفوظ ہونے کے لئے مختلف علامات ہیں بعض پھل اور کھیتیاں سفید ہونے پر آفت سے محفوظ ہو جاتی ہیں بعض سرخ ہونے پر بعض سیاہ ہونے پر اور بعض پیلے ہو جانے پر محفوظ ہو جاتی ہیں ان مختلف الفاظ سے اسی مختلف حقائق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

کھیت اور پھلوں کے بیچنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں ① بیع قبل بدو الصلاح ② بیع بعد بدو الصلاح۔ پھر دو صورتوں میں تین تین صورتیں ہیں ① یعنی بیع بشرط القطع کہ بائع شرط لگائے کہ پھل فوراً درخت سے کاٹو گے ② بیع بشرط الترک یعنی عقد میں یہ شرط ہو کہ درخت پر یہ پھل فلاں وقت تک لگے رہیں گے ③ بیع بالاطلاق یعنی عقد میں نہ قطع ثمر کا ذکر ہو اور نہ ترک ثمر کا ذکر ہو۔ اس طرح کل چھ صورتیں بن گئیں تین قبل بدو الصلاح کی اور تین بعد بدو الصلاح کی اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف بھی ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بعد بدو الصلاح کی تینوں صورتیں جائز ہیں اور قبل بدو الصلاح تینوں صورتیں ناجائز ہیں البتہ قبل

بدوالصلاح ایک صورت عقلاً مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے یعنی بشرط القطع کیونکہ اس میں نزاع کا امکان نہیں ہے۔
مالکیہ کے اقوال میں انضباط نہیں ہے اس لئے اس کو نہیں لکھا۔
احناف کے نزدیک دارومدار قطع ثمر اور ترک ثمر پر ہے اگر بیع بشرط قطع الثمر ہو تو قبل بدوالصلاح بھی جائز ہے اور بعد بدوالصلاح بھی جائز ہے اور اگر بیع بشرط ترک الثمر ہو تو قبل بدوالصلاح بھی ناجائز ہے اور بعد بدوالصلاح بھی ناجائز ہے۔
فقہاء کا اختلاف دراصل بشرط ترک الثمر میں ہے

دلائل شوافع وحنابلہ فرماتے ہیں کہ ہماری دلیل ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں **نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع وشرط** یہ معروف حدیث ہے اس میں بیع کے صلب عقد میں شرط لگانے سے ممانعت آئی ہے یہ شرط عقد بیع کے منافی ہے اور اس میں مشتری کے لئے فائدہ ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں پھل خریدتا ہوں مگر اس شرط پر کہ اتنے عرصہ تک پھل اپنے درختوں پر لگے رہنے دو گے اس طرح بیع اور شرط ناجائز ہے۔
جواب زیر بحث حدیث کا تعلق بشرط ابقاء الثمر سے ہے اور یہ ناجائز ہے باقی صورتوں سے نہیں ہے۔
امام طحاوی نے اس حدیث کو بیع سلم پر حمل کیا ہے کیونکہ سلم میں بدوصلاح بالاتفاق ضروری ہے۔

باغ میں جب پھل آئے تب بیچا کرو

﴿۷﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تُزْهِيَ قِيْلَ وَمَا تُزْهِيْ قَالَ حَتّٰى تَحْمَرَّ وَقَالَ أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللهُ الثَّمَرَةَ بِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيْهِ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے پھلوں کو (درختوں پر) اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ خوش رنگ نہ ہو جائیں۔ عرض کیا گیا کہ خوش رنگ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جب تک وہ سرخ نہ ہو جائیں یعنی پک نہ جائیں" اور پھر فرمایا تم ہی بتاؤ جب اللہ تعالیٰ پھلوں کو روک دے تو تم میں سے کوئی کیونکر اپنے بھائی کا مال لے گا"۔ (بخاری ومسلم)

کئی سالوں کے لئے باغ کا پھل بیچنا منع ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ السِّنِيْنَ وَأَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ.
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے چند سالوں کا پھل بیچنے سے منع فرمایا ہے (یعنی ایک سال

[۱] اخرجه البخاري: ۲/۱۵۷ ومسلم: ۱/۶۷۹ [۲] اخرجه مسلم: ۱/۶۷۲

یا دو سال یا تین سال اور یا اس سے زائد سالوں کے لئے درختوں کا پھل پیشگی نہیں بیچنا چاہیئے) نیز آپ ﷺ نے آفت زدہ کے ساتھ رعایت کا حکم دیا ہے“۔ (مسلم)

توضیح: ”بوضع الجوائح“ اس حدیث میں دو حکم مذکور ہیں ایک یہ کہ پھلوں اور باغات کو کئی سال کے لئے پیشگی بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ اگر پھل نہیں آیا تو مالک اور بائع نے کس اصول کے تحت مشتری کا پیسہ کھالیا یہ ناجائز ہے۔ دوسرا حکم ”وامر بوضع الجوائح“ میں بیان کیا گیا ہے وضع گھٹانے اور چھوڑنے کو کہتے ہیں اور جوائح جائحۃ کی جمع ہے کھیت اور پھل وغیرہ پر آسمانی آفت آنے اور نقصان کو کہتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے مثلاً کسی سے باغ خریدا اس میں پھل بھی آئے مگر کسی وجہ سے حادثہ کا شکار ہوگئے بائع نے مشتری سے ابھی پیسہ وصول نہیں کیا اور مال تباہ ہوگیا تو حضور نے بائع کو اخلاق کی تلقین فرمائی کہ اب تم مشتری کے پیسوں میں سے کچھ کم کرلو کیونکہ اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں آیا یہ حکم بھی اخلاقیات اور حسن سلوک و مروّت کی بنیاد پر ہے۔ ورنہ قاعدہ وقانون کے تحت تو مشتری کو کچھ بھی نہیں ملیگا کیونکہ مبیع مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد اسی کے ہاتھ میں ضائع ہوگیا تو اس کی مسؤلیت اسی کے ذمہ پر ہے کیونکہ شریعت کا عام ضابطہ ہے کہ ”الغنم بالغرم والخراج بالضمان“ یعنی تاوان وہی شخص برداشت کریگا جو منافع کا حقدار ہو۔[1]

مورخہ یکم رجب ۱۴۱۰ھ

ضائع ہونے والی مبیع کا ذمہ دار کون؟

﴿۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ بِعْتَ مِنْ أَخِيْكَ ثَمَرًا فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ فَلَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيْكَ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”اگر تم نے اپنے مسلمان بھائی کے ہاتھ پھل بیچا اور کوئی ایسی آفت آئی کہ وہ پھل ضائع ہوگیا تو تمہارے لئے اس سے کچھ لینا حلال نہیں ہے (تم خود سوچو کہ ایسی صورت میں) ایک بھائی کا مال ناحق کیسے لے لوگے“۔ (مسلم)

توضیح: ”فلا یحل لك“ یعنی اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر پھل یا کھیت فروخت کردے مگر مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے بائع کے ہاتھ میں مبیع ہلاک ہوجائے اس صورت میں اس حدیث کا حکم بالکل واضح ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے کہ بائع سے مشتری نے مبیع کو قبضہ میں لے لیا اور پھر اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوگیا تو احناف وشوافع کے نزدیک مشتری ذمہ دار ہے کہ بائع کو قیمت ادا کرے ان کی دلیل مسلم جلد ۲ ص ۱۶ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مشتری کو ذمہ دار ٹھہرایا تھا اور لوگوں سے اس کے لئے صدقہ کرنے کی اپیل کی تھی لہٰذا زیر بحث

[1] المرقات: ۶/۷۵ [2] اخرجه مسلم: ۱/۶۷۹

حدیث میں وہی تاویل کرنی ہوگی جو اس سے پہلے حدیث میں کی گئی ہے کہ حدیث کا تعلق تقویٰ واحسان، حسن اخلاق اور مروّت سے ہے کہ اخلاق ومروّت کا تقاضا یہ ہے کہ بائع مشتری سے کچھ نہ لے کیونکہ مشتری کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں آیا ہے اگرچہ ضابطہ اور قانون وقاعدہ کے تحت اس سے قیمت وصول کی جاسکتی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر باغ میں ایک تہائی سے زیادہ نقصان ہوا ہے تو پھر نقصان کا ذمہ دار بائع ہے اور اگر ایک تہائی سے کم نقصان ہوا ہے تو پھر نقصان کا ذمہ دار مشتری ہے اس طرح تمام احادیث میں تطبیق آئے گی کہ زیادہ نقصان والی روایات کا تعلق بائع سے ہے کہ وہ ذمہ دار ہے اور کم نقصان والی روایات کا تعلق مشتری سے ہے کہ وہ ذمہ دار ہے۔[1]

اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے دوسری بیع جائز نہیں

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانُوا يَبْتَاعُونَ الطَّعَامَ فِي أَعْلَى السُّوقِ فَيَبِيعُونَهُ فِي مَكَانِهِ فَنَهَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِهِ فِي مَكَانِهِ حَتّٰى يَنْقُلُوهُ.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَلَمْ أَجِدْهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بازار کے اس حصہ میں جو جانب بلند واقع تھا لوگ غلہ خریدتے اور پھر اس کو اسی جگہ (قبضہ میں لینے سے پہلے) بیچ ڈالتے تھے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس بات سے منع فرمایا کہ جب تک غلہ کو (خریدنے کے بعد) وہاں سے منتقل نہ کیا جائے اس کو اسی جگہ فروخت نہ کیا جائے'' (اس روایت کو ابوداود نے نقل کیا اور مجھے یہ روایت بخاری ومسلم میں نہیں ملی ہے)

توضیح: ''حتی ینقلوہ'' مبیع نقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اسے مشتری نے اپنے قبضہ میں نہ لیا ہو اس کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے مبیع قبل القبض کی تفصیلات اور جائز وناجائز ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

اس پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر مبیع غلہ اور طعام ہے تو قبل القبض اس کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے اور اگر مبیع غلہ وطعام کے علاوہ ہے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح غلہ وطعام کا قبل القبض بیچنا جائز نہیں ہے اسی طرح دیگر غیر منقولہ اشیاء زمین اور گھر وغیرہ کا بیچنا بھی قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلہ وطعام کے علاوہ تمام اشیاء کا بیچنا قبل القبض جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک منقولہ اشیاء کا بیچنا قبل القبض ناجائز ہے لیکن غیر منقولہ اشیاء مثلاً زمین اور گھر وغیرہ کا بیچنا قبض سے پہلے جائز ہے۔[3]

دلائل شوافع: حضرات نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے اسی طرح آنے والی حدیث نمبر ۱۱ میں بھی ''حتی

[1] المرقات: ۶/۷۶ [2] اخرجه البخاری: ۳/۹۵ ومسلم: ۱/۶۶۲ وابوداؤد: ۳/۲۷۹ [3] المرقات: ۶/۷۶

یستوفیه اورحتی یکتاله " کے الفاظ آئے ہیں اورحدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "**ولا احسب کل شیء الامثله**" یعنی تمام اشیاء کا یہی حکم ہے ان تمام روایات سے شوافع استدلال کرتے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے اوراس حکم کوصرف غلہ وطعام میں منحصر مانا ہے دیگر اشیاء میں پابندی نہیں ہے۔

ائمہ احناف وحنابلہ فرماتے ہیں کہ زیر بحث حدیث میں جوغلہ وطعام کا ذکر ہے یہ منقولہ اشیاء کی طرف اشارہ ہے۔لہٰذا تمام منقولہ اشیاء میں قبل القبض بیع ناجائز ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ممانعت کی اصل علت خوف ہلاکت مبیع ہے اور یہ علت منقولہ اشیاء میں فوری طور پر ہے توحکم ہوا کہ پہلے قبض کرلوپھر فروخت کرو اورغیر منقولہ اشیاء میں فوری طور پر ہلاکت کا خوف نہیں ہے لہٰذا اس کے قبض کرنے سے پہلے اس کا بیچنا جائز ہے احناف یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہرچیز کے قبض کرنے کی الگ صورت ہوتی ہے بعض چیزوں میں صرف دیکھنے سے قبضہ آجاتا ہے اس کا نقل کرنا ممکن نہیں ہوتا جیسے زمین وغیرہ اوربعض میں نقل کرنا قبضہ کہلاتا ہے بعض میں تولنا یا ناپنا قبضہ کہلاتا ہے اس لئے احناف نے منقولہ اورغیر منقولہ کا قاعدہ نکال کرحکم کوعام کردیا تاکہ حدیث کی تمام صورتوں پرعمل ہوسکے شوافع نے صرف ایک صورت اپنالی ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جس طرح حکم کومنقولہ غیرمنقولہ تمام اشیاء میں عام مانا ہے یہ انکی اپنی رائے اوراجتہاد ہے کہ آپ نے غلے پرغیر غلہ کو قیاس کیا۔احناف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کوترجیح دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ بیع قبل القبض میں ممانعت کی علت ربح **فیما لم یضمن** ہے جوناجائز ہے کیونکہ نفع ہے اورنقصان نہیں ہے۔

بہرحال اگرمبیع مشتری کے سامنے وزن کیا جائے یاناپ لیاجائے تومشتری کے لئے دوبارہ وزن کرنا اورماپ یاکیل کرناضروری نہیں ہے۔اگرکوئی کرے تواستحبابی حکم ہے۔

﴿۱۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَاماً فَلَا يَبِيْعُهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ. وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَتّٰى يَكْتَالَهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اورحضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"جوشخص غلہ خریدے تواس کواس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک کہ اسے پوری طرح نہ لے لے۔اورحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ"جب تک اس کوناپ نہ لے"۔ (بخاری ومسلم)

﴿۱۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمَّا الَّذِيْ نَهٰى عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ الطَّعَامُ أَنْ يُّبَاعَ حَتّٰى يُقْبَضَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَا أَحْسَبُ كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا مِثْلَهُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

---

[1] اخرجه البخاري: ۳/۸۷ ومسلم: ۱/۶۶۲ [2] اخرجه البخاري: ۳/۸۹ ومسلم: ۱/۶۶۱

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جس چیز کو منع کیا ہے وہ غلہ ہے کہ اس کو قبضہ میں لانے سے پہلے فروخت کرنا ممنوع ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میرا گمان ہے کہ (اس بارے میں) ہر چیز غلہ کی مانند ہے''۔ (بخاری ومسلم)

بیع مُصرّات کا مسئلہ

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلِبَهَا إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ مَنِ اشْتَرٰى شَاةً مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''تم آگے جا کر غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ سے خرید وفروخت کے لئے نہ ملو اور تم میں سے کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نجش نہ کرو اور شہر کا آدمی کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے اور اونٹ وبکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو اور اگر کوئی شخص ایسا جانور خریدے جس کے تھنوں میں دودھ جمع کیا گیا ہو تو دودھ دوہنے کے بعد اسے اس جانور کو رکھ لینے یا پھیر دینے کا اختیار ہوگا کہ اگر اس کی مرضی ہو تو اس جانور کو رکھ لے اور اگر مرضی نہ ہو تو اس کو پھیر دے اور اس کے ساتھ ہی ایک صاع (ساڑھے تین سیر) کھجوریں دیدے''۔ (بخاری ومسلم) مسلم رحمہ اللہ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ ''جو شخص ایسی بکری خریدے جس کے تھنوں میں دودھ جمع کیا گیا ہو تو اس بکری کو رکھ لینے یا پھیر دینے کا تین دن تک اختیار رہتا ہے چنانچہ اگر وہ (ان تین دنوں میں) اس بکری کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں دیدے مگر گیہوں نہ دے''۔

توضیح: ''لاتلقوا الرکبان'' اس حدیث میں پانچ اہم مسائل کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سب سے اہم اور تفصیل طلب مسئلہ بیع مُصَرات کا ہے مگر اس کی تفصیل سے پہلے دیگر چار مسائل کا کچھ تذکرہ ضروری ہے۔

پہلا مسئلہ: تلقی الرکبان

رکبان قافلہ کو کہتے ہیں اور تلقی ملنے اور ملاقات کو کہتے ہیں یعنی خرید وفروخت کی غرض سے قافلہ سے ملاقات کرنا۔

اس فعل کو تلقی بیوع اور تلقی السلع اور تلقی جلب بھی کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مثلاً تاجروں کو معلوم ہو جائے کہ شہر کی منڈیوں کی طرف باہر سے ایک تجارتی قافلہ غلہ لیکر آرہا ہے منڈی میں پہنچنے سے پہلے ہی شہر کا ایک تاجر باہر جا کر ان سے سودا کر کے سارا غلہ خرید لیتا ہے اسلام نے اس کو منع کر دیا ہے اور منع کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس سے شہر والوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے غلے کا دام بڑھ جائے گا کیونکہ مال کھلی منڈی کے بجائے ایک شخص کے پاس چلا جائے گا ممانعت کی دوسری وجہ یہ

[1] اخرجه البخاري: ۳/۹۲ ومسلم: ۱/۶۵۹

ہے کہ اس صورت میں خود قافلے والوں کو بھی نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ کیونکہ ان کو شہر کا بھاؤ معلوم نہیں ہوگا اور شہر کا تاجر ان کو غلط ریٹ بتا کر غلہ خرید لیگا اس لئے حضور اکرم ﷺ نے اس طریقہ کو ممنوع قرار دیا ہے ان دو حکمتوں کے پیش نظر اس عمل کے مکروہ ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ ائمہ احناف بھی اس کو مکروہ کہتے ہیں لیکن اوپر جو دو حکمتیں مذکور ہوئیں اس کے پیش نظر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر شہر والوں کو نقصان نہ ہو نیز قافلہ کا بھی کوئی نقصان نہ ہو تو پھر اس طریقہ میں کراہت نہیں ہوگی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے تلقی رکبان کو کبھی بھی جائز نہیں کہا لیکن حدیث میں ممانعت کی جو علت مذکور ہے جو ضرر عوام الناس ہے اگر وہ علت نہ ہو تو پھر ممانعت بھی نہیں ہوگی۔

بہرحال مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ اگر قافلہ والوں کے ساتھ دھوکہ کیا گیا تو وہ شہر میں آ کر اس سودا کو فسخ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں جیسا آئندہ حدیث نمبر ۱۴ میں آرہا ہے۔ جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر غبن فاحش کے درجہ میں خسارہ ہوا ہے تو قافلہ والے سودا کو ختم کرسکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اخلاقاً و مروۃً اور دیانۃً حکم یہی ہے جو حدیث میں مذکور ہے لیکن قضاء کے طور پر ان کو سودا فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا انہوں نے باہوش وحواس سودا کیا ہے جو لازم ہوگیا ہے وہی شریعت میں بیوعات کے لئے عام ضابطہ ہے۔

علماء نے تلقی رکبان کی مسافت بھی بتائی ہے بعض نے دو فرسخ شہر سے باہر جانے کو تلقی کہا ہے بعض نے دو دن اور بعض نے ایک میل کہا ہے۔

دوسرا مسئلہ: بیع علی بیع بعض

مثلاً دو آدمی آپس میں سودا کر رہے ہوں ثمن متعین ہوگیا ہے صرف لینا دینا باقی ہے کہ تیسرا آدمی آتا ہے اور بائع یا مشتری کو لالچ دیکر سودا خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ اس سے بغض وعدوات کا دروازہ کھلتا ہے ہاں اگر بائع ومشتری کا سودا پر اتفاق نہ ہوسکا تو اب تیسرا آدمی اپنی بات پیش کرسکتا ہے پیغام نکاح کا حکم بھی اسی طرح ہے۔

تیسرا مسئلہ: تناجش

"النجش" نون پر فتحہ ہے اور جیم ساکن ہے اور فتحہ بھی جائز ہے لغت میں نجش کا معنی **اثارۃ الصید من مکان الی مکان** ہے یعنی شکار کو ادھر سے ادھر بھگانے پر برانگیختہ کرنا بعض علماء نے نجش کا لغوی معنی دھوکہ بتایا ہے بعض علماء نے مدح کرنا لکھا ہے۔[1]

مصنف نے نجش کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی ہے "**ھو ان یزید فی الثمن لا لرغبۃ بل لیخدع**" وغیرہ۔

یعنی نجش اس کو کہتے ہیں کہ ایک ایسا شخص سودا کے بھاؤ کو مشتری پر بڑھائے جو خود خریدنا نہیں چاہتا ہے تاکہ دوسرے کو خریدنے پر بطور دھوکہ برانگیختہ کرے۔

اس عمل میں مشتری کو سودا خریدنے پر برانگیختہ کرنا بھی ہے اس کے ساتھ دھوکہ بھی ہے اور بے جا سامان کی مدح وتعریف بھی

[1] (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ ص ۱۳۳)

ہے اور یہ تینوں مفہوم نجش کے لغوی معنی میں بھی ہیں اور اصطلاحی تعریف میں بھی ہیں۔
عام طور پر نجش میں دھوکہ مشتری کو دیا جاتا ہے فقہاء کے ہاں بالاتفاق نجش حرام ہے اگر بائع اور ناجش دونوں کے گٹھ جوڑ سے یہ عمل ہوا ہو تو دونوں گنہگار ہونگے ورنہ صرف ناجش گنہگار ہوگا علماء نے لکھا ہے کہ ناجش کیلئے تعزیر ناگزیر ہے۔

بیع نجش کا حکم:

نجش کے نتیجہ میں اس بیع کا حکم یہ ہے کہ احناف وشوافع کے نزدیک نفس بیع صحیح اور جائز ہے مگر یہ عمل مکروہ اور گناہ ہے لیکن حنابلہ ومالکیہ اور اہل ظواہر کے نزدیک یہ بیع باطل ہے اور مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے احناف وشوافع فرماتے ہیں کہ قانوناً فسخ بیع کا حق نہیں ہے ہاں دیانۃً اور اخلاقاً ہے۔ بہرحال غرر ودھوکہ کی دوقسمیں ہیں ایک غرر فعلی ہے دوسرا غرر قولی ہے غرر فعلی میں بیع کو دیانۃً فسخ کیا جاتا ہے اور غرر قولی میں قضاءً فسخ کیا جاتا ہے یہاں غرر فعلی ہے لہٰذا فسخ دیانۃً ہے۔

چوتھا مسئلہ: بیع حاضر لباد

یعنی شہری آدمی کسی گنواری دیہاتی کے لئے اس کا مال بیچتا ہے یہ ناجائز ہے علماء نے اس بیع کو دو تفسیریں لکھی ہیں پہلی تفسیر ومطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شہری اپنے آپ پر یہ بات لازم کرتا ہے کہ وہ مال ستا ملنے کی غرض سے ہمیشہ صرف دیہاتی سے سودا خریدیگا تاکہ منافعہ زیادہ ہو۔ صاحب ہدایہ نے یہی تعریف لکھی ہے اس صورت میں اس بیع کی ممانعت اس وقت ہوگی جبکہ شہر والوں کو مال کی سخت ضرورت ہو یا شہر میں قحط ہو۔
اس بیع کی دوسری تفسیر اور دوسرا مطلب عام محدثین اور فقہاء نے یہ بیان کیا ہے کہ مثلاً کوئی شہری آدمی کسی دیہاتی سے کہتا ہے کہ تم اپنا غلہ وغیرہ میرے پاس رکھو میں خوب مہارت کے ساتھ نفع بخش حالات میں تسلی سے تیرے لئے فروخت کروں گا اب یہ شہری آدمی گویا دیہاتی کے لئے وکیل بن گیا حدیث میں بھی اس کو دلال اور وکیل وسمسار کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ حدیث کی یہ تفسیر اور یہ مطلب واضح اور راجح ہے خاص کر جب ''لِبَادٍ'' میں لام توکیل پر دلالت کرتا ہو شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ہمام وابن نجیم نے صاحب ہدایہ کا قول مرجوح قرار دیا ہے۔ یہ بیع اور یہ عمل جمہور کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے اس طرح عمل کیا اور فروخت کیا تو بیع صحیح ہوگی البتہ آدمی گنہگار ہوگا مگر امام احمد بن حنبل اور اہل ظواہر کے ہاں یہ بیع باطل واجب الفسخ ہوگی جمہور کہتے ہیں قضاء کے طور پر بیع صحیح ہے البتہ دیانت کے طور پر فسخ ہوسکتی ہے فقہاء کے ہاں یہ ضابطہ ہے کہ غرر دھوکہ کی دوقسمیں ہیں ایک غرر فعلی ہے دوسرا غرر قولی ہے غرر فعلی میں بیع دیانۃً فسخ کیا جاسکتا ہے اور غرر قولی میں قضاءً فسخ کیا جاتا ہے یہاں غرر فعلی ہے۔

پانچواں مسئلہ: بَیْعُ الْمُصَرَّاتِ:

اس حدیث میں جو اہم اور تفصیل طلب مسئلہ ہے وہ مصرات کا مسئلہ ہے۔

مصرات باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے صَرّیٰ یُصَرِّیْ تَصْرِیَۃً وَمُصَرَّاۃً کسی چیز کے روکنے اور بند کرنے کو کہتے ہیں **یقال صریت الماء فی الحوض ای حبسته** اس کی اصطلاحی تعریف اس طرح ہے "**ھو حبس اللبن فی الضرع لیغتر به المشتری**"۔

یعنی کسی جانور کا دودھ ایک دو دن تک تھن میں روکے رکھنا تاکہ جب مشتری اس کو دیکھے تو سمجھے کہ یہ تو دودھ کا خزانہ ہے اس عمل کو تحفیل بھی کہتے ہیں اور ایسے جانور کو مصراۃ اور محفلۃ کہتے ہیں مصراۃ صفت ہے اس کا موصوف ناقۃ مصراۃ ہے یا بقرۃ مصراۃ ہے یا شاۃ مصراۃ ہے تصریۃ کے اس عمل سے مشتری کو دھوکہ دیا جاتا ہے اس لئے اسلام نے اس کو منع کر دیا ہے اور اس عمل کو حرام قرار دیا ہے۔

حدیث کا مطلب اور خلاصہ اس طرح ہے کہ تصریہ ناجائز اور حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس طرح عمل کر لے اور بعد میں مشتری کو معلوم ہو جائے کہ اس میں تصریہ کا عمل کیا گیا ہے تو مشتری کو دو باتوں کا اختیار ہے یا تو اسی طرح عیب دار جانور اپنے پاس رکھے اس لئے کہ سودا تو ہو گیا ہے اور یا جانور کو واپس کر دے اور ایک صاع کھجور ساتھ واپس کر کے بائع کو دیدے یہ حدیث کا مطلب ہے اب یہ بحث ہے کہ دھوکہ خوردہ مشتری کو فسخ بیع کا اختیار ہے یا نہیں اور اگر اختیار ہے تو کیا جانور واپس کرنے کے ساتھ کچھ اور چیز واپس کرنا بھی ضروری ہے یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ یعنی جمہور فرماتے ہیں کہ مشتری کو خیار شرط رکھنے کے بغیر یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیع کو فسخ کر دے کیونکہ تصریہ عیب ہے اور عیب کے معلوم ہونے پر مشتری مختار ہوتا ہے کہ یا مبیع اپنے پاس رکھے یا واپس کر دے لیکن چونکہ مشتری نے کئی دنوں تک جانور کا دودھ پیا ہے اس لئے اس کے بدلے میں جانور کے لوٹانے کے ساتھ ایک صاع تمر بھی لوٹا دے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جانور کو بائع کی طرف واپس کرنے کی صورت میں یہ صرف اقالہ ہے مشتری کی طرف سے بائع پر نہ کوئی جبر ہو سکتا ہے نہ ان کو فسخ بیع کا اختیار ہے اور نہ کوئی جرمانہ ہے نہ صاع ہے نہ تمر و سمراء ہے۔

دلائل جمہور نے زیر بحث ظاہری حدیث کو لیا ہے اور پھر بہت زیادہ غصہ کا اظہار کیا ہے کہ احناف نے صریح حدیث کو چھوڑ کر قیاس کو اپنا لیا ہے۔ احناف نے بیوعات کے قواعد کلیہ اصولیہ شرعیہ کو دیکھ کر اس پر عمل کیا ہے اور جزئیات میں تاویل کی ہے قرآن عظیم میں ایک ضابطہ اس طرح ہے ﴿**فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدیٰ علیکم**﴾[1] ایک ضابطہ یہ ہے ﴿**وجزاء سیئة سیئة بمثلها**﴾[2] ایک ضابطہ یہ ہے ﴿**فان عوقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به**﴾[3]۔

ان تمام آیات میں کسی نقصان کی صورت میں تاوان دینے میں مثل اور مساوات کو لازم کر دیا گیا ہے خواہ مثل صوری ہو

[1] سورۃ البقرہ ۱۹۶ [2] سورۃ الشوریٰ ۴۰ [3] سورۃ نحل: ۱۲۶

یا معنوی ہو ادھر مسئلہ مصرات میں جانور کے دودھ کے مقابلہ میں ایک صاع کھجور واپس کرنا نہ مثل صوری ہے اور نہ معنوی ہے کیونکہ دودھ ذوات امثال میں سے ہے تو کھجور کے بجائے دودھ ہی واپس کرنا چاہئے اور اگر کھجور ہی واپس کرنا ہے تو دودھ کی قیمت کے برابر کھجور واپس کرنا چاہئے ایک صاع کو متعین کرنا بیوعات کے اصول کے خلاف ہے کیونکہ دودھ کبھی کم ہو سکتا ہے کبھی زیادہ ہو سکتا ہے مثلاً مشتری نے دوسو روپے کا دودھ پیا یا بیس روپے کا دودھ پیا اور پھر ایک صاع واپس کر دیا یہ تو نہ مثل صوری ہے اور نہ مثل معنوی یعنی قیمت ہے۔

نیز اس میں یہ عجیب صورت بھی پیش آسکتی ہے کہ مثلاً ایک کمزور بکری ہو اس کی قیمت ہی ایک صاع کھجور کے برابر ہو جب بکری واپس کر دی گئی اور ایک صاع کھجور بھی واپس کر دیا گیا تو اس میں بدل اور مبدل منہ کا اجتماع ایک آدمی کے ہاتھ میں آگیا جو ناجائز ہے اور بیوعات کے اصول کے خلاف ہے۔

ائمہ احناف نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو بطور ضابطہ تمام ائمہ نے قبول کیا ہے حدیث یہ ہے **"الخراج بالضمان"** اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نفع اور منافعہ اس شخص کا حق ہے جس پر تاوان آتا ہے مصراۃ کی صورت میں اگر بکری مرگئی تو تاوان مشتری پر آتا ہے لہٰذا اس بکری کا نفع جو دودھ ہے وہ بھی مشتری کا حق ہے پھر اس کے بدلے کھجور بطور تاوان دینا اس حدیث کے ضابطہ کے خلاف ہے ائمہ احناف نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے **"الغنم بالغرم"** اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ نفع کا تعلق تاوان سے ہے جو شخص تاوان کا ذمہ دار ہے وہی منافع کا حقدار ہے۔
زیر بحث مسئلہ میں تاوان کا ذمہ دار مشتری ہے لہٰذا قواعد بیوع کے تحت اس پر دودھ پینے کا بدلہ دینا لازم نہیں ہے۔

جواب ائمہ احناف نے حدیث مصراۃ کا محمل چند وجوہ سے بیان کیا ہے۔

❶ یہ حکم دیانت کے طور پر ہے عدالت اور قضاء کے طور پر نہیں ہے محقق ابن ہمام نے ایک ضابطہ لکھا ہے فرماتے ہیں کہ غرر اور دھوکہ کی دو قسمیں ہیں ایک غرر قولی ہے دوسری غرر فعلی ہے غرر قولی کی وجہ سے مشتری بائع پر مبیع کو قضاءً بزور عدالت واپس کر سکتا ہے اور غرر فعلی میں وہ بائع پر مبیع کو دیانۃً واپس کر سکتا ہے لیکن جبراً و قضاء واپس نہیں کر سکتا ہے گویا یہاں آنحضرت کا فرمان دیانۃً کے اصول کے تحت ہے۔

❷ یہ حکم اخلاقاً حسن اخلاق کے قبیل سے ہے اور اس پر تین دن تک خیار والی روایت دال ہے کیونکہ خیار عیب تین دن تک محدود نہیں ہے گویا یہ استحبابی حکم ہے۔

❸ مصراۃ کا یہ حکم ربوا کی حرمت سے پہلے کا ہے جب ربوا حرام ہوا تو مصرات بھی حرام ہوا۔

❹ یہ حدیث بیوعات کے اصولی قواعد سے معارض ہے لہٰذا متروک الظاہر ہے۔

❺ اس روایت کے الفاظ میں اضطراب ہے کہیں صاع من تمر کے الفاظ ہیں کہیں **صاع من طعام لا سمراء** ہے کہیں مثل **لبنہا قمحاً** کے الفاظ ہیں کہیں مثلی **لبنہا قمحا** کے الفاظ ہیں۔

❻ یہ صلح کی ایک صورت ہے خلاصہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو اس دھوکہ والے عمل سے روکنے کے لئے حکمت کے تحت استثنائی طور پر اس طرح فیصلہ فرمایا ہے اور یہ لوگوں کے حالات کے عین مطابق ہے اور آج بھی اس دھوکہ سے بچاؤ کے لئے اس فیصلہ سے بہتر کوئی فیصلہ ہو نہیں سکتا ہے۔

باقی اصول کی جن کتابوں میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے راوی ابو ہریرہ غیر فقیہ ہیں اور غیر فقیہ راوی کی روایت اگر قیاس سے معارض ہو تو قیاس مقدم ہوتا ہے یہ قول احناف کے مسلک کے خلاف ہے ائمہ احناف تو صحابی کے قول کو بھی قیاس پر مقدم مانتے ہیں چہ جائیکہ مرفوع حدیث ہو، مسلک احناف کے بڑے ائمہ میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی ہے صرف امام محمد کے شاگرد عیسیٰ بن ابان کی طرف یہ قول منسوب ہے اور یہ نسبت بھی غلط ہے لہٰذا ہم توبہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے فقیہ صحابی بلکہ صحابہ کے مفتی کو غیر فقیہ کہہ دیں **نعوذ باللہ من ذٰلك۔**

﴿۱۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَإِذَا أَتٰى سَيِّدُهُ السُّوْقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم آگے جا کر غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ سے نہ ملو، اگر کوئی شخص جا کر ملا اور کچھ سامان خرید لیا اور پھر سامان کا مالک بازار میں آیا تو اس کو اختیار ہوگا (کہ چاہے بیع کو قائم رکھے چاہے فسخ کر دے)۔ (مسلم)

اس حدیث کی توضیح وتشریح حدیث نمبر ۱۳ کے تحت ہو چکی ہے۔

﴿۱۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَقَّوُا السِّلَعَ حَتّٰى يُهْبَطَ بِهَا إِلَى السُّوْقِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سامان (لانے والوں) سے ان کے شہر پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں) جا کر نہ ملو (اور اس وقت تک ان سے کوئی معاملہ نہ کرو) جب تک کہ (ان کا) سامان بازار میں آ کر نہ اتر جائے"۔ (بخاری ومسلم)

کسی کے معاملہ میں ٹانگ نہ اڑاؤ

﴿۱۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيْعُ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ أَخِيْهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيْهِ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

[1] اخرجه مسلم: ۱/۶۶۰ [2] اخرجه البخاری: ۳/۹۰ ومسلم: ۱/۶۵۹ [3] اخرجه مسلم: ۱/۶۵۹

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کے نکاح کے پیغام پر اپنے نکاح کا پیغام بھیجے الا یہ کہ اس کو اس کی اجازت دیدی جائے"۔ (مسلم)

توضیح: "ولا یخطب" یعنی ایک شخص نے مثلاً کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے تو جب تک اس کا فیصلہ نہیں ہو جاتا کسی اور آدمی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے بیچ میں ٹانگ اڑائے اس سے بغض وحسد اور عداوت پیدا ہوتی ہے بیع کا حکم بھی اسی طرح ہے تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسُمِ الرَّجُلُ عَلٰى سَوْمِ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے (یعنی کسی سے خرید وفروخت کا معاملہ ہو رہا ہو تو اس میں مداخلت نہ کرے اور چیز کے زیادہ دام نہ لگائے)۔ (مسلم)

﴿۱۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "شہری آدمی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے ذریعہ کسی کو رزق پہنچاتا ہے"۔ (مسلم)

جاہلیت کے چند ممنوعہ بیوعات کا ذکر

﴿۱۹﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ بَيْعَتَيْنِ نَهٰى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ فِي الْبَيْعِ وَالْمُلَامَسَةُ لَمْسُ الرَّجُلِ ثَوْبَ الْآخَرِ بِيَدِهٖ بِاللَّيْلِ أَوْ بِالنَّهَارِ وَلَا يَقْلِبُهٗ إِلَّا بِذٰلِكَ وَالْمُنَابَذَةُ أَنْ يَنْبِذَ الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ بِثَوْبِهٖ وَيَنْبِذَ الْآخَرُ ثَوْبَهٗ وَيَكُوْنُ ذٰلِكَ بَيْعَهُمَا عَنْ غَيْرِ نَظَرٍ وَلَا تَرَاضٍ وَاللِّبْسَتَيْنِ اِشْتِمَالُ الصَّمَّاءِ وَالصَّمَّاءُ أَنْ يَجْعَلَ ثَوْبَهٗ عَلٰى أَحَدِ عَاتِقَيْهِ فَيَبْدُوْ أَحَدُ شِقَّيْهِ لَيْسَ عَلَيْهِ ثَوْبٌ وَاللِّبْسَةُ الْأُخْرٰى احْتِبَاؤُهٗ بِثَوْبِهٖ وَهُوَ جَالِسٌ لَيْسَ عَلٰى فَرْجِهٖ مِنْهُ شَيْءٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

---

[1] اخرجه مسلم: ۱/۶۵۹ [2] اخرجه مسلم: ۱/۶۶۰ [3] اخرجه البخاري: ۳/۹۱ ومسلم: ۳/۲۵۲

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوطرح کے پہناوے سے اور دوطرح کی بیع سے منع کیا ہے وہ ملامست اور منابذت ہیں ملامست یہ ہے کہ ایک شخص (یعنی خریدار) دوسرے شخص (یعنی تاجر) کے کپڑے کو (جسے وہ لینا چاہتا ہے) دن میں یا رات میں صرف ہاتھ سے چھولے اسے کھول الٹ کر دیکھے نہیں اور اس کا یہ چھونا بیع کے لئے ہو۔ اور منابذت یہ ہے کہ معاملہ کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے اور اس طرح بغیر دیکھے بھالے اور بغیر اظہار رضامندی کے بیع ہو جائے۔ اور جن دوطرح کے پہناوے سے منع فرمایا ہے ان میں سے ایک تو کپڑے کو صماء کے طور پر پہننا ہے اور صماء کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ایک مونڈھے پر اس طرح کپڑا ڈال لے کہ اس کی دوسری سمت کہ جس پر کپڑا نہ ہو ظاہر و برہنہ رہے اور دوسرا پہناوا (جس سے منع کیا گیا ہے) یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے گرد اس طرح کپڑا لپیٹ لے کہ جب وہ بیٹھے تو اس کی شرمگاہ اس کپڑے سے بالکل عاری ہو۔" (بخاری و مسلم)

توضیح: "والملامسة" زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ مثلاً دو آدمیوں کے درمیان سودے کی بات ہو رہی ہوتی تو ایک فریق مبیع کو ہاتھ لگا لیتا اب اس سے یہ سمجھا جاتا کہ بیع لازم ہوگئی اب دوسرے فریق کو ماننا پڑے گا خواہ وہ خوش ہو یا ناخوش ہو دونوں کی طرف سے غیر اختیاری بلکہ جبری بیع ہو جاتی حضور نے اسے منع فرما دیا۔[1]

"**المنابذة**" منابذہ کی ایک صورت تو یہی ہوتی تھی جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک فریق اپنا کپڑا دوسرے کی طرف پھینکتا تھا وہ اس کی طرف اپنا کپڑا پھینکتا تھا اس سے بیع ہو جاتی آگے دیکھنے اور ٹٹولنے کی اجازت نہ ہوتی، منابذہ کی دوسری صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص کسی کے سامان یا کپڑے پر کنکری پھینکتا تھا اس سے بیع لازم ہو جاتی ان بیوعات میں چونکہ طرفین کی رضامندی مفقود ہے نہ یہ بیع تعاطی ہے نہ اس میں ایجاب ہے نہ قبول ہے نہ اس میں خیار شرط ہے نہ خیار رؤیت ہے اس لئے اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دیا۔[2]

"**اشتمال الصماء**" اس کی ایک تفسیر تو خود حدیث میں مذکور ہے اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو کسی چادر یا کمبل میں اس طرح لپیٹ کر رکھ دیتا ہے کہ اس کے ہاتھ، پاؤں سب بندھے جاتے ہیں اور آدمی مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے اگر دشمن نے آکر دبا دیا تو یہ بے بس ہوگا۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع کر دیا یہ تفسیر زیادہ واضح ہے۔[3]

"**احتباء**" یہ اس طرح بیٹھنے کو کہتے ہیں کہ مثلاً کوئی آدمی زانوں کو کھڑا کر کے کولھوں پر بیٹھ جائے اور اوپر کے حصہ پر چادر ڈال کر نچلا حصہ کھلا رکھے اس طرح اس کا ستر کھلا رہیگا اس لئے منع کر دیا گیا۔[4]

بیع حصاۃ اور بیع غرر کی ممانعت

﴿۲۰﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْحَصَاةِ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

---

[1] المرقات: ۶/۸۱ [2] المرقات: ۶/۸۱ [3] المرقات: ۶/۸۱ [4] المرقات: ۶/۸۱ [5] اخرجه مسلم: ۱/۶۵۸

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع حصات اور بیع غرر سے منع فرمایا ہے"۔ (مسلم)

توضیح: "حصاۃ" حصاۃ کنکری کو کہتے ہیں بیع حصاۃ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً خریدار دوکاندار سے کہدے کہ جب میں تیرے اس مال پر کنکری پھینک دوں تو سمجھ لو کہ بیع ہوگئی یا دوکاندار خریدار سے کہتا ہے کہ میں نے اپنے مال میں سے وہ چیز تجھ پر فروخت کردی جس پر تمہاری پھینکی ہوئی کنکری آکر گرے گی یا میں نے اپنی زمین کا وہ حصہ تجھ پر فروخت کیا جہاں تک تمہاری کنکری جاکر گرے یہ جاہلیت کی بیع تھی حضور نے منع فرمادیا، بیع منابذہ اور بیع حصاۃ تقریباً ایک ہی چیز ہے۔[1]

"بیع الغرر" یہ وہ بیع ہوتی ہے جس میں مبیع مجہول ہو یا بائع کے قبضہ میں نہ ہو جیسے سمندر میں مچھلیوں کا بیچنا یا ہواؤں میں پرندوں کو فروخت کرنا اول قسم میں جہالت ہے دوسری قسم قدرت سے باہر ہے اس بیع میں دھوکہ ہے اس لئے منع ہے غرر سے بڑا دھوکہ مراد ہے چھوٹے اور معمولی غرر سے تو کوئی بچ نہیں سکتا ہے نیز بڑا غرر مفضی الی النزاع ہے چھوٹا نہیں ہے۔[2]

بیع حبل الحبلۃ کا حکم

﴿۲۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُوْرَ إِلٰى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِيْ فِيْ بَطْنِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع حبل الحبلۃ (یعنی جانور کے حمل کا حمل) بیچنے سے منع فرمایا ہے (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ بیع حبل الحبلہ ایام جاہلیت میں رائج ایک بیع تھی جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ کوئی شخص اس وقت تک کے وعدے پر اونٹنی خریدتا تھا جب تک کہ اس کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو اور پھر اس بچہ کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو (یعنی وہ اس وعدہ پر اونٹنی خریدتا تھا کہ جب اس اونٹنی کے پیٹ سے بچہ پیدا ہونے والے بچہ کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوگا تب اس کی قیمت ادا کروں گا)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "حبل الحبلۃ" حا پر زبر ہے اور با پر بھی زبر ہے سکون پڑھنا غلط حبل اور حمل پیٹ کے اندر علوق اور بچے کو کہتے ہیں لغوی طور پر لفظ حبل عورتوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور لفظ حمل عورتوں اور حیوانات دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔[4]

"حبل الحبلۃ" اس بیع کی دو صورتیں ہوتی تھیں۔

پہلی صورت یہ تھی کہ کوئی شخص اپنی کوئی چیز فروخت کرتا تھا اور پیسہ وصول کرنے کے لئے اجل اس طرح مقرر کرتا تھا کہ جب

[1] المرقات: ۶/۸۱ [2] المرقات: ۶/۸۲ [3] اخرجه البخاری: ۱/۹۱ ومسلم: ۳/۱۱۲ [4] المرقات: ۶/۸۲

اونٹنی کا بچہ پیدا ہوجائے اور اس بچے کا بچہ پیدا ہوجائے اس وقت پیسے ادا کرنے ہونگے۔امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی تشریح کو پسند کیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ تفسیر منقول ہے یہ جاہلیت کی بیوعات میں سے ایک بیع تھی حضور اکرم نے اس کو اس لئے منع کیا کہ اس میں اجل مجہول ہے جو مفضی الی النزاع ہے۔

حبل الحبلہ کی دوسری تفسیر اس طرح ہے کہ اونٹنی کے پیٹ میں جو حمل ہے اس کے پیٹ میں جو حمل ہوگا اس کو کوئی شخص فروخت کرتا ہے یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ اس میں مبیع مجہول ہے کیا معلوم کہ بچہ آتا ہے یا نہیں اور اس کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے یا نہیں یہ جہالت در جہالت ہے اس لئے منع کر دیا گیا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسی تفسیر کو پسند کیا ہے اور امام ترمذی نے اسی کو راجح قرار دیا ہے اور حدیث کے ظاہر الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔[1]

بہر حال ممانعت کی وجہ یا جہالۃ الاجل فی الثمن ہے یا جہالۃ المبیع ہے۔

نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینا منع ہے

﴿۲۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت سے منع فرمایا ہے"۔ (بخاری)

توضیح: "عسب الفحل" اور ضراب الفحل ایک ہی چیز ہے فحل نر کو کہتے ہیں نر کو خواہ اونٹ ہو خواہ بیل بھینسا یا بکرا ہو اس کو مادہ پر چھوڑنے کے بدلے میں پیسہ لینا منع ہے کیونکہ یہاں کئی مقام پر معاملہ مجہول ہے کبھی جانور جفت کرتا ہے کبھی نہیں کبھی مادہ میں حمل ٹھہرتا ہے کبھی نہیں اس لئے منع ہے نیز یہ ایک خسیس اور ذلیل بیوپار بھی ہے جو مسلمان کی شان کے خلاف ہے آج کل نسل کی افزائش کی غرض سے یہ معاملہ ہوتا ہے۔بہر حال اگر کوئی شخص اپنا بیل بھینسا بطور رعایت دیتا ہے اور لوگ بطور اکرام اس کو کچھ دیتے ہیں تو یہ جائز ہے جیسا کہ حدیث نمبر ۳۲ میں آرہا ہے۔[3]

﴿۲۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ وَعَنْ بَيْعِ الْمَاءِ وَالْأَرْضِ لِتُحْرَثَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کو جفتی کے لئے کرایہ پر دینے اور پانی و زمین کو کاشت کے لئے بیچنے سے منع فرمایا ہے"۔ (مسلم)

توضیح: عسب الفحل اور ضراب الجمل ایک ہی چیز ہے اور بیع الماء والارض کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی زمین کا مالک ہے پانی بھی اس زمین میں ہے یہ شخص پانی اور زمین محنت اور کاشت کے بدلے کسی دوسرے آدمی کو دیتا ہے اور معاملہ بٹائی کا کرتا ہے کہ اتنا حصہ میرا اور اتنا تیرا ہوگا یہ درحقیقت مزارعت و مخابرت ہے جس کی تفصیل آئندہ آرہی ہے۔[5]

[1] المرقات: ۶/۸۲ [2] اخرجہ البخاری: ۳/۱۲۲ [3] المرقات: ۶/۸۳ [4] اخرجہ مسلم: ۱/۶۸۴ [5] المرقات: ۱/۸۳

قدرتی پانی کو مخلوق خدا سے روکنا منع ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنی ضرورت سے زائد پانی کو بیچنے سے منع فرمایا ہے"۔ (مسلم)[1]

توضیح: یعنی اگر کسی شخص کی ملکیت میں اتنا پانی ہے جو اس کی ضرورت سے زائد ہے اور پانی بھی قدرتی چشمہ کی صورت میں ہے اور لوگ اس کے پینے اور جانوروں کے پلانے کی طرف سخت محتاج بھی ہیں تو ایسی صورت میں اس پانی کو روکنا اور لوگوں پر فروخت کرنا منع ہے کیونکہ پانی ایسی چیز ہے جس میں ساری مخلوق برابر کے شریک ہیں ہاں اگر اس کے کنویں کا پانی کوئی شخص اپنے کھیت اور باغ میں استعمال کرنا چاہتا ہے تو اس کا معاوضہ لینا درست ہے نیز برتنوں میں جمع کردہ پانی کا فروخت کرنا جائز ہے۔[2]

حیلہ کر کے پانی فروخت کرنا منع ہے

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَاعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُبَاعَ بِهِ الْكَلَأُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اپنی ضرورت سے زائد پانی کو نہ بیچو تا کہ اس کی وجہ سے گھاس کا بکنا لازم نہ آئے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "لیباع به الکلاء" الکلاء گھاس کو کہتے ہیں خودرو گھاس کا بیچنا منع ہے اس کے لئے لوگ حیلے کرتے ہیں اور بیچتے ہیں یہاں انہیں حیلوں میں سے ایک حیلہ کی ممانعت آئی ہے مثلاً ایک شخص ہے وہ اپنے جانوروں کو دوسرے شخص کے کنویں کے پاس گھاس چرانے کے لئے لاتا ہے اب ظاہر ہے کہ گھاس چرنے کے بعد جانور پانی پئیں گے لیکن پانی کا مالک کہتا ہے کہ مجھے پانی کا معاوضہ دو وہ مجبور ہو کر پانی کی قیمت ادا کرتا ہے مگر درحقیقت وہ گھاس ہی کی قیمت ہے۔ اس طرح اس نے زائد پانی کو بیچ کر درحقیقت گھاس کو فروخت کر دیا۔[4]

اور گھاس کا فروخت کرنا منع ہے علماء نے اس ممانعت کو کراہت تنزیہی پر حمل کیا ہے۔

خرید و فروخت میں دھوکہ کرنے والا امت سے خارج ہے

﴿۲۶﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيْهَا فَنَالَتْ

[1] اخرجه مسلم: ۱/۶۸۴ [2] المرقات: ۱/۸۳ [3] اخرجه البخاری: ۳/۱۳۲ ومسلم: ۱/۶۸۴ [4] المرقات: ۶/۸۳

أَصَابِعُهُ بَلَلاً فَقَالَ مَاهٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ أَفَلاَ جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غلے کے ایک ڈھیر کے پاس سے گذرے اور اپنا ہاتھ اس ڈھیر میں داخل کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کو کچھ تری محسوس ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے غلے کے مالک: یہ تری کیسی ہے؟ (یعنی ڈھیر کے اندر یہ تری کہاں سے پہنچی اور تم نے غلہ کو تر کیوں کیا؟) اس نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: اس تک بارش کا پانی پہنچ گیا تھا (جس کی وجہ سے غلہ کا کچھ حصہ تر ہو گیا ہے میں نے قصداً تر نہیں کیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو پھر تم نے تر غلہ کو اوپر کی جانب کیوں نہیں رکھا تا کہ لوگ اس کو دیکھ لیتے (اور کسی فریب میں مبتلا نہ ہوتے (یاد رکھو) جو شخص فریب دے وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی میرے طریقہ پر نہیں ہے)۔ (مسلم)

توضیح: "فلیس منی" یعنی جو شخص خرید وفروخت میں دھوکہ کرے وہ مجھ سے نہیں ہے ہر مسلمان اور ہر تاجر کو سوچنا چاہئے کہ یہاں معمولی سی بات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی بڑی وعید سنائی ہے اور ہم کتنے بڑے بڑے دھوکے لوگوں کو دیتے ہیں مال لانڈی کراچی میں بنا ہوتا ہے اور ہم نے ان کے اوپر جاپان کا نام لکھدیا ہر چیز میں دو نمبر کا مال اول نمبر کے مال کے نام پر فروخت کرتے ہیں اس میں خسارہ ہی خسارہ ہے۔[2]

سوال: یہاں پر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ فلیس منی وہ مجھ سے نہیں ہے اس کا مطلب تو بظاہر یہی ہے کہ یہ آدمی اسلام سے خارج ہو گیا حالانکہ ایسا حکم نہیں ہے؟

جواب: اس سوال کے دو جواب ہیں پہلا جواب یہ ہے کہ حضو اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام کو اسلوب حکیم کے انداز میں ارشاد فرمایا ہے کیونکہ ایک امتی کے لئے حضور اکرم جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں جب حضور یہ فرمائیں کہ اس آدمی کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں تو وہ شخص تڑپنے لگ جائے گا اور اس گناہ کو بالکل ترک کر دیگا اور یہی مقصود ہوتا ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ فلیس منی کا مطلب یہ ہے کہ صرف اس خاص کام اور خاص شعبہ میں وہ مجھ سے نہیں ہے اور میری امت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ وہ اس کام میں غیروں کے طرز پر گامزن ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ پورے اسلام میں ہمارے ساتھ نہیں ہے اور اسلام سے خارج ہو گیا۔

الفصل الثانی

بیع ثُنیا کی ممانعت

﴿۲۷﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الثُّنْيَا إِلاَّ أَنْ يُعْلَمَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

[1] اخرجه مسلم: ۱/۵۵ [2] المرقات: ۶/۸۴ [3] اخرجه الترمذی: ۳/۵۸۵

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع ثنیا یعنی استثناء کرنے سے منع فرمایا ہے الا یہ کہ مقدار متعین کردی جائے"۔ (ترمذی)

توضیح: "الثنیا" استثناء کرنے کے معنی میں ہے مثلاً ایک شخص کسی چیز کو فروخت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے یہ چیز تم پر فروخت کردی مگر ایک حصہ فروخت نہیں کیا مبیع میں اسی استثناء کو ثنیا کہا گیا ہے اس سے بیع میں جہالت آتی ہے جو مفضی الی النزاع ہے اس لئے ممنوع ہے ہاں اگر مبیع سے بائع کوئی متعین چیز کا استثناء کرے اور کہدے کہ اس چیز کو میں تجھ پر فروخت کرتا ہوں لیکن دس کلو فروخت نہیں کرتا یا ایک گز فروخت نہیں کرتا تو اس طرح جائز ہے۔[1]

﴿۲۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ حَتّٰى يَسْوَدَّ وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتّٰى يَشْتَدَّ هٰكَذَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ عَنْ أَنَسٍ وَالزِّيَادَةُ الَّتِيْ فِي الْمَصَابِيْحِ وَهِيَ قَوْلُهُ نَهٰى عَنْ بَيْعِ التَّمْرِ حَتّٰى تَزْهُوَ إِنَّمَا ثَبَتَتْ فِيْ رِوَايَتِهِمَا عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے انگور کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ سیاہ نہ ہو جائے (یعنی پک نہ جائے) اسی طرح آپ ﷺ نے غلہ کو بھی اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ سخت نہ ہو جائے (یعنی قابل انتفاع نہ ہو جائے) اس روایت کو ترمذی اور ابوداود نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اور صاحب مصابیح نے اس روایت میں یہ الفاظ" آپ ﷺ نے کھجور کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ جب تک کہ وہ خوش رنگ نہ ہو جائے"۔ جو مزید نقل کئے ہیں وہ ترمذی و ابوداود میں (حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول نہیں ہیں بلکہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں اور وہ بھی اس طرح ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ" آں حضرت ﷺ نے کھجور کو اس وقت تک بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ خوش رنگ نہ ہو جائے"۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

بیع الکالیء بالکالیء کی ممانعت

﴿۲۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ۔ (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

توضیح: الکالئی ہمزہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اور بغیر ہمزہ بھی صحیح ہے یہ ادھار کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنا منع ہے۔

[1] المرقات: ۶/۸۵ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۵۳۰ و ابوداؤد: ۳/۲۵۱ [3] اخرجه الدراقطنی: ۳/۳۹

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کسی سے ادھار بندوق خرید لی سودا ہو گیا مگر بندوق قبضہ نہیں کیا اور پیسہ دینے کے لئے ایک تاریخ مقرر کی مگر اس تاریخ پر رقم ادا نہ کرسکا اور بائع سے کہہ دیا کہ ایک اور مدت تک مجھ پر بندوق پھر فروخت کرلو میں زیادہ پیسہ ادا کروں گا یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ اس میں نہ مبیع کا قبضہ ہوا ہے اور نہ ثمن کا قبضہ ہوا ہے ایک ادھار معاملہ کو قبضہ سے پہلے دوسرے ادھار معاملہ کے ساتھ بیچا جاتا ہے جو ناجائز ہے۔[1]

سائی یا بیعانہ دینے کا مسئلہ

﴿۳۰﴾ وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن شعیب رحمہ اللہ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا ہے''۔ (مالک، ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "العُربان" عین پر پیش ہے را ساکن ہے اس لفظ کو عربون اور اربون بھی پڑھا گیا ہے اور عربان واربان بھی پڑھا گیا ہے یہ دور جاہلیت میں عرب کی ایک بیع تھی اور آج کل جاہلیت جدید میں بھی یہ بیع جاری ہے کہ اگر قیمت دیکر سودا مکمل ہو گیا تو یہ رقم اصل قیمت میں شمار ہوگی اور اگر سودا مکمل نہیں ہوا تو یہ رقم مفت میں بائع کے پاس رہ جائے گی، اس کو آج کل کی اصطلاح میں سائی اور بیعانہ کہتے ہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک یہ بیع منع ہے کیونکہ اس میں شرط فاسد رکھی گئی ہے نیز اس میں باطل طریقہ سے دوسرے کا مال دبانا ہوتا ہے اور ﴿لاتأکلوا اموالکم بینکم بالباطل﴾[3] آیت اس کو منع کرتی ہے۔ ہاں امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کی وجہ سے اس بیع کے جواز کا قول کیا ہے۔[4]

احناف رحمہ اللہ کے ہاں بھی یہ بیع مطلقاً منع ہے جیسا کہ جمہور فقہاء کا قول ہے لیکن اگر بائع ومشتری کی طرف سے یہ وضاحت ہو جائے کہ سودا مکمل نہ ہونے کی صورت میں سائی اور بیعانہ واپس مشتری کو ملیگا تو پھر یہ معاملہ جائز ہے۔

بیع مضطر کا حکم

﴿۳۱﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ أَنْ تُدْرِكَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[5]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیع مضطر سے، بیع غرر سے اور پختہ ہونے سے پہلے پھلوں کی ''بیع'' سے منع فرمایا ہے''۔ (ابوداود)

[1] المرقات: ۶/۸۶ [2] اخرجه مالك: ۳۷۷ وابوداؤد: ۳/۲۸۱ [3] سورة بقرة: ۱۸۸ [4] المرقات: ۶/۸۶ [5] اخرجه ابوداؤد: ۳/۲۵۳

توضیح: "بیع المضطر" یعنی مجبور کی بیع ناجائز ہے اس کے دو مطلب ہیں پہلا مطلب یہ ہے کہ کسی سے زبردستی اس کی کسی چیز کو خریدنا منع ہے مثلاً وہ بیچنا نہیں چاہتا ہے اور دوسرا شخص اس پر دباؤ ڈالکر فروخت پر مجبور کرتا ہے تاکہ وہ خود اس کو خرید لے یہ حرام ہے اور یہ بیع فاسد اور نہی تحریمی ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص مجبور و مضطر ہے اس پر قرض اور مصائب کا انبار لگ گیا ہے اب وہ اپنی قیمتی اشیاء کو نہایت سستے داموں پر بوجہ مجبوری فروخت کرتا ہے۔ اور دوسرا شخص اس مجبور کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے اس سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا بلکہ یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ اس مجبور شخص کے ساتھ ہمدردی کرو اور اس کو قرض دو یا اس کی چیز کو اسی قیمت پر لو جو مارکیٹ میں خریدی جاتی ہے۔ اس صورت میں اگر کسی نے اس مجبور سے مال سستا خرید لیا تو اگرچہ بیع صحیح ہے لیکن علماء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے یہاں نہی حرمت بلکہ کراہت کے لئے ہے۔[1]

﴿۳۲﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلاً مِنْ كِلَابٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ فَنَهَاهُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا نُطْرِقُ الْفَحْلَ فَنُكْرَمُ فَرَخَّصَ لَهُ فِي الْكَرَامَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قبیلہ کلاب میں سے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے مادہ پر چھوڑنے کے لئے نر کو اجرت پر دینے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اس کو منع فرمایا (کہ اجرت نہ لو) پھر اس نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: ہم نر کو عاریۃً دیتے ہیں اور ہمیں اس سلسلہ میں بطور انعام کچھ دیا جاتا ہے (یعنی ہم کوئی اجرت مقرر کر کے اپنا نر جانور نہیں دیتے بلکہ عاریۃً دیتے ہیں مگر جانور لے جانے والا بلا طلب ہمیں بطور انعام کچھ دیتا ہے تو کیا ہم وہ بھی نہ لیں) آنحضرت ﷺ نے اسے انعام لے لینے کی اجازت عطا فرمائی۔ (ترمذی)

اس حدیث کی وضاحت اس سے پہلے حدیث ۲۲ میں ہو چکی ہے۔

جو چیز اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع ناجائز ہے

﴿۳۳﴾ وَعَنْ حَكِيْمِ ابْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَبِيْعَ مَالَيْسَ عِنْدِيْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ وَلِأَبِيْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ يَأْتِيْنِي الرَّجُلُ فَيُرِيْدُ مِنِّي الْبَيْعَ وَلَيْسَ عِنْدِيْ فَأَبْتَاعُ لَهُ مِنَ السُّوْقِ قَالَ لَاتَبِعْ مَالَيْسَ عِنْدَكَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے اس سے منع کیا کہ میں اس چیز کو بیچوں جو میرے پاس نہیں"۔ (ترمذی) ترمذی، ابوداود، اور نسائی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے ایک ایسی چیز خریدنے کا ارادہ کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی

[1] المرقات: ۶/۸۶،۸۷ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۵۷۳ [3] اخرجه الترمذی: ۳/۵۳۴ وابوداود: ۲/۲۸۱

تو میں اس چیز کو بازار سے خرید لاتا ہوں (یعنی میں اس چیز کا معاملہ اس سے کر لیتا ہوں پھر وہ چیز بازار سے خرید لاتا ہوں اور اس شخص کے حوالہ کر دیتا ہوں) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "تم کسی ایسی چیز کو نہ بیچو جو تمہارے پاس نہیں ہے"۔

توضیح: "مالیس عندك" اس سے وہ تمام بیوعات مراد ہیں جن کے سپرد کرنے پر آدمی قادر نہ ہو کیونکہ صحت بیع کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی جس چیز کو فروخت کرتا ہے وہ اسے مشتری کے حوالہ بھی کر سکتا ہے اگر بائع مبیع کے حوالہ کرنے سے قاصر ہے تو وہ اس کی قیمت کیسے لے سکتا ہے لہٰذا ایسی صورت ناجائز ہے۔[1]

ایک بیع میں دو بیع کرنا منع ہے

﴿۳۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(مالک، ترمذی، ابوداود، نسائی)

توضیح: "فی بیعة" یعنی ایک بیع میں دو بیع کرنے سے آنحضرت نے منع فرمایا ہے اس بیع کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ میں اپنی بھینس ایک ہزار روپے کے عوض تیرے ہاتھ بیچتا ہوں لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ تم اپنی گائے میرے ہاتھ پانچ سو روپے کے عوض فروخت کرو گے یہ بیع اس لئے ناجائز ہے کہ اس میں عقد کے منافی شرط رکھی گئی ہے آج کل لوگ اس طرح بیع وشرا میں سودی کاروبار بھی کرتے ہیں وہ اسطرح کہ ایک غریب شخص کسی امیر شخص سے قرض پیسے لینا چاہتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں قرض پیسے دیدوں گا لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ تم میری گائے کو دس ہزار روپے قیمت پر خرید لو گے حالانکہ وہ گائے پانچ ہزار روپے کی ہوتی ہے یہ سود اور حرام ہے۔[3]

"بیعتین فی بیعة" کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ میں تجھ پر یہ کپڑا نقد میں دس درہم پر فروخت کرتا ہوں اور ادھار میں بیس درہم پر فروخت کرتا ہوں وہ شخص کسی ایک بیع کی تعیین نہیں کرتا ہے بلکہ کہتا ہے کہ میں خرید تا ہوں اس میں ثمن میں جہالت آگئی اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس مشتری نے کونسی صورت کو قبول کر لیا ہے لہٰذا یہ بھی ناجائز ہے ہاں اگر ایک معاملہ طے ہو جائے اور معاملہ صاف ہو جائے کہ مشتری نے نقد والی صورت کو اپنا لیا یا ادھار والی صورت اپنالی تو پھر یہ معاملہ جائز ہے۔ آنے والی حدیث کی تشریح بھی اسی طرح ہے۔[4]

﴿۳۵﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ صَفْقَةٍ وَاحِدَةٍ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[5]

[1] المرقات: ۶/۸۷ [2] اخرجه مالك: ۲/۶۶۳ والترمذی: ۳/۵۳۳ وابوداؤد: ۳/۲۷۲ [3] المرقات: ۶/۸۸
[4] المرقات: ۶/۸۸ [5] اخرجه البغوی فی شرح السنة ۴/۳۰۷

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن شعیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد (شعیب رحمۃ اللہ علیہ) سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاملہ میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے"۔ (شرح السنہ)

قرض روپے دیکر سوداگری کرنا منع ہے

﴿۳۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ وَلَا شَرْطَانِ فِيْ بَيْعٍ وَلَا رِبْحُ مَالَمْ يُضْمَنْ وَلَا بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن شعیب رحمۃ اللہ علیہ ناقل ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرض اور بیع (ایک دوسرے سے متعلق کر کے) حلال نہیں، بیع میں دو شرطیں کرنی درست نہیں، اس چیز سے نفع اٹھانا درست نہیں جو ابھی اپنے ضمان (قبضہ) میں نہیں آئی، اور اس چیز کو بیچنا جائز نہیں جو تمہارے پاس (یعنی تمہاری ملکیت میں) نہیں ہے"۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی،) اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

توضیح: "**سلف و بیع**" یعنی قرض اور بیع حلال نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض دینا اور بیع کرنا دو الگ الگ معاملے ہیں اس کو ایک دوسرے سے منسلک کرنا جائز نہیں ہے مثلاً ایک شخص کسی کو قرض دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم مجھے اپنی گائے پانچ ہزار روپے کے عوض دو گے حالانکہ وہ گائے دس ہزار کی ہے یا یہ کہتا ہے کہ تم میرا فلاں کام کرو گے اور ایک سو روپے دھیاڑی لو گے حالانکہ روزانہ کی دھیاڑی دو سو روپے ہے یا کہتا ہے کہ تم میری فلاں گائے دس ہزار روپے میں خریدو گے حالانکہ وہ گائے پانچ ہزار کی ہے یہ تمام صورتیں آج کل پاکستان میں رائج ہیں اور یہ خالص ربوا اور سود ہے کیونکہ یہ شخص قرض کی آڑ میں سوداگری کر کے نفع کماتا ہے اور "**کل قرض جر نفعاً فهو ربوا**" کی زد میں آتا ہے یعنی جس قرض نے جو بھی نفع مالک کی طرف کھینچ لیا وہ سود اور ربوا ہے۔[2]

عقد کی منافی شرط مفسد بیع ہے

"**ولا شرطان فی بیع**" عقد میں شرط دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ شرط جو عقد بیع سے ملائم اور مناسب ہو اس کی علامت اور پہچان یہ ہوتی ہے کہ شرط لگانے یا نہ لگانے سے عقد پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے عقد میں اس قسم کی شرط اگر کوئی لگائے تو منع نہیں ہے خواہ ایک شرط ہو یا دس ہوں دوسری قسم کی شرط وہ ہے جو مقتضائے عقد کے منافی ہو اور اس میں بائع یا مشتری کا کوئی فائدہ ہو اس طرح شرط عقد بیع کو فاسد کرتی ہے لیکن اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔[3]

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر عقد میں دو شرطیں لگا دیں تو عقد باطل ہوگا لیکن اگر ایک شرط

[1] اخرجه الترمذی: ۳/۵۳۵ و ابوداؤد: ۳/۲۸۱ [2] المرقات: ۶/۸۹ [3] المرقات: ۶/۸۹

لگائی تو جائز ہے مثلاً کسی نے دکاندار سے کپڑا خریدتے وقت کہد یا کہ کپڑا دیدو مگر شرط یہ کہ دھوکر سلائی بھی کروگے یہ باطل ہے اور اگر یہ کہد یا کہ کپڑا دیدو اور دھوکر لاؤ تو یہ جائز ہے کیونکہ ایک شرط ہے۔[1]

احناف اور شوافع کے نزدیک صلب عقد میں عقد کے منافی ایک شرط بھی مفسد بیع ہے اور دو یا زیادہ شرطیں بھی مفسد بیع ہیں۔

دلائل مالکیہ اور حنابلہ نے زیر بحث حدیث کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا ہے کہ دو شرطیں مفسد ہیں لہٰذا ایک مفسد نہیں ہے نیز ان حضرات نے حضرت جابر کے اونٹ فروخت کرکے مدینہ تک سواری کی شرط لگانے سے بھی استدلال کیا ہے یہ حدیث آیندہ آنے والی ہے۔

احناف وشوافع نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع وشرط"۔ (اعلاء السنن)[2]

جواب احناف وشوافع نے زیر بحث حدیث سے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں شرطان کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے نیز مفہوم مخالف سے استدلال کو احناف قطعاً نہیں مانتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی تفصیل اور صورت حال کا بیان آیندہ آرہا ہے وہاں جواب ہوگا۔

بیوعات میں بنیادی ضابطہ اور قاعدہ کلیہ

"ولا ربح مالم یضمن" یعنی جب کوئی چیز کسی کے ضمان میں نہیں آتی اس سے وہ نفع نہیں اٹھا سکتا مثلاً ایک شخص نے کسی سے جانور خرید لیا لیکن اب تک اس کو اپنے قبضہ میں لایا نہیں ہے اور بائع سے اس کا دودھ یا اس کی سواری کا کرایہ مانگتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اب تک یہ جانور اس مشتری کے ضمان میں نہیں آیا ہے اگر یہ جانور مر گیا تو بائع کا نقصان ہوگا مشتری پر کچھ نہیں آیگا لہٰذا جب اس پر تاوان نہیں تو اس کا نفع بھی اس کو نہیں ملے گا۔[3]

حدیث کا یہ جملہ تمام بیوعات کے لئے ایک ضابطہ اور قاعدہ کلیہ ہے جس کو ائمہ احناف نے اپنایا ہے اور اس کے خلاف تمام جزئیات میں تاویل کی ہے تاکہ ضابطہ کی حفاظت ہو جائے بیع مصراۃ میں تاویل بھی اسی قاعدہ کی وجہ سے کی گئی ہے اسی طرح دوسرا قاعدہ "الغنم بالغرم" ہے اور الخراج بالضمان بھی مضبوط قاعدہ ہے۔[4]

قیمت کی ادائیگی میں سکہ کی تبدیلی جائز ہے

﴿۳۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ أَبِيعُ الْإِبِلَ بِالنَّقِيعِ بِالدَّنَانِيرِ فَآخُذُ مَكَانَهَا الدَّرَاهِمَ وَأَبِيعُ بِالدَّرَاهِمِ فَآخُذُ مَكَانَهَا الدَّنَانِيرَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ لَا بَأْسَ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَالَمْ تَفْتَرِقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[5]

---

[1] المرقات: ۶/۸۹ [2] المرقات: ۶/۸۹ [3] المرقات: ۶/۸۹

[4] اخرجه الترمذی: ۳/۵۴۴ وابوداؤد: ۳/۲۴۷ والدارمی: ۲۵۸۴ [5] المرقات: ۶/۹۰

ترجمہ: اورحضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نقیع میں (جو مدینہ کے پاس ایک جگہ ہے) اونٹوں کو دیناروں کے عوض بیچا کرتا تھا اور دیناروں کے بدلے درہم لے لیا کرتا تھا اسی طرح جب اونٹوں کو درہم کے عوض بیچتا تو درہم کے بدلے دینار لے لیا کرتا تھا پھر (جب) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (کہ تم دینار کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار لے لو) جبکہ نرخ اس دن کے مطابق ہو اورتم دونوں ایک دوسرے سے اس حال میں جدا ہو کہ تمہارے درمیان کوئی چیز نہ ہو''۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی)

توضیح: ''النقیع'' مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ کا نام نقیع ہے اس جگہ مویشیوں کی منڈی لگتی تھی، درہم چاندی کا ایک سکہ ہے اور دینار سونے کا سکہ ہے آج کل کویت میں دینار چلتا ہے اور دبئی میں درہم کا رواج ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً کسی چیز کو درہم کے عوض خرید لے اور پھر قیمت میں دینار ادا کرنے یا [illegible] کا عکس کرے تو یہ جائز ہے۔[1]

''بسعر یومہا'' یعنی جب نرخ اس دن کے مطابق ہو، یہ حکم استحبابی ہے ورنہ جائز یہ بھی ہے کہ جس نرخ سے لینا چاہے لے سکتا ہے۔

''بینکما شیئ'' یہ جملہ مالم یتفرقا سے حال واقع ہے یعنی جس مجلس میں خرید وفروخت کا معاملہ ہوا ہے اور سکہ کی تبدیلی کی صورت پیش آئی ہے اس کے لئے یہ شرط ہے کہ اسی مجلس میں فریقین اپنی اپنی چیز پر قبضہ کرلیں تا کہ مجلس سے جدائی کی صورت میں نقد کی بیع ادھار کے ساتھ لازم نہ آئے جو ربوا ہے لہٰذا مجلس ہی میں بیع اور قیمت پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ درہم ودینار چونکہ غیر معین سکہ ہے اس لئے ایک درہم یا دینار یا روپے یا مثلاً ریال کے بجائے دوسرا درہم یا دینار یا روپے یا ریال دینا جائز ہے بشرطیکہ آپس کی مالیت میں برابر ہوں۔[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیع کا ذکر

﴿۳۸﴾ وَعَنِ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ أَخْرَجَ كِتَاباً هٰذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى مِنْهُ عَبْداً أَوْ أَمَةً لَادَاءَ وَلَاغَائِلَةَ وَلَاخِبْثَةَ بَيْعَ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[3]

ترجمہ: اورحضرت عداء ابن خالد ابن ہوزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک تحریر نکال کر دکھائی جس میں یہ لکھا تھا کہ ''یہ بیعنامہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداء بن خالد بن ہوذہ کی خریداری سے متعلق ہے، عداء نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک غلام یا لونڈی خریدی جس میں کوئی بیماری نہیں ہے کوئی بدی نہیں ہے اور کوئی برائی نہیں ہے عداء نے اس کو اس طرح خریدا ہے جس طرح ایک مسلمان ایک مسلمان سے خریدتا ہے''۔ (امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

---
[1] المرقات: ۶/۹۰ [2] المرقات: ۶/۹۰، ۹۱ [3] اخرجہ الترمذی: ۳/۵۲۰

توضیح: "العَدّاء" عین پر فتحہ ہے اور دال پر شد ہے آخر میں ہمزہ ہے یہ کم روایت بیان کرنے والے صحابی تھے اطراف بصرہ کے رہنے والے تھے غزوۂ حنین کے بعد اسلام لائے تھے۔[1]

"عبداً او امة" یہاں راوی کو شک ہے کہ سودا لونڈی کا ہوا تھا یا غلام کا تھا۔[2]

"لاداء" یعنی کوئی جنون وجذام اور برص وغیرہ کی بیماری اس میں نہیں ہے مراد یہ کہ ایسا عیب نہیں جو موجب للخیار ہو۔[3]

"ولاغائلة" یعنی کوئی ایسا عیب نہیں جو مشتری کے مال کو تباہ کر کے رکھدے جیسے چور ہونا، زنا کار ہونا، شرابی ہونا، بھگوڑا ہونا۔[4]

"ولاخبثة" یعنی اصل نسل کے اعتبار سے اس میں کوئی خباثت نہیں جس سے قبیح افعال کے سرزد ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ یعنی فاسق فاجر نہیں ولد الزنا نہیں جھوٹا نہیں اور جواباز نہیں۔[5]

یہ مسلمان کے ساتھ ایک مسلمان کا معاملہ ہے اس لئے اس میں شریعت کے تمام تقاضوں کا خیال رکھا گیا ہے خلاصہ یہ کہ غلام اچھا ہے اس میں کوئی عیب نہیں اور فریقین نے ایک دوسرے کے ساتھ دھوکہ نہیں کیا ہے۔

نیلام کے طور پر بیع جائز ہے

﴿۳۹﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ حِلْسًا وَقِدْحاً فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيْ هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ آخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ فَأَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[6]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ بیچنے لگے تو فرمایا کہ اس ٹاٹ اور پیالہ کا خریدار کون ہے؟ (جو خریدنا چاہتا ہو وہ اس کی قیمت لگائے) ایک شخص نے عرض کیا کہ "میں ان دونوں چیزوں کو ایک درہم کے عوض لے سکتا ہوں" آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ "ایک درہم سے زیادہ قیمت دینے والا کوئی ہے؟ چنانچہ ایک دوسرے شخص نے آپ ﷺ کو دو درہم پیش کئے اور آپ ﷺ نے وہ دونوں چیزیں اس شخص کے ہاتھ دو درہم کے عوض فروخت کردیں"۔ (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "من یزید؟" یعنی ایک درہم سے زیادہ قیمت کون دیتا ہے۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص نے تنگ دستی کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا آنحضرت نے فرمایا کہ تیرے پاس کچھ سامان ہے اس نے کہا کہ ایک ٹاٹ کا ٹکڑا ہے اور ایک پیالہ ہے آنحضرت نے فرمایا کہ وہ دونوں چیزیں بیچ دو اور اس کے بعد اگر مجبور ہو گئے تب سوال کرو وہ شخص دونوں چیزیں لے آیا اور حضور اکرم ﷺ نے بطور نیلام اس کو فروخت کیا جس کو فقہاء کی اصطلاح میں بیع

---

[1] المرقات: ۶/۹۱ [2] المرقات: ۶/۹۱ [3] المرقات: ۶/۹۱ [4] المرقات: ۶/۹۱
[5] المرقات: ۶/۹۱ [6] اخرجه الترمذی: ۳/۵۲۲ وابوداؤد: ۲/۱۳۲ وابن ماجه: ۳/۷۴۰

من یزید کہتے ہیں یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نیلام کے طور پر چیز فروخت کرنا جائز ہے یہ لاٹری کی صورت نہیں ہے نہ انعامی بانڈ ہے وہ ناجائز ہیں۔[1]

سؤال: یہاں سوال یہ ہے کہ ایک آدمی کے سودا پر دوسرے آدمی کا سودا کرنا جائز نہیں ہے جس کو بیع علی سوم الشراء کہتے ہیں یہاں کیسے جائز ہوا؟۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ایک آدمی کے سودا پر دوسرے آدمی کے سودا کی صورت نہیں ہے بلکہ یہاں ابتداء سے بائع اس ارادہ سے مال پیش کرتا ہے کہ جو شخص زیادہ قیمت دیگا بیع اس کو دوں گا یہاں کسی ایک شخص سے بات نہیں بلکہ پورے مجمع کے سامنے مبیع رکھ کر زیادہ قیمت دینے والے کے ساتھ معاملہ ہے جس کو **بیع بالمزایدۃ** اور **بیع من یزید** کہتے ہیں اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ بیع علی سوم الشراء وہ ہوتی ہے کہ بائع اور مشتری راضی ہو چکے ہیں اور تیسرا آدمی آکر سودا لگانے کی کوشش کرتا ہے وہ منع ہے۔[2]

الفصل الثالث

عیب دار چیز فروخت کرنے کی شدید وعید

﴿۴۰﴾ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ بَاعَ عَیْبًا لَمْ یُنَبِّہْہُ لَمْ یَزَلْ فِیْ مَقْتِ اللّٰہِ أَوْ لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِکَۃُ تَلْعَنُہٗ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَہ)[3]

ترجمہ: حضرت واثلہ ابن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی عیب دار چیز کو اس طرح بیچے کہ (اس عیب پر خریدار کو مطلع نہ کرے تو وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہتا ہے یا یہ فرمایا کہ اس پر فرشتے ہمیشہ لعنت بھیجتے رہتے ہیں''۔ (ابن ماجہ)

توضیح: اگر کسی چیز میں عیب ہے اور کوئی فروخت کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے عیب کا تذکرہ مشتری کے سامنے کرے اگر عیب بتائے بغیر بائع نے مشتری پر کوئی چیز فروخت کی تو یہ بائع ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں اور فرشتوں کی لعنت میں رہیگا مسلمان تاجروں کو ہوش میں آنا چاہئے ان میں اکثر و بیشتر اس وعید کی زد میں ہیں۔

[1] المرقات: ۶/۹۲ [2] المرقات: ۶/۹۲ [3] اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۷۵۵

مورخہ ۲ رجب ۱۴۱۰ھ

باب (فی البیع المشروط)

مشروط بیوعات کا بیان

الفصل الاول

پھلدار درخت کی بیع کا مسئلہ

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ اِلاَّ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَلَهٗ مَالٌ فَمَالُهٗ لِلْبَائِعِ اِلاَّ أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ الْمَعْنَى الْأَوَّلَ وَحْدَهٗ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اگر کسی شخص نے تابیر کئے ہوئے کھجور کا درخت خریدا تو اس کا پھل بیچنے والے کا ہے الا یہ کہ خریدنے والا پھل مشروط کردے اسی طرح اگر کسی شخص نے کوئی ایسا غلام خریدا جس کے پاس مال ہو تو اس کا وہ مال بیچنے والے کا ہے الا یہ کہ خریدنے والا مال مشروط کردے''۔ (مسلم) بخاری نے اس حدیث کا صرف پہلا جزء یعنی من ابتاع نخلا الخ نقل کیا ہے۔

توضیح: تابیر باب تفعیل سے مستعمل ہے اور مجرد میں نصر ینصر سے بھی آتا ہے اصلاح اور پیوندکاری کے معنی میں ہے عرب کی لوگوں کے عادت تھی کہ کھجور کے باغ میں نر درخت کے پھول کو مادی درخت کے پھولوں اور کلیوں میں پیوند لگا کر جوڑتے تھے جس سے فصل زیادہ آتی تھی کھجور میں انسانوں کی طرح نر اور مادہ کے درخت ہوتے ہیں اگر پورے باغ میں نر کھجور کا ایک درخت بھی نہ ہو تو باغ کی فصل خراب ہوجاتی ہے۔ اب مسئلہ یہ آتا ہے کہ اگر کسی نے درختوں میں پیوند کاری کی اور تابیر کے بعد یا پہلے درخت کو فروخت کیا تو ان درختوں پر آنے والا پھل باغ کے مالک بائع کا ہوگا یا خریدنے والے مشتری کا ہوگا اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔[2]

فقہاء کا اختلاف:

جمہور کے نزدیک اگر نخل مؤبر کو فروخت کیا تو درخت پر موجود ثمر بائع کا حق ہے ہاں اگر مشتری شرط لگائے کہ درخت کے ساتھ پھل بھی میرا ہوگا پھر اس کا ہوگا اور اگر باغ کے مالک نے نخل غیر مؤبر کو فروخت کیا اور پھل لگا ہوا ہے تو یہ پھل مشتری کا حق ہے ہاں اگر بائع نے شرط لگائی کہ پھل میرا ہوگا پھر اس کا ہوگا یاد رہے جس پھل میں اختلاف ہے یہ وہی پھل ہے

[1] اخرجہ مسلم: ۱/۶۷۰ والبخاری: ۳/۱۵۰ [2] المرقات: ۶/۹۳

جودرختوں پر بیع کے وقت موجود ہے جمہور کے نزدیک اگر یہ موجودہ پھل تابیر کے نتیجہ میں آیا ہے تو یہ بائع کا ہے اور اگر تابیر کے بغیر آیا ہے تو یہ مشتری کا ہے ہاں اگر مشتری شرط لگائے وہ الگ بات ہے۔[1]

احناف اس میں فرق نہیں کرتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ تابیر ہو یا نہ ہو موجودہ پھل بائع کا حق ہے ہاں اگر مشتری شرط لگائے تو وہ الگ بات ہے۔

دلائل

جمہور زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور استدلال مفہوم مخالف کے طور پر ہے کہ اگر تابیر شدہ نخل ہے تو پھل بائع کا ہے اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر تابیر شدہ نخل نہیں ہے تو پھل بائع کا نہیں بلکہ مشتری کا ہے۔

ائمہ احناف نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جو موطا امام محمد میں مذکور ہے الفاظ یہ ہیں "**عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اشتری ارضاً فیھا نخل فالثمر للبائع الا ان یشترط المبتاع**"۔ اس حدیث میں تابیر کی کوئی قید نہیں ہے۔

جواب: ہم نے بارہا کہا ہے کہ ہمارے ہاں مفہوم مخالف حجت نہیں ہے تو اس سے استدلال معتبر نہیں ہے۔

نیز درختوں پر جو پھل لگا ہے اس میں اتصال قرار نہیں بلکہ یہ اتصال انفصال اور قطع کے لئے ہے۔

"**ولہ مال**" عبد کی طرف مال کی نسبت تملیک کے لئے نہیں ہے بلکہ قبضہ کے لئے بطور مجاز ہے کیونکہ کوئی غلام کسی مال کا مالک نہیں ہوتا ہے عبد کے ساتھ جو کپڑے بوٹ وغیرہ ہیں وہ بوقت فروخت اس کے مالک کے ہیں ہاں اگر مبتاع یعنی مشتری اس کے لینے کی شرط لگائے تو پھر اس کا ہوگا۔[2]

مشروط بیع کا حکم

﴿۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ كَانَ يَسِيرُ عَلَى جَمَلٍ لَهُ قَدْ أَعْيَى فَمَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِ فَضَرَبَهُ فَسَارَ سَيْراً لَيْسَ يَسِيرُ مِثْلَهُ ثُمَّ قَالَ بِعْنِيهِ بِوُقِيَّةٍ قَالَ فَبِعْتُهُ فَاسْتَثْنَيْتُ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي فَلَمَّا قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ وَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ. وَفِي رِوَايَةٍ فَأَعْطَانِي ثَمَنَهُ وَرَدَّهُ عَلَيَّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِبِلَالٍ اقْضِهِ وَزِدْهُ فَأَعْطَاهُ وَزَادَهُ قِيرَاطاً۔[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ (ایک سفر کے دوران جبکہ وہ مدینہ آرہے تھے) اپنے اونٹ پر چل رہے تھے اور وہ (اتنا) تھک گیا تھا (کہ چلنے سے معذور ہو رہا تھا) چنانچہ رسول کریم ﷺ جب جابر رضی اللہ عنہ کے قریب سے گذرے تو آپ ﷺ نے ان کے اونٹ کو (لکڑی سے یا اس چابک سے جو آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھا) مارا پھر تو وہ (آپ ﷺ کے دست مبارک کی برکت سے) اتنی تیز رفتاری سے چلنے لگا کہ پہلے بھی اتنی تیز رفتاری سے نہیں چلا تھا پھر اس کے

[1] المرقات: ۶/۹۳ [2] المرقات: ۶/۹۳ [3] اخرجه البخاری: ۳/۸۱ ومسلم: ۱/۶۹۸

بعد آپ ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اس اونٹ کو میرے ہاتھ وقیہ کے عوض بیچ دو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''میں نے یہ اونٹ آپ ﷺ کے ہاتھ بیچ دیا لیکن میں اپنے گھر تک اس پر سواری کو مستثنیٰ کرتا ہوں (یعنی میں اس شرط کے ساتھ اس کو فروخت کرتا ہوں کہ اپنے گھر تک اسی اونٹ پر سوار ہو کر جاؤں گا) چنانچہ (حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) جب میں مدینہ آیا تو وہ اونٹ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ نے مجھے اس کی قیمت عطا فرمادی''۔ ایک روایت یوں ہے کہ ''آپ ﷺ نے مجھے قیمت عطا فرمائی اور اونٹ واپس کر دیا (یعنی اس کی قیمت بھی دی اور اونٹ بھی عطا فرمادیا (بخاری ومسلم) بخاری رحمہ اللہ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جابر رضی اللہ عنہ کو اونٹ کی قیمت دے دو اور کچھ زیادہ بھی دے دو، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انہیں اونٹ کی قیمت بھی اور ایک قیراط (جو درہم کا چھٹا حصہ ہوتا تھا) زیادہ بھی دیا۔

توضیح: ''اعیٰ'' سفر اور لاغری کی وجہ سے جب جانور تھک کر چلنے سے عاجز آجائے اس کو اعیٰ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں ''وقیة'' اس کو اوقیہ بھی کہتے ہیں چالیس درہم کی مقدار ایک اوقیہ ہوتا ہے۔[1]

''فاستثنیت حملانه'' یعنی مدینہ تک سوار ہو کر چلنے کو میں نے بیع سے مستثنیٰ کیا یعنی اونٹ کو اس شرط پر فروخت کیا کہ مدینہ تک حضرت جابر اس پر سوار ہو کر جائیں گے ظاہر حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی سواری کو خواہ جانور ہو یا گاڑی ہو اس شرط پر فروخت کرتا ہے کہ فلاں وقت تک یہ فروخت شدہ چیز میرے استعمال میں رہیگی یہ شرط جائز ہے فقہاء کا اس بارے میں اس طرح اختلاف ہے۔[2]

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اگر مسافت کم ہو تو اس طرح مشروط بیع جائز ہے جیسے یہاں مدینہ تک مسافت کم تھی اور اگر مسافت زیادہ ہو تو پھر نا جائز ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح مشروط بیع مطلقاً جائز ہے۔[3]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس طرح مشروط بیع مطلقاً نا جائز ہے۔

دلائل:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مدعا پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے مالکیہ کا بھی یہی مستدل ہے۔ احناف اور شوافع نے اس مشہور حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں **''نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع وشرط''**۔[4]

جواب: جمہور کی طرف سے زیر بحث حدیث کے کئی جوابات ہیں۔

---

[1] المرقات: ۶/۹۵ [2] المرقات: ۶/۹۵ [3] المرقات: ۶/۹۵ [4] المرقات: ۶/۹۶

پہلا جواب: یہ ہے کہ یہ شرط صلب عقد میں نہیں تھی بلکہ عقد ہو جانے کے بعد حضرت جابر نے مدینہ تک سوار ہونے کی اجازت مانگ لی تو حضور نے دیدی حدیث کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں "**فبعته فاستثنيت حملانه**"

دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہ شرط حضرت جابر نے نہیں لگائی تھی بلکہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی طرف سے ان کو ایک رعایت دی تھی اس حدیث کے بعض طرق میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ "**قد اعرتك ظهره الى المدينه**"۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ حضرت جابر مدیون خستہ حال تھے نئی شادی بھی ہوئی تھی حضور اکرم ﷺ نے چاہا کہ ان کی مدد کریں لیکن ان کی عزت نفس کا خیال رکھا اور صورۃ بیع کی شکل بنائی اور پھر اونٹ اور پیسہ دونوں واپس فرمادیا تو یہ حضرت جابر کی خصوصیت کا ایک خصوصی جزئی واقعہ ہے اس سے بیوعات کے قواعد کلیہ کو متاثر نہیں کیا جاسکتا ہے بعض نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ یہ واقعہ بیع میں شرط کی حرمت سے پہلے زمانے کا ہے۔[1]

حق ولاء آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ بَرِيْرَةُ فَقَالَتْ إِنِّيْ كَاتَبْتُ عَلٰى تِسْعِ أَوَاقٍ فِيْ كُلِّ عَامٍ وُقِيَّةٌ فَأَعِيْنِيْنِيْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ عِدَّةً وَاحِدَةً وَأُعْتِقَكِ فَعَلْتُ وَيَكُوْنُ وَلَاءُكِ لِيْ فَذَهَبَتْ إِلٰى أَهْلِهَا فَأَبَوْا إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ الْوَلَاءُ لَهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِيْهَا وَأَعْتِقِيْهَا ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ فَقَضَاءُ اللّٰهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللّٰهِ أَوْثَقُ وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک دن) بریرہ میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے نو اوقیہ پر اس شرط کے ساتھ مکاتبت کی تھی کہ ہر سال ایک اوقیہ ادا کیا کروں گی لہٰذا آپ میری مدد کیجئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میں) نے کہا کہ "اگر تمہارے مالکوں کو یہ پسند ہو کہ میں سب کے سب اوقئے ایک ہی مرتبہ میں انہیں دیدوں اور پھر تجھے آزاد کرادوں تو ایسا کرسکتی ہوں لیکن اس صورت میں حق ولاء مجھے حاصل ہوگا۔ بریرہ (یہ سن کر) اپنے مالکوں کے پاس گئی (اور ان کے سامنے یہ صورت رکھی) مگر انہوں نے اسے نامنظور کردیا اور کہا کہ ہم صرف اس شرط کے ساتھ (تجھے) بیچ سکتے ہیں کہ حق ولاء ہمیں حاصل ہو، آنحضرت ﷺ (کو جب اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ) نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تم اسے لیکر

[1] المرقات: ۶/۹۶ [2] اخرجه البخاري: ۳/۹۳ ومسلم: ۱/۶۵۳

آزاد کردو (اس کا حق ولاء تمہیں ہی حاصل ہوگا) پھر آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں (یعنی نامشروع ہیں) جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے اگرچہ وہ سو شرطیں ہوں اور خدا ہی کا حکم سب سے زیادہ اس لائق ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ہی کی شرط سب سے زیادہ مضبوط ہے جان لو، حق ولاء اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "بریرۃ" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک لونڈی کا نام بریرہ تھا یہ ایک یہودی کی لونڈی تھی اس سے بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۹، اوقیہ کے بدلے بدل کتابت حاصل کی تھی لیکن بعد میں بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز آگئی اسی کا تذکرہ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے کیا تاکہ وہ اس کی مدد کرے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں یکمشت تیری بدل کتابت ادا کروں گی اور تجھے آزاد بھی کردوں گی اگر تیرے آقا نے بات مان لی، بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے آقا یہودی سے اس کا تذکرہ کیا تو یہودی نے یہ شرط لگائی کہ بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مرنے کے بعد اس کے ولاء کا حق مجھے ملیگا یہ پورا قصہ مشکوۃ جلد دوم کتاب النکاح کے باب المباشرۃ میں مذکور ہے اور توضیحات ج ۴ کے ص ۱۳۰ پر میں نے لکھا ہے۔[1]

"ولاء" اس حق کا نام ہے کہ مثلاً ایک غلام کسی نے آزاد کیا اس کے بعد وہ غلام مرگیا اور اس کا کچھ مال رہ گیا، اس کا عصبہ موجود نہیں ہے تو اس کا سارا مال اس کے آزاد کرنے والے کو ملتا ہے یہی حق ولاء ہے۔

مکاتب جب بدل کتابت کی ادائیگی سے عاجز آجائے تو اسکے آقا کے لئے اس کا فروخت کرنا جائز ہوجاتا ہے۔

حق ولاء کو بیچنا یا ہبہ کرنا منع ہے

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کو بیچنے یا اس کو ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "بیع الولاء" ولاء کا بیچنا اس طرح ہے کہ مثلاً ایک شخص نے اپنا غلام آزاد کیا جس کی وجہ سے اس کا حق ولاء اس کے لئے ثابت ہوگیا اب یہ شخص اس حق ولاء کو کسی پر فروخت کرنا چاہتا ہے کہ مجھے اتنے پیسے دیدو اور جب یہ آزاد کردہ غلام مرجائے تو اس کا حق ولاء تم لے لو یہ سودا ناجائز ہے۔ اسی طرح ولاء کا ہبہ کرنا بھی ناجائز ہے کیونکہ ولاء کوئی ایسا مال نہیں ہے جس کا خارج میں کوئی وجود ہو جس کو ہبہ یا فروخت کیا جاسکے۔[3]

[1] المرقات: ۶/۹۶ [2] اخرجه البخاري: ۳/۱۹۲ ومسلم: ۱/۶۵۵ [3] المرقات: ۶/۱۰۰

الفصل الثانی

جو شخص نقصان کا ذمہ دار ہے وہی نفع کا حقدار ہے

﴿۵﴾ عَنْ مَخْلَدِ بْنِ خُفَافٍ قَالَ ابْتَعْتُ غُلَاماً فَاسْتَغْلَلْتُهُ ثُمَّ ظَهَرْتُ مِنْهُ عَلَى عَيْبٍ فَخَاصَمْتُ فِيهِ إِلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَضَى لِي بِرَدِّهِ وَقَضَى عَلَيَّ بِرَدِّ غَلَّتِهِ فَأَتَيْتُ عُرْوَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَرُوحُ إِلَيْهِ الْعَشِيَّةَ فَأُخْبِرُهُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي مِثْلِ هٰذَا أَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ فَرَاحَ إِلَيْهِ عُرْوَةُ فَقَضَى لِي أَنْ آخُذَ الْخَرَاجَ مِنَ الَّذِي قَضَى بِهِ عَلَيَّ لَهُ۔
(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)[۱]

ترجمہ: حضرت مخلد ابن خفاف کہتے ہیں کہ میں نے ایک غلام خریدا جس کی کمائی میں وصول کرتا رہا پھر مجھے اس کے ایک (ایسے) عیب کا علم ہوا (جو اس میں خریداری سے پہلے تھا اور بیچنے والے نے مجھے اس سے مطلع نہیں کیا تھا چنانچہ اس غلام کے معاملہ کو میں نے حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ (خلیفۂ وقت) کی خدمت میں پیش کیا انہوں نے مجھے یہ فیصلہ سنایا کہ غلام کو واپس کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی اس کی کمائی بھی واپس کر دی جائے۔ پھر میں حضرت عروہ ابن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا (جو ایک جلیل القدر تابعی اور فقہاء میں سے تھے) اور حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ سے انہیں آگاہ کیا حضرت عروہ نے فرمایا کہ میں شام کے وقت حضرت عمر ابن عبد العزیز کی خدمت میں جاؤں گا اور ان کو بتاؤں گا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے یہ نقل کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قسم کے ایک معاملہ میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ ''منفعت'' ضمان (یعنی تاوان) کیساتھ ہے''۔ چنانچہ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر ابن عبد العزیز کے پاس تشریف لے گئے (اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مطلع کیا) حضرت عمر ابن عبد العزیز نے (یہ ارشاد گرامی سننے کے بعد) پھر مجھے یہ حکم دیا کہ میں غلام کی کمائی اس شخص سے لےلوں جسے دینے کے لئے مجھے پہلے حکم دیا گیا تھا''۔ (شرح السنہ)

یہ ضابطہ اس سے پہلے کئی بار بیان ہو چکا ہے کہ ① **الغنم بالغرم** ② **والخراج بالضمان** ③ **ولا یحل نفع مالم یضمن۔**

بائع و مشتری کے نزاع کی صورت میں کس کا قول معتبر ہوگا؟

﴿۶﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَه وَالدَّارِمِيِّ قَالَ الْبَيِّعَانِ إِذَا اخْتَلَفَا وَالْمَبِيعُ قَائِمٌ بِعَيْنِهِ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ فَالْقَوْلُ مَا قَالَ الْبَائِعُ أَوْ يَتَرَادَّانِ الْبَيْعَ)[۲]

---

[۱] اخرجه البغوی فی شرح السنة: ۴/۳۱۰ [۲] اخرجه الترمذی: ۳/۵۷۰ وابن ماجه: ۲/۷۴۱

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب خریدار اور بیچنے والے میں اختلاف پیدا ہوجائے تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا اور خریدار کو (بیع فسخ کردینے یا باقی رکھنے کا اختیار حاصل ہوگا''۔ (ترمذی) ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب خریدار اور بیچنے والے کے درمیان اختلاف پیدا ہوجائے اور مبیع (بیچی جانے والی چیز) جوں کی توں باقی ہو اور ان دونوں کے درمیان کوئی گواہ نہ ہو تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا یا پھر وہ دونوں بیع کو فسخ کردیں''۔ (ترمذی)

توضیح: بائع اور مشتری میں تنازعات ہوتے رہتے ہیں مثلاً بائع کہتا ہے کہ میں نے اپنا مال سو روپے کے عوض فروخت کیا تھا مشتری کہتا ہے کہ آپ نے پچاس روپے کے عوض بیچا تھا کبھی خیار شرط رکھنے نہ رکھنے اور کبھی مدت میں تنازع اٹھتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بائع کا قول معتبر ہے بشرطیکہ وہ قسم بھی کھالے پھر مشتری کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ بیع کو نافذ تسلیم کرلے یا وہ بھی اپنے حق میں قسم کھالے اگر اس نے قسم کھالی تو قاضی دونوں کے عقد کو فسخ کردیگا خواہ مبیع قائم ہو یا قائم نہ ہو۔ بہرحال امام شافعی رحمہ اللہ نے چند قیود کے ساتھ بائع کے قول کو معتبر مانا ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں اگر مبیع قائم نہ ہو تو پھر مشتری کا قول معتبر ہوگا بشرطیکہ وہ قسم اٹھالے اس حدیث میں یہ مسئلہ اجمال کے ساتھ مذکور ہے صاحب ہدایہ نے اس کو خوب تفصیل سے بیان کیا ہے ہدایہ کی طرف رجوع ضروری ہے۔[1]

بیع اقالہ کرنے کی بڑی فضیلت ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَ اللهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ شُرَيْحٍ الشَّامِيِّ مُرْسَلًا)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص مسلمان کی بیع کو واپس کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دے گا''۔ (ابوداود، ابن ماجہ) اور شرح السنہ میں یہ روایت ان الفاظ میں ذکر کی گئی ہے جو مصابیح میں شریح شامی سے بطریق ارسال منقول ہیں۔

الفصل الثالث

ایک عبرتناک واقعہ

﴿۸﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

[1] المرقات: ۶/۱۰۱ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۲۷۲ وابن ماجہ: ۲/۷۴۱

عِقَاراً مِنْ رَجُلٍ فَوَجَدَ الَّذِيْ اشْتَرَى الْعِقَارَ فِيْ عِقَارِهٖ جَرَّةً فِيْهَا ذَهَبٌ فَقَالَ لَهُ الَّذِيْ اشْتَرَى الْعِقَارَ خُذْ ذَهَبَكَ عَنِّيْ إِنَّمَا اشْتَرَيْتُ الْعِقَارَ وَلَمْ أَبْتَعْ مِنْكَ الذَّهَبَ فَقَالَ بَائِعُ الْأَرْضِ إِنَّمَا بِعْتُكَ الْأَرْضَ وَمَافِيْهَا فَتَحَاكَمَا إِلَى رَجُلٍ فَقَالَ الَّذِيْ تَحَاكَمَا إِلَيْهِ أَلَكُمَا وَلَدٌ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِيْ غُلَامٌ وَقَالَ الْآخَرُ لِيْ جَارِيَةٌ فَقَالَ أَنْكِحُوا الْغُلَامَ الْجَارِيَةَ وَأَنْفِقُوْا عَلَيْهِمَا مِنْهُ وَتَصَدَّقُوْا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (یہ واقعہ بیان) فرمایا کہ "تم سے پہلے (زمانہ کے) لوگوں میں سے ایک شخص نے ایک دوسرے شخص سے زمین کا ایک قطعہ خریدا اور (اس کو اپنے تصرف میں لایا اتفاق کی بات کہ) جس شخص نے زمین خریدی تھی اس نے اپنی اس (خرید کردہ) زمین میں ایک ایسا گھڑا پایا جس میں سونا بھرا ہوا تھا۔ اس نے زمین بیچنے والے سے کہا کہ "تم اپنا یہ سونا لے لو کیونکہ میں نے تو صرف زمین خریدی تھی یہ سونا میں نے نہیں خریدا تھا"۔ بیچنے والے نے کہا کہ "میں نے تمہارے ہاتھ صرف زمین ہی نہیں بیچی تھی بلکہ ہر وہ چیز بیچ دی تھی جو اس زمین میں ہے (اس لئے یہ سونا بھی تمہارا ہی ہے تم ہی رکھو مگر خریدار اس پر تیار نہیں ہوا) یہاں تک کہ دونوں اپنا معاملہ ایک شخص حکم وثالث کے پاس لے گئے اس حکم نے (واقعہ کی تفصیل سن کر) ان دونوں سے پوچھا کہ تم دونوں کے ہاں اولاد کیا ہے؟ ان میں سے ایک نے تو کہا کہ میرے ہاں لڑکا ہے اور دوسرے نے کہا کہ میرے ہاں لڑکی ہے۔ حکم نے یہ (سن کر) کہا کہ "اس لڑکے کا نکاح لڑکی سے کر دو اور اس سونے کو ان دونوں پر خرچ کرو اور پھر جو کچھ بچے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "قبلکم" یعنی سابقہ امتوں کے کسی آدمی کا قصہ ہے جو عبرت ودیانت سے پُر ہے کہتے ہیں، کہ اس فیصلہ کے سنانے کا اختیار حضرت داؤد علیہ السلام کو دیا گیا تھا اور آپ نے اس طرح حکیمانہ ناصحانہ فیصلہ فرمایا جو اعلیٰ ذہانت پر مبنی ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بائع اور مشتری کے درمیان تنازعہ کے حل کرنے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے میں کہتا ہوں کہ دیانت وشرافت جب انسانوں میں آتی ہے تو وہ ایک دوسرے کے لئے رحمت بن جاتے ہیں یہاں دیکھئے کہ ہر ایک دوسرے کو سونے کا خزانہ دے رہا ہے اور دوسرا لینے سے انکار کر رہا ہے یہ اسلام وایمان کی تعلیم اور خوف خدا کا کرشمہ ہے جو آسمانی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے جس کے لئے اس وقت قرآن عظیم متعین ہے اور دینی مدارس اور علماء وطلباء اس کا زندہ نمونہ ہے اس دیانت وشرافت کو مغرب اور یورپ کے آوارہ نوجوانوں اور سڑے ہوئے دولت کے پجاری بوڑھوں اور ان کی فرسودہ اور مخرب اخلاق تعلیمی اداروں میں تلاش کرنا محال ہے۔[2]

ومن رام العلیٰ من غیر کد اضاع فی طلب المحال [3]

[1] اخرجه البخاری: ۴/۲۱۲ ومسلم: ۲/۶۴ [2] المرقات: ۶/۱۰۳ [3] تعلیم المتعلم ص ۳۶

باب السلم والرهن

بیع سلم اور رہن کا بیان

قال الله تعالىٰ: ﴿یاایها الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوه۔ الخ.

(بقرۃ آیت ۲۱۲)[1]

وقال الله تعالىٰ: ﴿فرهان مقبوضة﴾[2]

سلم لغت میں تسلیم سے سپرد کرنے کے معنی میں ہے اور اصطلاح میں سلم کی تعریف یہ ہے "**السلم هو بیع الآجل بالعاجل**" آجل ادھار کے معنی میں ہے جس سے مبیع مراد ہے اور عاجل نقد کے معنی میں ہے جس سے ثمن مراد ہے سلم کو سلف بھی کہتے ہیں اردو میں اس کو بدھنی بھی کہتے ہیں اس بیع میں خریدار یعنی مشتری کو رب سلم کہتے ہیں اور بائع کو مسلم الیہ کہتے ہیں مبیع کو مسلم فیہ کہتے ہیں اور ثمن کو رأس المال کہتے ہیں۔

بیع سلم قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اوپر مذکورہ آیت قرآن کی سب سے لمبی آیت بیع سلم کے متعلق نازل ہوئی ہے ۔بیع سلم میں چونکہ مبیع غائب ہوتا ہے اس لئے بیوعات کے اصول اور قواعد کے یہ خلاف ہے لیکن انسانوں کی سخت مجبوری کے پیش نظر اس کو جائز قرار دیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ مبیع کی جہالت کو کم کرنے کے لئے سلم میں کئی شرطیں رکھی گئیں ہیں تا کہ مبیع معدوم کا موجود ہو جائے کل سولہ شرائط ہیں جن میں چھ کا تعلق رأس المال یعنی قیمت سے ہے اور دس کا تعلق مسلم فیہ یعنی مبیع سے ہے راس المال یعنی قیمت سے متعلق چھ شرائط یہ ہیں ① ثمن کی جنس بیان کرنا کہ درہم ہیں یا دینار ہیں یا روپے ہیں ② نوع کو بیان کرنا یعنی یہ بتانا کہ یہ روپے چاندی کے ہیں یا گلٹ کے ہیں یا نوٹ ہیں ③ صفت کو بیان کرنا کہ روپے کھرے ہیں یا کھوٹے ہیں۔ ④ مقدار بیان کرنا یعنی یہ واضح کردینا کہ یہ روپے سو (۱۰۰) ہیں یا دوسو (۲۰۰) ہیں۔ ⑤ یہ شرط کہ روپے نقد ادا کرنا ہوگا ادھار نہ ہو ⑥ مجلس عقد میں بائع کا ثمن پر قبضہ کرنا۔

مسلم فیہ یعنی مبیع سے متعلق چند شرائط یہ ہیں:

① مبیع کی جنس کو بیان کرنا مثلاً یہ بیان کرنا کہ گندم ہے یا چاول ہے یا مکئی ہے ② نوع بیان کرنا یعنی یہ بتادینا کہ گندم فلاں قسم یا فلاں جگہ کے ہیں مکئی فلاں قسم زیڑیا ڈوگریا کا غانی ہے ③ مبیع کی مقدار بیان کرنا کہ دس من گندم ہے یا پانچ من ہے ④ مدت کا بیان کہ اتنے وقت کے بعد فلاں تاریخ کو ادا کرنا ہوگا مگر ایک ماہ سے کم وقت مقرر کرنا جائز نہیں۔ ⑤ مبیع کے سپرد کرنے کی جگہ کو متعین کرنا بشرطیکہ مبیع وزن وار اور باردار چیز ہو جس کا بوجھ ہو۔ ⑥ وقت عقد سے تا وقت ادا وہ چیز بازاروں میں موجود ہو معدوم نہ ہو۔

---

[1] بقرۃ: ۲۱۲ [2] سورۃ بقرۃ: ۲۸۳

"رھن" لغت میں حبس الشیء کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں رہن "جعل الشیء محبوسا بحق یمکن استیفائه منه" رہن کو گروی کہتے ہیں یہ قرآن سے ثابت ہے جیسے ﴿فرھان مقبوضة﴾۔

الفصل الاول

بیع سلم کی تین شرطیں

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يُسْلِفُوْنَ فِي الثِّمَارِ السَّنَةِ وَالسَّنَتَيْنِ وَالثَّلاثِ فَقَالَ مَنْ أَسْلَفَ فِيْ شَيْئٍ فَلْيُسْلِفْ فِيْ كَيْلٍ مَعْلُوْمٍ وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُوْمٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (جب مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ پھلوں میں ایک سال، دوسال، تین سال کی بیع سلم کیا کرتے تھے (یعنی پیشگی قیمت دیکر کہہ دیا کرتے تھے کہ ایک سال یا دوسال یا تین سال کے بعد پھل پہنچا دینا) چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا "کہ جو شخص کسی چیز کی بیع سلم کرے اسے چاہیئے کہ معین پیمانہ معین وزن اور معین مدت کے ساتھ سلم کرے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اجل معلوم" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع سلم میں وزن اور کیل اور مدت کا تعین ضروری ہے جمہور علماء کے نزدیک سلم کے لئے یہ شرطیں ضروری ہیں لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سلم میں اجل یعنی مدت کے تعین کو بطور شرط نہیں مانتے ہیں۔

اسلف یسلف اسلاف بیع سلم کو کہتے ہیں۔[۲]

کفار اور ذمیوں کے ساتھ لین دین کا معاملہ کیسا ہے؟

﴿۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اشْتَرَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَاماً مِنْ يَهُوْدِيٍّ إِلَى أَجَلٍ وَرَهَنَهُ دِرْعاً لَهُ مِنْ حَدِيْدٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ایک متعین مدت کے ادھار پر خریدا اور اپنے لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھی"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ورھنه درعاله" اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے ایک مسئلہ یہ کہ کسی سے کوئی چیز ادھار خریدنا اور پھر اس کے بدلے میں اپنی کوئی چیز بطور رہن رکھنا جائز ہے۔

[۱] اخرجه البخاری: ۳/۱۱۱ ومسلم: ۱/۷۰۱ [۲] المرقات: ۶/۱۰۴ [۳] اخرجه البخاری: ۳/۷۳ ومسلم: ۱/۷۰۱

دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ گروی کا معاملہ جس طرح سفر میں مشروع ہوا تو حضر میں بھی جائز ہے قرآن میں ﴿وان کنتم علی سفر﴾ [۱] کی قید اتفاقی ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ اہل ذمہ کیساتھ لین دین کے معاملات جائز ہیں بشرطیکہ ان کے پاس جو مال ہے وہ حلال کا ہو۔ ہاں اہل حرب کے ساتھ لین دین کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ ان پر اسلحہ فروخت کرنا بلکہ خام لوہا فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ علماء نے یہ بھی لکھا کہ مطلقاً کسی کافر پر ایسی چیز فروخت کرنا جائز نہیں ہے جس سے ان کے مذہب کی تقویت ہوتی ہو آج کل تیل دنیا کا بڑا اسلحہ ہے تمام اسلحہ کی بنیاد تیل پر ہے لہٰذا کفار پر تیل فروخت کرنا بھی اس اصول کے تحت جائز نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ نے یہودی سے معاملہ یا تو اس لئے کیا کہ مسلمانوں کے پاس غلہ نہیں تھا یہود مدینہ کے غلہ پر قابض تھے یا آنحضرت نے بیان جواز کے لئے اس یہودی سے معاملہ کیا۔ [۲]

﴿۳﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهٗ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ بِثَلَاثِيْنَ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [۳]

ترجمہ: اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا اس حال میں وصال ہوا کہ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے بدلے گروی رکھی ہوئی تھی''۔ (بخاری)

شئ مرھون سے فائدہ اٹھانا کیسا ہے؟

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهٖ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهٖ إِذَا كَانَ مَرْهُوْنًا وَعَلَى الَّذِيْ يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اگر سواری کا جانور گروی ہو تو اس پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کے بدلے میں اس پر سواری کی جائے اور اگر دودھ والا جانور گروی ہو تو اس پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کے بدلے اس کا دودھ پیا جائے اور جو شخص سواری کرے اور دودھ پئے وہی اس کے مصارف کا ذمہ دار ہے''۔ (بخاری)

توضیح: ''الظھر'' ظہر پیٹھ کو کہتے ہیں مراد جانور کی پیٹھ ہے اور جانور کی پیٹھ سے اس پر سوار ہونا مراد ہے جیسے اونٹ کی سواری ہوتی ہے ''یرکب'' سے اسی حقیقت کا اظہار مقصود ہے۔ [۵]

''بنفقته'' ''با'' سببیت کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا جانور کسی کے پاس بطور رہن رکھ لے اس جانور کے مصارف اور خرچ چونکہ راہن کے ذمہ ہوتا ہے اس لئے وہ اس جانور سے بار برداری اور سواری کا کام لے سکتا ہے۔

[۱] المرقات: ۶/۱۰۴ [۲] اخرجه البخاری: ۳/۷۳ [۳] اخرجه البخاری: ۳/۱۸۷ [۴] المرقات: ۶/۱۰۶ [۵] المرقات: ۶/۱۰۶

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے ہیں وہ فرماتے ہیں اگر گروی میں رکھے ہوئے جانور پر نفقہ اور خرچ راہن کرتا ہے تو راہن اس سے سواری وغیرہ کا فائدہ اٹھا سکتا ہے یہ مطلب تو وہی ہے جو اوپر جمہور نے بیان کیا ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر مرتہن اس جانور پر خرچ اور نفقہ کرتا ہے تو وہ بھی اس مرہون جانور سے فائدہ اٹھا سکتا ہے زیر بحث حدیث سے یہ مطلب بھی اخذ کیا جا سکتا ہے لیکن انتفاع بالمرہون میں فقہاء کا اختلاف ہے۔[2]

فقہاء کا اختلاف:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مرہون چیز سے مطلقاً نفع اٹھانا مرتہن کے لئے ناجائز ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اسحاق بن راہویہ کے نزدیک جانور کے دودھ اور اس پر سواری کی حد تک مرتہن فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ عام فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔[3]

دلائل: جمہور نے اس حدیث سے متصل آنے والی حدیث نمبر ۵ سے استدلال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ راہن اس مرہون شی کا مالک ہے وہی اس کے نفع اور نقصان کا ذمہ دار ہے معلوم ہوا مرتہن کا یہ کام نہیں ہے جمہور نے اس مشہور حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں آیا ہے "**کل قرض جر نفعاً فھو ربا**" ظاہر ہے مرتہن نے راہن کو قرض دیا ہے اور راہن نے بطور وثیقہ اپنی کوئی چیز مرتہن کے پاس رکھوائی ہے اگر مرتہن اس سے فائدہ اٹھائیگا تو یہ اپنے قرض سے فائدہ اٹھانا ہوا جو حرام ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے اگرچہ دلیل محتمل ہے۔[4]

جواب: زیر بحث حدیث میں مرتہن کے ساتھ معاملہ کرنا مراد ہے وہ اس طرح کہ مرتہن جتنا دودھ حاصل کریگا اس کا معاوضہ اس سے لیا جائے گا اور اس کے قرض سے منہا کیا جائے گا یہ معاملہ جائز ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ زیر بحث حدیث اس وقت پر محمول ہے جب ربا کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا جب ربا کی حرمت کا حکم آ گیا تو انتفاع مرہون بھی حرام قرار دیا گیا لہٰذا آنے والی روایت سے اور حرمت ربوا سے یہ حدیث منسوخ ہو گئی ہے۔

سوال: ہدایہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر راہن مرتہن کو انتفاع بالمرہون کی اجازت دیدے تو پھر یہ نفع جائز ہوگا؟

جواب: فقہاء نے یہ اصل اور ضابطہ لکھا ہے کہ "**المعروف کالمشروط**"

لہٰذا جن ممالک میں رہن کا معاملہ مرہون سے انتفاع ہی کے لئے کیا جاتا ہو تو وہاں مرہون سے انتفاع کی کوئی گنجائش نہیں ہے جیسے ہمارے ضلع مانسہرہ اور بٹگرام میں ہوتا ہے یہ انتفاع ناجائز ہے کوئی کسی کو اجازت دے یا نہ دے لیکن جن ممالک

[1] المرقات: ۶/۱۰۶ [2] اشعة اللمعات: [3] المرقات: ۶/۱۰۶ [4] المرقات: ۶/۱۰۶

میں مرہون سے انتفاع کا تصور بھی نہ ہو وہاں اگر راہن مرتہن کو اجازت دیدے کہ مرہون سے فائدہ اٹھاؤ تو اس صورت میں جائز ہوسکتا ہے شاید ھدایہ کی عبارت کا مقصد یہی ہو۔[1]

الفصل الثانی

شئی مرہون راہن کی ملکیت میں ہوتی ہے

﴿۵﴾ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَغْلَقُ الرَّهْنُ الرَّهْنَ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِيْ رَهَنَهُ لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ. رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ مُرْسَلًا وَرَوٰى مِثْلَهُ أَوْ مِثْلَ مَعْنَاهُ لَا يُخَالِفُهُ عَنْهُ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مُتَّصِلًا۔[2]

ترجمہ: حضرت سعید ابن مسیب رحمہ اللہ (تابعی) کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کسی چیز کو گروی رکھنا مالک کو کہ جس نے وہ چیز گروی رکھی ہے (ملکیت سے) نہیں روکتا (یعنی کسی چیز کو گروی رکھ دینے سے راہن کی ملکیت ختم نہیں ہوجاتی) اس لئے اس گروی رکھی ہوئی چیز کے ہر نفع و بڑھوتری کا حقدار راہن ہے اور وہی اس کے نقصان کا ذمہ دار ہے۔ اس روایت کو امام شافعی رحمہ اللہ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے) اور اس قسم کی ایک اور حدیث (یعنی ہم معنی بھی اور ہم لفظ بھی) حضرت سعید ابن مسیب سے روایت کی گئی ہے جسے سعید ابن مسیب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بطریق اتصال نقل کیا ہے یا وہ ہم معنی ہے (اور اس کے الفاظ مختلف ہیں) مگر الفاظ کا یہ اختلاف ایسا نہیں ہے جو اس کے ہم معنی ہونے کے منافی ہو۔

توضیح: "لایغلق" روکنے اور بند کرنے کے معنی میں ہے۔[3]

"الرھن" رہن اول مصدری معنی میں ہے اس سے عقد رہن مراد ہے اور یہ یغلق کا فاعل ہے۔[4]

"الرھن" اس رہن ثانی کے لفظ سے مرہون شئی مراد ہے۔[5] "من صاحبه" اس سے راہن مراد ہے یعنی رہن رکھنے کی وجہ سے مرہون چیز سے راہن کی ملکیت کا ازالہ نہیں ہوتا ہے بلکہ راہن اب بھی مرہون سے نفع اٹھا سکتا ہے۔ "غنمه"[6] اس سے مراد نفع ہے "غرمه" اس سے مراد تاوان وضمان ہے۔[7]

حقوق شرعیہ میں کس وزن اور کس پیمانہ کا اعتبار ہے؟

﴿۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمِكْيَالُ مِكْيَالُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَالْمِيْزَانُ مِيْزَانُ أَهْلِ مَكَّةَ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[8]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: پیمانہ اہل مدینہ کا معتبر ہے اور وزن اہل مکہ

[1] المرقات: ۶/۱۰۶ [2] اخرجه الشافعي في البيوع: ۳/۱۷۰ [3] المرقات: ۶/۱۰۷ [4] المرقات: ۶/۱۰۷
[5] المرقات: ۶/۱۰۷ [6] المرقات: ۶/۱۰۷ [7] المرقات: ۶/۱۰۷ [8] اخرجه ابوداؤد: ۳/۳۳۲ والنسائي: ۵/۵۴

کا معتبر ہے۔ (ابوداود، نسائی)

توضیح: یعنی پیمانہ میں اہل مدینہ کے پیمانہ کا اعتبار ہے اور وزن میں اہل مکہ کے وزن کا اعتبار ہے مکہ اور مدینہ کے پیمانہ اور وزن میں کچھ تفاوت اور اختلاف تھا جس کی وجہ سے شاید صدقات وفطرہ میں کچھ خلجان پیدا ہوتا تھا اس لئے آنحضرت نے یہ فرمان جاری فرمایا کہ وزن میں اہل مکہ کے وزن کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ اہل مکہ اکثر تاجر تھے اور وزن کا استعمال اکثر و بیشتر اموال تجارت سونے اور چاندی میں ہوتا ہے اور اہل مدینہ اکثر زراعت پیشہ لوگ تھے اور زراعت میں پیمانہ کا استعمال زیادہ ہوتا ہے لہٰذا حضور اکرم ﷺ نے وزن میں اہل مکہ کا اعتبار کیا اور پیمانہ میں اہل مدینہ کا اعتبار کیا یہ لوگ ان چیزوں کو جانتے تھے۔[1]

ناپ تول میں کمی کرنے والا شخص تباہ ہے

﴿۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِ الْكَيْلِ وَالْمِيْزَانِ اِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيْتُمْ أَمْرَيْنِ هَلَكَتْ فِيْهِمَا الْأُمَمُ السَّابِقَةُ قَبْلَكُمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے فرمایا کہ تمہارے ذمہ ایسے دو کام ہیں (یعنی ناپنا اور تولنا) جن کے سبب تم سے پہلی امتیں ہلاک کی جا چکی ہیں''۔ (ترمذی)

الفصل الثالث

سلم کی مبیع کو قبض سے پہلے فروخت کرنا منع ہے

﴿۸﴾ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَسْلَفَ فِيْ شَيْءٍ فَلَا يَصْرِفْهُ إِلٰى غَيْرِهٖ قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)[3]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص کسی چیز کے لئے بیع سلم کا معاملہ کرے تو اس چیز کو قبضہ میں کرنے سے پہلے کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ کرے''۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: ''فلا یصرفہ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ بیع سلم میں جب تک مبیع ہاتھ میں قبض ہو کر نہ آئے کسی دوسرے شخص پر اس کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے نہ ہبہ کرنا جائز ہے یا جس چیز میں بیع سلم ہوئی ہے اس چیز کو کسی دوسری چیز سے نہ بدلے بلکہ جس چیز میں معاملہ ہوا ہے معاملہ کے مطابق وہی چیز لینا دینا چاہئے دونوں کا مطلب مراد ہو سکتے ہیں۔[4]

[1] المرقات: ۶/۱۰۸ [2] اخرجہ الترمذی: ۳/۵۲۱ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۳/۲۷۴ وابن ماجہ: ۲/۷۶۶ [4] المرقات: ۶/۱۰۹

باب الاحتکار

ذخیرہ اندوزی کرنے کا بیان

احتکار کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

لغوی طور پر احتکار حکر سے ہے جو روکنے کے معنی میں ہے احتکار کی اصطلاحی تعریف ملا علی قاری نے اس طرح کی ہے۔

"**الاحتکار هو حبس الطعام حين احتياج الناس به حتى يغلو**"۔[1]

یعنی لوگوں کے احتیاج کے وقت غلہ کو اس غرض سے ذخیرہ کرنا تا کہ مہنگا ہو جائے یہ اصطلاحی احتکار ہے ذرا تفصیل سے یوں سمجھیں کہ ہر ایسی چیز مہنگا بیچنے کے لئے روکے رکھنا جو انسان یا حیوان کی غذائی ضرورت میں کام آتی ہو آج کل کی اصطلاح میں اس کو ناجائز ذخیرہ اندوزی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

احتکار کا حکم:

شریعت نے احتکار اور ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا ہے لیکن یہ حرمت چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔

❶ پہلی شرط یہ ہے کہ احتکار غذائی اجناس میں ہو دوسری اشیاء میں احتکار جمہور کے نزدیک حرام نہیں ہے ہاں جانوروں کے چارہ میں احتکار مکروہ ہے امام مالک کے نزدیک پتوں میں احتکار منع ہے۔

❷ دوسری شرط یہ کہ جس مال میں ذخیرہ اندوزی کوئی شخص کر رہا ہے وہ مال اس نے خریدا ہو، اگر اس نے خریدا نہیں بلکہ اپنی زمین کا غلہ ہے یا باغات کے پھل ہیں تو اس میں احتکار منع نہیں ہے۔

❸ تیسری شرط یہ ہے کہ ذخیرہ کردہ غلہ اسی شہر کا ہو اگر دوسرے شہر سے غلہ لایا گیا ہے تو اس میں احتکار امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ غلہ عموماً اسی شہر میں آتا ہے جگہ قریب ہے تو پھر نا جائز ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر جائز ہے۔

❹ چوتھی شرط یہ ہے کہ اس ذخیرہ کرنے سے شہر کے عوام کو ضرر لاحق ہوتا ہو تنگی آتی ہو، اگر ایسا نہیں تو پھر جائز ہے۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَسَنَذْكُرُ حَدِيثَ عُمَرَ كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ فِي بَابِ الْفَيْءِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى)[2]

ترجمہ: حضرت معمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص احتکار کرے وہ گنہگار ہے"۔ (مسلم)

[1] المرقات: ۶/۱۰۹ [2] اخرجہ مسلم: ۱/۷۰۲

توضیح: غذائی اشیاء میں احتکار باعث گناہ ہے جمہور علماء کے نزدیک احتکار کا حکم طعام کے ساتھ خاص ہے۔
امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح انسان کی غذائی اشیاء میں احتکار منع ہے اسی طرح جانوروں کی گھاس اور پتوں میں بھی احتکار کا حکم جاری ہوتا ہے۔[1]

الفصل الثانی

ذخیرہ اندوز ملعون ہے

﴿۲﴾ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تاجر کو رزق دیا جاتا ہے اور احتکار کرنے والا ملعون ہے"۔ (ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "الجالب" یعنی ایک شخص تجارت کی غرض سے اور لوگوں کی خدمت و سہولت کی نیت سے باہر سے غلہ لاتا ہے اور مروج قیمت پر فروخت کرتا ہے اور لوگوں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت ڈالتا ہے اور اس شخص کو رزق دیا جاتا ہے لیکن اگر ایک شخص لوگوں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے مثلاً شہر میں جتنا مال ہے اس کو خرید لیتا ہے اور ذخیرہ کر کے مہنگائی کی نیت سے اس کو ذخیرہ کر کے رکھتا ہے یہ شخص ملعون ہے قیامت میں اللہ کی رحمت سے دور رہیگا اور دنیا میں بھی لوگ اس پر لعنتیں بھیجیں گے۔[3]

سرکاری طور پر مارکیٹ ریٹ مقرر کرنے کا حکم

﴿۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلَمَةٍ بِدَمٍ وَلَا مَالٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غلہ کا نرخ مہنگا ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: ہمارے لئے نرخ مقرر فرمادیجئے یعنی تاجروں کو حکم دیجئے کہ وہ اس نرخ سے غلہ فروخت کیا کریں" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ ہی نرخ مقرر کرنے والا ہے اللہ ہی تنگی پیدا کرنے والا ہے اللہ ہی فراخی دینے والا ہے اور اللہ ہی

[1] المرقات: ۶/۱۱۰ [2] اخرجہ ابن ماجہ ۲/۷۲۸ والدارمی: ۲۵۴۷
[3] المرقات: ۶/۱۱۰، ۱۱۱ [4] اخرجہ الترمذی: ۳/۶۰۵ وابوداؤد: ۳/۳۷۰

رزق دینے والا ہے میں اس بات کا امیدوار خواہشمند ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ مجھ پر تم میں سے کسی کے خون اور مال کا کوئی مطالبہ نہ ہو"۔ (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں بازاروں میں نرخ بڑھ گئے تو صحابہ کرام نے آنحضرت سے عرض کیا کہ آپ نرخ مقرر کریں آنحضرت نے فرمایا کہ قیمتوں کو گھٹانے اور چڑھانے والا اللہ تعالیٰ ہے وہ کبھی لوگوں پر تنگی مسلط کرتا ہے اور کبھی وسعت لاتا ہے لہٰذا ان معاملات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کے معاملات میں مداخلت نہ کروں تاکہ قیامت کے دن اپنے رب سے اس طرح ملاقات کروں کہ لوگوں کے مال وجان کے بارہ میں مجھ سے کسی کو کوئی شکایت نہ ہو۔

بہر حال علماء لکھتے ہیں کہ تسعیر یعنی قیمتوں کو مارکیٹ میں مقرر کرنا مناسب نہیں ہے تاکہ کھلے بازاروں میں طبعی نظام کے تحت ایک دستور قائم ہوجائے اور لوگ اس نظام کے تحت رہیں اور آزادانہ تجارت کریں ہاں اگر لوگوں نے اس طبعی نظام میں گڑبڑ شروع کردی اور مارکیٹ میں ہر آدمی کی من مانی شروع ہوگئی تو پھر بدرجہ مجبوری اور بقدر ضرورت حکومت کو چاہئے کہ قیمتیں مقرر کرے۔ سعودی عرب میں قیمتوں کا ایک مثالی نظام جس میں استحکام ہے اور پاکستان میں مثالی بدنظمی ہے۔[1]

الفصل الثالث

مخلوق خدا کو پریشانی کر کے ذخیرہ اندوزی کی شدید وعید

﴿۴﴾ عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ طَعَامَهُمْ ضَرَبَهُ اللّٰهُ بِالْجُذَامِ وَالْإِفْلَاسِ.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِي كِتَابِهٖ)[2]

ترجمہ: حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے تھے کہ "جو شخص غلہ روک کر گراں نرخ پر مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جذام وافلاس میں مبتلا کر دیتا ہے"۔ (ابن ماجہ، بیہقی، رزین)

﴿۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا يُرِيْدُ بِهِ الْغَلَاءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَبَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ. (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے چالیس دن تک گرانی کے خیال سے غلہ روک رکھا گویا وہ خدا سے بیزار ہوا اور خدا اس سے بیزار ہوا"۔ (رزین)

[1] المرقات: ۶/۱۱۱ [2] اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۷۲۸ والبیہقی: ۷/۵۲۶ [3] اخرجہ

﴿۶﴾ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِئْسَ الْعَبْدُ الْمُحْتَكِرُ إِنْ أَرْخَصَ اللّٰهُ الْأَسْعَارَ حَزِنَ وَإِنْ أَغْلَاهَا فَرِحَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِي كِتَابِهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''غلہ وغیرہ کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کرنے والا بندہ برا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نرخوں میں ارزانی کرتا ہے تو وہ رنجیدہ ہوتا ہے اور اگر نرخوں کو گراں کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے''۔
(بیہقی، رزین)

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ كَفَّارَةً۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے گراں فروشی کی نیت سے غلہ کو چالیس روز تک روکے رکھا اور پھر اسے خدا کی راہ میں خیرات کر دیا تو وہ اس کے لئے کفارہ نہیں ہوگا''۔ (رزین)

[1] اخرجه البيهقي: ۷/۵۲۵

باب الافلاس والانظار

افلاس اور مہلت دینے کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وان کان ذوعسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ﴾[1]

افلاس باب افعال سے ہے جو سلب ماخذ کیلئے استعمال ہوا ہے جس کا معنی سلب الفلوس ہے یعنی پیسہ اور مال کا نہ ہونا تفلیس مفلس قرار دینے کے معنی میں ہے یہاں افلاس سے مراد یہ ہے کہ محکمہ قضا میں قاضی کسی شخص کے بارہ میں یہ فیصلہ کردے کہ یہ شخص مفلس اور دیوالیہ ہے اس کے پاس مال نہیں ہے اس پر بھاری قرضے ہیں اور ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے لہٰذا قرض خواہ اس کو اس وقت تک تنگ نہ کریں جب تک اس کے پاس مال نہیں آتا گویا قاضی اس کو مال کمانے کی مہلت دیتا ہے۔

افلاس کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص مشتری نے مثلاً سودا کرلیا مگر ثمن ادا کرنے سے پہلے اس کا دیوالیہ نکل گیا اب مبیع اس کے ہاتھ میں ہے اور پیسہ نہیں ہے یہ مفلس ہوگیا۔

افلاس کی تیسری صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص نے سودا سلف خرید لیا اور اسے اپنے قبضہ میں کرلیا لیکن ثمن ادا کرنے سے پہلے پہلے خود مرگیا اب سامان اس کے پاس ہے مگر پیسہ نہیں بلکہ مفلس ہے۔

بہرحال مال دیواروں کے سائے اور ہاتھوں کے میل کی طرح زوال پذیر چیز ہے لہٰذا قدرت کی طرف سے جب کسی انسان پر ایسی حالت آجائے تو اسلام نے دوسرے انسانوں کو اس کی مدد کرنے اور اس کو سنبھالا دینے کا حکم دیا ہے باب کی احادیث میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

الفصل الاول

مفلس کے بارہ میں ایک حکم

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا رَجُلٍ أَفْلَسَ فَأَدْرَكَ رَجُلٌ مَالَهُ بِعَيْنِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو کوئی شخص مفلس ہوجائے اور وہ شخص (کہ جس نے اس کے ہاتھ اپنا مال بیچا تھا اس کے پاس) اپنا مال بعینہ پائے تو وہ کسی دوسرے کے مقابلے میں اس مال کا زیادہ حقدار ہے"۔
(بخاری ومسلم)

[1] سورۃ البقرۃ ۲۸۰ [2] اخرجہ البخاری: ۳/۱۵۵ ومسلم: ۱/۶۸۱

توضیح: "فهو احق به" یعنی ایک شخص نے کسی سے کچھ سودا ادھار لے لیا ابھی پیسہ ادا نہیں کیا تھا کہ قاضی نے اس کو دیوالیہ قرار دیدیا اب وہ سودا اس مفلس کے پاس جوں کا توں موجود ہے کہ اتنے میں اس مفلس کے قرض خواہ پہنچ گئے اور ان میں وہ شخص بھی آ گیا جس نے مفلس کو سودا کا مال دیا تھا اب اس سودا کو فسخ کر کے وہ شخص اپنا مال واپس لے سکتا ہے یا نہیں لے سکتا ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔[1]

فقہاء کا اختلاف:

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص اپنا مال لے سکتا ہے عقد کو فسخ کرے اور اپنا مال اٹھا کر لے جائے باقی غرماء کا اس مال میں کوئی حق نہیں ہے یہ شخص احق بمالہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص اپنا مبیع واپس نہیں لے سکتا ہے بلکہ اب یہ غریم باقی غرماء کے ساتھ مطالبہ میں برابر کا شریک ہے اب یہ مال فروخت کیا جائے گا اور پیسہ لا کر تمام قرض خواہوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

صاحبین امام زہری، حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز کا مسلک بھی یہی ہے۔[2]

دلائل جمہور نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مدعا پر واضح تر دلیل ہے ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اسی حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بیع و شراء کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مسئلہ کچھ اور ہے کیونکہ بیع و شراء کے بعد یہ مال مالک کے ہاتھ سے نکل گیا اب اس کا مالک مشتری ہے جو مفلس ہے اب اس مال میں اس کا سابق مالک اور غریم دوسرے غرماء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ اس سلسلہ میں احناف نے طحاوی کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے الفاظ یہ ہیں۔

عن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سرق له متاع اوضاع له متاع فوجده في يد رجل بعينه فهو احق به ويرجع المشتري على البائع بالثمن۔[3]

یہی روایت ابن ماجہ میں ان الفاظ میں مذکور ہے **"اذا ضاع للرجل متاع أو سرق له متاع فوجده في يد رجل يبيعه فهو أحق به فيرجع المشتري على البائع بالثمن"۔**

ائمہ احناف حضرت علی کے قول سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"هو اسوة للغرماء اذا وجده بعينها"

ان روایات کا مطلب یہی ہے کہ اگر کسی چور نے کسی شخص کا مال چوری کر کے فروخت کیا اور مالک نے مشتری کے ہاتھ میں اپنا مال پایا تو اس مشتری سے یہ مالک اپنا مال لے سکتا ہے اس میں یہ سب سے زیادہ حقدار ہے کہ اپنا مال واپس کر دے اور دیگر دائنین اس کے ساتھ شریک نہ ہوں پھر مشتری اپنا پیسہ بائع سے واپس کریگا جس نے مال چوری کیا تھا اور اس پر فروخت کیا تھا۔

---

[1] المرقات: ۶/۱۱۳ [2] المرقات: ۶/۱۱۳ [3] (طحاوی ج ۲ ص ۲۴۴)

جواب: جمہور نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے ائمہ احناف اس کو عاریت یا مال مرہون یا مال مغصوب یا مال مسروق پر حمل کرتے ہیں۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہ حدیث بیع الخیار پر محمول ہے کہ خیار کے دوران بائع کو پتہ چلا کہ مشتری مفلس ہو گیا ہے تو وہ اپنا فروخت کردہ مال واپس کر سکتا ہے گویا یہ حدیث خیار فسخ البیع سے متعلق ہے۔ بہر حال یہ ایک تاویل ہے۔

مفلس کی امداد کا حکم

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا فَكَثُرَ دَيْنُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهِ خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک شخص پھلوں کے سخت نقصان میں مبتلا ہو گیا جو اس نے خریدے تھے پس اس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ قرضدار ہو گیا (اس کی حالت دیکھ کر) رسول کریم ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ صدقہ کے ذریعہ اس کی مدد کرو (تا کہ یہ قرض کے بوجھ سے ہلکا ہو) لوگوں نے صدقہ کے ذریعہ اس کی مدد کی، مگر لوگوں کی مدد بھی اس کے قرض کی پوری ادائیگی کیلئے کافی نہ ہو سکی اسکے بعد آپ ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا کہ تمہیں اس سے جو کچھ بھی حاصل ہو بس وہ لے لو، اس سے اس کے علاوہ اور کچھ تمہیں نہیں ملے گا۔ (مسلم)

قرض وصول کرنے میں نرمی کرنے کا ثواب

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَكَانَ يَقُولُ لِفَتَاهُ إِذَا أَتَيْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا قَالَ فَلَقِيَ اللهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایک شخص تھا جو لوگوں سے قرض لین دین کا معاملہ کرتا تھا (یعنی لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا) اور اس نے اپنے کارندے سے یہ کہہ رکھا تھا کہ جب کسی تنگدست کے پاس (قرض وصول کرنے جاؤ) تو اس سے درگذر کرو شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگذر فرمائے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "جب اس نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی (یعنی اس کا انتقال ہوا) تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگذر کیا (اور اس کے گناہوں پر مواخذہ نہیں کیا)"۔

(بخاری ومسلم)

---

[1] اخرجه مسلم: ۱/۶۸۰ [2] اخرجه البخاری: ۳/۷۵ ومسلم: ۱/۶۸۳

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُنْجِيَهُ اللهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ أَوْ يَضَعْ عَنْهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے تو اسے چاہیئے کہ وہ مفلس و تنگدست سے اپنا قرض وصول کرنے میں تاخیر کرے یا اس کو معاف کردے (یعنی اپنا پورا قرض یا جس قدر ممکن ہو معاف کردے)۔ (مسلم)

﴿۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَنْجَاهُ اللهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے جو شخص (اپنا مطالبہ وصول کرنے میں) مفلس کو مہلت دے یا اس کو (اپنا پورا مطالبہ یا (اس کا کچھ حصہ) معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کی سختیوں سے نجات دے گا"۔ (مسلم)

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي الْيَسَرِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظَلَّهُ اللهُ فِي ظِلِّهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ فرماتے تھے "جو شخص تنگدست کو مہلت دے یا اس کو معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے گا (یعنی قیامت کے دن اسے گرمی کی تپش اور اس دن کی سختیوں سے محفوظ رکھے گا)۔ (مسلم)

خوبی کے ساتھ قرض ادا کرنے کی فضیلت

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ اسْتَسْلَفَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرًا فَجَاءَتْهُ إِبِلٌ مِنَ الصَّدَقَةِ قَالَ أَبُوْرَافِعٍ فَأَمَرَنِي أَنْ أَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ فَقُلْتُ لَا أَجِدُ إِلَّا جَمَلًا خِيَارًا رَبَاعِيًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطِهِ إِيَّاهُ فَإِنَّ خَيْرَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے ایک جوان اونٹ قرض لیا اور پھر جب آپ ﷺ کے پاس زکوٰۃ کے اونٹ آئے تو ابورافع کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس شخص کو کہ جس سے

[1] اخرجه مسلم: ۱/۶۸۳ [2] اخرجه مسلم: ۸/۲۳۱ [3] اخرجه مسلم: ۲/۶۰۰ [4] اخرجه مسلم: ۱/۷۰۰

آپ ﷺ نے اونٹ قرض لیا تھا ایسا ہی ایک اونٹ دے دوں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے ویسا ہی اونٹ کوئی نظر نہیں آرہا ہے البتہ ایک اونٹ ہے جو اس کے اونٹ سے اچھا ہے۔ اور ساتویں برس میں لگا ہے (لہٰذا میں اس کے اونٹ سے اچھا اونٹ کیسے دیدوں) آپ ﷺ نے فرمایا اسے اچھا ہی اونٹ دیدو کیونکہ لوگوں میں بہترین شخص وہی ہے جو ادائیگی قرض میں سب سے اچھا ہو"۔ (مسلم)

قرض خواہ سخت کلامی کا حق رکھتا ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا تَقَاضٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ أَصْحَابُهٗ فَقَالَ دَعُوْهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَاشْتَرُوْا لَهٗ بَعِيْرًا فَأَعْطُوْهُ إِيَّاهُ قَالُوْا لَا نَجِدُ إِلَّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهٖ قَالَ اشْتَرُوْهُ فَأَعْطُوْهُ إِيَّاهُ فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے (اس اونٹ کا) تقاضہ کیا (جو آپ ﷺ نے اس سے بطور قرض لیا تھا) اور تقاضہ بھی سخت کلامی کیساتھ کیا۔ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب اس کو (اس سخت کلامی اور آداب نبوت کے خلاف اس کی حرکت پر) سزا دینی چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے کچھ نہ کہو، کیونکہ جس کا حق ہے اسے کہنے کا اختیار ہے البتہ ایسا کرو کہ ایک اونٹ خرید کر اسے دیدو (تاکہ اس کا مطالبہ ادا ہو جائے اور اسے پھر کچھ کہنے کا حق نہ رہے) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اس کی عمر کا کوئی اونٹ نہیں مل رہا ہے بلکہ اس سے زیادہ عمر کا مل رہا ہے (یعنی اس کا اونٹ چھوٹا اور کمتر تھا اور ہمیں جو اونٹ مل رہا ہے وہ اس کے اونٹ سے بڑا اور اچھا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا اسی کو خرید لو (اگرچہ وہ اس کے اونٹ کی بنسبت بڑا اور اچھا ہے) اور اسے دے دو یاد رکھو تم میں بہتر وہ شخص ہے جو قرض ادا کرنے میں اچھا ہو"۔ (بخاری ومسلم)

قرض ادا کرنے میں مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے

﴿۹﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ فَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلٰى مَلِيْءٍ فَلْيَتْبَعْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "صاحب استطاعت کا (ادائیگی قرض میں) تاخیر کرنا ظلم ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کو صاحب استطاعت کے حوالہ کیا جائے تو اس حوالہ کو قبول کر لینا چاہیئے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "مطل الغنی" مطل یمطل مطلاً نصر ینصر سے قرض واپس کرنے میں ٹال مٹول کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی کسی کا مقروض ہے اور قرض ادا کرنے پر قادر بھی ہے قدرت کے باوجود قرض ادا نہیں کرتا یہ ظلم ہے اس کی پاداش میں اس کو قید کیا جاسکتا ہے علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص استطاعت کے باوجود بار بار قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے

[1] اخرجه البخاری: ۳/۱۳۰ ومسلم: ۱/۷۰۰ [2] اخرجه البخاری: ۳/۱۲۳ ومسلم: ۱/۶۸۳

کام لیتا ہے وہ فاسق بن جاتا ہے اور اس کی گواہی رد کی جائیگی۔ [1]

"اتبع" اتباع حوالہ کرنے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ مدیون نے قرض خواہ کو کسی کا حوالہ دیا کہ جو قرض مجھ پر ہے وہ فلاں شخص سے وصول کرلو کیونکہ میرا قرض اس پر ہے تو اس قرض خواہ کو چاہیئے کہ اس حوالہ کو قبول کرلے اور اس مالدار سے اپنا قرض وصول کرلے مگر اس میں علماء کا کلام ہے کہ آیا حوالہ قبول کرنا واجب ہے یا مستحب ہے بعض نے واجب کہا ہے بعض اس حدیث کو استحباب پر حمل کرتے ہیں تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھنا چاہیئے۔ [2]

"ملیئ" یہ کریم کے وزن پر ہے مالدار آدمی کو کہتے ہیں "فلیتبع" سکون کے ساتھ مشہور ہے بعض نے مشدد پڑھا ہے۔ [3]

دائن اور مدیون کا تنازعہ ختم کرنا چاہیئے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا لَهُ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتّٰى سَمِعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ وَنَادٰى كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ قَالَ كَعْبٌ قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [4]

ترجمہ: اور حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں (ایک دن) انہوں نے مسجد نبوی میں ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کی واپسی کا تقاضہ کیا یہاں تک کہ جب دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس وقت اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف فرما تھے۔ان دونوں کی آوازیں سنیں تو حجرہ سے باہر آنے کا ارادہ فرمایا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجرہ کا پردہ ہٹایا اور کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "کعب: کعب ابن مالک نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ: حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کے ذریعہ ان کی طرف اشارہ کیا کہ اپنے قرض کا نصف حصہ معاف کردو۔کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ: میں نے معاف کیا"۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی حدرد سے فرمایا کہ "اب اٹھ جاؤ اور باقی قرض ادا کرو۔ (بخاری)

توضیح: "تقاضی" یہ طلب کرنے کے معنی میں ہے معلوم ہوا مسجد میں قرض کا مطالبہ کرنا جائز ہے مطالبہ کرنے والے حضرت کعب تھے اور مدیون ابن ابی حدرد تھے۔ [5]

"سجف" سین پر فتحہ ہے اور کسرہ بھی جائز ہے جیم ساکن ہے اور فا پر فتحہ ہے دروازہ کے پردہ کو کہتے ہیں۔ [6]

"فاشار" اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کا اشارہ زبان کے کلام کا قائم مقام ہوسکتا ہے۔ [7]

[1] المرقات: ۶/۱۱۹ [2] المرقات: ۶/۱۱۹ [3] المرقات: ۶/۱۱۹ [4] اخرجه البخاری: ۱/۳۲۱ ومسلم: ۱/۶۸۰
[5] المرقات: ۶/۱۲۰ [6] المرقات: ۶/۱۲۰ [7] المرقات: ۶/۱۲۰

"فاقضه" یعنی حضرت کعب نے جب آدھا قرض معاف کر دیا تو حضور اکرم نے ابوحدرد سے فرمایا کہ اب کھڑے ہو جاؤ اور باقی حصہ کو فوراً ادا کرو، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تنازعہ کی صورت میں بڑوں کو فیصلہ کرنا چاہئے اور ایک جانب سے سفارش بھی جائز ہے اور اصلاح کی ہر کوشش باعث ثواب ہے۔[1]

حضور اکرم ﷺ نے مدیون کا جنازہ نہیں پڑھایا

﴿۱۱﴾ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ كُنَّا جُلُوساً عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا لَا فَصَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ أُتِيَ بِجَنَازَةٍ أُخْرَى فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قِيلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا ثَلَاثَةَ دَنَانِيرَ فَصَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ أُتِيَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا ثَلَاثَةُ دَنَانِيرَ قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا قَالُوْا لَا قَالَ صَلُّوْا عَلَى صَاحِبِكُمْ قَالَ أَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَعَلَيَّ دَيْنُهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک جنازہ لایا گیا، صحابہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ جنازہ کی نماز پڑھ لیجئے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر قرض تو نہیں ہے؟ صحابہ نے کہا کہ نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ایک اور جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس پر قرض تو نہیں ہے عرض کیا گیا کہ ہاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کچھ چھوڑ کر مرا ہے یا نہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "تین دینار اس نے چھوڑے ہیں (یہ سن کر) آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر ایک تیسرا جنازہ لایا گیا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ "اس پر قرض تو نہیں ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ "ہاں تین دینار اس پر قرض ہیں" آپ نے فرمایا "یہ کچھ چھوڑ کر بھی مرا ہے یا نہیں" عرض کیا گیا کہ "کچھ نہیں"، آپ ﷺ نے فرمایا "تو پھر تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو"۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے (جب یہ سنا تو) کہا کہ "یارسول اللہ: آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیجئے اس کا قرض میں ادا کر دوں گا۔ تب آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ (بخاری)

توضیح: "بجنازة" ممکن ہے کہ تینوں جنازے ایک ہی دن ایک ہی مجلس میں حاضر کئے گئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ الگ الگ دنوں میں اور الگ الگ اوقات میں لائے گئے ہوں آنحضرت نے مدیون کے جنازہ کی نماز پڑھانے سے یا تو اس وجہ سے انکار فرمایا تاکہ عام لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ قرض لینے سے پرہیز کریں اور اگر بدرجہ مجبوری قرض لینا بھی پڑے تو اس کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں یا آنحضرت نے جنازہ پڑھانے سے اس لئے معذرت فرمائی کہ ایک طرف آنحضرت میت کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیں گے شفاعت ہوگی اور دوسری طرف بوجہ حقوق العباد دعا قبول نہ ہوگی اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ میت کی طرف سے ضامن بن جانا جائز ہے اور جمہور وصاحبین کا یہی مسلک ہے

[1] المرقات: ۶/۱۲۰ [2] اخرجه البخاري: ۳/۱۲۲

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میت کی جانب سے ضامن بننا جائز نہیں ہے وہ زیر بحث حدیث کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ضمانت و کفالت نہیں کی تھی بلکہ بطور احسان میت کے قرض ادا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا جیسا کہ حدیث نمبر ۱۵ میں مذکور ہے۔

بہر حال یہ اس وقت کی بات تھی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اموال غنائم نہیں آئے تھے جب غنائم آئے اور آنحضرت کو مالی وسعت حاصل ہوگئی تو آپ نے اعلان فرمایا کہ جس میت نے میراث چھوڑی وہ اس کے ورثہ کا ہے اور جس نے کوئی مال بوجھ چھوڑا اس کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔[1]

جو شخص قرض ادا کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَ يُرِيْدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللهُ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص لوگوں کا مال لے اور اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو (یعنی کسی ضرورت واحتیاج ہی کی بناء پر قرض لے اور قرض کی ادائیگی کا ارادہ بھی رکھتا ہو اور اس کو ادا کرنے کی کوشش بھی کرتا ہو) اللہ تعالیٰ اس سے وہ مال ادا کرا دیتا ہے (یعنی قرض کو ادا کرنے کی نیت رکھنے والے کی اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہے بایں طور کہ یا تو دنیا میں قرض ادا کرنے کی استطاعت دیدیتا ہے یا آخرت میں حق دار کو راضی کر دیتا ہے) اور جو شخص لوگوں کا مال لے اور اس کو ضائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہو (یعنی کسی احتیاج وضرورت کے بغیر کسی سے قرض لے اور پھر اس قرض کی ادائیگی کی نیت بھی نہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو ضائع کر دیتا ہے (یعنی جو شخص کسی سے قرض لے اور اس قرض کو نہ ادا کرے اور نہ ادا کرنے کی نیت رکھے تو اللہ نہ صرف یہ کہ ادائیگی قرض پر اس کی مدد نہیں کرتا اور اس کے رزق میں وسعت وفراخی عطا نہیں کرتا بلکہ اس کا مال تلف وضائع بھی کر دیتا ہے کیونکہ وہ ایک مسلمان کا مال ضائع کرنے کی نیت رکھتا ہے)۔ (بخاری)

توضیح: تجربہ سے بھی ثابت ہے اور مشاہدہ بھی ہے کہ جو لوگ قرض اس نیت سے لیتے ہیں کہ ادا نہیں کریں گے تو واقعی اسکو ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی اور جو لوگ بوجہ مجبوری قرض لیکر دن رات اس کے ادا کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یقیناً ان کی مدد فرماتا ہے اور قرض اترتا ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ قرض لینے کا شوق نہ رکھے اور اگر مجبور ہو کر لے لیں تو اس کے ادا کرنے کی فکر کرنی چاہئے تا کہ حدیث کی اس وعید سے بچ جائیں۔

اللہ تعالیٰ حقوق العباد کو معاف نہیں کرتا

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ صَابِراً

[1] المرقات: ۶/۱۲۱ [2] اخرجه البخاري: ۳/۱۵۲

مُحْتَسِباً مُقْبِلاً غَيْرَ مُدْبِرٍ يُكَفِّرُ اللهُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَلَمَّا أَدْبَرَ نَادَاهُ فَقَالَ نَعَمْ إِلَّا الدَّيْنَ كَذٰلِكَ قَالَ جِبْرِيْلُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: مجھے بتائیے اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں درانحالیکہ میں صبر کرنے والا اور ثواب کا خواہشمند ہوں (یعنی میں دکھانے سنانے کی غرض سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کی خاطر اور ثواب کی طلب میں جہاد کروں) اور اس طرح جہاد کروں کہ میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤں بلکہ ان کے سامنے سینہ سپر رہوں (یہاں تک کہ میں لڑتے لڑتے مارا جاؤں) تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کردے گا؟ رسول کریم ﷺ نے جواب دیا کہ "ہاں: پھر جب وہ شخص (اپنے سوال کا جواب پاکر) واپس ہوا تو آپ ﷺ نے اسے آواز دی اور فرمایا کہ "ہاں: (اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ یقیناً معاف کردے گا) مگر قرض کو معاف نہیں کرے گا مجھ سے جبریل نے یہی کہا ہے"۔ (مسلم)

توضیح: شہید کا بڑا مقام ہے لیکن قرض اور دین کا معاملہ اتنا سنگین ہے کہ شہید کے تمام گناہ جو حقوق اللہ سے متعلق ہوں معاف ہوجاتے ہیں مگر جو حقوق بندوں کے ہوں وہ اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا ایک اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کے تمام گناہوں کو معاف فرماتا ہے سوائے قرض کے اور یہ حکم بطور خاص جبریل امین لیکر آئے تھے جس سے معلوم ہوا کہ وحی متلو جو قرآن کی صورت میں آتی تھی اس کے علاوہ وحی غیر متلو بھی جبریل امین لاتے تھے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کے ساتھ قیامت میں یہ نرمی فرمائیگا کہ قرض خواہوں کو اپنی طرف سے بدلہ دیکر شہید کی مغفرت فرمادیگا۔ بہرحال قرض کے حوالہ سے جب شہید کا یہ حال ہے تو غیر شہید کا معاملہ کتنا کٹھن ہوگا شہدا کے بارہ میں ابن ماجہ میں ایک روایت اس طرح بھی ہے کہ جو شہداء سمندری جنگ میں شہید ہوں ان کے ہر قسم کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں خواہ حقوق اللہ تعالیٰ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے متعلق ہوں۔[2]

شہید کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُغْفَرُ لِلشَّهِيْدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "شہید کے تمام (صغیرہ اور کبیرہ) گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں مگر دین (یعنی حقوق العباد) کی معافی نہیں ہوگی"۔ (مسلم)

توضیح: "الا الدین" دین سے مراد وہی حقوق العباد ہیں جس کی تفصیل اوپر حدیث نمبر ۱۳ میں گذر چکی ہے "ارئیت" یہ اخبرنی یعنی مجھے خبر دیدیں کے معنی میں ہے۔

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۱۴۹ [2] المرقات: ۶/۱۲۳ [3] اخرجہ مسلم: ۲/۱۴۹

امت پر حضور اکرم ﷺ کی شفقت

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفّٰى عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَسْأَلُ هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهٖ قَضَاءً فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهٗ تَرَكَ وَفَاءً صَلّٰى وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِيْنَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْفُتُوْحَ قَامَ فَقَالَ أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاءُهٗ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهٖ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کے سامنے کسی ایسے شخص کا جنازہ لایا جاتا جس پر قرض ہوتا تو آپ ﷺ پہلے پوچھتے کہ کیا یہ شخص اپنا قرض ادا کرنے کے لئے کچھ چھوڑ کر مرا ہے؟ اگر یہ بتایا جاتا کہ یہ شخص اتنا مال چھوڑ کر مرا ہے جس سے اس کا قرض ادا ہوسکتا ہے تو آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیتے، اور اگر (یہ معلوم ہوتا کہ) کچھ بھی چھوڑ کر نہیں مرا ہے تو پھر (آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ خود نہ پڑھتے بلکہ) مسلمانوں سے فرماتے کہ تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور مشرکین و کفار سے جنگ کے بعد غنیمت کی صورت میں مال وزر میں وسعت و کشادگی نصیب ہوئی) تو آپ ﷺ (ایک دن) خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور (مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں دین و دنیا کے تمام امور میں) مسلمانوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہوں لہٰذا جو مسلمان اس حالت میں مرے کہ اس پر قرض ہو (اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہوسکے) تو اس کے قرض کو ادا کرنے کا میں ذمہ دار ہوں اور جو مسلمان مال چھوڑ کرے مرے (تو اس مال سے اس کا قرض ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچے) وہ اس کے وارثوں کا حق ہے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''اولیٰ بالمؤمنین'' اس جملہ سے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم﴾[۲] اس آیت میں واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات سے محبت اپنی جانوں سے زیادہ ہونا چاہئے ہر مسلمان پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی جانوں سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کی ذات سے محبت رکھے اور اپنی تمام خواہشوں اور تقاضوں پر حضور اکرم کے حکم اور اطاعت کو مقدم رکھے اس کی تفصیل توضیحات جلد اول کتاب الایمان میں گذر چکی ہے۔[۳]

زیر بحث حدیث میں حضور اکرم ﷺ کی اس بے پناہ شفقت کا ذکر ہے جو آپ کی طرف سے اپنی امت پر تھی چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا تھا کہ اگر کوئی آدمی مرجائے اگر وہ غریب ہے تو تجہیز وتکفین اور اس کے سارے قرضے مجھ پر ہیں اور اگر وہ

---

[۱] اخرجہ مسلم: ۲/۱۳۹ [۲] سورہ احزاب ۶ [۳] المرقات: ۶/۱۲۲

مالدار ہے اور میراث چھوڑے تو وہ اس کے ورثہ کا ہے علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت اپنے ذاتی اموال سے اس کا انتظام فرماتے تھے بعض علماء نے لکھا ہے کہ بیت المال سے اس کا انتظام ہوتا تھا میت کی طرف سے قرض کی یہ ادائیگی آنحضرت پر یا تو واجب تھی اور یا آپ نے بطور احسان اپنے ذمہ لے لیا تھا۔

الفصل الثانی

دیوالیہ کا حکم

﴿۱۶﴾ عن أَبِي خَلْدَةَ الزُّرَقِيِّ قَالَ جِئْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ فِي صَاحِبٍ لَنَا قَدْ أَفْلَسَ فَقَالَ هٰذَا الَّذِي قَضٰى فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا رَجُلٍ مَاتَ أَوْ أَفْلَسَ فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ أَحَقُّ بِمَتَاعِهِ إِذَا وَجَدَهُ بِعَيْنِهِ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: حضرت ابی خلدہ زرقی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے ایک ساتھی کا معاملہ لے کر آئے جو مفلس ہو گیا تھا (مگر اس کے پاس لوگوں کا وہ سامان موجود تھا جس کی قیمت اس نے ادا نہیں کی تھی) ہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص کا معاملہ بالکل اس شخص جیسا ہے جس کے بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا کہ جو شخص مرجائے یا مفلس ہو جائے (اور اس کے ذمے لوگوں کے مطالبات ہوں) تو جس شخص کا مال اس کے پاس ہے وہی شخص اس مال کا زیادہ حق دار ہے بشرطیکہ وہ مال جوں کا توں موجود ہو۔ (اس کی وضاحت کے لئے اسی باب کی پہلی فصل میں حدیث نمبر ا دیکھئے)۔ (شافعی، احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

اس حدیث کی تشریح وتوضیح اس باب کی پہلی حدیث نمبر ا میں ہو چکی ہے۔

مدیون ومقروض کی روح قرض کی ادائیگی تک معلق رہتی ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: مومن کی روح اپنے قرض کی وجہ سے معلق رہتی ہے یہاں تک کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔
(رواه الشافعي وأحمد والترمذي وابن ماجه والدارمي)

توضیح: "بدینه" جو لوگ قرض لینے کے شوقین ہوتے ہیں اور قرض کے اموال کو اپنے فضولیات واہیات میں بے دریغ خرچ کرتے رہتے ہیں اور قرض خواہوں کا کوئی خیال نہیں رکھتے اور اسی طرح مقروض مرجاتے ہیں تو ان کی روحوں کو جنت کی نعمتوں اور مومنین کی ارواح کے ساتھ ملنے سے معلق رکھا جائے گا یہ اس کی سزا ہے لیکن اگر پیٹ کی خاطر بدرجہ

[1] اخرجه ابن ماجه: ۲/۷۹۰ [2] اخرجه احمد: ۲/۴۴۰ والدارمی: ۲۵۹ وابن ماجه: ۲/۸۰۶

مجبوری کسی نے قرض لیا اور ادا کرنے سے عاجز ہوگیا اور پھر مرگیا تو شاید ان جیسے مجبور لوگوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ ہوگا پھر بھی وقت کے حاکم پر اور مالدار لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس کے قرض کا انتظام کریں۔

﴿۱۸﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاحِبُ الدَّيْنِ مَأْسُوْرٌ بِدَيْنِهٖ يَشْكُوْ اِلٰى رَبِّهِ الْوَحْدَةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرُوِىَ أَنَّ مُعَاذاً كَانَ يَدَّانُ فَأَتٰى غُرَمَاؤُهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالَهُ كُلَّهُ فِىْ دَيْنِهٖ حَتّٰى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْئٍ مُرْسَلٌ. هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَلَمْ أَجِدْهُ فِى الْأُصُوْلِ اِلَّا فِى الْمُنْتَقٰى. وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ شَابّاً سَخِيًّا وَكَانَ لَا يُمْسِكُ شَيْئًا فَلَمْ يَزَلْ يَدَّانُ حَتّٰى أَغْرَقَ مَالَهُ كُلَّهُ فِى الدَّيْنِ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ لِيُكَلِّمَ غُرَمَاءَهُ فَلَوْ تَرَكُوْا لِأَحَدٍ لَتَرَكُوْا لِمُعَاذٍ لِأَجْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَاعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمْ مَالَهُ حَتّٰى قَامَ مُعَاذٌ بِغَيْرِ شَيْئٍ. (رَوَاهُ سَعِيْدٌ فِىْ سُنَنِهٖ مُرْسَلاً)[1]

ترجمہ: اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قرضدار اپنے قرض کی وجہ سے محبوس کر دیا جائے گا (یعنی جنت میں داخل ہونے اور بندگان صالح کی صحبت میں پہنچنے سے روک دیا جائے گا) چنانچہ وہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے اپنی تنہائی کی شکایت کرے گا"۔ (شرح السنہ) منقول ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ قرض لیا کرتے تھے (ایک مرتبہ) ان کے قرض خواہ (اپنے قرض کی وصولی کے سلسلہ میں) آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کا سارا مال واسباب ان کے قرض کی ادائیگی کے لئے بیچ ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاذ رضی اللہ عنہ مفلس ہو گئے۔ یہ حدیث مرسل ہے اور یہ الفاظ مصابیح کے نقل کردہ ہیں (مشکوٰۃ کے مؤلف کہتے ہیں کہ) مجھے یہ روایت اصول یعنی صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں ملی ہے، البتہ یہ روایت منتقی میں ملی ہے اور وہ بھی اس طرح ہے کہ "حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ ایک سخی جوان تھے اور (اپنی سخاوت کی وجہ سے) کوئی مال واسباب اپنے پاس نہیں رکھتے تھے (کیونکہ ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا تھا وہ سب دوسروں کو دے دیا کرتے تھے) اسی وجہ سے وہ ہمیشہ قرض لیتے رہتے تھے یہاں تک کہ انہوں نے اپنا مال واسباب قرض کی نذر کر دیا پھر وہ (ایک دن) آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور اس بات کی خواہش کی) کہ آپ ان کے قرض خواہوں سے سفارش کر دیں (کہ وہ سارا قرض یا قرض کا کچھ حصہ معاف کر دیں) چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے قرض خواہوں سے اس سلسلہ میں گفتگو کی مگر انہوں نے کچھ بھی معاف نہیں کیا، اور اگر وہ کسی کا قرض معاف کر سکتے تو آنحضرت ﷺ کی

[1] اخرجه ابغوی فی شرح السنة ۸/۲۰۳

وجہ سے معاذ رضی اللہ عنہ کا قرض ضرور معاف کر دیتے (لہٰذا جب انہوں نے معاف کرنے سے صاف انکار کر دیا تو) آنحضرت ﷺ نے ان قرض خواہوں کے مطالبات پورے کرنے کے لئے معاذ رضی اللہ عنہ کا سارا مال واسباب بیچ دیا یہاں تک کہ (اس کی وجہ سے) معاذ رضی اللہ عنہ مفلس ہو گئے: سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اپنی سنن میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔ (شرح السنہ)

توضیح: "الوحدۃ" یعنی اپنے پروردگار سے اپنی تنہائی کی شکایت کریگا مطلب یہ ہے کہ نیک لوگ سارے اکٹھے ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں گے یہ شخص نہ تو جنت میں داخل ہو سکے گا اور نہ نیک لوگوں کی ہمراہی اس کو حاصل ہوگی اور نہ اس کا کوئی سفارش کرنے والا اس کے قریب رہیگا تو اس تنہائی اور بے یارومددگار رہنے پر اللہ تعالیٰ سے انتہائی پریشانی اور بے چینی کے عالم میں شکوہ کریگا گویا یہ اس مقروض کی سزا کی ایک صورت ہوگی۔[1]

"یدان" قرض لینے کے معنی میں ہے حضرت معاذ ایک فیاض نوجوان تھے۔ اپنے نیک مقاصد کے لئے قرض لیا کرتے تھے یہاں تک کہ قرض تلے دب گئے قرض خواہ اپنا قرض مانگ رہے تھے انہوں نے آنحضرت سے بات کی کہ میرے قرض خواہوں سے سفارش کریں کہ کچھ قرض معاف کر دیں لیکن مال عجیب چیز ہے کسی نے کچھ بھی معاف نہیں کیا تب حضور اکرم ﷺ نے ان کا سارا اثاثہ فروخت کر دیا اور حضرت معاذ نے اپنا قرض اتار دیا اور خالی ہاتھ اٹھ کر چلے گئے اس سے معلوم ہوا کہ قرض کا معاملہ انتہائی حساس ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کا سارا اثاثہ قرض کی ادائیگی کی غرض سے فروخت کر دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے قرض خواہوں سے صرف سفارش کی تھی اگر حکم ہوتا تو ماننا لازم تھا۔[2]

"فی الاصول" یعنی داوی سے آگے مرسل تک جو الفاظ ہیں صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت اصول کی کتابوں میں نہیں ملی اصول کی کتابیں وہ ہیں جن میں حدیثیں سند کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں صاحب مشکوۃ نے مزید فرمایا کہ ہاں حدیث کی کتاب منتقی میں مجھے یہ حدیث ملی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منتقی نے اصول کی کتابوں سے یہ روایت نقل کی ہوگی اگر وہاں نہ ہوتی تو منتقی میں وہ نقل نہ کرتے منتقی علامہ تیمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے۔[3]

بلا عذر قرض ادا نہ کرنے پر مدیون کو سزا دی جا سکتی ہے

﴿۱۹﴾ وَعَنِ الشَّرِيْدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوْبَتَهُ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ يُحِلُّ عِرْضَهُ يُغَلَّظُ لَهُ وَعُقُوْبَتُهُ يُحْبَسُ لَهُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت شرید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مستطیع شخص کا (ادائیگی قرض میں) تاخیر کرنا اس کی بے آبروئی اور اسے سزا دینے کو حلال کرتا ہے"۔ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کی بے آبروئی کا حلال ہونا یہ ہے کہ اسے ملامت کی جائے اور اسے سزا دینا یہ ہے کہ اس کو قید کرا دیا جائے"۔ (ابوداود، نسائی)

[1] المرقات: ۶/۱۲۶ [2] المرقات: ۶/۱۲۶ [3] المرقات: ۶/۱۲۷ [4] اخرجه ابوداؤد: ۳/۳۱۲ والنسائی: ۷/۳۱۶

توضیح: "لی الواجد" واجد سے مراد مالدار صاحب استطاعت شخص ہے اور لیّ ٹال مٹول اور قرض دینے میں تاخیر پہلوتہی اور گردن کشی کو کہتے ہیں۔[1]

"یحل عرضه" یعنی اس کو سخت سست کہنے کا حق قرض خواہ کو حاصل ہے۔[2]

"عقوبته" یعنی شرعی عدالت کے ذریعہ سے اس کو قید با مشقت میں رکھنا بھی جائز ہے کیونکہ استطاعت کے باوجود قرض ادا نہ کرنا ایک طرح ظلم ہے اور ظالم مستحق تعزیر ہے۔[3]

مقروض کے ساتھ تعاون میں بڑا ثواب ہے

﴿۲۰﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَنَازَةٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَى صَاحِبِكُمْ دَيْنٌ قَالُوا نَعَمْ قَالَ هَلْ تَرَكَ لَهُ مِنْ وَفَاءٍ قَالُوا لَا قَالَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ عَلَيَّ دَيْنُهُ يَا رَسُولَ اللهِ فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ مَعْنَاهُ وَقَالَ فَكَّ اللهُ رِهَانَكَ مِنَ النَّارِ كَمَا فَكَكْتَ رِهَانَ أَخِيكَ الْمُسْلِمِ لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَقْضِي عَنْ أَخِيهِ دَيْنَهُ إِلَّا فَكَّ اللهُ رِهَانَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا تا کہ آپ ﷺ اس کی نماز پڑھیں، آپ ﷺ نے (جنازہ لانے والوں سے) دریافت فرمایا کہ "کیا تمہارے اس ساتھی پر قرض بھی ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں" آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ "کیا یہ شخص اپنے قرض (کی ادائیگی) کے بقدر (مال) چھوڑ گیا ہے؟ جواب دیا گیا کہ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا "تو پھر تم لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھ لو (میں نہیں پڑھوں گا) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (یہ سن کر) کہا کہ "یا رسول اللہ: اس کے قرض کی دائیگی میں اپنے ذمہ لیتا ہوں"۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور اس کی نماز جنازہ پڑھی"۔ ایک اور روایت میں جو اسی مضمون کی منقول ہے (مگر اس کے الفاظ اس سے مختلف ہیں) یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں کہ "آنحضرت ﷺ نے (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری جان کو دوزخ کی آگ سے اسی طرح نجات دے جس طرح تم نے اپنے ایک مسلمان بھائی کی جان کو (قرض کے بوجھ سے) نجات دی" (یاد رکھو) جو بھی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کا قرض ادا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جان کو نجات دے گا"۔ (شرح السنہ)

توضیح: "فك الله" نصر ینصر چھڑانے کو کہتے ہیں "الرهان" انسان کے جسم اور گردن کو کہتے ہیں۔[5] رھان رھین ومرھون مقید ومحبوس کے معنی میں ہیں مطلب یہ کہ تم نے جو اپنے بھائی کی جان کو لوگوں کے قرضوں سے چھڑا دیا

[1] المرقات: ۶/۱۲۷ [2] المرقات: ۶/۱۲۷ [3] المرقات: ۶/۱۲۷ [4] المرقات: ۶/۱۲۹ [5] المرقات: ۶/۱۲۹

اسی طرح اللہ تیری جان کو دوزخ کی آگ سے چھڑا دے یہ جزا بمثل ما عمل کے قبیل کی دعاء ہے۔

﴿۲۱﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ بَرِيْئٌ مِنَ الْكِبْرِ وَالْغُلُوْلِ وَالدَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اس حالت میں مرے کہ وہ تکبر، خیانت، اور قرض سے پاک ہو تو وہ (مقبول بندوں کے ساتھ) جنت میں داخل ہوگا''۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

مدیون ہو کر مرنا گناہ ہے

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَعْظَمَ الذُّنُوْبِ عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ يَلْقَاهُ بِهَا عَبْدٌ بَعْدَ الْكَبَائِرِ الَّتِيْ نَهَى اللّٰهُ عَنْهَا أَنْ يَمُوْتَ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ لَا يَدَعُ لَهُ قَضَاءً۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کبیرہ گناہ کہ جن سے اللہ نے منع فرمایا ہے اللہ کے نزدیک ان کے بعد عظیم ترین گناہ کہ جس کا مرتکب ہو کر بندہ خدا سے ملے یہ ہے کہ کوئی شخص اس حالت میں مرے کہ اس پر قرض کا بوجھ ہو اور اس نے اپنے پیچھے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہو جائے''۔ (احمد، ابوداود)

توضیح: فضولیات اور خواہشات کی تکمیل کے لئے جو آدمی قرض لیتا ہے اور پھر اس کی ادائیگی کا خیال نہیں رکھتا ہے اور مر جاتا ہے اور قرض اتارنے کے لئے کچھ مال بھی نہیں چھوڑتا تو ایسی صورت میں یہ شخص بڑا گناہ گار ہے کیونکہ اس نے لوگوں کا مال ضائع کر دیا مجبوری کے عالم میں جو قرض لیا جاتا ہے وہ الگ صورت ہے۔

نیز بعد الکبائر سے مراد وہ بڑے گناہ ہیں جو بڑے ہونے میں مشہور ہیں یعنی شرک اور زنا وغیرہ تو ایسے مشہور گناہوں کے بعد جو گناہ ہوتے ہیں ان گناہوں میں قرض کا بڑا گناہ شمار ہوگا مطلقاً بڑا نہیں۔[۳]

حرام چیزوں پر صلح ناجائز ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِلَّا صُلْحاً حَرَّمَ حَلَالاً أَوْ أَحَلَّ حَرَاماً وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى شُرُوْطِهِمْ إِلَّا شَرْطاً حَرَّمَ

---

[۱] اخرجه الترمذی: ۴/۱۳۸ وابن ماجه: ۲/۸۰۶ والدارمی [۲] اخرجه احمد: ۴/۳۹۲ وابوداود: ۳/۲۴۴ [۳] المرقات: ۶/۱۳۰

حَلَالاً أَوْ أَحَلَّ حَرَاماً ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجه وَأَبُوْدَاوُدَ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهُ عِنْدَ قَوْلِهِ عَلَى شُرُوطِهِمْ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن عوف مزنی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے ہاں وہ صلح جائز نہیں ہے جو حلال چیز کو حرام یا حرام چیز کو حلال کردے اور مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں (یعنی مسلمان صلح و جنگ یا ان کے علاوہ دوسرے معاملات میں آپس میں جو شرطیں یعنی عہد و پیمان کرتے ہیں ان کی پاسداری و پابندی ضروری ہے) ہاں اس شرط کی پابندی جائز نہیں ہے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کردے''۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداود) ابوداود نے اس روایت کو لفظ **علی شروطهم** تک نقل کیا ہے۔

توضیح: ''الا صلحاً'' یعنی ہر صلح اسلام میں جائز ہے مگر وہ صلح ناجائز ہے جو کسی حلال چیز کے حرام کرنے پر ہو جائے مثلاً دو بیویوں میں جھگڑا ہے اور شوہر نے اس پر صلح کرالی کہ ایک بیوی سے جماع نہیں کروں گا اسی طرح وہ صلح بھی ناجائز ہے جو کسی حرام چیز کے حلال کرنے پر ہو جائے مثلاً کوئی شخص اس بات پر صلح کرتا ہے کہ میں شراب پیوؤں گا یا سور کا گوشت کھاؤں گا یہ صلح ناجائز ہے۔ [۲]

''**الا شرطاً**'' یعنی مسلمانوں کے آپس میں اس طرح شرط رکھنا منع ہے جس سے کسی حلال چیز کا حرام کرنا لازم آتا ہو جیسے شوہر اپنی بیوی کے ساتھ یہ شرط لگالے کہ تم راضی رہو اس شرط پر کہ میں اپنے بھائی سے بات نہیں کروں گا۔ [۳]

'' **أو أحلّ حراماً** '' مثلاً شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تم راضی رہو اس شرط پر کہ میں شراب پیوؤں گا داڑھی منڈواؤں گا رقص و سرود کا انتظام کروں گا۔ [۴]

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ افلاس اور ابواب بیوع کے ساتھ اس حدیث کا کیا تعلق ہے اگر تعلق نہیں تو اس کو یہاں کیوں ذکر کیا؟

جواب: جب آدمی بیوعات میں لگتا ہے تو اس میں تنازعات اٹھتے ہیں اور تنازعات کے وقت صلح کی ضرورت پڑتی ہے شاید اس لئے اس کا ذکر یہاں آگیا، نیز آدمی جب مفلس اور دیوالیہ بن جاتا ہے تو اکثر صلح اور شرائط کی نوبت آتی ہے لہٰذا اس حدیث کا تعلق اسی صلح سے ہے۔ [۵]

الفصل الثالث

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار خریدی اور اسے پسند فرمایا

﴿۲۴﴾ عن سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ جَلَبْتُ أَنَا وَمَخْرَفَةُ الْعَبْدِيُّ بَزًّا مِنْ هَجَرَ فَأَتَيْنَا بِهِ مَكَّةَ فَجَاءَنَا

[۱] اخرجه الترمذی: ۳/۶۳۴ وابوداؤد [۲] المرقات: ۶/۱۳۱ [۳] المرقات: ۶/۱۳۱ [۴] المرقات: ۶/۱۳۱

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْشِیْ فَسَاوَمَنَا بِسَرَاوِیْلَ فَبِعْنَاہُ وَثَمَّ رَجُلٌ یَزِنُ بِالْأَجْرِ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زِنْ وَأَرْجِحْ۔

(رَوَاہُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالدَّارِمِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ)[۱]

ترجمہ: حضرت سوید ابن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور مخرفہ عبدی نے مقام ہجر سے (جو مدینہ کے قریب واقع ہے) بیچنے کے لئے کپڑا لیا اور اسے لیکر مکہ میں آئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم بیچنے کے لئے کپڑا لے کر مکہ آئے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم) بہ نفس نفیس چل کر (بغیر سواری کے) ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم سے ایک پائجامہ خریدا چنانچہ جب ہم نے وہ پائجامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کہ جو اس جگہ اجرت پر لوگوں کے اسباب تولا کرتا تھا فرمایا کہ تم (میرے چاندی کے یہ ٹکڑے) تول دو (تا کہ میں یہ ٹکڑے اس پائجامہ کی قیمت کے طور پر دیدوں) اور (جتنے ٹکڑوں کی بات طے ہوئی ہے اس سے) کچھ زیادہ ہی تول دینا"۔ (احمد، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح: "**بزا**" شارحین نے اس لفظ کا ترجمہ ثیاب اور کپڑے سے کیا ہے اگر چہ "**بز**" ریشم کو بھی کہتے ہیں امام محمد نے فرمایا کہ کوفہ والوں کی لغت میں بز سوت اور کتان کے کپڑوں کو کہتے ہیں[۲] "**ھجر**" مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے[۳] "**بسراویل**" شلوار اور پائجامہ کو سراویل کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع تھی کہ خود پیدل بازار آئے اور شلوار کا سودا کیا پھر آپ کی فیاضی تھی کہ آپ نے اصل قیمت سے کچھ زیادہ دیا کیونکہ آپ نے چاندی وزن کرنے والے سے فرمایا کہ راجح یعنی وزن میں ترازو کا وہ پلڑا جھکا دو جس میں قیمت کی چاندی رکھی ہوئی ہے تا کہ قیمت میں اضافہ ہو جائے۔ علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سراویل پہننے نہ پہننے میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت کا شلوار پہننا ثابت نہیں البتہ خریدنا ثابت ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر بات یہی ہے کہ آنحضرت نے شلوار پہن لیا ہے اور اس وقت لوگ پہنتے تھے، بہر حال شلوار اور قمیض موجودہ زمانہ کے تمام لباسوں میں باپردہ بھی ہے اور استعمال میں آسان بھی ہے اور انسان کے تمام احوال کے ساتھ موافق بھی ہے خواہ اٹھنا بیٹھنا ہو خواہ چڑھنا اترنا یا دوڑنا ہو۔[۴]

﴿۲۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ لِیْ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَیْنٌ فَقَضَانِیْ وَزَادَنِیْ۔

(رَوَاہُ أَبُوْدَاوُدَ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا کچھ قرض تھا چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ قرض واپس کیا تو مجھے کچھ زیادہ دیا"۔ (ابوداود)

[۱] اخرجہ احمد: ۴/۳۵۲ و ابوداؤد: ۳/۲۴۲ [۲] المرقات: ۶/۱۳۱ [۳] المرقات: ۶/۱۳۱
[۴] المرقات: ۶/۱۳۱، ۱۳۲ [۵] اخرجہ ابوداؤد: ۳/۲۴۵

"وزادنی" اگر کوئی شخص کسی کا قرض ادا کر دیتا ہے اور کچھ زیادہ دیتا ہے تو یہ جائز ہے یہ سود کے زمرہ میں نہیں آتا ہے کیونکہ یہ محض احسان ہے کسی نے کوئی شرط نہیں لگائی سُود اس وقت بنتا ہے کہ دائن مدیون سے زیادہ لینے کی شرط لگا دے اور طے کرے کہ اتنا زیادہ دو گے وہ **کل قرض جر نفعا فهو ربا** میں آتا ہے۔[۱]

احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے

﴿۲۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ قَالَ اسْتَقْرَضَ مِنِّي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعِينَ أَلْفاً فَجَاءَهُ مَالٌ فَدَفَعَهُ إِلَيَّ وَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ تَعَالَى فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ إِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْأَدَاءُ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایک موقع پر) چالیس ہزار (درہم) قرض لئے تھے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بڑی مقدار میں مال آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (وہ سب مال یا اس مال میں سے میرے قرض کے بقدر) دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل وعیال اور تمہارے اموال میں برکت عطا فرمائے قرض کا بدلہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ (جب قرض مل جائے تو) شکر وثنا کی جائے اور (جلد سے جلد) اس کی ادائیگی کا انتظام کیا جائے"۔ (نسائی)

مدیون کو مہلت دینے میں ثواب ہے

﴿۲۷﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ أَخَّرَهُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کا کسی پر کوئی حق (یعنی قرضہ وغیرہ) ہو اور اس (کو وصول کرنے) میں تاخیر کرے (یعنی قرضدار کو مہلت دے) تو اسے (دی ہوئی مہلت کے) ہر دن کے بدلہ صدقہ کا ثواب ملے گا"۔ (احمد)

میراث کی تقسیم پر قرض مقدم ہے

﴿۲۸﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ الْأَطْوَلِ قَالَ مَاتَ أَخِي وَتَرَكَ ثَلَاثَمِائَةِ دِينَارٍ وَتَرَكَ وَلَداً صِغَاراً فَأَرَدْتُ أَنْ أُنْفِقَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخَاكَ مَحْبُوسٌ بِدَيْنِهِ فَاقْضِ عَنْهُ قَالَ فَذَهَبْتُ فَقَضَيْتُ عَنْهُ ثُمَّ جِئْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ قَضَيْتُ عَنْهُ وَلَمْ تَبْقَ إِلَّا امْرَأَةٌ

[۱] المرقات: ۶/۱۳۲ [۲] اخرجه النسائي: ۷/۳۱۴ [۳] اخرجه احمد: ۴/۴۴۲

تَدَّعِیْ دِیْنَارَیْنِ وَلَیْسَتْ لَهَا بَیِّنَةٌ قَالَ أَعْطِهَا فَإِنَّهَا صَادِقَةٌ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سعد ابن اطول رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میرا بھائی مرا تو اس نے تین سو دینار اور چھوٹے چھوٹے لڑکے چھوڑے تھے، چنانچہ میں نے چاہا کہ ان تین سو دیناروں کو اس کے چھوٹے بچوں پر خرچ کروں (اور اس کا قرض ادا نہ کروں) لیکن رسول کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارا بھائی اپنے قرض کی وجہ سے (عالم برزخ میں) محبوس کر دیا گیا ہے (جس کے سبب وہ وہاں کی نعمتوں اور صلحاء کی صحبت سے محروم ہے لہٰذا تم اس کا قرض ادا کر دو) حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (یہ سنتے ہی) میں (گھر) آیا اور اپنے بھائی کا قرض ادا کیا۔ پھر میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ: میں نے اپنے بھائی کا قرض ادا کر دیا ہے اب کسی کا کوئی مطالبہ باقی نہیں ہے ہاں ایک عورت باقی رہ گئی ہے جو دو دینار کا دعویٰ کر رہی ہے لیکن اس کا کوئی گواہ نہیں ہے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو بھی دو دینار دے وہ سچی ہے۔ (احمد)

توضیح: "فانها صادقة" ضابطہ تو یہی ہے کہ ہر آدمی کو اپنے حق کے ثابت کرنے پر گواہ قائم کرنا پڑتا ہے لیکن اگر قاضی اور حاکم اپنی معلومات کی بنیاد پر فیصلہ صادر کر دے تو یہ بھی جائز ہے یہاں حضور اکرم ﷺ نے حضرت سعد پر دعویٰ کرنے والی عورت کے دو دینار دینے کا فیصلہ اسی بنیاد پر فرمایا ہے یا آنحضرت کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ عورت سچ کہتی ہے اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ لوگوں کا قرض مقدم ہے اور تقسیم میراث بعد میں ہے اگر کچھ مال باقی رہ گیا تو تقسیم کرلے ورنہ ورثہ کا حق نہیں رہتا۔[2]

﴿۲۹﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ كُنَّا جُلُوساً بِفِنَاءِ الْمَسْجِدِ حَيْثُ يُوضَعُ الْجَنَائِزُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنَا فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَهُ قِبَلَ السَّمَاءِ فَنَظَرَ ثُمَّ طَأْطَأَ بَصَرَهُ وَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى جَبْهَتِهِ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ سُبْحَانَ اللهِ مَاذَا نَزَلَ مِنَ التَّشْدِيدِ قَالَ فَسَكَتْنَا يَوْمَنَا وَلَيْلَتَنَا فَلَمْ نَرَ إِلَّا خَيْراً حَتّٰى أَصْبَحْنَا قَالَ مُحَمَّدٌ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا التَّشْدِيدُ الَّذِي نَزَلَ قَالَ فِي الدَّيْنِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ رَجُلاً قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ عَاشَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يُقْضٰى دَيْنُهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ نَحْوَهُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت محمد ابن عبد اللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ مسجد نبوی کے قریب اس صحن میں بیٹھے ہوئے تھے جہاں جنازے لا کر رکھے جاتے تھے، ہمارے درمیان رسول کریم ﷺ بھی تشریف فرما تھے اچانک آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور ادھر دیکھا پھر اپنی نظر جھکالی اور اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ کر (انتہائی تعجب کے عالم میں) فرمایا کہ

[1] اخرجه احمد: ۴/۱۳۶ [2] المرقات: ۶/۱۳۳ [3] اخرجه احمد: ۵/۲۸۹

''سبحان اللہ: سبحان اللہ: کس قدر سختی نازل ہوئی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ''ہم خاموش رہے (یعنی ہم نے آپ ﷺ سے کوئی سوال نہیں کیا) یہاں تک کہ وہ پورا دن گذرا، پوری رات گذری اور ہمیں اچھائی کے علاوہ کوئی سخت بات نظر نہیں آئی (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے اس ارشاد سے یہ سمجھے کہ شاید اسی وقت کوئی عذاب نازل ہونے والا ہے یا کوئی سخت مصیبت آنے والی ہے مگر وہ پورا دن گذر گیا پوری رات گزر گئی نہ کوئی عذاب نازل ہوا اور نہ کوئی سخت مصیبت پیش آئی) تا آنکہ صبح ہوگئی۔ حدیث کے راوی محمد ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''اس کے بعد میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ وہ کیا سختی ہے جو نازل ہوئی ہے'' (اور جس کا اظہار آپ ﷺ نے اتنے تعجب کے ساتھ کل فرمایا تھا) آپ ﷺ نے فرمایا ''دین (یعنی قرض وغیرہ) کے بارے میں وہ سختی نازل ہوئی ہے قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کرتے ہوئے) مارا جائے اور پھر زندہ ہو پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے اور پھر زندہ ہو پھر اللہ کی راہ میں مارا جائے اور پھر زندہ ہو اور اس پر قرض ہو تو وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگا جب تک کہ اس کا قرض ادا نہ کر دیا جائے (یعنی اگر کوئی قرضدار بار بار بھی اللہ کی راہ میں مارا جائے تو یہ بار بار کی شہادت بھی اس کے قرض کا کفارہ نہیں ہوسکتی) اس روایت کو امام احمد نے نقل کیا ہے نیز شرح السنہ میں بھی اسی طرح کی حدیث منقول ہے۔ (جس کا مضمون تو یہی ہے مگر الفاظ دوسرے ہیں)

توضیح: "**طأطأ**" یعنی آسمان کی طرف دیکھنے کے بعد آپ ﷺ نے نظر جھکالی اور تعجب سے پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"**قال محمد**" یعنی اس کے راوی محمد بن عبداللہ صحابی نے آنحضرت سے پوچھا۔[۱]

"**ثم عاش**" یعنی ایک آدمی خواہ بار بار شہید ہوجائے پھر بھی قرض معاف نہیں ہوتا قرض کی معافی کے لئے قرض ادا کرنا پڑتا ہے اگرچہ شہادت بہت اونچا درجہ ہے۔[۲]

[۱] المرقات: ۶/۱۳۴ [۲] المرقات: ۶/۱۳۴، ۱۳۵

مورخہ ۳ رجب / ۱۰ رجب / ۱۴۱۰ھ

باب الشركة والوكالة

شرکت اور وکالت کا بیانِ

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وان كثيراً من الخلطاء ليبغي بعضهم على بعض﴾ [۱]

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿فابعثوا احدكم بورقكم هذه الى المدينة﴾ [۲]

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿فهم شركاء في الثلث﴾ [۳]

شرکت لغت میں ملانے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں دو آدمیوں کے درمیان اس عقد اور معاملہ کو شرکت کہتے ہیں جس میں دونوں اصل اور نفع میں شریک ہوں۔

شرکت کی دو قسمیں ہیں:

① شرکت ملک ② شرکت عقد۔ اول قسم یعنی شرکت ملک وہ ہے کہ دو یا زیادہ آدمی بذریعہ خرید و فروخت یا بذریعہ ہبہ یا میراث کسی مال کے مالک ہوجائیں یا مشترکہ طور پر دو آدمی کسی شکار کو حاصل کرلیں اور وہ شکار کے مالک ہوجائیں یا دو آدمیوں کا ایک ہی جنس کا الگ الگ مال ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہوکر مل جائے کہ دونوں میں امتیاز کرنا ممکن نہ ہو مثلاً ایک شخص کا دودھ دوسرے شخص کے دودھ کے ساتھ مل گیا یہ سب شرکت ملک کی صورتیں ہیں۔
اس شرکت کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر دونوں کے اموال میں امتیاز ہے تو یہ دونوں شریک ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں یعنی ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر اپنی ملکیت میں تصرف کرسکتا ہے لیکن جہاں امتیاز نہ ہو جس طرح مذکورہ دودھ والی صورت ہے تو اس صورت میں کوئی ساتھی دوسرے ساتھی کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا ہے دونوں کی اجازت ضروری ہے دوسری قسم یعنی شرکت عقد وہ ہے کہ شرکاء ایجاب و قبول کے ذریعہ سے اپنے اموال اور اپنے حقوق ایک دوسرے کے ساتھ ملادیں مثلاً ایک ساتھی کہدے کہ میں نے اپنا فلاں فلاں مال اور فلاں فلاں حقوق تیرے ساتھ شریک کرلئے دوسرا ساتھی کہدے کہ میں نے اس کو قبول کرلیا اور میں نے بھی اپنا مال اور حقوق تیرے ساتھ شریک کردیئے اس شرکت میں منافی شرکت کوئی بھی شرط عائد کرنا اس عقد کو فاسد کردیتی ہے، لہٰذا اس قسم کی شرط لگانا کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔
شرکت عقد کی چار قسمیں ہیں ① **شرکت مفاوضہ** ② **شرکت عنان** ③ **شرکت صنائع والتقبل** ④ **شرکۃ الوجوہ**۔ ہر ایک کی تعریف اور حکم فقہ کی کتابوں میں دیکھنا چاہئے۔

---

[۱] سورۃ ص ۲۴ [۲] سورۃ الکہف ۱۹ [۳] سورۃ النساء ۱۱

"الوکالة" اپنے حقوق و اموال کے تصرف میں کسی دوسرے کو اپنا قائمقام بنانے کا نام وکالت ہے وکالت کے تفصیلی مسائل کو فقہ میں دیکھنا چاہئے۔

الفصل الاول

دُعا کا بڑا اثر ہوتا ہے

﴿۱﴾ عَنْ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ أَنَّهُ كَانَ يَخْرُجُ بِهِ جَدُّهُ عَبْدُاللهِ بْنُ هِشَامٍ إِلَى السُّوقِ فَيَشْتَرِي الطَّعَامَ فَيَلْقَاهُ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ الزُّبَيْرِ فَيَقُولَانِ لَهُ أَشْرِكْنَا فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَالَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيُشْرِكُهُمْ فَرُبَّمَا أَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعَثُ بِهَا إِلَى الْمَنْزِلِ وَكَانَ عَبْدُاللهِ بْنُ هِشَامٍ ذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَالَهُ بِالْبَرَكَةِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت زہرہ ابن معبد رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو ان کے دادا حضرت عبداللہ ابن ہشام رضی اللہ عنہ بازار لے جایا کرتے تھے جہاں وہ غلہ خریدا کرتے تھے چنانچہ (جب وہ غلہ خرید لیتے تو) وہاں ان کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ ملتے اور وہ دونوں ان سے کہتے کہ ہم کو اپنا شریک بنالو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے لئے برکت کی دعا کی ہے (حضرت زہرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ) میرے دادا ان کو شریک کرلیا کرتے تھے اور (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تھی کہ) ان کو بلا کسی نقصان وخسارہ کے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ کا فائدہ ہوتا تھا جسے اپنے گھر بھیجد یا کرتے تھے۔ اور (ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا واقعہ یہ ہے کہ) حضرت عبداللہ ابن ہشام رضی اللہ عنہ کی والدہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے لئے برکت کی دعا کی"۔ (بخاری)

توضیح: "اصاب الراحلة" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے زہرہ بن معبد کا دادا عبداللہ بن ہشام کو بسا اوقات نفع میں ایک اونٹ کے بھرپور بوجھ کے برابر غلہ ملتا وہ اسے حاصل کر کے گھر بھجوا دیتا تھا یہ حضور اکرم کی دعا کی برکت تھی کیونکہ ان کی والدہ بچپن میں عبداللہ بن ہشام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی تھی اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقود اور اموال تجارت میں شرکت جائز ہے۔[2]

انصار کے اموال میں مہاجرین کی شرکت

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَتِ الْأَنْصَارُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْسِمْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ

[1] اخرجه البخاری: ۳/۱۸۴ [2] المرقات: ۶/۱۳۶

إِخْوَانِنَا النَّخِيلَ قَالَ لَا. تَكْفُونَنَا الْمَؤُونَةَ وَنُشْرِكُكُمْ فِي الثَّمَرَةِ قَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (جب مکہ سے مہاجرین مدینہ آئے تو) انصار (یعنی مدینہ کے لوگوں) نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے کھجوروں کے درختوں کو ہمارے اور مہاجرین کے درمیان تقسیم فرما دیجئے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں درختوں کو تقسیم نہیں کروں گا تم ہی لوگ ہماری (یعنی مہاجرین کی) طرف سے محنت کرلیا کرو ہم پیداوار میں تمہارے شریک رہیں گے۔ انصار نے کہا کہ ''ہم آپ ﷺ کی اس بات کو بسر وچشم قبول کرتے ہیں۔ (بخاری)

توضیح: ''الانصار'' مکہ مکرمہ سے جن صحابہ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی ان کو مہاجرین کہا جاتا ہے اور مدینہ میں جن مسلمانوں نے ان کی مدد کی تھی ان کو انصار کہا جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات بھائی چارہ قائم فرمایا تھا اس طرح مہاجرین انصار کے اموال میں شریک ہو گئے تھے انصار نے بڑی جانثاری سے مہاجرین کا استقبال کیا اسی موقع پر انصار نے یہ پیشکش کی کہ ہماری زمینوں کو بطور ملکیت مہاجرین پر تقسیم کیا جائے تاکہ ہم اپنا حصہ اور مہاجرین اپنا حصہ سنبھال لیں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ تم محنت ومشقت کرو اور جب غلہ تیار ہو جائے تو ہمیں تیار غلہ دیا کرو اس فیصلہ میں دو حکمتیں تھیں اول یہ کہ مہاجرین نے مکہ مکرمہ کو اس لئے نہیں چھوڑا تھا کہ وہ جا کر مدینہ میں کھیتی باڑی شروع کریں بلکہ انہوں نے جہاد کرنے کے لئے ہجرت فرمائی تھی اور ہجرت بھاگنے کا نام نہیں بلکہ پلٹ کر دشمن پر حملہ کرنے کا نام ہے حضور اکرم کے پیش نظر یہ تھا کہ مہاجرین مکمل طور پر جہاد کے لئے فارغ رہیں اگر ان پر زمینیں تقسیم فرماتے تو وہ جہاد سے رہ جاتے دوسری حکمت یہ تھی کہ نبی مکرم ﷺ نے صرف منافع کی تقسیم فرمائی تاکہ اصل جائداد اور اصل باغات انصار کی ملکیت سے خارج نہ ہوں اگر تقسیم ہوتی تو انصار کی زمینیں اور درخت مہاجرین کی ملکیت میں آجاتیں سبحان اللہ نبوت کا نور کتنا تیز ہوتا ہے۔[2]

''قال ''لا''ای لا اقسمها بینکم وبینهم، یہ الگ کلمہ ہے اور تکفوننا الگ صیغہ جو خبر بمعنی امر ہے یعنی تم ہمارے لئے کافی ہو جاؤ۔ ''المؤنۃ'' محنت ومشقت کو کہتے ہیں۔[3]

تجارتی معاملات میں وکالت جائز ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ الْبَارِقِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِيْنَاراً لِيَشْتَرِيَ لَهُ شَاةً فَاشْتَرٰى لَهُ شَاتَيْنِ فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِيْنَارٍ وَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِيْنَارٍ فَدَعَا لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْعِهِ بِالْبَرَكَةِ فَكَانَ لَوِ اشْتَرٰى تُرَاباً لَرَبِحَ فِيْهِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

[1] اخرجه البخاري: ۳/۱۳۶ [2] المرقات: ۶/۱۳۶، ۱۳۷ [3] المرقات: ۶/۱۳۶ [4] اخرجه البخاري: ۴/۲۵۲

ترجمہ: اور حضرت عروہ ابن ابی الجعد بارقی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں ایک دینار دیا تا کہ وہ آپ ﷺ کے لئے ایک بکری خرید لائیں، چنانچہ انہوں نے ایک دینار میں دو بکریاں خرید لیں اور پھر ان میں سے ایک بکری کو ایک دینار کے عوض (کسی کے ہاتھ) بیچ دیا، اس طرح انہوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک بکری دی اور ایک دینار بھی دیا۔ رسول کریم ﷺ نے (ان کی اس ذہانت سے خوش ہو کر) ان کے خرید و فروخت کے معاملات میں برکت کی دعا فرمائی جس کا اثر یہ ہوا کہ اگر وہ مٹی خرید لیتے تو اس میں بھی انہیں فائدہ ہوتا"۔ (بخاری)

توضیح: اس حدیث سے ایک یہ بات معلوم ہوئی کہ تجارتی معاملات میں وکالت جائز ہے اسی طرح ہر وہ معاملہ جس میں نیابت چلتی ہو وہاں وکالت بھی جائز ہے اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی شخص کسی کا مال منافع کی غرض سے بیچ دے تو بیع منعقد ہو جائے گی یعنی فضولی کی بیع جائز ہے البتہ مالک کی اجازت تک فضولی کی بیع موقوف رہیگی یہ احناف کا مسلک ہے اور مذکورہ حدیث ان کی دلیل ہے لیکن شوافع حضرات کے نزدیک اس طرح تصرف کر کے بیع کرنے سے بیع صحیح نہیں ہوتی ہے اگر چہ بعد میں مالک اجازت بھی دیدے۔ بہر حال حضور اکرم ﷺ نے اس صحابی کے حق میں برکت کی دعا فرمائی تو ان کو مٹی میں بھی فائدہ ملتا تھا۔[1]

الفصل الثانی

دیانت دار شرکاء کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے

﴿۴﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ قَالَ إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَالَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا۔ (رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَزَادَ رَزِينٌ وَجَاءَ الشَّيْطَانُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میں دو شریکوں کے درمیان ایک تیسرا (نگہبان) ہوں جب تک کہ ان میں سے کوئی اپنے دوسرے شریک کے ساتھ خیانت نہیں کرتا، اور جب وہ خیانت و بد دیانتی پر اتر آتے ہیں تو میں ان کے درمیان سے ہٹ جاتا ہوں۔ (ابوداود) اور رزین رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "اور پھر ان کے درمیان شیطان آ جاتا ہے"۔

توضیح: "انا ثالث" یعنی تجارت میں جب تک شرکاء دیانت و امانت سے کام کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان شرکاء کے اموال اور اس کے منافع محفوظ رہتے ہیں کوئی آفت و تباہی اس پر نہیں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس مال میں برکت ڈالتا ہے لیکن جب شرکاء میں خیانت اور دھوکہ دہی اور بد دیانتی شروع ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا سایہ ہٹ جاتا ہے اور درمیان میں شیطان آ جاتا ہے پھر اموال میں نقصان و تباہی شروع ہو جاتی ہے۔

[1] المرقات: ۶/۱۳۷　[2] اخرجه ابوداؤد: ۳/۲۵۳

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک شریک دوسرے شریک کی خیرخواہی میں لگا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ بندہ جب تک اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے تب تک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہتا ہے۔[1]

ہر حالت میں خیانت سے بچو

﴿۵﴾ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے تمہیں امین بنایا ہے اس کی امانت اس تک پہنچا دو اور جو شخص تمہارے ساتھ خیانت کرے تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو''۔
(ترمذی، ابوداود، دارمی)

خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وکیل

﴿۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَرَدْتُ الْخُرُوْجَ إِلَى خَيْبَرَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ إِنِّيْ أَرَدْتُ الْخُرُوْجَ إِلَى خَيْبَرَ فَقَالَ إِذَا أَتَيْتَ وَكِيْلِيْ فَخُذْ مِنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَسْقًا فَإِنِ ابْتَغَى مِنْكَ آيَةً فَضَعْ يَدَكَ عَلَى تَرْقُوَتِهِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے خیبر جانے کا ارادہ کیا تو (رخصت ہونے کے ارادہ سے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور عرض کیا کہ میں نے خیبر جانے کا ارادہ کر لیا ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم خیبر میں میرے وکیل کے پاس جاؤ تو اس سے پندرہ وسق (کھجوریں) لے لینا اگر وہ تم سے کوئی نشانی مانگے تو اپنا ہاتھ اس کے حلق پر رکھ دینا''۔ (ابوداود)

توضیح: ''ترقوته'' یعنی اپنا ہاتھ اس کے حلق اور ہنسلی کی ہڈی پر رکھ دو وہ سمجھ جائے گا کہ تم واقعی اس کے مؤکل یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آئے ہو پرانے زمانے میں قاصد کی تصدیق کے لئے لوگ اپنی خاص چیز مثلاً چادر انگوٹھی ٹوپی تسبیح وغیرہ دیا کرتے تھے تاکہ اس قاصد کی تصدیق ہو جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وکیل سے پہلے کہا ہوا تھا کہ تیرے اور میرے درمیان یہ نشانی ہے کہ جس قاصد نے تیری ہنسلی کی ہڈی پر ہاتھ رکھا وہ میری طرف سے بھیجا ہوا ہوگا اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاصد کو اسی طرح معاملہ کی ترتیب بتائی ہے۔[4]

[1] المرقات: ۶/۱۳۸ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۵۶۴ وابوداؤد: ۳/۲۸۸ [3] اخرجه ابوداؤد: ۳/۳۱۳ [4] المرقات: ۶/۱۳۹

الفصل الثالث

شرکت مضاربت کا ثبوت اور برکت

﴿۷﴾ عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ فِيهِنَّ الْبَرَكَةُ الْبَيْعُ إِلَى أَجَلٍ وَالْمُقَارَضَةُ وَإِخْلَاطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيْرِ لِلْبَيْتِ لَا لِلْبَيْعِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تین چیزیں ایسی ہیں جن میں برکت (یعنی بہت زیادہ خیر و بھلائی) حاصل ہوتی ہے ① وعدہ پر بیچنا یعنی خریدار کو ادائیگی قیمت میں مہلت دینا ② مضاربت ③ گیہوں میں جو ملانا گھر کے خرچ کے لئے جائز ہے بیچنے کے لئے نہیں"۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "ثلاث" ای خصال ثلاث "البیع الی اجل" یعنی مشتری کو ثمن ادا کرنے میں مہلت دینا تاکہ وہ آسانی سے پیسہ ادا کر سکے "المقارضۃ" مضاربت کو مقارضہ کہا گیا ہے اس حدیث سے شرکت مضاربت ثابت ہوئی اور اس کی برکت کا ثبوت بھی مل گیا مضاربت میں مال ایک شخص کا ہوتا ہے اور محنت دوسرے شخص کی ہوتی ہے اور دونوں میں منافع مشترک رہتے ہیں آج کل پاکستانی بینکوں میں سودی کاروبار جاری ہے جو ملک کے لئے تباہی ہے اگر اس کی جگہ مضاربت ہوتی کہ نفع و نقصان میں دونوں شریک ہوں تو اس میں ثواب و برکت بھی ہوتی اور سود کی لعنت سے ملک بھی آزاد ہو جاتا۔[2]

"اخلاط البر" یعنی گندم کے ساتھ جو ملا دینا اسمیں برکت ہے جو سستا ہوتا ہے گندم کا آٹا اس طرح زیادہ دیر تک چلتا رہیگا ہاں یہ صورت گھروں میں استعمال کے لئے ہے خرید و فروخت میں اس طرح ملاوٹ کرنا باعث لعنت ہے کیونکہ اس میں خیانت ہے۔[3]

تجارت میں برکت کا ایک واقعہ

﴿۸﴾ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مَعَهُ بِدِيْنَارٍ لِيَشْتَرِيَ لَهُ بِهِ أُضْحِيَّةً فَاشْتَرَى كَبْشًا بِدِيْنَارٍ وَبَاعَهُ بِدِيْنَارَيْنِ فَرَجَعَ فَاشْتَرَى أُضْحِيَّةً بِدِيْنَارٍ فَجَاءَ بِهَا وَبِالدِّيْنَارِ الَّذِيْ اسْتَفْضَلَ مِنَ الْأُخْرَى فَتَصَدَّقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالدِّيْنَارِ فَدَعَا لَهُ أَنْ يُبَارِكَ لَهُ فِيْ تِجَارَتِهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[4]

ترجمہ: اور حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں ایک دینار دیکر بھیجا تاکہ وہ اس دینار سے آپ ﷺ کے لئے قربانی کا جانور خرید لیں۔ چنانچہ انہوں نے اس دینار کے عوض ایک مینڈھا یا دنبہ خریدا اور پھر

[1] اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۷۶۸ [2] المرقات: ۶/۱۳۹، ۱۴۰ [3] المرقات: ۶/۱۴۰ [4] اخرجہ الترمذی: ۳/۵۵۸ وابوداؤد: ۳/۲۵۴

اسے دو دینار میں بیچ دیا، اس سے فارغ ہو کر انہوں نے قربانی کا جانور ایک دینار میں خریدا اور اس جانور کے ساتھ وہ دینار بھی لا کر آنحضرت ﷺ کو دیدیا جو (پہلے خریدے گئے جانور کی وصول شدہ قیمت میں سے) بچ گیا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس دینار کو تو صدقہ کر دیا اور حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا فرمائی کہ خدا ان کی تجارت میں برکت عطا فرمائے''۔

(ترمذی، ابوداود)

توضیح: "بدینار" اس صحابی کی ہوشیاری اور عقلمندی کو دیکھیں اور ان کی تجارتی مہارت کو دیکھیں کہ حضور اکرم ﷺ نے قربانی کا جانور خریدنے کے لئے ان کو ایک دینار دیدیا تو اس نے ایک دینار کے بدلے دنبہ خریدا اور پھر اسی منڈی میں اس کو دو دینار پر فروخت کر دیا اور پھر ایک دینار کے بدلے دوسرا دنبہ خرید کر لایا اور ایک دینار بچا کر آیا حضور اکرم ﷺ نے ان کے لئے تجارت میں برکت کی دعا فرمائی اور اس دینار کے صدقہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ یہ نفع ایک ایسے جانور کے واسطہ سے ہوا تھا جو قربانی کے لئے خریدا گیا تھا اور قربانی کے جانور کے تمام منافع بھی صدقہ میں شامل ہوتے ہیں اس کے برعکس اس سے پہلے حدیث نمبر ۳ میں بھی اسی طرح واقعہ پیش آیا ہے وہاں نبی مکرم ﷺ نے دینار کو خود لے لیا کیونکہ وہاں قربانی کی صورت نہیں تھی اسی مقام سے فقہاء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ قربانی کے جانور کے منافع صدقہ کر دیئے جائیں گے اس حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ تجارت میں برکت ہوتی ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ فضولی کا عقد صحیح ہو جاتا ہے ہاں مالک کی اجازت پر موقوف ہے شوافع فضولی کی بیع کو ناجائز کہتے ہیں تفصیل گذر چکی ہے۔[1]

[1] المرقات: ۶/۱۴۰

باب الغصب والعارية

غصب اور عاریت کا بیان

قال الله تعالیٰ: ﴿ولا تأكلوا اموالكم بينكم بالباطل﴾ [۱]

وقال الله تعالیٰ: ﴿فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم﴾ [۲]

وقال الله تعالیٰ: ﴿ويمنعون الماعون﴾ [۳]

"غصب" لغت میں چھیننے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں بطور ظلم وزبردستی کسی کا مال چھیننے کا نام غصب ہے اس میں چھیننے والا غاصب ہوتا ہے جس سے چھینا گیا ہو وہ مغصوب منہ ہوتا ہے اور غصب شدہ مال کو مغصوب کہتے ہیں۔

"عاریت" کے معنی ہیں مانگی گئی چیز۔ اصطلاح میں عاریت کی تعریف اس طرح ہے کسی شخص کو عوض کے بغیر اپنے مال کے منافع کا مالک بنانا عاریت کہلاتا ہے۔ علامہ تورپشتی کہتے ہیں کہ یہ لفظ عار کی طرف منسوب ہے کیونکہ اس طرح مانگنے میں عار محسوس کیا جاتا ہے۔ [۴]

الفصل الاول

غاصب کے لئے شدید وعید

﴿۱﴾ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَ شِبْراً مِنَ الْأَرْضِ ظُلْماً فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۵]

ترجمہ: حضرت سعید ابن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص (کسی کی) بالشت بھر زمین بھی از راہ ظلم لے گا قیامت کے دن ساتوں زمینوں میں سے اتنی ہی زمین اس کے گلے میں بطور طوق ڈالی جائے گی"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "سبع ارضین" یعنی سات زمینوں میں سے اتنا ہی حصہ اس غاصب کے گلے میں بطور طوق ڈالا جائے گا اس جملہ کے دو مفہوم ہیں پہلا مفہوم یہ ہے کہ سات زمینوں میں سے بمقدار غصب کاٹ کر غاصب کے گلے میں طوق کر دیا جائے گا۔

---

[۱] سورۃ بقرہ ۱۸۸ [۲] سورۃ بقرہ ۱۹۶ [۳] سورۃ ماعون ۷

[۴] المرقات: ۶/۱۴۱ [۵] اخرجہ البخاری: ۴/۱۳۰ ومسلم: ۱/۷۰۳

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ غاصب کو غصب کردہ زمین میں ساتویں زمین نیچے تک دھنسایا جائے گا تو غصب کردہ حصہ اس شخص کے گلے کا طوق بنے گا اور اس کو جکڑ لیگا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ غاصب کو زمین اٹھانے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس حدیث سے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ غصب ایک سنگین جرم ہے اسلام امن وآشتی کا مذہب ہے اس میں ہر شخص کے مال وجان کی حفاظت ہے لہٰذا اس میں غصب کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔[1]

تھنوں میں دودھ مالک کا حق ہے

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلِبَنَّ أَحَدٌ مَاشِيَةَ امْرِئٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يُؤْتٰى مَشْرُبَتُهُ فَتُكْسَرَ خِزَانَتُهُ فَيُنْتَقَلَ طَعَامُهُ وَإِنَّمَا يَخْزُنُ لَهُمْ ضُرُوْعُ مَوَاشِيْهِمْ أَطْعِمَاتِهِمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے جانور کا دودھ اس کی اجازت (یعنی اس کے حکم ورضا) کے بغیر نہ دوہے کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرسکتا ہے کہ کوئی شخص اس کے خزانہ (یعنی اس کے غلہ کے گودام میں) آئے اور اس کا خزانہ (گودام) کھول دے یہاں تک کہ اس کا غلہ اٹھالیا جائے؟ اسی طرح (جان لو کہ) دوسروں کے جانوروں کے تھن انکی غذائی ضرورت (یعنی دودھ) کی حفاظت کرتے ہیں۔ (مسلم)

توضیح: "مشربته" میم پر فتحہ ہے را پر ضمہ بھی ہے اور فتحہ بھی جائز ہے اسٹور اور گودام کے کمرہ کو کہا جاسکتا ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں **ای غرفته وهی بیت فوقانی یوضع فیه المتاع**۔ مطلب یہ ہے کہ جانوروں کے تھن میں جو دودھ ہے یہ مالک کی ملکیت میں ہے گویا تھن بمنزلہ سٹور اور گودام یا خزانہ کے ہے مالک کی اجازت کے بغیر اس سے کچھ لینا منع ہے اگر کوئی شخص اپنے ذاتی گودام یا سٹور یا خزانہ میں کسی کو داخل ہونا پسند نہیں کرتا تو اسی طرح جانوروں کے تھنوں سے اس کا مالک دودھ نکالنا پسند نہیں کرتا ہے ہاں اگر ایک شخص مخمصہ کی حالت میں ہو تو جان بچانے کی حدتک دودھ پی لے اور پھر اس کی قیمت ادا کردے۔[3]

علماء نے لکھا ہے کہ اگر اذن دلالۃً ہو تو پھر جائز ہے جیسے بعض ریوڑوں کے مالک راستے مین گذرتے ہوئے بکریوں کے دودھ کو لوگوں کے لئے عام کردیتے ہیں اور لوگ دودھ نکالتے ہیں۔ اور اگر اجازت نہ دلالۃً ہو نہ صراحۃً ہو لیکن آدمی اضطراری حالت میں ہو تب بھی آدمی کے لئے جان بچانے کی حدتک صرف پینا جائز ہے گھر لیجانا جائز نہیں اور جو پیا اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی **یخزن** فعل ہے **ضروع** اس کا فاعل ہے اور **اطعماتهم** مفعول بہ ہے۔[4]

---

[1] المرقات: ۶/۱۳۱ [2] اخرجه مسلم: ۲/۶۶ [3] المرقات: ۶/۱۳۲ [4] المرقات: ۶/۱۳۲، ۱۳۳

کاسہ کے بدلے کاسہ ایک واقعہ

﴿۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ فَأَرْسَلَتْ إِحْدٰى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِصَحْفَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيْهَا الطَّعَامَ الَّذِيْ كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَيَقُوْلُ غَارَتْ أُمُّكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتّٰى أُتِيَ بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيْحَةَ إِلَى الَّتِيْ كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَأَمْسَكَ الْمَكْسُوْرَةَ فِيْ بَيْتِ الَّتِيْ كَسَرَتْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اورحضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ اپنی کسی زوجہ مطہرہ (یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) کے ہاں قیام فرما تھے کہ ازواج مطہرات میں سے کسی (یعنی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا یا حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور یا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے) ایک رکابی بھیجی جس میں کھانے کی کوئی چیز تھی (اسے دیکھتے ہی) ان زوجہ مطہرہ نے جن کے ہاں آپ ﷺ قیام فرما تھے خادم کے ہاتھ پر (اس طرح) مارا کہ وہ رکابی گر پڑی اور ٹوٹ گئی۔ نبی کریم ﷺ نے رکابی کے وہ (ٹوٹے ہوئے) ٹکڑے اکٹھا کئے اور پھر ان ٹکڑوں میں کھانے کی وہ چیز جمع کی جو رکابی میں تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تمہاری ماں کو غیرت آگئی تھی"۔ بہرکیف آپ ﷺ نے (کچھ دیر) خادم کو روکے رکھا یہاں تک کہ جن زوجہ مطہرہ کے گھر آپ ﷺ قیام فرما تھے (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ان کے ہاں سے (دوسری) رکابی لائی گئی اور پھر آپ ﷺ نے (اسی خادم کے ذریعہ) ان زوجہ مطہرہ کے ہاں کہ جن کی رکابی ٹوٹ گئی تھی وہ صحیح سالم رکابی بھیجدی اور وہ ٹوٹی ہوئی رکابی ان زوجہ مطہرہ کے گھر رکھ لی جنہوں نے اس رکابی کو توڑا تھا"۔ (بخاری)

توضیح: **"بعض نسائه"** اس سے مراد ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔[۲]

"يد الخادم" خادم کا لفظ غلام اور لونڈی دونوں پر بولا جاتا ہے یہاں خادم سے مراد لونڈی ہے **"صحفة"** کاسہ اور رکابی کو کہتے ہیں پہلے زمانہ میں لکڑی کے بنے ہوئے برتن ہوتے تھے۔ **"فانفلقت"** ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے کو انفلاق کہتے ہیں **"فلق"** **فلقة** کی جمع ہے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو کہا جاتا ہے[۳] **"غارت أمكم"** یہ خطاب یا تو حاضرین موجودین کو ہے یا پوری امت کو خطاب ہے تاکہ امت کے لوگوں میں سے کسی کے دل ودماغ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے کوئی کدورت پیدا نہ ہو اس لئے آنحضرت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے عذر بیان کیا کہ سوکنوں میں ایسا ہوتا ہے یہ بشری تقاضا ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس میں معذور ہے۔[۴]

---

[۱] اخرجه البخاري: ۷/۴۶ [۲] المرقات: ۶/۱۴۳
[۳] المرقات: ۶/۱۴۳ [۴] المرقات: ۶/۱۴۳، ۱۴۴

سوال: اس حدیث کا غصب یا عاریت سے کوئی تعلق نہیں پھر اس کو یہاں کیوں لایا گیا ہے؟۔

جواب: قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ دوسرے کے مال کو ضائع کر کے تباہ کرنا ایک قسم کا غصب ہے یا یہ کہا جائے کہ رکابی میں کھانا تحفہ تھا مگر خود رکابی بطور عاریت تھی۔

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ٹوٹے پیالہ کے بدلے میں ثابت پیالہ واپس کر دیا حالانکہ پیالہ ذوات القیم میں سے ہے قیمت واپس کرنا چاہئے تھا ذوات الامثال میں سے نہیں ہے۔

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہ دونوں برتن حضور اکرم ﷺ کی ملکیت میں تھے آنحضرت ﷺ نے بطور مروت ایسا کیا بطور ضمان نہیں تھا۔

دوسرا جواب: یہ کہ بعض برتن ذوات الامثال کے قبیل سے ہوتے ہیں جس طرح بعض عددیات ذوات الامثال ہوتے ہیں جیسے انڈا ہے۔[1]

کسی مسلمان کا مال لوٹنا حرام ہے

﴿۴﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهٰى عَنِ النُّهْبَةِ وَالْمُثْلَةِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن یزید رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے لوٹنے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے"۔ (بخاری)

توضیح: مال لوٹنا عام ہے خواہ مسلمان کا ہو یا کافر ذمی کا ہو سب حرام ہے "مثلہ" ہاتھ پاؤں اور کان ناک کاٹ کر جسم بگاڑنے کو کہتے ہیں یہ بھی اسلام میں منع ہے ابتدا اسلام میں اس طرح کچھ واقعات ہوئے تھے پھر ہمیشہ کے لئے اس کو حرام قرار دیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ میڈیکل کے طلبہ جو مردوں کو چرا چرا کر قبروں سے نکلواتے ہیں اور پھر اس پر تجربے کرتے ہیں سب حرام ہے انسان کو اللہ تعالیٰ نے قابل احترام بنایا ہے۔[3]

حاجیوں کا سامان چرانے والے کا حشر

﴿۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِأَرْبَعِ سَجَدَاتٍ فَانْصَرَفَ وَقَدْ آضَتِ الشَّمْسُ وَقَالَ مَامِنْ شَيْءٍ تُوْعَدُوْنَهُ اِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِيْ صَلَاتِيْ هٰذِهٖ وَلَقَدْ جِيْءَ بِالنَّارِ وَذٰلِكَ حِيْنَ رَأَيْتُمُوْنِيْ تَأَخَّرْتُ مَخَافَةَ أَنْ يُصِيْبَنِيْ مِنْ لَفْحِهَا وَحَتّٰى رَأَيْتُ فِيْهَا صَاحِبَ

[1] المرقات: ۶/۱۴۴ [2] اخرجه البخاري: ۳/۱۷۷ [3] المرقات: ۶/۱۴۴

الْمِحْجَنِ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ وَكَانَ يَسْرِقُ الْحَاجَّ بِمِحْجَنِهِ فَإِنْ فُطِنَ لَهُ قَالَ إِنَّمَا تَعَلَّقَ بِمِحْجَنِي وَإِنْ غُفِلَ عَنْهُ ذَهَبَ بِهِ وَحَتّٰى رَأَيْتُ فِيهَا صَاحِبَةَ الْهِرَّةِ الَّتِي رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خِشَاشِ الْأَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ جُوعًا ثُمَّ جِيءَ بِالْجَنَّةِ وَذٰلِكَ حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَقَدَّمْتُ حَتّٰى قُمْتُ فِي مَقَامِي وَلَقَدْ مَدَدْتُ يَدِي وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَتَنَاوَلَ مِنْ ثَمَرَتِهَا لِتَنْظُرُوا إِلَيْهِ ثُمَّ بَدَا لِي أَنْ لَا أَفْعَلَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے لوگوں کو (سورج گرہن کی) نماز چھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ پڑھائی (یعنی دو رکعتیں پڑھیں اور ہر رکعت تین تین رکوع اور دو دو سجدے کئے) اور جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو سورج پہلے کی طرح روشن ہو چکا تھا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس چیز کا (یعنی جنت اور دوزخ کا) تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ میں نے آج اپنی اس نماز میں دیکھ لی ہے چنانچہ دوزخ کو میرے سامنے پیش کیا گیا اور یہی وہ وقت تھا جب (نماز کے دوران) تم نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تھا اور اس خوف سے پیچھے ہٹ گیا تھا کہ کہیں اس کی گرمی مجھ تک نہ پہنچ جائے، میں نے (اس وقت) دوزخ میں خمدار لکڑی والے (یعنی عمرو ابن لحی) کو اس حال میں دیکھا کہ وہ اس میں اپنی انتڑیوں کو کھینچ رہا تھا، یہ شخص اپنی خمدار لکڑی کے ذریعہ حاجیوں کا سامان چرایا کرتا تھا (جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ وہ چلتے چلتے کسی کی کوئی چیز اپنی خمدار لکڑی میں الجھا لیتا تھا) اگر کوئی اس کی یہ حرکت دیکھ لیتا تو وہ کہہ دیتا کہ یہ چیز (اپنے آپ) میری لکڑی میں الجھ آئی ہے اور اگر کوئی نہ دیکھ پاتا تو وہ اس چیز کو غائب کر دیتا تھا۔ نیز میں نے اس وقت دوزخ میں اس بلی والی عورت کو بھی دیکھا جس نے ایک بلی باندھ رکھی تھی جسے نہ وہ کچھ کھلاتی تھی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ حشرات الارض (یعنی چوہے وغیرہ) کھا لے یہاں تک کہ وہ بلی مارے بھوک کے مرگئی۔ پھر (میرے سامنے) جنت کو پیش کیا گیا اور یہی وہ وقت تھا جب تم نے مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تھا مگر پھر میں اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اور میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ میں اس کے پھل توڑ لوں جسے تم بھی دیکھ لو لیکن میں نے سوچا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیئے (تاکہ تمہارے ایمان بالغیب میں رخنہ نہ پڑے)۔ (مسلم)

توضیح: "ست رکعات" اس سے رکوعات یعنی نماز کے اندر رکوع مراد ہے۔[2]

"آضت الشمس" آض یئیض سے لوٹنے کے معنی میں ہے یعنی سورج روشن ہو کر اپنی پہلی حالت پر لوٹ آیا۔[3]

"صاحب المحجن" **محجن** خمدار لاٹھی کو کہتے ہیں یا وہ لاٹھی جس کے سر میں کوئی مڑا ہوا لوہا جوڑ دیا گیا ہو۔ صاحب سے مراد عمرو بن لحی ہے لیکن ان کی خساست کو دیکھو یہ تنگ راستے میں بیٹھ کر خمدار لاٹھی سے لوگوں کی چادر وغیرہ الجھا کر چراتا تھا اگر کسی کو معلوم ہو جاتا کہ چادر کھینچی گئی تو یہ کہتا تھا غلطی سے ایسا ہو گیا اور اگر کسی کو پتہ نہ چلتا تو یہ چادر وغیرہ کو اڑا لیتا۔[4]

---

[1] اخرجه مسلم: ۳۵۸،۱/۳۵۷ [2] المرقات: ۶/۱۳۵ [3] المرقات: ۶/۱۳۵ [4] المرقات: ۶/۱۳۵

"قصبہ" آنتوں کو کہتے ہیں قاف پر ضمہ ہے صاد ساکن ہے۔عرب کہتے ہیں رئیت القصاب ینقی الاقصاب میں نے قصاب کو آنتیں صاف کرتے دیکھا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوزخ اور جنت اس وقت موجود ہیں اور قلیل عمل نماز میں جائز ہے اور جانوروں پر ترس کھانے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور ان پر ظلم کرنے سے ناراض ہوتے ہیں۔[۱]

سواری کا جانور عاریۃً مانگنا جائز ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَساً يَقُوْلُ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَساً مِنْ أَبِيْ طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمَنْدُوْبُ فَرَكِبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَارَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ وَإِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْراً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ (ایک دن اس خیال سے کہ کفار کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا ہے) مدینہ میں گھبراہٹ اور خوف کی ایک فضا پیدا ہوگئی ہے (یہ دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا کہ جسے مندوب یعنی سست کہا جاتا تھا، عاریۃً مانگا اور اس پر سوار ہوکر (تحقیق حال کے لئے مدینہ سے باہر) نکلے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو فرمایا کہ میں نے خوف وگھبراہٹ کی کوئی چیز نہیں دیکھی ہے، نیز میں نے اس گھوڑے کو کشادہ قدم یعنی تیز رفتار پایا ہے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سواری کیلیے عاریۃً جانور مانگنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جانور کا نام رکھنا جائز ہے جیسے یہاں گھوڑے کا نام مندوب رکھا ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہرہ دینا مسنون حکم ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کی اچھی کارکردگی پر اس کی تعریف کی جاسکتی ہے اور تعریف میں مبالغہ بھی جائز ہے جس طرح گھوڑے کو تیز چلنے میں سمندر کہا گیا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو امن وامان کی خوشخبری سنانا مستحب ہے۔[۳]

الفصل الثانی

بنجر زمین کو آباد کرنے والا اس کا مالک ہوجاتا ہے

﴿۷﴾ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ أَحْيٰى أَرْضاً مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عُرْوَةَ مُرْسَلاً وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[۴]

ترجمہ: حضرت سعید ابن زید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص مردہ زمین کو زندہ

[۱] المرقات: ۶/۱۳۵ [۲] اخرجه البخاری: ۳/۳۵ ومسلم: ۲/۳۲۱ [۳] المرقات: ۶/۱۳۶ [۴] اخرجه الترمذی: ۳/۶۶۲ وابوداؤد: ۳/۱۷۲

کرے یعنی بنجر ویران زمین کو آباد کرے وہ اسی کی ہے اور ظالم کی رگ کا کوئی استحقاق نہیں ہے''۔ اس روایت کو احمد، ترمذی، ابوداود، نے (بطریق اتصال) نقل کیا ہے جبکہ مالک عِشاللہ نے اس روایت کو عروہ سے بطریق ارسال نقل کیا ہے نیز امام ترمذی عِشاللہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: ''ارضاً میتة'' بنجر ویران اور غیر آباد زمین کو میتۃ مری ہوئی زمین کہتے ہیں۔[1]

''فهي له'' اس میں ایک شرط یہ ہے کہ وہ زمین کسی مسلمان کی ملکیت میں نہ ہو، اور گاؤں یا شہر کی ضروریات میں سے نہ ہو اور نہ کوئی عوامی فائدہ اس سے وابستہ ہو ایسی شاملات زمین کو جس نے آباد کیا وہ اسی کی ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ عِشاللہ فرماتے ہیں کہ یہ ملکیت اس وقت حاصل ہوگی کہ حکومتِ وقت کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو امام شافعی عِشاللہ وصاحبین عِشاللہ فرماتے ہیں کہ آباد کرنا شرط ہے حکومت کی کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔[2]

''لعرق ظالم'' ظالم کی راگ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے شخص کی آباد زمین میں جا کر درخت لگائے یا کاشت کرے تو اس ظالمانہ قبضہ اور غصب سے وہ آدمی اس زمین کا مالک نہیں بن سکتا ہے بلکہ اس کو کہا جائے گا کہ اپنی فصل اکھیڑ کر لیجاؤ اور زمین خالی کر دو۔[3]

﴿۸﴾ وَعَنْ اَبِي حُرَّةَ الرَّقَاشِيِّ عَنْ عَمِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا لَا تَظْلِمُوْا أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَالدَّارُ قُطْنِيُّ فِي الْمُجْتَبٰى)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوحرہ رقاشی عِشاللہ (تابعی) اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''خبردار: کسی پر ظلم نہ کرنا: جان لو: کسی بھی دوسرے شخص کا مال (لینا یا استعمال کرنا) اس کی مرضی وخوشی کے بغیر حلال نہیں''۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں اور دار قطنی نے مجتبی میں نقل کیا ہے۔

اسلام میں ڈاکہ زنی حرام ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَاجَلَبَ وَلَاجَنَبَ وَلَاشِغَارَ فِي الْاِسْلَامِ وَمَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[5]

ترجمہ: اور حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا نہ ''جلب'' جائز ہے اور نہ جنب اور نہ شغار اسلام میں (جائز) ہے اور (یاد رکھو) جو شخص (کسی کو) لوٹتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے) یا ہمارے طریقہ پر نہیں ہے حاصل یہ کہ ایسا شخص اس قابل نہیں کہ اسے اسلامی برادری کا ایک فرد سمجھا جائے)۔ (ترمذی)

---

[1] المرقات: ۶/۱۴۷ [2] المرقات: ۱۴۸،۲/۱۴۷ [3] المرقات: ۶/۱۴۸ [4] اخرجه البیهقی: [5] اخرجه الترمذی: ۳/۴۳۱

توضیح: "لاجلب ولا جنب" یہ دو اصطلاحی الفاظ ہیں زکوٰۃ میں اس کا الگ مطلب ہے جو وہاں لکھا گیا ہے اور گھڑ دوڑ میں اس کا الگ مطلب ہے جس کو سباق کہتے ہیں یہ بھی لکھا گیا ہے اور بیوعات میں اس کا الگ مطلب ہے جو اس سے پہلے تحریر کیا گیا ہے البتہ بیوعات میں صرف جلب ہوتا ہے جنب نہیں ہوتا ہے۔[1]

"ولاشغار" کتاب النکاح میں شغار کی تفصیل لکھی گئی ہے۔[2]

ہنسی مذاق میں بھی کسی کی چیز اٹھانا منع ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ أَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ عَصَا أَخِيْهِ لَاعِباً جَاداً فَمَنْ أَخَذَ عَصَا أَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا إِلَيْهِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَرِوَايَتُهُ إِلَى قَوْلِهِ جَاداً)[3]

ترجمہ: اور حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص اپنے کسی بھائی کا عصا (لاٹھی) ہنسی مذاق میں اس مقصد سے نہ لے کہ وہ اس کو رکھ لے گا۔ جو شخص اپنے کسی بھائی سے عصا لے تو اسے واپس کر دینا چاہیئے"۔ (ترمذی، ابوداود) لیکن ابوداود کی روایت لفظ جاداً تک ہے۔

توضیح: "عصا اخیه" یعنی اپنے مسلمان بھائی کی لاٹھی وغیرہ کوئی چیز نہ سچ مچ چوری کر کے چھپائے اور نہ ہنسی مذاق میں کوئی چیز اٹھا کر چھپائے اور نہ چرائے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک دوسرے دوست سے کوئی چیز مثلاً لاٹھی یا قلم یا چپل یا چادر وغیرہ ہنسی مذاق میں تنگ کرنے کے لئے چھپا دیتا ہے اور پھر اس کو خوب پریشان کر کے واپس کر دیتا ہے اس میں بظاہر اگرچہ مذاق ہے مگر اس میں بڑی ایذا رسانی بھی ہے کسی مسلمان کو اس طرح تنگ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر سچ مچ چوری کرتا ہے تو ظاہر ہے وہ حرام ہے۔[4]

"جاداً" اسی سچ مچ کی صورت کی طرف اشارہ ہے لاٹھی کا ذکر بطور مبالغہ ہے مراد حقیر چیز ہے۔[5]

چوری کا مال اگر مالک چور کے پاس دیکھے تو اس سے لے سکتا ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَجَدَ عَيْنَ مَالِهِ عِنْدَ رَجُلٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ وَيَتَّبِعُ الْبَيِّعُ مَنْ بَاعَهُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[6]

ترجمہ: اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنا مال بعینہ کسی کے پاس دیکھے تو وہ (اس کو لے لینے کا) حقدار ہے اور اس کو خریدنے والا اس شخص کا پیچھا کرے جس نے اسے بیچا ہے"۔
(احمد، ابوداود، نسائی)

---

[1] المرقات: ۶/۱۴۹،۱۵۰ [2] المرقات: ۶/۱۴۹ [3] اخرجه الترمذی: ۳/۳۶۲ وابوداؤد: ۴/۳۰۲

[4] المرقات: ۶/۱۵۰ [5] المرقات: ۶/۱۵۰ [6] اخرجه احمد: ۵/۱۳ وابوداؤد: ۳/۲۸۷ والنسائی: ۷/۳۱۳

توضیح: "البیّع" اس میں با پر فتحہ ہے اور یا پر شد اور کسرہ ہے اس سے مشتری مراد ہے اور من باعہ سے بائع مراد ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے کسی کا کوئی مال غصب کیا چوری کیا یا کوئی گمشدہ چیز کسی کو مل گئی اور اس نے اس چیز کو کسی اور شخص پر فروخت کر دیا پھر مالک نے اپنا مال اس مشتری کے پاس دیکھ لیا تو اصل مالک اس مشتری سے اپنا مال واپس کر دے پھر مشتری اپنی قیمت اس شخص سے وصول کرے جس نے اس پر مال فروخت کیا ہے اس کا پیچھا کرے حدیث کا یہی مطلب ہے اس سے پہلے باب الافلاس کی حدیث نمبر ا کا مضمون بھی اسی طرح ہے وہاں فقہاء کا اختلاف بیان کر چکا ہوں زیر بحث حدیث احناف کی دلیل کی وضاحت ہے جس کا حوالہ پہلے دیا گیا ہے۔[1]

جس سے کوئی چیز لو اس کو واپس کر دو

﴿۱۲﴾ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی سے لی گئی چیز (لینے والے کے) ہاتھ کے ذمہ پر ہے جب تک کہ وہ واپس نہ کر دی جائے"۔ (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "حتی تودی" مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی سے کوئی مال غصب کیا یا چوری کیا یا بطور عاریت لی یا ان کے پاس کسی نے امانت رکھی تو اس لینے والے ہاتھ اور شخص پر لازم ہے کہ اس کو واپس کر دے یہ چیز اس کے ذمہ پر واجب الادا ہے اگر چہ مالک نے مطالبہ نہ کیا ہو ہاں امانت کا معاملہ الگ ہے وہ مالک کے مطالبہ کے بعد واپس کرنا ضروری ہوگا الغرض حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ ہر مسلمان کو دیانت و امانت کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔[3]

کھیت کو جانوروں کے نقصان پہنچانے کا مسئلہ

﴿۱۳﴾ وَعَنْ حَرَامِ بْنِ سَعْدِ بْنِ مُحَيِّصَةَ أَنَّ نَاقَةً لِلْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ دَخَلَتْ حَائِطاً فَأَفْسَدَتْ فَقَضٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عَلٰى أَهْلِ الْحَوَائِطِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ وَأَنَّ مَا أَفْسَدَتِ الْمَوَاشِيْ بِاللَّيْلِ ضَامِنٌ عَلٰى أَهْلِهَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[4]

ترجمہ: اور حضرت حرام ابن سعد ابن محیصہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی ایک باغ میں گھس گئی اور باغ کو خراب کر ڈالا (جب یہ معاملہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کے پاس پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ دن میں باغات کی حفاظت باغ والوں کے ذمہ ہے اور جو جانور رات میں باغات کو خراب کریں تو اس کا ضمان یعنی تاوان جانوروں کے مالکوں پر ہے"۔ (مالک، ابوداود، ابن ماجہ)

[1] المرقات: ۶/۱۵۱ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۵۶۶ وابوداؤد: ۳/۱۹۳ [3] المرقات: ۶/۱۵۱ [4] اخرجه مالك: وابوداؤد: ۳/۳۹۶

توضیح: "حائطاً" حائط اس بڑے باغ کو کہتے ہیں جس کے اردگرد چار دیواری ہو یہاں باغ اور کھیت سب کا مسئلہ ایک جیسے ہے صرف نام ایک کا لیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر جانوروں نے کسی کی فصل کو نقصان پہنچایا تو دیکھا جائے گا کہ آیا یہ نقصان دن کو پہنچایا ہے یا رات کو تو اس حدیث میں ہے کہ اگر جانور نے دن کو نقصان پہنچایا ہے تو اس کا تاوان جانوروں کے مالک پر نہیں آئے گا اس لئے کہ دن کے وقت باغ اور کھیت کے مالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے باغ کی حفاظت کرے یہ کوتاہی ان کی اپنی ہے لہٰذا جانوروں کے مالک پر کچھ تاوان نہیں ہے لیکن اگر جانوروں نے رات کے وقت فصل کو نقصان پہنچایا تو جانوروں کے مالک پر تاوان آئے گا اس لئے کہ رات کے وقت جانوروں کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے مالک پر تھی اس نے غفلت سے کام لیا تو تاوان دیگا یہ اس حدیث کا مطلب ہے اور یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب جانوروں کا مالک ساتھ نہ ہو اگر جانوروں کا مالک ساتھ ہو تو پھر ہر صورت میں اس پر تاوان آئے گا شوافع اور مالکیہ دن اور رات کا فرق کرتے ہیں جس طرح اس حدیث میں ہے لیکن احناف دن اور رات کا فرق نہیں کرتے ہیں بلکہ جانور کے ساتھ قائد اور سائق کا اعتبار کرتے ہیں اگر سائق وقائد نہیں تو تاوان نہیں آئے گا کیونکہ ایک مشہور حدیث ہے کہ "**العجماء جرحها جبار**" جو ساتھ والی روایت ہے ان دونوں روایتوں سے احناف استدلال کرتے ہیں اور دونوں کا مطلب یہ ہے کہ جانور کا نقصان معاف ہے خواہ دن ہو خواہ رات ہو ہاں اگر راکب ہو تو پھر ضمان آئے گا بہر حال جمہور کا موقف مضبوط ہے۔[1]

غیر اختیاری آگ کے نقصان کا تاوان کسی پر نہیں ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرِّجْلُ جُبَارٌ وَقَالَ النَّارُ جُبَارٌ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "پاؤں (کا روندا ہوا) معاف ہے اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ "آگ (کا جلایا ہوا) معاف ہے"۔ (ابوداود)

توضیح: "**الرجل جبار**" رجل پاؤں کو کہتے ہیں اور جبار جیم کے ضمہ کے ساتھ معاف اور رائیگان کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک جانور ہے اس کے ساتھ کوئی مالک نہیں ہے اس نے پاؤں کے ساتھ کسی کو روندا تو اس کا تاوان کسی پر نہیں ہے کیونکہ یہ حیوان غیر مکلف کا فعل ہے[3] "**والنار جبار**" یعنی کسی شخص نے کسی نیک مقصد کے لئے کسی محفوظ مقام میں آگ جلائی تھی ہوا بھی پرسکون تھی مگر پھر بھی کوئی چنگاری اٹھ کر کسی کی گھاس یا گودام میں جا لگی اور اس سے نقصان ہوا تو اس کا تاوان آگ جلانے والے پر نہیں ہے ہاں اگر اس نے پرخطر حالت میں آگ جلائی جس سے نقصان کا قوی امکان تھا مثلاً ہوا چل رہی تھی اور اس سے چنگاری جا لگی اور نقصان ہوا تو اس صورت میں آگ جلانے والے پر تاوان آئے گا۔[4]

[1] المرقات: ۶/۱۵۲ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۹۵ [3] المرقات: ۶/۱۵۲ [4] المرقات: ۶/۱۵۲

حالتِ اضطرار میں دوسرے کے جانور کا دودھ پینا جائز ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ عَلَى مَاشِيَةٍ فَإِنْ كَانَ فِيهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَأْذِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهَا فَلْيُصَوِّتْ ثَلَاثًا فَإِنْ أَجَابَهُ أَحَدٌ فَلْيَسْتَأْذِنْهُ وَإِنْ لَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرِبْ وَلَا يَحْمِلْ۔ (رَوَاهُ أَبُودَاوُد)[1]

ترجمہ: اور حضرت حسن، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی شخص (دودھ کے) جانوروں کے پاس آئے تو اگر وہاں ان جانوروں کا مالک موجود ہو تو اس سے (دودھ پینے کی) اجازت مانگے اور اگر وہاں مالک موجود نہ ہو تو اس شخص کو چاہیئے کہ وہ تین مرتبہ آواز دے (اس کی آواز سن کر) اگر کوئی جواب دے تو اس سے پوچھ لے اور اگر کوئی جواب نہ دے تو بقدر ضرورت دودھ وہ پی لے مگر دودھ اپنے ساتھ بالکل نہ لے جائے''۔ (ابوداود)

توضیح: ''ماشیة'' بکریوں اور دیگر جانوروں کے ریوڑ کو کہتے ہیں۔[2] ''فلیصوت'' یعنی اس طرح آواز دیدے کہ یہ جانور کس کے ہیں ان جانوروں کا مالک کون ہے، اے چرواہے تم کہاں ہو؟ اس آواز کے جواب میں اگر کوئی آدمی مل گیا تو اس سے اجازت لیکر دودھ پی لے اور اگر تین آوازوں کے باوجود کوئی آدمی نہیں ملا تو پھر بقدر ضرورت دودھ نکال کر پی لے مگر گھر نہ لیجائے۔

اس حدیث کا تعلق ایسی اضطراری صورت کے ساتھ ہے جس میں آدمی کے مرنے کا خطرہ ہو اس حالت میں دودھ پی کر جان بچانا چاہیئے اور بعد میں اس کی قیمت ادا کرنا چاہیئے یا اس حدیث کا تعلق ایسے مقامات سے ہے جہاں عام طور پر مسافروں کو گذرتے ہوئے جانوروں کے دودھ نکالنے اور پینے کی اجازت ہوتی ہے وہاں پر اس طرح عمل کر کے دودھ حاصل کرنا چاہیئے۔[3]

حالتِ اضطرار میں دوسرے کے باغ کا پھل توڑنا جائز ہے

﴿۱٦﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْيَأْكُلْ وَلَا يَتَّخِذْ خُبْنَةً۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص کسی (دوسرے شخص) کے باغ میں جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ وہاں کے پھل کھالے جیب اور جھولی میں بھر کر نہ لے جائے''۔ (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: ''فلیأکل'' اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ ہر آدمی آئے اور کسی بھی آدمی کے باغ میں گھس کر اس کا پھل

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۳/۳۹ [2] المرقات: ٦/۱۵۳ [3] المرقات: ٦/۱۵۳ [4] اخرجه الترمذی: ۵۸۳/۳ وابن ماجه: ۷۷۲/۲

کھائے بلکہ اس کا مطلب بھی وہی ہے جو اس سے پہلے والی حدیث کی توضیح میں بیان کیا گیا ہے کہ حالت اضطرار میں بقدر ضرورت جان بچانے کے لئے بھوکا آدمی دوسرے کے باغ سے پھل کھا سکتا ہے یا اس حدیث کا محمل ایسا مقام اور ایسا علاقہ ہے جہاں باغات کے پھلوں کے کھانے کی عام اجازت ہوتی ہے۔[۱]

"**خبنة**" خا پر فتحہ ہے با ساکن ہے نون پر فتحہ ہے جھولی اور جیب کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جیب اور جھولی بھر کر گھر نہ لیجائے صرف بقدر ضرورت کھائے۔[۲]

مستعار لی ہوئی چیز امانت کے حکم میں ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أُمَيَّةَ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَعَارَ مِنْهُ أَدْرَاعَهُ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ أَغَصْبًا يَامُحَمَّدُ قَالَ بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ. (رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت امیہ ابن صفوان اپنے والد (صفوان) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حنین کی جنگ کے دن ان (صفوان) سے کئی زرہیں **عاریۃ** لی انہوں نے پوچھا کہ "اے محمد (ﷺ) کیا آپ ﷺ یہ زرہیں غصب کے طریقہ پر لے رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "(نہیں) بلکہ **عاریۃ** لے رہا ہوں جو واپس کردی جائیں گی"۔ (ابوداود)

توضیح: "**اغصباً یا محمد**" جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور جنگ حنین کا آغاز ہوا تو آنحضرت ﷺ نے مناسب سمجھا کہ وہاں کے جنگجوؤں کے مقابلہ کے لئے تازہ ہتھیار کی ضرورت ہے اس مقصد کے لئے آنحضرت نے صفوان بن امیہ سے بطور عاریت چند زرہیں مانگ لیں صفوان نے دیدیں لیکن یہ سوال کیا کہ اے محمد کیا یہ اسلحہ غصب اور زبردستی کے طور پر چھین کر مجھ سے آپ نے لے لیا؟ حضور اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا غصب نہیں بلکہ عاریت ہے جو واپس کی جائے گی صفوان اس وقت مسلمان نہیں تھے بعد میں مسلمان ہو گئے۔[۴]

"**مضمونة**" اس جملہ کا ظاہر ترجمہ یہ ہے کہ ضمان کے طور پر یہ عاریت ہے اگر ضائع ہوگئی تو ضمان ادا کی جائے گی، اس ترجمہ کی وجہ سے فقہاء کا اختلاف ہوگیا ہے کہ آیا عاریت کی ہلاکت کی صورت میں ضمان آئے گا یا نہیں آئے گا یعنی عاریت امانت ہے یا ضمانت ہے۔[۵]

فقہاء کا اختلاف: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر عاریت تلف ہوجائے تو مستعیر پر اس کا بدل اور ضمان آئے گا ان حضرات نے "**مضمونة**" کا ترجمہ تاوان اور ضمان سے کیا ہے۔

ائمہ احناف کے نزدیک مستعار چیز مستعیر کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے خود تلف اور ہلاک ہونے کی صورت میں کوئی ضمان و تاوان نہیں ہے البتہ اگر قصداً اس کو مستعیر ضائع کردے تو تاوان آئے گا۔[۶]

---

[۱] المرقات: ۶/۱۵۳ [۲] المرقات: ۶/۱۵۳ [۳] اخرجہ ابوداؤد: ۳/۲۹۴

[۴] المرقات: ۶/۱۵۴ [۵] المرقات: ۶/۱۵۴ [۶] المرقات: ۶/۱۵۵

مستعار چیز کو واپس کرنا واجب ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ فرماتے تھے کہ مستعار چیز واپس کی جائے (یعنی کسی کی کوئی چیز مستعار لینے والے پر واجب ہے کہ وہ اس چیز کو اس کے مالک کے پاس واپس پہنچادے) منحہ کا واپس کرنا ضروری ہے، قرض کو ادا کیا جائے گا (یعنی قرض کا ادا کرنا واجب ہے) اور ضامن ضمانت پوری کرنے پر مجبور ہے (یعنی اگر کوئی شخص کسی کے قرض وغیرہ کا ضامن ہو تو اس کی ادائیگی اس پر لازم ہے)۔ (ترمذی، ابوداود)

توضیح: "مؤداۃ" یعنی عاریت لوٹائی جائے گی اگر عین موجود ہے تو اس کو واپس کیا جائے گا ورنہ ہلاکت کی صورت میں اس کی قیمت واپس کی جائے گی یہ شوافع کے ذوق کی تشریح ہے۔ احناف کہتے ہیں یہ امانت ہے واپس کرنا پڑیگا۔[2]

"المنحة" عرب کے لوگ دودھ دینے والے جانور کو ایسے آدمی کو بطور عاریت دیتے تھے جن کے پاس دودھ کے لئے جانور نہ ہوتا اسی کو منحہ بمعنی عطیہ کہا گیا ہے جب دودھ کا زمانہ ختم ہوجاتا تو اس کو مالک کی طرف واپس کرنا پڑتا اسی کو بتایا گیا کہ منحہ کو واپس کیا جائے گا۔ "الدین مقضی" یعنی کسی شخص پر اگر قرض ہے تو اس کو ادا کرنا لازم ہے۔[3]

"الزعیم" زعیم لیڈر کو بھی کہتے ہیں وکیل کو بھی کہتے ہیں یہاں ضامن مراد ہے۔[4]

"غارم" یعنی ضامن مجبور و مقروض ہے اور ضامن پر لازم ہے کہ ضمانت پوری کرے یہ اس کی ذمہ داری ہے۔[5]

درختوں سے گرے ہوئے پھل کوئی بھی اٹھا سکتا ہے

﴿۱۹﴾ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو الْغِفَارِيِّ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا أَرْمِي نَخْلَ الْأَنْصَارِ فَأُتِيَ بِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَاغُلَامُ لِمَ تَرْمِي النَّخْلَ قُلْتُ آكُلُ قَالَ فَلَا تَرْمِ وَكُلْ مِمَّا سَقَطَ فِي أَسْفَلِهَا ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ فَقَالَ أَللّٰهُمَّ أَشْبِعْ بَطْنَهُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ فِي بَابِ اللُّقَطَةِ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى)

ترجمہ: اور حضرت رافع ابن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں بچہ تھا تو انصار کے کھجوروں کے درختوں پر پتھر پھینکا کرتا تھا (ایک دن) انصار مجھے پکڑ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئے، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا "لڑکے تو کھجوروں پر پتھر کیوں پھینکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کھجوریں کھاتا ہوں (یعنی کھجوریں کھانے کے لئے ان کے درختوں پر پتھر مارتا ہوں کسی

[1] اخرجه الترمذی: وابوداؤد: ۳/۲۹۵ [2] المرقات: ٦/١٥٥ [3] المرقات: ٦/١٥٥

[4] المرقات: ٦/١٥٥ [5] اخرجه الترمذی: ۳/۵۸۴ وابن ماجه: ۲/۷۷۱

اور مقصد سے پتھر نہیں پھینکتا) آپ ﷺ نے فرمایا ''پتھر نہ پھینکا کرو ہاں جو کھجوریں درخت کے نیچے گری پڑی ہوں ان کو کھالیا کرو''۔ پھر آپ ﷺ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور فرمایا ''اے اللہ: تو اس کا پیٹ بھر''۔ ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: ''فاتی بی'' مجہول کا صیغہ ہے یعنی مجھے انصار نے پکڑلیا اور پھر حضور اکرم ﷺ کے پاس لاکر حاضر کر دیا۔[۱]

''اکل'' یعنی صرف کھانے کی غرض سے پتھر مارتا ہوں کوئی دوسرا مقصد نہیں[۲] ''مما سقط'' یعنی اوپر درختوں سے پھل نہ مارو بلکہ جو خود گر جائے اس کو اٹھایا کرو اور پھر کھایا کرو معلوم ہوا درختوں سے جو پھل خود بخود گر جائے اور کوئی شخص اس کو اٹھائے تو یہ جائز ہے عام عادت بھی یہی ہے کہ اس طرح گرا پڑا پھل کوئی منع نہیں کرتا اور خصوصاً بچے اس طرح پھلوں کے اٹھانے کی تلاش میں رہتے ہیں یہ بچہ حالت مخمصہ میں نہیں تھا اور نہ حضور اکرم درختوں سے کھانے کی اجازت مرحمت فرماتے۔[۳]

الفصل الثالث

زمین غصب کرنے کی مختلف سزائیں

﴿۲۰﴾ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى سَبْعِ أَرْضِيْنَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۴]

ترجمہ: حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کیا کہ ''جو شخص زمین کا کوئی حصہ بھی ناحق لے گا (یعنی کسی کی زمین کا کوئی بھی قطعہ از راہ ظلم و زبردستی لے گا) تو قیامت کے دن اسے زمین کے ساتویں طبقہ تک دھنسایا جائے گا''۔ (بخاری)

﴿۲۱﴾ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ أَخَذَ أَرْضًا بِغَيْرِ حَقِّهَا كُلِّفَ أَنْ يَحْمِلَ تُرَابَهَا الْمَحْشَرَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت یعلی ابن مرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ یہ فرماتے تھے کہ ''جو شخص زمین کا کوئی بھی حصہ ناحق (یعنی ظلم و زبردستی لے گا) اسے حشر کے دن اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس زمین کی (ساری) مٹی اپنے سر پر اٹھائے''۔ (احمد)

﴿۲۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَيُّمَا رَجُلٍ ظَلَمَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ كَلَّفَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَحْفِرَهٗ حَتّٰى يَبْلُغَ آخِرَ سَبْعِ أَرْضِيْنَ ثُمَّ يُطَوَّقَهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَتّٰى

[۱] المرقات: ۶/۱۵۵ [۲] المرقات: ۶/۱۵۶ [۳] المرقات: ۶/۱۵۶ [۴] اخرجه البخاری: ۳/۱۷۱ [۵] اخرجه احمد: ۴/۱۷۲

يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت یعلی ابن مرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص (کسی کی) بالشت بھر بھی زمین ازراہ ظلم لے گا اسے (اس کی قبر میں) اللہ تعالیٰ اس بات پر مجبور کرے گا کہ وہ اس زمین کو ساتویں طبقہ زمین تک کھودتا رہے پھر وہ زمین اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی۔ اور وہ قیامت تک اسی حال میں رہے گا۔ تا آنکہ (قیامت کے دن) لوگوں کا حساب کتاب ہوجائے"۔ (احمد)

توضیح: زمین کو غصب کرنے والے کی مختلف سزاؤں کا ذکر مختلف احادیث میں مذکور ہے اس باب کی پہلی فصل میں بتایا گیا تھا کہ قیامت میں زمین کے غاصب کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا اس کی تفصیل وہیں پر لکھی گئی ہے یہاں اوپر والی حدیث نمبر ۲۰ میں بتایا گیا ہے کہ ایسے شخص کو غصب کردہ زمین میں ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا حدیث نمبر ۲۱ میں ہے کہ غاصب کو اس بات کا مکلف بنایا جائیگا کہ وہ قیامت کے دن غصب کردہ زمین کی ساری مٹی اٹھا کر محشر میں حاضر کردے۔

یہاں زیر بحث حدیث نمبر ۲۲ میں اس طرح سزا کا بیان ہے کہ غاصب کو غصب کردہ زمین کو ساتویں زمین تک کھودنے پر مجبور کیا جائے گا اور کھودنے کے بعد وہ زمین غاصب کے گلے کا طوق بنایا جائے گا معلوم ہوا کہ زمین غصب کرنے والوں کو قیامت میں مختلف قسم کی سزائیں ہونگی۔[۲]

---

[۱] اخرجه احمد: ۴/۱۷۲ [۲] المرقات: ۶/۱۵۷، ۱۵۸

باب الشفعة

شفعہ کا بیان

شفعہ لغت میں ملانے اور جفت بنانے کو کہتے ہیں اصطلاح فقہ میں پڑوس وشراکت کی بنیاد پر دوسرے کی زمین یا مکان کو اپنی زمین یا مکان کے ساتھ ملانے کے حق کو شفعہ کہتے ہیں جس شخص کو یہ حق حاصل ہوتا ہے اس کو شفیع کہتے ہیں اور اس حق کا نام شفعہ ہے۔ اسلام ایک کامل مکمل بلکہ اکمل دین ہے یہ انسانی معاشرہ کے ہر پہلو پر محیط ہے اور انسانوں کے مسائل کا پورا پورا حل پیش کرتا ہے اسلام امن وآشتی اور محبت ومروت پر مبنی معاشرہ تشکیل دیتا ہے محلوں میں لوگوں کا پڑوس انسانی زندگی کا سب سے حساس مسئلہ ہے اگر پڑوس سے کسی کو خطرہ ہو تو وہ آدمی نہ کاروبار کرسکتا ہے نہ سروس کرسکتا ہے بلکہ وہ اپنے گھر کا چوکیدار بن کر رہ جائے گا اور اس کی معاشرتی زندگی تباہ ہوجائے گی اس لئے اسلام نے انسانوں کو خواہ مسلم ہو یا ذمی ہو شفعہ کا حق دیا ہے تاکہ ان کے پڑوس میں ان کے مزاج کے خلاف کوئی آدمی نہ آسکے اسی دفع ضرر کے پیش نظر امت کا اس پر اجماع ہے کہ شفعہ ایک جائز حق ہے البتہ اس کی تفصیلات میں فقہاء کا کچھ اختلاف ہے۔

شفعہ کا حق کن اشیاء میں ہے؟

احناف وشوافع اور جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ شفعہ کا حق صرف غیر منقولہ اشیاء میں ہوتا ہے منقولہ اشیاء میں شفعہ کا حق نہیں ہے یہ حضرات ان تمام احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں دار عقار اور حائط جیسے الفاظ آئے ہیں جو غیر منقولہ اشیاء ہیں بلکہ بعض روایات میں ان اشیاء کے علاوہ دیگر اشیاء کی نفی موجود ہے جیسے **لا شفعة الا فی دار او عقار**۔

بعض حضرات کے نزدیک منقولہ اشیاء میں بھی حق شفعہ حاصل ہوتا ہے ان حضرات نے آنے والی حضرت ابن عباس کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "**الشفعة فی کل شیئ**"۔

جمہور اس کا جواب یہی دیتے ہیں کہ یہ کل حقیقی افرادی نہیں ہے بلکہ کل مجموعی اضافی ہے جس سے مراد غیر منقولہ اشیاء زمین وغیرہ ہیں۔

اقسام شفعہ میں فقہاء کا اختلاف:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حقِ شفعہ صرف **شریك فی نفس المبیع** کو ہوتا ہے ہمسایہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔[1]

ائمہ احناف کے نزدیک شفیع کے تین درجے ہیں یعنی تین قسم کے لوگوں کو شفعہ کا حق ملتا ہے اول **شریك فی نفس**

[1] المرقات: ۱۵۸/۶، ۱۵۹

المبیع کو شفعہ کا حق حاصل ہے یعنی بیچی جانی والی زمین یا مکان میں دونوں شریک ہوں دوم شریك فی مرافق المبیع کو شفعہ کا حق حاصل ہے یعنی بیچی جانے والی زمین اور مکان میں تو شریک نہیں لیکن زمین و مکان کے راستہ اور پانی وغیرہ حقوق و منافع میں دونوں شریک ہوں ۔[1]

سوم حق الجار ہے کہ پڑوس کی وجہ سے شفعہ کا حق حاصل ہے ان تین درجات میں شفعہ کی ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے شفعہ کا حق نفس مبیع میں شریک کو ملے گا اگر وہ شفعہ نہ کرے تو پھر منافع مبیع میں جو شریک ہے اس کو شفعہ کا حق ملیگا اگر وہ بھی دست بردار ہو جائے تو پھر پڑوسی کو شفعہ کا حق ملے گا احناف پڑوسی کو حق شفعہ دینے کے قائل ہیں جمہور اس کا انکار کرتے ہیں۔

دلائل جمہور نے فصل اول کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب شراکت ختم ہو جائے مشترک چیز تقسیم ہو جائے راستے الگ الگ ہو جائیں تو پھر شفعہ نہیں یعنی پڑوس کا کوئی اعتبار نہیں ملکیت کا اعتبار ہے۔

ائمہ احناف کے پاس بہت دلائل ہیں اس باب کی حدیث نمبر ۳ سے احناف نے استدلال کیا ہے اسی طرح فصل ثانی کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۷ سے بھی احناف نے استدلال کیا ہے یہ واضح تر احادیث ہیں اس لئے جمہور کے لئے گنجائش نہیں کہ اس کو نظر انداز کرے ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے جار الدار احق بالدار ۔ (ترمذی ج۱ ص ۲۵۳)

جواب جمہور نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے احناف اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حق الجار میں شفعہ کی نفی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ تقسیم کے بعد نفس المبیع میں شفعہ کا حق ختم ہو جاتا ہے حق الجار کے شفعہ کے حق کی نفی نہیں ہے یعنی محدود نفی ہے عام نفی نہیں ہے۔ آگے حدیث کو پڑھ کر دیکھیئے ۔[2]

الفصل الاول

حق شفعہ صرف زمین میں ہے

﴿۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ مَالَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس (غیر منقول) چیز میں حق شفعہ ثابت ہونے کا فیصلہ صادر فرمایا ہے جو (شراکت میں ہو) اور شرکاء کے درمیان تقسیم نہ کی ہو۔ لہٰذا جب حدود مقرر ہو جائیں (یعنی مشترک ملکیت کی زمین یا مکان، باہم تقسیم ہو جائے) اور (ہر ایک حصہ کے) راستے الگ الگ کر دیئے جائیں تو پھر شفعہ باقی نہیں رہتا (یعنی اس صورت میں چونکہ شرکت باقی نہیں رہتی اس لئے کسی کو بھی حق شفعہ حاصل نہیں ہوتا)۔ (بخاری)

توضیح: "فلا شفعة" یعنی مثلاً ایک زمین یا ایک مکان کے کئی مالک ہوں تو ان شرکاء میں سے اگر کوئی شریک اپنا

[1] المرقات: ۱۵۸،۶/۱۵۹ [2] المرقات: ۱۵۹،۶/۱۶۱، ۱۶۴ [3] اخرجه البخاري: ۳/۱۰۴

حصہ فروخت کرتا ہے تو دیگر شرکاء کو شفعہ کا حق اس وقت تک حاصل رہیگا جب تک یہ مشترک زمین تقسیم نہیں ہوتی جب اس کی تقسیم ہوگئی اور حدود وراستے متعین ہو گئے تو اب ان شرکاء کو شفعہ کا حق نہیں رہیگا معلوم ہوا پڑوس کا اعتبار نہیں ہے اس طرح یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے احناف نے اس کا جواب دیدیا ہے جو لکھا جا چکا ہے۔[۱]

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالشُّفْعَةِ فِيْ كُلِّ شِرْكَةٍ لَمْ تُقْسَمْ رَبْعَةٍ أَوْ حَائِطٍ لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَبِيْعَ حَتّٰى يُؤْذِنَ شَرِيْكَهُ فَإِنْ شَاءَ أَخَذَ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ فَإِذَا بَاعَ وَلَمْ يُؤْذِنْهُ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم صادر فرمایا کہ ہر ایسی مشترک زمین میں شفعہ ثابت ہے جو تقسیم نہ کی گئی ہو خواہ وہ گھر ہو یا باغ ہو۔ نیز ایسی مشترک زمین کے کسی بھی شریک کو اپنا حصہ بیچنا حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے دوسرے شریک کو مطلع نہ کردے (اطلاع کے بعد) وہ دوسرا شریک چاہے تو وہ حصہ خود خریدے اور چاہے چھوڑ دے (یعنی کسی دوسرے کو بیچنے کی اجازت دیدے) اور اگر کسی شریک نے اپنے دوسرے شریک کو اطلاع دیئے بغیر اپنا حصہ بیچ دیا تو وہ دوسرا شریک اس (بات) کا حقدار ہے (کہ وہ اس فروخت شدہ حصہ کو خرید لے)۔ (مسلم)

توضیح: "ربعة" یہ لفظ زمین اور مکان دونوں پر بولا جاتا ہے[۳] "او حائط" باغ کو کہتے ہیں ربعۃ اور حائط دونوں الفاظ شرکۃ سے بدل ہے اس لئے مجرور ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ای ھی ربعة الخ۔[۴]

"یؤذن" ایذان سے ہے اطلاع واعلان کے معنی میں ہے یعنی ایک ساتھی اپنا حصہ بیچنا چاہے تو ان کو چاہئے کہ اپنے شریک ساتھی کو فروختگی کی اطلاع کرے اگر اطلاع نہ کیا تو اس کا شریک شفعہ کا حق رکھے گا اگر اطلاع کے وقت ساتھی نے فوراً شفعہ کا دعویٰ نہ کیا یا انکار کیا تو حق شفعہ ساقط ہوجائے گا حکومت پاکستان کے قانون میں چھ ماہ کی مہلت ہے پھر شفعہ کا حق نہیں رہتا ہے۔[۵]

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ منقولہ اشیاء میں شفعہ نہیں ہوتا ہے غیر منقولہ اراضی اور مکانات میں ہوتا ہے۔

ہمسایہ کو شفعہ کا حق حاصل ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۶]

ترجمہ: اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمسایہ اپنے قریب ہونے کی وجہ سے زیادہ حقدار ہے"۔ (بخاری)

[۱] المرقات: ۶/۱۵۸،۱۵۹ [۲] اخرجه مسلم: ۱/۷۰۳ [۳] المرقات: ۶/۱۶۰
[۴] المرقات: ۶/۱۶۰ [۵] المرقات: ۶/۱۶۱ [۶] اخرجه البخاري: ۳/۱۱۴

توضیح: "بسقبه" با پر کسرہ ہے اور سین پر زبر ہے قاف پر بھی زبر ہے اس کے بعد با پر کسرہ ہے ایک حدیث میں سین کے بجائے صاد ہے وہ بھی مفتوح ہے دونوں کا معنی ایک ہے جو بمعنی قرب اور نزدیکی ہے **ای الجار احق بسبب قربه للشفعة من غیر الجار بسقبه میں باسببیت کے لئے ہے۔**[1]

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہمسایہ شفعہ کا زیادہ حق رکھتا ہے ہمسایہ سے مراد وہ ہمسایہ ہے جو سب سے زیادہ قریب ہو یہ حدیث صراحت کے ساتھ بتاتی ہے کہ پڑوس کی وجہ سے بھی شفعہ کا حق حاصل ہوتا ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے حدیث نمبر ۷ بھی احناف کی دلیل ہے۔

پڑوس کا ایک حق

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِيْ جِدَارِهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی ہمسایہ اپنے دوسرے ہمسایہ کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: بعض مکانات میں ایک دیوار کے ساتھ دو پڑوسیوں کے مکانات ہوتے ہیں کبھی بیچ کی دیوار دونوں میں مشترک ہوتی ہے اور کبھی ایک پڑوسی کی ملکیت میں ہوتی ہے اس صورت میں اگر دوسرا پڑوسی اس پر اپنی چھت کی لکڑی رکھنا چاہتا ہے تو اس حدیث میں حکم ہے کہ اس دیوار کا مالک اس کو منع نہ کرے علماء نے لکھا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب دیوار وغیرہ کو نقصان نہیں پہنچتا ہوا گر نقصان پہنچتا ہو تو پھر منع کر سکتا ہے۔

فقہاء کرام میں سے امام احمد بن حنبل اور عام محدثین فرماتے ہیں کہ حدیث کا یہ حکم وجوب کے لئے ہے کہ منع کرنا منع ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم استحباب کے طور پر ہے۔[3]

محلوں میں راستوں اور گلیوں کے لئے ہدایت

﴿۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ فِي الطَّرِيْقِ جُعِلَ عَرْضُهُ سَبْعَةَ أَذْرُعٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب راستہ کی بابت تم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کی چوڑائی سات ہاتھ متعین کر دو"۔ (مسلم)

توضیح: "فاذا اختلفتم" مطلب یہ ہے کہ اگر کسی محلہ میں یا خالی علاقے میں تعمیرات کا سلسلہ شروع ہو جائے

[1] المرقات: ۶/۱۶۱ [2] اخرجه البخاری: ۷/۱۳۵، ومسلم [3] المرقات: ۶/۱۶۲ [4] اخرجه مسلم: ۱/۷۰۲

تو درمیان میں راستہ اور سڑک چھوڑنے کے لئے آپس کا مشورہ اور اتحاد کر کے راستہ چھوڑ دینا چاہیے لیکن اگر لوگوں کا آپس میں اپنے مشوروں میں اختلاف ہو جائے تو پھر ضابطہ کے تحت وہی حکم نافذ کیا جائے گا جو اس حدیث میں ہے اور وہ حکم یہ ہے کہ سات ذراع راستہ چھوڑ دینا چاہیے شرعی ذراع ایک ہاتھ کے برابر ہوتا ہے جو کہنی سے انگلیوں تک ہے شرعی ذراع ایک فٹ سے کچھ زیادہ ہوتا ہے۔

اس حدیث سے شہروں کے نقشوں اور بلدیاتی ضابطوں کے لئے بنیاد فراہم ہو جاتی ہے سات ذراع کی حد ایک ضابطہ ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر راستہ اس سے زیادہ ہو تو اس کو کوئی آ کر قبضہ کر لے اس طرح قبضہ کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

الفصل الثانی

بلاضرورت زمین اور گھر فروخت نہ کرو

﴿۶﴾ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ دَارًا أَوْ عِقَارًا قَمِنٌ أَنْ لَا يُبَارَكَ لَهُ إِلَّا أَنْ يَجْعَلَهُ فِيْ مِثْلِهِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت سعید ابن حریث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''تم میں سے جو شخص اپنا مکان یا زمین فروخت کرے تو مناسب ہے کہ اس (کی قیمت) میں برکت نہ ہو الا یہ کہ وہ اس (قیمت) کو اس ہی جیسی جائیداد کی خریداری میں صرف کرے''۔ (ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: ''قمن'' قاف پر فتحہ ہے میم پر کسرہ ہے اور نون پر تنوین ہے لائق اور مناسب کے معنی میں ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا مکان یا زمین فروخت کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس قیمت سے دوسری زمین یا مکان خرید لے کیونکہ اگر اس رقم کو اس شخص نے منقولہ اشیاء میں صرف کر دیا تو ضائع ہونے کا خطرہ اور امکان ہے اور لائق ہے کہ ہلاک ہو جائے کیونکہ منقولہ اشیاء جلدی ضائع ہو جاتی ہیں بخلاف غیر منقولہ جائداد کے کہ اس میں ہلاکت کا زیادہ امکان نہیں ہوتا ہے تجربہ شاہد ہے کہ جن لوگوں نے زمین یا مکان فروخت کیا اس کے پاس سے رقم بھی جاتی رہی ہے **الا ان یجعلہ** مطلب یہ کہ اگر اس رقم اور قیمت سے کوئی اور مکان خرید لیا گیا یا زمین خرید لی گئی تو پھر اس بیچنے میں مضائقہ نہیں ہے۔[3]

ہمسایہ کو شفعہ کا حق ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَتِهِ يُنْتَظَرُ بِهَا وَإِنْ كَانَ غَائِبًا إِذَا كَانَ طَرِيْقُهُمَا وَاحِدًا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[4]

---

[1] المرقات: ۱۶۲، ۶/۱۶۳ [2] اخرجه ابن ماجه والدارمی: ۲۶۲۸
[3] المرقات: ۶۶/۱۶۴ [4] اخرجه احمد: ۳/۳۰۳ والترمذی: ۳/۶۵۱ وابوداؤد: ۳/۲۸۳

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہمسایہ اپنے شفعہ کا زیادہ حق دار ہے اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کے شفعہ کی وجہ سے اس کا انتظار کیا جائے (اور ہمسایہ شفعہ کا اس صورت میں حقدار ہے) جبکہ دونوں کا راستہ ایک ہو"۔

(احمد، ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

شفعہ ہر چیز میں ہے

﴿۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّرِيْكُ شَفِيْعٌ وَالشُّفْعَةُ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ قَالَ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلاً وَهُوَ أَصَحُّ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ شخص جو (فروخت کی جانے والی جائیداد میں) شریک ہو، شفعہ کا حق رکھتا ہے اور شفعہ کا تعلق ہر (اس) چیز سے ہے (جو غیر منقولہ جائیداد ہو جیسے زمین اور باغ وغیرہ) اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن ابی ملیکہ نے بھی نبی کریم ﷺ سے بطریق ارسال نقل کی ہے اور وہی زیادہ صحیح ہے۔

توضیح: "فی کل شیء" اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو منقولہ نہ ہو بلکہ غیر منقولہ ہو جیسے زمین اور گھر ہوتا ہے۔ [۲]

بیری کے درخت کاٹنے پر شدید وعید کی وجہ

﴿۹﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُبْشِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً صَوَّبَ اللهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ هٰذَا الْحَدِيْثُ مُخْتَصَرٌ يَعْنِيْ مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً فِيْ فَلَاةٍ يَسْتَظِلُّ بِهَا ابْنُ السَّبِيْلِ وَالْبَهَائِمُ عَبَثًا وَظُلْمًا بِغَيْرِ حَقٍّ يَكُوْنُ لَهُ فِيْهَا صَوَّبَ اللهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن حبیش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص بیری کا درخت کاٹے گا اللہ تعالیٰ اسے الٹے سر دوزخ میں ڈالے گا"۔ امام ابوداود نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث مختصر ہے جس کا پورا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص جنگل میں بیری کے کسی ایسے درخت کو کہ جس کے سایہ میں مسافر اور جانور پناہ حاصل کرتے ہیں، از راہ ظلم وزیادتی اور بغیر حق کے کاٹے گا تو اللہ تعالیٰ اسے الٹے سر دوزخ میں ڈالے گا"۔

توضیح: "سدرۃ" بیری کے درخت کو سدرۃ کہتے ہیں اسی سے سدرۃ المنتھیٰ ہے۔ [۴]

"صوب اللہ" یعنی اس کے سر کو اللہ تعالیٰ الٹا کر کے دوزخ میں ڈالدیگا اوندھا گرادیگا۔

سوال: بیری کے درخت کے کاٹنے پر اتنی شدید وعید کیوں ہے؟

---

[۱] اخرجه الترمذی: ۳/۶۵۴ [۲] المرقات: ۶/۱۶۵ [۳] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۶۲ [۴] المرقات: ۶/۱۶۶

جواب: اس سوال کے تین جوابات ہیں اول جواب تو وہی ہے جو ابوداود رحمہ اللہ نے دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صحراء میں اس بیری کے کاٹنے پر وعید ہے جو بہت عمدہ سایہ دار ہو اس کے سائے میں انسان اور جانور آرام کرتے ہوں اور کوئی ظالم آکر بغیر کسی فائدہ ظالمانہ طور پر اس کو کاٹ دے اس شخص کے لئے یہ وعید ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس سے مراد مکہ مکرمہ کے بیری کا درخت ہے بوجہ حرم اس کے کاٹنے پر وعید ہے بیری کو اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ اس کا سایہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور ٹھنڈا بھی ہوتا ہے ورنہ حرم کے ہر درخت کے کاٹنے کا یہی حکم ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ اس سے مدینہ منورہ کے خوبصورت سایہ دار درخت مراد ہے جو مدینہ کے لئے باعث زینت ہوتا تھا اس کے کاٹنے کے بارے میں فرمایا ہے یا اس سے بیری کا وہ درخت مراد ہے جو کسی کی ذاتی ملکیت میں ہو اور کوئی شخص اس کو خالص ظلم کی بنیاد پر آکر طاقت کے زور پر کاٹ کر لیجاتا ہے اس شخص کے لئے یہ وعید ہے۔ ابوداؤد کی تشریح میں بھی **غشمًا** کا لفظ ہے جو ظلم کے معنی میں ہے جس کی تفسیر وظلماً سے کی گئی ہے جو یا عطف تفسیر ہے یا تاکید ہے۔ اور ''بغیر حق'' سے مراد بغیر نفع ہے یعنی نہ اس شخص کو شفعہ کا حق حاصل ہے اور نہ اس کو اس کاٹنے میں کوئی نفع ہے یہ مزید تقبیح کے لئے ہے کہ بلا فائدہ خوامخواہ اس درخت کو کاٹ دیا۔ بغیر حق کے اس لفظ سے اس حدیث کی مناسبت باب شفعہ کے ساتھ واضح ہو جاتی ہے کہ اس درخت میں اس شخص کا کوئی حق نہیں نہ حق شفعہ حاصل ہے نہ کوئی اور فائدہ ہے نیز یہ شخص دوسرے کا حق اپنے حق کے ساتھ بطور ظلم ملاتا ہے اور شفعہ کی تعریف میں بھی **تملك البقعه جبرًا** کے الفاظ موجود ہیں۔[1]

الفصل الثالث

نا قابل تقسیم اور غیر منقولہ اشیاء میں شفعہ نہیں ہے

﴿۱۰﴾ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ إِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ فِي الْأَرْضِ فَلَاشُفْعَةَ فِيهَا وَلَاشُفْعَةَ فِيْ بِئْرٍ وَلَافَحْلِ النَّخْلِ. (رَوَاهُ مَالِكٌ)[2]

ترجمہ: حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب زمین میں حدیں قائم ہو جائیں (یعنی مشترک زمین شرکاء میں باہم تقسیم ہو جائے اور ہر ایک کے حصے الگ الگ ہو جائیں) تو (شرکت کا) شفعہ باقی نہیں رہتا اور نہ کنویں میں شفعہ کا حق حاصل ہوتا ہے اور نہ نر کھجور کے درخت میں''۔ (مالک)

توضیح: "بئر" یعنی کنویں میں شفعہ نہیں ہے شوافع فرماتے ہیں کہ کنویں میں شفعہ اس لئے نہیں ہے کہ یہ قابل تقسیم

[1] المرقات: ۶/۱۶۶ [2] اخرجه مالك: ۷۱۷

نہیں ہے شفعہ قابل تقسیم اشیاء میں ہوتا ہے احناف کے نزدیک شفعہ ہر غیر منقولہ چیز میں ہے خواہ وہ قابل تقسیم ہو جیسے زمین مکانات اور باغات ہیں یا خواہ وہ قابل تقسیم نہ ہو جیسے چکی، حمام اور کنواں ہیں۔[1]

شوافع نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے احناف رحمہم اللہ نے **الشفعة فی کل شیء** سے استدلال کیا ہے۔

"**ولا فحل النخل**" اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ کھجور کے نر درخت اور مذکر میں شفعہ نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ مثلاً کچھ لوگوں کو میراث وغیرہ میں کھجور کا باغ ہاتھ لگ گیا اس میں ایک درخت نر کھجور کا بھی تھا جس سے لوگ پھول لیجا کر اپنے درختوں میں پیوند لگاتے تھے پھر ان تمام لوگوں نے اس باغ کو آپس میں تقسیم کیا اور نر کھجور مشترک رہ گیا جس سے لوگ پھول لیکر اپنے درختوں پر ڈالتے تھے اب ایک شخص نے اپنے کھجور کے سارے درخت فروخت کر دیئے اور ساتھ ساتھ اپنے اس حق کو بھی فروخت کر دیا جو نر کھجور میں بوجہ اشتراک تھا تو اس حق میں شرکا میں سے کسی کا شفعہ صحیح نہیں ہے کیونکہ درخت کا یہ حق نہ تو زمین ہے اور نہ قابل تقسیم ہے۔[2]

[1] المرقات: ۶/۱۶۶ [2] المرقات: ۶/۱۶۶

باب المساقاة والمزارعة

مزارعت کا بیان

مساقات باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کا مجرد سقی ہے سیراب کرنے کو کہتے ہیں اصطلاح میں مساقات اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنا باغ سنبھالنے کے لئے کسی کو اس باغ کے مجموعی پھلوں کے چوتھائی یا تہائی کے عوض دیتا ہے۔ اور اسی طرح معاملہ پر اپنی زمین کسی کو کھیتی باڑی کے لئے بٹائی پر دینے کا نام مزارعت ہے مساقات و مزارعت ایک ہی چیز ہے دونوں کا فقہی حکم بھی تقریباً ایک ہے صرف اتنا فرق ہے کہ مساقات کا معاملہ باغات میں ہوتا ہے اور مزارعت کا معاملہ کھیتوں میں ہوتا ہے مزارعت پانچ اقسام پر ہے دو صورتوں کے جواز پر اتفاق ہے اور دو صورتوں کے عدم جواز پر اتفاق ہے اور ایک صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

① پہلی صورت یہ ہے کہ اگر مزارعت کی اجرت نُقود یعنی نقد روپے ہو تو یہ اتفاقاً جائز ہے ② دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اجرت و معاوضہ میں طعام مضمون ہو یعنی گھر سے غلہ دینے کا وعدہ ہو تو یہ بھی اتفاقاً جائز ہے ③ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر ماخرج متعین کو اجرت مقرر کر لیا یعنی کھیت کی پیداوار میں سے مثلاً پانچ من معاوضہ میں مقرر کر لیا تو یہ اتفاقاً ناجائز ہے۔

④ چوتھی صورت یہ ہے کہ اگر معاوضہ میں مزارعت والی زمین کا متعین حصہ مقرر کر لیا تو یہ صورت بھی اتفاقاً ناجائز ہے۔

⑤ پانچویں صورت یہ ہے کہ اگر اجرت ماخرج جزء مشاع ہے یعنی پیداوار کا تیسرا یا چوتھا حصہ مقرر کیا ہے تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

مزارعت میں فقہاء کا اختلاف

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مزارعت کی یہ صورت بھی ناجائز ہے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مزارعت کی یہ صورت جائز ہے۔

دلائل جمہور نے ان تمام روایات سے استدلال کیا ہے جن میں مزارعت پر زمین دینے کی ممانعت وارد ہے خصوصاً حضرت رافع بن خدیج کی روایت نمبر ۲ اور روایت نمبر ۴ سے استدلال کیا ہے جمہور مزارعت کو قفیز الطحان پر بھی قیاس کرتے ہیں وہ منع ہے تو مزارعت بھی منع ہے قفیز الطحان چکی میں غلہ کی پسائی پر اسی غلہ سے اجرت لینے کو کہتے ہیں۔

امام احمد اور صاحبین نے فصل اول کی پہلی حدیث سے استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم نے یہود خیبر کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا وہ مزارعت کا معاملہ تھا یہی وجہ ہے کہ مزارعت کو مخابرہ بھی کہتے جس کا مادہ خیبر ہے ان حضرات نے حضرت طاؤس کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کی حدیث نمبر ۵ سے بھی استدلال کیا ہے جو مزارعت کے جواز پر قطعی دلیل ہے۔

نیز اس باب کی فصل ثالث کی حضرت قیس بن مسلم کی حدیث نمبر ۹ سے بھی ان حضرات نے استدلال کیا ہے اور اس کے ساتھ امام بخاری کی تعلیقات بھی ان حضرات کے دلائل ہیں جو حدیث نمر ۹ کے تحت مذکور ہیں۔ یہ حضرات مزارعت کے اس معاملہ کو مضاربت پر بھی قیاس کرتے ہیں کہ مضاربت میں بھی مال ایک آدمی کا ہوتا ہے اور محنت دوسرے آدمی کی ہوتی ہے شریعت نے اس کو لوگوں کی مجبوری کے پیش نظر جائز قرار دیا ہے لہٰذا مزارعت میں بھی لوگوں کی مجبوری کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا نیز امت نے سلفاً خلفاً مزارعت کے معاملہ کو قبول کیا ہے یہ بھی ایک قسم جواز کی دلیل ہے۔ کیونکہ "مارأه المؤمنون حسناً فهو عندالله حسن" بہرحال دلائل کے اعتبار سے اگرچہ جمہور مضبوط ہونگے لیکن امت کی ضرورت کی وجہ سے فتویٰ صاحبین اور امام احمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے اب جمہور کے دلائل کا جواب اور ان کو صحیح محمل پر حمل کرنا باقی ہے۔

جواب: جن روایات میں مخابرہ اور مزارعت کی ممانعت مذکور ہے اس ممانعت کا تعلق ان صورتوں کے ساتھ ہے جو صورتیں بالاتفاق ناجائز ہیں یعنی اوپر مذکور تیسری اور چوتھی صورت مراد ہے چنانچہ آنے والی حدیث نمبر ۳ اور حدیث نمبر ۴ میں اس کا واضح فرق موجود ہے ویسے جمہور مساقات کے جواز کے قائل ہیں تو مزارعت بھی مساقات کی طرح ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں حضور اکرم ﷺ نے مزارعت کی ممانعت اس لئے فرمائی تھی کہ انصار مروّت واخلاق کے تحت اپنی زمینیں مزارعت کے بجائے عطیہ ومنحہ کے طور پر مہاجرین کو دیدیں تاکہ مہاجرین انصار کے دھقان بن کر ان کے حوصلے پست نہ ہوں لہٰذا اس ممانعت کا تعلق حسن اخلاق اور مروّت سے ہے قانونی طور پر ممانعت نہیں ہے چنانچہ آنے والی حدیث نمبر ۵ اور حدیث نمبر ۶ اس حقیقت پر واضح دلالت کر رہی ہے۔

سوال: فقہ حنفی میں مذکور ہے کہ مزارعت کا معاملہ صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے اگر حقیقت یہی ہے تو پھر فقہ کی کتابوں میں فقہی جزئیات میں کیوں لکھا جاتا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک مزارعت کا فلاں مسئلہ ایسا ہے فلاں ایسا نہیں ہے جب امام صاحب کے نزدیک اصولی طور پر مزارعت جائز نہیں تو پھر ان فقہی تفصیلات کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: علامہ حاوی مقدسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک مزارعت بالکل منع نہیں ہے بلکہ **جائز مع الکراھة** ہے "**و کرهها ابو حنيفة ولم ينه عنه اشد النهي**"

لہٰذا امام صاحب نے نفس جواز کی وجہ سے مزارعت کی جزئیات کو بیان کیا ہے خلاصہ یہ کہ امام صاحب کے نزدیک مزارعت **جائز مع الکراھة** ہے صاحبین کے نزدیک مطلقاً جائز ہے فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

الفصل الاول

معاملہ خیبر کی وجہ سے مزارعت کا جواز

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَ إِلٰى يَهُوْدِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ

وَأَرْضَهَا عَلَى أَنْ يَعْتَمِلُوهَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَلِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَطْرُ ثَمَرِهَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَفِي رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى خَيْبَرَ الْيَهُودَ أَنْ يَعْمَلُوهَا وَيَزْرَعُوهَا وَلَهُمْ شَطْرُ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے خیبر کی کھجوروں کے درخت اور وہاں کی زمین اس شرط پر خیبر کے یہودیوں کے حوالہ کردی کہ وہ اس میں اپنی جان اور اپنا مال لگائیں اور اس کا آدھا پھل رسول کریم ﷺ کے لئے ہوگا"۔ (مسلم)

توضیح: خیبر ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ سے ۶۰ میل شمال میں واقع ہے پہلے یہ جگہ یہود مدینہ کا مرکزی مقام تھا اب چند گاؤں ہیں جس میں زیادہ تر یہود کے جانشین شیعہ رافضی رہتے ہیں کھجور کے باغات کے لئے یہ مشہور علاقہ ہے سات ہجری میں خیبر فتح ہوا تھا اکثر علاقے جنگ کے زور پر لئے گئے تھے۔ کچھ اطراف کے علاقے صلح کے تحت ہاتھ آئے تھے امام ابوحنیفہ حضور اکرم کے اس معاملہ کو خراج مقاسمہ پر حمل کرتے ہیں اور خیبر کی فتح کو صلح کے طور پر مانتے ہیں اس لئے مزارعت جائز نہیں ہے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ خیبر جنگ جہاد کے نتیجہ میں فتح ہوا تھا حضور اکرم ﷺ کا یہود کے ساتھ معاملہ خراج مقاسمہ کے طور پر نہیں تھا بلکہ یہ بٹائی اور مزارعت کا معاملہ تھا اس لئے یہ جائز صاحبین کی رائے واضح ہے خیبر اکثر بزور شمشیر فتح ہوا تھا پھر حضور اکرم ﷺ سے یہود نے وہیں پر رہنے کی درخواست کی حضور اکرم نے فرمایا کہ زمین اب مسلمانوں کی ہے البتہ تم بطور مزارعت یہاں رہو جب اللہ چاہیگا پھر تم نکلو گے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کو خیبر سے نکالدیا یہ حدیث مزارعت کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔[2]

مخابرہ کی ممانعت

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نُخَابِرُ وَلَا نَرٰى بِذٰلِكَ بَأْسًا حَتّٰى زَعَمَ رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهَا فَتَرَكْنَاهَا مِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ مخابرت کیا کرتے تھے اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے یہاں تک کہ جب حضرت رافع ابن خدیج نے یہ بتایا کہ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے تو ہم نے اس وجہ سے اسے ترک کردیا"۔ (مسلم)

توضیح: "نخابر" یہ مخابرت سے ہے اس کا مادہ وہی خیبر ہے مزارعت کو کہتے ہیں اس کو اکراء الارض بھی کہتے ہیں یہ حدیث مانعین مزارعت کی دلیل ہے اس کا جواب پہلے ہوگیا ہے۔[4]

[1] اخرجه مسلم: ۱/۶۷۷ والبخاری: ۳/۱۳۷ [2] المرقات: ۶/۱۶۷ [3] اخرجه مسلم: ۱/۱۷۶ [4] المرقات: ۶/۱۶۹

نقود پر مزارعت اتفاقاً جائز ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَمَّايَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُكْرُونَ الْأَرْضَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يَنْبُتُ عَلَى الْأَرْبِعَاءِ أَوْ شَيْءٍ يَسْتَثْنِيهِ صَاحِبُ الْأَرْضِ فَنَهَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لِرَافِعٍ فَكَيْفَ هِيَ بِالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ فَقَالَ لَيْسَ بِهَا بَأْسٌ وَكَأَنَّ الَّذِي نُهِيَ عَنْ ذٰلِكَ مَالَوْ نَظَرَ فِيهِ ذَوُو الْفَهْمِ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ لَمْ يُجِيزُوهُ لِمَا فِيهِ مِنَ الْمُخَاطَرَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حنظلہ ابن قیس (تابعی) حضرت رافع بن خدیج (صحابی) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی رافع رضی اللہ عنہ نے) فرمایا کہ مجھے میرے دو چچاؤں نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نالیوں پر ہونے والی پیداوار کے عوض اپنی زمین اجرت پر دیا کرتے تھے (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی زمین کو کسی دوسرے شخص کو اس شرط کے ساتھ اجرت پر دیدیا کرتے تھے کہ وہ شخص اپنی محنت اور اپنا تخم لگا کر اس میں کاشت اور اس زمین کی پانی کی نالیوں کے کناروں پر جو کچھ پیدا ہوگا وہ اس زمین کی اجرت میں مالک کا حق ہوگا اور اس کے علاوہ باقی زمین کی پیداوار کاشت کرنے والے کا حق ہوگا) یا اپنی زمین کو اس قطعہ (پیداوار) کے عوض اجرت پر دیتے تھے جسے مالک اپنے لئے علیحدہ کر لیتا تھا (یعنی زمین کو اجرت پر دینے کی دوسری صورت یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی زمین جب کسی کو کاشت کے لئے دیتے تو اس کا کوئی قطعہ اپنے لئے متعین کر دیتے اور یہ طے ہوجاتا تھا کہ کاشت کرنے والا اپنی محنت اور اپنا تخم لگا کر پوری زمین پر کاشت کرے پھر اس متعین قطعہ کی جو کچھ پیداوار ہوگی وہ تو مالک لے لیگا اور باقی زمین کی پیداوار کاشت کرنے والا لے لیگا) چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا (کیونکہ اس میں نقصان اور فریب میں مبتلا ہونے کا خوف رہتا تھا) حدیث کے راوی حضرت حنظلہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ درہم و دینا کے عوض مزارعت کا کیا حکم ہے (یعنی اپنی زمین کسی کو کاشت کرنے کے لئے دیدی جائے اور اس کے عوض بطور لگان روپے لئے جائیں تو کیا حکم ہے؟) حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور جس چیز سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے (یعنی مزارعت کی مذکورہ دونوں صورتیں) وہ ایسی چیز ہے کہ اگر حرام و حلال کی سمجھ رکھنے والا شخص اس میں غور کرے تو نقصان پہنچنے کے خوف سے اسے پسند نہ کرے''۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: ''یکرون الارض'' اکراء سے ہے زمین کو اجرت پر دینے کے معنی میں ہے مراد مزارعت ہے۔[2]

''الاربعاء'' ہمزہ پر فتحہ ہے اور با پر بھی فتحہ ہے یہ ربیع کی جمع ہے چھوٹی نہر کو ربیع کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ زمین کا مالک کاشتکار کو زمین دیا کرتا تھا وہ زمین کاشت کرتا تھا اور مالک اپنے لئے نہر کے کناروں کا غلہ مقرر کرتا تھا یا کچھ اور قطعہ زمین

---

[1] اخرجه البخاری: ۳/۱۳۷ و مسلم: ۳/۲۵۵ [2] المرقات: ۶/۱۷۰

مستثنیٰ کر کے رکھتا تھا اس سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا کیونکہ یہ ایک نامعلوم چیز ہے ہوسکتا ہے کہ اسی جگہ غلہ آجائے باقی کہیں نہ آئے تو مزدور کا نقصان ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ باقی جگہ میں غلہ آجائے نہر کے کنارہ پر نہ آئے تو مالک کا نقصان ہوگا یہ معاملہ قمار اور جوأ کی طرح ہوجاتا ہے اس لئے منع کیا گیا اور اسی بات کو حضرت رافع نے بطور علت بیان فرمادیا اور فقہاء میں سے سب اس کی حرمت کے قائل ہیں رہ گئی وہ صورت جو نقود پر معاملہ ہو تو اس کے جواز کے سب فقہاء قائل ہیں۔ "وکأن" سے آخر تک کلام رافع بن خدیج کا ہے حدیث اوپر ختم ہوگئی ہے۔[1]

مزارعت کی ایک ممنوع صورت

﴿۴﴾ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ حَقْلاً وَكَانَ أَحَدُنَا يُكْرِي أَرْضَهُ فَيَقُولُ هٰذِهِ الْقِطْعَةُ لِي وَهٰذِهِ لَكَ فَرُبَّمَا أَخْرَجَتْ ذِهْ وَلَمْ تُخْرِجْ ذِهْ فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت رافع ابن خدیج کہتے ہیں کہ ہم اکثر مدینہ والے کاشتکاری کیا کرتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ اپنی زمین کو بٹائی پر کاشت کرنے کے لئے (کسی دوسرے کو) دیدیا کرتے تھے اور اس سے یہ کہہ دیتے تھے (کہ تم اس پوری زمین پر کاشت کرو اس کے عوض میں) اس زمین کا یہ قطعہ میرے لئے ہے (یعنی اس قطعہ کی پیداوار میں لےلوں گا) اور یہ قطعہ تمہارے لئے ہے (یعنی اس دوسرے قطعہ کی پیداوار تم لے لینا) اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک قطعہ میں پیدا ہوجاتی تھی لیکن دوسرے قطعہ میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا تھا چنانچہ رسول کریم ﷺ نے (مزارعت کی اس صورت سے) منع فرمادیا (کیونکہ اس کی وجہ سے ایک شخص کو تو زمین کی پوری پیداوار مل جاتی تھی اور دوسرے شخص کا حق بالکل ضائع ہوجاتا تھا)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: اس صورت کے عدم جواز پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کیونکہ یہ بھی جوأ کی ایک قسم بنتی ہے زمین کا جو قطعہ کاشتکار کو مزدوری میں دیا ہے ہوسکتا ہے اس میں غلہ آجائے اور ہوسکتا ہے کہ اس میں ایک دانہ غلہ نہ آئے اس لئے یہ صورت منع ہے "ذہ" یہ زمین کے اس ٹکڑے کی طرف اشارہ ہے جو مزدوری میں دیا گیا ہے۔

مروت واحسان یہ ہے کہ زمین عاریت پر دیدو

﴿۵﴾ وَعَنْ عَمْرٍو قَالَ قُلْتُ لِطَاوُسٍ لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ فَإِنَّهُمْ يَزْعُمُونَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ قَالَ أَيْ عَمْرُو إِنِّي أُعْطِيهِمْ وَأُعِينُهُمْ وَإِنَّ أَعْلَمَهُمْ أَخْبَرَنِي يَعْنِي ابْنَ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلٰكِنْ قَالَ أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجاً مَعْلُوماً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

---

[1] المرقات: ۶/۱۷۰ [2] اخرجه البخاري: ۳/۱۳۷ ومسلم: ۳/۱۷۵۱ [3] المرقات: ۶/۱۷۱

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن دینار رحمہ اللہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طاؤس رحمہ اللہ (تابعی) سے کہا کہ اگر آپ مزارعت کو ترک کر دیتے تو بہتر تھا کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے' طاؤس رحمہ اللہ نے کہا کہ ''اے عمرو: میں (اپنی زمین کاشت کرنے کے لئے) لوگوں کو دیتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں اور سب سے بڑے عالم یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں فرمایا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ اپنے کسی بھائی کو اپنی زمین کاشت کے لئے دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس پر اس زمین کا کوئی لگان وغیرہ متعین کر کے لے لیا جائے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: اس حدیث میں مزارعت کی ممانعت نہیں ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ انصار اپنی زمینوں کو بطور عاریت اور عطیہ اور منحہ مشکورہ اپنے مہاجرین بھائیوں کو دیدیں اس لئے یہ ترغیب دیدی کہ اپنے بھائیوں کو دھقان نہ بناؤ یہ جند اللہ اور جند الاسلام ہیں ان کو عطیہ کے طور پر کاشت کے لئے زمین دیدو پھر یہ واپس کر دیں گے تم ان سے اجرت مت لو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ابتداء اسلام کا نقشہ اسی طرح پیش فرمادیا۔

اس روایت میں طاؤس سے پہلے جو عمرو کا ذکر ہے اس سے مراد عمرو بن دینار ہیں جو جلیل القدر تابعی ہیں۔[1]

بطور احسان زمین عاریت پر دو یا خود کاشت کرو

﴿۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا أَخَاهُ فَإِنْ أَبَى فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص کے پاس زمین ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اس میں خود کاشت کرے یا (خود کاشت نہ کر سکے تو) اپنے کسی بھائی کو عاریۃ دیدے اور اگر یہ دونوں ہی باتیں پسند نہ ہوں تو پھر چاہیئے کہ اپنی زمین اپنے پاس رکھے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''یمنحھا'' یہ منحۃ سے ہے عطیہ کے معنی میں ہے کہ دوسرے کو نفع اٹھانے کیلئے کوئی چیز دیدے پھر واپس کرادے۔[3]

''فان ابی'' یعنی خود بھی کاشت نہیں کرتا اور دوسرے کو عطیہ بھی نہیں کرتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے پاس رکھدے یعنی بے کار چھوڑ دے اس صورت میں یہ حدیث بطور توبیخ وتشدید وتہدید ہے کہ یہ شخص احسان کیوں نہیں کرتا ہے اور جند اللہ کو دہقان بنا رہا ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اپنے پاس رکھے دوسروں کو مزارعت پر نہ دے اس میں توبیخ وتنبیہ ہے بعض علماء نے یہ مطلب لیا ہے کہ اگر ان کا بھائی قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو پھر اپنی زمین اپنے پاس رکھدے۔[4]

[1] المرقات: ۶/۱۷۲ [2] اخرجہ البخاری: ۳/۱۴۱ ومسلم: ۱/۶۷۱ [3] المرقات: ۶/۱۷۳ [4] المرقات: ۶/۱۷۳

زراعت میں پڑ کر جہاد چھوڑنے پر شدید وعید

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ وَرَأَى سِكَّةً وَشَيْئًا مِنْ آلَةِ الْحَرْثِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَدْخُلُ هٰذَا بَيْتَ قَوْمٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللهُ الذُّلَّ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [1]

ترجمہ: منقول ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے (ایک جگہ) ہل اور کھیتی باڑی کا کچھ سامان دیکھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ سامان جس گھر میں داخل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گھر میں ذلت داخل کر دیتا ہے''۔ (بخاری)

توضیح: "سکة" ہل کیساتھ جو لوہا لگا ہوتا ہے جس سے زمین کو چیرا جاتا ہے اس کو سکة کہا گیا ہے "والة الحرث" یعنی کھیتی باڑی کا کچھ دیگر سامان بھی دیکھا اس پر حضرت ابوامامہ ناراض ہوئے اور ایک حدیث سنادی۔ [2]

"الذل" یعنی ذلت وخواری گھر میں داخل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ذلیل کر دیتا ہے۔ [3]

سوال: آنحضرت ﷺ نے کھیتی باڑی کی ترغیب بھی دی ہے اور فضیلت وثواب بھی بیان کیا ہے ایک حدیث میں اس طرح حکم ہے "اطلبوا الرزق من خبايا الارض" یعنی زمین کے پوشیدہ مقامات سے (بذریعہ کاشت) رزق تلاش کرو، اسی ترغیب کے باوجود یہاں گھر میں ہل رکھنے اور کھیتی باڑی کرنے پر نکیر کیسے فرمائی؟؟

جواب: حضور اکرم ﷺ نے دراصل جہاد کی ترغیب دی ہے کھیتی باڑی سے منع نہیں کیا بلکہ مقصود یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص جہاد کو چھوڑ کر کھیتی باڑی کرتا ہے تو اس کی بنیادی وجہ اس کی بزدلی اور بے ہمتی ہوتی ہے اور بادشاہوں کو ٹیکس الگ دینا پڑتا ہے اگر یہی لوگ کھیتی باڑی کے بجائے جہاد کے راستہ کو اختیار کریں تو وافر مقدار میں ان کو دنیا مل جائے گی یہ خود ٹیکس دینے کے بجائے اوروں سے ٹیکس وصول کریں گے دین بھی آئے گا دنیا بھی آئے گی ایک حدیث میں ہے "العز في نواصي الخيل والذل في اذناب البقر"۔ [4]

بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے سروں پر دشمن آپہنچا ہے دشمن آرہا ہے اور یہ لوگ کھیتی باڑی میں لگے ہوئے ہیں بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ حکم ابتدا اسلام میں صحابہ کے لئے تھا کیونکہ وہ جند الاسلام تھے اگر وہ دہقان بن کر زمینیں آباد کرنے لگ جاتے تو مشرق ومغرب میں دین کون غالب کراتا؟

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ملفوظات میں فرمایا کہ مسلمان ڈنڈے والا ہوتا ہے ہندو ڈنڈی والا ہوتا ہے (یعنی ترازو والا)۔

ابوداؤد شریف کی ایک حدیث کے چند الفاظ اس طرح ہیں۔

[1] اخرجه البخاري: ۳/۱۳۵ [2] المرقات: ۶/۱۳۷ [3] المرقات: ۶/۱۷۳ [4] المرقات: ۶/۱۷۳

"اذاتبایعتم بالعینة واتبعتم الزرع واخذتم باذناب البقر وترکتم الجهاد سلط الله علیکم الذلة او کماقال علیه السلام۔

الفصل الثانی

بلا اجازت کسی کی زمین میں کاشت نہ کرو

﴿۸﴾ عن رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَرَعَ فِيْ أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ وَلَهُ نَفَقَتُهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: حضرت رافع ابن خدیج نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جوشخص کسی کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر (یعنی مالک کی رضا اور حکم کے بغیر) کاشت کرے تو اس کے لئے اس زمین کی پیداوار میں سے علاوہ اس کے جو اس نے خرچ کیا ہے اور کچھ نہیں ہوگا۔ (ترمذی، ابوداود)

توضیح: "وله نفقته" یعنی اگر کسی شخص نے بغیر اجازت کسی کی زمین میں کاشت کی تو ساری پیداوار زمین کے مالک کو ملے گی ہاں کاشت کرنے والے نے جو تخم زمین میں ڈالا ہے وہ اس کو ملیگا باقی کچھ نہیں ملیگا امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک ہے اور حدیث کا یہی مطلب ہے لیکن کچھ دیگر علماء اور بعض احناف کا کہنا ہے کہ زمین کی پیداوار کاشت کرنے والے کو ملے گی البتہ جتنے عرصہ تک اس نے زمین کو جو مشغول رکھا ہے اس کا معاوضہ ادا کریگا۔ ظاہر حدیث حنابلہ کے ساتھ ہے۔[2]

الفصل الثالث

مزارعت منع نہیں ہے

﴿۹﴾ عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِيْ جَعْفَرٍ قَالَ مَا بِالْمَدِيْنَةِ أَهْلُ بَيْتِ هِجْرَةٍ إِلَّا يَزْرَعُوْنَ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَزَارَعَ عَلِيٌّ وَسَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَعَبْدُاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ وَعُمَرُ ابْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ وَالْقَاسِمُ وَعُرْوَةُ وَآلُ أَبِيْ بَكْرٍ وَآلُ عُمَرَ وَآلُ عَلِيٍّ وَابْنُ سِيْرِيْنَ وَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ كُنْتُ أُشَارِكُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ فِي الزَّرْعِ وَعَامَلَ عُمَرُ النَّاسَ عَلَى أَنْ جَاءَ عُمَرُ بِالْبَذْرِ مِنْ عِنْدِهِ فَلَهُ الشَّطْرُ وَإِنْ جَاءُوْا بِالْبَذْرِ فَلَهُمْ كَذَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: حضرت قیس رحمہ اللہ ابن اسلم، حضرت ابوجعفر رحمہ اللہ یعنی امام محمد باقر سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا

[1] اخرجه الترمذی: ۳/۶۴۸ وابوداؤد: ۳/۲۵۹ [2] المرقات: ۶/۱۶۴ [3] اخرجه البخاری: ۱/۱۳۷

مدینہ میں مہاجرین کا کوئی ایسا گھر نہ تھا جو تہائی اور چوتھائی (کی بٹائی پر) کھیتی نہ کرتا ہو۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت سعد ابن مالک یعنی سعد ابن ابی وقاص، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ، قاسم، عروہ، حضرت ابوبکر کی اولاد، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ابن سیرین یہ سب کھیتی کرتے تھے۔حضرت عبدالرحمٰن ابن اسود رحمۃ اللہ علیہ تابعی کا بیان ہے کہ میں حضرت عبدالرحمٰن ابن یزید کی شرکت میں مزارعت کیا کرتا تھا، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے اس شرط پر (مزارعت) کا معاملہ کیا تھا کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ بیج اپنے پاس سے دینگے تو (پیداوار کا) نصف حصہ ان کا ہوگا اور اگر وہ لوگ بیج دینگے تو پیداوار میں اس کے مطابق ان کا حصہ ہوگا (یعنی نصف، یا تہائی یا چوتھائی جو بھی مقرر ہوتا ہو)۔ (بخاری)

توضیح: "**ھجرۃ**" یعنی مہاجرین تقریباً سارے بٹائی پر کام کرتے تھے مزارعت کے کھیت میں یہ بٹائی کبھی ایک تہائی پر ہوتی تھی اور کبھی چوتھائی پر ہوتی تھی۔[1]

"**وزارع**" میرک شاہ نے کہا ہے کہ وزارع سے آخر تک پوری عبارت امام بخاری کی اپنی ہے اس میں امام بخاری نے چند صحابہ کے آثار نقل کئے ہیں جس سے مزارعت کا جواز ملتا ہے امام بخاری خود بھی مزارعت کے جواز کے قائل ہیں امام بخاری نے ان آثار کو بطور تعلیق نقل کیا ہے۔صاحب مشکوۃ کو چاہئے تھا کہ وہ آخر میں رواہ البخاری تعلیقاً کے الفاظ لکھتے تا کہ پتہ چل جاتا کہ حدیث کہاں تک ہے اور تعلیق واثر کہاں سے ہے۔[2]

[1] المرقات: ۶/۱۷۵ [2] المرقات: ۶/۱۷۵، ۱۷۶

باب الاجارۃ

اجارہ کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿فان ارضعن لکم فاٰتوھن اجورھن﴾ ۱

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿انی اریدان انکحك احدیٰ ابنتی ھاتین علی ان تأجرنی ثمانی حجج﴾ ۲

"الاجارۃ" لغت میں اجارہ کسی چیز کو کرایہ پر دینے کو کہتے ہیں۔
اصطلاح میں کسی کو اجرت پر اپنی کسی چیز کی منفعت کا مالک بنانا اجارہ کہلاتا ہے "الاجارۃ تملیك المنافع بعوض" احادیث و آثار سے اجارہ ثابت ہے اگرچہ قواعد بیوعات کی روشنی میں اجارہ جائز نہیں ہونا چاہئے تھا لیکن لوگوں کے احتیاج اور ضرورت کے پیش نظر اس کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ ۳

الفصل الاول

اجارہ جائز ہے

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ زَعَمَ ثَابِتُ بْنُ الضَّحَّاكِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْمُزَارَعَةِ وَأَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ وَقَالَ لَابَأْسَ بِھَا۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ) ۴

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مغفل کہتے ہیں کہ حضرت ثابت ابن ضحاک رضی اللہ عنہ نے یہ بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور اجارہ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے"۔ (مسلم)

توضیح: "نھی عن المزارعة" یہ مزارعت کی اسی ممنوع صورت کی طرف اشارہ ہے جس کا بیان تفصیل سے ہو گیا ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ "المزارعة" میں الف لام عہدی ہے جس سے مزارعت کی ممنوعہ صورت مراد ہے "لا بأس بھا" یعنی شرعاً جائز اجارہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ۵

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ فَأَعْطَی الْحَجَّامَ أَجْرَہٗ وَاسْتَعَطَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) ۶

۱ طلاق الایہ ۶ ۲ قصص الایہ ۲۷ ۳ المرقات: ۶/۱۷۶
۴ اخرجہ مسلم: ۱/۱۷۶ ۵ المرقات: ۶/۱۷۷ ومسلم ۶ اخرجہ البخاری: ۱/۱۳۷ ومسلم

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) بھری ہوئی سینگی کھچوائی اور سینگی کھینچنے والے کو اس کی اجرت عطا فرمائی نیز آپ ﷺ نے اپنی ناک میں دوا ڈالی''۔ (بخاری ومسلم)

نبی مکرم ﷺ نے اجرت پر بکریاں چرائی ہیں

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَابَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ أَصْحَابُهُ وَأَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ أَرْعَى عَلَى قَرَارِيْطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی مبعوث نہیں کیا ہے جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں''۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ''کیا آپ ﷺ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا ہاں: میں چند قیراط کی اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (بخاری)

توضیح: ''الارعی الغنم'' بکری ایک مسکین حیوان ہے اس سے میل جول رکھنے والے انسان میں عاجزی کی صفت آجاتی ہے پھر حیوانات میں بکری ایسا جانور ہے جس کے ریوڑ ہوتے ہیں یہ اس کی برکت کی نشانی ہے انبیاء کرام چونکہ انسانوں کے لئے داعی بن کر آتے ہیں پھر انسانوں کی تربیت انکا منصب ہوتا ہے اس لئے تجربہ اور برداشت اور صبر وتحمل کی اشد ضرورت ہوتی ہے اسی مقصد کے لئے انبیاء کرام نے بکریاں چرائی ہیں تاکہ کل انسانوں کی نگرانی اور تربیت میں آسانی ہو اور مزاج میں انتہائی تحمل وبرداشت پیدا ہو بکری ایک کمزور حیوان ہے چھوٹے سے پتھر سے اگر ماردیا تو مرجاتی ہے اور طبعی طور پر اس میں ایک قسم شرارت بھی ہے شورش بھی ہے کہ ایک پتہ ایک درخت سے کھایا تو فوراً دوسری طرف چلی گئی اگر برداشت والا آدمی نہ ہو تو روز روز ایک نہ ایک بکری کو مار ڈالیگا اس لئے انتہائی تحمل کی ضرورت ہے اسی طرح انسانوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں ان کو راہ راست پر لانا اور پھر ان کی تربیت کرنا اس کے لئے بھی بڑا صبر چاہئے انہیں حکمتوں کے تحت انبیاء کرام نے ابتدا میں بکریاں چرائی ہیں یہ پیشہ بظاہر تو ادنیٰ ہے لیکن انجام کے اعتبار سے اعلیٰ ہے اس لئے ابنیاء کرام کے لئے مناسب ہوا آج کل لوگ داعی بننے کا بہت شوق رکھتے ہیں لیکن ناتجربہ کار اور بے علم ہونے کی وجہ سے فائدہ کے بجائے نقصان زیادہ ہوتا ہے معصوم نبی تو پہلے تجربہ کے مرحلہ سے گذرتا ہے اور یہ صاحب ایک دم لوگوں میں آدھمکتا ہے اور علامہ بن جانے کی کوشش کرتا ہے۔[۲]

''قراریط'' قیراط کی جمع ہے ایک درہم کے چھٹے حصے کے برابر ایک قیراط ہوتا ہے کبھی قیراط تحقیر کے لئے ذکر کیا جاتا ہے جیسے یہاں ہے جس کا مطلب پیسہ دو پیسہ ہے اور کبھی قیراط کا ذکر بہت زیادہ معاوضہ کے لئے ہوتا ہے جیسے جنازہ پڑھنے والے کو جو ایک قیراط ثواب ملتا ہے وہ قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے یہاں قیراط کا ذکر تعظیم کے لئے نہیں ہے۔[۳]

[۱] اخرجه البخاری: ۳/۱۱۵ [۲] المرقات: ۶/۱۷۷ [۳] المرقات: ۶/۱۷۷

مزدور کو اس کی مزدوری نہ دینے پر وعید

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَعْطٰى بِيْ ثُمَّ غَدَرَ وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهٖ أَجْرَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا ایک تو وہ شخص ہے جس نے میرے نام اور میری قسم کے ذریعہ کوئی عہد کیا اور پھر اس کو توڑ ڈالا، دوسرا وہ شخص ہے جس نے ایک آزاد شخص کو فروخت کیا اور اس کا مول کھایا اور تیسرا وہ ہے جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا اور اس سے کام لیا (یعنی جس کام کے لئے لگایا تھا وہ پورا پورا کام اس سے کرایا) لیکن اس کو اس کی مزدوری نہیں دی''۔ (بخاری)

توضیح: ''انا خصمھم'' یعنی تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ قیامت کے دن میں ان کے مقابلہ پر آؤں گا تو وہ میرے قہر وغضب کا خاص طور پر نشانہ بنیں گے ''رجل اعطی بی'' یعنی پہلا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر قسم کھا کر وعدہ کرتا ہے اور پھر اس میں دھوکہ کرتا ہے، وعدہ خلافی خود ایک جرم ہے لیکن جب اللہ کے نام پر وعدہ کیا قسم بھی کھائی اور پھر دھوکہ کیا یہ مزید جرم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہے۔[2]

''باع حرا'' دوسرا شخص وہ ہے جو کسی آزاد انسان کو غلام بنا کر بازار کا مال بنا دے یہ خود ایک بہت بڑا جرم ہے اس کی اجرت کھائے یا نہ کھائے یہ گناہ ہے لیکن اگر اس کے بدلے پیسہ بھی کھائے تو یہ مزید قباحت ہے اس لئے یہ شخص غضب الٰہی کا مستحق ہے تیسرا وہ شخص ہے جو کسی مزدور کو مزدوری پر لگائے اور جب اس نے کام مکمل کیا بڑی محنت اٹھائی پیسہ کے لئے پسینہ بہا دیا جب پیسہ مانگا تو خاص امید کے وقت اس شخص نے پیسہ دینے سے انکار کیا یہ بھی تہہ بتہہ ظلم ہے اسلئے یہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہے حدیث میں تین اشخاص سے مراد صرف تین آدمی نہیں بلکہ اس قسم تمام لوگ مراد ہیں۔

آج کل عربی ممالک میں یہ بیماری زوروں پر ہے اچھے اچھے مطوع لوگ ایک غریب پردیسی سے کام لیتے ہیں اور پھر معاضہ دینے سے انکار کر جاتے ہیں اور اس پردیسی کی غریب الوطنی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔[3]

جھاڑ پھونک کرنے والا اپنے عمل کی اجرت لے سکتا ہے

﴿۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوْا بِمَاءٍ فِيْهِمْ لَدِيْغٌ أَوْ سَلِيْمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَاءِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِنْ رَاقٍ إِنَّ فِي الْمَاءِ رَجُلًا لَدِيْغًا أَوْ

[1] اخرجه البخاری: ۳/۱۰۸ [2] المرقات: ۶/۱۶۸ [3] المرقات: ۶/۱۶۸

سَلِيمًا فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلَى شَاءٍ فَبَرَأَ فَجَاءَ بِالشَّاءِ إِلَى أَصْحَابِهِ فَكَرِهُوا ذٰلِكَ وَقَالُوا أَخَذْتَ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ أَجْرًا حَتّٰى قَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَقَالُوا يَارَسُولَ اللّٰهِ أَخَذَ عَلَى كِتَابِ اللّٰهِ أَجْرًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَقَّ مَاأَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. وَفِي رِوَايَةٍ أَصَبْتُمْ اقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِي مَعَكُمْ سَهْمًا)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت ایک ایسے گاؤں سے گذری جس میں کسی شخص کو بچھو یا سانپ نے ڈس رکھا تھا، چنانچہ اس بستی کا ایک شخص ان صحابہ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں میں کوئی شخص جھاڑ پھونک کرنے والا بھی ہے کیونکہ ہماری بستی میں ایک شخص کو بچھو یا سانپ نے ڈس لیا ہے۔ (اگر ایسا کوئی شخص ہے تو وہ میرے ساتھ چل کر اس شخص پر دم کردے) چنانچہ ان میں سے ایک صحابی تشریف لے گئے اور انہوں نے بکریوں کے عوض سورۂ فاتحہ پڑھی۔ وہ شخص اچھا ہوگیا، پھر جب وہ صحابی رضی اللہ عنہ بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے تو ان ساتھیوں نے اس کو ناپسند کیا اور کہا کہ (بڑے تعجب کی بات ہے کہ) تم نے کتاب اللہ (پڑھنے) پر مزدوری لی ہے؟ یہاں تک کہ وہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ پہنچے اور (آنحضرت ﷺ سے) عرض کیا کہ ''یارسول اللہ: فلاں صحابی نے کتاب اللہ (پڑھنے) پر مزدوری لی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''جن چیزوں کی اجرت لیتے ہو ان میں سب سے بہتر کتاب اللہ ہے''۔ (بخاری) ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ تم نے اچھا کیا ان بکریوں کو (آپس میں) تقسیم کرلو اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی لگاؤ''۔

توضیح: ''بماء'' یعنی پانی کے ایک گھاٹ کے پاس ایک قبیلہ کے لوگوں پر چند صحابہ کا حضور کے زمانہ میں گذر ہوا۔

''راق'' ضرب یضرب سے جھاڑ پھونک کے معنی میں ہے۔[2]

''**لدیغ اوسلیم**'' راوی کو حدیث کے لفظ میں شک ہوا کہ لفظ لدیغ تھا یا سلیم تھا ورنہ معنی کے اعتبار سے یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں سلیم بطور نیک فال سانپ کے ڈسے ہوئے کو کہتے ہیں یعنی کوئی خطرہ نہیں ان شاء اللہ یہ شخص صحیح سالم ہے۔[3] علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ لدیغ بچھو کے کاٹے ہوئے آدمی کو کہتے ہیں اور سلیم سانپ کے ڈسے آدمی کو کہتے ہیں اگر ایسا ہے تو پھر راوی کو الفاظ میں شک نہیں ہوا بلکہ معنی میں شک ہوا ''**فانطلق رجل**'' کہتے ہیں اس سے مراد حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں یہ کل تیس افراد پر مشتمل قافلہ تھا اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اجرت میں تیس بکریاں مقرر فرمائی تھیں۔[4]

''**علی شاء**'' یہ علی مقابلہ مبادلہ اور معاوضہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ شاء اور شیاہ یہ شاۃ کی جمع ہے بکری کو کہتے ہیں یعنی چند بکریوں کے عوض معاملہ طے ہوگیا۔[5]

''**ان احق الخ**'' مطلب یہ ہے کہ لوگ غلط سلط منتر پڑھ کر جادو ٹوٹکے کر کے معاوضہ لیتے ہیں جھاڑ پھونک کے لئے سب

[1] اخرجه البخاري: ۷/۱۷۰ [2] المرقات: ۶/۱۷۸ [3] المرقات: ۶/۱۷۹ [4] الكاشف: ۶/۱۶۸ [5] المرقات: ۶/۱۷۹

سے بہتر تو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو لوگوں کے لئے شفاء ہے تم نے اچھا کیا ہے میرا بھی اس میں حصہ رکھو حضور اکرم ﷺ نے ان صحابہ کی حوصلہ افزائی فرمائی کیونکہ یہ گھبرائے ہوئے تھے کہ ہم نے کوئی جرم کیا ہے حضور کے فرمان سے وہ خوش بھی ہوئے اور مسئلہ بھی معلوم ہو گیا اور یہ اطمینان بھی ہوا کہ بکریاں لینا جائز اور حلال تھا۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ قرآن وحدیث کے وظائف پڑھ کر دم کرنا اور لکھ کر تعویذ بنانا اور اس پر معاوضہ لینا جائز ہے یہ استیجار علی الطاعات کے زمرہ میں نہیں آتا ہے بلکہ طب اور علاج کے زمرہ میں آتا ہے جس پر اجرت لینا اتفاقاً جائز ہے رہ گیا قرآن کریم کی تعلیم وتعلم پر اجرت لینا اذان وامامت پر اجرت لینا اور اسی طرح دینی طاعات پر اجرت لینا کیسا ہے؟ تو یہ ایک الگ مسئلہ ہے اور اس میں متقدمین اور متاخرین فقہاء میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طاعات پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ لیکن دیگر فقہاء اور جمہور علماء کے نزدیک استیجار علی الطاعات جائز ہے وہ زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں متاخرین فقہاء احناف نے بھی بوجہ ضرورت بقدر ضرورت جواز کا فتویٰ دیا ہے۔[2]

تنویر الابصار میں ہے "لا تصح الاجارة للاذان والحج والامامة وتعليم القرآن والفقه" اس کی شرح میں صاحب[3] درمختار لکھتے ہیں "ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والامامة والاذان" (شامی ج۹ص۹۳)[4]

شرح عقود رسم المفتی کے مؤلف نے اس مسئلہ میں ایک ضابطہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے فقہاء کرام کی عبارات کے تضادات میں تطبیق پیدا ہو سکتی ہے اس ضابطہ کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحب شرح عقود رسم المفتی فرماتے ہیں کہ استیجار علی الطاعات سلف صالحین کے نزدیک ناجائز ہے فقہاء متاخرین نے جواز کا باقاعدہ کوئی فتویٰ نہیں دیا ہے بلکہ بدرجہ مجبوری انہوں نے اس کو جائز کہا ہے پھر صاحب شرح عقود رسم المفتی نے یہ ضابطہ لکھا ہے کہ شریعت کے مناصب میں سے اگر کوئی منصب اجرت کے بغیر قائم اور باقی نہیں رہ سکتا ہے تو اس کو باقی رکھنے کے لئے اجرت دینا جائز ہے جیسے امامت ہے اذان ہے قرآن عظیم کی تعلیم ہے درس وتدریس وغیرہ ہیں اگر اس پر اجرت لینا دینا بند ہو جائے تو یہ مناصب ختم ہو جائیں گے اس لئے اس کو باقی رکھنے کے لئے اجرت دینا جائز ہے لیکن اجرت نہ دینے سے اگر کوئی شرعی منصب نہیں ہوتا ختم تو اس کے لئے اجرت دینا یا لینا جائز نہیں جیسے تراویح میں ختم قرآن ہے اگر اس پر کسی قاری کو اجرت نہ دیا گیا تو زیادہ سے زیادہ ختم قرآن تراویح میں نہیں ہوگا نفس تراویح تو چھوٹی سورتوں کیساتھ ہر امام پڑھا سکتا ہے لہٰذا یہاں قاری کو ختم قرآن پر معاوضہ لینا جائز نہیں ہے اسی طرح ایصال ثواب کے لئے ختمات ہیں ان پر اجرت لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے بھی کوئی دینی منصب ختم نہیں ہوتا۔ اسی طرح معاملہ ٹیوشن کا بھی ہے اس سے بھی کوئی دینی منصب ختم نہیں ہوتا۔

بہرحال متاخرین نے بقدر ضرورت **استیجار علی الطاعات** کے جواز کا قول کیا ہے آج کل جو لوگ علماء پر اس وجہ

---

[1] المرقات: ۶/۱۷۹ [2] المرقات: ۶/۱۷۹ [3] المرقات: ۶/۱۷۹ [4] المرقات: ۶/۱۷۹

سے اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ طاعات پر اجرت لیتے ہیں یہ ملحد لوگ ہیں یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا جو معمولی سا کام باقی ہے یہ بھی ختم ہو جائے۔

اگر حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو استیجار علی الطاعات کا مسئلہ دور صحابہ سے چلا آ رہا ہے کیونکہ خلفاء راشدین جو وظائف بیت المال سے لیتے تھے وہ آخر طاعات کا معاوضہ تو تھا اسی طرح قاضیوں کی تنخواہوں کو اگر دیکھا جائے اور مجاہدین کے وظائف کو دیکھا جائے یہ سب کچھ طاعات ہی کے اعمال تھے جن پر ان کو وظائف ملتے تھے اس مسئلہ کی مزید تفصیل اور مکمل دلائل توضیحات جلد ۴ ص ۵ ۶۴ پر موجود ہے وہاں دیکھنا چاہئے۔

الفصل الثانی

باطل جھاڑ پھونک پر اجرت لینا حرام ہے

﴿۶﴾ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ عَمِّهِ قَالَ أَقْبَلْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْنَا عَلٰى حَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَقَالُوْا إِنَّا أُنْبِئْنَا أَنَّكُمْ قَدْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِ هٰذَا الرَّجُلِ بِخَيْرٍ فَهَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ دَوَاءٍ أَوْ رُقْيَةٍ فَإِنَّ عِنْدَنَا مَعْتُوْهًا فِي الْقُيُوْدِ فَقُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَجَاءُوْا بِمَعْتُوْهٍ فِي الْقُيُوْدِ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ غُدْوَةً وَعَشِيَّةً أَجْمَعُ بُزَاقِيْ ثُمَّ أَتْفُلُ قَالَ فَكَأَنَّمَا أُنْشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَأَعْطَوْنِيْ جُعْلًا فَقُلْتُ لَا حَتّٰى أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلْ فَلَعَمْرِيْ لَمَنْ أَكَلَ بِرُقْيَةٍ بَاطِلٍ لَقَدْ أَكَلْتَ بِرُقْيَةٍ حَقٍّ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت خارجہ ابن صلت رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ (انہوں نے کہا کہ) جب ہم لوگ رسول کریم ﷺ سے رخصت ہو کر اپنے وطن کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں ہمارا گذر عرب کے ایک قبیلہ پر ہوا جس (کے کچھ لوگوں) نے ہم سے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے تم اس شخص (یعنی رسول کریم ﷺ) کے پاس سے بھلائی (یعنی قرآن کریم اور ذکر اللہ) لے کر آئے ہو، تو کیا تمہارے پاس کوئی دوا یا جھاڑ پھونک بھی ہے کیونکہ ہمارے ہاں ایک شخص پاگل ہو گیا ہے جو بیڑیوں میں جکڑا پڑا ہے؟ ہم نے کہا کہ ہاں (ہمارے پاس ایسا عمل ہے جس سے ہم اس کا علاج کر سکتے ہیں) چنانچہ وہ اس پاگل کو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پاس لائے، اور میں نے اس پر تین دن تک صبح وشام سورۂ فاتحہ اس طرح پڑھی کہ (پڑھتے وقت) اپنا تھوک جمع کرتا رہتا اور پھر (پڑھنے کے بعد (وہ اتنی جلدی اچھا ہو گیا) گویا اسے بندھی ہوئی رسی سے کھول دیا گیا ہو پھر انہوں نے مجھے اس کی اجرت (کے طور پر کوئی چیز) دی تو میں نے کہا کہ یہ چیز اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک کہ میں اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے نہ پوچھ لوں چنانچہ (میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو کچھ تمہیں ملا ہے اسے کھالو کیونکہ قسم ہے اپنی زندگی کی

[1] اخرجہ احمد: ۵/۲۱۰ وابوداؤد: ۳/۲۶۳

جو شخص باطل منتر کی اجرت کھاتا ہے وہ برا کرتا ہے تم نے تو حق اور سچے منتر کی اجرت کھائی ہے"۔ (احمد، ابوداود)

توضیح: "**ھذا الرجل**" یہ اشارہ ذھنیہ ہے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ [۱]"**بخیر**" یہاں خیر اور بھلائی سے مراد قرآن کریم ہے جو شفاء للناس ہے۔ [۲]"**معتوھا**" اس سے مراد مجنون مدہوش دیوانہ مراد ہے [۳]"**فی القیود**" یعنی زنجیروں میں جکڑا پڑا ہے [۴]"**ثلاثة ایام**" اس سے امت کو یہ تعلیم ملی کہ فاتحہ شفاء ہے لیکن ایک دفعہ دم کرنے سے کام نہیں بنے گا کچھ وقت تک دم کرنا چاہئے جس طرح اس صحابی نے کیا آج کل علماء وصلحاء صرف ایک بار بے توجہی کے ساتھ چُف کرتے ہیں اس سے کیا اثر ہوگا علاج کا ہر نسخہ وقت مانگتا ہے [۵]"**اتفل**" یعنی دم کے ساتھ لعاب دہن ملا کر مریض پر جھاڑ دیتا تھا[۶] "**انشط**" مجہول کا صیغہ ہے یعنی گویا وہ بندھی ہوئی رسی سے کھول دیا جاتا ہے۔[۷]

"**لعمری**" سوال یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا منع ہے یہاں کیسے قسم کھائی گئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ باقاعدہ قسم نہیں بلکہ محاورہ عرب میں عام گفتگو میں اس طرح ہوتا رہتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم کی عمر کی قسم کھائی ہے ﴿**لعمرك انهم لفي سكرتهم يعمهون**﴾ (حجر)[۸]

"**لمن اکل**" اس میں لام قسمیہ ہے اور من متضمن ہے شرط کے معنی کو اور لقد اکلت جواب قسم ہے جو جزاء کے قائمقام ہے "**ای لعمری لئن کان ناس یأکلون برقیة باطل فانکم اکلتم برقیة حق**"

باطل منتر وہ ہوتا ہے جس میں جنات وشیاطین اور ارواح خبیثہ سے مدد مانگی جاتی ہے یا ستاروں اور غیر اللہ کے ناموں کا اس میں تذکرہ ہوتا ہے۔[۹]

پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدور کی مزدوری دیا کرو

﴿۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطُوا الْأَجِيْرَ أَجْرَهٗ قَبْلَ أَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهٗ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)[۱۰]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مزدوری کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دیدو (یعنی جب مزدور اپنا کام پورا کر چکے تو اس کی مزدور فورا دیدو اس میں تاخیر نہ کرو)۔ (ابن ماجہ)

سائل کو ہر حال میں کچھ دیا کرو

﴿۸﴾ وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَّاِنْ جَاءَ عَلٰى

[۱] المرقات: ۶/۱۸۰ [۲] المرقات: ۶/۱۸۰ [۳] المرقات: ۶/۱۸۰ [۴] المرقات: ۶/۱۸۰ [۵] المرقات: ۶/۱۸۰
[۶] المرقات: ۶/۱۸۰ [۷] المرقات: ۶/۱۸۰ [۸] المرقات: ۶/۱۸۰ [۹] المرقات: ۶/۱۸۱ [۱۰] اخرجه ابن ماجه: ۲/۸۱۷

فَرَسٍ۔ (رَوَاہُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَفِي الْمَصَابِيْحِ مُرْسَلٌ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کے بارے میں فرمایا کہ "وہ (بہرصورت دیئے جانے کا) مستحق ہے اگرچہ گھوڑے پر آئے۔ (احمد، ابوداود) اور مصابیح میں کہا گیا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ [۲]

توضیح: "علی فرس" قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ اگرچہ بظاہر وہ غنی لگتا ہو اور گھوڑے پر سوار ہو کر آیا ہو کیونکہ اگر وہ واقعی غنی ہوتا تو دست سوال دراز کر کے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرتا۔

یہ حدیث بظاہر باب سے ربط نہیں رکھتی الا یہ کہ یہ کہا جائے کہ سوال کا بھی ایک معاوضہ ہے تم اس کے سوال کی اجرت اس کو دیدو یا اس کو جو کچھ دیا جاتا ہے یہ اس سوال کی اجرت ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں یہ بے اصل ہے جو بازاروں میں گشت کرتی ہے امام ابوداود نے اس پر سکوت کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث قابل استدلال ہے مصابیح نے اس کو مرسل کہا ہے۔ ممکن ہے بعض طرق میں یہ حدیث مرسل ہو اور بعض میں مسند ہو۔

الفصل الثالث

مزدوری کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

﴿۹﴾ عَنْ عُتْبَةَ بْنِ الْمُنْذِرِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ طٰسٓمٓ حَتّٰى بَلَغَ قِصَّةَ مُوْسٰى قَالَ إِنَّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ آجَرَ نَفْسَهٗ ثَمَانَ سِنِيْنَ أَوْ عَشْرًا عَلٰى عِفَّةِ فَرْجِهٖ وَطَعَامِ بَطْنِهٖ۔ (رَوَاہُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه) [۳]

ترجمہ: حضرت عتبہ ابن منذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے طسم پڑھی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا کہ موسیٰ نے اپنی شرمگاہ کو بچانے کے لئے اور پیٹ بھرنے کے لئے اپنے آپ کو آٹھ سال یا دس سال تک مزدوری میں دے رکھا تھا"۔ (احمد، ابن ماجہ)

توضیح: "طسم" یعنی سورت قصص پڑھ لی اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بہت تفصیل سے مذکور ہے کہ آپ مصر سے خوف وخطر کے عالم میں مدین کی طرف بھاگ نکلے وہاں مدین کے کنوئیں پر حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی مدد کی پھر حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات ہوئی آپ نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس شرط پر کر دیا کہ وہ آٹھ سال تک ان کی بکریاں چرائیں گا یہی خدمت ان کی بیوی کا حق مہر ہوگا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے شرم گاہ کی حفاظت کی خاطر اور پیٹ پالنے کی خاطر آٹھ یا دس سال تک اپنے آپ کو مزدوری پر رکھا۔ [۴]

---

[۱] اخرجه احمد: ۱/۲۰۱ وابوداؤد: ۲/۱۲۹ [۲] المرقات: ۶/۱۸۲ [۳] اخرجه احمد: وابن ماجه: ۲/۸۱۷ [۴] المرقات: ۶/۱۸۳

اب سوال یہ ہے کہ کیا خاوند کی خدمت بیوی کا مہر ہو سکتی ہے یا نہیں۔

تو اس بارہ میں فقہاء کا اختلاف ہے علماء احناف فرماتے ہیں کہ آزاد خاوند کی خدمت بیوی کا مہر نہیں بن سکتی ہیں ہاں یہ جائز ہے کہ خاوند کا غلام ایک سال تک آقا کی بیوی کی خدمت کرے شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ بعض کاموں کی مزدوری اور خدمت نکاح کے لئے حق مہر بن سکتی ہے جبکہ خدمت معلوم و متعین ہو۔ ان حضرات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے احناف فرماتے ہیں کہ یہ سابقہ شریعتوں کا معاملہ تھا ہماری شریعت میں ایسا نہیں ہے۔[1]

دین کی تعلیم پر اجرت لینے کا مسئلہ

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَجُلٌ أَهْدٰى إِلَيَّ قَوْساً مِمَّنْ كُنْتُ أُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْقُرْآنَ وَلَيْسَتْ بِمَالٍ فَأَرْمِيْ عَلَيْهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ إِنْ كُنْتَ تُحِبُّ أَنْ تُطَوَّقَ طَوْقاً مِنْ نَارٍ فَاقْبَلْهَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ: ایک شخص نے مجھے بطور تحفہ ایک کمان بھیجی ہے اور وہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جنہیں میں کتاب و قرآن کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ اور (میں سمجھتا ہوں کہ اس کمان کو قبول کر لینے میں اس لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ) کمان کوئی مال نہیں ہے۔ چنانچہ میں اس کمان کے ذریعہ راہ خدا (یعنی جہاد) میں تیر اندازی کروں گا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تمہیں یہ پسند ہو کہ تمہارے گلے کو آگ کا طوق پہنایا جائے تو اسے قبول کر لو"۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "ولیست بمال" یعنی کمان کوئی بڑا مال نہیں بلکہ معمولی چیز ہے مجھے میرے اس شاگرد نے ہدیہ کیا ہے جن کو میں قرآن کی تعلیم دیتا ہوں میں اس سے ایک اچھا کام لوں گا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کروں گا اور اس کمان کو استعمال کروں گا یعنی ایک تو یہ معمولی سی چیز ہے کوئی بڑا معاوضہ نہیں ہے دوسرا یہ کہ میں اس سے خالص دینی فائدہ اٹھاؤں گا کہ اس کو جہاد میں استعمال کروں گا لہٰذا اس کے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم چاہو کہ آگ کا ایک طوق اپنے گلے میں ڈالدو تو اس کو قبول کرلو یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو استیجار علی الطاعات کے قائل نہیں ہیں جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ اور شیخ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔ لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کے اخلاص کی حفاظت پر اس کو متنبہ فرمایا کہ اگرچہ یہ معمولی مال ہے لیکن تیرے خالص جذبہ کے لئے مضر ہے اس میں فرق آئے گا لہٰذا قبول نہ کرو یا یہ جواب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقرب صحابہ اور اہل بیت کے لئے کچھ ایسے خصوصی احکامات دیئے ہیں جو ان کی شانِ بلند کے مناسب تھے عام امت کا یہ مقام نہیں ہے کیونکہ حدادین کو بادشاہوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کما قیل لایقاس الملوك بالحدادین۔[3]

---

[1] المرقات: ۶/۱۸۳ [2] اخرجه ابوداؤد: ۳/۲۶۲ وابن ماجه: ۲/۴۲۹ [3] المرقات: ۶/۱۸۳

باب احیاء الموات والشرب

غیر آباد زمین کو آباد کرنے کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ونبئھم ان المآء قسمة بینھم کل شرب محتضر﴾ [1]

علامہ طیبی نے "مُغرب" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "موات" خراب غیر آباد زمین کو کہتے ہیں اس کی ضد آباد زمین ہے ﴿الموات الارض الخراب وخلافه العامر﴾

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ موات اس زمین کو کہتے ہیں جو نہ کسی کی ملکیت میں ہو اور نہ شہر اور گاؤں کے منافع اس سے وابستہ ہوں بلکہ شہر سے باہر ہو خواہ قریب ہو یا بعید ہو ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہے کہ موات اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نہ کوئی کھیتی ہو نہ مکان ہو اور نہ اس کا کوئی مالک ہو آج کل کی اصطلاح میں ایسی زمین کو شاملات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو غیر آباد بنجر زمین ہوتی ہے احیاء موات کا مطلب یہ ہے کہ اس کو زندہ اور آباد کیا جائے اس بنجر زمین کے آباد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں کاشت کیا جائے یا ہل چلایا جائے یا باغ بنایا جائے یا مکان تعمیر کیا جائے۔ [2]

ارض موات کا شرعی حکم

اس طرح غیر آباد زمین کا شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص اس کو آباد کریگا یہ زمین اس کی ہوجائے گی لیکن اس میں فقہاء کا تھوڑا سا اختلاف ہے جمہور فرماتے ہیں کہ جس طرح احادیث میں ہے وہی اس کا حکم ہے کہ جس نے آباد کیا زمین اس کی ہوجائے گی صاحبین کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیشک یہ شخص اس زمین کا مالک ہوجائے گا لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ حاکم وقت کی طرف سے دلالۃً یا صراحۃً اجازت ہو، اجازت لینا ضروری ہے گویا احیاء موات کی حدیث مشروط باذن الامام ہے۔

"والشرب" شین کے کسرہ کے ساتھ ہے لغت میں پانی کے حصہ کو کہتے ہیں اصطلاح میں باغات اور حیوانات کو سیراب کرنے کا وہ حق جو ہر انسان کو حاصل ہوتا ہے وہ شرب کہلاتا ہے (یعنی پانی پینے اور پلانے کی باری مقرر کرنا)۔

علماء نے لکھا ہے کہ پانی جب تک اپنے معدن میں ہوتا ہے اس میں تمام انسان شریک ہیں لیکن اگر کسی کے احراز میں آگیا تو پھر ان کی ذاتی ملکیت میں ہوگا۔

---

[1] القمر الایہ ۲۷ [2] المرقات: ۶/۱۸۴ الکاشف: ۶/۱۷۳

الفصل الاول

بنجر زمین اسی کی ہے جس نے اسے آباد کیا

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ قَالَ عُرْوَةُ قَضٰى بِهٖ عُمَرُ فِيْ خِلَافَتِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی ایسی (افتادہ بنجر) زمین کو آباد کرے جس کا کوئی مالک نہ ہو تو وہ آباد کرنے والا شخص ہی اس زمین کا سب سے زیادہ حق دار ہے"۔ حضرت عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دور میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا تھا۔ (بخاری)

"قضى به عمر" اس جملہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ حدیث غیر منسوخ ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس پر عمل کیا ہے۔

کسی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کرنا منع ہے

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا حِمٰى إِلَّا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت صعب ابن جثامہ نے کہا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی چراگاہ کو مخصوص کر لینے کا حق اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے"۔ (بخاری)

توضیح: "حِمٰی" حا کے کسرہ کے ساتھ ہے اس زمین اور چراگاہ کو کہتے ہیں جس میں جانوروں کے لئے گھاس روکی جاتی ہے باڑ اور نشانات لگا کر دوسروں سے گھاس منع کیا جاتا ہے یہ جائز نہیں ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے جانوروں کے لئے کوئی چرگاہ خاص کرے اور دوسروں کے جانوروں پر پابندی لگائے اس حکم کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ عرب کے بادشاہ اور سردار لوگ اپنے لئے چراگاہ مخصوص کیا کرتے تھے غریب اور بے بس لوگ اس قدرتی نعمت سے محروم رہ جاتے تھے اس لئے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرما دیا کہ چراگاہ کو مخصوص کر دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کو حاصل ہے اور کسی کو یہ حق نہیں۔[۳]

---

[۱] اخرجه البخاري: ۳/۱۴۰ [۲] المرقات: ۶/۶۸۵ [۳] اخرجه البخاري: ۳/۱۴۸

کھیتوں کو سیراب کرنے کا شرعی ضابطہ

﴿۳﴾ وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ خَاصَمَ الزُّبَيْرُ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فِيْ شِرَاجٍ مِنَ الْحَرَّةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ أَنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَاءَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَى الْجَدْرِ ثُمَّ أَرْسِلِ الْمَاءَ إِلَى جَارِكَ فَاسْتَوْعَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ حَقَّهُ فِيْ صَرِيْحِ الْحُكْمِ حِيْنَ أَحْفَظَهُ الْأَنْصَارِيُّ وَكَانَ أَشَارَ عَلَيْهِمَا بِأَمْرٍ لَهُمَا فِيْهِ سَعَةٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) پہاڑی زمین سے (کھیتوں میں) پانی لے جانے والی نالیوں کے سلسلے میں (میرے والد) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کے درمیان ایک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا (جب یہ معاملہ بارگاہ رسالت میں پہنچا تو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”زبیر: (پہلے تم اپنے کھیتوں میں) پانی لے جاؤ پھر اپنے ہمسایہ (یعنی اس انصاری) کے کھیتوں میں پانی چھوڑ دو (یہ فیصلہ سن کر) اس انصاری نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ اس لئے کیا کہ زبیر آپ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں (یہ سنتے ہی) آنحضرت کا چہرۂ مبارک کا رنگ (غصہ کی وجہ سے) متغیر ہوگیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زبیر: (اپنے کھیت میں) پانی لے جاؤ اور پھر پانی کو روکے رکھو (یعنی پانی کو اس انصاری کے کھیت میں نہ جانے دو) تا آنکہ (تمہارا پورا کھیت اچھی طرح سیراب ہوجائے اور) پانی کھیت کی منڈیر تک پہنچ جائے اس کے بعد نالی کا رخ اپنے ہمسایہ (یعنی اس انصاری) کے کھیت کی طرف کردو“۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صریح حکم کے ذریعہ حضرت زبیر کو ان کا پورا پورا حق دلوایا اس لئے کہ اس انصاری نے آپ کو غضب ناک کردیا تھا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں ان دونوں کے بارے میں جو فیصلہ صادر فرمایا تھا اس میں دونوں ہی کے لئے آسانی تھی“۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ”رجلاً“ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی منافق شخص تھا جو حقیقت میں انصاری نہیں تھا بلکہ انصار کے قبیلہ سے اس کا تعلق تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گستاخی پر صبر فرمایا ورنہ اس طرح گستاخی پر وہ واجب القتل تھا یا یہ شخص منافق نہیں تھا بلکہ گنواری دیہاتی تھا غصہ کی وجہ سے بے قابو ہوگیا تھا حضور نے صبر کیا۔[2]

”شراج“ یہ جمع ہے اس کا مفرد شرجۃ ہے پہاڑی نالوں کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ سے کھیتوں میں پانی پہنچتا ہے۔[3]

”الحرۃ“ مدینہ منورہ میں ایک زمین کا نام ہے جہاں سیاہ پتھر ہوتے تھے۔[4]

”ان کان ابن عمتك“ ان میں ہمزہ پر زبر ہے اصل میں بانْ یالانْ ہے حرف جر کو تخفیف کی غرض سے حذف کیا گیا ہے عبارت اس طرح ہے ”ای هذا الترجیح لانه ابن عمتك اور بسبب انه ابن عمتك“۔ یعنی آپ نے زبیر

[1] اخرجه البخاری: ۷/۱۳۶، ومسلم [2] المرقات: ۶/۱۸۶، ۱۸۷ [3] المرقات: ۶/۱۸۶ [4] المرقات: ۶/۱۸۶

کو مجھ پر اس لئے ناجائز ترجیح دیدی کہ یہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے اس عظیم گستاخی اور بدگمانی کی وجہ سے اس شخص کو منافق قرار دیا گیا ہے۔

"**فتلون وجهه**" اس آدمی کے بے بنیاد الزام کی وجہ سے آنحضرت کا چہرۂ انور غصہ سے متغیر ہوا تو آپ نے اب قاعدہ کے مطابق حکم صادر فرمایا کہ اے زبیر اب اپنی زمین کو مکمل سیراب کرلو جب پانی دیوار کی منڈیروں تک پہنچ جائے پھر انصاری کی زمین کی طرف چھوڑ دو اصل صورتحال یہ تھی کہ پہاڑی نالہ جہاں سے آرہا تھا وہاں پہلے حضرت زبیر کی زمین تھی بعد میں انصار کی زمین تھی قاعدہ کے مطابق حضرت زبیر کی زمین منڈیر تک پانی سے بھر جانے کے بعد انصاری کی باری آتی لیکن حضور اکرم نے حسن اخلاق اور مروّت کے تحت حضرت زبیر سے فرمایا کہ صرف اپنی کھیت کو پانی دیکر پھر انصاری کیطرف نالی کارخ کردو لیکن جب انصاری نے حضور اکرم ﷺ کے فیصلہ کو شک کی نگاہ سے دیکھا اور اس پر اعتراض کیا تب حضور اکرم ﷺ نے قاعدہ کے مطابق حضرت زبیر کو ان کا پورا حق دیدیا اور فیصلہ سنادیا۔[1]

"**احفظه**" باب افعال سے غصہ میں ڈالنے کے معنی میں ہے۔ "**الجدر**" اگر جیم اور دال پر ضمہ ہو تو یہ جدار کی جمع ہے۔

"**فاستوعیٰ**" فاستوفی کے معنی میں ہے "دعا" برتن کو کہتے ہیں اور استوعی برتن بھرنے کے معنی میں ہے مراد یہ کہ آنحضرت ﷺ نے زبیر کو پورا پورا حق دیدیا۔[2]

ضرورت سے زائد پانی کا روکنا منع ہے

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا فَضْلَ الْمَاءِ لِتَمْنَعُوا بِهِ فَضْلَ الْكَلَأِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "جو پانی تمہاری ضرورت سے زائد ہوا سے (جانوروں کو پلانے سے) منع نہ کرو تا کہ اس کی وجہ سے ضرورت سے زائد گھاس اس سے منع کرنا لازم نہ آئے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: اس حدیث کی تشریح وتوضیح **باب المنهي عنها من البيوع** کی حدیث نمبر ۲۵ کے تحت لکھی جاچکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خودرو گھاس میں بوجہ ضرورت چونکہ تمام مسلمان شریک ہیں اب ایک شخص براہ راست گھاس کو تو نہیں روک سکتا ہے اس لئے وہ یہ حیلہ کرتا ہے کہ چراگاہ کے پاس اس کا جو پانی ہے وہ اس پانی کو منع کرتا ہے جب پانی جانوروں کو نہیں ملیگا تو وہاں چرنے کے لئے جانور کون لائے گا اس طرح حیلہ کرکے یہ شخص گھاس کو منع کرنا چاہتا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو اگر زائد پانی ہے تو اس کو مت روکو وہاں اگر پانی اپنی ضرورت سے زائد نہیں ہے وہ الگ بات ہے لیکن ضرورت سے زائد پانی کو روک کر ضرورت سے زائد گھاس کو روکنا انتہائی درجہ نامناسب ہے۔

[1] المرقات: ۶/۱۸۷ [2] المرقات: ۶/۱۸۷ [3] اخرجه البخاري: ۳/۱۴۴ ومسلم: ۱/۶۸۴

﴿۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلاَثَةٌ لاَيُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَيَنْظُرُ اِلَيْهِمْ رَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى سِلْعَةٍ لَقَدْ أُعْطِيَ بِهَا أَكْثَرَ مِمَّا أُعْطِيَ وَهُوَ كَاذِبٌ وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ كَاذِبَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَرَجُلٌ مَنَعَ فَضْلَ مَاءٍ فَيَقُوْلُ اللهُ أَلْيَوْمَ أَمْنَعُكَ فَضْلِيْ كَمَا مَنَعْتَ فَضْلَ مَاءٍ لَمْ تَعْمَلْ يَدَاكَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ فِيْ بَابِ الْمَنْهِيِّ عَنْهَا مِنَ الْبُيُوْعِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تین شخص ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ (رحم وکرم کی) بات نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف (بنظر عنایت) دیکھے گا ایک تو وہ (تاجر) شخص ہے جو قسم کھا کر (خریدار سے) کہتا ہے کہ اس چیز کے جو دام تم نے دیئے ہیں اس سے زیادہ دام اسے مل رہے تھے (یعنی جب وہ کسی کو اپنی کوئی چیز بیچتا ہے اور خریدار اس کی قیمت دیتا ہے تو وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ مجھے اس چیز کی اس سے زیادہ قیمت مل رہی تھی) حالانکہ وہ شخص (اپنی قسم میں) جھوٹا ہے دوسرا شخص وہ ہے جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائے اور اس (جھوٹی قسم کھانے) کا مقصد کسی مسلمان شخص (یا ذمی) کا کوئی مال لینا ہو۔ اور تیسرا شخص وہ ہے جو فاضل پانی (پینے پلانے) سے لوگوں کو منع کرتا ہو ایسے شخص سے (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس طرح تو نے (دنیا میں) اپنے فاضل پانی سے لوگوں کو باز رکھا تھا باوجود یکہ وہ پانی تو نے اپنے ہاتھ سے نہیں نکالا تھا اسی طرح میں بھی آج تجھے اپنے فضل سے باز رکھوں گا''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''لقد اعطی'' دونوں مجہول کے صیغے ہیں معنی یہ کہ مجھے اس چیز کی اس سے زیادہ قیمت مل رہی تھی مگر میں نے نہیں دیا حالانکہ اس میں وہ جھوٹا ہے حقیقت میں اس کو اس سے زیادہ قیمت نہیں مل رہی تھی۔[2]

''بعد العصر'' عصر کا وقت چونکہ انتہائی تقدس وعظمت کا حامل ہے اس لئے قسم میں بھی عظمت آجاتی ہے۔[3]

''مالم تعمل یداك'' یعنی ایسی قدرتی چیز کو روک رہے ہو جو تیرے ہاتھوں کی کمائی نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کی ایک عام نعمت ہے تم اسکو لوگوں سے منع کیوں کرتے ہو تیرے اس جرم کی وجہ سے آج قیامت کے روز میں تم سے اپنی رحمت روک لیتا ہوں اور تم کو اپنے فضل سے باز رکھوں گا۔ **وذکر حدیث جابر** اس حدیث کی تشریح اس سے پہلے ہو چکی ہے وہاں دیکھ لینا چاہئے۔[4]

الفصل الثانی

جس نے افتادہ زمین کی حد بندی کی وہ اسی کی ہوگئی

﴿۶﴾ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَاطَ حَائِطاً عَلَى الْأَرْضِ

[1] اخرجه البخاری: ۳/۱۳۵ ومسلم: ۳/۲۷۵ [2] المرقات: ۶/۱۸۸ [3] المرقات: ۶/۱۸۹ [4] المرقات: ۶/۱۸۹

فَهُوَ لَهٗ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص (افتادہ) زمین پر دیوار گھیر دے تو وہ اسی کی ہو جاتی ہے''۔ (ابوداود)

توضیح: ''احاط'' یعنی ایک دور افتادہ غیر آباد زمین ہے اس کے اردگرد کسی نے دیوار کھینچ لی تو اس حدیث کے مطابق وہ زمین اس گھیرنے والے شخص کی ہوگئی یہ حدیث اور اس باب کی پہلی حدیث کا مفہوم ایک ہی ہے کہ ارض موات کو جس نے آباد کیا وہ اسی کی ہوگئی۔ اب فقہاء میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مسلک یہی ہے کہ جس نے ارض موات کے گرد دیوار کھینچ لی وہ احیاء موات کے حکم میں ہے زمین اس کی ہوگئی لیکن باقی تین ائمہ فرماتے ہیں کہ احیا موات کے لئے ضروری ہے کہ اس زمین کو آباد کیا جائے صرف دیوار کھینچنے سے آباد نہیں ہوتی لہٰذا زمین اس کی نہیں ہوگی اس حدیث میں دیوار کھینچنے سے سکونت اور آباد کرنے کے لئے دیوار کھینچنا مراد ہے صرف گھیرنے کے لئے مراد نہیں ہے۔[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو افتادہ زمین بطور جاگیر عطا کی

﴿۷﴾ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ لِلزُّبَيْرِ نَخِيْلًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

ترجمہ: اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے کھجوروں کے درخت جاگیر کر دیئے تھے''۔ (ابوداود)[3]

توضیح: ''نخیلاً'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جاگیر کھجوروں کے درخت دیئے۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت زبیر کو یہ درخت مال خمس سے دیئے گئے تھے اور یہ احتمال بھی ہے کہ حضور نے ان کو افتادہ بنجر زمین دیدی تھی پھر حضرت زبیر نے اسے آباد کیا ہوگا۔[4]

﴿۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ لِلزُّبَيْرِ حُضْرَ فَرَسِهٖ فَأَجْرٰى فَرَسَهٗ حَتّٰى قَامَ ثُمَّ رَمٰى بِسَوْطِهٖ فَقَالَ أَعْطُوْهُ مِنْ حَيْثُ بَلَغَ السَّوْطُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھوڑے کی دوڑ کے بقدر زمین بطور جاگیر دی (یعنی ایک دوڑ میں گھوڑا جہاں تک پہنچ کر ٹھہر جائے وہاں تک کی زمین عطا کر دی) چنانچہ (اس مقصد کے لئے) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا دوڑایا اور وہ گھوڑا (ایک جگہ پہنچ کر) ٹھہر گیا پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنا کوڑا پھینکا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زبیر کا کوڑا جہاں جا کر گرا وہاں تک کی زمین زبیر کو دے دی جائے''۔ (ابوداود)

[1] اخرجه ابوداؤد: ۳/۱۷۵ [2] المرقات: ۶/۱۸۹، ۱۹۰ [3] اخرجه ابوداؤد: ۳/۱۷۳ [4] المرقات: ۶/۱۹۰ [5] اخرجه ابوداؤد: ۳/۱۷۳

توضیح: "حضر فرسه" حضر واحضار گھوڑے کی دوڑ کو کہتے ہیں یعنی حضور اکرم نے حضرت زبیر کو ان کے گھوڑے کی دوڑ کی مقدار جاگیر عطا کی یعنی ایک بار مسلسل گھوڑا جہاں تک زمین میں دوڑ لگائے وہاں تک زمین ان کی ہوجائے گی اور جہاں گھوڑا رک گیا وہاں سے عطیہ ختم ہوجائیگا چنانچہ حضرت زبیر کا گھوڑا جہاں تھک کر رک گیا تو آپ نے وہاں سے اپنی لاٹھی آگے تک پھینک دی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ان کو آگے تک دیدو جہاں تک ان کی لاٹھی پہنچی ہے یہ بھی دور افتادہ بنجر زمین کی جاگیر کا معاملہ ہے۔[1]

حضور اکرم ﷺ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو بھی جاگیر عطا فرمائی

﴿۹﴾ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَهُ أَرْضًا بِحَضْرَ مَوْتٍ قَالَ فَأَرْسَلَ مَعِيَ مُعَاوِيَةَ قَالَ أَعْطِهَا إِيَّاهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت علقمہ ابن وائل اپنے والد (حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان (وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ) کو حضر موت میں کچھ زمین بطور جاگیر عطا فرمائی۔ چنانچہ حضرت وائل کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو میرے ہمراہ بھیجا تاکہ وہ اس زمین کی پیمائش کردیں، اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ زمین (ناپ کر) وائل کو دے دو"۔ (ترمذی، دارمی)

توضیح: "حضر موت" جبل السراۃ کا ایک سلسلہ یمن سے گذر کر جزیرۃ العرب کے جنوب مغربی گوشے سے مشرق کی طرف مڑ گیا ہے پھر جنوبی ساحل کے قریب قریب دور تک چلا گیا ہے جبل السراۃ کا یہی کوہستانی ریگستانی سلسلہ جن علاقوں پر مشتمل ہے انہیں حضرت موت کہا جاتا ہے ان کوہستانی علاقوں میں قابل کاشت کوئی جگہ نہیں ہے تاہم بعض وادیاں ایسی ہیں جو قابل کاشت ہیں انہیں میں سے ایک وادی حضر موت ہے حضرت وائل بن حجر اسی علاقہ کے قدیم شاہی خاندان کے چشم و چراغ تھے ان کے والد وہاں کے بادشاہ تھے جب وائل بن حجر اسلام قبول کرنے کے لئے وہاں سے روانہ ہوئے تو حضور اکرم نے نہایت مسرت کے ساتھ صحابہ کو انکی آمد کی اطلاع دیدی اور پھر ان کی آمد پر ان کا استقبال کیا اور اپنی چادر بچھا کر ان کو اپنے قریب بٹھایا اور پھر ان کو حضر موت کا حاکم مقرر فرمایا اور کچھ جاگیر عطا فرمائی اس حدیث میں اسی حقیقت کا بیان ہے۔[3]

تیار زمین بطور جاگیر نہیں دی جاسکتی

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبْيَضَ بْنِ حَمَّالٍ الْمَأْرِبِيِّ أَنَّهُ وَفَدَ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَقْطَعَهُ الْمِلْحَ الَّذِيْ بِمَأْرِبَ فَأَقْطَعَهُ إِيَّاهُ فَلَمَّا وَلَّى قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنَّمَا أَقْطَعْتَ لَهُ الْمَاءَ الْعِدَّ قَالَ

[1] المرقات: ۶/۱۹۰ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۶۶۵ [3] المرقات: ۶/۱۹۱

فَرَجَعَهُ مِنْهُ قَالَ وَسَأَلَهُ مَاذَا يُحْمٰى مِنَ الْأَرَاكِ قَالَ مَالَمْ تَنَلْهُ أَخْفَافُ الْإِبِلِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابیض ابن حمال مار بی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ درخواست پیش کی کہ مارب میں نمک کی جو کان ہے وہ ان کے لئے جاگیر کردی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں نمک کی وہ کان بطور جاگیر عطا کردی، جب ابیض واپس ہوئے تو ایک شخص (یعنی اقرع ابن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ: آپ ﷺ نے تو ابیض کو تیار پانی (یعنی کان میں بالکل تیار نمک) دیدیا ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ (جب آپ کو حضرت اقرع سے یہ معلوم ہوا کہ ابیض کو ایک ایسی کان دے دی گئی ہے جس میں نمک بالکل تیار ہے تو) آپ ﷺ نے وہ کان ابیض رضی اللہ عنہ سے واپس لے لی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی حضرت اقرع) نے آپ ﷺ سے یہ بھی دریافت کیا کہ پیلو کے درختوں کی کون سی زمین گھیری جائے؟ یعنی کون سی افتادہ وغیر آباد زمین کو آباد کر کے اپنی ملکیت بنایا جائے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ زمین جہاں اونٹوں کے پاؤں نہ پہنچے''۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: ''مأربی'' **مأرب** کی طرف نسبت ہے یہ یمن کے ایک شہر کا نام ہے جو صنعاء سے ۶۰ کلومیٹر دور ہے حضرت ابیض رضی اللہ عنہ اسی **مأرب** شہر کے رہنے والے تھے انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے **مأرب** میں نمک کی ایک کان کو ان کے لئے جاگیر کرنے کی درخواست کی حضور اکرم ﷺ نے قبول فرمادی اور بطور جاگیر دیدی جب ابیض جانے لگے تو مجلس میں سے کسی نے کہا کہ یارسول اللہ آپ نے تو بالکل تیار کان ان کے حوالہ فرمادیا کہتے ہیں یہ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھے حضور اکرم ﷺ نے ابیض کو بلایا اور ان سے وہ کان واپس لے لیا اس سے معلوم ہوا کہ بطور جاگیر بنجر زمین دی جاسکتی ہے بالکل تیار کان یا زمین نہیں دی جاسکتی ہے ''**ماء العد**'' یعنی تیار پانی کی طرح کان تھی ایسا پانی جو دائم بھی ہو اور قائم بھی ہو احیاء موات کے لئے مشکل الحصول زمین دی جاتی ہے یہ تیار چیز تھی جس میں سب مسلمانوں کا حق تھا [2] ''**فرجعه**'' جب حاکم مصلحت سمجھے تو وہ عطیہ کردہ چیز کو واپس لے سکتا ہے ''**قال**'' یعنی راوی کہتے ہیں ''**وسأله**'' یعنی اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ پیلو کے درختوں کی کونسی زمین گھیری جاسکتی ہے ''**لم تنله اخفاف**'' یعنی جہاں تک اونٹوں کے پاؤں نہیں پہنچتے ہوں آبادی سے دور افتادہ ویران زمین ہو اس کو احیاء موات کے طور پر آباد کیا جاسکتا ہے قریبی مقامات تو شہر اور گاؤں کی ضروریات میں سے ہوتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے پہلے سمجھا کہ یہ صعب الحصول کان ہے جو کسی کو آبادی کے لئے دی جاتی ہے جب معلوم ہوا کہ یہ سہل الحصول ہے تو واپس کردیا کانوں کی یہی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ [3]

تین چیزیں تمام مسلمانوں میں مشترک ہیں

﴿۱۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِيْ ثَلَاثٍ فِي

[1] اخرجه الترمذي: وابن ماجه: ۲/۸۲۷ [2] المرقات: ۶/۱۹۱، ۱۹۲ [3] المرقات: ۶/۱۹۲

اَلْمَاءُ وَالْكَلَاءُ وَالنَّارِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تین چیزیں یعنی پانی، گھاس اور آگ ایسی ہیں جن میں تمام مسلمان شریک ہیں“۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: ”فی ثلاث“ یعنی تین اشیاء میں عام مسلمان شریک ہیں ان اشیاء پر کسی کا قبضہ کرنا جائز نہیں ہے پہلی چیز پانی ہے اس سے دریاؤں نالوں اور کنوؤں اور تالابوں کا عام پانی مراد ہے وہ پانی مراد نہیں ہے جو کسی نے ٹینکی یا برتن یا مشک میں بھر دیا ہو اسی طرح گھاس سے مراد وہ گھاس ہے جو جنگلات میں خود بخود اگتی ہیں کسی نے اس کی نگرانی نہیں کی نہ باڑ لگایا ہے اسی طرح تیسری چیز آگ ہے اگر کوئی شخص آگ کے شعلہ سے اپنے لیے آگ جلا کر لیجانا چاہتا ہے تو اس کو روکنا منع ہے کیونکہ آگ میں کوئی کمی نہیں آتی ہے ہاں اگر آگ لینے والا لکڑی اٹھا کر آگ سمیت لیجانا چاہتا ہو تو اس کو روکا جا سکتا ہے نیز آگ کے تاپنے سے اور اس کی روشنی میں بیٹھنے سے کوئی کسی کو نہیں روک سکتا ہے۔[2]

مباح چیز اسی کی ہے جس نے پہلے لیا

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَسْمَرَ بْنِ مُضَرِّسٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ فَقَالَ مَنْ سَبَقَ إِلَى مَاءٍ لَمْ يَسْبِقْهُ إِلَيْهِ مُسْلِمٌ فَهُوَ لَهُ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت اسمر ابن مضرس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوا (یعنی اسلام قبول کیا) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو شخص کسی ایسے پانی کی طرف سبقت کرے (یعنی اس پانی کو حاصل کرے) جسے کسی مسلمان نے حاصل نہ کیا ہو تو وہ اسی کا ہے“۔ (ابوداود)

کمزور انسانوں کے حقوق کا تحفظ حاکم کی ذمہ داری ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنْ طَاوُسٍ مُرْسَلًا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحْيَا مَوَاتًا مِنَ الْأَرْضِ فَهُوَ لَهُ وَعَادِيُّ الْأَرْضِ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ مِنِّيْ. رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَرُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ الدُّوْرَ بِالْمَدِيْنَةِ وَهِيَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ عِمَارَةِ الْأَنْصَارِ مِنَ الْمَنَازِلِ وَالنَّخْلِ فَقَالَ بَنُوْ عَبْدِبْنِ زُهْرَةَ نَكِّبْ عَنَّا ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِمَ ابْتَعَثَنِيَ اللّٰهُ إِذًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُقَدِّسُ أُمَّةً لَا يُؤْخَذُ

[1] اخرجه ابن ماجه: ۲/۸۲۶ وابوداؤد [2] المرقات: ۶/۱۹۳ [3] اخرجه ابوداؤد: ۳/۱۷۳

لِلضَّعِيفِ فِيهِمْ حَقَّهُ.[۱]

ترجمہ: اور حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "افتادہ و بنجر زمین کو جو شخص آباد کرے گا وہ اسی کی ملکیت ہوجائے گی اور قدیم زمین اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے اور پھر وہ میری طرف سے تمہارے لئے ہے۔ اس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور شرح السنہ میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں جو مکانات دیئے وہ انصار کی آبادی (یعنی ان کے مکان اور ان کے کھجور کے درختوں) کے درمیان واقع تھے، چنانچہ عبدابن زہرہ کے بیٹوں نے کہا کہ آپ ام عبد کے بیٹے (یعنی عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ) کو ہم سے دور رکھئے) (اس کے جواب میں) رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے کیوں بھیجا ہے (یادرکھو) اللہ تعالیٰ اس قوم کو پاکیزگی عطا نہیں کرتا جس میں کمزور کے حق کو تحفظ حاصل نہ ہو"۔

توضیح: "عادي الارض" اس سے مراد وہ ویران اور بنجر زمین ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو نہ کسی کو اس کے مالک کا علم ہو بلکہ یہ قوم عاد کیطرف منسوب قدیم زمین ہو۔[۲]

"اقطع" یعنی حضرت ابن مسود رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں مکانات دیئے جو انصار کے گھروں اور کھجور کے باغات کے درمیان واقع تھے۔[۳]

"فقال بنو عبدابن زهرة" عبد بن زھرہ کی اولاد کا حضرت ابن مسعود کے والد کے ساتھ حریفانہ مقابلہ رہا تھا نیز حضرت ابن مسعود کی والدہ نے کسی وقت بوجہ مجبوری ان لوگوں کی مزدوری کی تھی اب انسانی بشری جذبات کے پیش نظر ان حضرات نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے درمیان اس شان وشوکت سے برداشت نہ کیا بلکہ حقارت کا جملہ استعمال کیا کہ **فنکب عنا ابن ام عبد** یعنی ہم سے موڑ کر دور کر دیجئے اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے برہمی اور ناراضگی کا اظہار فرمایا اور عدل وانصاف کی بات فرمائی کہ اگر میں کسی کمزور انسان کو ان کا حق نہ دلاسکوں تو پھر میرے رب نے مجھے نبی بنا کر کیوں بھیجا؟ پھر آپ نے ایک قاعدہ بیان فرمایا کہ وہ قوم کبھی پاکیزہ اور مقدس ومعزز نہیں ہوسکتی جس قوم میں کمزور انسان کے حق کو تحفظ حاصل نہ ہو۔[۴]

نہر وغیرہ سے کھیتوں کو سیراب کرنے کا ضابطہ

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِي السَّيْلِ الْمَهْزُوْرِ أَنْ يُمْسَكَ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ يُرْسِلَ الْأَعْلٰى عَلَى الْأَسْفَلِ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[۵]

---

۱ اخرجه الشافعي: ۲/۴۲ ۲ المرقات: ۶/۱۹۳ ۳ المرقات: ۶/۱۹۳
۴ المرقات: ۶/۱۹۳ ۵ اخرجه ابوداؤد: ۳/۳۱۵ وابن ماجه: ۲/۸۳۰

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن شعیب رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہزور کے پانی کے بارے میں یہ حکم دیا کہ جب اس کا پانی کھیت وغیرہ میں ٹخنوں تک بھر جائے تو اسے بند کر دیا جائے اور پھر اوپر والا نیچے والے کے لئے (اس کا پانی) چھوڑ دے"۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "السیل" سیلاب کو کہتے ہیں نیز جنگلات اور صحرائی پہاڑوں سے جو پانی جس راستہ سے بہہ کر آتا ہے اس نالہ اور نہر کو بھی سیل کہتے ہیں ہر طرف اسی قسم کا نالہ مراد ہے۔[1]

"**مہزور**" مدینہ منورہ میں بنو قریظہ کے علاقے میں ایک وادی کا نام ہے بنو قریظہ کی کھیتوں کا پانی اسی وادی اور اسی نالہ سے آتا تھا جو کھیتوں کو سیراب کرتا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے متعلق یہ حکم صادر فرمایا جو ایک قاعدہ اور ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے اور دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ایک شرعی ضابطہ ہے مطلب یہ ہے کہ مثلاً پہاڑوں سے پانی کا کوئی نالہ آبادی کی طرف آرہا ہو اور لوگ اس سے اپنی زمینیں سیراب کر رہے ہوں تو اس کے لئے قاعدہ اور شرعی ضابطہ یہ ہے کہ جس شخص کی زمین سے یہ نالہ پہلے گذرتا ہے وہ شخص اپنی زمین کو سیراب کرنے کا پہلے حق رکھتا ہے وہ اپنی زمین میں اتنا پانی بھر دے کہ پاؤں کے ٹخنوں تک پانی پہنچ جائے پھر وہ اپنے قریبی ساتھی کی طرف پانی چھوڑ دے وہ بھی اسی طرح زمین سیراب کر کے دوسرے کی طرف پانی چھوڑ دے یہ حکم اگرچہ مدینہ کے لوگوں میں نافذ ہوا تھا لیکن یہ شرعی ضابطہ دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔[2]

اپنی جائداد کے ذریعہ سے کسی کو ایذا نہ دو

﴿۱۵﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّهُ كَانَتْ لَهُ عَضُدٌ مِنْ نَخْلٍ فِي حَائِطِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَمَعَ الرَّجُلِ أَهْلُهُ فَكَانَ سَمُرَةُ يَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَتَأَذّٰى بِهِ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَطَلَبَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَبِيْعَهُ فَأَبَى فَطَلَبَ أَنْ يُنَاقِلَهُ فَأَبَى قَالَ فَهَبْهُ لَهُ وَلَكَ كَذَا أَمْرًا رَغَّبَهُ فِيْهِ فَأَبَى فَقَالَ أَنْتَ مُضَارٌّ فَقَالَ لِلْأَنْصَارِيِّ اذْهَبْ فَاقْطَعْ نَخْلَهُ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ جَابِرٍ مَنْ أَحْيٰى أَرْضًا فِي بَابِ الْغَصْبِ بِرِوَايَةِ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ أَبِي صِرْمَةَ مَنْ ضَارَّ أَضَرَّ اللّٰهُ بِهِ فِي بَابِ مَا يُنْهٰى مِنَ التَّهَاجُرِ۔[3]

ترجمہ: اور حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے کھجوروں کے چند درخت ایک انصاری (جن کا نام بعض علماء نے مالک رضی اللہ عنہ ابن قیس لکھا ہے) کے باغ میں تھے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ اسی باغ میں رہتے تھے، چنانچہ جب سمرہ رضی اللہ عنہ (اپنے ان درختوں کی وجہ سے) باغ میں آتے تو ان انصاری کو اس سے تکلیف ہوتی (ایک دن) وہ انصاری

[1] المرقات: ۶/۱۹۵ [2] المرقات: ۶/۱۹۵ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۳/۱۳۴

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آنحضرت ﷺ نے سمرہ رضی اللہ عنہ کو اپنی مجلس میں طلب کیا تا کہ (ان سے یہ فرمائیں کہ) وہ (اپنے کھجور کے ان درختوں کو) انصاری کے ہاتھ فروخت کر دیں (تا کہ ان درختوں کی وجہ سے انصاری کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اس سے نجات پا جائیں) لیکن سمرہ رضی اللہ عنہ نے (اپنے درختوں کو فروخت کرنے سے) انکار کر دیا، پھر آپ ﷺ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ سمرہ رضی اللہ عنہ اپنے ان درختوں کو انصاری کے (ان) درختوں سے بدل لیں (جو کسی دوسری جگہ واقع تھے) مگر سمرہ رضی اللہ عنہ اس پر بھی تیار نہیں ہوئے، تب آپ ﷺ نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ اچھا اپنے درخت انصاری کو بطور ہدیہ دیدو تمہیں اس کا اجر (بہشت کی نعمتوں کی صورت میں) مل جائے گا۔ گویا آپ ﷺ نے (بطور سفارش اور رغبت دلانے کے لئے یہ حکم دیا (امرارغبہ کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے ترغیب کی ایک بات فرمائی یعنی اپنے درخت کو بطور ہدیہ دیدینے کا ثواب ذکر فرمایا) لیکن سمرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ آخر میں آپ ﷺ نے سمرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''اس کا یہ مطلب ہے کہ تم (واقعی) اس انصاری کو ضرر و تکلیف پہنچانا چاہتے ہو''۔ اور جو شخص کسی کو ضرر و تکلیف پہنچائے اس کا دفعیہ چونکہ ضروری ہے اس لئے) آپ ﷺ نے انصاری سے فرمایا کہ ''تم جاؤ اور سمرہ رضی اللہ عنہ کے درختوں کو کاٹ پھینکو''۔

(ابوداود)

توضیح: "عضد" عضد میں ضاد پر زبر بھی جائز ہے ضمہ اور سکون بھی جائز ہے اس لفظ کے بارہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ عضد سے کیا مراد ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے کھجوروں کے درختوں کی قطار مراد ہے اور بعض نے کہا کہ چھوٹے چند کھجور مراد ہیں اہل لغت نے یہی دو معنی بتائے ہیں۔[1]

- علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہر الفاظ اور مفرد کی ضمائر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک درخت تھا اگر یہ زیادہ درخت ہوتے تو حضور اکرم ﷺ اس کے کاٹنے اور ہٹانے کا حکم نہ فرماتے علامہ تورپشتی کی رائے سے ملا علی قاری کی رائے زیادہ بہتر ہے کہ یہ درختوں کے ایک قطار کا نام ہے بہر حال حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے درختوں کا ایک باز و ایک انصاری مالک بن قیس کے باغ میں تھا حضرت سمرہ کے آنے جانے سے انصاری کو تکلیف ہوتی تھی حضور اکرم ﷺ نے بطور سفارش اور بطور ترغیب حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو اپنے درخت فروخت کرنے یا تبادلہ کرنے یا ہبہ کرنے کو کہا ''رغبہ'' کا مطلب یہی سفارش اور ترغیب ہے آنحضرت کا یہ حکم وجوبی نہ تھا اور نہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو انکار کی گنجائش نہ ہوتی "انت مضار" یعنی تیرا مقصد صرف ایذا رسانی اور تکلیف دینا ہے لہٰذا اب تیرے ضرر کو دفع کرنا ضروری ہو گیا ہے اور اس کی صورت یہی ہے کہ ان درخت کو جڑ سے اکھیڑ دیا جائے چنانچہ حضور اکرم نے اسی طرح حکم دیدیا۔[2]

سوال: اب سوال یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم وجوبی نہ تھا صرف سفارش تھی تو پھر ان کے درختوں کو کاٹنے کا حکم کیوں دیا گیا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل حضور اکرم ﷺ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے سامنے باقی تمام اختیاری باتیں

---

[1] المرقات: ۶/۱۹۵، ۱۹۶ [2] المرقات: ۶/۱۹۶

رکھدیں ترغیب بھی دی جنت کی بشارت بھی دی جب وہ نہ مانے تو پھر آنحضرت نے آخر میں وجوبی حکم نافذ کر دیا کیونکہ اب ضرر وایذ ارسانی کی صورت پیدا ہوگئی لہٰذا اس ضرر کا دفع کرنا ضروری ہوگیا تو آپ نے درختوں کے کاٹنے کا حکم دیدیا۔
ملاعلی قاری نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ درخت باغ کے مالک کی طرف سے ھبہ تھے ایا کسی اور کی طرف سے عاریت کے طور پر تھے اس لئے کاٹنے کا حکم دیدیا گیا۔[1]

الفصل الثالث

پانی نمک اور آگ دینے میں کتنا بڑا ثواب ہے

﴿۱۶﴾ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا الشَّيْئُ الَّذِيْ لَايَحِلُّ مَنْعُهُ قَالَ الْمَاءُ وَالْمِلْحُ وَالنَّارُ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ هٰذَا الْمَاءُ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَمَا بَالُ الْمِلْحِ وَالنَّارِ قَالَ يَاحُمَيْرَاءُ مَنْ أَعْطٰى نَاراً فَكَأَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَا أَنْضَجَتْ تِلْكَ النَّارُ وَمَنْ أَعْطٰى مِلْحاً فَكَأَنَّمَا تَصَدَّقَ بِجَمِيْعِ مَا طَيَّبَتْ تِلْكَ الْمِلْحُ وَمَنْ سَقٰى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِنْ مَاءٍ حَيْثُ يُوْجَدُ الْمَاءُ فَكَأَنَّمَا أَعْتَقَ رَقَبَةً وَمَنْ سَقٰى مُسْلِمًا شَرْبَةً مِنْ مَاءٍ حَيْثُ لَايُوْجَدُ الْمَاءُ فَكَأَنَّمَا أَحْيَاهَا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں روایت ہے کہ (ایک دن) انہوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ: وہ کون سی چیز ہے جس کو دینے سے انکار کرنا درست نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پانی، نمک، اور آگ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "یارسول اللہ: پانی کا معاملہ تو مجھے معلوم ہے (کہ یہ خدا کی ایک ایسی عام نعمت ہے جو کسی شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہے اور چونکہ کیا انسان اور کیا حیوان ساری ہی مخلوق کی ضرورتیں اس سے وابستہ ہیں اس لئے اس سے منع کرنا بہت زیادہ تکلیف وضرر کا باعث بن سکتا ہے) لیکن نمک اور آگ کی بات سمجھ میں نہیں آئی (کہ یہ دونوں چیزیں پانی کے مثل نہیں ہیں اور بظاہر بالکل حقیر وکمتر چیزیں ہیں جن کا دیا جانا اور نہ دیا جانا کیا حیثیت رکھ سکتا ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حمیراء: (یہ مت سمجھو کہ ان دونوں چیزوں کے دینے یا نہ دینے کی کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ) جس شخص نے کسی کو آگ دی تو گویا اس نے وہ تمام چیزیں بطور صدقہ دیں جو اس آگ پر پکائی گئیں۔ اسی طرح جس نے کسی کو نمک دیا گویا اس نے وہ تمام چیزیں بطور صدقہ دیں۔ جنہیں اس نمک نے ذائقہ دار بنایا اور جس شخص نے کسی کو اس جگہ کہ جہاں پانی ملتا ہو ایک بار پانی پلایا۔۔۔۔۔۔۔ تو گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا اور جس شخص نے کسی کو اس جگہ کہ جہاں پانی دستیاب نہ ہوتا ہو ایک بار پانی پلایا تو گویا اس نے اس کو (یعنی ایک مسلمان کو) زندہ کر دیا"۔ (ابن ماجہ)

[1] المرقات: ۶/۱۹۶ [2] اخرجه ابن ماجه: ۲/۸۲۶

توضیح: "**لایحل منعه**" یعنی پانی آگ اور نمک کے دینے میں جب گنجائش ہو تو اس کا کسی مسلمان سے منع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں بوقت ضرورت نہایت کارآمد اور باعث احتیاج ہوتی ہیں لہٰذا اس کے دینے میں ثواب بھی بڑا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پانی کی اہمیت کو تو سمجھ لیا کیونکہ عربستان ریگستان میں پانی بقاء جان کا ذریعہ ہے اور نادر الوجود چیز ہے لیکن نمک اور آگ کی اہمیت کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نہ سمجھ سکیں اس لئے اس کو حقیر و کمتر جان کر سوال کیا اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ اور نمک کی افادیت اور اہمیت و ضرورت کو واضح فرمادیا کہ آگ کے ذریعہ سے تمام پکنے والی اشیاء کے عطیہ جتنا ثواب ملتا ہے اور نمک کی لذت سے پورے طعام کے صدقہ جتنا ثواب ملتا ہے اور پانی تو پانی ہے یہ تو زندگی اور جان ہے جو کسی کو پلاتا ہے گویا اس کو زندگی دیتا ہے۔[1]

---

[1] المرقات: ۶/۱۹۷

مورخہ ۶ رجب ۱۴۱۰ھ

باب العطایا

عطایا کا بیان

قال اللہ جل جلالہ: ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا﴾[1]

عطایا جمع ہے اس کا مفرد عطیہ ہے عطیہ بخشش وہدیہ کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی کسی چیز کا تصرف اور ملکیت کسی دوسرے شخص کی طرف منتقل کردے اس باب میں عطایا کے تمام اقسام مثلاً وقف، ہبہ، عمریٰ اور رقبیٰ کا بیان ہوگا۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں لکھا ہے کہ یہاں عطایا سے امراء اور سلاطین کی بخشش اور ان کے انعامات مراد ہیں۔

ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ امام غزالی نے منہاج العابدین میں عطایا کے متعلق لکھا ہے کہ امراء وسلاطین کی بخششوں اور سرکاری انعامات کو قبول کرنے کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اگر وہ عطایا حرام اموال سے نہ ہوں یعنی اس کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو تو اس کو قبول کرلینا درست ہے بعض دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ جب تک اس مال کے حلال ہونے کا یقین نہ ہو اس وقت تک اس کو قبول نہ کرنا بہتر اور اولیٰ ہے کیونکہ اس زمانہ میں خزانہ میں جمع شدہ اموال اکثر وبیشتر غیر شرعی ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں۔

بہر حال عطایا اور تحفہ وہدیہ یہ انسانی معاشرہ کو مربوط کرنے اور انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کا بڑا ذریعہ ہے اس لئے اسلام نے عطیہ کا حکم دیا بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ امراء کے ہدایا مطلقاً قبول کرنا جائز ہے الا یہ کہ اس بات کا مکمل یقین ہوجائے کہ یہ مال حرام ہے کیونکہ حضور اکرم نے مصر کے بادشاہ مقوقس کا ہدیہ قبول فرمایا تھا۔ بعض علماء نے یہ فرق کیا ہے کہ غریب اور مفلس کے لئے یہ عطایا قبول کرنا جائز ہے غنی اور مالدار کے لئے ناجائز ہے۔ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے مزید لکھا ہے کہ اگر مفلس ان عطایا کو قبول کرے تو جائز ہوگا کیونکہ اگر بادشاہ نے اپنا ذاتی مال دیا ہو تو وہ جائز ہے اور اگر بادشاہ نے بیت المال سے دیا ہو تو ہر مسلمان کا بیت المال میں اپنا حق بنتا ہے اس میں اس کو اپنا حق مل جائے گا بلکہ بیت المال میں اور سرکاری خزانہ میں علماء کا بھی حق بنتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو آدمی اسلام میں اپنی خوشی سے آجائے اور پھر قرآن یاد کرلے (عالم بن جائے) تو بیت المال اور سرکاری خزانہ میں سالانہ ان کا دوسو درھم حق بنتا ہے ایک روایت میں دوسو دینار کا ذکر ہے فرمایا کہ اگر اس نے دنیا میں اپنا حق وصول نہیں کیا تو آخرت میں ضرور وصول کریگا۔[2]

---

[1] بنی اسرائیل الآیہ ۲۰ [2] المرقات: ۶/۱۹۸

ان تمام تفصیلات کے بعد یہ بات بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ حکومت وقت کی طرف سے اکثر و بیشتر عطایا بطور رشوت اور دینی معاملات میں مداہنت کی غرض سے دیئے جاتے ہیں لہٰذا ہر عالم دین کو خیال کرنا چاہئے اور چوکنا رہنا چاہئے کہ کہیں ان حکومتی عطایا سے ان کی شرعی آزادی کو سلب تو نہیں کیا جا رہا ہے یا ان کی حق گوئی کی آواز کو دبایا تو نہیں جا رہا ہے اگر ایسا ہے تو پھر حلال مال کا عطیہ تو کیا حج وعمرہ پر بھیجنا یا مسجد و مدرسہ تعمیر کرانا بھی ناجائز ہوگا۔ "**واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل**"۔

الفصل الاول

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنی خیبر کی زمین کا وقف نامہ

﴿۱﴾ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ أَصَابَ أَرْضاً بِخَيْبَرَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ أَنْفَسَ عِنْدِي مِنْهُ فَمَا تَأْمُرُنِي بِهٖ قَالَ إِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ أَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ أَنَّهُ لَايُبَاعُ أَصْلُهَا وَلَايُوْهَبُ وَلَايُوْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ وَفِي الْقُرْبٰى وَفِي الرِّقَابِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالضَّيْفِ لَاجُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ أَوْ يُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ غَيْرَ مُتَأَثِّلٍ مَالًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خیبر کی کچھ زمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (مال غنیمت کے حصہ کے طور پر) ملی تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "یارسول اللہ: میں نے خیبر میں (اپنے حصہ کی) ایسی زمین پائی ہے کہ اس سے زیادہ بہتر وعمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا ہے (اور اب میں چاہتا ہوں کہ اس زمین کو اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی میں دے دوں اس لئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم فرمایئے (کہ میں اس بارہ میں کیا کروں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر تم یہی چاہتے ہو تو اصل زمین کو وقف کردو اور اس سے جو کچھ پیدا ہو۔ اسے بطور صدقہ تقسیم کردو" چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کو اس شرط کے ساتھ خدا کی راہ میں دیدیا (یعنی اسے وقف کردیا) کہ اصل زمین کو نہ تو فروخت کیا جائے، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ اسے کسی کی میراث قرار دی جائے اور اس کی پیداوار کو بطور صدقہ اس طرح صرف کیا جائے کہ اس سے فقیروں، قرابت داروں کو نفع پہنچایا جائے غلاموں کی مدد کی جائے (یعنی جس طرح مکاتب کو زکوٰۃ دیدی جاتی ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنے مالک کو بدل کتابت دیکر آزاد ہوجائے اسی طرح اس زمین کی پیداوار سے بھی مکاتب کی اعانت کیجائے) اللہ کی راہ میں یعنی غازیوں اور حاجیوں پر خرچ کیا جائے مسافروں کی

[۱] اخرجه البخاری: ۳/۲۵۹ ومسلم: ۲/۱۴

ضرورتیں پوری کی جائیں (باوجودیکہ وہ اپنے وطن میں مال وزر کے مالک ہوں) اور مہمانوں کی مہمانداری کی جائے اور اس زمین کو متولی بھی بقدر حاجت اس میں سے کھائے یا اپنے اہل وعیال کو (کہ جو مستطیع نہ ہونے کی وجہ سے اس کے زیر کفالت ہوں) کھلائے تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بشرطیکہ وہ متولی (اس وقف کی آمدنی سے) مالدار نہ بنے (یعنی جو شخص اس زمین کی دیکھ بھال کرنے اور اس کی پیداوار کو مذکورہ بالا لوگوں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری پر بطور متولی مامور کیا جائے اگر وہ بھی اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے اس زمین کی پیداوار اور آمدنی میں سے کچھ لے لیا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہاں اسے اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ اس زمین کے ذریعہ مالدار ومتمول بن جائے) چنانچہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے (غیر متمول کا مطلب) یہی بیان کیا ہے کہ وہ متولی اس زمین کو اپنے لئے مال وزر جمع کرنے کا ذریعہ نہ بنائے''۔
(بخاری ومسلم)

توضیح: اس حدیث میں وقف کے بنیادی بے مثال احکامات ہیں مثلاً وقف میں اپنا عمدہ مال دینا چاہئے نیز یہ بھی جائز ہے کہ وقف کی نگرانی اپنے پاس رکھی جائے یہ بھی جائز ہے کہ بقدر ضرورت کچھ آمدن خود بھی استعمال کرے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ وقف مال نہ فروخت کیا جاسکتا ہے نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے نہ اس میں میراث چلتی ہے بلکہ ''**الوقف لا یملك**'' ضابطہ ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وقف کبھی شخصی ہوتا ہے کہ اصل اور نفع دونوں کسی ایک مسکین کے ہاتھ میں دیدیا جائے اور کبھی عام مساکین کے لئے وقف کیا جاتا ہے یہاں عام مساکین کے لئے وقف کیا گیا ہے۔[1]

عمریٰ جائز ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعُمْرٰى جَائِزَةٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عمریٰ جائز ہے''۔
(بخاری ومسلم)

توضیح: ''**العمریٰ**'' **عمریٰ فُعلیٰ** کے وزن پر ہے اس کا معنی یہ ہے کہ کسی کو عمر بھر کے لئے اپنا گھر دیدینا، اور یہ الفاظ استعمال کرنا ''**هذه الدار لك عمریٰ**'' کہ میں نے یہ گھر عمر بھر کے لئے تجھے دیدیا اس کو استعمال کرو گویا عمریٰ ہبہ اور عطیہ اور تحفہ کی ایک صورت ہے۔ عمریٰ کا صیغہ اکثر باب افعال سے استعمال ہوتا ہے اس میں عطیہ کرنے والے کو معمر کہتے ہیں اور جسکو عطیہ کیا گیا ہے اس کو **مُعْمَرٌ لَهٗ** کہتے ہیں اور اس عطیہ کو عُمریٰ کہتے ہیں۔[3]

عمریٰ کے ہبہ کرنے کی تین صورتیں ہیں

❶ اول صورت یہ ہے کہ جس میں مُعمر لہ کے ورثہ کی تصریح ہو مثلاً عطیہ کرنے والے نے کہا ''**اَعْمَرْتُكَ هٰذِهِ الدَّارَ**

[1] المرقات: ۶/۱۹۹، ۲۰۰ [2] اخرجه البخاری: ۳/۲۱۶ ومسلم: ۲/۹ [3] المرقات: ۶/۲۰۱

فَاِذَا مِتَّ فَهِيَ لِوَرَثَتِكَ"۔

❷ دوسری صورت وہ ہے جو بالکل مطلق ہو مثلاً "اَعْمَرْتُكَ هٰذِهِ الدَّارَ"۔

❸ تیسری صورت وہ ہے جس میں گھر کی واپسی کی تصریح ہو مثلاً "اَعْمَرْتُكَ هٰذِهِ الدَّارَ فَاِذَا مِتَّ عَادَتْ اِلَيَّ"۔

فقہاء کا اختلاف:

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبل جمہور کے نزدیک عمریٰ تینوں صورتوں میں مطلقاً تملیک عین اور ہبہ ہے اور واپسی کی شرط فاسد ہے جو باطل ہے لہٰذا معمرلہ کے مرنے کے بعد ان کے ورثہ اس کو لیں گے کوئی منع نہیں کرسکتا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمریٰ تینوں صورتوں میں تملیک منافع ہے تملیک عین نہیں لہٰذا معمرلہ کے مرنے کے بعد عمریٰ کا عین اصل مالک کی طرف واپس ہوجائے گا امام احمد وشافعی کے اور اقوال بھی ہیں مگر اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔[1]

دلائل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت حدیث نمبر ۵ سے استدلال کیا ہے جس میں "**فانها ترجع الی صاحبها**" کے الفاظ آئے ہیں۔

جمہور نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۳ سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر **العمریٰ میراث لاهلها** کے الفاظ موجود ہیں۔ جمہور نے حضرت جابر کی حدیث نمبر ۴ سے بھی استدلال کیا ہے جس میں مسئلہ کا بھی ذکر ہے اس کے حکم کا بھی ذکر ہے اور اس کی علت کا ذکر بھی ہے جو واضح تر دلیل ہے۔ جمہور نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث نمبر ۶ سے بھی استدلال کیا ہے جو اپنے مدعا پر صریح دلیل ہے۔ جمہور نے فصل ثالث کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث نمبر ۸ سے استدلال کیا ہے۔

جواب: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت جابر کی روایت سے استدلال کیا ہے وہ روایت دیگر صحیح روایات کے بھی خلاف ہے اور خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایات کے بھی خلاف ہے لہٰذا وہ قابل استدلال نہیں ہے۔ نیز وہ حضرت جابر کا اپنا قول اور اجتہاد ہے مرفوع حدیث نہیں ہے لہٰذا یہ دیگر مرفوع احادیث کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے۔

سوال: زیر بحث حدیث میں **العمریٰ جائزة** کے الفاظ ہیں اور فصل ثانی کی حدیث نمبر ۶ میں حضرت جابر ہی کی روایت میں **لا تُعْمِرُوا عمریٰ** سے نہی کی روایت ہے یہ واضح تعارض ہے اس کا حل کیا ہے؟

جواب: اصولاً تو وہی حکم ہے کہ **العمریٰ جائزة** یہ جائز ہے منع نہیں لیکن جہاں ممانعت کی حدیث آئی ہے تو وہ نہی ارشادی ہے جو اس مصلحت پر مبنی ہے کہ اپنے گھر کو عمریٰ کہہ کر کسی کو مت دیا کرو کیونکہ عمریٰ تو نافذ ہے پھر پریشان ہوجاؤ گے اس لئے یہ اقدام نہ کرو لیکن اگر کسی نے عمریٰ کیا تو وہ نافذ اور جائز ہوگا۔[2]

[1] المرقات: ۶/۲۰۱ [2] المرقات: ۶/۲۰۱، ۲۰۲

عمریٰ میں وراثت چلتی ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعُمْرٰى مِيْرَاثٌ لِأَهْلِهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "عمریٰ اپنے مالک (یعنی معمر لہ) کے ورثاء کی میراث ہو جاتا ہے"۔ (مسلم)

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا رَجُلٍ أُعْمِرَ عُمْرٰى لَهُ وَلِعَقِبِهٖ فَإِنَّهَا لِلَّذِيْ أُعْطِيَهَا لَا يَرْجِعُ إِلَى الَّذِيْ أَعْطَاهَا لِأَنَّهٗ أَعْطٰى عَطَاءً وَقَعَتْ فِيْهِ الْمَوَارِيْثُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر کسی شخص اور اس کے ورثاء کو کوئی چیز بطور عمریٰ دیجاتی ہے تو وہ عمریٰ اسی شخص کا ہو جاتا ہے جسے وہ دیا گیا ہے (یعنی وہ چیز اس کی ملکیت ہو جاتی ہے) عمریٰ دینے والے کی ملکیت میں واپس نہیں آتا کیونکہ دینے والے نے اس طرح دیا ہے کہ اس میں میراث جاری ہو جاتی ہے"۔ (بخاری ومسلم)

عمریٰ کے بارے میں امام مالک کی دلیل

﴿۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ إِنَّمَا الْعُمْرٰى الَّتِيْ أَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقُوْلَ هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ فَأَمَّا إِذَا قَالَ هِيَ لَكَ مَا عِشْتَ فَإِنَّهَا تَرْجِعُ إِلٰى صَاحِبِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے عمریٰ کی جس صورت کو جائز قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ مالک (یعنی دینے والا) یوں کہے کہ "یہ چیز (تمہاری زندگی تک) تمہاری ہے اور (تمہارے مرنے کے بعد) تمہارے ورثاء کی ہے۔ اور اگر صرف یوں کہے کہ "یہ عمریٰ تمہاری زندگی تک تمہارے لئے ہے" تو اس صورت میں (اس شخص کے مرنے کے بعد) وہ عمریٰ مالک (یعنی دینے والے) کی ملکیت میں واپس آجائے گا"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: یہ حدیث امام مالک کا مستدل ہے کہ عمریٰ واپس معمر کی ملکیت میں چلا جاتا ہے جمہور کی دلیل اس سے پہلے حدیث نمبر ۳ اور حدیث نمبر ۴ ہے امام مالک کی روایت ان کا اپنا قول ہے مرفوع حدیث نہیں ہے ان کا اپنا اجتہاد ہے لہٰذا یہ روایت مرفوع احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے۔

[1] اخرجه مسلم: ۲/۹ [2] اخرجه البخاری: ۳/۲۱۶ ومسلم: ۲/۹

الفصل الثانی

عمریٰ اور رقبیٰ سے ممانعت کی وجہ

﴿۶﴾ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُرْقِبُوْا وَلَا تُعْمِرُوْا فَمَنْ أُرْقِبَ شَيْئًا أَوْ أُعْمِرَ فَهِيَ لِوَرَثَتِهِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رقبیٰ کرو اور نہ عمریٰ کرو کیونکہ جو چیز (یعنی مثلاً مکان یا زمین) بطور رقبیٰ یا بطور عمریٰ دی جاتی ہے وہ اس کے ورثاء کی ملکیت میں چلی جاتی ہے''۔ (ابوداود)

توضیح: ''لا ترقبوا'' رقبیٰ بھی عمریٰ کی طرح ہے باب افعال سے استعمال ہوتا ہے ارقاب اور رقوب انتظار اور نگرانی کے معنی میں ہے رقبیٰ کا مفہوم اور تعارف یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ یہ گھر میں تمکو دیتا ہوں اگر تو پہلے مر گیا تو یہ گھر پھر میرا ہو جائے گا اور اگر میں پہلے مر گیا تو پھر یہ گھر تمہارا ہو جائے گا تو ایسی صورت میں ہر ساتھی دوسرے ساتھی کی موت کا انتظار کرتا ہے کہ یہ کب مرتا ہے تا کہ گھر مجھے مل جائے اس حدیث میں رقبیٰ اور عمریٰ سے آنحضرت نے منع کر دیا ہے حالانکہ اس سے پہلے احادیث میں عمریٰ کے جواز کا بیان ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں نہی ارشادی ہے جو ایک مصلحت کے تحت ہے وہ یہ کہ رقبیٰ اور عمریٰ سے بالکلیہ گھر انسان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو آنحضرت نے یہ رہنمائی فرمائی کہ تم رقبیٰ اور عمریٰ میں جلد بازی سے کام مت لو کیونکہ عمریٰ ورقبیٰ کرو گے تو گھر ہمیشہ کے لئے تمہارے ہاتھ سے نکل جائیگا کل ضرورت پڑیگی تو تم پریشان ہو جاؤ گے اس لئے سوچ سمجھ کر رقبیٰ اور عمریٰ پر اقدام کرو آنے والی حدیث نمبر ۸ میں یہ علت و مصلحت مذکور ہے۔ رقبیٰ کا حکم بھی عمریٰ کی طرح عطیہ اور ہبہ کا ہے۔

لیکن فقہی تناظر میں رقبیٰ عمریٰ سے کچھ مختلف ہے وہ اس طرح کہ امام شافعی رحمہ اللہ امام احمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک رقبیٰ عمریٰ کی طرح ہے جس نے اپنا گھر کسی کو بطور رقبیٰ دیدیا وہ اس شخص اور اسکے ورثاء کا ہو جائے گا واپس نہیں ہوگا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک اور امام محمد کے نزدیک رقبیٰ باطل ہے یعنی وہ چیز رقبیٰ کرنے والے کی ملکیت میں رہیگی۔[2]

عمریٰ اور رقبیٰ جائز ہے

﴿۷﴾ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعُمْرٰى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا وَالرُّقْبٰى جَائِزَةٌ لِأَهْلِهَا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)[3]

---

[1] اخرجه البخاری: ومسلم: ۲/۹ [2] المرقات: ۶/۲۰۳ [3] اخرجه ابوداؤد: ۳/۲۹۳ والترمذی: ۳/۶۳۳

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''عمریٰ، عمریٰ کرنے والوں کے لئے جائز ہے (یعنی جس شخص کو کوئی چیز بطور عمریٰ دی گئی وہ اس کے لئے جائز ہے، اور رقبیٰ، رقبیٰ والوں کے لئے جائز ہے (یعنی جو چیز بطور رقبیٰ کسی کو دی گئی وہ اس کے لئے جائز ہے)۔ (احمد، ترمذی، ابوداود)

الفصل الثالث

﴿۸﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْسِكُوا أَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ لَا تُفْسِدُوْهَا فَإِنَّهُ مَنْ أَعْمَرَ عُمْرٰى فَهِيَ لِلَّذِيْ أُعْمِرَ حَيًّا وَمَيِّتًا وَلِعَقِبِهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''تم اپنے مال اپنے پاس رکھو ان میں نقصان پیدا نہ کرو، کیونکہ جو شخص کسی کو اپنی کوئی چیز عمریٰ کے طور پر دیتا ہے تو وہ چیز (یعنی مکان یا زمین) کہ جو بطور عمریٰ دی گئی ہے زندگی و موت دونوں حالت میں اس شخص کی ملکیت رہتی ہے جسے وہ چیز بطور عمریٰ دی گئی ہے (بایں طور کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے تو خود اس چیز کا مالک رہتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد) پھر اس کی اولاد مالک ہو جاتی ہے۔ (مسلم)

[1] اخرجه مسلم: ۲/۹

باب (من الملحقات)

گذشتہ باب کے متعلقات کا بیان

یہ باب بلاعنوان ہے لیکن اس میں جن احادیث کو لایا گیا ہے ان کا تعلق باب العطایا سے ہے اس لئے اس باب کی احادیث کو باب العطایا کے باب سے ملحق قرار دیا جاتا ہے۔ اس باب میں نسبتاً چھوٹے عطایا کا ذکر ہے جس سے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ جب عطیہ خوشگوار ہو تو خواہ چھوٹا کیوں نہ ہو اس کو واپس نہیں کرنا چاہئے پھر باپ کی جانب سے اولاد کو عطیہ کرنے کا بیان اور عطیہ دیکر واپس کرنے کی مذمت ہے نیز تحفہ تحائف کی فضیلت اور ترغیب پر یہ باب مشتمل ہے گویا اس باب میں عطایا کے آداب وفضائل اور مسائل کا بیان ہے۔

الفصل الاول

خوشبو اور پھول کا تحفہ واپس نہ کرو

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عُرِضَ عَلَيْهِ رَيْحَانٌ فَلاَ يَرُدُّهُ فَإِنَّهُ خَفِيْفُ الْمَحْمِلِ طَيِّبُ الرِّيْحِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو خوشبودار پھول (تحفہ کے طور پر) دیا جائے تو وہ اسے واپس نہ کرے کیونکہ (اول تو) وہ سبکسار (یعنی بہت ہلکا احسان) ہے۔ اور (دوسرے یہ کہ) وہ ایک اچھی خوشبو ہے"۔ (مسلم)

توضیح: خوشبو اور پھول کا تحفہ ہلکا پھلکا بھی ہے اور خوشگوار بھی ہے اور جس کو پیش کیا جاتا ہے اس کا اعزاز بھی ہے تو ایسی چیز کو واپس نہیں کرنا چاہئے۔

﴿۲﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لاَ يَرُدُّ الطِّيْبَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ خوشبو (کے تحفہ) کو واپس نہیں کیا کرتے تھے"۔ (بخاری)

ہبہ میں رجوع کرنے کا مسئلہ

﴿۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَائِدُ فِيْ هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ

[۱] اخرجه مسلم: ۲/۳۰۱ [۲] اخرجه البخاري: ۳/۲۰۵

فِیْ قَیْئِہٖ لَیْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اپنے ہبہ کو واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے چاٹتا ہے اور ہمارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم کسی بری مثال سے تشبیہ دیئے جائیں"۔ (بخاری)

توضیح: "کالکلب" حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو ایک اعلیٰ معیار پر رہنے کی ترغیب دی ہے اور یہ نشاندھی فرمائی ہے کہ مسلمانوں کا مقام اور ان کی شان چونکہ بہت بلند ہے اس لئے ان کو ایسا کام ہرگز نہیں کرنا چاہئے جس سے ان کی ملی شرافت پر حرف آتا ہو اور ان پر ایک بری مثال چسپاں ہو جاتی ہو اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ جب تم تحفہ وہدیہ کسی کو دو تو اس کو ہرگز واپس نہ کرو، یہ حرکت انسانی عزت وعظمت اور ان کی شرافت کے لئے اس طرح قبیح ہے جس طرح ایک کتا پہلے کھاتا ہے پھر اس کو قے کرتا ہے اور پھر اس کو چاٹ چاٹ کر کھاتا ہے کسی شریف انسان کے لئے اس طرح کی مثال بہت بری مثال ہے یہ اس حدیث کا اخلاقی پہلو ہے۔ اب اس کا فقہی پہلو کیا ہے کیا ایک شخص جب کسی کو ہدیہ اور ہبہ کرتا ہے تو وہ اس میں رجوع کرسکتا ہے یا رجوع نہیں کرسکتا ہے اس میں یہ تفصیل ہے کہ صدقہ میں بالاتفاق رجوع ناجائز ہے البتہ ہبہ میں رجوع کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ [2]

فقہاء کا اختلاف:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہبہ میں رجوع کرنا نہ قضاءً جائز ہے نہ دیانۃً جائز ہے البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ باپ نے اگر بیٹے کو ہبہ کیا اور پھر واپس کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے بوقت ضرورت رجوع کرنا جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہبہ میں رجوع کرنا جائز مع الکراہۃ ہے یعنی دیانۃً رجوع نہیں کرسکتا ہے قضاءً رجوع کرسکتا ہے البتہ اگر بیٹے کو ہبہ کیا ہے تو بوجہ قرابت رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ [3]

احناف کے ہاں سات مواقع ایسے ہیں کہ اس میں ہبہ کرنے کے بعد رجوع کرنے کی گنجائش نہیں ہے ان مواقع کی طرف **"دمع خزقہ"** کے مجموعہ حروف سے اشارہ کیا جاتا ہے چنانچہ حرف دال سے موہوب چیز میں زیادت متصلہ کی طرف اشارہ ہے یعنی موہوب لہ نے اس میں اپنا مال شامل کرلیا ہے اب واہب رجوع نہیں کرسکتا ہے۔

حرف میم سے واہب یا موہوب لہ کی موت کی طرف اشارہ ہے اس موت کی صورت میں رجوع نہیں ہوسکتا حرف عین سے ہبہ بالعوض کی طرف اشارہ ہے یعنی واہب نے ہبہ کے عوض کچھ معاوضہ لیا تو اب رجوع ممکن نہیں حرف خا سے خروج کی طرف اشارہ ہے کہ ہبہ کردہ چیز موہوب کے ہاتھ سے نکل گئی اب رجوع نہیں کرسکتا حرف زا سے زوجین کے ہبہ کی طرف اشارہ ہے کہ میاں بیوی نے ایک دوسرے کو ہبہ کیا اس صورت میں رجوع نہیں ہوسکتا ہے۔ حرف قاف سے قرابت کی طرف اشارہ ہے اور قرابت سے محرمیت کی قرابت مراد ہے جیسے باپ بیٹا ماں بیٹا بھائی بہن اس صورت میں ہبہ سے رجوع

[1] اخرجه البخاری: ۳/۲۱۵ [2] المرقات: ۶/۲۰۶ [3] المرقات: ۶/۲۰۶، ۲۰۷

کرنا جائز نہیں ہے حرف ہ سے ہلاک کی طرف اشارہ ہے کہ موہوب چیز ہلاک ہوگئی اب رجوع ممکن نہیں ان سات صورتوں کے علاوہ ائمہ احناف کے نزدیک ہبہ میں رجوع کرنا جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

دلائل جمہور نے زیر بحث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہبہ میں رجوع کرنے کی تشبیہ کتے کی قے اور اس کے چاٹنے سے دی گئی ہے ظاہر ہے کہ یہ ایک قبیح اور حرام کام ہے لہٰذا رجوع فی الھبہ حرام ہے۔[1]

ائمہ احناف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "**الرجل احق بھبتہ مالم یثب منھا**" (رواہ ابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ: یعنی اگر ہبہ بالعوض نہ ہوتو واہب اپنے ہبہ میں رجوع کرنے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔

احناف رحمہ اللہ کی دوسری دلیل حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "**اذا کانت الھبۃ لذی رحم محرم لم یرجع فیھا**" (مستدرک حاکم بیہقی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرابت نسبی کی صورت میں ہبہ میں رجوع جائز نہیں ورنہ گنجائش ہے۔

جواب: جمہور نے جس زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے احناف اس کو دیانت پر حمل کرتے ہیں اس میں رجوع فی الھبہ کی نہی اور ممانعت نہیں ہے صرف اسکی قباحت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ قباحت احناف کے نزدیک بھی ہے مگر کراہت تحریمی کی صورت میں ہے بالکل حرام کی صورت میں نہیں ہے کیونکہ اس حدیث سے حرمت کو کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے جبکہ کتے کے لئے حرمت وحلت کا کوئی ضابطہ نہیں ہے یہ صرف شناعت وقباحت کی طرف اشارہ ہے۔

بہرحال اس حدیث پر احناف بھی عمل کرتے ہیں صرف اجتہادی رنگ ڈھنگ میں فرق ہے وہ حرام کہتے ہیں یہ مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔

کسی چیز کے دینے میں اولاد میں فرق نہیں کرنا چاہئے

﴿۴﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَنَّ أَبَاهُ أَتَى بِهِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هٰذَا غُلَاماً فَقَالَ أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهُ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ. وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُوْنُوْا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلٰى قَالَ فَلَا إِذاً. وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ أَعْطَانِي أَبِي عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا أَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَأَمَرَتْنِي أَنْ أُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ قَالَ

[1] المرقات: ۶/۲۰۶، ۲۰۷

فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ، وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ لَا أَشْهَدُ عَلَى جَوْرٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک دن) ان کے والد (حضرت بشیر) انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے (نعمان رضی اللہ عنہ) کو ایک غلام عطا کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم نے اپنے سب بیٹوں کو اسی طرح ایک ایک غلام دیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو پھر (نعمان سے بھی) اس غلام کو واپس لے لو"۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعمان رضی اللہ عنہ کے والد سے) فرمایا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہاری نظر میں نیکی کے اعتبار سے یکساں ہوں (یعنی کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے سب بیٹے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں اور سب ہی تمہاری فرمانبرداری اور تمہاری تعظیم کریں") انہوں نے کہا کہ "ہاں" آپ نے فرمایا کہ "اس صورت میں (جبکہ تم اپنے تمام بیٹوں سے اپنے تئیں یکساں اچھے سلوک کے خواہشمند ہو تو) صرف اپنے ایک بیٹے (نعمان رضی اللہ عنہ) کو غلام نہ دو"۔ ایک اور روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ "حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میرے والد نے مجھے ایک چیز دی تو عمرہ بنت رواحہ (میری والدہ) نے (میرے والد حضرت بشیر رضی اللہ عنہ سے) کہا کہ میں اس پر اس وقت تک رضامند نہیں ہوں جب تک کہ تم اس (ہبہ) پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنالو، چنانچہ حضرت بشیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ: میں نے اپنے بیٹے (نعمان) کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے ایک چیز دی ہے اور عمرہ بنت رواحہ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس ہبہ پر آپ کو گواہ بنالوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ "جس طرح تم نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے کیا اسی طرح اپنے سب بیٹوں کو بھی ایک ایک غلام دیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ "نہیں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ سے ڈرو: اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو"۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی سن کر) واپس آئے اور مجھے جو چیز دی تھی وہ واپس لے لی"۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر) فرمایا کہ "میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا"۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "نحلت ابنی" نحل عطیہ اور ہبہ کے معنی میں ہے یہاں عطیہ کرنے والا باپ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ ہیں اور جس بیٹے کو عطیہ کرنا چاہا اس کا نام نعمان ہے وہ خود اپنا قصہ اس حدیث میں بیان کر رہا ہے بشیر کی بیوی کا نام عمرہ بنت رواحہ ہے نعمان اسی کے بطن سے تھا بشیر کی دوسری بیوی سے نعمان کے سوتیلے بھائی تھے۔ حضرت عمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چاہتی تھی کہ ان کے بیٹے کے عطیہ پر حضور اکرم کی تصدیق و تصویب ہو اسی لئے حضرت بشیر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معلوم کیا کہ دیگر اولاد کو بھی اسی طرح عطیہ کیا ہے؟ جب پتہ چلا کہ نہیں کیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق و تصویب سے انکار کیا اب اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اولاد کو کوئی چیز دینے میں برابری کرنا مستحسن و مستحب ہے امتیاز و فرق نہیں کرنا چاہئے لیکن کیا امتیاز کرنا حرام ہے یا مکروہ ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔[2]

[1] اخرجه البخاری: ۳/۲۰۶ ومسلم: ۲/۲۰۸ [2] المرقات: ۶/۲۰۷

فقہاء کا اختلاف:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس طرح امتیاز کرنا حرام ہے۔ لیکن جمہور فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اس طرح امتیاز کرنا حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

دلائل امام احمد رحمۃ اللہ علیہ زیر بحث حدیث کے اس لفظ سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**لا اشهد علی جور**" جور ظلم کو کہتے ہیں اور ظلم حرام ہے لہٰذا یہ امتیاز حرام ہے۔

جمہور نے اس واقعہ میں ایک جملہ سے استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**فاشهد علیه غیری**" یعنی میرے سوا کسی اور کو اس پر گواہ بنالو اگر یہ امتیاز حرام ہوتا تو حضور اکرم قطعاً اجازت نہ دیتے۔

نیز علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیگر اولاد پر ترجیح دی نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عاصم کو ترجیح دی اسی طرح عبد الرحمن بن عوف نے ام کلثوم کے بیٹے کو دیگر اولاد پر ترجیح دی اگر یہ بالکل حرام ہوتا تو یہ جلیل القدر صحابہ کبھی ایسا نہ کرتے۔

جواب: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس حدیث میں جور کا لفظ آیا ہے تو یہ حرمت کے لئے متعین نہیں ہے بلکہ جس طرح حرام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اسی طرح مکروہ پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔[1]

الفصل الثانی

﴿۵﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْجِعُ أَحَدٌ فِيْ هِبَتِهٖ إِلَّا الْوَالِدَ مِنْ وَلَدِهٖ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی شخص اپنا ہبہ واپس نہ لے (یعنی ہبہ واپس لے لینا مناسب نہیں ہے) ہاں باپ بیٹے سے (ہبہ واپس لے سکتا ہے)"۔ (نسائی، ابن ماجہ)

اس حدیث سے شوافع نے استدلال کیا ہے تفصیل وتشریح حدیث ۳ کے تحت ہو چکی ہے۔

عطیہ کر کے واپس کرنا مروّت کے خلاف ہے

﴿۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيْمَا يُعْطِيْ وَلَدَهٗ وَمَثَلُ الَّذِيْ يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ أَكَلَ حَتّٰى إِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِيْ قَيْئِهٖ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

---

[1] المرقات: ۶/۲۰۸ الکاشف: ۶/۱۹۳، ۱۹۴ [2] اخرجه النسائی: ۶/۲۶۴ وابن ماجه: ۲/۷۹۶ [3] اخرجه ابوداؤد: ۶/۲۶۶ والترمذی: ۳/۵۹۳

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں ہے (یعنی از راہ مروت یہ بات مناسب نہیں ہے) کہ وہ کسی کو اپنی کوئی چیز دے اور پھر اس کو واپس لے لے، البتہ باپ اپنی اس چیز کو واپس لے سکتا ہے جو وہ اپنے بیٹے کو دے۔ اور جو شخص کسی کو کچھ دے کر پھر واپس لے لیتا ہے اس کی مثال اس کتے کی سی ہے جس نے (پیٹ بھر کر) کھایا اور جب اس کا پیٹ بھر گیا تو قے کر ڈالی اور پھر اس قے کو چاٹنے لگا"۔ (ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہتا ہے۔

تحفہ کے بدلہ میں تحفہ دینا چاہئے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَهْدٰى لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرَةً فَعَوَّضَهُ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ فَتَسَخَّطَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ فُلَانًا أَهْدٰى إِلَيَّ نَاقَةً فَعَوَّضْتُهُ مِنْهَا سِتَّ بَكَرَاتٍ فَظَلَّ سَاخِطًا لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أَقْبَلَ هَدِيَّةً إِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ أَوْ أَنْصَارِيٍّ أَوْ ثَقَفِيٍّ أَوْ دَوْسِيٍّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول کریم ﷺ کے لئے بطور ہدیہ ایک جوان اونٹنی لے کر آیا، چنانچہ آپ ﷺ نے بھی اس دیہاتی کو اس ایک اونٹنی کے بدلہ میں چھ اونٹنیاں عطا فرمائیں لیکن وہ دیہاتی پھر بھی خوش نہ ہوا۔ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے پہلے خدا کی حمد و ثنا بیان کی بعد ازاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ فلاں شخص بطور ہدیہ میرے لئے ایک اونٹنی لایا تھا، میں نے بھی اس کے بدلہ میں اس کو چھ اونٹنیاں دیں مگر وہ پھر بھی ناخوش رہا۔ چنانچہ میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اب میں قریشی، ثقفی اور دوسی کے علاوہ اور کسی کا ہدیہ قبول نہ کروں"۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی)

توضیح: "لا اقبل هدية" حضور اکرم کی مبارک عادت تھی کہ آپ تحفہ کے بدلہ میں تحفہ دیا کرتے تھے بلکہ بسا اوقات کئی گنا زیادہ دیتے تھے ایک دفعہ کسی دیہاتی نے آپ کو ایک جوان اونٹنی تحفہ میں دیا آنحضرت نے چھ جوان اونٹنیاں بدلہ میں تحفہ میں دیدیئے لیکن دیہاتی خوش نہیں ہوا جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ کسی کا ہدیہ قبول نہ کروں (کیونکہ لوگوں نے اسکو تجارت کا ذریعہ بنایا ہے) ہاں چند قبائل ہیں وہ خلوص دل سے بغیر حرص و غرض تحفہ دیتے ہیں صرف ان کا قبول کروں ان میں سے خاندان قریش ہے جو فیاض ہے دوسرے انصار ہیں تیسرے دوس قبیلہ کے لوگ ہیں یہ عالی ہمت ہیں جو "ولا تمنن تستکثر" پر کاربند ہیں۔[2]

عطیہ کا اظہار کر کے محسن کا شکریہ ادا کرنا چاہئے

﴿۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهٖ وَمَنْ لَمْ

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۷۳۰ وابوداؤد: ۳/۲۸۹ [2] المرقات: ۶/۲۱۱

يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَإِنَّ مَنْ أَثْنٰى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلّٰى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کو کوئی چیز (بطور ہدیہ) دی جائے اور وہ اس کا بدلہ دینے پر قادر ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اس کا بدلہ دے اور جو شخص بدلہ دینے پر قادر نہ ہو تو وہ ہدیہ دینے والے کی تعریف وتوصیف کرے (اور اس کے دیئے ہوئے ہدیہ کا اظہار کرے) کیونکہ جس شخص نے اپنے محسن کی تعریف کی اس نے گویا اس کا شکر ادا کیا (یعنی فی الجملہ اس کا بدلہ اتارا) اور جس شخص نے کسی کا احسان چھپایا (یعنی نہ تو اس نے کچھ دیکر اور نہ تعریف کرکے اس کا بدلہ اتارا) تو اس نے کفران نعمت کیا اور (یاد رکھو) جو شخص اپنے آپ کو کسی ایسی چیز سے آراستہ کرے جو اسے نہیں دی گئی ہے تو اس کی مثال جھوٹ موٹ کے دو کپڑے پہننے والے کی سی ہے''۔ (ترمذی، ابوداود)

توضیح: ''وجد'' یعنی اگر مالی وسعت ہے تو اس کو چاہئے کہ مالی احسان کا بدلہ مالی احسان سے ادا کرے کیونکہ ﴿هل جزاء الاحسان الا الاحسان﴾[2] وارد ہے اور اگر مالی وسعت نہیں تو زبان سے اپنے محسن کی تعریف وتوصیف کرے یہ بھی شکر کے قائم مقام ہے کیونکہ شکر کا مفہوم یہ ہے کہ دل میں محبت ہو زبان سے مدحت ہو اور ہاتھ سے خدمت ہو تو زبانی تعریف بھی شکر کی ایک شاخ ہے۔ ''کتم'' یعنی نہ تعریف کی نہ محسن کا شکریہ ادا کیا اور نہ ان کے احسان کا کبھی تذکرہ کیا تو اس نے دراصل اس کے احسان کی ناشکری کی ''کفر'' کا مطلب ناقدری ناشکری اور کفران نعمت ہے۔[3] ''تحلی'' مزین کرنے کے معنی میں ہے یعنی اپنے آپ کو آراستہ کرے اس چیز سے جو ان کو نہیں دی گئی مثلاً عالم نہیں ہے مگر وہ علماء کے رنگ ڈھنگ اختیار کرتا ہے یا پیر بنا بیٹھا ہے مگر خود ٹھگ ہے یا انگوٹھا چھاپ ہے مگر ٹھاٹ باٹ ایسا ہے کہ بڑا تعلیم یافتہ دکھ رہا ہے۔ یعنی دینی اور دنیوی صفت اور کمال اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ گویا وہ اس سے متصف ہے حالانکہ وہ اس سے نرا کورا ہے درحقیقت وہ ایک بہروپیا بنا ہوا ہے کہتے ہیں عرب میں ایک شخص تھا جو بڑا خوش پوشاک تھا اوپر نیچے دو قمیص پہنتا تھا تاکہ لوگ اس کی بات کا خوب اعتبار کریں مگر تھا جھوٹا، آنحضرت ﷺ نے اسی سے تشبیہ دی ہے۔

بہرحال اس طرح دھوکہ نہیں کرنا چاہئے امتحان اس کو رسوا کردیگا محاورہ ہے کہ **''من تحلی بغیر مافیه فضحه الامتحان''** اسی طرح دو سوکنوں میں ایک بیوی جھوٹ موٹ بنا کر دوسری سوکن سے کہتی ہے کہ شوہر نے مجھے یہ دیا وہ دیا حالانکہ کچھ نہیں دیا یہ بھی اوپر نیچے جھوٹ کا لباس ہے۔[4]

محسن کے عطیہ کے بدلہ میں دعا کرنا چاہئے

﴿۹﴾ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۳۸۹ وابوداؤد: ۴/۲۵۶ [2] الرحمٰن الایه ۶۰ [3] المرقات: ۶/۲۱۲ [4] المرقات: ۶/۲۱۲

فَقَالَ لِفَاعِلِهِ جَزَاكَ اللهُ خَيْراً فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جس شخص کے ساتھ کوئی احسان کیا جائے اور وہ احسان کرنے والے کے حق میں یہ دعا کرے جزاک اللہ خیرا (یعنی اللہ تعالیٰ تجھے اس کا بہتر بدلہ دے) تو اس نے اپنے محسن کی کامل تعریف کی''۔ (ترمذی)

توضیح: ''ابلغ فی الثناء'' یعنی دینے کے لئے کچھ نہیں ہے تو محسن کے حق میں دعا کرنا چاہئے لیکن تعریفات کا پل باندھنا نہیں چاہئے راہ اعتدال پر قائم رہنا چاہئے **جزاك الله خيراً** یا **جزاك الله في الدارين خيرا** کہد یا تو احسان کا پورا پورا حق ادا ہو گیا لیکن اگر کوئی شخص شکریہ بھی ادا نہیں کرتا دعا بھی نہیں کرتا تو وہ درحقیقت ناشکری کرتا ہے اور جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا جیسے آیندہ حدیث میں آرہا ہے۔[2]

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص لوگوں کا شکر گذار نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کا (بھی) شکر ادا نہیں کرتا''۔ (احمد، ترمذی)

انصار کا احسان مہاجرین کا بدلہ

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ أَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ مَارَأَيْنَا قَوْمًا أَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَلَاأَحْسَنَ مَوَاسَاةً مِنْ قَلِيْلٍ مِنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَأَشْرَكُوْنَا فِي الْمَهْنَأِ حَتّٰى لَقَدْ خِفْنَا أَنْ يَذْهَبُوْا بِالْأَجْرِ كُلِّهِ فَقَالَ لَا مَادَعَوْتُمُ اللهَ لَهُمْ وَاَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)[4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ (مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ تشریف لے آئے تو (ایک دن) مہاجرین کی ایک جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ''یارسول اللہ: ہم نے ایسی کوئی قوم نہیں دیکھی جو زیادہ مالداری میں بہت زیادہ خرچ کرنے اور کم مالداری میں بہت اچھی خدمت اور مدد کرنے کے وصف میں اس قوم سے بہتر ہو جس میں ہم آکر اترے ہیں'' انہوں نے (یعنی انصار نے) ہمیں محنت سے سبکدوش کر دیا اور تمام تر منفعت میں ہمیں شریک کر لیا ہے اور اب (ان کے اس جذبۂ سخاوت و ایثار کو دیکھتے ہوئے) ہمیں تو یہ اندیشہ ہے کہ تمام تر ثواب کہیں انہیں کے حصہ میں نہ

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۲۱۲ [2] المرقات: ۶/۲۱۳ [3] اخرجه احمد: والترمذی: ۴/۳۳۱ [4] اخرجه الترمذی: ۵/۱۰۸

آجائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں (تمام تر ثواب انہیں کے حصہ میں نہیں آئے گا) جب تک کہ تم ان کے لئے اللہ سے دعا کرتے رہو گے اوران کی تعریف (یعنی شکرانہ نعمت ادا) کرتے رہو گے"۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اوراسے صحیح کہا ہے۔

توضیح: مدینہ منورہ میں انصار نے مہاجرین کی بڑی خدمت کی اسی کا اظہار مہاجرین نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے کیا ہے اور یہ پریشانی ظاہر کی کہ کہیں ان احسانات کی وجہ سے ہماری ہجرت وغیرہ کی نیکیاں سب ان کے حق میں نہ لکھی جائیں حضور اکرم نے تسلی دی کہ ایسا نہیں ہوگا جب تک تم ان کی تعریف کرو گے اوران کے حق میں دعا کرو گے اور جزاک اللہ کہو گے توان کے احسانات کا بدلہ اتر جائے گا تم کو تمہاری عبادت کا ثواب ملے گا اوران کو تمہاری نصرت کا ثواب ملے گا اللہ تعالیٰ کریم ہے ان کو بھی دیگا تم کو بھی دیگا۔[1]

"**ابذل**" یعنی زیادہ خرچ کرنے والے "**من کثیر**" زیادہ مال سے یعنی خود مالدار ہوں۔ "**مواسات**" ہمدردی اور غمخواری کو کہتے ہیں "**من قلیل**" قلیل مال کی صورت میں یعنی خود فقیر ہوں۔[2]

"**المؤنة**" مشقت ومحنت کو کہتے ہیں یعنی انہوں نے خود محنت کی ہماری طرف سے خود محنت کے لئے کافی ہو گئے۔[3]

"**اشرکونافی المهنأ**" یعنی راحت اور آسانی وسہولت میں ہم کو شریک کیا کہ اپنے کھیتوں کا نصف حصہ بغیر مشقت کے تیار کر کے ہم کو دیا۔ **مهنأ** میم اورنون دونوں پر زبر ہے آخر میں ہمزہ ہے بلاتعب ومشقت کسی کو کوئی چیز حاصل ہونے کو کہتے ہیں یہاں غلہ اور پھل مراد ہیں۔[4]

تحفہ دینے سے عداوت دور ہو جاتی ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ الضَّغَائِنَ۔ (رَوَاهُ الترمذی)[5]

ترجمہ: اورام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "آپس میں تحفہ کالین دین کیا کرو، کیونکہ تحفہ کالینا دینا کینوں کو دور کرتا ہے"۔ (ترمذی)

الضغائن جمع ہے اس کا مفرد ضغینۃ ہے بغض وحسد اور عداوت وکینہ کو کہتے ہیں۔ یہاں رواہ کے بعد بیاض ہے علماء نے الترمذی لگایا ہے۔

معمولی عطیہ کو حقیر نہ سمجھو

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ

---

[1] المرقات: ۶/۲۱۳ [2] المرقات: ۶/۲۱۳ [3] المرقات: ۶/۲۱۳ [4] المرقات: ۶/۲۱۳ [5] اخرجه الترمذی:

الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''آپس میں تحفہ دیا لیا کرو کیونکہ تحفہ سینے کی کدورت کو دور کرتا ہے اور (یاد رکھو) کوئی ہمسایہ اپنے دوسرے ہمسایہ کے واسطے (کسی کمتر چیز کے) تحفہ کو حقیر نہ سمجھے اگر چہ وہ بکری کے کھر کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو''۔ (ترمذی)

توضیح: "وحر الصدر" اس کینہ وحسد کو کہتے ہیں جو شدید تر ہو ''جارة'' اس سے پڑوسن بھی مراد ہو سکتی ہے اور سوکن پر بھی جارۃ کا اطلاق ہوتا ہے وہ بھی مراد ہو سکتی ہے "فرسن" کھر کو کہتے ہیں بکری اور اونٹ کے لئے فرسن ایسا ہی ہے جیسے گھوڑے کے لئے حافر ہے کھر کے ساتھ معمولی سا گوشت ہوتا ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے مراد معمولی عطیہ ہے مطلب یہ ہے کہ تحفہ خواہ کتنا معمولی ہو اس کو نہ دینے والا حقیر سمجھے اور نہ لینے والا حقیر سمجھے کیونکہ تحفہ ایک اعزاز و اکرام ہے اس سے دلوں کا شدید غیظ وغضب دور ہو جاتا ہے خواہ یہ غیظ وغضب دو سوکنوں کے درمیان کیوں نہ ہو۔[2]

تین اشیاء کو رد نہ کرو

﴿۱۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَاللَّبَنُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ قِيْلَ أَرَادَ بِالدُّهْنِ الطِّيْبَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''تین چیزیں ایسی ہیں جنہیں قبول کرنے سے انکار نہ کرنا چاہئے ① تکیہ ② تیل ③ دودھ''۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے نیز کہا جاتا ہے کہ ''تیل'' سے آنحضرت ﷺ کی مراد خوشبو تھی۔

توضیح: "لا ترد" یعنی تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی اس سے تمہارا اکرام کرتا ہے تو تم اس کو رد نہ کرو کیونکہ رد کرنا اپنے اکرام واعزاز کا خود انکار کرنا ہے جو مناسب نہیں ہے ایک تکیہ ہے دوسرا سر میں ڈالنے کے لئے تیل یا عطر ہے تیسرا دودھ ہے یہ سب کسار عطیے ہیں اس میں انسان کا اعزاز و اکرام ہے لہٰذا رد نہیں کرنا چاہئے دھن سے تیل اور خوشبو دونوں مراد لئے جا سکتے ہیں۔[4]

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْطِيَ أَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدَّهُ فَإِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ (تابعی) کی روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کسی کو

[1] اخرجه الترمذي: ۴/۴۴۱ [2] المرقات: ۶/۱۱۵ [3] اخرجه الترمذي: ۵/۱۰۸ [4] المرقات: ۶/۲۱۶ [5] اخرجه الترمذي: ۵/۱۰۸

خوشبودار پھول (بطور تحفہ وہدیہ) دیا جائے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار نہ کرے کیونکہ وہ پھول جنت سے آیا ہے"۔ اس روایت کو امام ترمذی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

توضیح: "الریحان" مطلق خوشبودار پھول پر ریحان کا اطلاق ہوتا ہے اور گل ریحان بھی مراد لیا جا سکتا ہے یہ ایک پودا ہے جس کے تخم کو تخم ملنگہ کہتے ہیں یہ تخم اسپغول کی خاصیت رکھتا ہے چھوٹے چھوٹے کالے دانے ہوتے ہیں اس پودے کے پتوں کو مسل دینے سے عام خوشبو پھیل جاتی ہے۔[1]

"من الجنة" یعنی ہر پھول کی خوشبو جنت کی خوشبو کی طرح ہے یا ہر پھول کی جڑ اور اصل بنیاد جنت میں ہے یہ جنت کے نمونے ہیں سبکسار ہیں نا قابل انکار ہیں۔[2]

الفصل الثالث

﴿۱۶﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَتِ امْرَأَةُ بَشِيْرٍ انْحَلِ ابْنِيْ غُلَامَكَ وَأَشْهِدْ لِيْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ ابْنَةَ فُلَانٍ سَأَلَتْنِيْ أَنْ أَنْحَلَ ابْنَهَا غُلَامِيْ وَقَالَتْ أَشْهِدْ لِيْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَلَهٗ إِخْوَةٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَفَكُلَّهُمْ أَعْطَيْتَهُمْ مِثْلَ مَا أَعْطَيْتَهٗ قَالَ لَا قَالَ فَلَيْسَ يَصْلُحُ هٰذَا وَإِنِّيْ لَا أَشْهَدُ إِلَّا عَلٰى حَقٍّ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے کہا کہ تم "میرے بیٹے (نعمان) کو اپنا غلام ہبہ کردو اور اس پر میرے اطمینان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنالو، چنانچہ بشیر رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ فلاں کی بیٹی (یعنی عمرہ بنت رواحہ) نے (جو میری بیوی ہے) مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ میں اس کے بیٹے (نعمان) کو اپنا غلام ہبہ کردوں، نیز اس نے یہ بھی کہا ہے کہ (اس بارہ میں) میرے اطمینان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنالو: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "کیا اس بیٹے کے اور بھائی بھی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ "ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے ان سب کو اسی طرح (ایک ایک غلام) دیا ہے جس طرح اس بیٹے (نعمان) کو دیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ مناسب نہیں ہے اور میں صرف حق بات پر گواہ بنتا ہوں"۔ (مسلم)

نئے پھل کا تحفہ

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِبَاكُوْرَةِ الْفَاكِهَةِ

[1] المرقات: ۶/۲۱۶ [2] المرقات: ۶/۲۱۶ [3] اخرجه مسلم: ۸،۲/۷

وَضَعَهَا عَلٰى عَيْنَيْهِ وَعَلٰى شَفَتَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ كَمَا اَرَيْتَنَا اَوَّلَهٗ فَاَرِنَا اٰخِرَهٗ ثُمَّ يُعْطِيْهَا مَنْ يَكُوْنُ عِنْدَهٗ مِنَ الصِّبْيَانِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول کریم ﷺ کو جب کوئی نیا پھل پیش کیا جاتا تو (پہلے) اس پھل کو (قبول فرما کر) اپنی آنکھوں اور ہونٹوں پر رکھتے پھر یہ فرماتے "اے اللہ: جس طرح تو نے ہمیں اس پھل کی ابتداء دکھائی اسی طرح اس کی انتہا بھی دکھا"۔ اس کے بعد آپ ﷺ وہ پھل کسی اس بچے کو دے دیتے جو آپ ﷺ کے پاس ہوتا"۔ (بیہقی)

توضیح: "بباکورۃ الفاکھۃ" یعنی پہلا تیار شدہ پھل تازہ آیا ہوا پھل، باکورہ ہر چیز کی ابتداء کو کہتے ہیں "وضع علی عینیہ" اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اظہار اور اس کی قدر دانی کے طور پر آپ ﷺ اس کو آنکھوں پہ رکھتے تھے آج کل لوگ اتنے بے ادب ہوگئے ہیں کہ قرآن کو آنکھوں پر رکھنے کو برا مانتے ہیں اور یہ حدیث اگر ان کے سامنے آجائے تو وہ کہیں گے یہ حدیث نہیں ہے یا صحیح نہیں ہے۔[1]

"من الصبیان" بچوں کی طبعیت میں پھل وغیرہ کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے اس لئے ان کو دیتے یا اس لئے بچے کو دیتے تھے کہ بچہ بھی اسی پھل کی مانند آیا ہے جو کسی کے دل کا ثمرہ ہے۔[2]

"اللهم کما اریتنا اوله فارنا اٰخرہ" اس جملہ میں اگر صرف دنیاوی نعمتوں اور پھلوں کا بیان مقصود ہو تو آخرہ سے پھلوں کا آخر حصہ مراد ہوگا کہ جس طرح پھلوں کی ابتدا دکھائی ہے اے اللہ دنیا میں اس کی انتہاء بھی دکھادے کہ پائیدار ومزیدار رہے اور اگر اٰخرہ کا تعلق آخرت کی نعمتوں سے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ مولائے کریم جس طرح دنیا میں یہ نعمتیں دکھادی اسی طرح آخرت میں بھی دکھادے۔[3]

بندۂ عاجز فضل محمد غفرلہ بھی اللہ تعالیٰ سے اس کتاب میں توضیحات کے بارہ میں یہی سوال کرتا ہے کہ مولائے کریم! جس طرح توضیحات کی ابتدائی جلدیں دکھادی اس کی تکمیل کی توفیق دے کر آخری جلدیں بھی دکھادے۔

ایک مجرب دعا ہے جو ہر مشکل کے لئے انتہائی مفید ہے وہ یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ كَمَا سَهَّلْتَ عَلَيَّ اَوَّلَ هٰذَا الْاَمْرِ فَسَهِّلْ عَلَيَّ اٰخِرَهٗ۔ (تحریر ۲۰ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ بروز پیر)۔

[1] المرقات: ۶/۲۱۸ [2] المرقات: ۶/۲۱۸ [3] المرقات: ۶/۲۱۸

باب اللقطة

لقطہ کا بیان

لقطہ لام کے پیش اور قاف کے زبر اور جزم دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے محدثین کے ہاں قاف کو ساکن پڑھنا زیادہ مشہور ہے گری پڑی چیز کے اٹھانے کو لقطہ کہتے ہیں ایک لفظ لقیط ہے وہ لاوارث بچے کے پانے اور اٹھانے کو کہتے ہیں یہاں حدیث میں اس کا بیان نہیں ہے۔ لقطہ کے شرعی فقہی حکم سے متعلق یہاں چار اہم مسائل ہیں اس کی طرف مختصر اشارہ کرنے سے لقطہ کا پورا باب حل ہوجائیگا۔[1]

پہلا مسئلہ: مدت تشہیر

گری پڑی چیز کا اٹھانا مستحب ہے بشرطیکہ اپنے اوپر تشہیر کا اعتماد ہو ورنہ وہیں پر چھوڑنا بہتر ہے لیکن اگر اس چیز کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر اٹھانا واجب ہے ورنہ گناہ گار ہوگا یہی حکم لقیط بچہ کا بھی ہے اور جانور کا بھی ہے لقیط کا خرچہ بیت المال پر ہے حیوان کا خرچہ حیوان کے منافع سے ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک تشہیر کی کوئی مدت مقرر نہیں بلکہ مبتلی بہ شخص کی رائے پر موقوف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک تشہیر کی مدت ایک سال ہے خواہ قلیل مال ہو یا کثیر مال ہو۔ دونوں فریق نے احادیث سے استدلال کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ: استعمال لقطہ

تشہیر کے بعد بھی اگر مالک معلوم نہ ہوسکا تو اٹھانے والا اگر فقیر ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کے نزدیک وہ خود استعمال کرسکتا ہے اور اگر غنی مالدار ہے تو کسی غریب پر صدقہ کردے امام شافعی اور احمد بن حنبل کے نزدیک اٹھانے والا مالدار ہو یا غریب ہو وہ لقطہ کو ذاتی طور پر استعمال کرسکتا ہے فریقین نے احادیث سے استدلال کیا ہے۔[2]

تیسرا مسئلہ: حیوان کا لقطہ

بکری وغیرہ حیوان کے سنبھالنے اور تشہیر کرنے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اونٹ اگر مل جائے تو اس کو سنبھالنا اور لقطہ بنانا کیسا ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر گمشدہ اونٹ کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو اس کا التقاط مستحب ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اونٹ کا لقطہ بنانا خلاف اولیٰ ہے۔[3]

یہ اختلاف اتنا شدید نہیں ہے کہ اس کے لئے احادیث یا قیاس کو استعمال کیا جائے البتہ اتنی بات یقینی ہے کہ آج کل اونٹ

---

[1] المرقات: ۶/۲۱۸ [2] المرقات: ۶/۲۱۹ [3] المرقات: ۶/۲۲۱

تو کیا لوگ اس سے بھی بڑی چیز کو چرا کر لیجاتے ہیں پاکستان میں وزیر اعظم بھٹو صاحب کے دور میں ریل گاڑی کے دو انجن چوری ہو گئے تھے۔ حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ جلسوں میں فرمایا کرتے تھے کہ اس کا چور اتنا طاقتور ہے کہ ریل کی پٹڑی پر اسکو پاکستان سے ہندوستان لیجا کر فروخت کیا ہوگا یا ملک کے اندر اس کا لوہے کا اتنا بڑا کارخانہ ہوگا کہ وہاں لیجا کر انجن کے لوہے کو پگھلایا ہوگا اور سریا بنایا ہوگا فرمایا کہ دونوں صورتوں میں حکومت چور ہے لہٰذا ذوالفقار علی بھٹو چور ہے۔

چوتھا مسئلہ: حرم کا لقطہ

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لقطہ خواہ حرم کا ہو یا حل کا ہو دونوں کا حکم ایک جیسے ہے خوف ضیاع کی وجہ سے اٹھانا اور تشہیر کرنا چاہئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرم کا لقطہ نہ اٹھانا بہتر ہے اگر اٹھایا تو دائماً تشہیر لازم ہے احناف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ جو یہ ہے

"ان حکم لقطة مكة كحكم سائر البلدان" (زجاجة المصابيح ج۲ص۲۰۰)

شوافع نے مسلم کی روایت سے استدلال کیا ہے "ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن لقطة الحجاج" بہرحال فساد احوال کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔

الفصل الاول

ملتقط کے لئے جامع ضابطہ

﴿۱﴾ عَنْ زَيْدِبْنِ خَالِدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقْطَةِ فَقَالَ اِعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَ هَا ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا وَإِلاَّ فَشَأْنَكَ بِهَا قَالَ فَضَالَّةُ الْغَنَمِ قَالَ هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ قَالَ فَضَالَّةُ الْإِبِلِ قَالَ مَالَكَ وَلَهَا مَعَهَا سِقَاءُ هَا وَحِذَاءُ هَا تَرِدُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَقَالَ عَرِّفْهَا سَنَةً ثُمَّ اعْرِفْ وِكَاءَ هَا وَعِفَاصَهَا ثُمَّ اسْتَنْفِقْ بِهَا فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَأَدِّهَا إِلَيْهِ) [1]

ترجمہ: حضرت زید ابن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ کے بارے میں پوچھا (کہ اگر کوئی گری پڑی چیز پائی جائے تو کیا، کیا جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "پہلے تو اس کا ظرف پہچان لو (یعنی اگر وہ چیز کسی کپڑے یا چمڑے کے تھیلے وغیرہ میں ہے تو اسے شناخت میں رکھو) اور اس کا سر بند بھی

[1] اخرجه البخاری: ۱/۳۲ ومسلم: ۲/۶۴

پہچانے رکھو پھر ایک سال تک اس کی تشہیر کرو (ایک سال کی مدت میں) اگر اس کا مالک آجائے تو وہ چیز اس کے حوالہ کردو اور اگر وہ نہ آئے تو پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ پھر اس شخص نے گمشدہ بکری کے بارے میں پوچھا (کہ اگر کسی کی گم شدہ بکری کوئی شخص پکڑ لائے تو اس کا کیا کرے) آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ہے اور یا بھیڑیئے کی ہے''۔ اس کے بعد اس شخص نے پوچھا کہ ''گمشدہ اونٹ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''تمہیں اس سے کیا مطلب ہے (یعنی اسے نہ پکڑو کیونکہ وہ ضائع ہوجانے والی چیز نہیں ہے اس لئے اس کو پکڑ لانے کی ضرورت نہیں) اس کی مشک اور اس کے موزے اس کے ساتھ ہیں کہ وہ جب تک اپنے مالک کے پاس نہ پہنچے پانی تک جاسکتا ہے اور درخت کے پتے کھا سکتا ہے''۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ ''(جب اس شخص نے لقطہ کے بارے میں پوچھا تو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اور اس کا سربند اور ظرف (تھیلا وغیرہ) پہچان رکھو (اس مدت تشہیر میں اگر اس کا مالک نہ آئے تو) پھر اسے اپنے استعمال میں لے آؤ اور اگر اس کے بعد اس کا مالک آجائے تو اس کی وہ چیز (بشرطیکہ تمہارے پاس جوں کی توں ہو) دیدو (ورنہ اس کی قیمت ادا کردو)

توضیح: **"عفاصها"** ای وعاءها یعنی برتن کو شناخت میں رکھو تا کہ دوسرے سے علامت پوچھنے میں صحیح اندازہ ہو

"ووكائها" وکاء سربند کو کہتے ہیں سربند کو پہچان لو کہ اگر تھیلی ہے تو اس کا سربند کیا ہے۔ [1]

"فعرفها سنة" یعنی اگر مالک آگیا تو اس کو دیدو ورنہ ایک سال تک تشہیر کرو۔ جمہور اور امام محمد کا یہی مسلک ہے لیکن امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک کوئی مدت متعین نہیں ہے بلکہ مبتلی بہ آدمی کی رائے کا اعتبار ہے کیونکہ زیر بحث حدیث کے علاوہ دیگر احادیث میں بعض ایسی ہیں جن میں مدت کا ذکر نہیں ہے اور بعض میں تین سال تک تشہیر کا ذکر ہے معلوم ہوا کوئی خاص مدت متعین نہیں کی جاسکتی تفصیل پہلے گذر گئی ہے۔ [2]

"والافشانك" یعنی پھر تم جانو اور تمہارا کام جانے چاہو خود کھالو یا کسی اور کو دیدو، اس مسئلہ کی تحقیق اس سے قبل دوسرے مسئلہ کے تحت ہوچکی ہے۔ [3]

"هی لك" یعنی بکری ایک کمزور جانور ہے اگر تم نے نہیں سنبھالا تو تیرا کوئی بھائی اس کو پکڑ لیگا یا بھیڑیا کھالیگا مقصد یہ کہ تم اس کو بطور لقطہ سنبھالو۔ [4]

"معها سقاءها" یعنی اونٹ کے پکڑنے سے تیرا کیا کام ہے اس کے ساتھ اس کا مشکیزہ موجود ہے وہ صحراء میں گھومتا رہیگا پانی کی ضرورت نہیں کیونکہ پانی کی ٹینکی اس کے ساتھ ہے علماء لکھتے ہیں کہ اونٹ پندرہ دن تک پیاس برداشت کرسکتا ہے، کھانے کی بھی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ لمبی گردن ہے درختوں کی اونچی شاخوں میں چریگا۔ [5]

"حذاءها" حذا جوتے اور موزے کو کہتے ہیں مراد اونٹ کے مضبوط تلوے ہیں لہٰذا وہ کھانے پینے اور درندوں سے بچنے

---

[1] المرقات: ۶/۲۱۹ [2] المرقات: ۶/۲۱۹ [3] المرقات: ۶/۲۱۹ [4] المرقات: ۶/۲۱۹ [5] المرقات: ۶/۲۲۰

میں خود کفیل ہے گرمی سردی برداشت کرتا ہے ریگستان کا جہاز ہے اور دیو ھیکل ہے کوئی درندہ اس کو پھاڑ نہیں سکتا۔[1]
"استنفق" یعنی جانور پر تشہیر کے ایام تک خرچ کرو اور اسی حیوان کے منافع سے پورا کرو۔[2]
"ادھا الیه" اگر چیز موجود ہے دیدو ورنہ قیمت ادا کرو۔ امام مالک واحمد فرماتے ہیں کہ لقطہ اس کے مالک کو مطالبہ پر ادا کرنا واجب ہے کسی گواہ کی ضرورت نہیں صرف علامات ونشانات بتانا ضروری ہے احناف وشوافع کہتے ہیں کہ اگر ملتقط کو یقین آ گیا تو دینا جائز ہے مگر واجب نہیں دینا تب واجب ہوگا کہ مالک ایسے مال پر گواہ پیش کرے۔[3]

تشہیر کی نیت سے لقطہ اٹھائے ورنہ خیانت ہے

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ آوٰى ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَالَمْ يُعَرِّفْهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص (کسی کی) کوئی گمشدہ چیز اٹھا کر رکھ لے تو وہ گمراہ ہے جب تک کہ وہ اس کی تشہیر نہ کرے"۔ (مسلم)

توضیح: جہاں لقطہ نہ اٹھانے کا حکم احادیث میں آیا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ ایک آدمی خود کھانے اور چھپانے دبانے کے لئے اٹھاتا ہے تو یہ گناہ ہے لیکن اگر حفاظت کے طور پر تشہیر کی غرض سے اٹھاتا ہے تو پھر جائز ہے۔

حاجی کا لقطہ نہ اٹھاؤ

﴿۳﴾ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عثمان تیمی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کی گری پڑی چیز اٹھانے سے منع فرمایا ہے"۔ (مسلم)
مسئلہ نمبر ۴ میں اس کی تحقیق گذر چکی ہے

الفصل الثانی

چند اہم مسائل کا ذکر

﴿۴﴾ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ فَقَالَ مَنْ أَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِيْ حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَمَنْ

[1] المرقات: ۶/۲۲۰ [2] المرقات: ۶/۲۲۰ [3] المرقات: ۶/۲۲۱ [4] اخرجه مسلم: ۲/۲۲ [5] اخرجه مسلم: ۲/۶۶

خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ فَعَلَيْهِ غَرَامَةُ مِثْلَيْهِ الْعُقُوبَةُ وَمَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ أَنْ يُؤْوِيَهُ الْجَرِيْنُ فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ وَذَكَرَ فِيْ ضَالَّةِ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ كَمَا ذَكَرَ غَيْرُهُ قَالَ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ مَا كَانَ مِنْهَا فِي الطَّرِيْقِ الْمِيْتَاءِ وَالْقَرْيَةِ الْجَامِعَةِ فَعَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا فَادْفَعْهَا إِلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَأْتِ فَهُوَ لَكَ وَمَا كَانَ فِي الْخَرَابِ الْعَادِيِّ فَفِيْهِ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرَوَى أَبُوْ دَاوُدَ عَنْهُ مِنْ قَوْلِهٖ وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ إِلَى آخِرِهٖ)[۱]

ترجمہ: حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب رضی اللہ عنہ) سے اور شعیب اپنے دادا (یعنی عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے (درختوں) پر لٹکے ہوئے پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی ضرورتمند کچھ پھل (توڑ کر) کھالے مگر اپنی جھولی میں بھر کر نہ لے جائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو شخص کھائے بھی اور جھولی بھی بھر کر لے بھی جائے تو اس پر دوگنا تاوان ہے اور سزا ہے اور جو شخص ان پھلوں میں سے کچھ چرائے جو کھلیان میں رکھے جاچکے ہوں اور وہ چرائی ہوئی مقدار ایک سپر (ڈھال) کی قیمت کے بقدر ہو تو اس کے لئے ہاتھ کاٹنے کی سزا ہے"۔ راوی نے گمشدہ اونٹ اور بکری کے بارے میں سوال وجواب کا ذکر کیا جو دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے (اور جو پہلے گذر چکا ہے) اس کے بعد راوی کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ سے لقطہ کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے (فرمایا کہ جو لقطہ کسی ایسے راستہ پر پایا جائے جس پر آمدرفت رہتی ہو اور گاؤں وآبادی کے قریب ہو تو اس کے بارہ میں ایک سال تک تشہیر واعلان کرو اور پھر جب مالک آجائے تو وہ لقطہ اس کے سپرد کردو اور اگر مالک نہ آئے تو وہ لقطہ تمہارا ہے (کہ تم اسے اپنے کام میں لاسکتے ہو) اور وہ لقطہ جو ویرانہ قدیم میں پایا جائے اس کا اور زمین سے برآمد ہونے والے دفینے کا یہ حکم ہے کہ اس کا پانچواں حصہ خدا کی راہ میں دیدیا جائے"۔ (نسائی) اور ابوداود نے اس روایت کو عمر ابن شعیب رضی اللہ عنہ سے وسئل عن لقطۃ تک نقل کیا ہے۔

توضیح: "الثمر المعلق" یعنی درختوں پر لٹکے ہوئے پھل اگر کوئی مضطر شخص حالت مخمصہ میں کھائے تاکہ جان بچ جائے تو اجازت ہے پھر بعد میں قیمت ادا کردیگا یا ابتداء اسلام میں اس طرح اجازت تھی پھر قیمت ادا کرنے کی بات آئی یہ سب کچھ اس صورت میں ہے کہ یہ شخص ذخیرہ نہیں کررہا ہے اگر ذخیرہ کرنے لگ جائے یا گھر لے جائے تو اس پر دوگنا تاوان بھی آئے گا اور اس کو سزا بھی دی جائے گی دوگنا تاوان کا حکم بطور تغلیظ وتشدید وتہدید وتنبہ ہے یا یہ بھی ابتداء اسلام کا حکم تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس ظاہری حدیث کے مطابق فیصلہ کرتے تھے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے جھولی وغیرہ چھپا کرلے جانا چرانا۔[۲]

"**والعقوبة**" اس عقوبت سے مراد تعزیز ہے جو حاکم وقاضی کی صوابدید پر موقوف ہے۔[۳]

"**يويه الجرين**" جرین کھلیان کو کہتے ہیں جہاں کھیت کا غلہ اکھٹا کرکے رکھا جاتا ہے اور ایوا سے مراد اس تک لانا اور محفوظ کرنا ہے **المجن** ڈھال کو کہتے ہیں۔[۴]

[۱] اخرجه النسائی: ۵/۴۴ وابوداؤد: ۲/۱۳۹ [۲] المرقات: ۶/۲۲۳ [۳] المرقات: ۶/۲۲۳ [۴] المرقات: ۶/۲۲۳

"الطريق الميتاء" یعنی عام گذرگاہ میں لقطہ ملا، میتاء آمدورفت کے عام راستہ کو کہتے ہیں۔[۱]

"القرية الجامعه" یعنی شہر کے اندر آبادی میں مل جائے تو یہ لقطہ کے حکم میں ہے اس کی تشہیر ضروری ہے۔[۲]

"وما كان فی الخراب" یعنی بالکل ویران غیر آباد جنگل جو قوم عاد کے زمانہ سے ویران پڑا ہے اس میں خزانہ ملا تو اسمیں خمس ہے اور رکاز میں بھی خمس ہے۔[۳]

لقطہ استعمال کرنے کے بعد مالک آگیا تو کیا ہوگا

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَجَدَ دِينَارًا فَأَتَى بِهِ فَاطِمَةَ فَسَأَلَ عَنْهُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا رِزْقُ اللهِ فَأَكَلَ مِنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكَلَ عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَتَتِ امْرَأَةٌ تَنْشُدُ الدِّينَارَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ أَدِّ الدِّينَارَ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (کسی راستہ میں بطور لقطہ) ایک دینار پایا حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لائے اور پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے" پھر اس دینار (سے خریدی ہوئی چیز) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی کھایا اس کے بعد جب ایک عورت اپنا دینار ڈھونڈھتی ہوئی آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "علی: اس عورت کو دینار دے دو"۔ (ابوداود)

بُری نیت سے لقطہ اٹھانا آگ کا شعلہ ہے

﴿۶﴾ وَعَنِ الْجَارُودِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَالَّةُ الْمُسْلِمِ حَرَقُ النَّارِ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت جارود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسلمان کی گمشدہ چیز (دوزخ کی) آگ کا ایک شعلہ ہے"۔ (دارمی)

لقطہ ملے تو گواہ بنا کر اٹھاؤ

﴿۷﴾ وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ

[۱] المرقات: ۶/۲۲۳ [۲] المرقات: ۶/۲۲۳ [۳] المرقات: ۶/۲۲۴ [۴] اخرجه ابوداود: ۲/۱۴۱ [۵] اخرجه الدارمی: ۲۶۰۴، ۲۶۰۵

ذَا عَدْلٍ أَوْ ذَوَیْ عَدْلٍ وَلَا یَکْتُمْ وَلَا یُغَیِّبْ فَإِنْ وَجَدَ صَاحِبَهَا فَلْیَرُدَّهَا عَلَیْهِ وَإِلَّا فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَشَاءُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِیُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عیاض ابن حمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی جگہ کوئی گری پڑی چیز پائے تو اسے چاہیئے کہ وہ کسی عادل شخص کو یا فرمایا کہ دو عادل شخصوں کو گواہ بنالے اور (اس کی تشہیر واعلان نہ کرکے) اس لقطہ کو چھپائے نہیں اور نہ اسے (کسی دوسری جگہ بھیج کر) غائب کردے۔ پھر اگر مالک آجائے تو وہ لقطہ اس کے حوالہ کردے اور اگر مالک ہاتھ نہ لگے تو پھر وہ اللہ کا دیا ہوا مال ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے (غیب سے) مال دیتا ہے"۔ (احمد، ابوداود، دارمی)

توضیح: یعنی گواہ قائم کرو کہ اتنا مال ہے فلاں تاریخ میں مجھے فلاں جگہ سے ملا ہے پھر تشہیر کرو اگر مالک آئے اور زیادہ کا دعویٰ کرے یا ڈاکہ چوری کا دعویٰ کرے تو تمہارے پاس گواہ ہونگے کوئی پریشانی نہیں ہوگی ورنہ پریشان ہوجاؤگے۔ نیز اس طرح گواہ بنانے سے تم خود بھی اس کے کھانے یا ہڑپ کرنے کے چکر میں نہیں پڑوگے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ گواہ بنانا مستحب ہے مگر بعض واجب کہتے ہیں۔[2]

بالکل حقیر چیز کی تشہیر ریا کاری ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَخَّصَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْعَصَا وَالسَّوْطِ وَالْحَبْلِ وَأَشْبَاهِهٖ یَلْتَقِطُهُ الرَّجُلُ یَنْتَفِعُ بِهٖ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَذُکِرَ حَدِیْثُ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِی کَرِبَ أَلَا لَا یَحِلُّ فِیْ بَابِ الْاِعْتِصَامِ۔[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں لاٹھی، کوڑے، رسی اور اسی کی مانند ان چیزوں کے بارے میں (جو حقیر ہوں) یہ اجازت دی تھی کہ جو شخص چاہے اٹھالے اور اسے اپنے کام میں لے آئے"۔ (ابوداود) اور یہ باب تیسری فصل سے خالی ہے۔

توضیح: "رخص لنا" یعنی بالکل کم تر مال ہے مثلاً لاٹھی ہے رسی ہے چابک دستی ہے کھجور ہے یہ حقیر اشیاء ہیں جو شخص اس کا اعلان کرتا پھرتا رہتا ہے وہ درحقیقت ریاکار ہے اپنے تقویٰ کی تشہیر کرانا چاہتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے کہ دس درھم سے کم مال میں چند دن کی تشہیر ہے دس درھم میں ایک ماہ کی تشہیر ہے اور دس درھم سے زیادہ میں ایک سال کی تشہیر ہے۔[4]

[1] اخرجه احمد: ۱۶۱/۴، ۲۶۶ وابوداؤد: ۲/۱۴۰ [2] المرقات: ۶/۲۲۶ [3] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۴۲ [4] المرقات: ۶/۲۲۷

باب الفرائض

فرائض یعنی میراث کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین﴾ [1]

فرائض جمع ہے اس کا مفرد فریضۃ ہے فریضہ فرض سے مشتق ہے جو قطع اور کاٹنے کے معنی میں بھی آتا ہے اور مقدر و مقرر کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے یہاں الفرائض سے علم المیراث مراد ہے جس کی اصطلاحی تعریف اس طرح ہے "**المقدرات الشرعیۃ فی المتروکات المالیۃ**" یعنی میراث کا وہ حصہ جو قرآن وحدیث نے مقرر کیا ہے۔[2]

قرآن میں اس کو فریضہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور حدیث میں ہے "**وافرضکم زید** رضی اللہ عنہ" **ای اعلمکم بعلم المیراث**" اسی لئے اس علم کو علم الفرائض کہتے ہیں۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ میت کے ترکہ کے ساتھ چار حقوق متعلق ہوتے ہیں اس کی ترتیب اس طرح ہے۔

❶ سب سے پہلے میت کی تجہیز و تکفین ہے اس پر جو خرچ آتا ہے وہ قرض سے مقدم ہے۔

❷ تجہیز و تکفین کے بعد اگر میت کے ذمہ کسی کا قرض ہو یا کوئی مطالبہ ہو اس کی ادائیگی ضروری ہے۔

❸ اس کے بعد جو مال بچا تو پھر اس میں سے تہائی حصہ میں میت کی وصیت جاری ہوگی اگر اس نے وصیت کی ہو۔

❹ اس کے بعد جو مال بچا تو وہ سب کے سب میت کے وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ میراث کی تقسیم کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے ذوی الفروض کو ان کے مقرر کردہ حصے دیئے جائیں ذوی الفروض کل بارہ ہیں۔

میت کے ترکہ میں سے ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے گا وہ عصبات میں تقسیم ہوگا ذوی الفروض پہلے درجہ کے وارث ہیں اور عصبات دوسرے درجہ کے وارث ہیں۔ اب اگر کسی میت کے وارثوں میں نہ تو ذوی الفروض موجود ہوں نہ عصبات موجود ہوں تو پھر اس کا ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم کیا جائے گا گویا ذوی الارحام وراثت کا تیسرا درجہ ہے اول درجہ ذوی الفروض کا دوسرا درجہ عصبات کا ہے اور تیسرا درجہ ذوی الارحام کا ہے احناف اور حنابلہ میراث میں اس ترتیب کے ساتھ ذوی الارحام کے حق کے قائل ہیں۔[3]

موانع میراث چار ہیں۔ ① اول غلامی ہے غلام نہ کسی کا وارث ہوسکتا ہے اور نہ کوئی اس کا وارث ہوسکتا ہے کیونکہ غلام شرعی طور پر کسی چیز کا مالک نہیں ہوسکتا ہے۔ ② دوسری چیز ناحق قتل ہے اگر کوئی وارث اپنے مورث کو قتل کرتا ہے تو شرعاً قاتل میراث سے محروم ہوجاتا ہے۔ ③ اختلاف مذہب، دو مذہبوں کا اختلاف ہر ایک کو دوسرے مذہب والے کی میراث سے

---

[1] سورۃ النساء الایہ ۱۱ [2] المرقات: ۶/۲۲۸ [3] المرقات: ۶/۲۲۹

محروم کردیتا ہے مثلاً مسلمان اور یہودی یا عیسائی یا قادیانی یا رافضی۔ ④ اختلاف دارین یعنی میت اور وارث کے ملک ووطن کا مختلف ہونا میراث سے محروم کردیتا ہے مثلاً ایک شخص دارالاسلام میں رہتا ہے اور دوسرا دارالحرب میں رہتا ہے تو دونوں ایک دوسرے کی میراث سے محروم رہیں گے لیکن یہ حکم غیر مسلم کے لئے ہے مسلم وارث اور مورث میں اختلاف دارین کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا صریح حکم ہے کہ عورتوں کا میراث میں حق ہے اگرچہ آج کل اکثر مسلمان اس حکم کو نظر انداز کرتے ہیں قیامت میں حساب ہوگا۔[1]

الفصل الاول

میت کا ترکہ اس کے ورثاء کا حق ہے

﴿۱﴾ عن أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ تَرَكَ دَيْناً أَوْ ضَيَاعًا فَلْيَأْتِنِي فَأَنَا مَوْلَاهُ وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهِ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا فَإِلَيْنَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "میں مسلمانوں کے حق میں خود ان سے بھی زیادہ عزیز ہوں (یعنی دین ودنیا کے ہر معاملہ میں ایک مسلمان اپنے اوپر خود جتنا شفیق ومہربان ہوسکتا ہے میں اس پر اس سے بھی زیادہ شفیق ومہربان ہوں اسی لئے ان کے قرضوں کو ادا کرنے کا میں زیادہ حق دار ہوں) لہٰذا جو شخص (یعنی مسلمان) مرجائے اور اس پر قرض ہو اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا ہوسکتا ہو تو اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو شخص مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص قرضدار یا عیال دار مرجائے اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کے قرض کی ادائیگی ہوسکے یا اس کے عیال کی پرورش ہوسکے تو (اس کا وکیل یا وصی) میرے پاس آئے میں اس کا انتظام کردوں گا (یعنی میں اس کا قرض ادا کروں گا اور اس کے عیال کی نگہداشت وغم خواری کروں گا)۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ مال اس کے وارثوں کا ہے اور جو بھاری چیز (یعنی قرض اور عیال) چھوڑ کر مرے تو اس کا انتظام کرنا میرے ذمہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اولیٰ" احق واقرب کے معنی میں ہے یعنی حضور اکرم فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز میں خواہ وہ دین سے متعلق ہو یا دنیا سے متعلق ہو مسلمانوں کی جانوں سے زیادہ اس کا حقدار ہوں لہٰذا میری شفقت ان پر اس سے زیادہ ہے جو شفقت ان کی اپنی جانوں پر ہے تو میں ان کے قرض ادا کرنے کا بھی زیادہ حقدار ہوں۔[3]

[1] المرقات: ۶/۲۳۰ [2] اخرجه البخاری: ۳/۱۲۸ ومسلم: ۲/۵۰۴ [3] المرقات: ۶/۲۲۹

"اوضیاعاً" یعنی جس شخص نے بے سہارا اولاد کو چھوڑا اولاد میرے پاس آجائیں میں ان کی مدد کروں گا اور جس نے مال اپنے ترکہ میں چھوڑ دیا وہ مال ان کے ورثہ کا ہے "کلاً" بوجھ کو کہتے ہیں بے یارومددگار اولاد کو یہاں کلا کے نام سے یاد کیا ہے اس عظیم شفقت و محبت کو دیکھ لیجئے اور پھر نبی مکرم پر درود پڑھ لیجئے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ نفع میت کے ورثاء کا ہے اور جو بوجھ ہے اس میں میں مدد کروں گا "سبحان اللہ" امت پر شفقت کی انتہاء ہے۔[1]

ترکہ میں پہلے ذوی الفروض کا حق ہے

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میراث کے حصے (جو قرآن کریم میں متعین کئے گئے ہیں) حصہ داروں کو دو پھر جو کچھ بچے وہ میت کے اس مرد وارث (عصبہ) کا حق ہے جو میت کا سب سے قریبی عزیز ہو"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "باھلھا" اس سے مراد ذوی الفروض ہیں کہ قرآن میں ان کے حصوں کا واضح بیان کیا گیا ہے ذوی الفروض سے جو مال بچا وہ اقرب عصبات کا ہے قریبی عصبہ کی موجودگی میں بعید عصبہ کو کچھ نہیں ملے گا وہ حاجب ہے۔[3]

سوال: یہاں یہ اعتراض ہے کہ "رجل" کے ذکر کرنے کے بعد ذکرٍ کا ذکر کرنا بے موقع ہے کیونکہ رجل مذکر ہی ہوتا ہے۔

جواب: اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ رجل کا اطلاق عموماً بالغ مرد پر ہوتا ہے حالانکہ میراث کا تعلق چھوٹے بچوں سے بھی ہوتا ہے اس وہم کو دور کرنے کے لئے رجل کے بعد ذکرٍ کی تاکید اور وضاحت کر دی گئی۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ ذکر کے لفظ بڑھانے سے خنثیٰ سے احتراز مقصود ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہ لفظ صرف تاکید کے لئے ہے۔[4]

اختلاف ملت میراث سے محروم کر دیتا ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

ترجمہ: اور حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "نہ تو مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے اور نہ

[1] المرقات: ۶/۲۲۹ [2] اخرجه البخاری: ۸/۱۸۷ ومسلم: ۲/۲ [3] المرقات: ۶/۲۲۹
[4] المرقات: ۶/۲۲۹ [5] اخرجه البخاری: ۸/۱۸۷ ومسلم: ۲/۲

کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "لا یرث المسلم الکافر" علامہ نووی رحمہ اللہ اور دیگر علماء نے کہا ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا ہے مثلاً قادیانی اپنے مسلمان باپ کا وارث نہیں ہوسکتا، اب رہ گیا یہ مسئلہ کہ کیا ایک مسلمان کسی کافر کا وارث ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے ائمہ اربعہ اور جمہور علما کے نزدیک مسلمان بھی کافر کا وارث نہیں ہوسکتا ہے جس طرح زیر بحث حدیث میں ہے کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہوسکتا ہے اور نہ مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے۔

لیکن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بعض تابعین جیسے سعید بن مسیب اور ابراہیم نخعی کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث ہوسکتا ہے زیر بحث حدیث جمہور کی دلیل ہے۔[1]

اب مسئلہ مرتد کے مال کا ہے کہ اس کا وارث کون ہوگا تو امام شافعی مالک واحمد بن حنبل کے نزدیک مرتد کا حالت اسلام میں کمایا ہوا سارا مال بیت المال میں جائیگا بیت المال اس کا وارث ہے۔

دوسرا قول صاحبین کا ہے کہ جو مال بھی مرتد کا ہے خواہ اسلام کی حالت میں کمایا ہے یا ارتداد کے وقت کمایا ہے سارا مال اس کے ورثاء کا حق ہے۔

تیسرا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حالت اسلام میں کمایا ہوا مال ورثاء کا ہے اور حالت ارتداد کے وقت کمایا ہوا مال بیت المال کا ہے۔[2]

آزاد کرنے والا آزاد کردہ غلام کا وارث ہے

﴿۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قوم کا مولیٰ اسی قسم میں سے ہے"۔ (بخاری)

توضیح: "مولی القوم" مولیٰ کا اطلاق آزاد کرنے والے پر بھی ہوتا ہے اور آزاد کردہ غلام پر بھی ہوتا ہے یہاں اگر مولیٰ سے معتق آقا مراد ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ آزاد کرنے والا شخص اپنے آزاد کردہ غلام کا وارث ہے یہ مسئلہ واضح ہے اور اگر مولیٰ سے مراد آزاد کردہ غلام لیا جائے تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جس قوم نے کسی غلام کو آزاد کیا آزاد کردہ غلام کی حیثیت اسی قوم کی طرح ہوجاتی ہے اگر آزاد کرنے والا سید ہے جس کے لئے صدقہ لینا حرام ہے تو غلام بھی سید کے حکم میں ہوجاتا ہے اس کے لئے بھی صدقہ لینا حرام ہوگا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ اور دیگر شراح نے اس حدیث کی تشریح

[1] المرقات: ۶/۲۳۰ [2] المرقات: ۶/۲۳۰، ۲۳۱ [3] اخرجه البخاری: ۸/۱۹۳

میں اسی طرح لکھا ہے اور حدیث کے سیاق وسباق اور الفاظ کے اطلاق سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس حدیث کا یہ دوسرا مفہوم ہی مقصود ہے چنانچہ اس سے امت کو ایک ضابطہ مل جاتا ہے دیگر احادیث میں اس حکم کی تفصیل بھی ہے۔[۱]

بھانجا ماموں کی ترکہ کا وارث ہے

﴿۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ عَائِشَةَ اِنَّمَا الْوَلَاءُ فِيْ بَابٍ قَبْلَ بَابِ السَّلَمِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ الْبَرَاءِ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ فِيْ بَابِ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَحِضَانَتِهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى)[۲]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی قوم کا بھانجہ اسی قوم میں سے ہے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ابن اخت القوم" قوم کی بہن تو ماں ہوگئی اور اس کا بیٹا اس قوم کا بھانجا ہوا، مطلب یہ ہوا کہ بھانجا اپنے ماموں کا وراث ہوتا ہے اور یہ لوگ ذوی الارحام میں سے ہیں لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ اگر ذوی الفروض اور عصبہ معدوم ہوں تو پھر میت کی میراث کا حصہ ذوی الارحام کو ملیگا چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ذوی الارحام کو وارث نہیں بنایا جائے گا۔ احناف وحنابلہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے فصل ثانی کی حدیث نمبر ۱۱ میں **الخال وارث** سے بھی استدلال کیا ہے اسی طرح حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۱۵ سے بھی استدلال کیا ہے جس میں **اوذارحم** کے الفاظ ہیں قرآن کی آیت بھی ہے[۳] ﴿**واولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب الله**﴾ احناف کا مورچہ مضبوط ہے۔[۴]

الفصل الثانی

کیا مختلف ملتوں کے لوگ ایک دوسرے کے وارث ہونگے؟

﴿۶﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ شَتّٰى۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ جَابِرٍ)[۵]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دو مختلف مذہب کے لوگوں کے درمیان وراثت قائم نہیں ہوتی"۔ (ابوداود، ابن ماجہ) امام ترمذی نے اس روایت کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

[۱] المرقات: ۶/۲۳۱ [۲] اخرجه البخاری: ۸/۱۹۳ ومسلم: [۳] المرقات: ۶/۲۳۱
[۴] الاحزاب الایه ۶ [۵] اخرجه ابوداؤد: ۳/۱۲۵ والترمذی: ۴/۴۲۴

توضیح: شتیٰ شیت کی جمع ہے مختلف اور متفرق کے معنی میں ہے یعنی متفرق ومختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مختلف مذاہب سے متعلق کفار ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے مثلاً یہود، عیسائیوں کے وارث نہیں ہوسکتے ہیں اور نہ ہندوان کے وارث ہوسکتے ہیں۔[1]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہود ونصاریٰ اور سکھ وہندو ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے ہیں۔ جمہور زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

احناف اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں "**عن عمر** رضی اللہ عنہ **قال المشرکون بعضهم اولياء بعض لا نرثهم ولا يرثونا**" (رواہ احمد)

زیر بحث حدیث میں ملتین سے مسلم اور غیر مسلم دوملتوں کا تعین مقصود ہے تمام ملل مراد نہیں لہٰذا یہ حدیث جمہور کی نہیں بلکہ ہماری دلیل ہے۔[2]

قاتل میراث سے محروم ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَاتِلُ لَا يَرِثُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قتل کرنے والا وارث نہیں ہوتا"۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: اس میں اسلام کی بڑی حکمت پوشیدہ ہے کہ قاتل میراث سے محروم ہے ورنہ لوگ اپنے بوڑھے مورثوں کو میراث کی وجہ سے جلدی ٹھکانے لگا دیتے اور قتل عام شروع ہوجاتا۔

جدہ کا چھٹا حصہ ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ إِذَا لَمْ تَكُنْ دُوْنَهَا أُمٌّ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُد)

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کا چھٹا حصہ مقرر کیا ہے جبکہ ماں اسے مجوب نہ کردے"۔ (ابوداود)[4]

توضیح: جدۃ سے یہاں دادی اور نانی دونوں مراد ہیں یعنی اگر میت کی ماں زندہ ہے تو نانی کو کچھ نہیں ملیگا لیکن اگر ماں زندہ نہیں ہے تو پھر میت کے ترکہ میں سے جدہ کو چھٹا حصہ ملے گا۔

[1] المرقات: ۶/۲۳۳ [2] المرقات: ۶/۲۳۳ [3] اخرجہ الترمذی: ۴/۴۲۵ وابن ماجہ: ۲/۸۸۳ [4] اخرجہ ابوداؤد: ۳/۱۲۲

زندہ پیدا ہونے والا بچہ وارث ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَهَلَّ الصَّبِيُّ صُلِّيَ عَلَيْهِ وَوُرِّثَ.
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر بچہ نے کوئی آواز نکالی ہو تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اور اسے وارث قرار دیا جائے''۔ (ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "استھل" بچہ جب پیدائش کے وقت رونے کی آواز دیتا ہے اس کو استھلال کہتے ہیں یہاں مراد زندگی کی کوئی علامت ہے کہ اگر بچہ پیدا ہوتے وقت زندہ ہو اور پھر مر جائے خواہ آواز نکالے یا ہاتھ پاؤں ہلائے یا سانس لے لے تو اس کو قاعدہ کے مطابق غسل دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس کو اپنے مال کا مالک تصور کیا جائے گا پھر مرنے کے بعد قاعدہ کے مطابق اس کی میراث تقسیم ہوگی مثلاً ایک شخص کا انتقال ہو گیا اس کی حاملہ بیوی رہ گئی اور کچھ بیٹے بیٹیاں رہ گئیں جب یہ بچہ زندہ پیدا ہوا تو پیدا ہوتے ہی یہ اپنے باپ کے مال میں دوسرے بھائی بہنوں کے ساتھ وارث بن گیا اور پھر مر گیا مرنے کے بعد اس کے بھائی بہنوں میں اس کی میراث کا حصہ تقسیم کیا جائے گا اس طرح یہ بچہ وارث بھی بن گیا اور مورث بھی بن گیا اگر یہی بچہ پیدائش کے وقت مردہ پیدا ہو گیا تو یہ نہ وارث بن سکتا ہے اور نہ مورث بن سکتا ہے حدیث کا یہی مطلب ہے۔[2]

ابتداء اسلام کا ایک حکم

﴿۱۰﴾ وَعَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَحَلِيْفُ الْقَوْمِ مِنْهُمْ وَابْنُ أُخْتِ الْقَوْمِ مِنْهُمْ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت کثیر ابن عبداللہ اپنے والد (حضرت عبداللہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ) اور وہ کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے دادا یعنی اپنے والد حضرت عمرو ابن عوف مزنی صحابی رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کسی قوم کا مولیٰ اسی قوم میں سے ہے کسی قوم کا حلیف اسی قوم میں سے ہے اور کسی قوم کا بھانجا اسی قوم میں سے ہے''۔ (دارمی)

توضیح: **مولی القوم منھم** کی توضیح اس سے پہلے حدیث نمبر ۴ میں ہو چکی ہے اور ابن اخت القوم کی توضیح بھی روایت نمبر ۵ میں ہو چکی ہے یہاں گفتگو **حلیف القوم منھم** پر ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ عرب میں یہ دستور تھا کہ دو شخص آپس میں قسم کے ذریعہ سے معاہدہ و معاقدہ کرتے تھے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے دکھ سکھ اور موت اور حیات میں شریک رہیں گے ایک کی جنگ دوسرے کی جنگ تصور ہوگی اور ایک کی صلح دوسرے کی صلح شمار ہوگی ہر قسم تاوان ونقصان

[1] اخرجه ابن ماجه: ۱/۴۸۳ جو الدارمی: ۳۱۲۲ [2] المرقات: ۶/۲۳۴ [3] اخرجه الدارمی: ۲۵۲۴

میں دونوں شریک ہونگے اور ایک کے مرنے کے بعد دوسرا اس کی میراث میں ورثاء کے ساتھ شریک ہوگا ابتداء اسلام میں میراث کے بارہ میں حکم اسی طرح تھا کہ ایک کے مرنے کے ساتھ دوسرا میراث کا وارث ہوتا تھا پھر جب میراث کا حکم اور میراث کی تقسیم کا ضابطہ قرآن میں بیان کیا گیا تو حلیف کا یہ حکم منسوخ ہوگیا اور پرانا دستور بھی ختم ہوگیا۔ [1]

وارث نہ ہو تو ماموں بھانجے کا وارث ہوسکتا ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنِ الْمِقْدَامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ فَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيْعَةً فَإِلَيْنَا وَمَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهٖ وَأَنَا مَوْلٰى مَنْ لَا مَوْلٰى لَهٗ أَرِثُ مَالَهٗ وَأَفُكُّ عَانَهٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهٗ يَرِثُ مَالَهٗ وَيَفُكُّ عَانَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَأَنَا وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهٗ أَعْقِلُ عَنْهُ وَأَرِثُهٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهٗ يَعْقِلُ عَنْهُ وَيَرِثُهٗ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ) [2]

ترجمہ: اور حضرت مقدام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں ہر مؤمن کے حق میں خود اس سے زیادہ عزیز و خیر خواہ ہوں لہٰذا جو شخص اپنے ذمہ عیال یا قرض چھوڑ کر مرے تو اس کے قرض کی ادائیگی اور اس کے عیال کی پرورش میرے ذمہ ہے اور جو شخص مال چھوڑ کر مرے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔ اور میں اس شخص کا کارساز (یعنی منتظم) ہوں جس کا کوئی کارساز نہیں چنانچہ میں اس کے مال کا وارث ہوتا ہوں اور اس کے قیدی کو نجات دلاتا ہوں (یعنی اس کی زندگی میں اس پر جو خون بہا لازم ہوا تھا اور وہ خون بہا ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو اس کی وجہ سے چونکہ اس کا نفس عالم برزخ میں ایک قیدی کی طرح سختیوں میں مبتلا ہے اس لئے میں اس کا خون بہا اپنے پاس سے ادا کر کے اسے نجات دلاتا ہوں) اور ماموں اس شخص کا وارث ہوتا ہے جس کا کوئی وارث نہیں، وہ میت کی میراث پاتا ہے اور اس کے قیدی کو نجات دلاتا ہے (یعنی جس شخص کے ذوی الفروض اور عصبہ وارث نہیں ہوتے اس کا ماموں کہ جو اس کے ذوی الارحام میں سے ہے اس کا وارث ہوتا ہے چنانچہ وہ میت کا ترکہ پاتا ہے اور اس پر جو خون بہا وغیرہ لازم تھا اس کو ادا کر کے اس کی روح کو عالم برزخ کے عذاب سے نجات دلاتا ہے) ایک دوسری روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں اس شخص کا وارث ہوتا ہوں جس کا کوئی وارث نہیں چنانچہ میں اس کی طرف سے اس کا خون بہا ادا کرتا ہوں اور اس کا وارث ہوتا ہوں (یعنی اس کا ترکہ اپنی نگرانی میں لے کر بیت المال میں داخل کر دیتا ہوں) اور جس شخص کا (ذوی الفروض وعصبات میں سے) کوئی وارث نہیں ہوتا تو ذوی الارحام میں سے) اس کا ماموں اس کا وارث ہوتا ہے جو اس کی طرف سے خون بہا ادا کرتا ہے اور اس کی میراث پاتا ہے''۔ (ابوداود)

توضیح: ''افك عانه'' فکاک بدلہ دیکر کسی قیدی کے چھڑانے کو فکاک کہتے ہیں ''عان'' سے قیدی اور بوجھ تلے دبا ہوا آدمی مراد ہے ''الخال وارث'' یہ حدیث احناف وحنابلہ کی دلیل ہے کہ اگر کسی شخص کے ورثاء میں سے نہ ذوی الفروض

[1] اخرجه ابن ماجه: ۱/۴۸۳ والدارمی: ۳۱۲۲ [2] المرقات: ۶/۲۳۴

ہوں نہ عصبہ ہو تو پھر ذوی الارحام میں سے ماموں وارث ہوسکتا ہے۔[1]

"ارث ماله" اس سے مراد یہ نہیں کہ حضور ﷺ اس کے مال کے وارث بنیں گے کیونکہ انبیاء کسی کے وارث نہیں ہوتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ میں اس کو بیت المال میں رکھوں گا۔[2]

عورت تین آدمیوں کی میراث پالیتی ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحُوْزُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَ مَوَارِيْثَ عَتِيْقَهَا وَلَقِيْطَهَا وَوَلَدَهَا الَّذِيْ لَاعَنَتْ عَنْهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور حضرت واثلہ ابن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا عورت تین آدمیوں کی میراث لیتی ہے ایک تو اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کی، دوسرے اپنے لقیط کی، اور تیسرے اپنے اس بچے کی جس کی وجہ سے لعان ہوا"۔

(ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "تحوز" یہ حاز یحوز سے جمع کرنے اور اکٹھا کرنے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ ایک عورت تین مختلف اشخاص کی میراث پاسکتی ہے۔[4]

"عتيقها" یعنی اپنے آزاد کردہ غلام کی میراث پالیتی ہے جس طرح کہ ضابطہ کے تحت ہر آدمی اپنے آزاد کردہ غلام کی میراث اور ولاء کا حقدار ہوتا ہے۔[5]

"ولقيطها" یعنی عورت اپنے لقیط کی میراث پالیتی ہے لقیط سے مراد وہ نامعلوم بچہ ہے جو کسی نے کہیں پھینکا ہو اور کسی عورت کو مل گیا اس عورت نے اس کو اٹھایا اور اس پر خرچ کیا یہ بچہ بڑا ہو گیا پھر مر گیا اس کی میراث اسی عورت کو ملے گی جس نے اس کو پالا ہے زیر بحث حدیث میں یہی حکم ہے اور اسحاق بن راہویہ کا مسلک بھی اسی طرح ہے لیکن دیگر علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا ہے کیونکہ ایک حدیث میں ہے "لا ولاء لها الا ولاء العتاقة"۔[6]

قاضی عیاض فرماتے ہیں یہ لقیط کا مال بیت المال میں جائے گا تو یہ عورت زیادہ حقدار ہے کہ بیت المال سے لقیط کا مال اس کو مل جائے اس مفہوم کے اعتبار سے یہ حدیث منسوخ نہیں ہوگی۔

"لاعنت عنه" یعنی شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ بچہ جو تجھ سے پیدا ہے یہ میرا نہیں ہے اس جملہ کے ضمن میں اس عورت پر زنا کا بہتان ہے چونکہ گواہ نہیں اس لئے میاں بیوی لعان کریں لعان کرنے کے بعد میاں بیوی ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں گے اور بچہ عورت کے پاس رہ جائیگا یہ بچہ جب بڑا ہو جائے اور مال کما کر مرجائے تو اس کی ماں اس کے وارث ہوگی کیونکہ ان کا نسب ثابت ہے اور میراث نسب کے تابع ہے اس طرح ایک عورت تین مواضع سے میراث اکٹھا کرسکتی

[1] المرقات: ۶/۲۳۷ [2] المرقات: ۶/۲۳۶ [3] اخرجه الترمذی: وابوداؤد: ۳/۱۲۳
[4] المرقات: ۶/۲۳۸ [5] المرقات: ۶/۲۳۸ [6] المرقات: ۶/۲۳۸ف

ہے لعان کی تفصیل توضیحات جلد خامس میں ہے۔ ؎۱

ولد الزنا کی میراث کا حکم

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا رَجُلٍ عَاهَرَ بِحُرَّةٍ أَوْ أَمَةٍ فَالْوَلَدُ وَلَدُ زِنًا لَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) ؎۲

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد حضرت شعیب سے اور حضرت شعیب اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص کسی آزاد عورت یا لونڈی سے زنا کرے تو (اس کے نتیجہ میں) جو بچہ ہوگا وہ ولد الزنا (حرامی بچہ) کہلائے گا وہ بچہ نہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ اس کی میراث کسی کو ملے گی''۔ (ترمذی)

توضیح: ''عاهر'' زنا کرنے کے معنی میں ہے۔ ''لا یرث ولا یورث'' یعنی ولد الزنا بچہ نہ اپنے باپ کا وارث ہوسکتا ہے اور نہ اس کا باپ اس کا وارث ہوسکتا ہے کیونکہ جس باپ سے یہ پیدا ہے وہ اس کا باپ نہیں یعنی شرعی نسب ثابت نہیں ہے اور میراث نسب کے تابع ہے لہٰذا یہاں کوئی میراث نہیں ہاں ولد الزنا کا نسب چونکہ اپنی ماں سے ثابت ہے لہٰذا ماں اس کی وارث ہوگی اور یہ اس کا وارث ہوگا جیسا کہ اس سے پہلے حدیث نمبر ۱۲ کی توضیح میں لکھا گیا ہے۔ ؎۳

آزاد شدہ غلام کی میراث

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ مَوْلًى لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَتَرَكَ شَيْئًا وَلَمْ يَدَعْ حَمِيْمًا وَلَا وَلَدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطُوْا مِيْرَاثَهُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ قَرْيَتِهِ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ) ؎۴

ترجمہ: اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا ایک آزاد کیا ہوا غلام مر گیا اور اس نے کچھ مال چھوڑا لیکن نہ تو اس نے کوئی ناطے دار چھوڑا اور نہ فرزند (جو اس کے ترکہ کا وارث ہوتا) چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کا چھوڑا ہوا مال اس کی بستی کے آدمی کو دے دو''۔ (ابوداود، ترمذی)

توضیح: ''مولٰی'' یعنی حضور اکرم ﷺ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ''من اهل قريته'' یعنی اس کی بستی کے لوگوں میں سے جو آدمی فقیر ہو یا اس کے قریب ہو اس کو اس غلام کا چھوڑا ہوا مال دیدو قاعدہ تو وہی ہے کہ آزاد کردہ غلام کی میراث اس کے آزاد کرنے والے آقا کو ملتی ہے اگر کوئی عصبہ نہ ہو لیکن انبیاء کرام کے لئے میراث لینا جائز نہیں اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ مال اس کی بستی کے کسی غریب کو دیدو۔ ؎۵

؎۱ المرقات: ۶/۲۳۸ ؎۲ اخرجه الترمذی: ۴/۴۲۸ ؎۳ المرقات: ۶/۲۳۹
؎۴ اخرجه ابوداؤد: ۳/۱۲۳ والترمذی: ۴/۴۲۲ ؎۵ المرقات: ۶/۲۳۹

جس کا کوئی وارث نہیں اس کا ترکہ بیت المال کا ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ مَاتَ رَجُلٌ مِنْ خُزَاعَةَ فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِيْرَاثِهٖ فَقَالَ اِلْتَمِسُوْا لَهٗ وَارِثاً أَوْ ذَا رَحِمٍ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهٗ وَارِثاً وَلَا ذَا رَحِمٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطُوْهُ الْكُبْرَ مِنْ خُزَاعَةَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ قَالَ انْظُرُوْا أَكْبَرَ رَجُلٍ مِنْ خُزَاعَةَ) [1]

ترجمہ: اور حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص مرگیا تو اس کی میراث نبی کریم ﷺ کے پاس لائی گئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کوئی وارث تلاش کرو (یعنی پہلے تو ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی وارث ڈھونڈ و اگر ان میں سے کوئی وارث نہ ملے تو) چاہے کوئی ذی رحم ہی وارث ہو، چنانچہ (تلاش کے بعد) نہ تو (ذوی الفروض اور عصبات میں سے) کوئی وارث پایا گیا اور نہ ذی رحم، اس لئے رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''اس کی میراث قبیلہ خزاعہ کے کسی بڑے بوڑھے کو دیدو''۔ (ابوداود) اور ابوداود ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''قبیلہ خزاعہ کے کسی بڑے بوڑھے شخص کو دیکھو (اور اس کو یہ میراث دیدو)۔

توضیح: ''اوذا رحم'' اس سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ اگر کسی کا وارث ذوی الفروض یا عصبہ میں نہیں تو ذوی الارحام میں سے کسی کو میراث دی جائے گی اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے ''الکبر'' یعنی اس کی قوم میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ بوڑھے کو اس کا مال دیدو اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی جتنا بوڑھا ہوگا اتنا ہی وہ رشتہ میں میت کے آباد و اجداد کے قریب ہوگا اور میراث میں اقرب فالاقرب کو ترجیح دی جاتی ہے کسی نے یہ وجہ بھی لکھی ہے کہ یہ مال پہلے بیت المال کے مصرف میں جاتا ہے لیکن بیت المال میت کی قوم کے ایسے آدمی کو تلاش کرتا ہے جو اس مال کا سب سے زیادہ مستحق ہو اور پہلے سے بیت المال کا مصرف ہو اس لئے بوڑھے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ [2]

میت کا قرض اس کی وصیت پر مقدم ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِنَّكُمْ تَقْرَؤُوْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِالدَّيْنِ قَبْلَ الْوَصِيَّةِ وَأَنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِي الْعَلَّاتِ الرَّجُلُ يَرِثُ أَخَاهُ لِأَبِيْهِ وَأُمِّهٖ دُوْنَ أَخِيْهِ لِأَبِيْهِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَفِيْ رِوَايَةِ الدَّارِمِيِّ قَالَ الْإِخْوَةُ مِنَ الْأُمِّ يَتَوَارَثُوْنَ دُوْنَ بَنِي الْعَلَّاتِ إِلٰى آخِرِهٖ) [3]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ (ایک دن) انہوں نے (لوگوں سے) کہا کہ تم اس آیت کو پڑھتے ہو من

[1] اخرجه ابوداؤد: ۳/۱۲۳ [2] المرقات: ۶/۲۳۰ [3] اخرجه الترمذی: ۴/۴۱۶ و ابن ماجه: ۲/۹۰۶

بعد وصیۃ توصون بھا او دین جبکہ نبی کریم ﷺ نے وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ نے یہ حکم بھی صادر فرمایا ہے کہ حقیقی بھائی وارث ہوتے ہیں نہ کہ سوتیلے بھائی (یعنی حقیقی بھائیوں کی موجودگی میں سوتیلے بھائیوں کو کچھ نہیں ملتا) اور یہ کہ آدمی اپنے حقیقی بھائی کا وارث ہوتا ہے نہ کہ سوتیلے بھائی کا (یہ جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے طور پر استعمال کیا گیا ہے"۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور دارمی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "وہ بھائی جو ماں میں بھی شریک ہو (یعنی باپ اور ماں دونوں میں شریک ہوں کہ جنہیں حقیقی بھائی کہتے ہیں) وارث ہوتے ہیں نہ کہ وہ بھائی جو صرف باپ میں شریک ہوں (یعنی سوتیلے بھائی) آگے حدیث کے وہی الفاظ ہیں جو اوپر نقل ہوئے۔

توضیح: "ھذہ الاٰیۃ" اس آیت سے مراد من بعد وصیۃ توصون بھا او دین ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد ایک خدشہ کو دور کرنا تھا خدشہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت میں وصیت کو پورا کرنا مقدم ہے حالانکہ نبی مکرم ﷺ کے فعل سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے قرض کی ادائیگی کو وصیت پر مقدم کیا ہے یہ بظاہر قرآن کے حکم اور آنحضرت کے فعل میں تضاد ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی خدشہ کو دور کرنے کے لئے تنبیہ فرماتے ہیں کہ آیت کے الفاظ میں وصیت مقدم ہے لیکن حکم میں قرض کی ادائیگی مقدم ہے تو کوئی تضاد نہیں ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ وصیت کو مقدم اس لئے ذکر کیا کہ اس کا لوگ انکار کرتے ہیں کیونکہ اس کا کوئی طالب متعین نہیں ہوتا مگر قرض ایسی چیز ہے کہ اس کا انسانوں میں طالب ہوتا ہے اس کا دباؤ پڑتا ہے تو انکار کرنا آسان نہیں ہوتا اسی اہتمام کے پیش نظر وصیت کو مقدم کیا ہے "**اعیان بنی الام**" بہن بھائیوں کے لئے تین اصطلاحی الفاظ میراث کی بحث میں آتے ہیں اول **بنو الاعیان** یعنی عینی بھائی جو ماں باپ دونوں میں شریک ہوتے ہیں دوم **عَلّاتی** بھائی جو صرف باپ میں شریک ہوتے ہیں مائیں الگ ہوتی ہیں سوم اخیافی بھائی جو صرف ماں میں شریک ہوتے ہیں باپ میں جدا جدا ہوتے ہیں۔ یعنی ① عینی ② علاتی ③ اخیافی۔[1]

آیت میراث کا شانِ نزول

﴿۱۷﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةُ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ بِابْنَتَيْهَا مِنْ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللهِ هَاتَانِ ابْنَتَا سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ قُتِلَ أَبُوهُمَا مَعَكَ يَوْمَ أُحُدٍ شَهِيْداً وَإِنَّ عَمَّهُمَا أَخَذَ مَالَهُمَا وَلَمْ يَدَعْ لَهُمَا مَالاً وَلَا تُنْكَحَانِ إِلَّا وَلَهُمَا مَالٌ قَالَ يَقْضِي اللهُ فِيْ ذٰلِكَ فَنَزَلَتْ آيَةُ الْمِيْرَاثِ فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَمِّهِمَا فَقَالَ أَعْطِ لِابْنَتَيْ سَعْدٍ الثُّلُثَيْنِ وَأَعْطِ أُمَّهُمَا الثُّمُنَ وَمَا بَقِيَ فَهُوَ لَكَ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[2]

---

[1] المرقات: ۶/۲۴۰، ۲۴۱ [2] اخرجه احمد: ۳/۳۵۲ والترمذی: ۴/۴۱۴

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت سعد ابن ربیع رضی اللہ عنہ کی زوجہ اپنی دونوں بیٹیوں کو جو حضرت سعد ابن ربیع سے تھیں، لیکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ یہ دونوں بیٹیاں سعد ابن ربیع کی ہیں، ان کا باپ جو غزوہ احد کے دن آپ کے ہمراہ تھا، میدان جنگ میں شہید ہو گیا ہے اور ان کا مال ان کے چچا نے لے لیا ہے (یعنی ان کے باپ کا جو ترکہ ان لڑکیوں کو پہنچتا وہ زمانۂ جاہلیت کی رسم کے مطابق سعد کے بھائی نے لے لیا ہے) اور ان کے لئے کچھ بھی مال نہیں چھوڑا ہے۔ اب تاوقتیکہ ان کے پاس مال نہ ہو ان سے کوئی نکاح کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "(کچھ دنوں کے لئے صبر کرو) ان لڑکیوں کا معاملہ کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا (یعنی ان کے بارہ میں جب کوئی وحی نازل ہوگی تو فیصلہ ہوگا) چنانچہ (کچھ دنوں کے بعد) آیت میراث یعنی یوصیکم اللہ فی اولادکم الخ نازل ہوئی تو آپ نے کسی کو ان لڑکیوں کے چچا کے پاس بھیجا (اور بلا کر) کہا کہ سعد رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں کو (سعد رضی اللہ عنہ کے ترکہ میں سے) دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو اور جو کچھ باقی بچے وہ تمہارا ہے"۔ (احمد، ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ) اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: **"سعد بن الربیع"** زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کے حق میں ظلم وزیادتی کا بازار گرم رہتا تھا جاہلیت میں کسی عورت کو میراث کا حصہ بالکل نہیں دیا جاتا تھا اسی طرح یتیم بچوں کا حق بھی میراث میں نہیں ہوتا تھا بلکہ میت کے بھائی چچا اور لڑنے کے قابل جوان رشتہ دار آکر مال لیجاتے اور لڑکیاں بیوی اور عورتیں محروم رہ جاتیں اسلام نے اس قبیح رسم کو ختم کر دیا، پہلا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت سعد بن ربیع کی بیوی نے آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکایت کی کہ سعد کی یہ بچیاں ہیں ان کا والد اُحد کے میدان میں آپ کے ساتھ لڑتے لڑتے شہید ہو گیا ہے ان کا ترکہ میراث سب اُن کے چچا وغیرہ لے گئے اب ان بچیوں کے ساتھ نکاح کون کریگا اور ان کی شادی کا کیا بنے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بارہ میں فیصلہ فرمائے گا چنانچہ قرآن کریم کی آیت اتری اور میت کے مال کی تقسیم کا حکم دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تقسیم فرمادی کہ سعد کی دو بچیوں کو پورے مال کا دوثلث ملیگا اور بچیوں کی ماں یعنی سعد کی بیوی کو مال کا ثمن ملیگا اس کے بعد جو بچ گیا وہ بطور عصبہ بھائی کا ہے تقسیم کی صورت اس طرح ہے۔[1]

مسئلہ ۲۴ سعد

بنت	بنت	زوجہ	اخ
ثلث	ثلث	ثمن	عصبہ
۸	۸	۳	۵

بڑے عالم کی موجودگی میں چھوٹے عالم سے مسئلہ مت پوچھو

﴿۱۸﴾ وَعَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ قَالَ سُئِلَ أَبُو مُوسَى عَنِ ابْنَةٍ وَبِنْتِ ابْنٍ وَأُخْتٍ فَقَالَ لِلْبِنْتِ

[1] المرقات: ۶/۲۴۱، ۲۴۲

النِّصْفُ وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ وَأْتِ ابْنَ مَسْعُوْدٍ فَسَيُتَابِعُنِي فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوْسٰى فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ أَقْضِي فِيْهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ الْاِبْنِ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ فَأَتَيْنَا أَبَا مُوْسٰى فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ لَا تَسْأَلُوْنِي مَا دَامَ هٰذَا الْحَبْرُ فِيْكُمْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ہزیل ابن شرحبیل رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ (صحابی) سے یہ سوال کیا گیا کہ (مثلاً زید مرگیا اور اس کے وارثوں میں) ایک بیٹی ایک پوتی اور ایک بہن ہے (تو زید کی میراث کو کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟) حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا کہ (زید کا ترکہ) آدھا بیٹی کو اور آدھا بہن کو ملے گا (پوتی محروم رہے گی) پھر حضرت ابوموسیٰ نے سوال کرنے والے سے کہا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ (اور ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھو) وہ بھی میرے اس جواب سے اتفاق کریں گے (یعنی اس مسئلہ کا جو جواب میں نے دیا ہے یہی جواب وہ بھی دیں گے) چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مسئلہ پوچھا گیا اور اس کا جو جواب حضرت ابوموسیٰ نے دیا تھا وہ بھی انہیں بتایا گیا" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (مسئلہ اور حضرت ابوموسیٰ کا جواب سن کر) کہا کہ ایسی صورت میں (یعنی ابوموسیٰ نے جو فتویٰ دیا ہے وہی فتویٰ اگر میں بھی دوں گا) میں گمراہ سمجھا جاؤں گا اور اپنے کو راہ ہدایت پر نہ پاؤں گا، لہٰذا اس مسئلہ میں میں وہی فیصلہ دوں گا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہے اور وہ یہ ہے کہ بیٹی کو آدھا ملے گا اور دو تہائی پورا کرنے کے لئے پوتی کو چھٹا حصہ ملے گا (یعنی میت کے ترکہ میں سے دو یا دو سے زائد بیٹیوں کو دو تہائی ملتا ہے اب چونکہ بیٹی ایک ہی ہے اور اس کو آدھا حصہ ملا ہے تو پوتی کو چھٹا حصہ دیکر دو تہائی پورا کر دیا جائے گا) اور جو کچھ باقی بچے (یعنی ایک تہائی) وہ بہن کا ہے راوی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابوموسیٰ کے پاس آئے اور انہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے جواب سے آگاہ کیا، حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کہ جب تک تمہارے درمیان یہ عالم (یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ) موجود ہیں مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو"۔ (بخاری)

توضیح: "فسیتابعنی" حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کسی نے میت کی بیٹی پوتی اور بہن کی میراث کا مسئلہ پوچھا آپ نے بتا دیا لیکن یہ تاکید کی کہ میرے بعد جا کر یہ مسئلہ حضرت ابن مسعود سے بھی معلوم کرو اور پھر آ کر مجھے بتا دو عنقریب وہ بھی اس مسئلہ کو میری طرح بتائیں گے جب یہ شخص وہاں گیا اور پورا قصہ سنا دیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اس مسئلہ میں ان کی پیروی میں نے کی تو میں گمراہ ہو جاؤں گا مسئلہ اس طرح ہے حضرت ابوموسیٰ اشعری نے جو مسئلہ بتایا تھا وہ اس طرح تھا کہ ایک بنت کا حصہ نصف مال اور ایک بہن کا حصہ نصف مال اور پوتی محروم یہ غلط تھا اس کا نقشہ یہ تھا۔[2]

[1] البخاری: ۸/۱۸۸ [2] المرقات: ۶/۲۲۳، ۲۲۴

مسئلہ ۴

بنت	اخت	بن الابن
نصف	نصف	محروم
۲	۲	X

یہ غلط اس لئے تھا کہ آپ نے بیٹی کو پوتی کے لئے حاجب بنایا حالانکہ یہ حاجب نہیں ہے اصل مسئلہ اس طرح ہے جس کا فتویٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دیا۔

مسئلہ ۶

بنت	بنت	الابن
نصف	سدس	عصبہ
۳	۱	۲

اس صحیح جواب کی اطلاع جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے یہ شاندار جملہ فرمایا "**لاتسألونی مادام هذا الحبر فيكم**" یعنی جب تک ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے عظیم الشان عالم موجود ہوتم مجھ سے ہرگز مسئلہ نہ پوچھا کرو اس جواب سے یہ ضابطہ حاصل ہوگیا کہ جب بڑا عالم موجود ہوتو چھوٹے عالم کو نہ مسئلہ بتانا چاہئے اور نہ لوگوں کو ان کی طرف میلان کرنا چاہئے اس سے تقلید شخصی ثابت ہوتی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ "**الدین کله ادب**" مگر افسوس ہے کہ آج کل معاملہ الٹا ہوگیا ہے۔[۱]

میراث میں دادا کا حصہ

﴿۱۹﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ ابْنَ ابْنِي مَاتَ فَمَا لِي مِنْ مِيرَاثِهِ قَالَ لَكَ السُّدُسُ فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ قَالَ لَكَ سُدُسٌ آخَرُ فَلَمَّا وَلَّى دَعَاهُ قَالَ إِنَّ السُّدُسَ الْآخَرَ طُعْمَةٌ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور عرض کیا کہ میرا پوتا مر گیا ہے اس کے ترکہ میں سے مجھے کتنا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھٹا حصہ" پھر جب وہ (یہ جواب سن کر) واپس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا کہ "تمہیں چھٹا حصہ اور ملے گا" پھر جب وہ واپس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور کہا کہ "یہ آخر کا چھٹا حصہ تمہارا رزق ہے"۔(احمد، ترمذی، ابوداود) اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[۱] المرقات: ۶/۲۴۳ [۲] اخرجہ احمد: ۴/۴۲۸ والترمذی: ۴/۴۱۹

توضیح: "ان السدس الآخر" مسئلہ کی نوعیت اس طرح تھی کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا اس نے ترکہ میں مال چھوڑا اور ورثاء میں دو بیٹیاں چھوڑیں۔ اور ایک دادا چھوڑا حضور اکرم ﷺ سے اسی دادا نے اپنی میراث کا مسئلہ پوچھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا تجھے ایک سدس ملیگا یہ شخص چلا گیا پھر حضور اکرم ﷺ نے بلایا اور فرمایا تجھے ایک سدس اور ملیگا یہ شخص چلا گیا تو پھر حضور اکرم ﷺ نے بلایا اور فرمایا کہ یہ جو دوسرا سدس ملا ہے یہ بطور عصبہ ہے چونکہ یہ شخص ذوی الفروض میں سے تھا تو اس کو میت کے باپ نہ ہونے کیوجہ سے ایک سدس مال مل گیا حضور اکرم ﷺ نے ان کو دوبارہ ایک سدس دیدیا یہ بطور عصبہ تھا آنحضرت نے الگ الگ اس لئے دیا تا کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ دو سدس میراث میں ان کا حصہ بطور ذوی الفروض ہے اس لئے ان کو زبانی طور پر بتادیا کہ یہ آخری سدس بطور عصبہ ہے۔ صورت مسئلہ اس طرح ہے۔[۱]

مسئلہ ۶

جد بالفروض والعصبہ	بنت	بنت
دو سدس	ثلث	ثلث
۲	۲	۲

میراث میں جدہ کا حصہ

﴿۲۰﴾ وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ ذُؤَيْبٍ قَالَ جَاءَتِ الْجَدَّةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا فَقَالَ لَهَا مَالَكِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ شَيْءٌ وَمَالَكِ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ فَارْجِعِي حَتّٰى أَسْأَلَ النَّاسَ فَسَأَلَ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهَا السُّدُسَ فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ مِثْلَ مَاقَالَ الْمُغِيرَةُ فَأَنْفَذَهُ لَهَا أَبُوبَكْرٍ ثُمَّ جَاءَتِ الْجَدَّةُ الْأُخْرٰى إِلَى عُمَرَ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا فَقَالَ هُوَ ذٰلِكَ السُّدُسُ فَإِنِ اجْتَمَعْتُمَا فَهُوَ بَيْنَكُمَا وَأَيَّتُكُمَا خَلَتْ بِهِ فَهُوَ لَهَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُودَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[۲]

ترجمہ: اور حضرت قبیصہ ابن ذویب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک متوفی شخص کی) جدہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان سے اپنی میراث دلوائے جانے کا مطالبہ کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ "کتاب اللہ میں تمہارے لئے کوئی حصہ مقرر نہیں ہے اور نہ سنت رسول اللہ ﷺ میں تمہارے لئے کوئی حصہ مقرر کیا گیا ہے (یعنی مجھے جو حدیثیں یاد ہیں ان میں سے کسی حدیث میں جدہ کا ذکر نہیں ہے) اس لئے اب تو تم واپس جاؤ میں پھر لوگوں سے (یعنی علماء وصحابہ رضی اللہ عنہم سے) پوچھوں گا (شاید ان میں سے کسی کو جدہ کے حصہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا کوئی ارشاد معلوم ہو) چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا تو حضرت مغیرۃ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں (ایک دن) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر

[۱] المرقات: ۶/۲۴۴ [۲] اخرجہ مالک: ۵۱۳ واحمد: ۴/۲۲۵

تھا (تو میں نے دیکھا) کہ آپ ﷺ نے ایک جدہ کو چھٹا حصہ دلوایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ سے کہا کہ تمہارے علاوہ کوئی اور شخص بھی تمہارے ساتھ تھا؟ (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بطور احتیاط ان سے پوچھا کہ تمہارے علاوہ کسی اور شخص نے بھی رسول کریم ﷺ سے یہ حکم سنا یا دیکھا ہے؟) چنانچہ (ایک اور صحابی) حضرت محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے (حضرت مغیرہ کے قول کی تائید کی یعنی انہوں نے) وہی کہا جو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (کو جب اطمینان ہو گیا کہ میت کے ترکہ میں سے جدہ کا بھی حصہ ہے تو انہوں) نے اس جدہ کو (میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ دیئے جانے کا فیصلہ کر دیا) پھر دوسری جدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے ان سے اپنی میراث دلوائے جانے کا مطالبہ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہی چھٹا حصہ تمہارے لئے بھی ہے اگر تم دو ہو تو وہ چھٹا حصہ تم دونوں کے درمیان مشترک ہے اور اگر تم میں سے کوئی ایک ہے تو وہ چھٹا حصہ اس ایک کے لئے ہوگا"۔ (مالک، احمد، ترمذی، ابوداود، دارمی، ابن ماجہ)

توضیح: "الجدة الی ابی بکر رضی اللہ عنہ" عربی لغت میں جدہ دادی کو بھی کہتے ہیں اور نانی کو بھی جدہ کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں میراث مانگنے کے لئے جو عورت آئی تھی علماء لکھتے ہیں کہ وہ عورت میت کی نانی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جو عورت آئی تھی وہ میت کی دادی تھی جس طرح بعض روایات میں اس فرق کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جدہ کا چھٹا حصہ ہے خواہ ایک جدہ ہو یا دو یا چھ ہوں حضرت ابوبکر کے علم میں یہی بات تھی کہ ایک جدہ ہے لہٰذا اس کا چھٹا حصہ ہے لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دوسری جدہ بھی نمودار ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ جدہ کا حصہ وہی چھٹا حصہ ہے خواہ جدہ ایک ہو یا کئی ہوں اگر تنہا ہے تو یہ حصہ بھی اس کے لئے تنہا ہے اور اگر ایک ساتھ کئی جدات اکٹھی ہو گئیں تو سب کے لئے وہی ایک سدس ہے سب اس میں شریک رہیں گی خلاصہ یہ کہ حضرت ابوبکر کے علم میں ایک جدہ تھی تو ایک کے لئے سدس مقرر فرمایا لیکن عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایک اور جدہ بھی ہے تو دونوں کو اسی حصہ میں شریک قرار دیا۔[1]

میت کے باپ کی موجودگی میں دادی کو چھٹا حصہ دیا گیا

﴿۲۱﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ فِي الْجَدَّةِ مَعَ ابْنِهَا إِنَّهَا أَوَّلُ جَدَّةٍ أَطْعَمَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُدُساً مَعَ ابْنِهَا وَابْنُهَا حَيٌّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس جدہ کے بارہ میں جس کا بیٹا موجود ہو یہ کہا کہ (میراث دلوائی جانے والی) وہ پہلی جدہ جسے رسول کریم ﷺ نے اس کے بیٹے کی موجودگی میں اسے چھٹا حصہ دلوایا تھا اور اس کا بیٹا زندہ تھا"۔ (ترمذی، دارمی) اور امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

توضیح: "مع ابنها" صورت مسئلہ اس طرح ہے کہ ایک شخص خود مر گیا اس نے ایک باپ چھوڑا اور ایک دادی

[1] المرقات: ۶/۲۴۵، ۲۴۶ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۴۲۱ والدارمی: ۷/۲۹۲

چھوڑی جو آپس میں ماں بیٹا تھے حضور اکرم ﷺ نے میت کی دادی کو میراث میں چھٹا حصہ دلوایا جبکہ دادی کا بیٹا بھی زندہ تھا جو میت کا باپ تھا۔اس صورت میں علماء کا مسلک یہ ہے کہ میت کے باپ کی موجودگی میں دادی کو کچھ نہیں ملتا بلکہ وہ پوتے کی میراث سے محروم رہتی ہے۔مذکورہ حدیث متروک العمل ہے اور یہ حدیث ضعیف بھی ہے جو قابل استدلال نہیں ہے یا حضور اکرم ﷺ نے بطور تبرع واحسان جدہ کو چھٹا حصہ دیا بطور میراث نہیں دیا لہٰذا یہ ضابطہ نہیں ہے۔[1]

خون بہا کے مال میں میراث چلتی ہے

﴿۲۲﴾ وَعَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ سُفْيَانَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ وَرِّثْ امْرَأَةَ أَشْيَمَ الضَّبَابِيِّ مِنْ دِيَةِ زَوْجِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ضحاک ابن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے انہیں لکھا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کو اس کے خاوند کے خون بہا میں سے میراث دی جائے۔امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (ترمذی، ابوداود)

توضیح: "کتب الیه" حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ بہادران عرب میں سے تھے کہتے ہیں کہ ایک سو بہادروں کے برابر تھے حضور اکرم کے ساتھ سونتی تلوار لیکر بطور پہرہ دار رہتے تھے آنحضرت ﷺ نے ان کو ان کی قوم "اسلم" پر گورنر مقرر کیا تھا اسی وقت ان کے پاس حضور کا خط آیا تھا۔[3]

"امرأة اشیم" اشیم ضبابی صحابی ہیں یہ آنحضرت کے زمانہ میں قتل کر دیئے گئے تھے مگر یہ قتل خطاء تھی اس لئے قاتل سے خون بہا کیا گیا ورثاء میں اشیم کی بیوی بھی تھی حضور اکرم ﷺ نے اسی سلسلہ میں ضحاک رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ اشیم ضبابی کو انکے شوہر کی دیت میں سے میراث دیدو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میراث میت کی دیت میں بھی چلتی ہے جس طرح اس کے دیگر اموال میں چلتی ہے۔کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کا خیال تھا کہ میت کی دیت میں ورثاء کی میراث نہیں چلتی ہے اس لئے حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ نے ان کو حضور اکرم ﷺ کی حدیث کا حوالہ دیدیا اور مسئلہ ثابت کیا۔[4]

موالاتِ اسلام میراث کا ذریعہ نہیں ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ تَمِيْمٍ الدَّارِيِّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا السُّنَّةُ فِي الرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الشِّرْكِ يُسْلِمُ عَلٰى يَدَيْ رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحْيَاهُ وَمَمَاتِهِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[5]

ترجمہ: اور حضرت تمیم داری کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے پوچھا کہ اس مشرک کے بارہ میں کیا حکم ہے جو کسی

---

[1] المرقات: ۶/۲۳۶ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۲۷ وابوداؤد: ۳/۱۲۹ [3] المرقات: ۶/۲۳۷

[4] المرقات: ۶/۲۳۷ [5] اخرجه الترمذی: ۴/۲۲۷ وابن ماجه: ۲/۹۱۹

مسلمان کے ہاتھ پر اسلام لایا ہو (یعنی وہ مسلمان اس نومسلم کا مولیٰ ہوتا ہے یا نہیں؟) آنحضرت نے فرمایا کہ "وہ مسلمان (جس کے ہاتھ پر وہ مشرک اسلام لایا ہے) اس کی زندگی میں اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے اور مرنے کے بعد بھی سب سے زیادہ حقدار وہی ہے (یعنی وہ مسلمان اس نومسلم کا مولیٰ ہے)"۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: ایک شخص جب کسی دوسرے شخص کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے تو وہ شخص اس نومسلم کا آقا ہو جاتا ہے اس کو موالات اسلام کہتے ہیں ابتداء اسلام میں ایسی صورت میں حکم یہ تھا کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

"**ھو اولی الناس بمحیاہ و مماتہ**" سے یہی مراد ہے کہ زندگی اور موت دونوں صورتوں میں یہ شخص اس نومسلم کا آقا ہے۔ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے کہ ایسا شخص عمر بن عبدالعزیز اور سعید بن مسیب وغیرہ کے نزدیک نومسلم کا آقا بنتا ہے لیکن امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مولا نہیں بنتا ہے مولیٰ وہی ہوتا ہے جس نے کسی کو آزاد کیا "**الولاء عن اعتق**" واضح حدیث ہے لہٰذا زیر بحث حدیث یا منسوخ ہے اور یا مطلب یہ ہے کہ اب زندگی اور زندگی کے بعد اس نومسلم کی مدد اس شخص پر لازم ہے لہٰذا اس حدیث کا مولیٰ بننے نہ بننے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (مرقات ج ۔۔۔۔ ص ۲۴۸)[1]

ولاء کی تین قسمیں ہیں

① ولاء العتاقۃ۔ غلام آزاد کرنے کی وجہ سے جو وراثت ملتی ہے اس کو کہتے ہیں۔

② ولاء موالات یا ولاء معاقدہ۔ دو شخصوں کے درمیان اس معاہدہ کا نام ہے جو آپس میں ایک دوسرے کے تاوان برداشت کرنے اور مرنے کے بعد میراث لینے کا معاہدہ ہوتا ہے۔

③ ولاء اسلام۔ اس کی تفصیل اوپر لکھدی گئی ہے جس کا ذکر زیر بحث حدیث میں ہے۔

کیا آزاد شدہ غلام اپنے آقا کا وارث ہو سکتا ہے؟

﴿۲۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلاً مَاتَ وَلَمْ يَدَعْ وَارِثاً إِلاَّ غُلاَماً كَانَ أَعْتَقَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَهُ أَحَدٌ قَالُوا لاَ إِلاَّ غُلاَمٌ لَهُ كَانَ أَعْتَقَهُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِيْرَاثَهُ لَهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک ایسا شخص مر گیا جس نے اپنے ایک غلام کے علاوہ کہ جسے وہ آزاد کر چکا تھا اور کوئی وارث نہیں چھوڑا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اس کا کوئی وارث ہے یا نہیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ

[1] المرقات: ۶/۲۴۸ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۳/۱۲۴ والترمذی: ۴/۴۲۳ وابن ماجہ: ۲/۹۱۵

''کوئی وارث نہیں ہے البتہ ایک غلام ہے جسے اس نے آزاد کردیا تھا''۔ لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اس میت کی میراث اس کے آزاد کردہ غلام کو دلوادی''۔ (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: ''میراثہ لہ'' یعنی ایک آقا کا انتقال ہوگیا مگر ان کے ورثاء میں کوئی نہیں تھا صرف ان کے پس ماندہ گان میں ایک غلام تھا حضور اکرم نے اس شخص کی میراث اس کے غلام کو دلوائی۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ معاملہ بطور احسان وتبرع تھا جس طرح اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نمبر ۱۴ میں گذر چکا ہے۔ شیخ مظہر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت شریح اور طاؤس کے نزدیک یہ حدیث اپنے ظاہر پر معمول بہ ہے جس طرح آزاد کرنے والا اپنے آزاد کردہ غلام کا وارث ہوتا ہے اسی طرح غلام بھی اپنے آزاد کرنے والے کا وارث ہوسکتا ہے۔ [1]

ولاء کی وراثت کا مسئلہ

﴿۲۵﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَرِثُ الْوَلَاءَ مَنْ يَرِثُ الْمَالَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص مال کا وارث ہوتا ہے وہ ولاء کا بھی وارث ہوتا ہے''۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے)۔

توضیح: آزاد شدہ غلام کے متروکہ مال کو ''ولاء'' کہتے ہیں اس کے مرنے کے بعد ولاء اس کے آزاد کرنے والے کو ملیگی بشرطیکہ اس غلام کے اپنے وارث نہ ہوں اس حدیث میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ اس طرح ہے کہ مثلاً زید کا باپ مرگیا پھر اس کے بعد زید کے باپ کا آزاد کردہ غلام مرگیا تو اب زید اس غلام کے ولاء کا وارث ہوگا کیونکہ جس طرح زید اپنے باپ کے مال کا وارث ہے اسی طرح اپنے باپ کے آزاد کردہ غلام کے مال کا بھی وارث ہے جس کو ولاء کہتے ہیں۔
یاد رہے کہ یہ حکم صرف عصبہ بنفسہ کا ہے جو بیٹا ہوتا ہے لہٰذا بیٹیوں کو اس میراث میں کچھ نہیں ملے گا کیونکہ وہ عصبہ بنفسہ نہیں ہیں وہ اپنے باپ کے مال کی وارث تو ہونگی لیکن اس کے غلام کے ولاء کے وارث نہیں ہوسکتی ہیں۔ [3]

الفصل الثالث

جاہلیت میں تقسیم شدہ میراث کا حکم

﴿۲۶﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَ مِنْ مِيرَاثٍ قُسِمَ فِي

[1] المرقات: ۶/۲۲۸ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۲۲۸ [3] المرقات: ۶/۲۲۸

الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْجَاهِلِيَّةِ وَمَا كَانَ مِنْ مِيرَاثٍ أَدْرَكَهُ الْإِسْلَامُ فَهُوَ عَلٰى قِسْمَةِ الْإِسْلَامِ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ)[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”جو میراث زمانۂ جاہلیت میں تقسیم ہو چکی ہے وہ زمانۂ جاہلیت ہی کی تقسیم کے مطابق رہے گی اور جس میراث نے اسلام کا زمانہ پایا وہ اسلام ہی کے مطابق تقسیم ہوگی“۔
(ابن ماجہ)

توضیح: نبی مکرم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جو میراث جاہلیت کے زمانہ میں ورثاء میں تقسیم ہو چکی ہے اس میں ترمیم واضافہ نہیں ہوگا جس کو اس دور کے مطابق جتنا مل چکا ہے وہی اس کا حصہ ہے کم ملا ہے یا زیادہ ملا ہے۔ ہاں جس مال پر اسلام کا دور آ گیا ہے اس کی تقسیم اسلام کے اصول وقواعد کے مطابق ہوگی اس حدیث سے ”**ابقاء ما کان علی ما کان**“ کا ضابطہ نکلتا ہے۔

پھوپھی بھتیجے کی وارث نہیں ہوتی

﴿۲۷﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ كَثِيرًا يَقُولُ كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُولُ عَجَبًا لِلْعَمَّةِ تُورِثُ وَلَا تَرِثُ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت محمد ابن ابوبکر ابن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے سنا جو اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ پھوپھی کے بارہ میں تعجب ہے کہ اس کا بھتیجا تو اس کا وارث ہو جاتا ہے مگر وہ اپنے بھتیجے کی وارث نہیں ہوتی“۔ (مالک)

توضیح: ”**عجباً للعمة**“ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ پھوپھی پر تعجب ہے کہ اس کا بھتیجا تو اس کا وارث ہوتا ہے مگر وہ بھتیجے کی وارث نہیں ہوتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ تعجب قیاس کی بنیاد پر ہے ورنہ شریعت کے حکم کی علت تلاش کرنا ضروری نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے عقل میں آئے یا نہ آئے۔[3]

علم میراث کے سیکھنے کا حکم

﴿۲۸﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَزَادَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَالطَّلَاقَ وَالْحَجَّ قَالَا فَإِنَّهُ مِنْ دِينِكُمْ۔
(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”فرائض کے احکام ومسائل سیکھو“۔ نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے ”طلاق اور حج کے احکام ومسائل (بھی) سیکھو“ انہوں نے کہا کہ (اس کا سیکھنا اس لئے

[1] اخرجه ابن ماجه: ۲/۹۱۸ [2] اخرجه مالك: ۵۱۷ [3] المرقات: ۶/۲۴۹ [4] اخرجه الدارمي: ۲۸۳۶

روری ہے کہ) یہ علم تمہاری دینی ضروریات میں سے ہے''۔ (دارمی)

توضیح: **"تعلموا الفرائض"** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت آپ پر موقوف ہے۔ **"وزاد ابن مسعود"** یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرائض کے ساتھ الطلاق اور الحج کا اضافہ فرمایا۔[1]

"قالا" یعنی ابن مسعود اور عمر فاروق دونوں نے فرمایا ''فانہ'' یعنی یہ علم اور سیکھنا، بعض نسخوں میں انہا ہے یعنی یہ مذکورات تمہارے دین میں سے ہے یعنی دین کے اہم اہم مسائل ہیں اس صورت میں من تبعیض کے لئے ہے یا من بیانیہ ہے یعنی یہ مذکورات تمہارا دین ہے فرائض فریضۃ کی جمع ہے علم میراث کے مقرر حصہ کو فریضہ کہا گیا ہے۔[2]

زیر بحث روایت میں علم میراث کے سیکھنے پر زور دیا گیا ہے اور خوب ترغیب دی گئی ہے ایک اور حدیث میں ہے **"تعلموا الفرائض وعلموها الناس فانہ نصف العلم"** اس کو نصف علم اس لئے کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی کی دو حالتیں ہیں یا حالت حیات ہے یہ آدھا حصہ ہے اور یا حالت ممات ہے جو دوسرا آدھا حصہ ہے علم فرائض کا تعلق دوسری حالت سے ہے ایک حدیث میں ہے **"تعلموا الفرائض وعلموہ الناس فانی امرؤ مقبوض"** ایک روایت میں اس حدیث آخر میں اس طرح ہے **فانہا اول قضیۃ تنسٰی** یعنی یہ پہلا علم ہے جو انسانوں سے بھلایا جائیگا۔

چنانچہ علوم اسلامیہ میں علم میراث پہلا علم ہے جو علماء سے اٹھ جائیگا اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے آج بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ۸۰ فیصد علماء سے یہ علم اٹھ چکا ہے جن میں سرفہرست میں خود ہوں۔

اللہ تعالیٰ علم اور علماء کی حفاظت فرمائے۔

باب الوصایا

وصیتوں کا بیان

قال اللہ تعالیٰ: ﴿من بعد وصیة توصون بھا او دین﴾ [1]

وصایا جمع ہے اس کا مفرد وصیۃ ہے وصیت اسے کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے وارثوں سے کہدے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں فلاں کام کرو مثلاً مسجد یا مدرسہ یا خانقاہ یا سرائے یا پل یا ہسپتال بنادو یا کنواں کھودلو یا میرے ذمہ فلاں فلاں عبادات باقی ہیں اس کا انتظام کرلو۔

فقہاء کا اختلاف:

داؤد ظاہری اسحاق بن راہویہ اور اہل ظواہر کے نزدیک وصیت کرنا واجب ہے۔

جمہور کے نزدیک وصیت کرنا مستحب ہے اگرچہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اس کی وصیت موجود ہو یا تکیہ کے نیچے رکھا ہوا ہو مگر واجب نہیں۔ [2]

دلائل اسحاق بن راہویہ اور اہل ظواہر نے قرآن کریم کی ایت **﴿کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیراً الوصیة للوالدین والاقربین﴾** [3] سے استدلال کیا ہے اور باب الوصایا کی پہلی فصل کی پہلی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ آیت میراث سے وصیت کا پورا نظام منسوخ ہوگیا ہے اب ورثاء کے شریعت کی جانب سے حصے مقرر ہیں آدمی کی وصیت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی اسی طرح **لا وصیة لوارث** مشہور حدیث ہے اس سے بھی آیت میراث متاثر ہوسکتی ہے تو ابتداء اسلام میں اگرچہ وصیت کا نظام قائم تھا لیکن بعد میں منسوخ ہوگیا ہاں آیت میراث کے بعد بھی تہائی مال کی وصیت کرنے کا حق مالک کو حاصل ہے تاکہ اگر کوئی شخص زندگی کے آخری وقت میں وصیت کرنا چاہتا ہے یا صدقہ کرنا چاہتا ہے تو نیکی کے سارے دروازے اس پر کھلے ہوں۔

جواب: اہل ظواہر نے جس آیت وصیت سے استدلال کیا ہے یا اس باب کی فصل اول کی حدیث نمبر ۱ سے استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت یا قرض کی وصیت پر محمول ہے یا امانت کی وصیت پر محمول ہے جو تمام فقہاء کے نزدیک ضروری ہے یا آیت مذکورہ میں وصیت سے استحبابی وصیت مراد ہے اور وصیت کے استحباب میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ [4]

[1] النساء الآیہ ۱۲ [2] المرقات: ۶/۲۵۱ [3] البقرہ ۱۸۱ [4] المرقات: ۶/۲۵۱

دوسرا جواب: یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں وصیت کے وجوب کا حکم تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ لَہٗ شَیْءٌ یُوْصٰی فِیْہِ یَبِیْتُ لَیْلَتَیْنِ اِلَّا وَوَصِیَّتُہٗ مَکْتُوْبَۃٌ عِنْدَہٗ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس مسلمان مرد کے (مال یا تعلقات کے) معاملے میں کوئی بات وصیت کے قابل ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ دو راتیں بھی وصیت لکھ رکھنے کے بغیر نہ گذارے"۔ (بخاری و مسلم)

اس سے قبل مکمل طور پر اس حدیث کی توضیح و تشریح پر کلام ہو چکا ہے۔

اپنے ترکہ میں سے تہائی حصہ کی وصیت کی جاسکتی ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ مَرِضْتُ عَامَ الْفَتْحِ مَرَضاً أَشْفَیْتُ عَلَی الْمَوْتِ فَأَتَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُنِیْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ لِیْ مَالاً کَثِیْراً وَلَیْسَ یَرِثُنِیْ اِلَّا اِبْنَتِیْ أَفَأُوْصِیْ بِمَالِیْ کُلِّہٖ قَالَ لَا قُلْتُ فَثُلُثَیْ مَالِیْ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَالثُّلُثُ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ اِنَّکَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَکَ أَغْنِیَاءَ خَیْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَھُمْ عَالَۃً یَتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ وَاِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَۃً تَبْتَغِیْ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ اِلَّا أُجِرْتَ بِھَا حَتَّی اللُّقْمَۃَ تَرْفَعُھَا اِلٰی فِیْ امْرَأَتِکَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال اتنا سخت بیمار ہوا کہ موت کے کنارہ پر پہنچ گیا، چنانچہ جب رسول کریم ﷺ میری عیادت کے لئے میرے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے پاس بہت مال ہے، مگر ایک بیٹی کے سوا میرا کوئی وارث نہیں ہے تو کیا میں اپنے سارے مال کے بارہ میں وصیت کر جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، پھر میں نے عرض کیا کہ "کیا دو تہائی مال کے بارہ میں وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں میں نے کہا کیا آدھے مال کی وصیت کر جاؤں آپ نے فرمایا نہیں میں نے کہا تہائی مال کی وصیت کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں تہائی مال کے بارہ میں وصیت کر سکتے ہو اگر چہ وہ بھی بہت ہے۔ اور یاد رکھو، اگر تم اپنے وارثوں کو مال دار و خوش حال چھوڑ جاؤ گے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلس چھوڑ جاؤ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ جان لو، تم اپنے مال کا جو بھی حصہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے جذبہ سے خرچ کرو گے تو تمہیں اس کے خرچ پر ثواب ملے گا، یہاں تک کہ تمہیں اس لقمہ کا

[۱] اخرجہ البخاری: ۴/۲ و مسلم: ۲/۱۱ [۲] اخرجہ البخاری: ۱/۲۲ و مسلم: ۱۱/۲، ۱۲

بھی ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ تک لے جاؤ گے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**عام الفتح**" میرک شاہ نے لکھا ہے کہ عام الفتح کے الفاظ صحیح نہیں ہے بلکہ "**عام حجة الوداع**" کے الفاظ ہیں کسی راوی سے سہو ہوگیا ہے۔[۱] "**اشفيت**" قاربت کے معنی میں ہے "**اشفيت**" ای **قاربت الهلاك** یعنی میں موت کے قریب پہنچ گیا تھا۔[۲]

"**يعودني**" اس سے حضرت سعد کی شان بہت بڑھ جاتی ہے کہ سید الکونین آپ کی عیادت کے لئے گئے اور ان کے گھر میں ان کی عیادت کی بابا سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے موقع کے لئے کہا ہے۔[۳]

کلاہ گوشہء دھقان بہ آفتاب رسید　　　که سایه بر سرش انداخت چوں تو سلطانے

"**الا ابنتي**" مطلب یہ ہے کہ ذوی الفروض میں سے میرا وارث اس وقت صرف میری بیٹی ہے۔[۴]

سوال: یہاں سوال یہ ہے کہ حضرت سعد ایک مالدار صحابی تھے اور ان کے کئی بیٹے تھے اور عصبہ میں سے بہت سارے وارث تھے پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ میرے ورثاء میں سے صرف ایک بیٹی ہے اور کوئی نہیں ہے؟۔

جواب: اس سوال کے کئی جوابات ہیں پہلا جواب جس کی طرف ملا علی قاری اور دیگر شارحین نے اشارہ کیا ہے یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ذوی الفروض میں سے صرف ایک بیٹی بتایا کہ ذوی الفروض میں سے ایک بیٹی ہے یہ مطلب نہیں کہ دیگر ورثہ نہیں کیونکہ عصبہ میں آپ کے بہت سارے ورثہ تھے خود اسی حدیث میں "**ورثتك**" کا لفظ آیا ہے اور "**يتكففون**"، جمع کا صیغہ ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دیگر ورثہ تھے مگر وہ عصبہ میں تھے بلکہ ساتھ والی روایت نمبر ۳ میں "**ولدك**" سے اولاد کا ذکر موجود ہے۔

دوسرا جواب: بھی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے جو آپ نے علامہ طیبی سے نقل کیا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میرے ورثاء تو بہت ہیں لیکن جن کے بارہ میں مجھے خوف لاحق ہے اور میں اس میں پریشان ہوں وہ صرف میری بیٹی ہے کیونکہ یہ عاجز خاتون ہے جو میرے ورثاء میں سب سے زیادہ کمزور ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے اموال کو اپنے تمام بیٹوں پر تقسیم کیا تھا صرف یہ ایک بیٹی تھی جس کو میراث کا حصہ اب تک نہیں دیا گیا تھا اس لئے آپ نے اس کا ذکر کیا یہ جواب بہت اچھا اور واضح ہے مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس کو میں نے کہیں دیکھا ہے۔[۵]

"**أفأوصي**" یعنی فقراء اور مساکین کے لئے وصیت کروں اور وقف کروں۔[۶] "**عالة**" فقراء کو کہتے ہیں[۷] "**يتكففون**" یعنی لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کریں۔ "**الى في**" "**في فم**" میں ایک لغت ہے جو مشدد ہے منہ کو کہتے ہیں۔

---

[۱] المرقات: ۶/۲۵۲ [۲] المرقات: ۶/۲۵۲ [۳] المرقات: ۶/۲۵۲

[۴] المرقات: ۶/۲۵۲ [۵] المرقات: ۶/۲۵۲، ۲۵۳ [۶] المرقات: ۶/۲۵۲ [۷] المرقات: ۶/۲۵۲

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جو شخص عمل کرتا ہے ان کو ضرور ثواب ملتا ہے بیوی کے منہ میں لقمہ دل لگی کے وقت رکھا جاتا ہے یہ کوئی عبادت نہیں بلکہ عادت و شہوت ہے لیکن جب اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا تصور ہو تو یہ بھی عبادت میں شمار ہو جاتا ہے اور ثواب ملتا ہے۔[1]

الفصل الثانی

﴿۳﴾ عَنْ سَعْدِبْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ عَادَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَرِيْضٌ فَقَالَ أَوْصَيْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِكَمْ قُلْتُ بِمَالِيْ كُلِّهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ فَمَا تَرَكْتَ لِوَلَدِكَ قُلْتُ هُمْ أَغْنِيَاءُ بِخَيْرٍ فَقَالَ أَوْصِ بِالْعُشْرِ فَمَازِلْتُ أُنَاقِصُهٗ حَتّٰى قَالَ أَوْصِ بِالثُّلُثِ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت سعد ابن ابی وقاص کہتے ہیں کہ جب میں بیمار تھا تو رسول کریم ﷺ مجھے پوچھنے آئے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تم نے وصیت کرنے کا ارادہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ "ہاں"؛ آپ ﷺ نے فرمایا "کتنے مال کی وصیت کا تم نے ارادہ کیا ہے"؟ میں نے عرض کیا کہ "میں نے تو اللہ کی راہ میں اپنے سارے مال کی وصیت کرنے کا ارادہ کرلیا ہے"۔آپ ﷺ نے فرمایا "تو تم نے اپنی اولاد کے لئے کیا چھوڑا ہے"؟ میں نے عرض کیا کہ "وہ خود مال دار خوشحال ہیں"۔آپ ﷺ نے فرمایا "(اگر وصیت کرنا ہی چاہتے ہو تو) اپنے مال کے دسویں حصہ کے بارے میں وصیت کردو"۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں آپ ﷺ کی بتائی ہوئی اس مقدار کو برابر کم کہتا رہا تو (میرے اصرار پر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اچھا تہائی مال کے بارہ میں وصیت کردو اگرچہ یہ تہائی بھی بہت ہے"۔ (ترمذی)

وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ وَيُرْوٰى عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ۔

(مُنْقَطِعٌ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَفِيْ رِوَايَةِ الدَّارَقُطْنِيِّ قَالَ لَا تَجُوْزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں یہ فرماتے

[1] المرقات: ۶/۲۵۳ [2] اخرجہ الترمذی: ۴/۴۳۰ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۳/۱۱۳ وابن ماجہ: ۱/۶۴۷

ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے۔ لہٰذا وارث کے لئے وصیت نہیں ہے"۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "**اعطی کل ذیحقه**" یعنی ہر صاحب حق کا مقرر حصہ اللہ تعالیٰ نے دیدیا ہے ذوی الفروض کے لئے الگ الگ حصے مقرر ہیں اور عصبات کے الگ حصے متعین ہیں لہٰذا کسی وارث کے حق میں وصیت کی ضرورت نہیں اگر کوئی وصیت کر بھی لے اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہاں اگر تمام ورثہ اس پر راضی ہوجائیں اور کسی ایک کے حق میں میت کی وصیت کے نفاذ کی اجازت دیدیں تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی چھوٹا بچہ نہ ہو۔[۱]

"**الفراش**" فراش کا اطلاق عورت پر ہوتا ہے لیکن یہاں **الولد للفراش** میں صاحب فراش مراد ہے جو بیوی کے لئے شوہر یا لونڈی کے لئے آقا اور مالک مراد ہے۔[۲] "**عاهر**" زنا کار کو کہتے ہیں[۳] "**الحجر**" یعنی اس کو پتھر ملیں گے کہ اس پر پتھراؤ کر کے سنگسار کیا جائے اگر شادی شدہ ہو یا الحجر کا لفظ کنایہ ہے حرمان اور محرومی سے کہ زانی کو کچھ بھی نہیں ملے گا وہ محروم ہے اس کو ڈُڈو ملے گا۔[۴]

اپنے ورثاء کو نقصان پہنچانا بڑا گناہ ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ ثُمَّ قَرَأَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ إِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مرد اور عورت ساٹھ برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں مگر جب ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وصیت کے ذریعہ (وارثوں کو) نقصان پہنچاتے ہیں لہٰذا ان کے لئے دوزخ ضروری ہوجاتی ہے"۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: یعنی (ورثاء اپنے حصے لیں) وصیت پوری کرنے کے بعد جس کی وصیت کی جائے یا دین کے بعد بشرطیکہ (وصیت کرنے والا) کسی کو ضرر نہ پہنچائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت ارشاد ربانی **وذلك الفوز العظيم** تک تلاوت کی"۔

(احمد، ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "**ستين سنة**" حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ اعتبار آخر خاتمہ کو ہے ایک شخص مثلاً ساٹھ سال سے عبادت میں خوب لگا ہوا ہے عورت بھی لگی ہوئی ہے لیکن موت سے پہلے ناجائز وصیت کر کے اپنے ورثاء کو نقصان پہنچانے سے وہ آگ کے مستحق ہوجاتے ہیں لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے ورثاء کے حق میں نقصان نہ کرے۔ ورنہ عذاب کے لئے تیار ہوجائے۔[۶]

---

[۱] المرقات: ۶/۲۵۵ [۲] المرقات: ۶/۲۵۶ [۳] المرقات: ۶/۲۵۶
[۴] المرقات: ۶/۲۵۶ [۵] أخرجه احمد: ۲/۲۷۸ والترمذي: ۴/۴۳۱ [۶] المرقات: ۶/۲۵۷

الفصل الثالث

جائز وصیت باعث ثواب ہے

﴿۶﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ عَلٰى وَصِيَّةٍ مَاتَ عَلٰى سَبِيْلٍ وَسُنَّةٍ وَمَاتَ عَلٰى تُقًى وَشَهَادَةٍ وَمَاتَ مَغْفُوْرًا لَّهٗ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)[۱]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص وصیت کر کے مرا (یعنی جس شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے مال کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں مثلاً فقراء کو (دینے کی وصیت کی) تو وہ راہ مستقیم اور پسندیدہ طریقہ پر مرا اور تقویٰ وشہادت پر مرا (یعنی متقیوں اور شہیدوں میں داخل ہوا) اور اس حال میں مرا کہ اس کی مغفرت کی گئی''۔ (ابن ماجہ)

توضیح: ''**وصیة**'' یعنی ضروری وصیت لکھ کر پاس رکھے۔ ''**سبیل**'' ای طریق واضح یعنی شاہراہ اعظم پر لگا جو ٹیڑھا نہیں ہوگا بلکہ سیدھا ہوگا نہ نزاع ہوگا نہ کسی کا جھگڑا رہیگا اس حدیث میں وصیت کی ترغیب ہے کہ چوکنے رہو وصیت ساتھ رکھو، یہ حکم ابتداء اسلام میں واجب تھا پھر آیت میراث سے منسوخ ہوا اب مستحب ہے ہاں اگر کسی شخص کا رشتہ دار غریب ہے اور میراث میں اس کا کوئی حق نہیں ہے اگر ان کے لئے کوئی شخص اپنے تہائی مال میں سے وصیت کرتا ہے تو یہ جائز بلکہ مستحب ہے۔[۲]

''**وسنة**'' یعنی پسندیدہ راستہ پر مریگا اور اچھی سنت کی بنیاد ڈالکر جائے گا۔[۳] ''**علی تُقًی**'' یعنی خوف خدا اور تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر مریگا علم وعمل پر اس کا خاتمہ ہوگا اور بہت اچھا ہوگا۔[۴]

''**وشهادة**'' یعنی حکمی شہادت پر مریگا اس کو شہادت کا ثواب ملے گا۔[۵]

''**مغفوراً**'' یعنی بخشش کے ساتھ دنیا سے اٹھ کر جائے گا۔ یہ تمام فوائد وصیت کے ہیں ان فوائد کا تعلق آخرت سے ہے لیکن وصیت میں دنیا کے بھی بیشمار فوائد ہیں جب آدمی وصیت نہیں کرتا اور مال بینکوں میں یا دیگر کاروبار میں لگا تار ہتا ہے گھر کے افراد کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ بڑے میاں کے پاس کتنا مال ہے اور کہاں کہاں ہے وصیت کے بغیر مرنے سے لاکھوں روپے ڈوب جاتے ہیں اس طرح کئی واقعات ہوئے ہیں۔[۶]

کافروں کو نیک اعمال کا ثواب نہیں پہنچتا

﴿۷﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ أَوْصٰى أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةَ

[۱] اخرجه ابن ماجه: ۲/۹۰۲ [۲] المرقات: ۶/۲۵۸ [۳] المرقات: ۶/۲۵۸ [۴] المرقات: ۶/۲۵۸ [۵] المرقات: ۶/۲۵۸ [۶] المرقات: ۶/۲۵۸

رَقَبَةٍ فَأَعْتَقَ ابْنُهُ هِشَامٌ خَمْسِينَ رَقَبَةً فَأَرَادَ ابْنُهُ عَمْرٌو أَنْ يُعْتِقَ عَنْهُ الْخَمْسِينَ الْبَاقِيَةَ فَقَالَ حَتّٰى أَسْأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبِي أَوْصٰى أَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ وَإِنَّ هِشَاماً أَعْتَقَ عَنْهُ خَمْسِينَ وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُونَ رَقَبَةً أَفَأُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِماً فَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ أَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور شعیب اپنے دادا (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ عاص ابن وائل نے یہ وصیت کی تھی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں، چنانچہ پچاس غلام تو ان کے بیٹے ہشام رضی اللہ عنہ نے آزاد کر دیئے پھر جب ان کے (دوسرے) بیٹے عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ ارادہ کیا کہ باقی پچاس غلام وہ آزاد کر دیں تو انہوں نے کہا (یعنی اپنے دل میں سوچا) کہ میں یہ پچاس غلام اس وقت تک آزاد نہیں کروں گا جب تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پوچھ لوں۔ چنانچہ عمرو رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ: میرے باپ (عاص) نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں۔ لہٰذا ہشام رضی اللہ عنہ نے پچاس غلام تو آزاد کر دیئے اب ان پر (یعنی ہشام رضی اللہ عنہ ہی کے ذمہ یا میرے ذمہ) پچاس غلام باقی رہ گئے ہیں۔ تو کیا میں اپنے باپ کی طرف سے (وہ باقی پچاس غلام آزاد کردوں؟) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ (تمہارے باپ عاص) اگر مسلمان ہوتے اور تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا ان کی طرف سے صدقہ دیتے، یا ان کی طرف سے حج کرتے تو ان کو اس کا ثواب پہنچتا"۔ (ابوداود)

توضیح: عاص بن وائل نے نبوت کا زمانہ پایا تھا لیکن بدقسمتی سے اسلام قبول نہ کر سکا اور کفر پر مرا، ان کے دو بیٹے تھے ایک ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ تھے دوسرے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق دیدی ہشام قدیم الاسلام تھے مکہ میں اسلام قبول کیا اور پھر حبشہ کی طرف ہجرت کی حبشہ سے جب واپس مکہ آئے تو باپ نے اسے قید کر لیا تین چار سال تک قید و بند کی صعوبتیں باپ کی جیل میں برداشت کیں پھر غزوۂ خندق کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے شان والے صحابی تھے جنگ یرموک میں شہید ہوئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے کچھ پہلے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ پہنچے اور اسلام قبول کیا شان والے صحابی ہیں فاتح مصر تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آنحضرت کی طرف سے گورنر تھے پھر حضرت صدیق کے زمانہ میں بھی گورنر رہے پھر حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں مصر کے گورنر رہے پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے گورنر رہے ۹۹ سال کی عمر میں ۴۳ ہجری میں فوت ہو گئے۔[2]

زیر بحث حدیث میں حضرت عمرو بن عاص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ میرے باپ نے مرنے سے پہلے

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۳/۱۱۷ [2] المرقات: ۶/۲۵۹

وصیت کی تھی کہ میری طرف سے ۱۰۰ سو غلام آزاد کرو میرے بھائی ہشام نے پچاس غلام آزاد کئے باقی پچاس میرے ذمہ پر ہے کیا میں ان کی طرف سے یہ غلام آزاد کر سکتا ہوں یعنی ان کو کوئی فائدہ پہنچے گا اور کوئی نیکی ان تک پہنچے گی؟ [۲]

حضور اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو غلام آزاد کرنے کا ثواب ان تک پہنچ جاتا لیکن چونکہ وہ اسلام پر نہیں مرا ہے لہٰذا کافر تک بطور ایصال کوئی ثواب نہیں پہنچتا حضور اکرم ﷺ نے عجیب اسلوب سے جواب دیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ غلام آزاد نہ کرو بلکہ یہ اشارہ دیا کہ غلام آزاد کرنے کا ثواب تو ضرور ملتا ہے غلام کو آزاد کرنا چاہیئے یہ ثواب کا کام ہے لیکن ان تک ثواب اس لئے نہیں پہنچ سکتا کہ وہ مسلمان نہیں تھا کسی کافر کو کسی بھی عبادت کا ثواب اس کے مرنے کے بعد نہیں پہنچتا لہٰذا کسی نیکی کا فائدہ نہیں ہوگا خواہ غلام آزاد کرنا ہو خواہ حج ہو خواہ زکوٰۃ ہو ہاں مسلمان تک اس قسم کی نیکیوں کا ثواب پہنچتا ہے۔ [۱]

وارث کا حق ضائع کرنا بہت بڑا گناہ ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَطَعَ مِيْرَاثَ وَارِثِهٖ قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اپنے وارث کی میراث کاٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جنت کی میراث کاٹ لے گا"۔ (ابن ماجہ) اور بیہقی نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

توضیح: "قطع میراث" یعنی اپنے وارث کی میراث کو کسی طرح ضائع کر دیا اور اس کو میراث سے محروم کر دیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس ظالم شخص کو جنت کی میراث سے محروم کر دیگا جنت کی میراث کی طرف قرآن کریم میں اس طرح اشارہ ہے "تلك الجنة التي اور ثتموها" میراث کے اس اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے لئے جنت میں سیٹ اور جگہ متعین ہے اور اسی طرح دوزخ میں بھی ایک سیٹ اور جگہ متعین ہے اگر یہ شخص جنت نہیں جا سکا تو دوسرے آدمی کی سیٹ اس کو مل جاتی ہے یہ گویا جنت کی میراث ہے۔ [۳] شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر انسان کی دو سیٹوں کا ذکر اس طرح کیا ہے "ولما كان لكل مكلف مقعد في الجنة ومقعد في النار" الخ۔ (لمعات برحاشیہ مشکوٰۃ ص ۲۸۵)

بہرحال جو شخص دنیا میں کسی عزیز کی میراث کو کاٹ کر خراب کرتا ہے اللہ تعالیٰ جلّ جلالہ قیامت کے دن اس شخص کی میراث کو خراب کر دیگا۔ [۴]

علامہ طیبی نے اس سزا میں ربط و مناسبت کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے ان کی عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو: قیامت میں جنت سے اس شخص کی میراث ختم کر دینا اس شخص کی انتہائی ناکامی اور مایوسی کی طرف اشارہ ہے دونوں میں مناسبت اس طرح ہے کہ مثلاً دنیا میں کسی شخص کا وارث عرصہ دراز سے اس انتظار میں ہوتا ہے کہ میں اپنے مورث کی میراث تک پہنچ

[۱] المرقات: ۶/۲۵۹ [۲] اخرجہ ابن ماجہ: ۲/۹۰۲ [۳] المرقات: ۶/۶۲۰ اشعۃ المعات: [۴] اشعۃ المعات:

جاؤں گا جب قریب ہوجاتا ہے تو مورث اس شخص کی میراث کو کاٹ کر اس کو مایوس کرتا ہے اسی طرح جب یہ مورث جنت کے انتظار میں رہتا ہے اور امید لگائے بیٹھا ہے کہ ابھی مجھے میرا مقام مل جائے گا اور جنت کی میری میراث مل جائے گی تو اللہ تعالیٰ اس سے جنت کی میراث کاٹ دیتا ہے تو انتہائی امید اور انتظار کے بعد اس کو مکمل مایوسی ہوجاتی ہے اور ناکام ہوجاتا ہے اور **کما تدین تدان** کے مکافات عمل کا مزہ اس کو چکھایا جاتا ہے اور اس کو "**جزاء الفعل بمثل مافعل**" کا پورا پورا حساب مل جاتا ہے۔اور "**جزاء سیئة سیئة بمثلها**" کا مکمل نقشہ اس کے سامنے آجاتا ہے حالانکہ ان سے بار بار کہا گیا تھا کہ "**هل جزاء الاحسان الا الاحسان**" کے ضابطے پر کاربند رہا کرو تا کہ تم کامیاب رہو۔[1]

الحمدللہ آج بروز جمعہ مورخہ ۲۴ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ بوقت صبح گیارہ بجے دن کو میں توضیحات کی جلد رابع کی تحریر سے فارغ ہوا یہ جلد درحقیقت تیسری جلد تھی لیکن صفحات کے زیادہ ہونے سے اس کو دو جلدوں میں تقسیم کرنا پڑا لہٰذا زیر نظر جلد ترتیب کے اعتبار سے چوتھی جلد ہے اور کتاب النکاح سے کتاب الجہاد تک جو جلد اس سے پہلے چھپ گئی تھی اور چوتھی جلد کے نام سے شائع ہوگئی تھی اب وہ پانچویں جلد شمار ہوگی۔ بڑی محنت ومشقت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے تکمیل کے مرحلہ تک پہنچا دیا میں اس پروردگار کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں اور کہتا ہوں۔

اللهم لك الحمد كماينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطانك اللهم لامانع لمااعطيت ولامعطي لمامنعت ولاينفع ذاالجد منك الجد ياكريم اللهم لاتخزني فانك بي عالم ولاتعذبني فانك علي قادر لك الحمد في الاولىٰ والأخرة ولك الشكر في البداية والنهاية .انت العظيم وانت الكريم وانت على كل شيءٍ قدير.

وصلى الله تعالىٰ على خيرخلقه وصفوة بريته سيدنا محمدسيدنا الاولين والأخرين وعلى اٰله واصحابه اجمعين برحمتك ياارحم الراحمين.

جمعہ ۲۴ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ
مطابق ۴ فروری ۲۰۰۵ء

[1] الکاشف: ۶/۲۳۳